وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

سیرت سیّد البشر ﷺ

حصّہ اوّل

پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ
عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (الصف ۶۱:۹)
وہی ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ
بھیجا تا کہ سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک بُرا منائیں۔

سیرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ اوّل

مصنف

پروفیسر (ر) غلام رسول چیمہ
ایم۔اے، ایل ایل بی

چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز
PUBLISHERS
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور فون: 042-37233909-37243055

نام کتاب : سیرت سید البشر ﷺ (حصہ اوّل)
مصنف : پروفیسر (ر) غلام رسول چیمہ۔ایم اے۔ایل ایل بی
کمپوزنگ : رفاقت علی/تاج کمپوزنگ سنٹر
ناشر : چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز
پریس : اے۔وائی پرنٹرز، آؤٹ فال روڈ لاہور فون: 37151047
اشاعت : 2011ء
قیمت : -/820 روپے

نوٹ:

قارئین سے درخواست ہے کہ ہماری تمام تر کوشش (اچھی پروف ریڈنگ معیاری پرنٹنگ) کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی لفظی غلطی یا کوئی اور خامی رہ گئی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس غلطی یا خامی کو دُور کیا جائے۔شکریہ (ادارہ)

چوہدری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز
الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور فون: 042-37233909-37243055

انتساب!

پیارے بھانجے سرفی (کمانڈر سرفراز واہلہ) کے نام

جنھوں نے

اپنی پیاری والدہ مرحومہ کی بیماری پر اپنے گھر کا اثاثہ بیچ دیا

فہرست

معجزہ دعائے قبولیت۔ (دعائے عفت۔ قریش پر عذاب آنا اور اس کا دور ہونا۔ روسائے حق میں بددعا۔ حضرت عمر کا اسلام لانا۔ مرض نسیان کا دور ہونا۔ سلطنت کسریٰ کی تباہی)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بعض اہم پہلو (رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت معمار ملت نو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت کامل نبی (کامل نمونہ) نبی کریم بحیثیت ماہر معاشیات۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت ماہر عمرانیات۔ نبی کریمؐ (ایک سیاسی مفکر) بحیثیت حکمران۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت مقنن و جج۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت سپہ سالار۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت ایک داعی پیغام امن عالم۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت ایک مبلغ (داعی الی الاسلام) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت معلم۔ افصح العرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ رسول کریم ﷺ بحیثیت ایک انقلابی قائد۔ رسول کریم ﷺ کی مذہبی پالیسیاں۔ رسول کریم ﷺ بحیثیت طبیب۔ ۴۶۱ تا ۶۵۶

تقدیم

سیرت سید البشرؐ لکھنے کے اغراض

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ پر بے شمار کتب تصنیف ہو چکی ہیں اور مستقبل میں نہ معلوم کتنے خوش نصیب اس مبارک موضوع پر قلم اٹھائیں گے۔ عاجز نے سیرت مبارکہ پر کام کرنے کا ارادہ کیا ہے (وما توفیقی الا باللّٰہ) میرا یہ کام تین حصوں پر مشتمل ہوگا۔ کتاب کا پہلا حصہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک ہے۔ اس حصہ میں آپ کی وفات تک کی زندگی کے حالات' اخلاق' خصائل' معجزات اور زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔ دوسرے حصے میں آپ کی تعلیمات یعنی عقائد' عبادات' اخلاقی نظام' سیاسی نظام' معاشرتی نظام اور اقتصادی نظام پر بحث ہوگی۔ تیسرا حصہ ان اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہوگا جو مخالفین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات پر کیے ہیں۔

اس کتاب کے لکھنے کی سب سے بڑی غرض حصول رضائے الٰہی ہے کیونکہ روز محشر صرف رضائے الٰہی ہی بہترین زاد ہوگا۔ اس زاد المعاد کے حصول کے لیے یہ ناتمام سعی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری اس ناتمام کوشش کو قبول فرمائے اور قیامت کے دن اپنی رضا اور خوشنودی کے سایہ میں جگہ دے۔ دوسری غرض لکھنے کی یہ ہے کہ مسلمانوں کی ترقی اور کامیابی کا راز اسوۂ نبی کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے میں ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ سیرت نبی پر جتنی کتب کثرت سے شائع ہوں گی اور مسلمانوں کے ہاتھ میں جائیں گی۔ اتنی ہی ان کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عقیدت علمی اور عملی رنگ میں مضبوط ہوگی۔ یہی وہ عقیدت تھی جس نے عرب میں ایک صحت مند انقلاب برپا کیا۔

تیسری غرض اس کتاب کے لکھنے کی یہ ہے کہ دنیا مادی میدان میں ایک دوسرے سے تیزی کے ساتھ سبقت لے جانے کی کوشش کر رہی ہے اس مادی ترقی کے ساتھ ان کے دل مذہبی اقدار سے خالی اور عاری ہیں۔ یہ مذہبی اور روحانی بحران دنیا کو تباہی و بربادی کی طرف لے جا رہا ہے۔ اب دنیا کی نجات صرف اور صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور تعلیم میں مضمر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا ایک ایسے مذہب کی جویاں اور متلاشی ہے جس کی تعلیم لوگوں کے قلوب کو اطمینان بخشے اور اپنی ناتمام اور حقیر کوشش سے یہ ثابت کرنے کی سعی کروں گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور آپ کی تعلیم ہی دنیا کو تباہی اور بربادی سے نجات دلا سکتی ہے۔

چوتھی غرض یہ ہے کہ متعصب مخالفین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ پر جو ناپاک اور بے بنیاد اعتراضات کیے ہیں۔ ان اعتراضات کے جوابات دینے کی کوشش کروں گا گو یہ کام بہت مشکل اور کٹھن ہے خدا سے دعا ہے کہ مجھے اس کام کے مکمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

غلام رسول

15- کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور

اظہارِ تشکر

سب سے پہلے رب العالمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جس نے اپنے اس ناچیز پر معاصی بندے کو سیرت رسولؐ پر لکھنے کی توفیق دی۔

اس کے بعد اپنے ان اساتذہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جن کے علمی فیوض سے مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی ہے کہ اس مبارک موضوع پر قلم اٹھا سکوں ان اساتذہ میں ڈاکٹر عابد احمد علی صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج سرگودہا) پروفیسر مولوی عبدالحی ایم اۓ پروفیسر چودھری نذیر احمد صاحب ایم اۓ پروفیسر محمد طفیل صاحب ناز ایم اۓ ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ایم اۓ پی ایچ ڈیٔ شعبہء سیاسیات پنجاب یونیورسٹیٔ ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب ایم اۓ پی ایچ ڈی (سابق رئیس شعبہ عربی و اسلامیات گورنمنٹ کالج لاہور) ڈاکٹر ضیاء الحق صاحب (سابق رئیس شعبہ اسلامیات و عربی گورنمنٹ کالج لاہور) پروفیسر عبدالقیوم صاحب ایم اے (گورنمنٹ کالج لاہور) پروفیسر ابوبکر غزنویٔ حافظ نور الحسن صاحبؒ مولوی عبدالصمد صارمؒ ڈاکٹر فضل محمود صاحب ایم اۓ پی ایچ ڈی ہیں۔ جن کی علمی صحبتوں اور پُرکشش دروس کی وجہ سے میرا دل و دماغ حصول علم کی طرف مائل ہوا۔

ان اساتذہ کے علاوہ میرے ایک اور محترم و مکرم استاد مولوی عبدالرحمٰن فاضل ازہر یونیورسٹی اور مرزا محمد حسین بی کام ہیں جن کی علمی صحبت سے میں بہت متاثر اور مستفیض ہوا ہوں اور میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا کی آج وہ سیرت نبویؐ کی صورت میں منصہٴ شہود پر آ رہی ہے۔

اساتذہ کا شکریہ ادا کرنے کے بعد ناسپاسی ہوگی اگر چند ان محسنوں کا ذکر نہ کروں جن کے احسانات کے نیچے میرا دل و دماغ دبا ہوا ہے۔ وہ میرے مخلص اور مہربان دوست چودھری محمود انور صاحب بھلی چک نمبر ۹۸ شمالی سرگودہاؒ مبشر احمد باجوہ آف فقیر والیٔ ضلع نارووالٔ چودھری منور نصر اللہ مرحوم رئیس ڈسکہ اور میجر چودھری محمد یونس صاحب مرحوم راولپنڈی، عبداللطیف صاحب بیگم پوری ۴۳ نسبت روڈ لاہور اور چودھری بشارت احمد گھمن چک نمبر 98 شمالی ہیں۔ ان کی مالی نوازشات کی وجہ سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے قابل ہوا تھا۔ ان دوستوں کے اخلاص اور محبت کا کیسے حق ادا کروں اور کہاں سے وہ مجموعہء الفاظ ڈھونڈوں جن کے ذریعہ اپنے دلی جذبات کا اظہار کرسکوں میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالٰی ان حضرات کو دین و دنیا میں برگ و بار آور کرے اور ہر شعبہ حیات میں کامیابی و کامرانی سے ہم کنار کرے۔

غلام رسول

15- کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤنٔ لاہور

نیا ایڈیشن

خاکپائے محمدیہ عاجز سیرت سید البشر کا نیا ایڈیشن پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ مدت سے یہ خواہش تھی کہ سیرت سید البشر کو دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق از سر نو ترتیب کر دوں لیکن کوئی ایسا پبلشر نہیں مل رہا تھا۔ کہ مجھ جیسے گمنام اور بے نام مصنف کی کتاب شائع کرے۔ کیونکہ یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہو گی اور ہر حصہ کافی ضخیم ہو گا اور کافی خرچ اٹھے گا ادارہ علم و عرفان کے مالک و پبلشر گل فراز صاحب میرے شکریہ کے بہت ہی مستحق ہیں۔ جنھوں نے سیرت کی اس کتاب کو شائع کرنے کی حامی بھری اور میں پہلے ایڈیشن کو مزید اضافوں اور تبدیلیوں کے ساتھ پیش کر رہا ہوں اور میری یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہوتی ہے یہ قارئین ہی فیصلہ کریں گے۔ قارئین حضرات سے یہ درخواست ہے کہ اس کتاب میں کوئی کمی یا علمی خامی پائیں تو مجھے مطلع کریں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اس خامی کی اصلاح کی جا سکے۔ حقیقت یہ ہے کتب قارئین کی عمیق نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد ہی خوبصورتی کا لباس پہنتی ہیں۔ جتنی عمیق نظر سے قارئین کتاب کا مطالعہ کریں گے اور کتاب کی علمی خامیوں سے مصنف کو آگاہ کیا جائے گا۔ ان خامیوں کی اصلاح کے بعد کتاب مزید بلند علمی مقام حاصل کرے گی۔

غلام رسول

15- کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور

سیرت سید البشر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اشاعت مزید اضافوں کے ساتھ

سیرت سید البشر (صلی اللہ علیہ وسلم) مزید اضافوں کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ یہ اضافے پروفیسر ڈاکٹر جاوید اختر کی ہدایات کے تحت کیے گئے ہیں۔ اسی طرح بعض موضوعات جو سیرت کے دوسرے حصے میں آ گئے ہیں۔ اس حصہ سے حذف کر دیئے گئے ہیں۔ باوجود اضافوں کے کتاب کا حجم بہت کم ہو گیا ہے۔ اب قارئین اس کتاب میں جو حسن اور خوبی پائیں گے وہ پروفیسر صاحب کی ہدایت کے مطابق ہوئی ہے۔

پروفیسر جاوید میرا گورنمنٹ کالج گوجر خان میں رفیق کار تھا۔ گو صالحیت، متانت، شرافت ان کے چہرے سے نمایاں ٹپکتی تھی لیکن نوعمری کی وجہ سے مطالعہ کا دلدادہ نہیں پایا تھا۔ جب ان کا تبادلہ بہاول پور ہو گیا تو موصوف کو پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر ڈائریکٹر سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور کی صحبت میسر آئی تو جاوید کے اندر سے علم سے محبت کا خوابیدہ جذبہ جاگ اٹھا اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر لی۔ اب جاوید کا اوڑھنا بچھونا علوم اسلامیہ کی خدمت ہے۔ یہ بات یقینی ہے جاوید اختر ’’کچھ بھی ہے وہ پروفیسر عبدالرؤف ظفر کی علمی صحبت کا نتیجہ ہے۔ پروفیسر ظفر علوم قدیمہ اور جدیدہ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ کئی علمی کتب کے مصنف ہیں۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کی ایک علمی تحقیق ’’علوم الحدیث فنی، فکری اور تاریخی مطالعہ‘‘ ہے۔ اگر یہ کتاب ترازو کے ایک پلڑے میں اور ہیرے جواہرات دوسرے پلڑے میں رکھ کر تولا جائے تو اس کی قیمت ادا نہیں ہو سکے گی۔ میں تو حیران ہوں اس علمی اور تحقیقی کتاب کے مصنف کو صدارتی ایوارڈ کیوں نہیں ملا۔ اسی طرح میں بھی کہہ سکتا ہوں۔ پروفیسر خالد علوی مرحوم نے جتنی علمی خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے! بہرحال حکومتوں کے اپنے پیمانے ہوتے ہیں۔ انہی میں ناپ تول کر انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ بات ڈاکٹر جاوید کی ہو رہی تھی۔ ان کی صالحیت اور دینداری کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ موصوف کے تمام بچے حافظ قرآن ہیں اور ان کا گھر اسلامی تعلیم کا نمونہ ہے۔

برسبیل تذکرہ چند دوستوں کا ذکر ضرور کروں گا وہ ہیں ڈاکٹر عاشق مصطفےٰ رئیس شعبہ علوم اسلامیہ ایس۔ ای کالج بہاول پور، پروفیسر عبداللطیف بھٹی ریٹائرڈ پروفیسر (اردو) گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ، حال وائس پرنسپل سپئیر سائنس کالج (گوجرانوالہ) سید ناصر احمد ابن آفتاب احمد مرحوم (لندن) ڈاکٹر رشید احمد ابن قاضی عبدالرشید ایڈووکیٹ مرحوم (امریکہ) پروفیسر سمیع اللہ قریشی سابق پرنسپل اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور حال (جھنگ) پروفیسر ظفر علی صاحب (ر) پروفیسر امجد علی شاکر (پرنسپل) اور پروفیسر شیخ توقیر احمد (ر) جب ان احباب کی خدمت میں اپنی کوئی تصنیف پیش کرتا ہوں تو ان کے چہروں پر ایک نمایاں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس خوشی اور انبساط کے اظہار سے میں ایک خفت سی محسوس کر رہا ہوتا ہوں۔ بہرحال یہ حضرات اپنے قلبی تعلق کی بناء پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ میں ان کے لیے دعا گو ہوں ایک اور مرحوم دوست میجر محمد یونس صاحب (راولپنڈی) کا ذکر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں یہی وہ شخص ہے جنھوں نے سیرت کے موضوع پر لکھنے کے لیے بذریعہ خط زور دیا۔ باوجود اپنی علمی اور اخلاقی خامیوں اور کوتاہیوں کے آخرت کے سفر کے لیے بطور زاد راہ اس مقدس موضوع پر لکھنے کا ارادہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے ارادہ کی تکمیل کی توفیق دے۔

غلام رسول

15- کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

فون نمبر: 042-5412759

مطالعہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت، ارتقاء اور اہم مآخذ

لفظی معنی

لفظ سیرۃ کے لغوی معنی چل پڑنا، راستہ لینا' رویہ یا طریقہ اختیار کرنا' روانہ ہونا' عمل پیرا ہونا وغیرہ ہیں۔ اس طرح سیرت کے معنی حالت' رویہ' طریقہ' چال کردار' خصلت اور عادت کے ہیں۔

یہ لفظ باطنی صورت پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اردو میں تعمیر سیرت' سیرت سازی' نیک سیرت بدسیرت الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ تمام الفاظ انسان کی باطنی صورت پر استعمال ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں لفظ سیرت کا استعمال

قرآن مجید میں لفظ ''سیرت'' صرف ایک جگہ آیا ہے۔ یعنی سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ (طٰہٰ : ۲۱) کہ ہم اسے اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ اس آیت میں حضرت موسیٰ ؑ کے عصا (لاٹھی) کا سانپ بن جانے کے بعد دوبارہ اصلی حالت میں آ جانے پر یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس آیت میں لفظ سیرت حالت اور کیفیت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

ابتدائی دور میں لفظ سیرت کا استعمال

لفظ سیرت اہم شخصیتوں کے سوانح حیات اور اہم تاریخی واقعات کے بیان کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے۔ مثلاً ''سیرت عائشہ'' یا سیرت المتاخرین (یہ کتابوں کے نام ہیں)۔ کتب فقہ میں ''السِّیَر'' جنگ وقتال کے متعلق احکام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابتدائی سیرت کی کتابوں میں غزوات کا ذکر خاص اہمیت رکھتا ہے اس لیے ابتدائی دور میں کتب سیرت کو عموماً ''مغازی وسیر'' کی کتابیں کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترکیب استعمال ہونے لگی۔

سیرت کا اصطلاحی مفہوم

ایک طویل تاریخی عمل کے بعد لفظ سیرت' ایک اصطلاح بن گیا ہے۔ اب جس جگہ بھی لفظ ''سیرت'' استعمال ہوگا۔ اس سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و اعمال ہیں۔ لہٰذا سیرت' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و اعمال اور دیگر احوال کے مجموعے کا نام ہے۔

قرآن مجید میں لفظ سیرت کا مترادف

قرآن مجید میں لفظ اُسوۃ' سیرت کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اُسوہ کے معنی ہیں نمونہ۔ ارشاد الٰہی ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱) ''تمہارے لیے اللہ کے رسول بہترین نمونہ ہیں۔''

حدیث میں لفظ سیرت کا مترادف

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنَّا ''جس نے میرے طرز حیات کو چھوڑا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

(شریعت اسلامی کا دوسرا ماخذ)

دینی اور شرعی اہمیت

ارشاد الٰہی ہے۔ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (حشر:۷) ''جو کچھ رسول تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کر دے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۳۱) ''اے نبی کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو۔ تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ (الاحزاب:۲۱) ''تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو۔''

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ''ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے۔''

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸۰) ''اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (محمد:۳۳) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرلو۔''

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء:۵۹) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اللہ کے رسول کی اور ان لوگوں کو جو تم میں سے اولی الامر (حاکم) ہوں پھر اگر تمھارے درمیان جھگڑا ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو اگر تم اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (آل عمران:۱۳۲) ''اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ''یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو حکم مانے اللہ اور اللہ کے رسول کا اللہ اسے ایسے باغ میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

(ب) حدیث کی رو سے دلیل

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کتاب اور سنت (سیرت) کو ایک حکم میں رکھ کر امت مسلمہ کو ان پر چلنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ''اِنِّىْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِىْ (الموطا کتاب القدر، ۲:۸۹۹) ''یعنی میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک تم انھیں تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔

اس حدیث میں سنت سے مراد سیرت رسول ہے۔ جس کے تمسک سے مسلمان کامیاب ہو سکتے ہیں۔

فرمایا مَنْ اَطَاعَنِىْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِىْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ ''جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔''

فرمایا ''میری تمام امت جنت میں داخل ہو گی سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ (صحابہ نے) کہا کون انکار کرتا ہے؟ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔ (صحیح بخاری کتاب الاعتصام ۶:۲۶۵۵)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں کی نسبت زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' (صحیح بخاری)

''جس نے میری سنت (سیرت) سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔''

فرمایا ''میری اور ان چیزوں کی جو میں (اللہ کی جانب سے) لے کر آیا ہوں مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک شخص نے اپنی قوم سے کہا کہ اے اہل قوم میں نے ایک لشکر دیکھا اور میں اس ہی جانب تمہیں متوجہ کرتا ہوں اور تمھیں اس لشکر سے خبردار کرتا ہوں۔ لہٰذا تم اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرو۔ اس وعید سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا اور راتوں رات وہاں سے نکل پڑے اور اپنی جانوں کو محفوظ کر لیا۔ لیکن ایک گروہ ایسا بھی تھا۔ جس نے اس وعید کی جانب توجہ نہ کی اور اس ڈرانے والے کی تکذیب کی ان کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا کہ جب انھوں نے صبح کی تو غنیم کا لشکر انھیں گھیر چکا تھا اس نے ان پر حملہ کیا اور انھیں تباہ و برباد کر دیا۔

یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنھوں نے میری اور میرے احکام کی تعمیل کی انھوں نے فلاح و نجات پائی۔ لیکن جنھوں نے نہ تو میری اطاعت کی اور نہ میرے احکام پر عمل کیا۔ انھوں نے حق کو جھٹلایا اور تباہ و برباد ہو گئے۔''

قرآن مجید میں بارہا ادائیگی نماز کا حکم دیا ہے مگر کیسے ادا کی جائے یہ نہیں بتایا۔ اس پر صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو آپ نے جواب دیا صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ (صحیح بخاری) ''جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح پڑھو'' حج کے متعلق بھی یہی فرمایا۔

تو مذکورہ قرآنی آیات اور ارشادات اور فرامین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی اہمیت اور ضرورت کو واضح کرتے ہیں کہ بنی نوع انسان کی ہدایت کا سرچشمہ سیرت رسول ہے اور اسلام کے احکام کا دوسرا ماخذ ہے۔

(ج) اقوال صحابہ کی رو سے دلیل

ترمذی، ابو داؤد، دارمی، بیہقی اور ابن سعد اور ابن البر نے روایت کی کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا کہ اگر تمھارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ انھوں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا پوچھا اگر کتاب اللہ میں اس کا ذکر نہ ہو تو؟ انھوں نے جواب دیا پھر میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا اگر سنت رسول میں نہ پاؤ تو؟ انھوں نے جواب دیا تو پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کا سینہ ٹھونکا اور فرمایا؟ ''حمد ہے اس خدا کے لیے جس نے اللہ کے رسول کے فرستادہ کی رائے کو اللہ کے رسول کی مرضی کے موافق کر دیا۔''

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے صحابہ کو سر منڈوانے اور احرام کھول دینے کا حکم دیا مگر انھوں نے ذرا تامل کیا آپ پر یہ چیز شاق گزری آپ نے خود پہلے سر منڈوایا اور احرام کھولا تب صحابہ کرامؓ نے فوراً آپ کے اتباع میں سر منڈوائے اور احرام کھول دیئے۔ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ سونے کی انگوٹھی کو اتار کر پھینک دیا اور آپ نے فرمایا کہ میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا۔ صحابہ جن کے پاس سونے کی انگوٹھیاں تھیں سب نے اتار کر پھینک دیں۔

(د) فقہاء کے اقوال کی رو سے دلیل

امت مسلمہ میں جتنے فقہاء گزرے ہیں ان میں سب نے اپنے فکر کی بنیاد قرآن مجید اور سیرت (اقوال و اعمال) رسول پر رکھی ہے۔ کسی نے بھی سیرت رسول سے ہٹ کر صرف قرآن مجید ہی کو اپنا مرجع و ماویٰ نہیں سمجھا۔ سب نے قرآن کے ساتھ ساتھ سیرت رسول کو اپنے فکر کے لیے ضروری ماخذ و مصدر قرار دیا ہے۔ تمام فقہاء کا یہ عمل اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سیرت رسول فقہاء کے فکر کا ماخذ و مصدر تھی۔ اس سے روشنی حاصل کرتے تھے۔

حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں: اِیَّاکُمْ وَالْقَوْلَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ بِالرَّاْءِ وَعَلَیْکُمْ بِاِتِّبَاعِ السُّنَّةِ فَمَنْ خَرَجَ مِنْھَا ضَلَّ (قواعد الحدیث: ص ۲۳) ''اللہ کے دین کے معاملہ میں رائے اور قیاس سے بچو اور سنت (سیرت) کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ جو سنت (سیرت)

سے نکلا وہ گمراہ ہوا۔

حضرت امام مالک فرماتے ہیں: ''ہر شخص کی بات کو اختیار بھی کیا جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔ سوائے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آپ کے قول کو ہر حال اپنانا ہی پڑے گا۔ جس نے رسول کے قول (سیرت) کو رد کیا وہ ہلاکت و تباہی کے کنارے پر پہنچ گیا۔'' (کتاب المناقب ابن الجوزی ص ۱۸۲)

مذکورہ بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے آپ کی سنت اور سیرت کو حجت مطلقہ قرار دیا ہے۔

۲۔ سیرت رسول اسلام کی صداقت کا ذریعہ ہے

دین اسلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔ اس کی صداقت کا ثبوت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہے۔ جب آپ پر غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی۔ تو اصلاح عالم کی ذمہ داری کا احساس اپنے دل میں لیے ہوئے گھر لوٹے حضرت خدیجہ سے تمام ماجرا کہہ سنایا آپ کی پاک بیوی نے آپ کی پہلی زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے پیغام خداوندی کو سچ جانا اور ایمان لے آئیں اور آپ کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ ''اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں ہونے دے گا۔ اور کبھی ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھنے نہیں دے گا۔'' اس کی وجہ یہ بیان کی کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں بے کسوں کے معاون و مددگار ہیں۔ مہمان نوازی کا پورا حق ادا کرتے ہیں۔ مظلوموں کی جائے پناہ ہیں مسافروں کا ملجا و ماویٰ ہیں مصائب میں حق کے مددگار ہیں۔ جس آدمی میں یہ اوصاف ہوں وہ بھلا کیسے ضائع ہو سکتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیا ''فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ'' کھول کر بیان کر دے جس کا تجھے حکم دیا گیا ہے۔ تو آپ نے صفا پر چڑھ کر قریش کو بلایا جب لوگ جمع ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک جرار لشکر آ رہا ہے تو تم یقین کر لو گے؟ سب نے بیک زبان ہو کر کہا۔ ''کیونکہ آپ ہمیشہ جادہ راست پر گامزن رہے ہیں۔ اور ہم سے امین کا لقب پایا۔ ہم آپ کو جھٹلا نہیں سکتے۔ اس موقعہ پر بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے سامنے اپنی پہلی زندگی یعنی اپنی سیرت اسلام کی صداقت کے لیے پیش کی اور کسی کافر نے بھی آپ کی سیرت پر کوئی معمولی سا الزام نہ لگایا۔ حضرت ابوبکر کے سامنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام پیش کیا۔ تو اسلام کی صداقت پر کوئی دلیل طلب نہیں کی۔ صرف آپ کی سیرت کی وجہ سے ہی آپ ایمان لے آئے کیونکہ دعویٰ نبوت سے قبل آپ نے بے داغ زندگی گزاری تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی (سیرت) کو اسلام کی صداقت کی دلیل ٹھہرایا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس ۱۰:۱۶) ''پس میں تمہارے اندر زندگی گزار چکا ہوں کیا تم عقل نہیں کرتے۔''

اس آیت مبارکہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کو اسلام کی صداقت کی دلیل اول قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پاکیزہ اور مقدس اور معصوم زندگی بسر کرنے کی وجہ سے ''برھان'' قرار دیا ہے۔ یعنی آپ کی سیرت دین اسلام کی حقانیت کے لیے ایک برہان ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (النساء ۴:۱۵) ''اے لوگو! بے شک تمہارے پاس رب کی طرف سے (اسلام) کی قطعی دلیل آ گئی ہے۔''

۳۔ سیرت نبوی کی تشریحی حیثیت

اس سے مراد شریعت اسلامیہ کی وہ قانون سازی ہے۔ جو قرآن مجید سے براہ راست معلوم نہیں ہوتی بلکہ سیرت رسول سے عمل میں آتی ہے۔ اسلام میں بہت سے شرعی احکام ہیں جو قرآن مجید میں نازل نہیں کیے گئے بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآنی روح کو سامنے رکھ کر خود ارشاد فرمائے ہیں۔ وہ صرف احادیث کے ذریعہ ہی ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً روزہ توڑنے کا کفارہ ساٹھ مسلسل روزے یا ساٹھ مساکین کا کھانا۔ مردوں کے لیے سونے اور ریشم کی حرمت۔ حرمت شراب کا حکم قرآن مجید میں ہے۔ لیکن اس کی سزا قرآن نے نہیں بلکہ سنت نبوی نے متعین کی۔ وہ اسی کوڑے ہیں۔ مقدمات میں قوانین شہادت اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ ''ثبوت دینا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم جو انکار کرے۔ یعنی مدعا علیہ پر۔''

گویا اسلام اور احکام شریعت سمجھنے کے لیے قرآن مجید اور سنت اور سیرت دونوں کا جاننا ضروری ہے۔ دونوں میں سے کسی کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا جا سکتا۔ اسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الموت میں فرمایا۔ اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَاتَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا کِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتِیْ (الموطا کتاب القدر ۲: ۸۹۹ للبیہقی للحاکم جامع بیان العلم) ''میں تمھارے اندر دو امر چھوڑے جا رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور اپنی سنت۔ اگر تم ان دونوں کو تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔''

۴۔ سیرت رسول حصول ہدایت کا ذریعہ ہے

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے کلام اور عمل دو راستے متعین کیے ہیں۔ کلام نبی پر نازل کیا اور پھر نبی نے اس کلام پر عمل کیا اور نبی نے لوگوں کو اس کلام کی دعوت دی جس پر اس نے خود عمل کر کے دکھایا۔ یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے نبی چنے ان پر اپنے احکام نازل کیے۔ گویا انسان جہاں زبانی کلام کا محتاج ہے وہاں نمونہ کا بھی محتاج ہے۔ اگر صرف زبانی کلام نازل کر دیا جاتا اور اس کے ساتھ نمونہ نہ ہوتا۔ تو لوگ ہدایت پر نہ چل سکتے۔ اسی وجہ سے اسلام نے سنت (سیرت) رسول کی پیروی کو لازمی قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر حصول ہدایت کے لیے سیرت (سنت) رسول کی پیروی لازمی قرار دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (النور ۲۴: ۵۴) ''اگر تم اس رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔'' دوسری جگہ آتا ہے۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب ۳۳: ۲۱) ''بے شک اللہ کے رسول میں تمھارے لیے عمدہ نمونہ ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے: وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ (الاعراف ۷: ۱۵۸) ''اس رسول کی (سیرت) کی اتباع کرو تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔''

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے: وَکَیْفَ تَکْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَفِیْکُمْ رَسُوْلُهٗ وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (آل عمران ۳: ۱۰۱) ''اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو۔ حالانکہ تم وہ ہو کہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول ہے اور جو اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے۔ وہ یقیناً سیدھی راہ کی طرف ہدایت پا گیا ہے۔''

اس آیت میں آیات الٰہی (کلام الٰہی) اور سیرت رسول دونوں کو ہدایت کے لیے لازم قرار دیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی اپنی سیرت کو موجب ہدایت قرار دیا فرماتے ہیں۔ فَاِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰهِ وَاَحْسَنَ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ (صحیح بخاری کتاب الاعتصام ۲: ۱۰۸۰) ''بے شک سب سے بہتر کلام اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر راستہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راستہ ہے۔''

۵۔ مطالعہ سیرت کی تاریخی اہمیت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ایک تاریخی پہلو بھی ہے۔ اس تاریخی پہلو کے لحاظ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ دنیا میں جتنی بھی بڑی بڑی شخصیات ہو گزری ہیں خواہ وہ سیاسی ہیں خواہ وہ مذہبی ہیں خواہ وہ علم اور فلسفہ کے میدان میں نمایاں ہیں۔ ہر جہت سے اس کی تاریخ مکمل نہیں اس کی زندگی کے کئی ایسے پہلو ہوں گے۔ جو پردۂ تاریکی میں ہیں۔ دنیا میں صرف ایک ہی ایسی شخصیت ہے۔ جس کی زندگی کے تمام پہلو روشن ہیں۔ زمانۂ پیدائش سے لے کر وفات تک آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ منضبط کر لیا گیا ہے۔ جو انسانی ہدایت کے لیے درکار ہے۔ دنیا کا کوئی شخص خواہ اس کا تعلق کسی شعبہ سے ہو۔ وہ آپ کی سیرت سے روشنی حاصل کر سکتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سراج منیر کہا ہے۔ جس طرح کائنات کی ہر چیز سورج کی روشنی کی محتاج ہے اور پھر اس سے روشنی حاصل کر رہی ہے۔ اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے ہر شخص، روشنی حاصل کر رہا ہے۔ خواہ وہ عام شہری ہو۔ یا حاکم' کوئی شوہر ہو یا کسی کا باپ' مذہبی راہنما ہو یا سیاسی راہنما۔ مدعی ہو یا جج' عالم ہو یا حکیم فلسفی۔ غریب ہو یا امیر۔ آزاد ہو یا اسیر۔ بچہ ہو یا جوان یا بوڑھا۔ الغرض زندگی کے ہر شعبہ کا ہر شخص آپ کی ذات بابرکات سے روشنی حاصل کر سکتا ہے۔

۶۔ سیرت رسول کی سماجی و عمرانی اہمیت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا یہ پہلو اپنے اندر بڑی اہمیت لیے ہوئے ہے کیونکہ حضور نے نظام کہن (عرب) بلکہ ساری دنیا کا سماجی اور عمرانی اور سیاسی ڈھانچہ) کی عمارت کو پیوند خاک کر کے ایک نیا سماجی عمرانی اور سیاسی ڈھانچہ قائم کیا تھا۔حضور کی بعثت سے قبل عرب مختلف نسلوں اور قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ یک جہتی مفقود تھی۔ ہر قسم کی برائی کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔شراب خوری اور قمار بازی کو سخاوت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔قتل و غارت کو شجاعت' بے حیائی پر فخر کیا جاتا تھا۔عورت حقوق سے محروم تھی۔ دولت کی تقسیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا۔مرکزی حکومت کا کوئی وجود نہ تھا۔علم کے زیور سے لوگ عاری تھے۔عدل و انصاف کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ عرب سے باہر تمام متمدن ممالک میں شہنشاہیت تھی۔ رعایا حقوق سے محروم تھی۔ ان حالات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں رسول بن کر آئے۔آپ نے نظام کہن (پرانا نظام) کو صفحہ ہستی سے مٹایا۔اس کی جگہ ایک ایسا نظام نو دیا' جس میں لوگوں کا بااخلاق ہونا ضروری تھا۔ مساوات اور اخوت کو نئے نظام کی بنیاد قرار دیا گیا۔صرف اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو سخاوت کا نام دیا گیا۔اللہ کی راہ میں جان دینے کو ہی شجاعت' عورت کو تمام انسانی حقوق دیئے گئے۔ مال و دولت پر زکوۃ فرض کی گئی۔ امراء کی دولت میں غرباء' مساکین' حاجت مندوں کو حصہ دار کیا گیا' انسانی حقوق عطا کے گئے۔تعلیم وخواندگی کو فروغ دیا گیا۔عادلانہ نظام قائم کیا گیا۔غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا گیا۔ عائلی و ازدواجی قوانین۔فوجداری قوانین' بقاء باہمی معاہدات کے قوانین نافذ کیے گئے۔غرض کہ زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہ تھا۔جس میں صحت مند انقلابی اصلاحات کو نافذ نہ کیا گیا ہو۔لہٰذا ان انقلابی اصلاحات کے مطالعہ کے لیے سیرت نبوی کا مطالعہ ضروری ہے۔

۷۔ مطالعہ سیرت کی علمی اہمیت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ دور حاضر کی علمی اور ثقافتی ضرورت ہے۔آپ کی بعثت سے قبل یونان کے علاوہ کہیں بھی علم کی شمع روشن نہ تھی۔ لیکن یونان میں بھی علم مخصوص لوگوں کے لیے تھا۔عرب تو خاص طور پر جہالت کا گہوارہ تھا۔آپ کی بعثت کے وقت مکہ میں صرف چند اشخاص پڑھے لکھے تھے۔ ان تاریک حالات میں آپ نے علم کی شمع روشن کی۔ جس کی روشنی تمام دنیا میں پھیلی۔ دور حاضر میں مختلف علوم کی ترقی اسی روشنی کا نتیجہ ہے۔آپ نے ہی لوگوں کو تسخیر ارض وسما کی طرف توجہ دلائی۔عقل وخرد سے کام لینے کی دعوت دی۔جس کی وجہ سے سائنسی علوم کی ترقی کی راہیں کھلیں۔

مختلف علوم کی ترقی اسی حکمت کا نتیجہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عربوں کو سکھائی۔قرآن مجید میں آتا ہے: **يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ** (البقرہ ۲:۱۵۱) ''وہ ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔''

اس تعلیم کتاب اور حکمت کا یہ نتیجہ ہے کہ عرب جہالت کے پردہ کو چاک کر کے علم وفنون کی فضا میں پرواز کرنے لگے۔ان کے دل و دماغ اور ہاتھوں کی انگلیوں سے علم کے چشمے جاری ہونے لگے۔جن سے تمام پیاسی دنیا نے سیر ہو کر علمی پیاس بجھائی۔یورپ جو آج علم کی دولت سے مالا مال ہے۔اس علمی دولت پر نازاں ہے۔حقیقت میں اس کا منبع رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔جس پر قرآن جیسی علوم سے پُر کتاب نازل ہوئی پھر اس ذات نے لوگوں کو اس کتاب کی تعلیم دی اور حکمت کی باتیں سکھائیں قرآن مجید کو تمام علوم وفنون کا منبع قرار دیتے ہوئے قاضی ابوبکر عربی اپنی کتاب ''قانون التاویل'' میں رقمطراز ہیں کہ صرف قرآنی علوم کی تعداد ستتر ہزار چار سو پچاس (۷۷۴۵۰) ہے۔

علم اسماء الرجال

سیرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خود ایک بڑی علمی حقیقت ہے لیکن اس علم کی وجہ سے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن معرض وجود میں آیا ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی یہ وہ علم ہے جس میں حدیث وسیرت وغیرہ کے راویوں کے حالات زندگی کو تنقیدی زاویوں سے پرکھ کر ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے تاکہ جب کوئی روایت سامنے آئے تو دیکھ لیا جائے کہ کس پایہ کے راوی اس روایت کو بیان کر رہے ہیں۔اس سے

ظاہر ہے کہ یہ کتنا وسیع اور اہم علم ہے۔ بقول سر ولیم میور اس علم کے ذریعہ چالیس ہزار راویوں کے حالات زندگی ضبط تحریر میں آئے ہیں۔ (دیباچہ لائف آف محمد ص ۳۸) جرمن کے مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے حافظ ابن حجر کی کتاب ''اصابہ فی معرفتہ الصحابہ'' کی تصحیح کی ہے۔ اس کتب کے دیباچہ میں رقمطراز ہے ''نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری ہے نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔''

اسماء الرجال سے مراد وہ علم ہے جس کی رو سے وہ تمام راوی جن سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث مروی ہے حدیث کی پرکھ کے لیے مسلمانوں نے ان کے ناقدانہ انداز میں حالات زندگی لکھے ہیں۔

اس کے علاوہ سیرت کے موضوع سے بہت سے علوم متفرع ہوئے ہیں۔ ان میں سے تین علم بہت ہی اہم ہیں۔ علم الروایۃ اور دوسرا علم الدرایہ۔ تیسرا علم المصطلحات علم الروایۃ سے مراد وہ علم ہے۔ جس میں سلسلہ روایت اور ضبط حدیث پر بحث کی جاتی ہے راوی نے اپنے شیخ سے حدیث کس طرح اور کن الفاظ کے ساتھ روایت کی۔

علم الدرایہ سے مراد وہ علم ہے جس میں حدیث کے متعلق اور نفس مضمون پر بحث اور تنقید کی جاتی ہے۔ علم المصطلحات سے مراد وہ علم ہے۔ جس میں حدیث کی اصطلاحات پر بحث کی جاتی ہے۔ حدیث کی صحت کے معیار کے لیے بے شمار اصطلاحات وضع کی گئیں۔ مثلاً صحیح، متواتر۔ مشہور، موضوع وغیرہ۔

۸۔ دور جدید میں نئے عالمی نظام کے تناظر میں سیرت نبوی کی اہمیت

جب دور حاضر کے نئے عالمی نظام کا مطالعہ کیا جائے۔ تو ایک بھیانک صورت سامنے آ جاتی ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ مغربی طاقتیں خصوصاً امریکہ صلیبی جنگوں کے تناظر میں اسلام کی قوت سے خائف ہے۔ ان کی خواہش بلکہ عظیم منصوبہ بندی ہے کہ مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں اتنے زوال پذیر ہوں کہ وہ مغرب یعنی عیسائی اور یہود اقوام کا مقابلہ کرنے کی سکت کھو دے۔ ان کی منصوبہ بندی کے اہم اجزاء یہ ہیں۔

۱۔ نیوکلیئر انرجی سے مسلمان ممالک کو محروم رکھنا۔ اس کے لیے سخت پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔
۲۔ بین الاقوامی مالی اداروں (آئی۔ ایم۔ ایف۔ ورلڈ بنک وغیرہ) کے ذریعہ مسلم ممالک کو قرض تلے دبائے رکھنا۔
۳۔ مسلمان ممالک کے معدنی وسائل پر قبضہ رکھنا۔
۴۔ مسلمان ممالک کے افراد کو جدید علوم میں پس ماندہ رکھنا۔
۵۔ مسلمان ممالک میں معاشرتی اور سیاسی بدنظمی پھیلانا۔
۶۔ مسلمان ممالک میں میڈیا کے ذریعہ بے حیائی کو فروغ دینا تا کہ مسلمان اسلامی تہذیب کے دامن کو چھوڑ دیں۔
۷۔ مسلم ممالک میں عسکری قوت کو نہ بڑھنے دینا۔
۸۔ مسلم ممالک میں جمہوریت اور عدل و انصاف کے فروغ کو روکنا۔

دور جدید کے اس نئے عالمی نظام کی عمارت کو ہم صرف سیرت النبیؐ کے مطالعہ اور آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر کے ہی منہدم کر سکتے ہیں اور سیرت کا مطالعہ ہی مسلمانوں کے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ جب ہم سیرت نبوی کا بنظر عمیق مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ہمارے سامنے چند ایک اہم اصول آتے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر ترقی کے بام عروج تک پہنچ سکتے ہیں۔ وہ ہیں احترام انسانیت، مساوات، اتحاد و اتفاق، عدل و انصاف، حریت ضمیر، انفاق فی سبیل اللہ، تعلیم، مضبوط دفاع (عسکری قوت) ملکی وسائل سے استفادہ کرنا، نظام حکومت میں عوام کی شرکت۔

جب تک کسی معاشرہ میں انسانیت کا احترام نہ ہو۔ معاشرہ میں حسن، نکھار اور خوبصورتی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طبقاتی تقسیم کو ختم کر کے احترام انسانیت کا درس دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ''یعنی ہم نے بنی آدم کو قابل تکریم بنایا ہے۔ جب انسان کے دل میں اپنے بھائی کے لیے جذبہ احترام پیدا ہو جاتا ہے۔ تو عدم مساوات اور مصنوعی فضیلت اور برتری کا بت

خود بخود پاش پاش ہو جاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجتہ الوداع کے موقعہ پر فرمایا۔ ''لوگو! ہاں' بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔ جب طبقاتی تقسیم کی جگہ مساوات لے لیتی ہے۔ تو اخوت و اتحاد خود بخود فروغ پانا شروع کر دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (النساء ۴:۱) ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ اِخْوَةٌ (مسند احمد) ''انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ حکومتوں اور معاشرہ میں امن اور استحکام عدل و انصاف سے پیدا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے قرآن مجید نے عدل و انصاف پر بہت زور دیا ہے۔'' ارشاد الٰہی ہے: وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (البقرہ ۲:۱۷) ''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (شوریٰ :۱۵) ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمھارے درمیان انصاف کروں۔''

حضورؐ فرماتے ہیں: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ خوشی اور ناراضگی دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہوں۔'' جب فیصلہ کا وقت آیا تو قریش کی عورت کے خلاف بھی فیصلہ دے دیا۔

قومیں اسی وقت ترقی کرتیں ہیں۔ جب وہ حریت فکر کی نعمت سے متمتع ہوتی ہیں کیونکہ ضمیر اور ذہن کی آزادی سے انسان ترقی کی راہیں تلاش کرتا ہے۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے وہی قوم دنیا کے نقشہ پر ابھری۔ جس کے حکمرانوں نے دانشوروں کے ذہن پر پہرے نہیں بٹھائے۔ ارشاد الٰہی ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ (البقرہ ۲:۲۵۶) ''کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قومی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے انفاق فی سبیل اللہ پر بہت زور دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ) ''جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' پھر فرمایا وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىْٓ اٰتٰكُمْ (النور ۲۴:۳۳) ''اور ان کو اللہ کے مال سے دو جو اس نے تم کو دیا ہے۔'' پھر فرمایا وَفِىْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات ۵۱:۱۹) ''اور ان کے مال میں ہر مانگنے والے اور نہ مانگنے والا کا حق ہے۔'' فرمایا: وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ ۲:۲۱۸) ''اور لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیں جو ضرورت سے زائد ہے۔ (خرچ کرو)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''اللہ نے مسلمان امیروں پر ان کے مالوں میں سے ایک حصہ مقرر کر دیا۔ جس سے ان کے غریبوں کی ضروریات پوری ہوں۔'' (الدر المنثور بحوالہ الطبرانی ۳:۲۲۳)

تاریخ اس بات پر شاہد ہے وہی قوم دنیا کے نقشہ پر ابھری ہے جس نے علم کے ہر شعبہ میں برتری حاصل کی ہے۔ اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو علم کی طرف بہت راغب کیا۔ طلب علم ہر مرد' ہر عورت کے لیے فرض قرار دیا۔ فرمایا طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ مُّسْلِمَةٍ ''علم حاصل کرنا ہر مرد اور ہر عورت پر فرض ہے۔''

فرمایا: اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ طَلَبُ الْعِلْمِ (کنوز الحقائق حرف الہمزہ) ''بہترین عبادت علم کا طلب کرنا ہے۔ مسلمانوں کی ترقی کا راز ہی حصول علم میں ہے۔''

مسلمانوں میں خصوصاً ان کے زوال و انحطاط کے زمانہ میں یہ خیال عام ہو گیا کہ علم سے مراد دین اسلام ہی کا علم ہے یعنی تفسیر و حدیث و فقہ کا علم۔ لیکن یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ مطلب نہ تھا کہ صرف یہی علوم ہیں کیونکہ آپ نے اپنے متبعین کو حکم دیا تھا کہ ''علم اگر چین میں ہو تو اس کو حاصل کرو۔'' اور فرمایا حکمت و دانائی مومن کی گمشدہ متاع ہے اس کو جہاں پائے حاصل کر لے۔

قرآن اور حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ علم سے مراد صرف اسلام کے اساسی اصول و فرائض کا علم نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبے کا علم مراد ہے۔ اسی اصول کو سامنے رکھ کر مسلمانوں نے زندگی کے تمام شعبوں پر علم میں تحقیق کی اور اس کو انتہا تک پہنچایا۔

ریاست کا قیام و استحکام مضبوط دفاع پر ہے اگر دفاع مضبوط ہے اور فوج ہر قسم کے اسلحہ سے لیس ہے۔ تو وہ ملک دنیا کے نقشہ پر قائم رہ سکتا ہے اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مضبوط دفاع کی طرف رغبت دلاتی ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی تو دشمنوں نے اس سلطنت کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ایک نہیں بلکہ کئی حملے کیے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت حکمت عملی سے ریاست کا دفاع کیا۔ قرآن کا حکم ہے کہ آپ اپنی عسکری اور حربی تیاری کو جنگ کی سی حالت کی طرح تیار رکھیں تا کہ آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے دشمن اس بات کی جرأت نہ کرسکیں کہ وہ اسلامی مملکت پر حملہ کرسکیں۔

قوموں کی ترقی کا دار و مدار اپنے قومی ذرائع و وسائل سے استفادہ پر ہے۔ قرآن بتلاتا ہے کہ زمین پر، سمندر میں، ہوا میں خدا نے انسان کے لیے اور ہر زندہ ہستی کے لیے رزق کے وافر اسباب مہیا کر رکھے ہیں۔ اور اس بات کا بار بار ذکر کرتا ہے کہ زمین اور آسمان کی ہر شے انسان کے فائدہ اور تمتع کے لیے بنائی گئی ہے۔ لیکن سیرت رسول ہی یہ راہنمائی کرتی ہے کہ انسان کا کام ہے کہ وہ اس رزق کے حاصل کرنے کی کوشش کرے کسی سعی اور کسب سے انسان کو روکا نہیں گیا بشرطیکہ یہ سعی وجہد کسی کے مفاد اور فلاح و بہبود کے خلاف نہ ہو۔ ارشاد الٰہی ہے: وَابْتِغَاؤُكُم مِّنْ فَضْلِهِ (الروم ۳۰:۲۳) ''اور تم اس کی عطا کردہ روزی کی تلاش کرو۔ اس آیت میں فضل سے مراد ذرائع و وسائل رزق ہیں۔''

دوسری جگہ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (الجمعہ:۱۰) ''خدا کے فضل (وسائل رزق) کی تلاش کے لیے زمین میں پھیل جاؤ۔

رسول کریم فرماتے ہیں: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ يَرَى الْعَبْدَ مُحْتَرِفًا (طبرانی بحوالہ کنوز الحقایق) ''اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کوئی پیشہ کرتے ہوئے دیکھنا پسند کرتا ہے۔'' اسی حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ''إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ یعنی اللہ تعالیٰ پیشہ ور مومن بندے کو دوست رکھتا ہے۔''

فرمایا: اِسْعَوْا فَإِنَّ اللَّهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ (مسند امام احمد۔ کنوز الحقایق) ''کوشش کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کوشش کرنی فرض کی ہے۔''

اسلام نے أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ کا حکم نازل کر کے نظام حکومت میں عوام کو شریک کر دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس قوم نے باہمی مشورہ کیا اس قوم نے فلاح پائی۔''

افسوس ناک صورت حال

مغربی دنیا نے ایک منصوبہ کے تحت اسلامی ممالک کے وسائل پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس وقت صورت حال یہ ہے خلیج کے علاقے میں قریباً ۲۰ ہزار بحری بری اور فضائی افواج تعینات ہیں۔ بحرین میں بحری بازو کا ہیڈ کوارٹر ہے قطر میں فضائیہ کا ایک حصہ مقیم ہے ترکی میں امریکہ فضائی قوت کا ایک مرکز ہے۔ سعودی عرب میں بری افواج کا ایک موثر حصہ عرصہ سے برسر عمل ہے۔ پاکستان کے فوجی اڈے امریکہ کے استعمال میں ہیں۔

اسی طرح دنیا کے مسلمان ممالک پر ۶۹۰ ڈالر بیرونی قرضوں کا بوجھ ہے۔

خلیجی جنگ کے بعد دنیا کے دو تہائی پٹرول کے ذخائر پر امریکہ نے قبضہ جما لیا ہے۔ اس میں عراق کی عسکری اور اقتصادی قوت کو ختم کیا گیا ہے۔

اب مسلمان عسکری اور اقتصادی لحاظ سے اتنے کمزور ہیں کہ وہ امریکہ یا اس کے حواری ممالک سے قبضہ نہیں لے سکتے۔ عسکری اور اقتصادی قوت حاصل کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک ایک مشترکہ کمان کے تحت فوج قائم کریں اور اقتصادی قوت حاصل کرنے کے لیے ایک مشترکہ اسلامی بنک قائم کیا جائے تا کہ وہ اسلامی ممالک کے اقتصادی حالت درست کرنے میں ممد و معاون ہو۔ اسلامی ممالک یہود و نصاریٰ کے مالی اداروں سے قرض لینے کے بجائے اسلامی بنک سے قرضہ لیں۔

سیرت نگاری کا ارتقاء

میرے نزدیک سیرت نگاری کا آغاز انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی آیت میثاق النبیین

(ال عمران ۳:۸۱) سے واضح ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ موعود نبی ہیں جن کا ذکر مذاہب عالم کی مقدس کتب میں ملتا ہے۔ اس موضوع پر مفصل بحث کتاب ''میثاق النبیین'' میں مولانا عبدالحق ودیارتھی صاحب نے کی۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض علماء نے اجمالاً اپنی کتب میں کیا ہے۔

کتب سماوی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام، جائے ولادت، خصائص و امتیازات، فتح مکہ کا ذکر اور روشن شریعت تک کا ذکر موجود ہے۔ یہ تمام امور سیرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اختصار کے ساتھ راقم نے اس کتاب کے باب ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص اور امتیازات'' میں تورات اور انجیل کی پیشگوئیوں پر زیر عنوان ''تاریخیت'' پر روشنی ڈالی ہے۔ اسی طرح ''فتح مکہ کا ذکر سابقہ کتب'' کے عنوان کے تحت تورات اور وید کی پیشگوئیاں بیان کی گئی ہیں۔ وہ پیشگوئیاں واضح طور پر فتح مکہ پر روشنی ڈالتی ہیں۔ تورات (استثناء ۳۳:۲) وید (اتھروید منتر ۳) میں لشکر کی تعداد دس ہزار بیان کی گئی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ کا اہم باب اس وقت شروع ہوتا ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ان کی والدہ کے ساتھ بے آب و گیاہ وادی میں ایک منہدم بیت اللہ کے پاس چھوڑ آئے تھے۔ پھر اس منہدم بیت اللہ کو اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل کے ساتھ ازسرنو تعمیر کیا اور حضرت اسماعیل کی اولاد سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ یہ تمام تاریخ عرب کے ماہر انساب اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے لے کر بعثت تک کے تمام واقعات لوگوں کے اذہان میں موجود تھے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا سے حکم پا کر اپنی نبوت کا اعلان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت نگاری کا آغاز ہوگیا یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ سیرت علوم حدیث کا ایک جزء ہے۔ حدیث کی اشاعت کا آغاز رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ہی ہو چکا تھا۔ اس لیے سیرت کو حدیث اور سنت سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حدیث کی کتابت کا آغاز عہد رسول میں ہو چکا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ جیسے صحابہ احادیث کو رقم کر لیا کرتے تھے۔ اسی طرح ترمذی ابواب العلم ''باب ماجاء فی الرخصۃ فیہ'' میں روایت ہے کہ کسی انصاری صحابی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے حافظہ کی کمزوری کا ذکر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعظ و تذکیر فرماتے ہیں وہ مجھے یاد نہیں رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو'' اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور خادم ابو رافع نے احادیث لکھنے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دے دی۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا اہم ذخیرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں احاطۂ تحریر میں موجود تھا۔ مثلاً خطوط جو بادشاہوں اور روسائے مکہ کو بھیجے گئے۔ میثاق مدینہ اور دیگر تحریری معاہدے جو مختلف قبائل سے کیے گئے تھے۔ خطبہ حجۃ الوداع، احکام زکوٰۃ وغیرہ گویا سیرت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق ذخیرہ معلومات تحریر اور صحابہ کرام کے حافظوں میں محفوظ تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کبار صحابہ اسلامی مملکت میں پھیل گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ کے متعلق اپنی اپنی معلومات کو تابعین تک پہنچایا۔ اس قسم کی درس و تدریس کے مشہور مراکز مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن تھے۔ تابعین تلامذہ ان مراکز کا رخ کرتے۔ وہاں سے معلومات قلمبند کر کے اپنے اپنے اوطان کو واپس لوٹتے۔ انہی معلومات کو آگے پھیلاتے۔ تابعین کا دور محدثین نے ۱۴۰ اور ۱۷۵ ہجری قرار دیا ہے۔ تابعین کے بعد عہد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ورثہ تیسری نسل تبع تابعین تک پہنچ گیا۔ اور تبع تابعین کا آخری دور ۲۱۰ اور ۲۱۵ ہجری کے قریب قرار دیا گیا ہے۔ اس دور میں تمام معلومات احاطۂ تحریر میں آ گئیں اور ذخیرہ معلومات کے ضائع ہونے کا اندیشہ ختم ہوگیا۔

تابعین اور تبع تابعین میں سے مشہور سیرت نگار

تابعین اور تبع تابعین میں سے جن سیرت نگاروں نے دوامی شہرت پائی اور جن کے اسمائے گرامی بعد کی تصنیفات میں ملتے ہیں ان میں سے مشہور اسماء درج ذیل ہیں۔ ۱۔ عروہ بن زبیر (م ۹۲ھ) ۲۔ ابان بن عثمان (۱۰۵ھ) شعبی (م ۱۰۹ھ) ۴۔ وہب بن منبہ (م ۱۱۴ھ) ۵۔ عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۲۱ھ) ۶۔ شرجیل بن سعد (م ۱۲۳ھ) ۷۔ ابن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ) ۸۔ یعقوب بن عتبہ ثقفی (م ۱۲۸ھ) ۹۔ عبداللہ بن

ابی بکر بن حزم (م ۱۲۵ھ) ۱۰۔ موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) ۱۱۔ ہشام بن عروہ بن الزبیر (م ۱۴۶ھ) ۱۲۔ محمد بن اسحاق (م ۱۵۰ھ) ۱۳۔ معمر بن راشد (م ۱۵۲ھ) ۱۴۔ عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز (م ۱۶۲ھ) ۱۵۔ محمد بن صالح بن دینار (م ۱۶۸ھ) ۱۶۔ ابومعشر نجیح المدنی (م ۱۷۰ھ) ۱۷۔ عبداللہ بن جعفر مخزومی (م ۱۷۰ھ) ۱۸۔ عبدالملک بن محمد انصاری (م ۱۷۶ھ) ۱۹۔ زیاد بن عبداللہ البکائی (م ۱۷۳ھ) ۲۰۔ سلمہ بن الفضل (م ۱۹۱ھ) ۲۱۔ یحییٰ بن سعید بن ابان (م ۱۹۴ھ) ۲۲۔ ولید بن مسلم القرشی (م ۱۹۵ھ) ۲۳۔ یونس بن بکیر (م ۱۹۹ھ) ۲۴۔ محمد بن عمر الواقدی (م ۲۰۷ھ) ۲۵۔ یعقوب بن ابراہیم زہری (م ۲۰۸ھ) ۲۶۔ عبدالملک بن ہشام (م ۲۱۸/۲۱۳ھ) ۲۷۔ علی بن محمد المدائنی (م ۲۲۵ھ) ۲۸۔ محمد بن سعید (م ۲۳۰ھ) ۲۹۔ ابراہیم بن اسحٰق (م ۲۸۵ھ) ۳۰۔ ابوبکر البغدادی (م ۲۷۷ھ)

کتب سیرت

تابعین اور تبع تابعین کی ان کتب سیرت کا ذکر کیا جاتا ہے جو محفوظ بھی رہیں اور چھپ کر منصۂ شہود پر بھی آئیں۔ اگرچہ کمیاب یا نایاب ہو چکی ہیں۔

۱۔ کتاب المغازی مولفہ موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) ۲۔ کتاب ''سیرت'' صلی اللہ علیہ وسلم مولفہ محمد بن اسحاق (م ۱۵۰ھ) ۳۔ کتاب المغازی مولفہ محمد بن عمر الواقدی (م ۲۰۷ھ) ۴۔ سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولفہ عبدالملک بن ہشام (م ۲۱۸/۲۱۳ھ) ۵۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ (م ۵۴۴) ۶۔ تاریخ کامل مولفہ علی بن اثیر (م ۶۳۰ھ) نو جلدوں میں ہے اس کی دوسری جلد سیرت طیبہ پر ہے۔ ۷۔ اکتفاء فی مغازی المصطفیٰ والثلاثۃ الخلفاء مولفہ سلیمان بن سالم الکلاعی (م ۶۳۴ھ) ۸۔ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر مولفہ محمد بن یحییٰ ابن سید الناس (م ۷۳۴ھ) ۹۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد مولفہ ابن القیم الجوزیہ (م ۷۵۱ھ) ۱۰۔ السیرۃ النبوۃ مولفہ حافظ اسماعیل بن عمر المعروف بابن کثیر (م ۷۷۴ھ) یہ کتاب حافظ ابن کثیر کی مشہور کتاب ''البدایۃ والنہایۃ'' کا ایک حصہ ہے جو علیحدہ شائع کی گئی ہے۔ ۱۱۔ الخصائص الکبری مولفہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) ۱۲۔ المواہب اللدنیہ مولفہ احمد بن ابی بکر القسطلانی (۹۲۳ھ) ۱۳۔ تاریخ الخمیس مولفہ حسین بن محمد (م ۹۶۶) پانچ جلدوں میں ہے۔ پہلی اور دوسری جلد سیرت پر ہے۔ ۱۴۔ سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد مولفہ محمد بن یوسف شامی (م ۹۴۲ھ) ۱۵۔ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون مولفہ علی بن برہان الدین حلبی (م ۱۰۴۴ھ) ۱۶۔ السیرۃ الدحلانیہ مولفہ سید احمد الدحلانی المکی (م ۱۳۰۴ھ)

سیرت نگاری وہ موضوع ہے۔ جس پر دور حاضر تک مسلسل کام ہو رہا ہے۔ اس مقدس موضوع پر صرف مسلمان ہی طبع آزمائی نہیں کرتے بلکہ غیر مسلموں نے بھی اس موضوع پر بہت کام کیا ہے۔ اردو میں حسب ذیل مشہور کتب ہیں۔ ۱۔ سیرت النبی مولفہ علامہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی، یہ کتاب چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ۲۔ رحمۃ للعالمین (۲ جلدیں) مولفہ محمد سلیمان منصور پوری ۳۔ سیرت المصطفیٰ (۳ جلدیں) مولفہ محمد ادریس کاندھلوی۔ ۴۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی، عہد نبوی کے میدان جنگ اور عہد نبوی میں نظام حکمرانی مولفہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ ۵۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولفہ ابوالحسن ندوی۔ ۶۔ نقوش رسول نمبر۔ ۷۔ انسان کامل مولفہ ڈاکٹر خالد علوی۔

سال ۱۹۷۴ء، ۱۹۷۸ء میں حکومت پاکستان نے کتب سیرت پر ایک بین الاقوامی نمائش کرائی جس میں صرف چودھویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتب سیرت رکھی گئی تھیں جن کی تعداد چار ہزار سے متجاوز تھی۔

کتب شمائل

سیرت نبوی کا اہم ماخذ کتب شمائل ہیں۔ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک، عادات، خصائل، معمولات زندگی، رنگ، بال، جسم کے نشیب و فراز، لباس، خورد و نوش، نشست و برخاست وغیرہ کی تفصیلات درج ہیں۔ بعض محدثین نے اپنی حدیث کی کتب میں مستقل عنوان باندھا ہے مثلاً امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) کی کتاب الشمائل، کتاب حدیث کا ایک حصہ ہے جس کا اصل نام الشمائل النبویۃ والخصائل المصطفویۃ ہے۔ امام ترمذی نے چار سو احادیث کی مدد سے تیار کیا اور اس کے مباحث کو ۵۶ ابواب میں تقسیم کیا۔ اس موضوع پر قاضی عیاض اندلسی (م ۵۴۴ھ) کی اہم کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ہے یہ چار حصوں پر مشتمل ہے۔ ابو العباس مستغفری (م ۴۳۲ھ) کی شمائل النبی، ابن

المقری غرناطی (م ۵۵۲ھ) کی شمائل النور، محمد الدین فیروز آبادی (۸۱۷ھ) کی سفر السعادۃ، شیخ یوسف بن اسماعیل النبھانی (م ۱۳۵۰ھ) کی وسائل الوصول الی شمائل الرسول اور بغوی کی کتاب الانوار فی شمائل النبی المختار ہے۔

کتب دلائل النبوۃ والمعجزات

یعنی وہ کتب جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات، پیشگوئیاں اور کارنامے ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی سچائی ظاہر ہوتی ہے۔ اس موضوع پر دو کتب خاص طور پر شہرت کی حامل ہیں۔ ا۔ دلائل النبوۃ مولفہ ابونعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ) ۲۔ خصائص الکبری مولفہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) سیوطی کی اس موضوع پر ایک اور کتاب ہے جس کا نام ہے الخصائص الصغریٰ۔ اس موضوع پر ابن قتیبہ ۲۷۶ھ کی کتاب دلائل النبوۃ۔ ابو اسحاق حربی (م ۲۵۵ھ) کی دلائل النبوۃ، ابوبکر بیہقی (م ۴۵۸ھ) کی دلائل النبوۃ۔ امام مستغفری (م ۴۳۲) کی دلائل النبوۃ اور جلال الدین بلقینی (م ۸۲۴ھ) کی معجزات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قابل ذکر اور مشہور ہیں۔

کتب جغرافیہ

ان کتب سے ہمیں جزیرۃ العرب اور عہد نبوی کی فتوحات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ان کتب سے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہجرت کے لیے منتخب راستہ، خندق کھود کر مدینہ کا دفاع کرنا، بدر کے موقع پر مسلمانوں کا ابوسفیان کا تعاقب کرنا اور اس کا راستہ بدل کر بچ نکلنا وغیرہ وضاحت ہوتی ہے۔ اس موضوع پر مشہور کتاب فتوح البلدان مولفہ بلاذری ہے اس کے علاوہ الخطط مولفہ المقریزی تقی الدین، معجم البلدان مولفہ شہاب الدین (چھ جلدیں) المسالک والممالک مولفہ ابوالقاسم عبیداللہ بن عبداللہ بن خورداذبہ (م ۳۰۰ھ)۔ اُثار البلاد و اخبار البلاد مولفہ زکریا ابن محمد قزوینی، المنازل والدیار مولفہ اسامہ بن منقذ، مسالک الممالک مولفہ ابو اسحاق ابراہیم، الاطلس التاریخی العربی الاسلامی مولفہ سعد الدین اور احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم مقدسی اور ارض القرآن مولفہ سید سلیمان ندوی۔

کتب الانساب

سیرت نبوی کا ایک اہم ماخذ کتب انساب ہیں۔ ان کی مدد سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس موضوع پر چند مشہور کتب حسب ذیل ہیں۔ انساب الاشراف مولفہ احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری (م ۲۷۹ھ) جمھرۃ انساب العرب مولفہ ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی (۴۵۶ھ) جمھرۃ نسب قریش و اخبارھا مولفہ زبیر بن بکار (م ۲۵۶ھ) الانساب مولفہ ابوسعید عبدالکریم بن محمد بن منصور التمیمی السمعانی (م ۵۲۶ھ) الاغصان لمشجرات انساب عدنان و قحطان و مرتبہ سید علی عبدالکریم الفضل شرف الدین، کتاب النسب مولفہ قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ) الاشتقاق (خاندان نبوی کے انساب پر) مولفہ ابوبکر محمد بن الحسن بن درید۔

کتب رجال

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا ایک اہم ماخذ ہے۔ اس کتاب کے باب ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص وامتیازات'' میں بحث کی گئی ہے۔

کتب اصول حدیث

یہ وہ کتب ہیں جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کے کھرے اور کھوٹے ہونے کے اصول وضع کیے گئے ہیں جب وضع حدیث کا فتنہ شروع ہوا تو محدثین نے ایسے اصول وضع کر دیئے جن پر آپ کے اقوال کو پرکھا جاتا تھا۔ اس طرح وضع حدیث کا فتنہ آپ اپنی موت مرگیا۔ اس موضوع پر بے شمار کتب ہیں۔ ان میں حافظ ابن حجر کی کتاب نخبۃ الفکر اہم اور مشہور ہے۔ اس فن پر کچھ اہم کتابوں کے نام یہ ہیں۔ علل الحدیث مولفہ ابومحمد عبدالرحمٰن رازی (م ۳۲۷ھ) علم الحدیث المعروف مقدمہ...... ابن اصلاح مولفہ تقی الدین ابن اصلاح (م ۶۴۳ھ) التقریب الراوی مولفہ امام سیوطی (م ۹۱۱ھ) التوجیہ النظر الی الاصول الاثر مولفہ طاہر بن صالح الجزائری، ہدی الساری المعروف مقدمۃ فتح الباری

مولفہ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) شرح الفیہ شمس الدین السخاوی ۹۰۲ھ)

علمائے ہند نے بھی اس موضوع پر خاصا کام کیا ہے مولانا عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) کی کتاب الدفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل اور ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی بہت مشہور ہیں۔ موخرالذکر کتاب سید شریف جرجانی کی کتاب ''مختصر'' کی شرح ہے۔ شیخ نظام الدین حلوی کا کوروی کی کتاب ''المنہج'' سید مرتضیٰ ابن محمد حسین بلگرامی (م ۱۲۰۵ھ) کی کتاب بلغتہ العریب فی مصطلح اثار الحبیب، شاہ عبدالعزیز دہلوی کی کتاب العجالۃ النافعہ اور نواب صدیق حسن بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ) کی کتاب منہج الاصول الی اصطلاح احادیث الرسول مشہور ہیں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) نے بھی ایک عربی رسالہ لکھا ہے۔

مطالعہ سیرت کے اہم مآخذ

سیرت طیبہ کے اہم بنیادی ماخذ حسب ذیل ہیں۔ ا۔ قرآن مجید۔ ۲۔ کتب حدیث۔ تواریخ حرمین، تاریخ عالم، تاریخ اسلام۔

ا۔ قرآن مجید، تفسیر قرآن مجید

قرآن مجید تقریباً تیئس سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو وحی آپ پر نازل ہوتی کاتب کو بلا کر لکھوا لیتے۔ اس کے ساتھ صحابہ قرآن مجید کو زبانی یاد بھی کرتے گئے۔ جب قرآن مجید کی تکمیل ہوئی تو قرآن مجید تحریری شکل میں محفوظ تھا۔ دوم بے شمار صحابہ حافظ قرآن تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو قرآنی احکام نازل ہوتے ان پر عملی شکل میں کاربند ہوتے۔ گویا آپ عملی طور پر قرآن مجید کی تفسیر تھے۔ لہٰذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے مطالعہ کا پہلا مصدر اور ماخذ قرآن مجید ہے۔ مفسرین نے اپنی تالیفات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس وجہ سے تفسیری ادب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا اہم ماخذ ہے۔

۲۔ کتب حدیث

قرآن مجید کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح عملی شکل میں اظہار کیا اور کس رنگ میں سمجھا۔ اس کی تفصیل ہی کتب حدیث کا اصل موضوع ہے کتب حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام، تعلیمات، خطبات، مواعظ اور قضایا وغیرہ ہی بیان نہیں ہوئے بلکہ بعض اہم واقعات سیرت بھی بیان ہوئے۔ لہٰذا کتب حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے مطالعہ کا دوسرا ماخذ ہیں۔ مشہور کتب حدیث حسب ذیل ہیں۔ موطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی شریف، سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد۔

۳۔ تواریخ حرمین

یعنی مکہ و مدینہ کی تاریخ اور ان کے اہم تاریخی مقامات سے متعلق کتب منصہ شہود پر آئی ہیں۔ ان کتب میں بعض ان مقامات اور واقعات کا بھی ذکر ہے۔ جن کا تعلق سیرت سے ہے لہٰذا تواریخ حرمین شریفین سیرت کا تیسرا ماخذ ہیں۔ اہم کتب تواریخ حرمین یہ ہیں۔ اخبار المکہ المشرفہ مصنفہ ابن الازرق۔ مدینہ منورہ پر سب سے پہلی کتاب ابن زبالہ (محمد بن الحسین بن زبالہ) کی ہے جو امام مالک کے شاگردوں میں سے ہے۔ اس دور میں لکھی گئی کتب یہ ہیں۔ ا۔ تاریخ الحرمین مصنفہ ابراہیم رفعت پاشا ۲۔ فی منزل الوحی (سفرنامہ) محمد حسین ہیکل ۳۔ آثار المدینۃ المنورہ مصنفہ عبدالقدوس انصاری۔

۴۔ تاریخ اسلام یا تاریخ عالم پر کتب

مسلمانوں نے فن تاریخ نویسی کو بہت ترقی دی تاریخ اسلام یا تاریخ عالم پر بے شمار کتب لکھی گئیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

ا۔ کتاب تاریخ الرسل والملوک از امام ابن جریر ۲۔ تاریخ الکامل (نو جلدوں میں) مصنفہ ابن الاثیر۔ ۳۔ کتاب البدایۃ والنہایۃ، تاریخ اسلام کی ایک اہم کتاب ہے اس کو حافظ ابن کثیر نے لکھا۔

۵۔ کتب سیرت

ا۔ کتاب المغازی مولفہ موسیٰ بن عقبہ۔ ۲۔ کتاب ''سیرت'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولفہ محمد بن اسحاق ۳۔ کتاب المغازی مولفہ محمد بن عمر الواقدی۔ ۴۔ سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولفہ عبدالملک بن ہشام۔ ۵۔ سیرت ابن ہشام۔ ٦۔ الشفاء۔ مولفہ قاضی بن موسیٰ۔ ۷۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد مولفہ حافظ ابن القیم۔ ہزاروں کی تعداد میں سیرت پر کتب تحریر کی گئیں۔ جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے۔

دور حاضر کی چند ایک اہم کتب سیرت حسب ذیل ہیں۔

ا۔ سیرت النبی مولفہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی۔ ۲۔ رحمت للعالمین مصنفہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری۔ ۳۔ سیرت المصطفیٰ مولفہ محمد ادریس کاندھلوی۔ ۴۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی۔ ۵۔ عہد نبوی کے میدان جنگ۔ ٦۔ عہد نبوی کا نظام حکمرانی یہ کتب ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی لکھی ہوئی ہیں۔ ۷۔ انسان کامل ڈاکٹر خالد علوی۔ ۸۔ حیات محمدؐ (محمد حسین ہیکل)

ان کتب کے علاوہ ہزاروں کتب مختلف زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ جن کا ذکر باعث طوالت ہے۔ ''سیرت نگاری کا ارتقاء'' میں مشہور کتب سیرت النبی صلعم کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

سیرت طیبہ رسول کریم ﷺ اور مستشرقین

رسول کریم ﷺ کے دعویٰ نبوت کے ساتھ ہی یہود اور نصاریٰ نے مشرکین کے ساتھ مل کر مخالفت کا طوفان برپا کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسی مخالفت اور بے جا اعتراضات کا رد قرآن مجید میں علم المناظرہ والمباحث کے تحت کیا ہے۔ اور یہود اور نصاریٰ کے متعصبانہ رویہ کے پیش نظر رسول کریم ﷺ کو مخاطب ہو کر فرمایا۔

وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ (البقرہ۲: ۱۲۰)

"اور یہودی تجھ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے۔ اور نہ عیسائی یہاں تک کہ تو ان کے مذہب کی پیروی کرے۔ کہہ دے! کہ اللہ کی ہدایت ہی (حقیقی ہدایت ہے اور اگر تو ان کی (گری ہوئی) خواہشات کی پیروی کرے۔ اس کے بعد جو تیرے پاس علم آیا تو تیرے لیے اللہ (کی سزا) سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔"

دوسری جگہ آتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (المائدہ ۵:۵۱)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست مت بناؤ۔ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے انہیں دوست بناتا ہے تو وہ انہی میں سے ہے اور بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں۔"

ان دونوں آیات میں متعصب اور بغض و عناد سے بھرے ہوئے یہود اور نصاریٰ کا ذکر ہے۔ جو دن رات اسلام کو زک پہنچانے کے لیے کمربستہ رہتے تھے۔

دوم یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ یہود و نصاریٰ اسلام کے روز اول سے دشمن ہیں۔ اور اور اس کے پھلنے پھولنے میں ہر قسم کا عناد اور بے سروپا اعتراضات کی تشہیر کی کوشش میں لگتے رہتے تھے۔ اسی وجہ سے اسلام نے اس قسم کے لوگوں سے ترک موالات کی تعلیم دی ہے۔

اسلام کے ان دشمنوں نے مختلف ادوار میں مختلف لباس پہنے۔ اور اسلام کی بیخ کنی کے درپے رہے۔ رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد خصوصاً حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے ادوار میں یہی یہود و نصاریٰ تھے۔ جنہوں نے نہایت عیاری سے مسلمانوں کے درمیان سنگ تفرقہ پھینکا تھا۔ بہرحال تاریخ شاہد ہے کہ ان دشمنوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

زیر غور مضمون صرف مستشرقین ہیں ان کی اسلام دشمنی کے ماخذ کیا ہیں اور کیوں کر معرض وجود میں آئے۔

مستشرقین باب استفعال استشراق سے ہے

استشراق کے معنی مشرقی علوم میں مہارت حاصل کرنا اور مستشرق کے معنی مشرقی علوم کا ماہر اور مشرقی آداب سے آگاہ ہونا ہیں (Hans Wehy, Dictionary of Modren Written Arabic) معن زلفو مدینہ نے مغرب کے ان محققین اور علماء کو مستشرق کہا ہے جو اسلام، اسلامی تہذیب، اسلامی معاشرت اور اسلامی زبانوں میں دلچسپی رکھتے ہوں (مجلہ دارالعلوم دیو بند مارچ ۱۹۸۸ محمد یوسف رام پوری "تحریک استشراق ص ۳۴، ۳۵)۔ ڈاکٹر عمر فروخ کے مطابق مستشرق علوم اسلامیہ کا وہ مغربی (یورپین اور امریکی) سکالر ہوتا ہے جو غیر مسلم ہو۔ (عمر فروخ، الاستشراق) مالہ۔ وما علیہ، الاستشراق والمستشرقون (عدد خاص مجلہ المنھل، عدد ۴۷۱، اپریل/مئی ۱۹۸۹ء

ص: ۱۵)

اسلام کے متعلق سب سے پہلے سینٹ جان اف دمشق (م ۷۵۳ء) جو حضرت عمر بن عبدالعزیز سے قبل اموی دربار میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھا جس نے رسول کریم ﷺ کی ذات کے متعلق من گھڑت اور نازیبا قصے لکھے، ایک منصوبے کے تحت اسلام کے خلاف تحریک چلائی اس نے اسلام کو (PAGAN) یعنی بت پرست مذہب قرار دیا اور کعبہ کو بُت کے طور پر پیش کیا۔ اسلام کی تضحیک کے لیے رسول کریم ﷺ کی ذات بابرکات پر رکیک اور نازیبا حملے کیے۔ آپ ﷺ کے بارے میں مضحکہ خیز قصے گھڑے۔ وہ لکھتا ہے: ''بنی اسماعیل کے درمیان محمد کے نام سے ایک جھوٹے نبی نمودار ہوئے۔ وہ تورات اور انجیل سے واقف تھے۔ ایک عیسائی راہب سے بھی تعلیم حاصل کی۔ ان کی کچی پکی معلومات کے بل پر انہوں نے عیسائیت کی ایک تحریف کردہ شکل وضع کر کے پیش کر دی اور دھوکہ دے کر تسلیم کرا لیا۔ کہ وہ خدا ترس انسان ہیں۔ پھر یہ افواہ پھیلا دی کہ ان پر آسمان سے وحی نازل ہو رہی ہے اس کتاب میں مضحکہ خیز مواد جمع کر کے انہوں نے اپنے پیروکاروں کے سپرد کر دیا۔ کہ اس کی پیروی کریں۔ عیسیٰ اور موسیٰ کی طرح وہ اپنی وحی کی صداقت پر کوئی گواہ پیش نہ کر سکے اور نہ ہی کوئی معجزہ۔ ایسے شخص کی بات پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے جس نے زید کی بیوی زینب سے شادی کرنے کے لیے اپنی پسند کے مطابق وحی گھڑی (Encounters and Clashes between Islam and Christiainty in History, -II,Rome) جان نے تعدد ازدواج، طلاق اور دیگر مسائل کو عجیب رنگ پسندی کے ساتھ بیان کیے اور یہ اس کی کتاب DE HAERSI BUS کے آخری باب کے اہم موضوعات ہیں۔

خلیفہ مامون (۸۱۳ء تا ۸۳۳ء) کے ایک درباری نے عبدالمسیح الکندی کا قلمی نام اختیار کر کے الرسالہ کے نام سے ایک خیالی اور فرضی مکالمہ لکھا۔ مغربی محققین اور علماء نے اس کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا۔ انیسویں صدی میں ولیم نے اس کا عربی متن پروٹسٹنٹ مشنری سکول کے استعمال کے لیے ۱۸۸۰ء میں لندن سے شائع کیا گیا۔ ولیم میور نے اس کا تلخیصی ترجمہ زیر عنوان The Apology of All KINDI لندن سے ۱۸۸۷ء میں شائع کیا۔ اور مختلف زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔ رسالہ کے مرکزی مضامین میں رسول کریم ﷺ کی نبوت سے انکار، قرآن کا مذاق سیرت محمدیہ کے فرضی جنسی شھوت اور جنگی جرائم مثلاً لوٹ کھسوٹ قتل و غارت، اور دیگر من گھڑت افسانے شامل ہیں۔ یہ وہ جو کتب ہیں جو مستشرقین کے خیالات کا ماخذ اور مصدر بنیں۔

آٹھویں صدی کے اواخر اور نویں صدی کے آغاز میں عروج اسلام پر تھیوسوفین (۷۵۸ء۔۸۱۸ء) نے کرانکل لکھی اس تاریخ "The chronicles of the Dsophane the Confessor" کو اناسٹیس Anastastus نے اپنی تاریخ کلیسا کا حصہ بنا لیا۔ کرانکل دراصل عہد وسطیٰ (Middle Ages) میں شائع شدہ خرافات اور من گھڑت کہانیاں کا مجموعہ ہے۔ اس کا سب سے دلچسپ اور حیران کن حصہ وہ ہے۔ جس میں رسول کریم ﷺ کی تعلیمات سے بحث کی گئی ہے موصوف نے یہ بات ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے کہ محمد ﷺ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ ان کو اُمی ٹھہرانا افتراء کذب کے مترادف ہے۔ اس کا واضح مقصد یہ تھا کہ اگر محمد ﷺ کو اعلیٰ تعلیم یافتہ ثابت کر دیا جائے تو یہ دعویٰ خود بخود ثابت ہو جائے گا۔ کہ انہوں نے یہود اور عیسائی الہامی کتب کا پُرعمیق مطالعہ کیا ہے۔ ان کی مسخ شدہ معلومات کو اسلام کا نام دے دیا گیا ہے کہانی اس لیے وضع کی گئی کہ عیسائیت اور یہودیت ہی اسلام کا اصل ماخذ اور مصدر ہیں۔ نویں صدی عیسوی کا شاہ بسل (۸۶۷ء۔۸۸۶ء) کی فرمائش پر ایک بزنطینی مولف نے رسول کریم ﷺ کے خلاف ایک کتاب (Refutatio Mohammad) تحریر کی۔ جس میں آپ ﷺ کو نبی کاذب کے علاوہ ابن ابلیس (العیاذ باللہ) بھی قرار دیا قرآن مجید کو جھوٹ اور خرافاتی کہانیوں کا مجموعہ قرار دے کر غیر الہامی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اسلام کے عقیدہ توحید (لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ) کا مذاق اڑایا اور مسلمانوں پر یہ الزام دھرا کہ ان کا خدا کی پرستش سے کوئی واسطہ نہیں اسلام چونکہ عیسیٰ بن مریم کے عقیدہ کا حامی ہے اور عیسیٰ ابن مریم کی تردید کرتا ہے اس لیے مولف کے نزدیک اسلام اور اس کا پیغمبر سب کاذب اور جھوٹے ہیں۔

مستشرقین کا جو گروہ ہسپانیہ میں پیدا ہوا۔ وہ بھی ان ہی باطل مصادر کا پیروکار رہا ہے اور اسلام کے اصل ماخذوں کو انھوں نے جان بوجھ کر نظر انداز کیا۔ حالانکہ ہسپانیہ میں نو سو سالوں تک مسلمان نے حکومت کی۔ ان مستشرقین نے بھی کرانکل اور دیگر خرافات سے پُر کتب ہی اپنی تصنیفات کی بنیاد رکھی۔

قرطبہ کے پوپ (Steuiogius) نے اپنی تصنیف "Liber Apologeticus Mar Lirum" کی بنیاد کرانکل اور لاطینی مسودات اور مخطوطات پر رکھی۔ اس نے خود اعتراف کیا۔ کہ اس نے رسول کریم ﷺ اور اسلام کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کیا ہے یہ کتاب بھی محض خرافات کا پلندہ ہے دوسرے ہسپانوی محقق اور عالم سان پر ڈو پاسکل (San perdo Pascal) کی تالیف (Sobre Elsetonnanometana) کندی کے رسالہ کا چربہ ہے چونکہ مسلمانوں نے نو سو سال تک اسپین پر حکومت کی اور وہ حکومت عیسائی اپنے لیے ایک عذاب سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کی نظر میں اسلام عیسائیت کا بدترین دشمن ہے۔ یہی نفرت ان کی تالیفات میں جھلکتی نظر آتی ہے۔ ونسنٹ ڈی بیوس (م۱۲۶۴ء) نے ان تمام خرافات کو اپنی تالیف (Specculam Hiestoricale) میں جمع کر دیا۔ رسول کریم ﷺ کو (نعوذ باللہ) ایک .... (Pagan) ذلیل (Low Bora) ثابت کیا ہے۔ انہوں نے بھی وہ الزام دھرا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اسلام بزور شمشیر پھیلایا اور وحی کے نام پر فریب کاری کی اور عوام کو دھوکا دیا۔

تحریک استشراق کا باقاعدہ آغاز صلیبی جنگوں کے بعد ہوتا ہے۔ صلیبی جنگیں تقریباً پانچ سو سال جاری رہیں۔ جنگیں صرف سیاسی ہی نہیں بلکہ مذہب کا رنگ دھار گئیں ان میں یورپ کے بادشاہوں اور کلیسا دونوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۰۹۹ء میں پہلی خون آشام صلیبی جنگ ہوئی، دوسری صلیبی جنگ ۱۱۴۷ء میں لڑی گئی۔ تیسری صلیبی جنگ سلطان صلاح الدین اور شاہ انگلستان رچرڈ کے درمیان ۱۱۸۹ء سے ۱۱۹۳ء تک جاری رہی چوتھی صلیبی جنگ ۱۲۰۵ء، ۱۲۰۴ء کے درمیان لڑی گئی اور پانچویں جنگ ۱۲۱۷ء میں ہوئی چھٹی صلیبی جنگ ۱۲۳۹ء میں ہوئی۔ جب صلیبی جنگیں مسلمانوں کو زیر کرنے میں ناکام ثابت ہو گئیں تو اہل صلیب نے منگولوں کے ساتھ عسکری اتحاد ۱۲۴۹ء اور ۱۲۵۰ء کے درمیان قائم کیا۔ اس اتحاد کے نتیجہ میں سقوط بغداد کا سانحہ ۱۲۵۸ء میں پیش آیا۔ آٹھویں صلیبی جنگ ۱۲۷۱ء میں لڑی گئی۔ نویں صلیبی جنگ ۱۳۶۵ء اور آخری جنگ ۱۴۶۴ء میں ہوئی۔ ان پانچ صدیوں میں یورپ کے پادریوں، شاعروں، ادیبوں اور مفکرین نے اسلام کے خلاف مسیحی لوگوں کے جذبات کو بھڑکایا۔ جنگوں کو مذہبی رنگ دیا۔ درجہ شہادت حاصل کرنے کے لیے اکسایا۔ صلیبی جنگوں پر سٹی ون رنسی مان Steven Runciman کی تین جلدیں قابل مطالعہ ہیں ہلاکو کی زوجہ خاصہ (Chief wife) ایک عیسائی خاتون تھی۔ جو مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے فوجیوں کو ابھارتی رہی سقوط بغداد کے وقت ہلاکو کے ساتھ تھیں ہلاکو کا بڑا قابل اعتماد جرنیل Kutabuga بھی نسطوری عیسائی تھا اور بغداد کی مہم میں شریک تھا۔ بغداد کی تاراجی کے بعد اسی ہزار افراد قتل کیے گئے۔ (رنسی مان کی جلد دوم صفحات ۲۴۲ تا ۳۰۰، فلسطین اور بین الاقوامی سیاست باب چہارم ص ص ۱۷۶ تا ۲۸۳ مصنفہ پروفیسر سید حبیب الحق ندوی، ڈربن یونیورسٹی جنوبی افریقہ)

صلیبی جنگوں میں شکست اور مشترکہ عسکری قوت کے خاتمہ کی وجہ سے اہل یورپ اسلامی نفرت اور غصے کی آگ میں جلنے لگے۔ اسلام کے خلاف نفرت کی ایک نئی لہر دوڑ گئی نثر نگار اور شعراء دونوں میدان مبارزت میں اتر آئے۔ جتنا بھی کسی کے قلم میں زور تھا اس کو استعمال میں لایا۔ اور عجیب و غریب قسم کی خرافات صفحہ قرطاس پر لائی گئیں ۱۱۴۱ء میں پیٹر (Peter the venerable) نے چند عربی کتب کے تراجم لاطینی زبان میں کرائے۔ رابرٹ (Robert) اور ہرمن نے چار عربی کتب کے تراجم کیے جن پر پیٹر نے مقدمے لکھے جو خرافات، کذب بیانی اور جہالت سے پُر تھے۔ پیٹر کی سیرت النبی ﷺ پر بھی ایک مستقل تصنیف بعنوان "Laviede Mahomit" ہے جس میں دل کھول کر رسول کریم ﷺ کے خلاف اپنے بغض و عناد کا اظہار کیا۔ پیٹر کی کتب نے یورپ میں اسلام کے خلاف مخالفت کا ایک نیا باب کھول دیا۔ نثر اور نظم دونوں صنف میں مخالفانہ ادب معرض وجود میں آنا شروع ہو گیا۔ والٹر (Walter of sens) نے لاطینی زبان میں اور الیگزینڈر (Alexander Duport) نے فرانسیسی زبان میں معاندانہ ادب پیدا کیا۔ ایک شعری مرثیہ گیارہ سو بیالیس اشعار پر مشتمل زیر عنوان (Avila Muhamitl) لکھا گیا اسے بارھویں صدی کے شاعر امبری کوف (EmbricoofMaimc) کے نام منسوب کر دیا گیا۔ بعضوں نے اس مرثیہ کو ہلڈ برٹ (Hildobert of Tours) کے نام منسوب کر دیا۔ یہ مرثیہ (نعوذ باللہ) غلاظت، کذب بیانی، افتراء اور خرافات سے پُر ہے۔ اس قسم کی شعری سیرت "اویٹودی محمد" جو ۱۰۹۰ پر مشتمل تھی، معرض وجود میں آئی۔ نثری اور شعری سیرت کے ساتھ ساتھ صلیبی جنگوں پر تالیفات آنی شروع ہو گئیں۔ چنانچہ مشہور مصنف گلبرٹ (Guilbert of Nogent) نے پہلی صلیب پر ایک کتاب زیر عنوان گستا (Giesta Dei Der Frahceo) لکھی

جو ۱۱۱۲ء سے قبل مکمل ہو گئی۔ اس میں رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ پر ایک باب ہے جو ازمنہ وسطی میں خرافات لکھی گئی تھیں۔ ان کا مکمل طور پر آئینہ دار ہے۔ اور عجیب عجیب داستانیں گھڑ کر پیش کی گئیں۔ ایک کہانی پڑھنے کے لائق ہے۔ مولف لکھتا ہے کہ الگزنڈریا (Alexandri) کے پیٹر یارک (Patricrch) کا الیکشن ہونے والا تھا اس انتخاب میں حصہ لینے والا پادری اپنے انتخاب سے مایوس ہو گیا۔ تو اس نے چرچ کے خلاف انتقامی کارروائی کا منصوبہ بنایا۔ اور محمد ﷺ کے ساتھ سازباز کی۔ اور عیسائیت میں تفرقہ ڈالنے کے لیے محمد ﷺ کو تربیت دی۔ اور آپ کی شادی ایک مالدار عورت خدیجہ سے کروا ڈالی۔ اور پادی نے محمد (ﷺ) کی حمایت کی۔ اور ان کی نبوت کا اعلان کیا تاکہ عیسائیت پر کاری ضرب پڑ سکے۔ اس طرح محمد (ﷺ) نبی بن گئے اور مذہب اسلام کی دعوت دینی شروع کر دی۔ اس طرح مسیحیت میں تفرقہ پڑ گیا۔

اس سے زیادہ دلچسپ بات یہ بیان کی گئی کہ محمد (ﷺ) خود پادری (Cardinal) تھے اور پوپ کے مرتبہ پر ترقی پانے کے امیدوار تھے مگر جب انہیں اس میں کامیابی نہ ہوئی تو روم سے بھاگ کر عرب آ گئے۔ اور وہاں دعویٰ نبوت کر دیا۔

ایک روایت کے مطابق یروشلم کے بشپ سرگیس (Sergius) نے محمد (ﷺ) کو نبوت کے دعویٰ پر امادہ کیا اور ان کے لیے قرآن نامی کتاب لکھی۔

قارئین اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان مستشرقین نے اپنی کتب کو کس قسم کی خرافات سے مزین کیا ہے۔ جن کا حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

۱۲۷۱ء میں ولیم (William of Tro poli) نے رسول کریم (ﷺ) کی حیات طیبہ پر کتاب لکھی۔ جس میں خرافات کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

اس دور کے مستشرقین میں صرف دو ایسے مصنف نظر آتے ہیں جو ایک حد تک گمراہی کے طریقے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ وہ ہیں William of Mal Mesbury اور الفونسو۔

اطالوی شاعر دانتے (Dante) (۱۲۶۸ء۔۱۳۲۱ء) جو اپنے دور کا روشن خیال اور وسیع المشرب شاعر اور اٹلی کی نشاۃ کا بانی مبانی خیال کیا جاتا ہے یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں اس کا کردار نمایاں ہے اس کی مشہور نظم (The Divine Comedy) نشاۃ ثانیہ کی مشعل راہ خیال کی جاتی ہے موجودہ تحقیق کی روشنی میں شاعر نے احادیث معراج سے استفادہ کیا ہے دوم ابن العربی کی کتاب فتوحات مکیہ اور المعری کے رسالہ الغفران سے بھی فائدہ حاصل کیا گیا ہے۔

اس نظم کا وہ اقتباس نہایت ہی شرمناک ہے جس میں رسول کریم ﷺ کا ذکر آیا ہے۔

دانتے پر صلیبی جنگوں کی شکست کا بہت ہی گہرا اثر ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے دل میں اسلام کے خلاف شدید نفرت اور بغض تھا۔ اس نے اپنے بغض کو الفاظ میں لا کر یورپ کو ہلا دیا۔

یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے بعد ایک نئی تحریک رومانی نے جنم لیا۔ اس نے رومی اور یونانی تہذیب کی کہنہ زنجیروں کو توڑ کر رکھ دیا۔ اور ایک نئی یورپی تہذیب کی سحر نمودار ہوئی۔ مذہبی تعصب، تنگ نظری، رجعت پسندی کے خلاف نئے مکتبہ فکر معرض وجود میں آئے۔ اس روشن خیالی کے باوجود اسلام کی تعبیر وتفسیر لاطینی مصادر کے مطابق ہی کی جاتی رہی۔ کیونکہ وہ مواخذ اور مصادر یورپین کے نزدیک آخری سند کی حیثیت رکھتے تھے اور ان پر نعوذ باللہ رسول کریم ﷺ کو ملحد اور بے دین گردانا گیا۔ اور بزعم خویش محمد (ﷺ) نے عیسائیت میں تفرقہ ڈالا تھا اس لیے آپ کو عیسائیت کا ازلی دشمن قرار دیا گیا۔

انگریزی ادب کے باوا آدم یاسر (۱۳۴۰ء۔۱۴۰۰) کی ایک نظم میں رسول کریم ﷺ (Termagent) کے نام سے متعارف کیا گیا۔ جس کی تشریح یہ ہے وہ (نعوذ باللہ) وہ بت ہے جسے مسلمان پوجتے ہیں۔ سولہویں صدی کے ایک مشہور ڈرامہ نویس مارلو (Marlowe) (۱۵۶۴ء......۱۵۹۳ء) نے اپنے ڈرامے (Tamburlaine) نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعش مبارک کے متعلق ایک خیالی افسانہ گڑھا۔

انگریزی ادب کی دو ممتاز شخصیتوں شیکسپیر (Shakespeare) (۱۵۶۴ء۔ ۱۶۱۶ء) اور لارڈ بیکن (Lord Bacon) (۱۵۶۱ء۔ ۱۶۲۶ء) نے بھی سیرت طیبہ پر خامہ فرسائی کی۔ لیکن یہ بھی جہالت، تعصب اور تنگی نظری کے پردہ سے باہر نہ نکل پائے۔

استعماریت کا دور

سترھویں صدی استعماریت کے عروج کی صدی ہے عالم اسلام انگریز، ہالینڈ اور فرانس کے پنجہ اسیری میں آ چکا ہے۔ اس لیے نئے نئے مسائل رونما ہو چکے تھے۔ یورپین اقوام کو اسلامی کلچر اور عوام سے براہ راست سابقہ پڑا مستشرقین سیاحوں نے مسلم ممالک میں جو دیکھا اور پایا وہ لاطینی اور بزنطینی مصادر کا ضد تھا۔ مزید براں لوٹ مار سے اسلامی علوم کے مصادر، مسودات اور مخطوطات یورپ کی لائبریریوں کی زینت بن گئے جب یہ علمی خزانہ زیر مطالعہ آیا تو صحیح حقائق سامنے آنے لگے۔ ۱۶۴۹ء میں قرآن مجید کا انگریزی اور فرانسیسی ترجمہ شائع ہوا۔ ۱۶۳۶ء میں بڑھتی ہوئی علمی سرگرمیوں کے زیر اثر کیمبرج یونیورسٹی میں عربی چیئر قائم ہوئی۔ اسی طرح اکسفورڈ یونیورسٹی میں بھی عربی علوم کی تدریس شروع ہو گئی۔ جامعات میں عربی علوم کے صدر اسلام دشمن مشنری تھے جن میں میک برانڈ اور لی مشہور ہیں۔

جامعات میں عربی علوم پڑھانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اسلام کے اصلی مصادر کو پڑھا جائے۔ اور حقائق تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

یورپ میں وقفے وقفے کے بعد نئی نئی تحریکات جنم لے رہی تھیں۔ انہی تحریکوں میں لوتھر کی تحریک تھی۔ جس نے چرچ اور چرچ کی غلط رسومات پر ایک کاری ضرب لگائی۔ لیکن ایک مذہبی مصلح ہونے کے باوجود رسول کریم ﷺ کا دشمن رہا۔ اور آپ (ﷺ) کو گاگ اور میگاگ (Gog-Magog) قرار دیا۔ اسی طرح آپ کو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عیسائیت کی تباہی کا ذمہ دار گردانا۔

سترھویں صدی میں مشہور مصنف بڈول (Bed well) (م ۱۶۳۲ء) نے اپنی تصنیف (نعوذ باللہ) "محمد کاذب" میں رسول کریم ﷺ کی ذات بابرکات پر گستاخانہ حملے کیے۔ جین برڈ (Gane Bard) نامی کیتھولک مصنف نے یہ الزام لگایا کہ قرآن مجید کی تالیف کسی مہذب زبان لاطینی، عبرانی اور یونانی میں نہیں کی گئی بلکہ ایک وحشی زبان میں کی گئی اور رسول کریم ﷺ (العیاذ باللہ) خود ایک وحشی درندے تھے۔ اس لیے قرآن کو اسی زبان میں تحریر کیا۔ اینڈری (Andre) نے چند عربی کتب کے انگریزی ترجمے کیے۔ ساتھ ہی ۱۹۴۹ء میں قرآن مجید کا انگریزی اور فرانسیسی ترجمہ بھی کیا۔

سترھویں صدی کی سیرۃ طیبہ پر مشہور کتب میں سے ہمفری پری ڈیکس کی کتاب "The True Nature of imposture fuliy displayed in the life of Mahomet" ہے۔ یہ کتاب ۱۶۹۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کی مقبولیت کے پیش نظر اگلے سال فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوا۔ ہمفری اکسفورڈ یونیورسٹی سے عبرانی کے استاد ہونے کی علاوہ کرائسٹ چرچ کے ڈین جیسے ممتاز عہدے پر فائز تھے۔ اس کتاب کے مصادر بھی قرون وسطیٰ کی مذکورہ کتب تھیں۔ پرانی شراب نئی بوتل میں ڈال دی گئی۔

اس دور میں ایک مستشرق پیکاک (Edward Peacoke) پرانی ڈگر سے ہٹ کر لکھنے والا نظر آتا ہے اس نے رسول کریم ﷺ کی سیرت پر نظر ثانی کی۔ اور بعض افسانوں کو مسترد کر دیا۔ اٹلی کے مستشرق پادری (Abb) نے قرآن مجید کا لاطینی ترجمہ کیا اپنی کتاب "Prodomiusad Refutationem" میں اسلام پر نہایت رکیک حملے کیے اور رسول کریم ﷺ کو کاذب نبی قرار دیا۔ اسی دوران ایک اور ممتاز سیرۃ نگار سائمن آکلے (Simon Ockley) (۱۶۷۸ء۔ ۱۷۲۰ء) گزرے ہیں یہ بھی کیمبرج یونیورسٹی کے استاد اور کلیسا کے عہدے دار تھے۔ موصوف نے The History of Saracens تصنیف کی۔ اس میں بطور ضمیمہ (The Life of the Prophet) شامل ہے۔ جس میں مصنف نے مشرقی کلیسا کی تباہی کا باعث حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرار دیا ہے۔ سترھویں صدی میں الیگزینڈر راس (Alexander Ross) نے اپنی تصنیف پنڈبلیا (Pandeblia) ۱۶۵۳ء میں تقابل ادیان پر لکھی۔ اور پرانی ڈگر سے ہٹ کر اسلام کے بارے میں چند اچھے کلمات لکھے۔ پادری چیپلن (ChapLain) مسمی Addison (Addirson) نے کتاب حیات و وفات محمد (Life and Death of Muhammad) ۱۶۷۸ء میں لندن سے شائع کی۔ اس کے مصادر بھی لاطینی خرافات تھے۔ اور بڑا اعتراض یہ کیا کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی

میں قرآن مجید شائع نہیں کیا۔

مونیس نیور کوئی اپنی کتاب ''دین حق کی جستجو'' میں رقمطراز ہے۔

''مشرق میں ایک نیا دشمن پیدا ہوا یعنی اسلام جس کی بنیاد ہی طاقت کے استعمال اور بے انتہا تعصب پر ہے۔ محمد (ﷺ) نے اپنے متبعین کو تلوار دی۔ مقدس اخلاقی روایتوں کا کوئی لحاظ نہ رکھا، اپنے پیروکاروں کو بدی اور غصب و نہب کی اجازت دی۔ جنگ میں ہلاک ہونے والوں سے جنت میں دائمی لطف و لذت کے وعدے کیے۔ کچھ ہی عرصہ میں ایشیاء کوچک، افریقہ اور اسپین ان کا شکار ہو گئے۔ اٹلی تک ان سے خطرہ لاحق ہو گیا۔ اس اندھی نے نصف فرانس اس کی لپیٹ میں لے لیا۔ شہر میں یہ آفت آ چکی تھی مگر مسیحیت نے شارلیمان کی تلوار سے بواتیہ کے پاس (۷۵۲ھ) اسلام کی فتوحات کا راستہ مسدود کر دیا۔ پھر تقریباً دو صدیوں (۱۰۹۹ھ تا ۱۲۵۴ھ) تک صلیبی جنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔ یورپ ہتھیاروں سے لیس ہو گیا اور مسیحیت کو نجات ملی۔ صلیبی پرچم کے سامنے ہلالی (حربی) قوت پسپا ہو گئی۔ انجیل کو قرآن اور اس کی عام اخلاقیات پر فتح نصیب ہوئی۔''[1]

موسیو کیمون اپنی کتاب ''تھیالوجی آف اسلام'' میں لکھتا ہے۔ محمدی ایک کوڑھ ہے جو لوگوں میں پھیلا اور ان کو تباہ کرتا چلا گیا بلکہ خوف ناک مرض، ایک عمومی فالج اور دماغی خلل ہے جو انسان میں کاہلی اور پژمردگی جنم دیتا ہے اور ان میں اگر خوابیدگی پیدا ہوتی ہے تو صرف خون ریزی اور شراب نوشی کے لیے اس لیے وہ برائیوں کے عادی بن جاتے ہیں مکہ میں محمد (ﷺ) کی قبر کیا ہے؟ ایک بجلی گھر ہے جو مسلمانوں کے اذہان میں دیوانگی پھیلاتا ہے اس کی وجہ سے ان پر جب ہسٹریائی دورے پڑتے ہیں تو دماغی جنون میں اللہ اللہ کا ورد شروع کر دیتے ہیں۔ اسلام چند باتوں کو انسان کی فطرت ثانیہ بنا دیتا ہے جیسے لحم خنزیر اور شراب موسیقی سے نفرت اور طبائع کو بختی اور حیات تعیش کا عادی بنا دیتا ہے۔[2]

جو یلیاں اپنی کتاب ''تاریخ فرانس'' میں رقمطراز ہے۔ ''مسلمانوں کے مذہب کے بانی محمد (ﷺ) نے اپنے متبعین کو حکم دیا ہے کہ دنیا کو زیر کرتے ہوئے تمام مذاہب کی جگہ اسلام کو نافذ کریں۔ ان بت پرستوں اور عیسائیوں میں کتنا فرق ہے، عربوں نے طاقت کے زور پر مذہب کو مسلط کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ اسلام قبول کرو یا مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ (جب کہ) متبعین مسیح نے نیکی اور حسن سلوک کے ذریعے سکون بخشا اگر ہم پر عربوں کا غلبہ ہو جاتا تو دنیا کا کیا حال ہوتا تب تو ہم بھی الجزائر اور مراکش کے لوگوں کی طرح مسلمان ہوتے۔[3]

ڈاکٹر گلوور نے اپنی کتاب ''عالمی عیسائی مشنریوں میں پیش رفت ۱۹۶۰ء میں نیویارک سے شائع ہوئی۔ میں لکھتا ہے۔ ''محمد کی تلوار اور قرآن کی تہذیب سچائی اور حریت کے سب سے بڑے دشمن یہی ہیں۔ یہ ایسے تباہ کن عوامل ہیں جن سے دنیا اب آشنا ہے۔[4]

قرآن پلندہ ہے نیم سچائیوں، بے سروپا کہانیوں اور مذہبیات کا جو تاریخی غلطیوں اور بے بنیاد افسانوں کا ایک عجیب و غریب مجموعہ ہے۔ مزید برآں اس میں اس قدر ابہام ہے کہ تفسیر کے بغیر کوئی اس کو سمجھ نہیں سکتا۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا ایک ہے، بے نیاز ہے، وہ کسی کا باپ نہیں وہ کسی کی اولاد نہیں۔ یہ بھی ان کا عقیدہ ہے کہ خدا ہی بادشاہ ہے، زبردست اور غالب ہے، مگر اس کا مخلوق اور رعایا سے کوئی رشتہ نہیں۔''[5]

ڈاکٹر گلوور اب رسول کریم ﷺ کی ذات کو ہدف بتاتے ہوئے لکھتا ہے۔ ''محمد ایک مطلق العنان حاکم'' تھے وہ سمجھتے تھے کہ بادشاہ کا یہ حق ہوتا ہے کہ رعایا اس کی خواہشات کی پیروی کرے۔ یہ خیالستان کے دل و دماغ پر پوری طرح مستولی تھا۔ ان کا یہ عزم تھا کہ ایسے تمام لوگوں کا سر قلم کر دیا جائے جو ان کی مخالفت پر آمادہ ہوں۔ ان کا عربی لشکر تہدید دینے اور ظلم و زیادتی کرنے کے لیے بے چین رہتا تھا۔ رسول (ﷺ) نے ان کو ہدایت دی تھی کہ ہر اس شخص کو قتل کر دیا جائے جو ان کی بات ماننے سے انکار کر دے اور ان کے رستہ پر چلنے کے لیے تیار نہ ہو۔[6]

سفاری جس نے ۷۵۲ھ میں قرآن کا ترجمہ کیا تھا۔ یہ لکھتا ہے کہ ''محمد (ﷺ) نے خداوندی اقتدار کا سہارا لیا کہ لوگ اس عقیدہ کو تسلیم کریں چنانچہ انھوں نے مطالبہ کیا کہ لوگ ان کو خدا کا رسول تسلیم کریں۔ ان پر ایمان لائیں حالانکہ یہ جھوٹا عقیدہ ان ہی کی عقل کا پیدا کردہ تھا۔[7]

(۱ تا ۷ محمد البہی: الفکر الاسلامی الحدیث وصلتہ بالاستعمار الغربی ص ۵۰۷)

اٹھارویں صدی

مستشرقین نے اسلام کے حقیقی مصادر کا براہ راست مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ گو مجموعی طور پر مستشرقین کا رویہ اسلام کے بارے میں معاندانہ ہی تھا اور تعصب کے دائرے سے باہر نکل نہ پائے اور لاطینی روایات کے قائل ہی رہے۔ بعض ایسے مصنف بھی پیدا ہوئے۔ جن کے رویہ میں نمایاں تبدیلی تھی ان میں سے ایک ڈچ مستشرق اتچ ریلان تھا۔ اپنی تصنیف ”مذہب محمدؐ“ (De-Religion Mahommedica) جو ۱۷۰۴ء میں منصۂ شہود پر آئی۔ جس میں اسلام اور بانی اسلام کے ساتھ انصاف اور رواداری برتی اور مستشرقین پر زور دیا کہ وہ اسلام کے حقیقی مصادر کی طرف رجوع کریں۔ یہ پہلا مصنف ہے جس نے واضح طور پر لکھا کہ یورپ میں اسلام کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اور یہ بات زور دے کر کہی کہ اسلام کو صحیح سمجھنے سے عیسائیت کا ہی فائدہ ہے۔ اس تصنیف نے مستشرقین کے اذہان کو ضرور متاثر کیا۔ کانٹ (Count) نے کتاب (Vie De Mahomet) ۱۹۳۰ء میں لندن سے شائع کی۔ اس میں واضح طور پر اسلام اور رسول کریم ﷺ کے متعلق رویہ بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ مصنف نے اسلام کو ایک عقلی مذہب قرار دیا اور رسول کریم ﷺ کو ایک سچا نبی تسلیم کیا۔ اس میں اسلام کے خلاف یورپ کے بوسیدہ عقائد اور بازنطینی خرافات کی نفی تھی۔ کانٹ کے خلاف تحریک چل پڑی۔ سیل اور راوڈل نے شدت کے ساتھ اسلام کے خلاف بازنطینی خرافات کو بنیاد بنا کر رسول کریم ﷺ کو کاذب نبی اور اسلام کو مفسد مذہب قرار دیا جین گگنٹر (Jean Gagnter) نے دو کتب لکھیں۔ ایک ۱۷۳۳ء میں اور دوسری ۱۷۴۸ء میں شائع ہوئی۔ جس کے ذریعہ کاؤنٹ کی کتاب کے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کی گئی اور کانٹ کے بالمقابل نئی تصنیف اسی نام سے ۱۷۴۸ء میں ایمسر ڈیم سے شائع کی۔ مؤلف نے (العیاذ باللہ) مقدمہ میں رسول کریم ﷺ کو انسانیت اور خدا کا دشمن قرار دیا۔

جیسا کہ پہلے یہ ذکر کیا جا چکا ہے مسلم ممالک پر یورپین غلبہ کی وجہ سے مسلمانوں سے رابطے، یورپ میں علوم جدیدہ کے احیاء، روشن خیالی، اور اسلام کے حقیقی مصادر کا براہ راست مطالعہ سے مستشرقین کے اذہان میں ضرورت تبدیلی آئی۔ مزید براں خال خال حقیقت پسند علماء بھی پیدا ہو گئے۔ جن کی تحریرات نے قدیم باطل نظریات کی نفی کی۔ انہی حق پسند مستشرقین میں سیوری (Savery) بھی ہے۔ موصوف نے ۱۷۵۲ء میں قرآن مجید کا فرانسیسی ترجمہ کیا اور اس میں رسول کریم ﷺ کی مختصر سوانح بھی لکھی۔ آپ ﷺ کو تاریخ کی غیر معمولی شخصیت قرار دیا۔ لیکن نبی کریم ﷺ کو سچا نبی تسلیم کرنے سے انکار کیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ رسول کریم ﷺ نے عقیدہ توحید یہودیت اور عیسائیت سے مستعار لیا ہے۔ ایڈورڈ گبن (Edward Gibgon) جس نے زوال روما کی تاریخ پر چھ جلدیں لکھ کر شہرت حاصل کی۔ ۱۷۸۰ء میں کتاب مذکورہ کے پچاسویں باب میں اسلام اور محمد ﷺ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اور رسول کریم ﷺ کو (العیاذ باللہ) کاذب نبی قرار دیا۔ مزید براں یہ بھی لکھا کہ آخری عمر میں شہوت، لالچ، جاہ طلبی کا شکار ہو گئے۔ اور محمد ﷺ ظلم، فریب کاری اور ناانصافی کے پیکر تھے۔ اور اسلام بزور شمشیر پھیلا۔

اٹھارویں صدی کا ایک اور روشن خیال اور انقلابی شخصیت والٹیر (Voltare) ہے۔ اپنے اندر انقلابی اور روشن خیالی روح رکھنے کے باوجود اسلام اور محمد ﷺ کے متعلق فرسودہ اور باطل نظریات سے نجات نہ پا سکا۔ اپنے دور کا یہ وہ شخص ہے جس کے خیالات سند کے طور پر تسلیم کیئے جاتے تھے۔ یہ شخص بھی اسلام دشمنی کے دائرہ سے باہر نہ نکل سکا۔ اس نے اپنے ڈرامہ (Play) دین محمد مسمّی (Le Fanatlsme ou Mahomat laprophets) جو ۱۷۴۳ء میں شائع ہوا۔ میں اسلام کے خلاف لکھا اور ان مصنفین کی مذمت کی جنہوں نے اسلام اور محمد ﷺ کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا۔ اس نے بھی بازنطینی ماخذ پر بنیاد رکھ کر رسول کریم ﷺ کو کاذب نبی (العیاذ باللہ) اور مسلمانوں کو وحشی قصہ قرار دیا ہے اسی طرح اپنے مقالات (۱۷۵۶ء) میں بھی والٹیر نے رسول کریم ﷺ اور اسلام سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔ والٹیر اپنے دور کا ایک عظیم مفکر گردانا جاتا تھا۔ اس کے قلم سے لکھے ہوئے الفاظ کا یہ اثر ہوا کہ مستشرقین کے قلوب و اذہان میں اسلام کے خلاف اور نفرت پیدا ہو گئی ان میں سے ایک ڈیڈراٹ (Diderat) ہے۔ جس نے رسول کریم ﷺ کی ایک بدنما سیرت پیش کی۔ رسول کریم ﷺ کو (العیاذ باللہ) شہوت پرست، حسین عورتوں کا دلدارہ قرار دیا اور اسلام کو عقل کا دشمن ثابت کیا اس طرح فرانسیسی مستشرق رنان (۱۸۳۲ء تا ۱۸۹۲ء) (Rennan) نے بھی اسلام کو عقل کا دشمن مذہب قرار دیا۔

انیسویں صدی

اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے انیسویں صدی کے مستشرقین پر نظر دوڑاتے ہیں اس صدی کا مشہور مصنف لارڈ میور ہے جس نے سیرۃ طیبہ پر (Life of Muhammad) لکھی اور مستشرقین کی تمام کتب سے زیادہ اس کتاب کو شہرت حاصل ہوئی۔ حتیٰ کہ مصنف کی زندگی میں ہی اس کے تین ایڈیشن ختم ہو گئے۔ اس کتاب کا انداز بھی اسلام دشمنی تھا۔ دل کھول کر رسول کریم ﷺ کے خلاف اپنے بغض کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ کے خلاف لکھتا ہے۔

The sword of Muhammad and the Koran, are the most stuhborn enemies of Civilisation, Liberty, and Truth which the world has yet known.

پھر رقمطراز ہے: ''محمد (ﷺ) کو (نعوذ باللہ) خود اپنی وحی پر یقین نہ رکھتے تھے (Life of Mohamet vol 11 P142)

سرسید نے اپنی تصنیف ''خطبات احمدیہ'' میں لارڈ میور کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا ہے اسی دور کا ایک مشہور سیرت نگار سپرنگر (Aloys Sprenger) ہے۔ اپنی تصنیف "Das Lebenunddie Leherdes Mohammed" میں اسی پرانے اعتراض مرض ''صرع'' پر زور دیا ہے اور نبوت اور وحی کا مفہوم طبی اصطلاحات کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مزید براں اس نکتہ پر زور دیا گیا ہے کہ اسلام کا پیغام بجز عصری حسیت کے اور کچھ نہیں۔

مزید لکھتا ہے ''اسلام کا کارنامہ ہے اس بہروپیے نے اپنی بدکرداری اور ذہنی بے راہ روی سے آلودہ کیا یہ تمام قابل اعتراض تعلیمات اسی کی اپنی ہیں۔ (Life of Mohammad)

مستشرقین میں سے ہنیری لمینس (۱۸۶۲ء۔۱۹۳۷ء) مشہور سیرۃ نگار ہے اس کی سیرۃ پر کئی کتب ہیں۔

1- Quran et tradition comment fut composee lavie de Mahomet Recherehes de science religieuse (1910)

2- Mahomet fut-il sincere (1911) I,II

3- L'aage de Mahomet et la chornologie de la Sira, Journal Asiatique (1911) XVII

4- Fatima et less filles de Mahomet, notes critiques pourl' etude de la sira (Rome 1912)

موصوف مشنری رسالے ''البشیر'' کا مدیر تھا۔ مشنری ہونے کے ناطے رسول کریم ﷺ کو عیسائیت کا دشمن قرار دیتا ہے۔ تعدد ازدواج پر اپنے تعصب اور بغض کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ اپنی تصنیف (Republique Marachande) کے ذریعے سیرۃ نگاری کو ایک نیا رنگ دیا۔ اس تصنیف میں موصوف نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں عرب معاشرتی، سیاسی، معاشی لحاظ سے منتشر تھا۔ حالات اس بات کا تقاضا کرتے تھے کہ کوئی مصلح اٹھے جو عرب میں اتحاد پیدا کرے چنانچہ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر آپؐ نے مختلف قبائل کو ایک پرچم کے تلے جمع کر کے عرب قومیت کو فروغ دیا۔ الغرض اسلام محض سماجی یا سیاسی اور معاشی عزائم پر مبنی ایک ایسی تحریک ہے اس کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں۔

گریوے باؤم نے حجر اسود کے بارے میں تحریر کیا کہ کعبے کے پرستاروں کے لیے حقیقی کشش ایک یہ سیاہ پتھر میں تھی۔ یہ قدیم الایام پتھر اس کی دیواروں میں نصب تھا۔ رسول کریم ﷺ کو بادل نخواستہ اس پتھر کے تقدس و احترام کو اسلامی رسوم میں جگہ دینا پڑی جہاں وہ اب بھی اس امر کا ثبوت کے طور پر موجود ہے کہ اسلام قدیم رسول سے اپنا دامن چھڑوانے میں ناکام رہا۔ (MediaevalIslam P.68)

نکلسن: نکلسن نے پامر کے ترجمہ قرآن پر دیباچہ تحریر کیا جس میں رسول کریم ﷺ کے خلوص کو تو تسلیم کرتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ کہہ کر قارئین کا ذہن زہر آلود کر دیتا ہے کہ جب حالات کے جبر کے تحت پیغمبر ایک حکمران اور قانون ساز بن گئے۔ تو بھی یہ ایک نفسیاتی ضرورت تھی کہ وہ خود کو الہامی پیغامات کا منتخب ذریعہ سمجھتے۔

When by force of circumstances, The prophet in him had grown into the ruler and legislater, it was a psychological necesity he should still feel himself to be chosen meduim of the divine message introduction to the Quran by E.H.Palmor)

ایک مشہور اور نمایاں نام جرمن مستشرق Heirrich Grimme ہے۔ اس نے بھی عرب کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات کو پیش نظر رکھ کر اسلام کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ موصوف کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔

"The conditions under which......socialistic movements appear were existent in Mecca at the time of Mohammad. A wealthey class...... stood over against a numorous propertyless class who were suffering."

انیسویں صدی میں رسول کریم ﷺ پر اعتراضات کی نوعیت بدل گئی۔ اور اسلام کو محض عرب کے معاشی، سیاسی اور معاشرتی حالات کی پیداوار قرار دیا ہے۔ قارئین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ اسلام کوئی ایسا دین نہیں ہے۔ اسی نکتہ کو بیسویں صدی میں اکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر گب (H.A.R.Gilb) نے مزید آگے بڑھایا ہے۔ اپنی تصنیف (Mohammadanism) کے آغاز میں لکھتا ہے۔

Muhammad succeeded because he was a Meccan"(P.26)

موصوف مستشرق کے نزدیک مکہ ایک تجارتی شہر تھا۔ دولت کی ریل پیل تھی جس وجہ سے اخلاقیات کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔ سماجی اور اخلاقی جرائم عام تھے محمد ﷺ نے ان حالات کے پیش نظر ایک سماجی تحریک کا آغاز کیا۔ غرباء طبقہ آپ ﷺ کے اردگرد جمع ہونا شروع ہو گیا۔ امراء کے مفادات پر زد پڑتی تھی وہ آپ ﷺ کے خلاف ہو گئے۔ آخر کار مکہ کو چھوڑ کر مدینہ آ گئے۔ جہاں آپ ﷺ کو بہت مقبولیت حاصل ہو گئی۔ جس وجہ سے دل میں اقتدار کی خواہش نے جنم لیا۔ اور لڑائیوں کا بازار گرم ہو گیا غزوات اور جہاد کی بنیاد محض مادیت اور ہوس اقتدار قرار دی ہے۔ مصنف نے قارئین کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے اسلام ایک مارکسی رنگ کی ایک مادی تحریک ہے جس کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں۔

سیرۃ نگاروں میں ایک اطالوی مستشرق (Leon Caetani) ہیں موصوف نے اپنی دونوں تصنیفات Annali dell' Islam (1907) اور Studi di storia Orientale میں اسلام کو ایک مادی تحریک قرار دی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلام مخصوص معاشی حالات کی پیداوار ہے۔

مشہور مستشرق ڈاکٹر مارگولیتھ (Dr. David Margoluith) نے بھی اپنی تصنیف Mohammad and the Rise of Islam یا انسائیکلو پیڈیا برٹینکا اور انسائیکلو پیڈیا اف ریلیجن اینڈ اتھکس میں اپنے مقالہ جات میں اسی بات پر زور دیا ہے کہ اسلام کی بنیاد طبقہ وارانہ جنگ پر ہے عرب کے مخصوص حالات کی پیداوار ہے۔

اس صدی کے ایک اور مشہور سویڈن کے مستشرق وسیرۃ نگار تورانڈرے Tor Andrae ہیں انہوں نے جرمن زبان میں سیرت پر کتاب (Mohammad Sein lebenund Sein Glaube) (۱۹۳۲) میں لکھی۔ اس کتاب کی عوام میں مقبولیت کے پیش نظر فرانسیسی، اسپینی اور اطالوی زبانوں میں تراجم ہو گئے۔ مصنف نے اپنے مخصوص انداز میں رسول کریم ﷺ کو متعدد نفسیاتی عوارض کا شکار ٹھہرایا۔ معاشرہ میں ایسی سماجی تبدیلیاں کیں جن کے عرب کے حالات متقاضی تھے۔ مصنف نے خاص طور پر اس بات کا ذکر کیا۔ کہ اسلام پر عیسائیت کی گہرا اثر ہے۔ اسلام کوئی نیا دین نہیں بلکہ یہودیت اور عیسائیت کا ملغوبہ ہے اس فکر کو ابراہم گیگر Abraham Geiger نے اپنے مقالے What did Islam adopt from Judaism) (۱۸۳۳ء) میں آگے بڑھایا۔ پھر مستشرقین کی کتب میں یہ مستقل موضوع بن گیا۔ واٹ (Watt) رقمطراز ہے۔

"Quotations from the Bible began to appear in Muslim works (Islam and the Integration of Society. (Edinburgh 1961)

اسی بات کو (Alfred Gulliaume) نے اپنی تصنیف سیرۃ طیبہ (The Life of Muhammad) میں دہرایا ہے۔ بیسویں صدی کے مستشرقین نے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی کہ رسول کریم ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی میں تضاد پایا جاتا ہے۔ اس فکر کے دو مستشرق واٹ (Watt) اور کینتھ کریگ (Kenneth Cragg) داعی ہیں چنانچہ کریگ رقمطراز ہے۔

The transition (Hijrah) also marks an evident development in the function of the Prophet, implicit in the emergence of preacher into ruler, the warner into warrior (The Call of the Minaret) (New York ۱۹۵۶ء) P.۷۲

دور حاضر کے مفکر اور مورخ ٹائن بی (Toyonbee) نے اپنی مشہور کتاب (A Study of History 1961) میں جہاں کہیں بھی رسول کریم ﷺ کا ذکر آتا ہے وہاں اسی فکر کو دہرایا ہے۔

مشہور مستشرقین کی کتب (سیرۃ طیبہ) پر مختصر جائزہ پیش کر دیا گیا۔ ویسے اس موضوع پر لکھی گئی کتب اور مقالہ جات کی تعداد ہزاروں تک ہے۔

میرے خیال میں یہ موضوع نامکمل رہے گا۔ اگر چند ان مستشرقین کا ذکر نہ کیا جائے جنہوں نے رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ پر لکھتے ہوئے انصاف کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور قدرے نرم اور معقول رویہ اختیار کیا ہے۔

جارج برنارڈ شاہ

جارج برنارڈ شاہ رقمطراز ہے "اگر کوئی ایسا مذہب جو نہ صرف انگلستان بلکہ تمام یورپ پر چھا سکے وہ صرف اسلام ہی ہو سکتا ہے۔ میں نے ہمیشہ محمد ﷺ کے مذہب کی تعظیم کی ہے کیونکہ اس میں ایک حیران کن حرارت ہے۔ میرے نزدیک یہ واحد مذہب ہے۔ جس میں ایسی گنجائش ہے جو زندگی کے بدلتے ہوئے حالات سے مطابق رکھتی ہو اور ہر زمانے کے تقاضوں کو پورا کرے۔

میں نے اس شخص (محمد ﷺ) کا بغور مطالعہ کیا ہے اور میری دانست میں وہ نوع انسانی کے نجات دہندہ ہیں کجا کہ انہیں (العیاذ باللہ) (خدانخواستہ) دجال کہا جائے...... میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان (محمد ﷺ) جیسا کوئی شخص موجود دنیا کا حاکم بن جائے۔ تو وہ تمام مشکلات کو اس طرح حل کرلے گا۔ کہ امن اور خوشی کا دور دورہ ہو جس کو دنیا ترس رہی ہے۔ میں یہ پیشگوئی کر چکا ہوں۔ کہ محمد (ﷺ) کا دین کل کے یورپ کو بھی اسی طرح قابل قبول ہوگا جیسا کہ اسے آج کے یورپ نے اپنانا شروع کر دیا ہے۔ (The Genius of Islam Vol.1 P.8 (1936)

لیمر ٹائن (Lamar Tine)

اگر انسانی منزلت کی انتہا تین چیزوں سے متعین کی جاتی ہے۔ یعنی (1) ہدف کی عظمت، (2) وسائل کی کمی۔ (3) حیرت انگیز کامیابی تو پھر تاریخ میں بڑی سے بڑی شخصیت کا مقابلہ محمد (ﷺ) سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے مشہور ترین لوگوں نے صرف ہتھیار بنائے۔ قوانین مرتب کیے اور بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں۔ انہوں نے فقط مادی قوت پیدا کی۔ جو اکثر و بیشتر ان کی آنکھوں کے سامنے ہی برباد ہو گئی۔ لیکن اس شخص (ﷺ) نے نہ صرف فوجی لوازمات اور قواعد و قوانین بنائے اور اس کے ساتھ حکمرانوں اور عوام کو پیدا کیا۔ بلکہ اس وقت کی دنیا کی ایک تہائی آبادی کو بھی متحرک کر دیا۔ اس سے بڑھ کر مصنوعی بتوں کو مٹایا، عقائد درست کیے ذہنوں کو جلا بخشی اور انسانی روح کو پیدا کیا۔

فتح کے بعد اس نے ضبط اور فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔ کیونکہ اس کا مطمع نظر انسانی سوچ کو درست کرنا تھا۔ نہ کہ حکومت اور سلطنت کے لیے تگ و دو کرنا...... وہ متواتر دعا میں مصروف رہا۔ خدا سے ہم کلام رہا۔ اس کی وفات اور بعد کی فتوحات حیران کن واقعات ہیں۔ کیا یہ سب کچھ ایک مصنوعی دعویدار کی نشانیاں ہیں یا ایک مجسم ایمان کی جس نے صحیح عقائد کو پھر سے زندہ کیا؟ اس ایمان کے دو اجزا تھے۔ پہلا خدا کی وحدت اور اس کی مادیت سے بلند ہونا۔ دوسرا یہ بتانا کہ خدا کیا نہیں ہے۔ ایک جزو نے مصنوعی خداؤں کو گرا دیا اور دوسرے جزو نے صحیح عقائد کو کھول کر بیان کر دیا۔ وہ فلاسفر بھی تھا، مقرر بھی، پیغامبر بھی۔ قانون رائج کرنے والا بھی ضرورت کے وقت لڑنے والا بھی دلائل کی جنگ جیتنے والا بھی اور

ایسے صحیح عقائد رائج کرنے والا بھی جو کسی بھی مادی الائش سے پاک ہوں ......اسے بیس مملکتوں کا خالق بھی کہا جا سکتا ہے اور صرف ایک روحانی مملکت کا منبع بھی۔ یہ تھا وہ شخص جسے ہم محمد (ﷺ) کے نام سے جانتے ہیں......اگر ہم وہ تمام پیمانے نظر میں رکھیں جن سے انسانوں کی عظمت جانچی جاتی ہے۔ تو کیا ہمیں کوئی محمد (ﷺ) سے بڑی شخصیت نظر آتی ہے؟

(Historic de la Torqnic Paris 1854, Vol 2, PP. 276, 277)

تھامس کارلائل (Thomas Carlyle)

مجھے یہ حیرانی ہوتی ہے کہ ایک شخص نے کیسے مختلف سیلانی اور پراگندہ قبائل کی خانہ جنگی کو ختم کر کے انہیں یکجا کر کے فقط دو عشروں میں ایک طاقت ور اور مہذب قوم بنا دیا۔ جو بہتانوں کا طومار مغرب نے (بزعم خود نیک نیتی سے محمد (ﷺ) پر عائد کیا ہے کہ وہ سراسر ہمارے لیے شرم کا باعث ہے وہ ایک خاموش نقش تھے۔ جو اس گروہ میں سے تھے۔ جو کلیتاً سنجیدہ اور پُرعزم ہوتا ہے انہوں نے اپنے رب کے حکم کے مطابق دنیا کو روشن کر دیا۔

(Heroes and Hero Worship)

ایچ ہارٹ (Michael, H.Hart)

میں محمد (ﷺ) کو ان تمام اشخاص سے افضل سمجھتا ہوں۔ جنہوں نے اس دنیا پر دائمی اثرات چھوڑے۔ ممکن ہے میرے اس بیان پر کچھ لوگوں کو حیرانی ہو اور بعض معترض بھی ہوں۔ لیکن وہ (ﷺ) واحد شخص ہیں جنہوں نے دینی اور دنیوی دونوں میدانوں میں کمال درجہ کی کامیابی حاصل کی۔

(Influential Persons in History. New York 1978, P 33.)

اس کتاب کا پہلا باب رسول کریم ﷺ کی مختصر سیرت طیبہ پر مشتمل ہے جس میں مصنف نے وہ وجوہ بیان کی ہیں۔ جن کی بناء پر اس نے رسول کریم ﷺ کو تاریخ کی موثر کن شخصیت قرار دیا ہے جنہوں نے تاریخ عالم پر سب سے زیادہ گہرے اور انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں۔ اس کے بعد کتاب میں دنیا کی دوسری 99 اہم شخصیات کا ذکر کرتا ہے۔ جنہوں نے انسانی تاریخ کو متاثر کیا ہے۔

پروفیسر ہرگ رونج (Professor Hurgronje)

اسلام کے پیغام نے مختلف اقوام کو ایک لڑی میں پرو کر بین الاقوامی یگانگت کی بنیاد رکھی۔ اور یہ اعلان کر کے تمام قومیں ایک ہیں اور سب انسان بھائی بھائی ہیں، ایک ایسا اصول قائم کیا جس کو تمام اقوام کی سوچ پر فوقیت حاصل ہے......یہ حقیقت ہے کہ کوئی اور قوم یہ کام نہ کر سکی۔ جو اسلام کے اصولوں نے اجماع اقوام کے لیے کیا۔ اور اس طرح بالآخر قوموں کی تنظیم (League of Nations) ظہور میں آئی۔

مارٹن لنگز

مارٹن لنگز نے ایک کتاب محمد (ﷺ) لکھی جو ۱۹۸۳ء میں اسلامک ٹیکسٹ سوسائٹی لندن نے شائع کی ۳۹۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے تعصب تنگ نظری اور پرانی معاندانہ خرافات سے ہٹ کر رسول کریم ﷺ کی ذات پر بحث کی ہے اور رسول کریم ﷺ کو "رحمت کی کنجی اور صداقت کی روح" قرار دیا ہے۔

جان ڈیون پورٹ

مصنف نے این اپالوجی فار محمد (ﷺ) اینڈ دی قرآن لکھی۔ جو ۱۸۸۲ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب چار حصوں میں منقسم ہے پہلے حصے میں رسول کریم ﷺ کی زندگی کے حالات ہیں۔ جو ۵۷ صفحات پر مشتمل ہے دوسرا حصہ قرآن پر مشتمل ہے جو ۶۵ صفحات پر پھیلا ہوا ہے تیسرا حصہ ان اعتراضات کے رد پر مشتمل ہے۔ جو رسول کریم ﷺ کی ذات بابرکات پر لگائے گئے۔

خصوصاً چار اعتراضات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

1- رسول کریم ﷺ کا ایک نئے اور جھوٹے مذہب کی تبلیغ اور اسے الہامی بنا کر پیش کرنا حالانکہ یہ ان کی ذاتی اختراع تھی۔

2- محمد ﷺ نے اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا۔

3- جنت کے وعدے کر کے اسلام کی تبلیغ کرنا۔

4- کثرت ازواج

کتاب کا چوتھا حصہ جمال قرآن کے عنوان سے 14 صفحات پر پھیلا ہوا۔

ٹالسٹائی:

ٹالسٹائی نے ''پیغمبر اسلام ﷺ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ روس کا یہ فلاسفر رسول کریم ﷺ کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے ''محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل عرب جنگ کے قیدیوں اور اپنی اولاد کی قربانیاں کرتے تھے۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے تھے۔ جنگ وقتال کا بازار ہر وقت گرم رکھتے تھے۔ غرض سنگ دلی، انتقام، خونریزی وغیرہ بُرے اخلاق سے متصف تھے۔ آپ نے ان سب اوصاف کا قلع قمع کر کے عرب کو اللہ تبارک و تعالی کی عبادت کی دعوت دی...... آنحضرت ﷺ کے یہ عظیم الشان کارنامے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ بہت بڑے مصلح تھے اور آپ میں فوق العادت طاقت تھی۔

مستشرقین اور سیرت کی کتب کے تراجم

غیر مسلموں نے انگریزی اور دیگر زبانوں میں سیرت کی کتب کے تراجم بھی کیے ہیں اور بعض نایاب کتب کی تحقیق بھی کی۔ اکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر اے گلیلام نے ۱۹۵۵ء میں سیرت ابن اسحاق کے منتشر اجزاء کو یکجا کر کے انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور اس کے آغاز میں ۶۵ صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ لکھا۔

زین العابدین کی فارسی کتاب پیغمبر (ﷺ) کا ترجمہ ایلول سلٹن نے ''دی میسنجر'' کے نام سے کیا۔ جو ۱۹۸۴ء میں اٹلی میں شائع ہوا ہے۔ لیکن اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ اسی طرح الصحیفہ الصادقۃ کا ترجمہ ولیم کٹک نے کیا اور ۱۹۸۸ء میں لندن سے شائع ہوا۔ وان کریمر نے واقدی کا ترجمہ ۱۸۵۶ء میں جرمن زبان میں شائع کیا۔ ڈاکٹر ویل نے سیرت ابن ہاشم کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا۔ یونگ نے سیرت ابن ہشام کا لاطینی زبان میں کیا اور لندن سے شائع ہوا ساتھ ہی عربی متن بھی ہے۔[1]

---

[1] مذکورہ عنوان ''مستشرقین اور سیرت رسول کریم ﷺ'' تحریر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل کتب اور رسالہ جات سے استفادہ کیا ہے: سیرت النبی اول شبلی نعمانی علوم الحدیث (ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر)۔ سیرت النبی محمد ﷺ جلد دوم (طالب حسین کریانوی)۔ سیرت طیبہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ہمارا خالق (محمد ضیاء اللہ) ....رسالہ الحق مضمون از پروفیسر سید حبیب الحق ندوی ڈربن یونیورسٹی جنوبی افریقہ۔ المعارف و لاہور اگست ۱۹۷۳ء مضمون۔ ''سیرت نبوی اور مستشرقین'' از ظہور احمد اظہر۔ ترجمان القران جولائی ۱۹۹۶ء اشارات، الحق مستشرقین کا طریق واردات اور استعمار کی حمایت از مولانا عبدالقدوس، ہاشمی...... نقوش ''سیرۃ طیبہ پر بیسویں صدی کے مستشرقین کی تصانیف'' از ڈاکٹر عبدالرحیم قدوائی۔ علوم اسلامیہ اور مستشرقین ترجمہ اور تلخیص ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی، اسلام، پیغمبر اسلام (ﷺ) اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی۔

بعثت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل
قدیم تہذیبوں کا اجمالی خاکہ

سیرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تفصیلی بحث کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ خطہ ارض معمورہ کی قدیم تہذیبوں کے مختلف پہلوؤں کا اجمالی خاکہ بیان کیا جائے تاکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش کردہ نظام سے تقابلی مطالعہ کیا جا سکے۔

ظہور اسلام سے قبل دنیا کی سیاسی' اقتصادی معاشرتی اور مذہبی حالت

ظہور اسلام سے قبل چھٹی صدی مسیحی بلا اختلاف انسانی تاریخ کا تاریک ترین دور تھا۔ دنیا بھر کے لوگوں کی حالت ہر لحاظ سے دگرگوں تھی۔ ہر سو تشتت و انتشار کا دور دورہ تھا۔ لوگوں کے عقول وقلوب سے جان مال اور آبرو کا احترام مٹ چکا تھا۔ توحید کا چراغ جو مختلف انبیاء علیہم السلام نے مختلف ادوار میں روشن کیا تھا گل ہو چکا تھا۔ کہیں بھی صحیح عقیدہ موجود نہ تھا۔ دیندار اشخاص مذہبی عقائد کی بنیاد پر زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر دیر وکلیسا اور صحراؤں کی تنہائیوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔

غرض کہ دنیا کے مختلف حصوں اور ملکوں میں اجتماعی بے نظمی' انتشار' اخلاقی تنزل اور دینی غفلت رونما تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ تمام ممالک تنزل اور انحطاط اور شر وفساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک کے حالات کا جائزہ لینے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ کس طرح اسلامی تعلیمات سے روشناس ہونے کے بعد کرۂ ارض میں مذہبی' اخلاقی' معاشرتی' سیاسی' اقتصادی' فکری اور علمی انقلاب رونما ہوا۔

قدیم تمدن کے تین بڑے خطے تھے۔

اوّل: مشرقی بحیرہ روم کے نواح کا خطہ' جس میں مصر' بابل' کریٹ' فلسطین' ایران' روم وغیرہ شامل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگر جزیرہ قبرص (Cyprus) کو مسکن قرار دے کر اس کے گرد دو ہزار میل کے نصف قطر سے ایک دائرہ کھینچا جائے تو اس کے اندر یہ سب ملک آ جائیں گے ان ممالک میں جس ملک کو زیادہ عروج ہوا اور تقریباً وہ باقی ماندہ سب ممالک پر حکمران ہو گیا۔

دوم: قدیم تمدن کا دوسرا خطہ چین' ہندوستان' تاتار پر مشتمل ہے' یہاں کے قدیم حالات بمقابلہ خطہ اوّل کے کم معلوم ہیں۔

سوم: تیسرا خطہ امریکہ کے پرانے باشندوں کا ہے اور اس تمدن کے حالات سب سے بعد میں کمی کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں۔[1]

[1] قدیم شہنشاہیان مولفہ مولانا سید طفیل احمد منگلوری ص ۱۰

دنیا کی سیاسی حالت کا نقشہ

مصری حکومت اور شاہی اختیارات

بحر روم سے متصل اور جانب جنوب ''مصر'' واقع ہے جب سے انسان نے معاشرتی اور اجتماعی زندگی کا آغاز کیا تب سے انھیں نظام حیات چلانے کے لیے حکومت کا انتظام کرنا پڑا اور بادشاہت کی بنیاد پڑی۔

مصری حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ تمام اختیارات کا منبع اور مصدر بادشاہ کی ذات ہوتی تھی۔ وہ اپنا جانشین نامزد کرتا تھا اور اپنے بیٹوں میں سے کسی کو اپنی زندگی میں ہی شریک کر لیتا تھا۔ عموماً بڑا بیٹا ہی اس کا جانشین ہوتا تھا۔ بادشاہ خود سپہ سالار، عدالت کا قاضی اور انتظامیہ کا حاکم اعلیٰ ہوتا تھا۔ اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا تھا۔ اس کا حکم قانون تھا۔ دستوری طور پر اس کے اختیارات کی کوئی حد بندی نہیں کی جا سکتی تھی۔ مصری بادشاہ کا لقب ''فرعون'' فرو phero or pharoah تھا جس کے معنی ہیں بڑے عالی شان محل میں رہنے والا یہ لقب خود ہی بادشاہ کی اعلیٰ حیثیت اور عوام پر اس کی اعلیٰ حیثیت اور عوام پر اس کی برتری اور فضیلت کو ظاہر کرتا ہے۔ دربار کے وقت بلا امتیاز ہر آنے والا بادشاہ کو سجدہ کرتا تھا۔

وادیٔ دجلہ وفرات کی تہذیب

مشرق کی دوسری قدیم تہذیب وادیٔ دجلہ وفرات کی ہے جو تاریخ میں سمیری تہذیب کے نام سے موسوم ہے۔ سمیری تہذیب دجلہ و فرات کی وادی میں پھلی پھولی۔

سمیری حکمران مطلق العنان اور تمام اختیارات کے مالک، تمام قیود سے آزاد اور تمام عیوب سے منزا سمجھے جاتے تھے۔ وہ خدا کے نائب ہی نہیں بلکہ اس کے شریک تصور کیے جاتے تھے۔ ان کا حکم قانون اور ان کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا تھا۔ سمیری بادشاہوں کے دربار بڑے پُرتکلف اور زیبائش و آرائش کا مرقع ہوتے تھے۔ وہ شاہانہ زرق برق لباس میں ملبوس ہو کر شاہی دستے کے ساتھ دربار میں آتے اور پھر تخت پر متمکن ہوتے تھے۔ بعد ازاں عام لوگوں کو دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دی جاتی تھی۔

بابلی تہذیب

دنیا کے قدیم شہروں میں شہر بابل Babylon ایک اہم تہذیب کا مرکز رہا ہے۔

بابلی حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ بادشاہ تمام قوانین سے بالاتر سمجھا جاتا تھا دستوری طور پر اس کے اختیارات کی حد بندی نہیں کی جا سکتی تھی۔ ریاست کے اندر اس کی ذات سب سے بلند اور مقتدر تھی۔ وہ عدالت کا حاکم اعلیٰ فوج کا قائد اور مذہبی پیشوا تھا۔ اس کی سکونت کے لیے پایۂ تخت میں بڑے بڑے قلعے تھے جہاں وہ شان و شوکت کے ساتھ رہتا تھا۔ لوگ دربار میں آ کر اسے سجدہ کرتے تھے۔ جب دربار کرتا تو حکام اور شہزادے اس کے اردگرد نہایت ادب کے ساتھ بیٹھتے اس کا ولی عہد بالعموم بادشاہ کا بڑا لڑکا ہوتا تھا۔ بعض حالتوں میں دوسرے بیٹے یا بیٹے کی غیر موجودگی میں اپنے داماد یا کسی دوسرے عزیز کو ولی بنا دیتا ملکی انتظام کے لیے ریاست صوبوں اور اضلاع میں منقسم تھی۔ جس کے اعلیٰ حکام کو خود بادشاہ مقرر کرتا تھا اعلیٰ حکام مقامی سرداروں اور جاگیرداروں اور زمینداروں کے تعاون سے اپنے علاقے کا انتظام کرتے تھے۔ ہر صوبے میں فوج کا ایک دستہ بھی ہوتا تھا جس کا خرچ صوبے کے خراج سے پورا کیا جاتا تھا۔ بعض علاقوں میں جاگیردار اور بڑے زمیندار ہی نظم و نسق کا کام سرانجام دیتے تھے۔ صوبائی حاکم جملہ شاہی مطالبات اور محصولات وصول کر کے بادشاہ کے پاس بھیج دیتے تھے۔

آشوری سلطنت

وادئ دجلہ و فرات کی دوسری اہم تہذیب کا نام آشوری تہذیب ہے۔ اس تہذیب کو بھی جنم اور فروغ دینے والا ایک سامی قبیلہ ہے جو اموریوں کی طرح جزیرہ نما عرب سے ہی اٹھا تھا۔ ایک بت کی پرستش کرتا تھا۔ جو آشور (Ashur) کے نام سے مشہور تھا۔ اس بت کی طرف منسوب ہو کر وہ قبیلہ آشور اور اس کی ریاست آشوریہ کے نام سے مشہور ہوئی۔

طرزِ حکومت

آشوری حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ باپ کے بعد بیٹے کی تخت نشینی کا رواج تھا۔ عموماً بڑا بیٹا باپ کی جگہ لیتا تھا۔ مگر بڑے بیٹوں کی موجودگی میں چھوٹے کی جانشینی کی مثال ملتی ہے۔ آشوری بادشاہ آشور دیوتا کا مظہر اور نائب خیال کیا جاتا تھا۔ اس کی ذات تمام غلطیوں سے پاک اور منزہ تصور کی جاتی تھی۔ تمام احکامات آشور کے نام پر جاری و ساری ہوتے تھے۔ اسی کے نام پر محصولات لگائے جاتے تھے اور اسی کے نام پر جنگیں لڑی جاتی تھیں۔

سلطنت رومہ

چھٹی صدی عیسوی تک سلطنت رومہ دو حصوں میں بٹ گئی تھی مشرقی سلطنت رومہ اور مغربی سلطنت رومہ' مشرقی سلطنت رومہ کو بازنطینی سلطنت کہتے تھے۔ اس کا دارالخلافہ قسطنطنیہ تھا اور بادشاہ کا لقب قیصر تھا۔ مشرقی سلطنت رومہ مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ تک پھیلی ہوئی تھی۔

بادشاہ مطلق العنان حکمران کی حیثیت سے ملک پر حکومت کرتا تھا اور اپنے آپ کو ظل سبحانی سمجھتا تھا۔ تمام اختیارات اور طاقت کا سرچشمہ شہنشاہ کی ذات ہوتی تھی۔ عدلیہ' انتظامیہ اور فوج کا سربراہ ہوتا تھا۔ بادشاہ تمام قوانین سے بالا سمجھا جاتا تھا۔

مغربی رومی سلطنت

مغربی رومی سلطنت کا بڑا امتیاز ان کی شہنشاہیت پسندی استعماری روح اور زندگی کا خالص مادہ پرستانہ نقطہ نگاہ تھا۔ جرمن نومسلم عالم محمد اسد اپنی کتاب ''اسلام دوراہے پر'' میں رقمطراز ہے۔ رومی شہنشاہی پر جو خالص خیال حاوی تھا وہ محض ملک گیری کا خیال اور مادرِ وطن کے لیے دوسری قوموں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اور لوٹ کھسوٹ کرنا تھا۔ رومی رؤسا و امراء اور اونچے طبقہ کے لوگ اپنے لیے فارغ البالی اور امارت کی زندگی کا سامان حاصل کرنے کے لیے کسی ظلم و بیدردی کو عیب نہیں سمجھتے تھے۔ باقی وہ رومی انصاف جس کا بڑا شہرہ تھا وہ محض رومیوں کے لیے تھا۔ یہ مخصوص سیرت و کریکٹر زندگی اور تمدن کے محض مادی تصور ہی پر قائم ہو سکتا تھا۔ اگرچہ ان کی مادیت میں آراستگی اور لطافت ذوق پیدا ہو گئی تھی لیکن تمام روحانی قدروں سے وہ بالکل بیگانہ تھی۔ رومیوں نے کبھی بھی سنجیدگی اور واقعیت کے ساتھ دینداری اختیار نہ کی تھی ان کے تقلیدی دیوتا محض یونانی خطابات اور خرافات کی پھیکی نقل تھے۔ انھوں نے اپنی اجتماعی شیرازہ بندی اور قومی وحدت کے خیال سے ان ارواح کو تسلیم کر لیا تھا وہاں دیوتاؤں کو اپنی عملی زندگی میں دخل دینے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ ان کا کام صرف اتنا تھا کہ جب ان سے فرمائش کی جائے تو اپنے مجاوروں کی پیش گوئیاں کر دیں لیکن ان کو انھوں نے یہ حق نہیں دیا تھا کہ وہ لوگوں پر اخلاقی قوانین نافذ کریں۔

ایران

قدیم ایران تین صوبوں پر مشتمل تھا۔ شمال میں عیلام' مغرب میں میڈیا اور جنوب میں فارس' ان تینوں صوبوں کے باشندوں کی ابتدائی تاریخ جدا جدا ہے مگر امتداد زمانہ سے تینوں صوبے ایک حکومت کے تحت آ گئے اور چھٹی صدی قبل مسیح میں دنیا میں سب سے زیادہ طاقت ور سلطنت ہو گئی۔ یہ سلطنت آریہ قوم کی تھی۔ جس کے نام پر اس ملک کا نام ''ایران'' ہوا۔ آریوں کی یہ سب سے پہلی وسیع سلطنت تھی۔ جس کی وجہ سے یورپ اور ایشیا میں پہلی بار اس قوم کا نام روشن ہوا۔

طرزِ حکومت اور اختیارات

ایرانی حکومت شخصی اور مطلق العنان تھی۔ تمام اختیارات کا سرچشمہ بادشاہ کی ذات تھی۔ بادشاہ وقت کو لوگ دیوتا کا درجہ دیتے تھے۔ ایرانی بادشاہوں کا یہ دعویٰ تھا کہ ان میں خدائی خون ہے۔ رعایا ان کے آگے سربسجود ہوتی اور ان کی الوہیت کے گیت گاتی تھی۔ لوگوں کے مال و جان پر ان کا مکمل قبضہ ہوتا تھا۔ رعایا کو حکومت کے مقابلے میں کوئی حقوق حاصل نہیں تھے اور ان کی حیثیت غلاموں سے بدتر تھی۔ کسی کو بادشاہ کے افعال کا محاسبہ کرنے کا حق نہیں تھا۔ اس کی ذات تک عوام کی رسائی ناممکن تھی۔ البتہ نوروز اور چند دیگر مواقع پر لوگوں کو بادشاہ کے حضور اپنی شکایات پیش کرنے کی اجازت تھی۔

جاپان

جاپان میں بادشاہوں نے سورج دیوی کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ دعویٰ سب سے پہلے جیمو ٹینو نے کیا۔ اہل جاپان کے نزدیک جس طرح یہ سورج دیوی تمام معبودوں کی آقا ہے۔ اسی طرح بادشاہ بھی تمام جاپانیوں کا مخدوم اور سردار ہے۔ بادشاہ کی ذات ہی مذہب اور سیاست کی مرکز اور محور تھی۔ سورج دیوی کی اولاد ہونے کی حیثیت سے بادشاہ آہستہ آہستہ خدائی درجہ پر فائز ہو گیا۔ بادشاہ تمام اختیارات کا سرچشمہ تھا۔ اس کا حکم قانون کا درجہ رکھتا تھا۔

ہندوستان

مورخین ہندوستان کی تہذیب کو پانچ ادوار میں تقسیم کرتے تھے۔ پہلا دور ویدک کا دور تھا جو دو ہزار سال قبل مسیح سے لے کر تقریباً چودہ سو سال قبل مسیح تک رہا۔

دوسرا دور وہ دور ہے جس میں کوروؤں اور پانڈوؤں کی لڑائیاں لڑی گئیں جو چودہ سو قبل مسیح سے لے کر تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح تک رہا۔

تیسرا دور علم و ہنر کا دور ہے جس میں ہیئت ریاضی' فلسفہ وغیرہ علوم میں ہندوؤں نے کمال دکھایا جو ایک ہزار سال قبل مسیح سے لے کر تیسری صدی قبل مسیح کے نصف تک رہا۔

چوتھا دور بدھ مذہب کا ہے جس میں اس مذہب کو عروج حاصل ہوا اور دو سو پچاس سال قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی عیسوی تک رہا۔

پانچواں دور پرانک دور کہلاتا ہے۔ یہ دور تقریباً پانچویں صدی کے اواخر سے لے کر مسلمانوں کی فتح تک قائم رہا۔

طرزِ حکومت

ہندوستان کے راجے چاند اور سورج سے اپنا رشتہ نسب جوڑتے تھے اور ملک میں بادشاہت تھی اور بادشاہ ہی تمام اختیارات کا سرچشمہ تھا اور اسی کا فرمان قانون کا درجہ رکھتا تھا اور رعایا فرامین شاہی کو بجا لانے پر مجبور تھی۔

چین کی سیاسی حالت

عہد نبوی کے آغاز سے قبل چین میں بادشاہت کا دور دورہ تھا۔ ہن (Huns) خانوادے کی حکومت ختم ہو چکی تھی۔ اور اس کی جگہ وائی (Wai) اور شو (Shw) کی بادشاہتیں قائم ہو چکی تھیں۔ بادشاہ ہی تمام اختیارات کا مالک ہوتا تھا۔ اسی کا حکم آخری ہوتا۔

دنیا کی اقتصادی حالت کا جائزہ

جہاں بھی شہنشاہیت اور آمرانہ نظام ہو گا وہاں عوام کے اقتصادی حقوق کی پامالی لازمی نتیجہ ہے۔ قرون وسطیٰ کے آمرانہ نظام کے اقتصادی نظام میں چار برائیاں خاص طور پر نظر آتی ہیں

۱۔ حاکم طبقہ کے پاس بے پناہ دولت کا ہونا۔
۲۔ رعایا پر بھاری ٹیکس۔
۳۔ مزدوروں سے بغیر مزدوری ادا کیے جبراً کام لینا۔
۴۔ سود خوری۔

حکمران طبقہ لامحدود اختیارات ہونے کی بناء پر عوام کو مختلف طریقوں سے تہی دست کر دیتا تھا۔ بھاری ٹیکس لگائے جاتے نذرانے وصول کیے جاتے۔ نئے نئے قوانین وضع کیے جاتے جن سے کسانوں' تاجروں' اہل حرفہ سے زیادہ سے زیادہ مال چھینا جاتا۔

دنیا کی معاشرتی زندگی کا نقشہ

رومہ کی معاشرتی زندگی

قرونِ وسطیٰ میں اخوت' مساوات ایک بے معنی لفظ تھا۔ ہر جگہ سماج مختلف طبقات میں منقسم تھا۔ اس طبقاتی تفریق کو قائم اور دائم رکھنے کے لیے نئے نئے قوانین وضع کیے جاتے تھے۔ جسٹی نین Justinian نے رومی قانون کی تدوین کی تھی۔ وہ قانونی نقطہ نگاہ سے سماج کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

۱۔ ہنسٹرس (Honestiores) یعنی ملک کا اعلیٰ ترین طبقہ جو امراء پر مشتمل تھا۔ بغاوت کے علاوہ اس طبقہ کے کسی فرد کو کسی بھی جرم میں سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی۔
۲۔ ہمولرس (Humiliores) اس طبقہ کو غیر معمولی حالات میں موت کی سزا دی جاسکتی تھی ورنہ عموماً قید کی سزا دی جاتی تھی۔
۳۔ سروی (Servi) سب سے پست (غلام) طبقہ تھا۔ جس کے افراد کو معمولی معمولی جرائم کی پاداش میں قتل کی سزا دی جاتی تھی۔ آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ درندوں کے سامنے پھینک کر ہڈیاں چبوا دی جاتی تھیں۔[1]

روم میں عورت کا مقام

روم میں عورت کی حیثیت کے متعلق لکھتا ہے کہ "عورت کا مرتبہ رومی قانون نے ایک عرصہ تک نہایت پست رکھا۔ افسر خاندان جو باپ ہوتا یا شوہر اسے اپنی بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔ جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی مطلق رسم نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی کرائی شادی کو توڑ سکتا تھا۔ زمانہ بعد یعنی تاریخی دور میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہو گیا تھا اور اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہو گئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کر سکتا تھا۔[2]

وادیٔ دجلہ و فرات کی معاشرتی زندگی

۱۔ سمیری معاشرہ مندرجہ ذیل طبقات پر مشتمل تھا۔

۱۔ فرمانروا

اس طبقہ کے ہاتھ میں زمام حکومت تھی۔ اسے قانون بنانے اور حکومت کرنے کا اختیار تھا۔

۲۔ کاہن و پجاری

وہ مذہبی طبقہ تھا جو عوام اور خواص کا مرجع اور علوم و فنون کا واحد اجارہ دار تھا۔ سیاسی اور مذہبی اختیارات کی علیحدگی نے گو مندروں اور محلوں کو دو مخالف مرکزوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ پھر بھی فرمانرواؤں کو اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے اس مذہبی طبقہ کے سامنے جھکنا پڑتا تھا۔

۱۔ Cambridge medieval history vol II P 106-10T

۲۔ تاریخ اخلاق یورپ لیکی ج دوص ۱۹۰

۳۔ امراء

یہ بڑے بڑے زمینداروں، تاجروں اور ساہوکاروں پر مشتمل تھا۔ ملک کے تمام مادی وسائل پر قابض تھا۔ اس وجہ سے اس کا اثر ونفوذ پورے معاشرے پر گہرا تھا۔

۴۔ اہل ہنر اور اہل پیشہ

اس طبقہ میں اطباء قانون گو صناع اور ملازمین شامل تھے۔ سمیری معاشرہ کا یہ بھی ایک بااثر طبقہ تھا۔

۵۔ زرعی مزدور و کاشت کار

یہ طبقہ تہی دست و مفلس تھا۔ اس کی حالت غلاموں سے بہتر نہ تھی اپنی عرق ریزی کا معاوضہ اتنا کم پاتا تھا کہ اپنے اہل وعیال کو فاقے سے بچانا بھی اس کے لیے دشوار تھا۔

۶۔ غلام

معاشرہ کا سب سے گرا ہوا اور پست طبقہ تھا۔ اس طبقہ میں زیادہ تر اسیرانِ جنگ شامل تھے۔ مجرم اور مقروض بھی اکثر غلام بنائے جاتے تھے اور اس طبقے میں شامل کر دیے جاتے تھے۔ جو تمام انسانی اور شہری حقوق سے محروم تھا۔ سمیری عدالت اور مذہب نے ان کو تمام حقوق سے محروم کر رکھا تھا۔

ب: بابلی حکومت کی معاشرتی زندگی

اکادیوں کے بعد اموریوں نے وادئ دجلہ وفرات پر تسلط قائم کیا۔ ان کے ایک سردار سوموابو (Sumu-abu) کی سرکردگی میں کش تک پھیل گئے اور ایک غیر معروف شخص نے شہر بابل پر تسلط قائم کر کے ایک نئے شاہی خاندان کی بنیاد رکھی۔ جو بابل کا پہلا شاہی خاندان کہلاتا ہے۔ بابل میں دیگر قدیم اقوام کی طرح یہ نظریہ تھا کہ بیٹی باپ کی جائیداد کا ایک حصہ ہے اسے بیٹی کو بیچنے کا حق ہے۔ لڑکے کے نکاح کی ذمہ داری باپ پر تھی وہ اس کے لیے کوئی لڑکی خرید کر لے آتا تھا اور اس سے شادی کر دیتا تھا۔ عام رواج یہ تھا کہ لڑکے کا باپ لڑکی کے باپ کے پاس جاتا اور اس کی قیمت طے کرتا تھا اور قیمت طے ہو جاتی تو باضابطہ ایک معاہدے کے ذریعے نکاح نامہ تحریر کر دیا جاتا۔ لڑکی باپ کی جائیداد پر جہیز کے علاوہ کوئی اور حق نہیں رکھتی تھی۔ وہ قانونی اور مذہبی طور پر ترکہ اور میراث سے محروم تھی۔ مرد کو طلاق دینے کا حق حاصل تھا وہ کسی عذر اور کسی بناء پر بیوی کو علیحدہ کر سکتا تھا اسے بیوی کو فروخت کرنے کا بھی حق حاصل تھا۔ عورت کسی حالت میں بھی اپنی خوشی سے شوہر سے علیحدہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر غلطی سے وہ شوہر سے کہہ دیتی کہ "تم میرے شوہر نہیں ہو۔" تو اسے بڑا جرم سمجھا جاتا تھا اور اسے اس جرم میں دریا میں ڈبو دیا جاتا۔

بابل میں کثرت ازدواج کا بھی رواج تھا۔ بیویوں اور لونڈیوں کی تعداد مرد کی مالی حالت پر منحصر تھی۔ بابلی شہروں میں غلاموں اور عورتوں کی خرید وفروخت کے لیے بازار لگتے تھے۔ ان بازاروں میں باپ اپنی بیٹیوں کو فروخت کے لیے لے جاتے تھے اور زیادہ داموں پر انھیں فروخت کرنے کی کوشش کرتے اس طرح خرید وفروخت مذہبی اور قانونی طور پر جائز تھی۔

ایران کی معاشرتی زندگی

ایران کی سوسائٹی چار حصوں میں منقسم تھی۔

۱۔ آذرواں	مذہبی طبقہ
۲۔ ارتشتاران	فوجی طبقہ
۳۔ دبیراں	عمال طبقہ

۴۔ استر پوشان دہقان عوام پیشہ ور لوگ اور کاشت کار[1]

ایران کا قانون اس طبقاتی تقسیم کو قائم رکھنے کی نظر سے وضع کیا گیا تھا۔ عوام کو حکومت کے معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں تھی۔ نیچی ذات کا کوئی شخص نہ سرکاری دفاتر میں ملازم ہو سکتا تھا۔[2] اور نہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کی جائیداد خرید سکتا تھا۔[3]

عورت کی حیثیت

مانی نے رہبانیت پر زور دیا۔ یہ عورت کے حقوق سے دست برداری کی تعلیم تھی۔ مزدک نے عورت کو آگ، پانی اور چارے کی طرح مردوں کی مشترکہ جائیداد قرار دیا۔ دختر اور ہمشیرہ تک سے نکاح جائز اور بعض مواقع پر تو باعث ثواب تھا۔ ایران میں دو طرح کی بیویاں ہوتی تھیں۔ زن پادشائی ہا (۲) زن چگاری ہا۔[4] پہلی قسم کی بیویوں اور ان کی اولاد کو جائیداد میں حصہ ملتا تھا۔ زن چگاری ہا اور اس کی اولاد جائیداد سے محروم رہتی تھی۔[5] قانون کی نظر میں عورتوں کا کوئی حق یا مرتبہ نہیں تھا۔[6] بیویاں اس میں بدلی جا سکتی تھیں۔ قانون نے غلام اور بیوی کو ایک درجہ پر رکھا تھا۔[7]

غلام کی حالت

اہل ایران غلاموں کی کثرت کو وجہ وجاہت اور امارت خیال کرتے تھے۔ غلاموں کی حالت زار کا یہ عالم تھا کہ ان کو آرام و راحت نصیب نہیں ہوتا تھا۔ دوبارہ غلطی کرنے اور عادت کی اصلاح نہ کرنے پر اس کی زندگی کو ختم کر دیا جاتا۔ چنانچہ ہیرودوٹ کہتا ہے کہ کسی ایرانی کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے غلام کو کسی ایک گناہ پر ایسی سزا دے جو شدت اور درشتی کی حد کو پہنچ چکی ہو لیکن جب غلام کسی گناہ کا دوبارہ ارتکاب کرے تو اس کے آقا کو حق حاصل ہے کہ اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے یا اس کو ہر قسم کا عذاب دے جو تصور میں سما سکتا ہے۔[8]

ہندوستان کی معاشرتی حالت

ہندوستان کا سماجی نظام بھی طبقاتی تقسیم کی بیڑیوں میں بری طرح جکڑا ہوا تھا۔ جس کی تقسیم علی الترتیب مندرجہ ذیل چار ذاتوں پر تھی۔

۱۔ برہمن

۲۔ چھتری

۳۔ ویش

۴۔ شودر

ان چار ذاتوں کے علاوہ عوام کا شمار تھا۔ جن کو انتیجا (Antiaja) ہدی (Hadi) ڈومہ (Doma) چنڈالہ (Chandala) بدھاتو (Badhatu) وغیرہ نام دیے گئے تھے۔[9] ان کو اونچی ذات کے لوگوں سے دور شہر سے باہر رہنا پڑتا تھا۔

ہر طبقہ کے ذمے الگ الگ کام تفویض تھے۔ جن کو وہ سرانجام دیتے تھے۔ برہمنوں کے لیے وید کی تعلیم اور خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے دیوتاؤں کو چڑھاوے دینا اور دان لینے دینے کا فرض قرار دیا۔ چھتری کا یہ کام تھا کہ خلقت کی حفاظت کرے۔ دان دے چڑھاوے چڑھائے، وید پڑھے اور شہوات نفسانی میں نہ پڑے۔ ویش کا کام کھیتی باڑی کرنا سود لینا چارپایہ کی پرورش کرنا تھا۔ شودر کا کام برہمنوں کی خدمت کرنا تھا۔ ہندوستان میں طبقاتی تقسیم کے لحاظ سے شودر جانوروں سے بھی پست درجہ رکھتا تھا۔

۱۔ ایران بعہد ساسانیاں از پروفیسر آرتھر کرسٹن ترجمہ ڈاکٹر محمد اقبال ص ۱۲۶ ۲۔ ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۴۲

۳۔ ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۲۰ ۴۔ ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۲۷۔

۵-۷۔ ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۳۵۔ ۴۳۷ ۸۔ اسلام کا نظام حیات مصنفہ عبدالوہاب ظہوری ص ۲۰۳

۹۔ تفصیل کے لیے البیرونی کی کتاب الہند کا مطالعہ کیجیے۔

عورت کی حیثیت

عورت مال سے محروم تھی اور لڑکی باپ کی جائیداد کی وارث نہیں بن سکتی تھی۔ بیوہ کو بیع و فروخت کا کوئی اختیار نہ تھا۔ عورت کو جوئے میں داؤ پر لگانے کا رواج تھا۔ شوہر کی موت کے بعد بیوہ کو عقد ثانی کی اجازت نہیں تھی اس لیے خاوند کے مرنے کے بعد بعض عورتیں آگ میں زندہ جل جانا پسند کرتی تھیں۔ عورت فروخت کی جاتی تھی۔ اسے وید پڑھنے کی اجازت نہ تھی' نہ مذہبی رسوم میں شریک ہوسکتی تھی۔ راجاؤں کی بیویوں کی کوئی تعداد قانوناً مقرر نہ تھی۔ ہندوستان میں شاکت مت جیسے فرقے پیدا ہو گئے تھے جن میں ماں بہن تک کی حرمت باقی نہ رہی۔

مصر کی معاشرتی زندگی

معاشرہ تین طبقات میں منقسم تھا۔ ا۔ شاہی افراد۔ ۲۔ پروہت۔ ۳۔ عوام۔ بادشاہ اور شاہی افراد معاشرہ میں بااثر اور مصر کی معاشرتی زندگی کا مرکز اور محور ہوتے تھے۔ وہی تمام طاقت اور اختیارات کا منابع اور مصادر ہوتے تھے۔ دستوری طور پر بادشاہ کے اختیارات پر کوئی پابندی اور حد بندی عائد نہیں کی جا سکتی تھی۔ دوسرا طبقہ مذہبی پروہت تھے۔ مذہبی پروہت ملک کے اندر بڑے بااثر ہوتے تھے اس کا حکم بادشاہ کے محل میں زلزلہ ڈال سکتا تھا۔ اس کے حکم پر خون کی ندیاں بہہ سکتی تھیں اور بادشاہ شاہی اقتدار سے محروم ہو سکتے تھے۔ بادشاہ پروہتوں کے اعتماد سے ہی اپنے اقتدار کا سکہ چلا سکتا تھا۔ پروہتوں کی رہائش کے لیے بڑے بڑے عالی شان محلات مندروں سے ملحق ہوتے تھے۔ ان اسباب کی وجہ سے وہ معاشرہ کے مرکز بن گئے تھے۔ اپنے وسیع اختیارات کی وجہ سے انھوں نے بڑی بڑی جاگیریں حاصل کر لی تھیں۔

عورت اور غلام کی حیثیت

مصر میں قحبہ گری تھی۔ مصری فراعنہ کے حرم میں بے شمار عورتیں ہوتی تھیں۔ اکثر وہ اپنی سگی بہنوں سے شادی کرتے تھے۔ کبھی کبھی بیٹیوں سے بھی۔ محرمات کے اندر صرف سگی ماں داخل ہوتی تھی۔ بادشاہوں کے حرم میں ان شرفاء کی بیٹیاں اور وہ عورتیں بھی شامل تھیں جو تحفۃً بادشاہ کے پاس بھیجی جاتی تھیں۔ مصری معاشرہ میں عورت کا مقام بہت ہی پست اور گھٹیا تھا۔

مصر میں غلامی کا عام رواج تھا۔ غلام بادشاہوں کے محلوں' کاہنوں اور سپہ سالاروں کے گھروں میں موجود رہتے۔ جنگ میں جو قیدی بنائے جاتے وہ حکومت کے غلام متصور ہوتے' سب کی ضرورتوں کے مطابق کام انجام دیتے یا ملک کی آرائش اور اس کے حسن کی تشکیل کے متقاضی فرائض کی تکمیل کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ قومی مصلحتوں اور عام حاجتوں کو بھی پورا کرتے تھے۔

آقاؤں کا غلاموں پر ہر طرح کا تسلط و تغلب تھا۔ زندہ رکھیں یا قتل کر دیں۔

یونان کی معاشرتی زندگی

یونان قدیم تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے۔ ان ملکوں میں عورتوں کو کچھ ضرور حقوق حاصل تھے لیکن پھر بھی وہ نہایت ہی گھٹیا اور کم درجہ کی مخلوق تصور کی جاتی تھی۔ مشہور غیر مسلم مورخ ڈاکٹر گستاؤلی بان تمدن عرب میں بیان کرتا ہے:

''یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے...... اگر کسی عورت کا بچہ خلاف فطرت پیدا ہوتا تو اس کو مار ڈالتے تھے۔''[1]

کیلی عورت کی اس ذلت اور پستی کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''بہ حیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ بہ غایت پست تھا۔ اس کی زندگی مدت العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی۔ لڑکپن میں اپنے والدین کی جوانی میں اپنے شوہر اور بیوگی میں اپنے فرزندوں کی وراثت میں۔ اس کے مقابلہ میں اس کے مرد: اعزہ کا حق ہمیشہ فائق سمجھا جاتا تھا۔ طلاق کا حق اسے قانوناً ضرور حاصل تھا۔ تاہم وہ عملاً اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی کہ عدالت میں اس کا اظہار دینا یونانی ناموس حیا کے منافی تھا۔ البتہ وہ اپنے ساتھ جہیز ضرور لاتی تھی اور اپنی لڑکیوں کو بھی شادی کے وقت جہیز دینا اس کے فرائض میں داخل تھا اور دوسری بات یہ تھی

[1] تمدن عرب ص ۳۷۲

کہ اشیا کا قانون یتیم لڑکیوں پر خاص طور سے مہربان تھا۔ لیکن بس ان دو باتوں کے سوا کوئی شے حقوق نسواں کی تائید میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ افلاطون نے بلاشبہ مرد اور عورت کی مساوات کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن یہ تعلیم محض زبانی تھی، عملی زندگی اس سے بالکل غیر متاثر رہی۔''[1]

غلام کی حیثیت

یونان میں غلامی کا عام رواج تھا۔ یونان کے بڑے بڑے فلاسفہ بھی غلامی کے بارے میں رائے عامہ کے ہم خیال تھے۔ ارسطو اکثر کہا کرتا تھا کہ ''غلام ایک آلہ ہے مگر ذی روح اور ایک کھلونہ ہے مگر جاندار یونان میں دو طبقے تھے۔ احرار اور غلام۔ پھر غلام دو قسم کے تھے۔ ایک وہ جن پر زبردستی استیلا حاصل کر لیا گیا ہو۔ دوسری قسم ان غلاموں کی تھی۔ جن کو بازار سے خرید کیا گیا ہو۔ پہلی قسم کے غلام محض نام کے غلام تھے اور ان کو زمینوں کے تابع سمجھا جاتا تھا۔ زمینوں کے ساتھ ان کی بھی خرید و فروخت ہوتی تھی۔

دوسری قسم کے غلام اپنے آقاؤں کے رحم و کرم پر ہوتے تھے۔ آقا معمولی معمولی خطاؤں پر غلاموں کو سنگین سزائیں دیتے تھے۔

چین میں معاشرتی زندگی

چین میں معاشرتی زندگی کی بنیاد چار طبقات پر تھی ۱۔ حاکم ۲۔ امراء۔ ۳۔ عوام اور ۴۔ غلام۔ اہل چین بھی اپنے مذہبی اور ملکی دستور کے مطابق غلام پر ہر قسم کا تسلط اور استیلا رکھتے تھے لیکن چینیوں کے اخلاق و عادات دوسری اقوام کی بہ نسبت اچھے تھے۔ اس لیے وہ غلاموں کے ساتھ دیگر اقوام کی طرح زیادہ وحشیانہ اور بہیمانہ سلوک روا نہیں رکھتے تھے۔ پہلی صدی عیسوی میں ان کے ہاں ایسے قوانین بنائے گئے تھے جن کی رو سے ہر شخص کو اپنے غلام کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔

دنیا کی مذہبی حالت

اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی طرف مصلح اور پیغمبر بھیجے ہیں۔ انھوں نے خدا سے تعلیم پا کر اپنی اپنی قوم کی اصلاح کی تھی۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ (۳۵:۲۴) کوئی قوم ایسی نہیں جن میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

ان مصلحین اور رسولوں کی تعلیمات کا مرکزی محور توحید تھا۔ توحید کے نور سے ہی لوگوں کے سینوں کو منور کرتے تھے۔ اخلاق عالیہ کے زیور سے آراستہ کرتے تھے۔ معاشرتی اور سیاسی برائیوں کا قلع قمع کرتے تھے۔ طلوع آفتاب اسلام سے قبل توحید کا وہ چراغ جو انبیاء علیہم السلام نے روشن کیا تھا گل ہو چکا تھا۔ تمام دنیا شرک کی پُر ظلمت وادی میں بھٹک رہی تھی۔ توحید کا چراغ گل ہو جانے کی وجہ سے زندگی کے ہر شعبہ میں انحطاط واقع ہو چکا تھا۔ ظہور اسلام سے قبل حسب ذیل بڑے بڑے مذہب تھے۔ جن کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

ہندی مذاہب کی حالت

ہندو مت

ہندو کی مذہبی کتاب وید ہے۔ وید کتنے تھے۔ اس کے بارے میں ہندوؤں میں اختلاف ہے۔ وشنو پران میں لکھا ہے۔ شروع میں وید صرف ایک ہی تھا۔ جس میں ایک لاکھ منتر تھے۔ اس کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد یہ حصے آپس میں مل جل گئے اور کئی حصے بھول بھی گئے۔

یہ امر تاریخی شواہد سے واضح ہے کہ پہلے ایک وید تھا۔ اس کو چار حصوں (رگ وید، یجروید، سام وید اور اتھروید) میں تقسیم کیا۔ پھر ہر وید کو سنگھیتا، براہمن اور ارنیک میں بانٹا۔ پھر یجروید کے دو حصے کیے گئے یعنی شکل یجروید اور کرشن یجروید، اس طرح چار سنگھیتاؤں کی بجائے پانچ سنگھیتا ہو گئیں ۱۔ رگ وید سنگھیتا ۲۔ تیتریہ سنگھیتا (کرشن یجروید) ۳۔ واجنئی سنگھیتا (شکل یجروید) ۴۔ سام وید سنگھیتا ۵۔ اتھروید سنگھیتا۔ شکل یجروید پھر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ا۔ کنوا (Kanva) ۲۔ مادھینو یئی (Madnyandini) اتھروید کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

[1] تاریخ اخلاق یورپ ترجمہ اردو جلد دوم ص ۱۸۲

حقیقت یہ ہے کہ وید ابتدا میں ایک تھا۔ اس کے بعد تین وید ہوئے پھر ان میں اضافہ در اضافہ ہو کر چار بنے اس کے بعد برہموں کی ذاتوں کے مطابق تیرہ ہو کر ۱۱۳۱ وید بنے اور بالآخر وید بیشمار ہو گئے۔ جیسا کہ تیتر یہ برہمن ۳:۱۰:۱۱:۲۴ میں لکھا ہے "وید بے شمار ہیں۔" جب تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ویدوں کی ترتیب و تدوین کئی بار ہوئی۔ اضافے در اضافے ہوتے چلے گئے۔ تو اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ وید اپنی اصلیت اور حقیقت بھی ضائع کرتے چلے گئے ہیں۔

شرک

کئی بار ترتیب و تدوین کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ موجودہ وید توحید الٰہی سے بالکل خالی ہیں اور پرمیشور کا تصور جو ویدوں نے پیش کیا ہے۔ وہ انسانی ذہن کا تراشیدہ ہے وید کے سوکتوں کے اوپر ایک دیوتا کا نام ہے اور دوسرے کسی رشی کا۔ دیوتا وہ ہے جس کی تعریف یا پرستش کا ذکر اس سوکت میں موجود ہے۔

ویدوں میں دیوتاؤں کی تعداد مختلف ہے۔ یجروید میں لکھا ہے کہ دیوتا کل ۳۳ ہیں ۱۱ زمین پر ۱۱ آسمان پر اور ۱۱ اوپر جنت میں۔

رگوید منڈل نمبر ۳ سوکت ۹ منتر ۹ میں لکھا ہے کہ کل دیوتا ۳۳۴۰ ہیں۔ رگوید کے مطابق ۳۳۳۹ دیوتاؤں نے مل کر آگ دیوتا کو گھی سے سینچا اور اس کے پاس گئے پس ۳۳۳۹ میں ایک اضافہ ہوا تو ۳۳۴۰ دیوتا بن گئے۔ چنانچہ منڈل ۱۰ سوکت ۵۲ منتر ۶ میں واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ کل دیوتا ۳۳۴۰ ہیں۔

بلحاظ جائے رہائش دیوتاؤں کی تین اقسام ہیں۔ پرتھوی ستھانی (زمین میں رہائش والے) مدھیہ ستھانی (جو فضا میں مقیم ہیں) دیو ستھانی (آسمان میں رہنے والے) مثلاً اگنی۔ اندر۔ سوریہ

اس کے علاوہ درختوں، جانوروں وغیرہ میں رہنے والے دیوتاؤں کا ذکر اتھروید ۱:۳۰:۳ میں ہے۔

ویدوں کے مشہور دیوتا

ویدوں کے دیوتاؤں میں سب سے بڑا رتبہ اندر دیوتا کا ہے۔ وہی بارش برساتا ہے اور زمین سیراب کرتا ہے اس کا دوسرا نام رڈر ہے اس کے ساتھیوں میں وایو یعنی ہوا کا دیوتا بھی شامل ہے۔ یہاں تک کہ یہ دیوتا جنگ کا بھی دیوتا ہے۔ دوسرے درجہ پر ورن دیوتا ہے۔ اسے سب دیوتاؤں کا راجا سمجھنا چاہیے۔ بلکہ سب راج اسی کا تھا۔ ورن دیوتا کے ساتھی متر دیوتا ہے جس کا دوسرا نام سورج بھی ہے۔ ورن دیوتا کا ایک اور ساتھی بھی ہے جسے ریت یعنی تنظیم کا دیوتا کہنا چاہیے۔ صبح کی دیوی اشا کہلاتی تھی۔ رگ وید کا سب سے بڑا دیوتا اگنی ہے۔ جس کے اصلی معنی آگ کے ہیں۔ اگنی دیوتا کی ہر گھر میں پوجا ہوتی تھی۔

ہندو تثلیث

ویدک دھرم کی غیر مقبولیت کے پیش نظر برہموں نے یہ محسوس کیا کہ ویدک دیوتاؤں میں بنیادی تبدیلی کرنی چاہیے۔ چنانچہ اس احساس کے نتیجہ میں ہندو دھرم میں تین بڑے خدا مقرر کیے گئے۔ براہمہ، شیوا، وشنو، ان کو ہی تری مورتی یعنی تین شکلیں کہتے ہیں ان کے تحت بے شمار دیوتا اور دیویاں مقرر کی گئیں۔

۱۔ براہمہ۔ یہ دیوتا عالم کا خالق اور کائنات کا نقطہ آغاز تصور کیا جاتا ہے۔ ۲۔ وشنو یہ دیوتا اشیاء کی حفاظت اور بقا کا ذمہ دار ہے۔ ۳۔ شیوا برباد کرنے والا دیوتا ہے۔

دیوتاؤں کی یہ کثرت شرک فی ذات الٰہی ہے۔ اس کے علاوہ ہندو روح، مادہ، اکاش اور زمانہ کو خدا کے برابر ازلی ابدی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ شرک فی صفات الٰہی ہے۔

بدھ مت

گوتم بدھ کی مقدس تعلیم تو ان کی زندگی میں مرتب نہ ہوئی اور موجودہ تعلیم چھٹی قبل مسیح سے دوسری صدی عیسوی تک مرتب ہوتی رہی۔ ان دوران میں چار مجالس منعقد ہوئیں جن میں باہمی غور وفکر کے بعد تعلیمات کو مرتب کیا گیا۔ اس وجہ سے یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ جو تعلیم مرتب شدہ صحائف میں درج ہے۔ وہ تحریف و تبدل سے مبرا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گوتم بدھ کی وفات کے معا بعد جو مجلس منعقد ہوئی تھی۔ اس کے نتیجہ میں بدھ مت دو فرقوں میں منقسم ہوگیا اور تیسری مجلس یعنی اشوک کے عہد تک بدھ مذہب اٹھارہ فرقوں میں تقسیم ہوگیا۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے گوتم بدھ کی تعلیم کے بارے میں اصولی اختلاف رکھتا ہے۔

عام طور پر بدھ مت کے دو بڑے فرقے بیان کیے جاتے ہیں۔ ۱۔ مہایان فرقہ ۔۲۔ ہنایاں فرقہ۔ مہایان فرقہ والوں کے نزدیک بدھ جسم نہ تھا۔ بلکہ وہ بالاتر از انسان تھا۔ ساکیہ منی کبھی دنیا میں مجسم نہیں ہوا بلکہ اس نے اپنا اوتار اور ظل دنیا میں ڈالا۔ بدھ خود ہی خدا ہے۔ بلکہ دائمی اور ازلی خدا ہے۔ نروان کے حصول کے لیے نیک اعمال کی بجائے بدھ پر ایمان لے آنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس ہنایاں فرقہ کا یہ عقیدہ ہے۔ نہ آتما ہے نہ پر ماتما یعنی خدا ہے نہ روح۔ بھکونارو اپنی تصنیف بدھ ازم میں لکھتا ہے۔ اس کے مہاینا کے خلاف ہنانا کا فرقہ خدا اور الہام دونوں کا منکر ہے۔"

بدھ پرستی: گوتم بدھ کے انتقال کے بعد جب رسوم میت ادا کی جا چکیں تو ان کے جسم کی راکھ ہڈیاں، دانت اور بال وغیرہ محفوظ کر لیے گئے۔ انھیں استوب میں رکھا گیا۔ ایشیا میں لاکھوں استوب ہیں چونکہ گوتم بدھ کے اتنے بال یا ہڈیاں وغیرہ موجود نہیں اس لیے ان میں سے بہتوں میں محض بت مقدس تحریریں یا منا جاتیں رکھی گئی ہیں۔ استوبوں کا طواف کیا جاتا ہے ان پر ہار پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ یہ گویا بدھ کے اثار جسم کی پرستش ہے۔

ایرانی مذاہب کی حالت

زرتشت مذہب

زرتشت پہلا مصلح اور پیغمبر ہے جس نے ایران میں کثرت پرستی کی مذمت کی اور توحید کا نعرہ بلند کیا۔ عام طور پر اس کا زمانہ ۶۶۰۔۵۸۳ ق۔م مانا جاتا ہے لیکن بعض مورخین ۱۰۰۰ ق۔م بیان کرتے ہیں۔

شرک

زرتشت کی وفات کے بعد ایرانی توحید کی تعلیم کو ترک کر کے شرک کی پُرظلمت وادی میں بھٹکنے لگے۔ توحید کی جگہ مظاہر پرستی نے لے لی۔ گھر گھر میں دیوتاؤں کی پرستش شروع ہوگئی۔

ایک انگریز مورخ مذہب (زرتشت) میں فساد کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

"زرتشت کے بعد جب یہ مذہب انبیاء کے دائرہ سے نکل کر ملکی سیاست دانوں کے قبضہ میں آیا تو پھر خدائے واحدا ہورا مرزا کا تخیل ایک شہنشاہ کا سا ہوگیا۔ لوگوں نے اعتقاد قائم کر لیا کہ وہ دنیا کا خالق اور مدبر ہونے میں بہت سے خداؤں کی مدد کا محتاج ہے اور ان کو چھوٹے چھوٹے خدا تصور کر لیا گیا۔"[1]

عقیدہ ثنویت

پیروان زرتشت دنیا میں دو عظیم طاقتوں کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ایک طاقت یزداں ہے جو خیر کی طاقت ہے دوسری طاقت اہرمن ہے جو مبداشر ہے۔ گویا پیروان زرتشت خدا تعالیٰ کو قادر مطلق تسلیم نہیں کرتے۔

---

[1] Our oriental heritage chap XIII P 366

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اگرچہ زرتشتی ثنویت کے قائل ہیں لیکن ثنویت پرست نہیں بقول پروفیسر فائل "ہمیں کسی جگہ سے بھی اس کا پتہ نہیں چلتا کہ زرتشتی فرقہ نے کسی وقت بھی اہرمن کا کسی صورت میں احترام کیا ہو بلکہ ماڑوا پرستوں کے نزدیک اہرمن کی مخالفت اصول مذہب میں داخل ہے۔"

مانی

مانی نے مسیحیت اور مجوسیت کی آمیزش سے ایک نیا مذہب بنایا۔ جس کے فلسفہ نور ظلمت میں ایرانی قوم پھنس کر رہ گئی۔[1] اس کی تعلیم یہ تھی کہ دنیا سے قطع تعلق کر کے جنگلوں... اور ویرانوں میں زندگی بسر کرنی چاہیے اور ترک ازدواج سے نسل انسانی کو منقطع کر لیا جائے تاکہ بدی کا خاتمہ ہو جائے۔[2]

مزدک

خراسان کے شہر نیشاپور میں پیدا ہوا۔ مزدک کے نزدیک دنیا میں تمام اختلافات جھگڑے زر، زمین اور زن کی وجہ سے ہیں۔[1] ان تینوں اشیاء سے شخصی تصرف اور ذاتی ملکیت ختم کر دی جائے تو دنیا کے سارے اختلافات اور جھگڑے ختم ہو جائیں۔ مزدک کے نزدیک ہر مرد عورت سے یکساں متمتع ہو سکتا ہے۔ جیسے آگ، ہوا یا پانی سے۔ گویا عورت کے بارے میں بھی اشتراک کی تعلیم دی۔ اس تعلیم سے انسانی معاشرہ میں جو فساد و بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے اس کو ہر خردمند انسان بخوبی سمجھ سکتا ہے اس لیے اس کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں۔

فلسفہ مزدک میں باپ کا بیٹی کو اور بھائی کا بہن کو زوجیت میں لینا جائز تھا۔[3] یزدگرد ثانی نے جو پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ایران کا بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی بیٹی سے شادی کی اور پھر اس کو قتل کر ڈالا۔[4]

چینی مذاہب کی حالت

تاؤازم

تاؤازم کا بانی لاؤزے (Lao-tze) ہے۔ ۶۰۴ قبل مسیح میں ٹشو (Tohu) کے صوبہ میں پیدا ہوا۔ اس کا اصلی نام لی پہ یانگ تھا۔ لاؤزے نے اپنے فلسفیانہ خیالات خود اپنی زندگی میں لکھوائے تھے۔ جس کا نام تاؤتی چنگ (Tao-te-ching) ہے یعنی کتاب صراط مستقیم۔ اب یہ کتاب ۵۰۰۰ الفاظ پر مشتمل ہے اور اس کے ۸۱ باب ہیں اکثر محققین کی یہ رائے ہے کہ یہ لاؤزے کی اصل کتاب کا محرف و مبدل نسخہ ہے کچھ اسے بالکل غیر مستند اور ناقابل اعتماد قرار دیتے ہیں۔ یہ نظریہ انتہا پسندانہ ہے۔ گزشتہ صدیوں کی فروگذاشتوں اور اضافے کی گنجائش قبول کرتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کتاب کا معتدبہ حصہ لاؤزے کے اپنے اقوال ہیں۔

تاؤتی چنگ میں اہم ترین لفظ تاؤ ہے۔ جس کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں۔ لاؤزے نے یہ لفظ خدا کے معنی میں استعمال کیا ہے اور اس کی حسب ذیل صفات بیان کی ہیں۔

۱۔ اس کا وجود ہمیشہ سے ہے۔

۲۔ تاؤ ہر جگہ موجود ہے۔

۳۔ تاؤ کی ذات سے تمام کائنات کی عظمت اور شان و شوکت موجود ہے۔

۴۔ تاؤ کا جسم نہیں وہ ایک لطیف چیز ہے تمام اجسام اسی کے پیدا کردہ ہیں۔

۵۔ تاؤ غیر متحرک ہے بایں ہمہ تمام کا خالق اور رازق ہے۔

۱۔ کتاب الفہرست ابن ندیم ذکر مانی ۲۔ تاریخ غرر اخبار الفرس ثعالبی مطبوعہ پیرس جلد ۲ ص ۵۔

۳۔ تاریخ غرر اخبار الفرس ثعالبی مطبوعہ پیرس ص ۲۷ ۴۔ مؤرخوں کی تاریخ عالم ج ۸ ص ۸۴

۶۔ وہ نا قابل تقسیم ہے۔

لاؤزے کی وفات کے بعد تاؤ ازم بھی بگاڑ اور فساد کا شکار ہو گیا۔ توحید کی جگہ شرک سحر فسوں اور توہم پرستی نے لے لی۔ لاؤزے کے پانچ سو سال بعد ایک شخص چنگ تاؤلنگ نے یہ اعلان کیا کہ اس نے ایک شربت تیار کیا ہے جو شخص اس کو پیئے گا۔ وہ حیاتِ جاوداں سے ہم کنار ہو جائے گا۔ یہ شخص تاؤوں کا معبود بن گیا۔

کنفیوشس کا مذہب

یہ فلاسفر اور مصلح موضع کوفو (Chufu) میں جو سلطنت لیو (Lu) موجودہ صوبہ (Ghantung) میں ہے۔ ۵۵ ق۔م یا ۵۵۱ ق۔م میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنے زمانہ کے مذہب کی تائید کرتے ہوئے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے پر زور دیا۔ توحید کا پرچار کیا۔ ایک خاص اخلاقی نظام کی بنیاد رکھی۔ جس پر چینی سوسائٹی کی عمارت کھڑی کی۔ اس کا کہنا تھا کہ ہر شخص کو چاہیے کہ پہلے خود اپنی اصلاح کرے اور پھر اپنے اہل و عیال کی اصلاح کی طرف رجوع کرے۔ اس سے ہر شہر اور بعد ازاں پوری سلطنت کی اصلاح ہو جائے گی۔

مرور زمانہ کے ساتھ یہ مذہب فاسد ہو گیا۔ توحید کی جگہ فطرت پرستی اور شخصی خدا نے لے لی۔

فطرت پرستی

زمانہ قدیم کی اقوام کی طرح اہل چین بھی مناظر فطرت اور متعدد مافوق الفطرت قوتوں کی پرستش کرتے تھے۔ فیض رساں قوتیں شین (Shen) کہلاتی ہیں اور مضرت رساں کوئی (Kwei) جو انسانوں کی قسمت پر حکومت کرتی ہیں۔ اہل چین نے قدیم آفتاب، ماہتاب اور مافوق الفطرت قوتوں کی پرستش کو تاؤ مذہب اور کنفیوشس کے مذہب میں شامل کر لیا۔

بزرگ پرستی

چینیوں میں زمانہ قدیم سے آباء پرستی کا بھی رواج تھا۔ کنفیوشس کی وفات کے بعد اس کی پرستش شروع ہو گئی۔ آباء پرستی کے علاوہ چینیوں میں تعویذ، جادوٹونے فال وشگون وغیرہ کا بھی رواج رہا ہے ان سب کو تاؤ مذہب کا جزو بنا لیا گیا۔

شانگٹی (Shngti) شخصی خدا

اہل چین آسمان اور زمین کو شوہر اور بیوی اور کل اشیاء کا والدین تسلیم کرتے تھے۔ زمین کے مقابلہ میں آسمان کی اہمیت بہت زیادہ رہی ہے۔ ڈاکٹر ولیم ایف وارین (DR.W.F.Warren) کی تحقیقات کے مطابق اگرچہ شانگٹی آسمان کا دیوتا ہے لیکن آسمان میں بھی اس کا ایک خاص مقام ہے یعنی قطب ستارہ۔

ثنویت

تقریباً ۱۰۰۰ ق۔م میں چینیوں میں ثنویت کا عقیدہ پایا جاتا تھا۔ اس عقیدہ کی رو سے قدرت میں دو قوتیں کارفرما ہیں۔ جو متضاد خصوصیات کی حامل ہیں یعنی ۱۔ یانگ (Yang) جو مثبت، مذکر، سفید، گرم اور متحرک ہے۔ ۲۔ یین (Yin) جو منفی مونث، سیاہ، سرد، نرم اور غیر متحرک ہے اور کائنات کی ہر چیز انھیں کے باہمی عمل سے وجود میں آئی ہے۔

یانگ دھوپ اور آگ کا جوہر ہے اور یین سایہ اور پانی کا جوہر ہے۔ آسمان 'یانگ' ہے اور زمین 'یین' دیگر مذاہب کی ثنویت میں قوتیں ایک دوسرے کی مخالف سمجھی جاتی ہیں اور ان میں ابدی جنگ جاری ہے۔ کبھی ایک قوت غالب آ جاتی ہے اور کبھی دوسری چینیوں کے نزدیک یانگ اور یین میں مکمل اتحاد ہے اور کارخانہ قدرت کو چلانے کے لیے ان دونوں کا وجود ضروری ہے۔

جاپانی مذہب

اہل جاپان کا مذہب شنٹو (Shinto) ہے۔ شنٹو چینی زبان کے دولفظوں شن۔ٹو سے مرکب ہے۔ جن کا مطلب ہے۔ دیوتاؤں کے ڈھنگ یا طور اطوار۔ اس مذہب کا علم ہمیں دو کتابوں سے حاصل ہوتا ہے۔ کوجکی اور نحوگی جو بالترتیب ۷۱۲ اور ۷۲۰ کی تالیف ہیں۔

شنٹو ازم کی خصوصیات

ا۔ کثرت پرستی

شنٹو ازم کثرت پرستی کا مذہب ہے۔ اس کثرت پرستی کا اندازہ اس کے دیوتاؤں کی تعداد سے ہوسکتا ہے۔ کبھی یہ دعویٰ ہے کہ اسی کروڑ دیوتا ہیں اور کبھی ان کی تعداد آٹھ سو کروڑ تک جا پہنچتی ہے۔

۲۔ مظاہر پرستی

اہل جاپان مظاہر پرستی پر بہت زور دیتے ہیں۔ چین کے ایک بادشاہ نے جاپان کا نام دائی نپن (Dainippon) یعنی "طلوع آفتاب کی سرزمین" رکھا تھا۔

۳۔ آباء پرستی

جاپانی مذہب میں اسلاف پرستی کا بھی عنصر پایا جاتا ہے۔ اسلاف پرستی کا آغاز مردوں کے خوف و ہراس سے ہوا۔

۴۔ شاہ پرستی

جاپان میں بادشاہوں نے سورج دیوی کی اولاد ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ دعویٰ سب سے پہلے جمو ٹینو (Jimmo Tenno) نے کیا۔ اہل جاپان کے نزدیک جس طرح سورج دیوی تمام معبودوں کی آقا ہے اسی طرح بادشاہ بھی تمام جاپانیوں کا مخدوم اور سردار ہے آہستہ آہستہ بادشاہ خدائی درجہ پر فائز ہوگیا۔

۵۔ ہیرو پرستی

جاپانی صرف بادشاہ کی ہی پرستش نہ کرتے تھے۔ بلکہ ہر اس آدمی کو قابل پرستش قرار دیتے تھے جو قوم اور سلطنت کے لیے کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیتا۔

سرسری طور پر اگر جاپانی معبودوں کا جائزہ لیا جائے تو ان معبودوں کو سات مجموعوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ا۔ اجرام فلکی۔ ۲۔ عناصر اربعہ۔ ۳۔ غیر معمولی مظاہر قدرت۔ ۴۔ نمایاں مظاہر قدرت مثلاً پہاڑ' چٹانیں' درخت اور غار وغیرہ۔ ۵۔ غیر معمولی انسان۔ ۶۔ طاقت ور حیوان۔ ۷۔ مصنوعات مثلاً تلواریں وغیرہ۔

یہودیت کا حال

یہودی قوم دنیا کی عظیم اقوام میں سے ایک ہے کیونکہ یہ سام کی اولاد میں سب سے پہلے وحی الٰہی کی امانت دار بنی پھر ان میں بے شمار نبی آئے۔ جنھوں نے حق اور صداقت کا پیغام دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل یہودیت اپنی اصلیت کھو چکی تھی اور اس میں بے شمار برائیاں سرایت کر چکی تھیں۔ جن میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ یہودی علماء اپنے منشاء کے مطابق احکام الٰہی کو بدل دیتے اور اپنی تصنیفات اور اجتہادات کو کتاب الٰہی کا درجہ دیتے تھے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ (مائدہ ۵:۴۱) یعنی وہ الفاظ کو اپنی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں۔
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ (بقرہ ۲:۷۹)
پس ہلاکت ہوان پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں۔ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ تاکہ وہ اس سے دنیا کا معمولی فائدہ اٹھائیں تو ہلاکت ہے ان پر جو لکھتے ہیں اور ہلاکت ہوان پر جو وہ کماتے ہیں۔
اس دور میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ بائبل میں انسانی کلام کا عنصر پایا جاتا ہے۔
پادری ڈمیلو اپنی کتاب گنتی کی تفسیر میں لکھتا ہے۔
''ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بائبل میں انسانی عنصر موجود ہے۔'' ص ۱۶۷

۲۔ جاہل اور اَن پڑھ سنے سنائے قصے کہانیوں کو ہی روح مذہب سمجھتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے:۔ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (بقرہ ۲:۷۸) اور ان میں سے بعض اَن پڑھ ہیں جن کو کتاب (تورات) کا علم تک نہیں۔ محض بناوٹی باتیں معلوم ہیں۔ وہ صرف ان کے خیالات ہیں۔

۳۔ یہود نے احکام خداوندی کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ قرآن مجید نے یہود قوم کی اس برائی کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں کیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:۔ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (بقرہ ۲:۱۰۱) جن کو خدا کی کتاب دی گئی ان میں سے ایک فریق اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈالتا ہے گویا وہ جانتا نہیں۔
ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدالت میں یہود زنا کا مقدمہ لائے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تمھارے مذہب میں اس جرم کی کیا سزا ہے یہود نے جواب دیا کہ ہماری شریعت میں مجرم کو کوڑے مارے جاتے ہیں اور اس کی تشہیر کی جاتی ہے۔
آپؐ نے ان سے تورات طلب فرمائی۔ جب وہ لائے اور اس جرم کے متعلق حکم کی آیات پڑھ کر سنانے لگے تو درمیان سے سنگ ساری کا حکم چھپا دیا۔ مگر ایک نومسلم یہودی عالم نے پڑھ کر بتا دیا۔ آپؐ نے فرمایا خداوندا میں پہلا شخص ہوں گا جو تیرے مردہ حکم کو زندہ کروں گا۔[۱]

۴۔ ان کا یہ باطل وہم تھا کہ وہی خدا کے برگزیدہ اور مجتبیٰ ہیں اور قیامت کو ان کے گناہوں کی وجہ سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور جنت کی نعماء صرف انھیں کے لیے ہیں چنانچہ ان کے باطل وہم کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ ۵:۱۸) ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔
وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً اور انھوں نے کہا کہ ہم کو نارِ جہنم ہرگز نہیں چھوئے گی لیکن چند روز۔

---

۱ صحیح بخاری و مسلم کتاب الحدود ابو داؤد باب رجم الیہودین۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (بقرہ ۲:۹۴) کہہ دے کہ اگر آخرت کا گھر تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف تمھارے ہی لیے ہے تو موت کی آرزو کیوں نہیں کرتے اگر تم سچے ہو۔

۵۔ یہود میں باہم آویزش اور مقاتلہ کا بازار گرم رہتا۔ ناحق ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ پھر کوئی قیدی ہو جاتا تو اس کو فدیہ دے کر چھڑا بھی لیتے تھے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (بقرہ ۲:۸۵)
پھر تم ہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے اور ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو اور ان کے خلاف گناہ اور ظلم سے مدد کرتے ہو اور اگر ایک گروہ تمھارے پاس قیدی بن کر آئے۔ تو تم فدیہ دے کر چھڑاتے ہو حالانکہ ان کا نکالنا تم پر حرام تھا کیا تم کتاب کے بعض حکموں کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔

۶۔ یہود طمع اور حرص میں حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے جس وجہ سے ہر قسم کی برائی اور اخلاقی گراوٹ اور پستی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اگر وہ کسی سے لین دین کرتے تو کبھی بھی دیانتداری نہ برتتے چنانچہ قرآن مجید نے ان کی اس اخلاقی گراوٹ اور بددیانتی کا ذکر کیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (آل عمران ۳:۷۵) اہل کتاب (یہود) میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر ان کو ایک دینار بھی امانت رکھنے کے لیے دو وہ تم کو اس وقت تک واپس نہ دیں گے۔ جب تک تم ان کے سر پر کھڑے نہ رہو۔ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان پڑھ جاہل عربوں کا ہم پر کوئی حق نہیں اور وہ جان بوجھ کر خدا پر جھوٹ بولتے ہیں۔

اور اسی طرح قرآن مجید نے ان کی بعض اور برائیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (مائدہ ۵:۶۲) اور ان میں بہتوں کو تو دیکھے گا کہ وہ گناہ اور ظلم کرنے اور حرام کھانے میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے ہیں کتنا ہی برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

۷۔ سود خواری نے ان کے عقول وقلوب کو زنگ آلود بنا دیا ہوا تھا اور اتنے قسی القلب ہو چکے تھے کہ کسی معصوم بچے کے زیور کو اتارنے کے لیے اس کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:۔ وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (النساء ۴:۱۶۱)
اور ان (یہود) کے سود لینے کے سبب سے حالانکہ وہ اس سے روکے گئے ہیں اور لوگوں کا مال ناجائز طریقوں سے نکالنے کی وجہ سے۔

۸۔ عیسائیوں کے نقش قدم پر چل کر یہود نے بھی عزیرؑ کو خدا کا بیٹا بنا لیا تھا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ بْنُ اللّٰهِ (توبہ ۹:۳۰) یہود نے کہا کہ عزیز اللہ کا بیٹا ہے۔
یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ توحید ہی تمام نیکیوں کی جڑ اور اصل ہے۔ جب جڑ ہی خشک ہو جائے نیکیوں کی شاخیں کیسے سرسبز رہ سکتی ہیں۔

۹۔ یہود عدم تلاوت کی وجہ سے خدا کا اصل نام بھول گئے تھے کیونکہ بابلی طالمود (یوم B۳۹) کی رو سے اس کی تلاوت منع کر دی گئی تھی۔ یہاں تک کہ کاہن برکت دیتے وقت بھی خدا کا نام نہیں لے سکتا تھا۔ یعنی ۲۷۰ ق۔م سے نہایت سختی کے ساتھ اس پر عمل درآمد ہوا (طالمود یوروشلم یوم ۳:۷) یہود خدا کے اصل نام کی بجائے اودنئی یا ایلوہیم کے الفاظ پڑھتے تھے۔
یہود خدا کا نام نہ لینے کی وجہ سے خداوند کے نام کا صحیح تلفظ بھی بھول گئے۔ اب اس کے صحیح تلفظ میں شدید اختلاف ہے۔ یہووَہ۔ یَہُوِ۔ یہُو۔ یَہُوَ ہے یا کیا ہے؟ انسائیکلو پیڈیا بیبیکا میں اس کا صحیح تلفظ یَہُوِ بتایا ہے۔ لفظ یَہُوِ ایوالڈ (Ewald) کے خیال میں یَاہُوَ کی مختصر شکل ہے اے وہ (جو ہے)

جب یہود خدا کے صحیح نام بھی بھول گئے تھے تو ان کے دلوں سے خدا کی عظمت اور خوف کا مٹ جانا لازمی نتیجہ تھا۔ خوفِ الٰہی نہ ہونے

کی وجہ سے یہود ہر برائی میں مبتلا ہو گئے تھے۔

۱۰۔ عربی زبان کی بائبل میں شوہر کو بعل (مالک خاوند) اور بیوی کو بعولہ یعنی جائیداد اور منقولہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا ببلیکا میں ان الفاظ پر لکھا ہے۔

(The man is the owner the woman the chattle) اسی وجہ سے یہودی قسم کی شادی کو (Baal Marriage) بعل میرج (جس میں عورت کے حقوق سلب ہو جاتے ہیں) کہا گیا ہے۔ بائبل' آدم اور حوا کے واقعہ میں حوا کو مجرم قرار دیتی ہے اور اس جرم کی پاداش میں عورت کو مرد کا بالکل محکوم بنا دیا ہے۔

''اور خداوند نے کہا تیرے دردِ حمل کو بڑھاؤں گا تو دروازہ کے ساتھ بچہ جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہو گی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔''[۱]

انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے۔ یہودی قانون میں مرد وارث کی موجودگی میں عورت وراثت سے محروم ہو جاتی ہے۔ نیز عورت کو خاوند کے مر جانے کے بعد دوسری شادی کا حق نہیں رہتا۔[۲]

۱۱۔ یہودی شریعت کی رو سے ایک عبرانی دوسرے عبرانی کو غلام بنانے کے لیے ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتا تھا۔

ا۔ کوئی شخص غربت کے باعث قرض ادا نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں ایک امیر کو حق حاصل تھا کہ اس غریب کی طرف سے اس کا قرض ادا کر دے اور اس کو اپنی غلامی میں لے لے۔

ب۔ کسی نے چوری کی اور اب وہ چوری کا مال اس کے مالک کو واپس نہیں کر سکتا۔ تو اس شخص کو یہ حق تھا کہ اپنے تئیں کسی امیر کے ہاتھ فروخت کر دے اور وہ اس کی طرف سے چوری کا مال ادا کر کے اس شخص کو اپنی غلامی میں قبول کر لے۔

ج۔ والدین کسی بناء پر اپنے بیٹے یا بیٹی کو کسی کے ہاتھ بیچ ڈالیں۔[۳]

---

۱ پیدائش باب ۳ ۲ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ یہودیت ۳ سفر الاوئین (۳۹:۲۵) و سفر الخروج (۲۱:۷۷۸) بحوالہ الرق فی الاسلام یعنی اسلام میں غلامی کی حقیقت حصہ اوّل تالیف مولانا سعید احمد ایم۔ اے ص ۲۵۔

عیسائیت کا حال

عقیدہ تثلیث

اس بات میں ذرا بھر شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ نے بنی اسرائیل میں گم شدہ توحید کو زندہ کیا اور توحید کا پیغام لے کر ہی بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ وہ خدا کو ''خدائے واحد اور برحق'' کہتے ہیں۔ (یوحنا $\frac{17}{3}$) دوسری جگہ فرماتے ہیں ''تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا (لوقا $\frac{18}{19}$)

''اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھے خدائے واحد اور برحق کو یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں'' (یوحنا $\frac{17}{3}$)

''اوّل یہ کہ اے اسرائیل اس پر خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اسے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی طاقت سے محبت رکھ (مرقس ۱۲: ۲۹۔۳۰)

حضرت عیسیٰ کے بعد عیسائیوں نے بجائے توحید کے تثلیث کا عقیدہ اختیار کر لیا یعنی باپ بیٹے اور روح القدس تینوں کو خدا تسلیم کر لیا۔ عقیدہ تثلیث کی تعبیر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

''تثلیث کے عیسائی نظریئے کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ باپ خدا ہے' بیٹا خدا ہے اور روح القدس خدا ہے۔ لیکن یہ مل کر تینوں خدا نہیں ہیں بلکہ ایک ہی خدا ہیں۔ اس لیے کہ عیسائی نظریئے کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں۔''

کفارہ

عیسائیوں کے نزدیک ہر انسان پیدائشی گناہگار ہے آدم اور حوا نے جو گناہ کیا۔ وہ وراثتاً ہر شخص کی فطرت میں چلا آ رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ہر شخص گناہ گار ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک نیک اعمال نجات کا موجب نہیں ہو سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ بندے کے گناہ توبہ اور استغفار سے معاف کر دے تو اس کا یہ رحم اس کے عدل کے خلاف ہے۔ خدا رحیم ہے اس کا رحم چاہتا ہے کہ انسان سزا سے بچ جائے پھر وہ عادل بھی ہے۔ عدل کا یہ تقاضا ہے کہ سزا ضرور دی جائے اب رحم اور عدل ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ بندے کی نجات کا ہونا ضروری ہے۔ بندوں کو نجات دلانے کے لیے ایک صورت یہ نکالی کہ خدا کا بیٹا یسوع مسیح جو تمام گناہوں سے پاک اور معصوم ہے۔ لوگوں کے تمام گناہوں کو اپنے اوپر لے کر جان کی قربانی دے اور سارے لوگوں کے لیے نجات کا ذریعہ بنے۔

انسائیکلوپیڈیا میں عقیدہ کفارہ کی مختصر تشریح ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے۔

''عیسائی علم عقائد میں کفارہ سے مراد یسوع کی وہ قربانی ہے۔ جس کے ذریعے ایک گناہ گار انسان یک لخت خدا کی رحمت کے قریب ہو جاتا ہے۔ اس عقیدے کی پشت پر دو مفروضے کارفرما ہیں ایک تو یہ کہ قوم کے گناہ کی وجہ سے انسان خدا کی رحمت سے دور ہو گیا۔ دوسرا یہ کہ خدا کی صفت کلام (بیٹا) اس کے انسانی جسم میں آئی تھی کہ وہ انسان کو دوبارہ خدا کی رحمت سے قریب کر دے۔[1]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ص ۶۵۱ ج ۲ مقالہ کفارہ (Atonement)

عیسائیت میں عورت کا مقام

بگڑی ہوئی عیسائیت نے بھی عورت کو نہایت ہی پست مقام دیا ہے۔ پولس کہتا ہے۔

"عورت کے ذریعے ہی گناہ دنیا میں آیا۔"[1]

ترتولیاں جو عیسائیت کے دورِ ابتدائی کا امام تھا وہ عورت کے متعلق لکھتا ہے:۔

"وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے جو شجرِ ممنوعہ کی طرف لے جانے والی۔ خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر اور مرد کو غارت کرنے والی۔"[2]

مسیحی عالم کرائی سوسٹم عورت کے متعلق کہتا ہے۔

"ایک ناگزیر برائی ایک پیدائشی وسوسہ ایک مرغوب آفت ایک خانگی خطرہ ایک غارت گر دلربائی اور ایک آراستہ مصیبت۔"[3]

غلام کی حیثیت

اسکندریہ کے سینٹ کائرل (Cyril) نے آقا اور غلام دونوں کو صانع اور مصنوع سے تشبیہہ دی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسیحی حضرات غلام کو بنظرِ استخفاف دیکھتے تھے۔[4]

انجیل میں جا بجا غلاموں کو اپنے آقاؤں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ پولس نے ایک خط میں جو اس نے افسیس کے نام لکھا ہے۔ غلاموں کا ذکر کیا ہے اور ان کو تاکید کی ہے کہ تم اپنے آقاؤں کی اطاعت ایسی ہی کرو جیسی حضرت عیسیٰ کی کرتے ہو۔

جو خط تیموشاوس کو لکھا ہے اس میں بھی یہی تحریر کیا ہے اور اخیر میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں وہ حضرت مسیح کی بعینہ تعلیم ہے اور جو شخص اس سے انکار کرتا ہے جھوٹا ہے۔

حضرت عیسیٰ کے ایک دوسرے حواری پطرس نے بھی غلاموں کی وصیت کی ہے کہ "انھیں چاہیے ہر وقت اپنے آقاؤں کے اطاعت گزار و فرمانبردار بنے رہیں۔"

پولوس نے جو خط اہل افسس کے نام تحریر کیا تھا۔ قدیس باسیلیوس نے اپنی کتاب القواعد الادبیہ میں اس کے بعض حصول کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "یہ خط اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ غلام پر اپنے آقاؤں کی اطاعت واجب ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔"

علامہ فرید وجدی نے لاروس کی انسائیکلو پیڈیا کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ تمام عیسائی علماء اس کا اقرار کرتے ہیں کہ غلام بنانے کا رواج ان کے ہاں مشروع تھا اور مذہبی احکام میں داخل تھا۔

اخلاقی حالت

عیسائیت کئی فرقوں میں بٹ گئی تھی ہر فرقہ دوسرے فرقہ کے خون کا پیاسا تھا پادریوں نے اپنے مذہبی منصب کو جاہ و حشمت کے حصول کا ذریعہ بنایا ہوا تھا۔ ہر پادری دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے ہر ممکن سعی کرتا اور ان پادریوں میں ہر قسم کی برائی پیدا ہو چکی تھی۔ ان کی سیاہ کاریوں کا ایک عیسائی نے یوں نقشہ کھینچا ہے کہ "کنواریاں پادریوں کے پاس اقرار گناہ کے لیے جاتیں۔ مگر کنواریاں واپس نہ آتیں۔"

قادریوں کا ایک اسقف اعظم سینٹ سرل جو اپنی سنگدلی اور سفاکیوں کی وجہ سے مشہور تھا ایک مرتبہ اپنے مریدوں کو ہمراہ لے کر اس نے غیر مسلح یہودیوں پر حملہ کر دیا۔ ان سب کو جلاوطن کر دیا۔ ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ ان کے معابد پیوست خاک کر دیئے۔ سرل کا حریف ارسٹس نامی پادری تھا۔ ایک روز وہ ایک راستہ سے گزر رہا تھا تو ۵۰۰ راہبوں کی جماعت نے اس پر دھاوا بول دیا اور قتل کر دیا۔[5]

---

1. پولس کا پہلا خط افرنتیون کے نام باب ۱۱
2. بحوالہ پردہ ص ۱۰۶ ابو الاعلیٰ مودودی
3. پردہ ص ۲۰
4. مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا مضمون غلامی۔
5. گبن جلد ۳ صفحہ ۳۲۷

سرل کی ایک خاتون دوست ہلیشیا نامی تھی۔ ایک روز وہ اپنی درس گاہ سے واپس گھر لوٹ رہی تھی۔ راہبوں کی ایک جماعت نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس کو برہنہ کر کے شہر کے گلی کوچوں میں گھسیٹا پھر اسے کلیسا میں لائے۔ جہاں پادری پیٹر کے گرز سے قتل کر دیا۔ پھر اس کے بعد اس کا گوشت ہڈیوں سے جدا کیا گیا۔ نعش کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے اور بعد میں ان کو آگ میں ڈال دیا گیا۔[1]

سر ولیم میور لکھتا ہے کہ ساتویں صدی کی عیسائیت خودگری ہوئی اور بگڑی ہوئی تھی۔ اس کو باہم لڑنے جھگڑنے والے فرقوں نے نکما کر رکھا تھا اور ابتدائی زمانہ کے پاک اور فراخ ایمان کی جگہ توہم پرستی کی بیہودگیوں نے لے لی تھی۔ سیل ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ گرجا کے پادریوں نے مذہب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے اور امن محبت اور نیکی کو مفقود کر دیا تھا۔ اصل مذہب کو بھول گئے تھے اور اس کے متعلق اپنی خیال آرائیوں پر جھگڑتے تھے۔"

[1] گبن جلد ۳ صفحہ ۳۲۷

عرب

عرب کا محل وقوع اور اقطاع

وجہ تسمیہ

عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف آراء ہیں۔ اہل لغت کے نزدیک ''عرب'' اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں چونکہ عرب نہایت فصیح اللسان اور زبان آور تھے اس وجہ سے انھوں نے اپنا نام عرب رکھا۔ باقی دنیا کی اقوام کو عجم کے نام سے پکارا عجم کے معنی ژولیدہ اور گونگے کے ہیں۔

اہل جغرافیہ کے نزدیک عرب کا پہلا نام عربۃ تھا اور سامی زبانوں میں بھی ''عربہ'' صحرا اور بادیہ کو کہتے ہیں چونکہ عرب کا ملک زیادہ تر ایک بیاباں اور ریگستان ہے اس لیے اس کا نام عربۃ پڑ گیا۔ آہستہ آہستہ وہاں کے رہنے والوں کو بھی عرب کہا جانے لگا۔

شعراء عرب کے کلام میں بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

ابوسفیان کلبی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں کہتا ہے۔

ابونا رسول اللّٰہ وابن خلیلہ

بعربۃ بوانا فنعم المرکب

علماء انساب بھی ایک وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں جو بالکل خلاف قیاس ہے وہ کہتے ہیں اس کا پہلا باشندہ یعرب بن قحطان تھا جو یمنی عربوں کا جد اول تھا۔ اس کے نام کی نسبت سے اس ملک کے باشندوں اور ملک کا نام عرب پڑ گیا ہے۔

اول تو یعرب اس ملک کا پہلا باشندہ تھا نہ لفظ عرب زبان کے کسی قاعدہ کی رو سے یعرب کی طرف منسوب ہوسکتا ہے اس وجہ سے یہ وجہ خلاف قیاس ہے۔

محل وقوع

عرب یا جزیرۃ العرب تین براعظموں یعنی ایشیا یورپ اور افریقہ میں مرکز کے طور پر ہے اس کا شمال مغربی گوشہ براعظم افریقہ اور شمال مشرقی گوشہ یورپ اور مشرقی گوشہ ایران وسط ایشیا اور مشرقی بعید میں داخل ہونے کے لیے دروازہ کھولتا ہے اور ہندوستان اور چین تک رسائی ہو سکتی ہے۔

تین طرف سے سمندر میں گھرا ہوا ہے مشرق میں خلیج فارس اور بحرعمان جنوب میں بحر ہند اور مغرب میں بحر احمر ہے۔ اس طرح ہر براعظم سمندر کے راستے بھی جزیرہ نمائے عرب سے ملا ہوا ہے اور ان کے جہاز عرب بندرگاہوں میں لنگر انداز ہوتے ہیں۔

گویا عرب خشکی اور تری دونوں راستوں سے دنیا کو اپنے دائیں اور بائیں ہاتھ سے ملا کر ایک کر رہا ہے۔

عرب کی پیائش حقیقی طور پر نہیں ہوئی وہ ہندوستان سے بڑا ہے اور ملک جرمن اور فرانس سے چار گنا ہے۔ طول تقریباً چودہ سو میل اور عرض مختلف جنوب میں زیادہ اور شمال میں کم ہوتا گیا ہے مجموعی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے۔

اندرونی طور پر اس ملک کا بڑا حصہ ریگستان ہے شمالی حد میں شام اور عرب کے درمیان ایک ریگستان ہے جس کو بادیہ شام یا بادیہ عرب کہا جاتا ہے جنوبی حد میں یمن عمان اور یمامہ کے درمیان ایک وسیع صحرا ہے۔ جس کو الدھنا یا ربع خالی کہا جاتا ہے۔

اس ملک میں سب سے بڑا طویل سلسلہ پہاڑ جبل السراۃ ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فٹ ہے۔

اس طرح حجاز کا سب سے بڑا پہاڑ جبل الہدیٰ طائف کا جبل الکراء نجد کا جبل عارض وطریق، شمر کا جبل سلمٰی اور یمن کا جبل کوکبان ہے۔ جبل کوکبان کی بلندی کہیں کہیں سطح آب سے تین ہزار فٹ بلند ہے۔

گویا جزیرۃ العرب تمام بیرونی حملہ آوروں کے حملوں سے محفوظ قلعہ ہے۔ ملک عرب میں کوئی دریا نہیں پہاڑوں سے چشمے جاری رہتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ چشمے پھیل کر تھوڑی دور تک ایک مصنوعی دریا بن جاتے ہیں پھر ریگستان میں جذب ہو جاتے ہیں یا سمندروں میں گر جاتے ہیں۔

عرب کے وہ حصے جو ساحل سمندر پر واقع ہیں۔ وہ سرسبز شاداب اور زرخیز ہیں خاص طور پر یمن کا صوبہ بہت ہی زرخیز ہے۔

عمان۔ حضرموت نجد اور حجاز میں طائف عرب کے شاداب سرسبز علاقے ہیں۔

پیداوار

عرب کی پیداوار زیادہ تر کھجور' سیب اور دوسرے ہر قسم کا پھل ہیں۔ کہیں کہیں زراعت بھی ہوتی ہے۔ چاندی اور سونے کی بھی کانیں پائی جاتی ہیں علامہ ہمدانی نے جزیرۃ العرب میں ایک ایک کان کا نشان دیا ہے۔

عربوں کے پیشے:۔ تجارت' زراعت اور گلہ بانی تھے۔

اقطاع عرب

عرب کا ایران سے ملا ہوا حصہ عراق عرب کے نام سے مشہور ہے جس میں بصرہ اور کوفہ کے مشہور اسلامی شہر آباد ہیں۔ شام سے ملا ہوا حصہ عرب شام کہلاتا ہے اور حلب تک پھیلا چلا گیا ہے۔ موجودہ ملکی تقسیم میں عرب سے الگ نظر آتے ہیں۔

ان کے علاوہ عرب حسب ذیل چار حصوں میں منقسم ہے۔

عروض' نجد' یمن اور حجاز ہر صوبہ متفرق چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہے۔

عروض

مشرقی نجد اور حدود عراق سے سواحل خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے۔ اس صوبہ میں یمامہ' بحرین (الاحساء) اور عمان تین اقطاع ہیں۔ عروض اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ یمن اور نجد کے سامنے (مشرق میں) واقع ہے۔ بحرین اور عمان ساحل بحر فارس پر واقع ہیں اور یمامہ، بحرین اور عمان کے پار نجد، حجاز اور یمن کے وسط میں ہے۔

نجد

وسط عرب میں سرسبز شاداب زرخیز اور بلند قطعہ ملک ہے تین طرف سے صحراؤں سے محیط ہے شمال میں صحرائے شام مغرب میں صحرائے حجاز مشرق میں صحرائے دینا اور جنوب میں صوبہ یمامہ ہے یہ صوبہ سطح سمندر سے ۱۲۰۰۰ میٹر بلند ہے۔

آج کل نجد شمر' قصیم اور عارض تین حصوں میں منقسم ہو کر دو شیوخ کے زیر حکومت ہو گیا ہے۔

نجد کے گھوڑے اور اونٹ بہت مشہور ہیں۔ ہر قسم کے میوے یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ وادیوں اور پہاڑوں کے دامن میں زراعت بھی ہوتی ہے۔ نجد عرب کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل کا مسکن تھا۔ یہیں کندہ کے نام سے ایک چھوٹی سی سلطنت قائم ہوئی۔ عربی زبان کے دو بڑے شعراء مہلہل اور امرالقیس اسی خطہ سے تعلق رکھتے تھے۔

یمن

عرب کا سب سے زیادہ زرخیز سرسبز اور آباد علاقہ ہے۔ جو اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد بھی علم و ہنر کا مرکز رہا۔ محققین آثار قدیمہ نے یہاں سے ایسے آثار پائے ہیں جو قدیم تمدن کا پتہ دیتے ہیں۔ اس کے طبعی حدود یہ ہیں۔ جنوب میں بحر عرب، مغرب میں بحر احمر، شمال میں

حجاز، نجد اور یمامہ اور مشرق میں عمان و بحرین ہیں۔ عمالیق، اہل معین، عاد، سبا اور حمیر کی عظیم الشان سلطنتیں قائم ہوئی ہیں۔ جنھوں نے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کیں۔ زراعت کی ترقی کے لیے بڑے بڑے بند بنائے سب سے مشہور سدِ مآرب ہے۔

یمن کے اقطاع

حضرت موت' احقاف' صنعاء' نجران' عسیر علی الترتیب مشرقی جنوبی حدود یعنی حضرت موت سے جنوب مغربی حدود یعنی حجاز تک سواحل بحر احمر پر واقع ہیں۔

احقاف

یہ وہی حصہ ہے جہاں کبھی عاد کی زبردست قوم آباد تھی جس کی تباہی کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔

حجاز

مغرب میں بحر احمر کے ساحل پر ایک مستطیل کی شکل میں حجاز کا مشہور پہاڑی علاقہ ہے جس میں مکہ' مدینہ اور طائف کے مشہور شہر آباد ہیں۔ اس کی دو بڑی بندرگاہیں ہیں۔ جدہ جہاں سے مکہ معظمہ کو جاتے ہیں ینبوع جہاں سے مدینہ منورہ جاتے ہیں۔

مکہ حجاز کا دارالخلافہ ہے۔ ایک بے آب و گیاہ وادی میں واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف خشک پہاڑیاں ہیں۔ اس کے تین نام ہیں بکہ' ام القریٰ اور البلد۔ اس کی آبادی کی ابتدا حضرت اسماعیلؑ کے زمانہ سے ہے۔ اسی شہر میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے اسی شہر میں خانہ کعبہ ہے جس کے معمار دونبی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام (باپ بیٹا) ہیں۔ اس سے دنیا کی روحانی پیاس بجھانے کے لیے توحید کا چشمہ جاری ہوا۔ تا ابد جاری رہے گا اور دلوں کی خشک کھیتیوں کو سیراب کرتا رہے گا۔

مکہ کی عزت ارض حرم کی وجہ سے بھی ہے۔

ارض حرم وہ پاک زمین ہے جو مکہ اور اس کے اردگرد کئی میلوں تک پھیلی ہوئی ہے اس میں منیٰ اور عرفات کے مشہور مقامات ہیں اس پاک زمین کے اندر لڑائی ممنوع ہے۔

مدینہ

مدینہ کا پرانا نام یثرب ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے یہاں تشریف لائے تو اس کا نام مدینۃ النبی پڑ گیا۔ بعد میں صرف مدینہ کہلانے لگا بعض تاریخی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کی تعمیر ۱۶۰۰ قبل مسیح اور ۳۲۰۰ ق۔م کے درمیان ہوئی۔ سب سے پہلے یہاں اعمالیق آباد ہے۔ اعمالیق کے بعد یہاں سب سے پہلے یہود آ کر آباد ہوئے اس کے بعد ازد کی دو شاخیں اوس اور خزرج آباد ہوئیں۔

مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرہ سال گزارے اس کے بعد مدینہ تشریف لائے اور اپنی زندگی کے آخری دس سال گزارے ہیں آپ نے وفات پائی۔

اسلام کا سب سے پہلا دارالخلافہ بنا۔ مدینہ مکہ سے ۲۷۰ میل شمال کی جانب ہے۔ یہاں زراعت ہوتی ہے میوہ دار درخت پائے جاتے ہیں۔

طائف

حجاز کی جنت ہے بہت زرخیز اور شاداب علاقہ ہے رؤسا عموماً گرمیوں کا موسم یہیں بسر کرتے تھے۔ یہ مکہ معظمہ سے مشرق کی طرف قدرے جنوب میں واقع ہے۔ ابتداءً قبیلہ عدوان کا مسکن تھا۔ بعد میں قبیلہ ثقیف کے قبضہ میں آ گیا۔ ہجرت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت اسلام لے کر یہاں تشریف لائے اہل طائف نے غرور اور تکبر کے نشہ میں بدمست ہو کر دعوت حق کو رد کر دیا۔ ۸ ہجری میں آپ نے طائف کا محاصرہ کیا۔ ۹ ہجری میں سردار ثقیف عروہ بن مسعود نے اسلام قبول کیا اور اپنی قوم کے ہاتھ سے مارا گیا اور اسی سال وفد ثقیف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔

عرب کی قدیم اقوام

مورخین نے عرب کی اقوام کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔عرب بائدہ

عرب بائدہ سے مراد وہ قبائل ہیں جو سب سے پہلے عرب میں آباد ہوئے جو اسلام سے قبل سب فنا ہو چکے تھے ان کے متعلق ضروری تفصیلات دست یاب نہیں۔ مثلاً عاد' ثمود' طسم' جدیس' عمالقہ وغیرہ۔

۲۔عرب عاربہ

یہ طبقہ یعرب بن یشجب بن قحطان کی اولاد ہے۔ ان کا اصلی اور قدیمی وطن یمن تھا۔ اس خاندان کی دو بڑی شاخیں ہیں۔

ا۔حمیر جس کی مشہور شاخیں زیدالجمہور' قضاعہ اور سکاسک ہیں۔

ب۔کہلان جس کی مشہور شاخیں ہمدان' انمار' طی' مذحج کندہ' لخم' جذام ازد' اوس' خزرج اور اولاد جفنہ ہیں۔ جنھوں نے آگے چل کر ملک شام کے اطراف میں بادشاہت قائم کی تھی اور آل غسان کے نام سے مشہور ہوئے۔

چار کہلانی قبائل قبلہ ازد' ۲۔لخم و جذام۔۳۔ بنوطی۔۴۔ کندہ۔ ملک یمن چھوڑ کر جزیرۃ العرب کے اطراف میں آباد ہو گئے۔ کہلانی قبائل کے علاوہ حمیر کا ایک قبیلہ قضاعہ ایسا ہے جس نے یمن کو چھوڑ کر عراق میں بادیۃ السماوہ کے اندر رہائش اختیار کی۔[1]

۳۔عرب مستعربہ

عرب مستعربہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ جب حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ کے ساتھ حضرت اسماعیل کو اس جگہ (جس کو اب مکہ کہا جاتا ہے) چھوڑ گئے۔ جب حضرت اسماعیل بڑے ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ اپنی بیوی اور بچے کو ملنے آئے اور بیت اللہ کی بنیاد رکھی اور یہاں ایک شہر آباد ہو گیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اس علاقہ میں آباد ہوئی انہی کی نسل سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے حضرت اسماعیل کی شادی مضاض کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے بارہ بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔ بنایرث (نابت یا نبایوط بھی کہا جاتا ہے) قیدار' ادبئیل' مبسام' مشماع (جوزیفس نے مساس اور بطلیموس نے مسیمز لکھا ہے اور عرب میں اسی کی اولاد بنی مسا کہلاتی ہے) دوماہ (زجاجی کہتا ہے اسماعیل کے بیٹے کا نام دومان تھا) مسا' حدر (اس کو عہد عتیق میں حداد بھی لکھا ہے) تیما' یطور' نافلیش' قید ماہ' ان بارہ بیٹوں کے بارہ قبیلے وجود میں آئے سب نے مکہ میں ہی رہائش اختیار کی۔ ذریعہ معاش تجارت تھی۔ جو عرب کے ہمسایہ ممالک سے کیا کرتے تھے اور مرور زمانہ سے کچھ قبائل عرب سے باہر بھی چلے گئے۔ جن کے حالات پردہ تاریکی میں ہیں۔ صرف نابت اور قیدار کی اولاد کے حالات تواریخ میں ملتے ہیں۔ نبطیوں کو شمالی حجاز میں فروغ اور عروج حاصل ہوا۔ بعد میں رومیوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے۔

قیدار بن اسماعیل کی اولاد مکہ میں ہی بڑھی اور پھولی اسی نسل سے عدنان پیدا ہوئے پھر عدنان کے بیٹے معد کا دور آیا۔

عدنان' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ نسب میں اکیسویں پشت پر پڑتے ہیں۔ معد کے بیٹے نزار کے چار بیٹے تھے ایاد' انمار' ربیعہ اور مضر۔ موخر الذکر ربیعہ اور مضر قبائل کی کئی شاخیں ہیں۔ چنانچہ ربیعہ سے اسد بن ربیعہ' عنزہ' عبد القیس' وائل' بکر' تغلب اور بنو حنیفہ وغیرہ شاخیں پیدا ہوئیں اور مضر کی دو شاخیں تھی۔ قیس بن عیلان اور الیاس بن مضر۔

عیلان سے بنوسلیم' بنوہوازن، بنوغطفان۔

[1] ان قبائل کی ہجرت کی تفصیل محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ مصنفہ خضری ۱/۱۱۔۱۳ اور قلب جزیرۃ العرب ص ۲۳۱......۲۲۵ پر بیان کی گئی ہے۔

غطفان سے عبس ذبیان' اشجع اور غنی بن اعصر کے قبائل وجود میں آئے الیاس بن مضر سے تمیم بن مرہ' ہذیل بن مدرکہ' بنو اسد بن خزیمہ اور کنانہ بن خزیمہ کے قبائل وجود میں آئے۔ پھر کنانہ سے قریش کا قبیلہ وجود میں آیا۔ یہ قبیلہ فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔

پھر قریش بھی مختلف شاخوں میں بٹ گئے۔ مشہور شاخوں کے نام یہ ہیں۔ جمح' سہم' عدی' مخزوم' تیم' زہرہ' قصی بن کلاب کے خاندان سے عبدالدار' اسد بن عبدالعزی اور عبد مناف تھے۔ ان میں سے عبد مناف کے چار بیٹے ہوئے۔ جن سے چار ذیلی قبیلے پیدا ہوئے۔ یعنی عبد شمس' نوفل' مطلب اور ہاشم انھیں ہاشم کی نسل سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کو انتخاب فرمایا پھر اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ کی نسل سے قریش کو چنا پھر قریش میں سے بنو ہاشم کا انتخاب کیا اور بنو ہاشم میں سے میرا انتخاب کیا۔ (صحیح مسلم ۲/ ۲۴۵ ترمذی ۲/۲۰۱)

عدنان کی نسل کے کئی قبائل (قبیلہ عبدالقیس' بکر بن وائل کی کئی شاخیں اور بنو تمیم کے خاندان) بحرین کے علاقے میں جا آباد ہوئے۔

بنو حنیفہ بن صعب بن علی بن بکر نے یمامہ میں سکونت اختیار کر لی۔ بکر بن وائل کے بقیہ قبائل یمامہ سے لے کر بحرین، ساحل کاظمہ' خلیج' سواد عراق ابلہ اور ہیت کے علاقہ میں بود و باش اختیار کر لی۔

بنو تغلب جزیرہ فراتیہ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ بعض شاخیں بنو بکر کے ساتھ سکونت اختیار کر لی۔

بنو تمیم نے بادیہ بصرہ میں جا آباد ہوئے۔

بنو سلیم مدینہ میں قیام پذیر ہو گئے ان کی رہائش گاہیں وادی القریٰ سے شروع ہو کر خیبر تک پھیلی ہوئی ہیں۔

بنو ثقیف نے طائف کو اپنا مسکن بنا لیا۔ بنو ہوازن وادی اوطاس کے گرد و پیش میں رہائش پذیر ہو گئے۔

بنو اسد تیماء کے مشرق اور کوفہ کے مغرب میں جا آباد ہوئے۔ ان کے اور تیماء کے درمیان بنوطی کا ایک خاندان بحر آباد تھا۔

بنو ذبیان تیماء کے قریب حوران کے اطراف میں جا بسے۔

بنو کنانہ کے خاندان تہامہ میں رہائش پذیر تھے ان میں سے قریشی خاندانوں کی رہائش مکہ اور اس کے اطراف میں تھی۔ جب قصی بن کلاب منظر عام پر آئے انھوں نے قریش کی شیرازہ بندی کی اور ترقی کی شاہراہ پر گامزن کیا۔

عرب کی مذہبی حالت

اللہ کو ماننا

عرب اللہ کو ضرور مانتے تھے۔ مگر عملی رنگ میں نہیں۔ آج کل عرب کے جو قدیم کتبات دستیاب ہوئے ہیں۔ ان پر اللہ کا لفظ لکھا ہوا ہے۔ البتہ اللہ کی بجائے ہلٰہ لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ مذاہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا میں پروفیسر نولدیکی کا جو قول نقل کیا گیا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے۔ اللہ جو صنعا کے کتبوں میں "ہلٰہ" لکھا ہوا ہے نباتی اور دیگر قدیم باشندگان عرب شمالی کے نام کا ایک جزو تھا۔ مثلاً "زید اللہی" نباتی کتبات میں اللہ کا نام بطور ایک علیحدہ معبود کے نہیں ملتا۔ لیکن صنعاء کے کتبات میں ملتا ہے۔ متاخرین مشرکین میں اللہ کا نام بہت مستعمل تھا۔ ولیاسن نے عرب قدیم کے لٹریچر میں بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں جن میں اللہ کا لفظ بطور ایک معبود اعظم کے مستعمل ہوا ہے۔ نباتی کتبات میں ہم بار بار کسی دیوتا کا نام پاتے ہیں جن کے ساتھ اللہ کا لقب شامل ہوتا ہے رفتہ رفتہ مابعد میں صرف ایک عظیم ترین معبود کے لیے بطور علم کے مخصوص ہو گیا۔

قرآن مجید نے بھی اس بات پر شہادت دی ہے کہ عرب اللہ کو مانتے تھے۔ ارشاد الٰہی ہے وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزمر ۳۸،۳۹) اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور ضرور کہیں گے کہ اللہ نے دراصل یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم تھی جو لفظاً عربوں میں چلی آ رہی تھی۔

نیچری اور منکرین بعث و معاد

عربوں میں نیچری (دہریہ) بھی تھے۔ جو نہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے تھے۔ نہ بعث بعد الموت کے قائل تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہمیں فطرت نے پیدا کیا ہے اور زمانہ ہی ہمیں فنا کی آغوش میں سلا دے گا۔ ان کے نظریہ کی رو سے زندگی عبارت تھی طبائع محسوسہ کے عالم سفلی میں ترکیب پانے سے اور موت عبارت تھی ان طبائع محسوسہ کے انتشار سے یہ ترکیب قانون فطرت کے تحت ہوتی ہے اور دہرا سے درہم برہم کر دیتا ہے۔

ان کا ذکر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ میں کرتا ہے۔

وَقَالُوْا مَاهِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیہ ۴۵:۲۴) اور کہتے ہیں یہ کچھ نہیں مگر ہماری دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور سوائے زمانہ کے ہمیں کوئی ہلاک نہیں کرتا۔

ءَ اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ (الصّٰفّٰت ۳۷:۱۶، ۱۷) کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور کیا ہمارے باپ دادا بھی۔

عہد جاہلیت کا ایک شاعر کہتا ہے۔

حیاۃٌ ثم موتٌ ثم نشرٌ　　　حدیث خرافۃٍ یا ام عمرو [1]

زندگی پھر موت پھر اس کے بعد (دوبارہ) اٹھایا جانا۔ اے ام عمرو یہ خرافات اور گپ ہے۔

منکرین بعثت انبیائے بشری

کچھ عرب انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے تو قائل تھے لیکن یہ چاہتے تھے کہ کوئی فرشتہ نبی بنا کر بھیجا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا

[1] الملل والنحل عبدالکریم شہرستانی مصر ۱۳۸۱ ج ۲ صفحہ ۲۳۶۔

مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَ هُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل ۱۷:۹۴) اور لوگوں کو کوئی چیز ایمان لانے سے مانع نہیں ہوتی جب ان کے پاس ہدایت آتی۔ مگر یہ کہ انھوں نے کہا کیا اللہ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ط لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا (الفرقان ۲۵:۷) اور کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیوں اس کے ساتھ فرشتہ نہ اتارا گیا۔ تو وہ اس کے ساتھ لوگوں کو ڈرانے والا ہوتا۔

قائلین تناسخ

بعض اہل عرب تناسخ کے قائل تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جب انسان مر جاتا ہے یا قتل ہو جاتا ہے تو اس کے دماغ اور دیگر اعضائے جسم کا خون جمع ہو کر ایک پرندہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ جس کو "ھامة" کہتے تھے اور یہ پرندہ ہر سو سال بعد قبر میں مدفون شخص کے سر کی طرف لوٹ جاتا ہے۔[1] اگر مدفون مقتول ہے تو یہ پرندہ اس کی قبر پر آواز لگاتا ہے۔

ملائکہ کی پرستش

اہل عرب ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور ان کو الوہیت میں شریک سمجھتے تھے اور اسی خیال سے یہ لوگ فرشتوں کی عبادت کرتے تھے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰى (نجم ۵۳:۲۷) وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں۔

وَلَا یَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا (آل عمران ۳:۸۰) اور نہ یہ کہ وہ تم کو حکم دے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو خداوند بنا لو۔

اسی طرح فرشتوں کے متعلق اہل عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ روزِ محشر کو اپنے پرستاروں کی سفارش کریں گے۔ خدا نے ان کے اس باطل عقیدہ کی تردید کی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْئًا (نجم ۵۳:۲۶) اور کتنے فرشتے آسمانوں میں ہیں۔ جن کی سفارش کچھ کام نہیں دیتی۔

جنات کی پرستش

اہل عرب جنوں کو بھی خدا کا عزیز و قریب تصور کرتے تھے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔ خزاعہ کی ایک شاخ جو بنو ملیح کہلاتی تھی۔ اسی عقیدہ کی حامل تھی۔[2]

ان لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جنات کو وہ دیکھتے ہیں ان سے باتیں کرتے ہیں ان سے شادی بیاہ کرتے ہیں اور ان سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔[3] قرآن مجید میں آتا ہے۔ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (سبا ۳۴:۴۱) بلکہ وہ جنوں کی پرستش کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ان پر ایمان لانے والے ہیں۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ (الانعام ۶:۱۰۰) اور انھوں نے اللہ کے لیے جن بنا رکھے ہیں۔ حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

ستارہ پرستی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے قبل عرب میں ستارہ پرستی کا رواج تھا۔ ان میں سے اہم سورج اور چاند تھے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ (حم السجدۃ ۴۱:۳۷) سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو۔

صاعد اندلسی نے اپنی کتاب طبقات الامم میں ان قبائل کے نام اور جن جن ستاروں کی پرستش کرتے تھے ان کے نام بیان کیے ہیں۔ قبیلہ حمیر سورج کو پوجتا تھا۔ کنانہ چاند کو تمیم وبران کو لخم اور جذام مشتری کو طی سہیل کو قیس شعری العبور کو اور اسد عطارد کو پوجتے تھے۔

---

[1] الملل والنحل ج ۲ صفحہ ۲۳۷ و بلوغ الارب ج ۲ صفحہ ۳۱۱

[2] بلوغ الارب ج ۲ ص ۲۰۷ [3] بلوغ الارب ج ۲ ص ۳۴۰

بت پرستی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل بت پرستی کا عام رواج تھا بت پرستی کی ترویج کا ایک سبب اعاظم پرستی تھا۔ جن اشخاص نے اپنے ملک اور قبیلے کے لیے بڑے بڑے کام سرانجام دیئے۔ ان کی اولادوں نے ان کے مجسمے تراش کر انھیں کی پرستش شروع کر دی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ لات، ود اور یغوث گزشتہ اقوام کے بڑے اشخاص تھے۔ جن کی یادگار کے طور پر ان کے بت تراشے گئے اور مرور زمانہ کے ساتھ ان کی پرستش کی جانے لگی۔ عرب میں ہر قبیلہ کا الگ الگ بت تھا۔ جس کی وہ پرستش کرتے تھے۔
تواریخ میں قبائل اور ان کے بتوں کے نام درج ہیں۔

بت کدے

عرب میں بے شمار بت کدے تھے۔ جن میں سے حسب ذیل مشہور تھے۔

۱۔ غمدان

صنعائے یمن کی مشہور عمارت تھی۔ دراصل یہ ستارہ زہرہ کا ہیکل تھا۔ اس کی سات منزلیں تھیں۔ جو سات منازل فلکی کی نمائندگی کرتی تھیں۔ اس بت کدے میں شیر کا مجسمہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں منہدم کیا گیا۔[۱]

۲۔ رمام یا ریام

یہ ہیکل بھی یمن میں تھا۔ عرب کی یہ قدیم مذہبی عمارت صنعاء کے شہر میں تھی اور قبیلہ ہمدان اس کے پجاری کے فرائض انجام دیتا تھا۔[۲]

۳۔ ذوالخلصۃ

یہ ہیکل مکہ سے سات منزل کے فاصلے پر یمن میں واقع تھا اور ''کعبہ یمن'' کہلاتا تھا۔ اس میں ہیکل کے نام کا ایک بت نصب تھا۔ جو سفید سنگ مرمر سے بنایا گیا تھا۔ اس کے سر پر پتھر تراش کر منقش تاج پہنایا گیا تھا۔ دوس، خثعم، بجیلہ کے قبائل اس کی پرستش کرتے تھے۔[۳]

۴۔ قلیس

یہ لفظ کلیسا کا معرب ہے۔ اسے اہل حبشہ نے یمن پر غلبہ کے زمانے میں تعمیر کیا تھا۔ اس میں دو بت تھے۔ جو میاں بیوی تھے۔ خاوند کا نام کعیت تھا جو لکڑی کا بنا ہوا تھا۔[۴]

۵۔ رضاء

یہ بنوتمیم کا بت کدہ تھا۔ اس قبیلہ کی ایک شاخ بنو ربیعہ اس کی پجاری تھی۔

۶۔ کعبہ

اگرچہ کعبہ بیت اللہ تھا۔ یہ وہ خدا کا پہلا گھر ہے جو حضرت آدم علیہ السلام نے عبادت کی غرض سے تعمیر کیا تھا۔ مرور زمانہ سے منہدم ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر ثانی کی تھی۔ مرور زمانہ سے یہ توحید الٰہی کا مرکز بت کدہ بن گیا۔ اس میں تین سو ساٹھ بت رکھے گئے۔[۵] فتح مکہ کے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے اس گھر کو بتوں سے پاک کیا۔ عربوں کے بتوں کے متعلق مختلف عقائد تھے۔ ایک عقیدہ یہ تھا کہ ہر قسم کی حاجت روائی کرتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مختلف کاموں کی انجام دہی مختلف بتوں کی سپرد کر رکھی ہے۔ جیسا کہ جب ابوجہل مسلمانوں سے پہلی لڑائی (بدر) لڑنے کے لیے نکلنے لگا۔ تو کعبہ میں گیا اور بتوں سے فتح کی دعا مانگی۔

---

۱ معجم البلدان ج ۶ ص ۳۰۱۔ ۲ السیرۃ النبوۃ ج ۱ ص ۸۹۔ ۳ السیرۃ النبوۃ ج ۱ ص ۸۸۔
۴ معجم البلدان ج ۷ ص ۱۵۶۔ ۵ صحیح بخاری باب فتح مکہ

دوسرا عقیدہ یہ تھا کہ ان کی عبادت سے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر ۳۹:۳) ہم ان بتوں کی صرف اس وجہ سے عبادت کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کے قریب کر دیں۔

بتوں سے شگون بھی لیتے تھے وہ اس طرح کہ بتوں کے سامنے فال کے تیر پڑے رہتے تھے۔ ان میں سے ایک پر ''نعم'' (ہاں) اور ایک پر ''لا'' (نہیں) لکھا ہوا ہوتا تھا۔ جو کام کرنا چاہتا فال نکالتا۔ اگر ''نعم'' (ہاں) کا تیر نکل آتا تو کام کرتے ورنہ باز رہتے۔

بت پرستی کے عقیدہ میں یہ بھی رسم داخل ہوگئی تھی کہ بتوں کے نام پر جانوروں اور انسانوں کی قربانیاں دی جاتی تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدامجد عبدالمطلب نے جو اپنے صاحبزادے عبداللہ کی قربانی کرنا چاہی تھی اسی رسم کی تقلید تھی۔ عرب بتوں کا حج اور ان کے پاس حلفیہ معاہدے بھی کرتے تھے۔ عبدالعزیٰ مزنی کہتا ہے۔

انی حلفت یمین صدق برة　بمناة عند محل آل الخزرج

یعنی میں نے منات کی سچی قسم کھائی　اہل خزرج کے احرام اتارنے کی جگہ کے پاس

پرانے مورخوں نے بتوں کے بہت نام ذکر کیے ہیں۔ ہشام کلبی کی کتاب الاصنام میں جو اس موضوع پر پہلی کتاب ہے۔ تقریباً تیس بتوں کے نام ہیں۔

علامہ زکی پاشا جنھوں نے کلبی کی اس کتاب کو ۱۹۲۴ء میں تحشیہ اور تکملہ کے بعد شائع کیا۔ انھوں نے تکملہ میں چھیالیس نام اور بڑھائے۔

قدیم مذاہب عرب

شرک

عرب کا سب سے وسیع الاثر مذہب شرک تھا۔ شرک کے معنی ہیں خدا کی ذات، صفات، افعال میں دوسرے کو شریک ٹھہرانا۔ عرب اللہ کے ساتھ بتوں، جنوں، فرشتوں، ستاروں وغیرہ کو خدائی صفات کے ساتھ متصف کرتے تھے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا (المومن ۴۰:۱۲) یہ اس لیے کہ جب اکیلے اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شرک کیا جاتا تھا تو مان لیتے تھے۔

یہودیت

جب پانچویں صدی قبل مسیح میں۔۔۔ بخت نصر یہودیوں کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہوا تو وہ عرب کی طرف چلے آئے۔ بنو اسماعیل نے اپنے چچا زاد بھائیوں بنو اسرائیل کا خیر مقدم کیا۔

حمیر، بنو کنانہ، بنو حرث بن کعب، کندہ، یہ یہودی قبائل تھے۔ یثرب سے شام تک عرب کے اکثر زرخیز اور سرسبز مقامات پر قابض تھے۔ اہل خیبر دائرہ یہودیت میں شامل ہو چکے تھے۔ یثرب میں بنو قریظہ، بنو قینقاع، بنو نضیر قبائل یہودی تھے اور یثرب پر ان کا پورا غلبہ تھا۔

جب یہود کی قوت زیادہ بڑھ گئی تو انھوں نے اپنا مذہب پھیلانے کی کوشش کی یہاں تک کہ حضرت مسیح سے کوئی ساڑھے تین سو سال قبل یمن کے بادشاہ ذونواس نے یہودی مذہب اختیار کر لیا۔ اس کے اثر سے کافی لوگ دائرہ یہودیت میں داخل ہو گئے۔ یہودی مذہب نے توحید کے عقیدے کو رسماً ایک مدت تک قائم رکھا لیکن وہ بھی عیسائیت کے نقش قدم پر چل کر عزیر کو اللہ کا بیٹا بنا بیٹھے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے چہیتے ہیں اور دوزخ کی آگ انھیں چند روز تک چھوئے گی۔ توریت میں حسب ضرورت تحریف کر لیتے تھے۔ سودی کاروبار کرتے تھے۔ عربوں کو وہ امی کہتے تھے۔ ان کے نزدیک امیوں کو دکھ فریب دینا جائز تھا۔

عیسائیت

نصاریٰ عرب میں تقریباً تیسری صدی میں آنا شروع ہوئے تھے۔ سب سے پہلے جنوبی عرب میں نجران ایک مقام ہے وہاں سکونت

اختیار کی اور تبلیغی کوششوں سے وہاں کے لوگوں کو عیسائی بنالیا۔ وہاں کلیسا بھی تھا۔ جہاں راہب رہا کرتے تھے۔

عیسائیوں کی تبلیغ کو دو طرف سے بڑی قوت پہنچی تھی ایک شاہ حبش کی طرف سے جن کا قومی اور شاہی مذہب عیسائیت تھا۔ دوسرے شمال میں رومی سلطنت کی طرف سے جن کا شاہی مذہب عیسویت تھا اس لیے شمالی طرف کے وہ قبائل جو حدود شام میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ وہ عیسائی ہو گئے تھے۔ چنانچہ لخم' جذام' عاملہ' مذحج' بہرا' سلیح وغیرہ قبائل نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔

حمیر' ربیعہ اور غسان بھی حلقہ عیسویت میں آ چکے تھے۔ حدود عراق کی طرف سے ثعلب اور تنوخ کے قبائل نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔

اندرون عرب میں بھی قبائل کے خال خال آدمیوں نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ قبیلہ قریش کے خاندان بنو اسد میں چند آدمی عیسائی ہو گئے تھے جن میں ورقہ بن نوفل کا نام مشہور ہے۔ عثمان بن حویرث بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی طرح اوس اور خزرج کے قبائل میں چند ایک آدمی دائرہ عیسائیت میں داخل ہو گئے تھے۔

عیسائیت بھی توحید کو چھوڑ چکی تھی۔ عیسائی باپ بیٹے۔ روح القدس تینوں کو خدا مانتے تھے۔ قرآن مجید نے عیسائیت کے باطل عقائد کی جگہ جگہ پر تردید کی ہے۔

عرب میں نسطوری' یعقوبی' مارونی' ملکانی فرقے کے عیسائی موجود تھے۔

صابئیت

قرآن مجید میں صابئین کا نام تین دفعہ آیا ہے لیکن نام کے علاوہ کچھ اور وضاحت نہیں کی گئی۔ ارباب علم میں صابیت کی تعین حقیقت میں بہت اختلاف ہے۔ سیّد سلیمان ندوی نے ارض القرآن جلد دوم میں ارباب علم کی مختلف آراء بیان کر دی ہیں۔

صابئین کا اصل مولد بابل تھا۔ متواتر سیاسی انقلابات کی وجہ سے ان میں یہودیت' مجوسیت' یونانی فلسفہ اور عیسائیت کے اجزاء شامل ہو گئے تھے۔ ایک خدا پر اعتقاد رکھتے تھے۔ ستاروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ستاروں کی ارواح کو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان وسیلہ سمجھتے تھے۔ تین وقت ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا قبلہ قطب شمالی تھا۔ اس کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے تھے۔ صابئین میں روزوں کے دن مقرر تھے۔ ان کے مذہبی عقائد بنی اسرائیل کے عقائد کی بالکل ضد تھے۔ تورات کے تمام انبیاء علیہم السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر آخر تک سب کو کاذب اور مفتری سمجھتے تھے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ مصری فرعون کے ساتھ ڈوبنے سے بچ گئے ہیں۔ وہ قطب شمالی کی جنت میں آرام کر رہے ہیں۔ صابئین صرف حضرت یحییٰ بن زکریا کو سچا نبی مانتے تھے جن کو یہودیوں نے قتل کیا تھا۔

اس مذہب سے اہل عرب کو شدید نفرت تھی۔ اس وجہ سے اس مذہب کے پیروکار عرب میں نہ بڑھ سکے۔ ان کی مذہبی حالت ایسی طرح خراب تھی جس طرح یہود اور نصاریٰ کی بلکہ ان سے بھی بدتر۔ اگرچہ صابیٔ عرب میں موجود نہ تھے مگر ان کے معتقدات کا عربوں پر بہت اثر تھا۔ چنانچہ یمن کے حمیری سورج پرست تھے۔ شمالی کے بنو کنانہ چاند کی پرستش کرتے تھے۔ قبائل لخم' خزاعہ' قریش' قیس شعری کی پرستش کرتے تھے۔[1]

مجوسیت

ایران کا قدیم مذہب ہے جس کا بانی زرتشت ہے۔ مجوس یزداں اور اہرمن دو خداؤں کے قائل تھے۔ یزداں خیر کا اور اہرمن شر کا خدا تصور کرتے تھے۔ اسی طرح یزداں نور اور اہرمن کو ظلمت سے بھی تعبیر کرتے تھے۔ قبیلہ تمیم مجوسی تھا۔ ازرارہ تمیمی نے اسی وجہ سے اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی۔ بعد میں اس پر بہت نادم ہوا۔

حنفیت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک اندرونی تحریک شرک سے بیزاری کی اٹھی تھی۔ وہ لوگ اپنے آپ کو حنیف کہتے تھے۔ وہ صرف ایک خدا کے پرستار تھے۔ ان کو نہ نصرانیت سے تعلق تھا اور نہ یہودیت سے اور نہ وہ عرب کی غلط رسومات اور رواج کی اصلاح کرنا

1. بلوغ الارب ج ۲ ص ۲۳۹

چاہتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض حنفا نے عیسائیت کی آغوش میں اطمینانِ قلب ڈھونڈا۔ مگر حنفا کے بڑے طبقہ کو عیسائیت طمانیت کی دولت نہ بخش سکی۔

دراصل حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی مذہب تھا۔ جس میں خالص توحید پائی جاتی تھی۔ مشہور موحد زید بن عمرو بن نفیل' امیہ بن ابی صلت' قیس بن ساعدہ' عثمان بن حویرث اور عبیداللہ بن جحش تھے۔ موخرالذکر حبشہ میں ہجرت کے بعد دائرہ عیسائیت میں شامل ہو گئے تھے۔

عرب کی اخلاقی حالت

جنگ جوئی

عرب میں ہر وقت جنگ وقتال کا بازار گرم رہتا۔ بہت ہی معمولی بات پر لڑائی برسوں جاری رہتی۔ کئی کئی نسلیں تباہ ہو جاتیں' ہر خاندان دوسرے خاندان سے برسر پیکار رہتا اگر کسی خاندان کا آدمی قتل ہو جاتا تو مقتول کے بیٹے اور رشتے دار قاتل سے انتقام لینے کے درپے رہتے جونہی موقع پایا۔ قاتل کو تلوار کی ضرب سے ابدی نیند سلا دیا۔ اس قسم کی لڑائیوں کو مورخین ایام العرب کے نام سے پکارتے ہیں۔ مشہور لڑائیوں میں ایک لڑائی کا نام ''حرب عبس وذبیان'' ہے۔ دوسری کا نام حرب بسوس۔ ان لڑائیوں میں سفاکی اور بے رحمی کی یہ حالت تھی کہ ایک فریق دوسرے فریق پر غلبہ پا لیتا تو اس کے جوان بوڑھے عیال و اطفال گرفتار کر لیے جاتے اور سب کو قتل کر دیا جاتا۔

غارت گری

عرب غارت گری میں بہت مشاق تھے۔ بعض قبائل غارت گری کی وجہ سے بہت مشہور تھے۔ ان میں سے قبیلہ طے عام طور پر اس وجہ سے مشہور تھا کہ یہ لوگ مسافروں اور قافلوں کو لوٹتے تھے۔ بچوں' عورتوں اور مویشیوں پر قبضہ پا لیتے اور ان کو دوسروں کے ہاتھوں فروخت کر دیتے۔

چوری

عربوں میں چوری کا بھی عام رواج تھا لیکن بعض قبائل کے نوجوان چوری کرنے میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ چوری کا مرض صرف بدو قبائل میں ہی نہ تھا' بلکہ قریش جو تجارت اور خانہ کعبہ کی تولیت کی وجہ سے خاصے متمول تھے۔ ان میں بھی یہ مرض تھا۔ چوری کی عادت عربوں میں اس قدر عام ہو چکی تھی کہ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب مرد اور عورتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیعت کرنے کے لیے آتی تھیں تو آپ دوسری باتوں کے ساتھ یہ عہد بھی لیتے تھے کہ آئندہ چوری نہ کریں گے۔

عشق بازی

عربوں میں عشق کا مرض بہت بڑھ گیا تھا جو آدمی عشق نہیں کرتا تھا وہ سوسائٹی میں ذلیل اور رذیل سمجھا جاتا تھا۔ اپنے عشق کو فخریہ بیان کرتے شعراء اپنے عشق کے واقعات بڑے بڑے میلوں میں سناتے۔ امراء القیس نے اپنے قصیدے میں اپنی چچا زاد بہن کے ساتھ عشق اور وصال کا واقعہ بیان کیا ہے وہ قصیدہ اپنی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا۔

عرب کے بعض قبائل اپنی عشق بازی کی وجہ سے مشہور تھے۔ مثلاً بنی عذرہ' ایک اعرابی سے کسی نے پوچھا کہ وہ کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نے جواب دیا میں ایسے قبیلہ سے تعلق رکھتا ہوں کہ جب وہ عاشق ہوتے ہیں ضرور مر جاتے ہیں۔ اس کلام کو ایک لڑکی سن رہی تھی۔ وہ کہنے لگی ''عذری و رب الکعبۃ'' یعنی کعبہ کے رب کی قسم تو عذری ہے۔

شراب نوشی

شراب ام الخبائث ہے۔ عربوں میں اس قدر تھی کہ ہر گھر مے کدہ بنا ہوا تھا دوست احباب ایک دوسرے کے گھروں میں جمع ہوتے۔ شراب پیتے' جوا کھیلتے' صاحب خانہ بے جا فیاضی میں اپنے اونٹ کو ذبح کرتا۔ لوگ گوشت کھاتے مغنیہ عورتیں گاتی بجاتیں۔ شراب کی دکانیں

برسرراہ تھیں اور علامت کے طور پر ان پر پھریرا لہراتا۔

قمار بازی

عرب جاہلیت میں قمار بازی کا بہت رواج تھا۔ قمار بازی کی کئی صورتیں تھیں۔ زیادہ تر جوا ازلام کے ذریعے کھیلا جاتا تھا۔ ان کی تعداد دس تھی۔ ہر ایک تیر کا نام جدا جدا تھا اور ان کے الگ الگ حصے مقرر تھے۔

ایک طریقہ قمار بازی کا یہ تھا کہ تھوڑی سی ریت جمع کر کے کوئی چیز اس میں چھپا دیتے اس کے بعد اس ریت کی دو ڈھیریاں بنا دیتے اور دریافت کرتے کہ بتاؤ پوشیدہ چیز کس ڈھیری میں ہے جو شخص ٹھیک بتا دیتا وہ جیت جاتا۔ جو غلط بتاتا وہ ہار جاتا۔

جوئے کا ایک طریقہ جس کو رہاں کہتے تھے عرب میں رائج تھا۔ کسی شرط پر بازی لگاتے جب وہ شرط پوری نہ ہوتی تو جس چیز پر بازی لگائی ہوتی تھی۔ وہ دوسرا جیت جاتا۔ جوا صرف اونٹوں' بکریوں' مال و دولت پر ہی نہ کھیلا جاتا بلکہ اپنا مال و دولت ہارنے کے بعد اپنی بیویوں اور اولاد پر بھی بازی لگا دیتے تھے۔ بعض دفعہ اس قمار بازی سے جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے تھے۔ عبس و ذبیان کی جنگ گھوڑ دوڑ کی قمار بازی کا نتیجہ تھا۔ جو لوگ قمار بازی کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ ان کو بخیل خیال کیا جاتا۔ وہ سوسائٹی میں گرے ہوئے متصور ہوتے۔ ان سے عورتیں شادی کرنا ناپسند کرتی تھیں۔ ان کو برم کا خطاب دیا جاتا تھا۔

سود خوری

ملک عرب میں سود خوری کا عام رواج تھا۔ تمام صاحب ثروت سود پر لین دین کرتے تھے۔

طائف کے لوگ امیر تھے وہ زیادہ تر سودی کاروبار کرتے۔ سود نے ملک عرب میں نہایت ہی ظالمانہ صورت اختیار کر لی تھی۔ اگر مقروض مدت مقررہ پر رقم واپس نہ کرتا تو قرض خواہ مدت کو بڑھا دیتا۔ لیکن اس کے معاوضہ میں راس المال میں اضافہ ہو جاتا۔ بعض اوقات یہ اضافہ بڑھتے بڑھتے دوگنی چوگنی مقدار تک پہنچ جاتا۔ اس طرح مقروض قرض کے بوجھ تلے اتنا دب جاتا کہ ساری عمر بوجھ کے نیچے سے نکل نہ سکتا تھا۔

کینہ پروری

اہل عرب بہت کینہ پرور تھے۔ اگر اپنے دشمن سے اس کی زندگی میں بدلہ نہ لے لیتے تو اس کے بیٹے پوتے اور رشتہ داروں سے بدلہ لیتے تھے۔ جب تک بدلہ نہ لیتے آرام سے نہ بیٹھتے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ مقتول کی کھوپڑی سے ایک پرندہ نکلتا ہے جس کا نام ہامہ ہے جب تک انتقام نہ لیا جائے وہ برابر چیختا رہتا ہے۔ اِسقِنِی اسقِنِی یعنی مجھے پلاؤ۔ مجھے پلاؤ۔ بعض اوقات ایک نسل گزر جانے کے بعد عداوت کا سبب یاد نہیں رہتا تھا۔ لیکن اس بات کو یاد رکھتے تھے کہ فلاں قبیلہ یا شخص سے دشمنی ہے۔ اس پرانی دشمنی کی وجہ سے ہی مخالف کو قتل کر دیتے لیکن یہ نہیں بتا سکتے تھے کہ ان سے کیوں دشمنی ہے اور کس وجہ سے قتل کیا ہے۔

تکبر

تکبر وہ وصف ہے جس سے تمام برائیوں کے سوتے پھوٹتے ہیں لیکن اس مرض میں اہل عرب بری طرح مبتلا تھے۔ بعض آدمیوں یا قبائل کا تکبر ضرب المثل بن گیا تھا۔ جذیمہ ابرش کے تکبر کی یہ حالت تھی کہ وہ کسی کو اپنا ہم نشین نہیں بناتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ فرقد کے ستارے ہی اس کے ہم مجلس ہو سکتے ہیں۔ بنی مخزوم تکبر کی وجہ سے بہت شہرت کے مالک تھے۔ صحیح بات یہ ہے کہ عرب کے تمام قبائل ہی تکبر اور نخوت کے نشہ میں چور تھے۔ اسی صفت رذیلہ نے عرب کے امن کے خرمن کو بھسم کر رکھا تھا۔

زنا

قوموں اور ملکوں کو تباہی و بربادی اور تنزل کے گڑھے میں دھکیلنے کا سبب زنا اور فواحش ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جو اقوام قعر مذلت میں گری ہیں ان سب میں زنا کا مرض عام تھا۔ عرب کے لوگ اس مرض میں عام مبتلا تھے۔ شعراء فخریہ اپنے قصائد میں زنا کے واقعات بیان کرتے

تھے۔ وہ قصائد بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کی زبان پر جاری رہتے۔ عرب کے روسا کے گھروں میں لونڈیاں ہوتی تھیں۔ ان سے پیشہ کرواتے۔

بے شرمی و بے حیائی

جس ملک میں زنا کی یہ کثرت ہو تو وہاں شرم و حیا کا وجود مفقود ہو جاتا ہے۔ عرب میں بے شرمی اور بے حیائی کی کوئی حد ہی نہیں تھی۔ بیت اللہ کا حج کرنے کے لیے لاکھوں آدمی جمع ہو جاتے۔ سوائے قریش کے سب ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے۔ اسی طرح عورتیں بھی ننگا طواف کرتیں۔

نہانے اور پاخانہ پیشاب کے وقت پردہ نہیں کرتے تھے۔ مجلسوں میں اپنی بیویوں سے ہم بستری کے واقعات لطف لے لے کر بیان کرتے۔

سفاکی و ظلم

لڑائیوں کی وجہ سے اہل عرب میں درندگی اور بربریت پیدا ہو گئی تھی۔ لڑائیوں میں عورتیں قید ہوتیں۔ اگر وہ حاملہ ہوتیں تو ان کے پیٹ چاک کر دیتے۔ مقتولوں کے ناک، کان کاٹ لیتے اور عورتیں ان کا ہار بنا کر پہنتیں۔ جیسا کہ ہندہ نے جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کی لاش سے کیا۔

سزا دینے کے بھی عجیب عجیب سنگدلانہ طریقے تھے کہ مجرم کو دو اونٹوں سے باندھ دیتے پھر ان کو مخالف سمتوں میں چلاتے تو مجرم کا بدن چر جاتا۔ کبھی کبھی گھوڑے کی دم سے باندھ دیتے اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑا دیتے تو آدمی کے جسم کے ٹکڑے اڑ جاتے۔ کبھی آدمی کو تاریک کوٹھڑی میں قید کر کے کھانا پینا بند کر دیتے وہ بے چارا تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا۔

عرب کی تمدنی حالت

تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ حصہ جہاں کسی زمانہ میں تہذیب و تمدن انتہائی درجہ تک ترقی کر چکی تھی۔ مثلاً یمن اور عرب کے وہ حصے جو ایران اور شام کی حدود سے متصل تھے لیکن عرب کے اندرونی مقامات پر تہذیب و تمدن کا نام و نشان نہ تھا۔ اندرونی حصوں میں عرب کے قبائل کی دو قسمیں تھیں۔ ایک حضری جو کسی مقام پر مستقل مکانوں میں بود و باش رکھتے تھے۔ عرب کے بڑے بڑے شہر مکہ، یثرب، طائف، صنعا، یمامہ وغیرہ ان قبائل کے مسکن تھے۔ شہری لوگوں میں جو امراء تھے۔ وہ اہل یونان کی طرح اپنے گھروں میں غلام رکھتے تھے۔ منڈیوں میں غلاموں اور لونڈیوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ آقا کو یہ حق تھا کہ غلاموں اور لونڈیوں سے ہر قسم کی خدمت لے ہر قسم کی خدمت لینے کے باوجود ان سے برا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ اہل عرب اپنے ہاتھ سے استعمال کی چیزوں کو تیار کرنے سے گریز کرتے تھے۔ اس لیے وہ صنعت کے میدان میں کافی پس ماندہ تھے۔ دوسرے بدوی تھے یعنی خانہ بدوش، ان کا کوئی مستقل ٹھکانا نہ ہوتا تھا۔ جہاں اپنے مویشیوں کے لیے گھاس پانی پایا، وہیں خیمے نصب کر لیے۔ جب گھاس پانی ختم ہوا تو وہاں سے اپنا اثاثہ اونٹوں وغیرہ پر لادا۔ کسی اور مقام پر جا ڈیرا لگایا۔

اندرونی حصہ میں تہذیب و تمدن نہ پائے جانے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ عربی ایک نہایت وسیع زبان ہے لیکن عربی زبان میں ان چیزوں کے نام ہی نہیں جن کا تمدن وغیرہ سے تعلق ہو بلکہ اہل عرب نے ان چیزوں کے نام ایران یا روم سے مستعار لیے ہیں۔ سکہ کے لیے کوئی نام نہیں۔ درہم اور دینار غیر زبان کے الفاظ ہیں۔ کوزہ کے لیے کوئی لفظ نہیں۔

تاریخ سے واضح ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک عیش و نعمت کے سامان بہت کم تھے۔ نہ گھروں میں چراغ جلتے تھے اور نہ چھلنیاں ہوتی تھیں نہ کوئی اور سامان عیش، حرام و حلال میں کوئی تمیز نہ تھی۔ اہل عرب کا لباس بہت سادہ ہوتا تھا۔ گاڑھے کے کرتے میں چمڑے کے پیوند لگا کر پہنتے تھے۔ اونٹ اور بھیڑ کے بالوں سے کپڑے بنے جاتے۔ زیادہ انھیں کمبلوں کے خیمے اور فرش بناتے۔ سر پر رومال یا عمامہ کا عام رواج تھا۔

عرب کی معاشرتی حالت

جس ملک میں نہ مذہبی حالت اچھی ہو نہ اخلاقی حالت اور نہ تمدنی حالت تو اس ملک میں معاشرت کا درخت کیسے سرسبز ہو سکتا ہے۔

عرب میں معاشرت کا پہلو بھی بہت بھیانک تھا۔ جیسا کہ زنا کے عنوان کے تحت عورت کی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ کس حد تک ذلیل اور محکوم سمجھی جاتی تھی۔ ایک عورت کے کئی خاوند ہوتے تھے۔ ایک مرد جس قدر چاہتا شادیاں کر لیتا۔ دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنے کا عرب میں رواج تھا۔ باپ مر جاتا تو اس کی کل بیویاں سوائے حقیقی ماں کے بیٹے کے تصرف میں آتیں اور اس کی جائز بیویاں سمجھی جاتیں۔ لونڈیوں سے پیشہ کروا کر روپیہ کماتے۔

عرب میں استبضاع کی رسم تھی۔ جس کی تشریح اہل لغت نے یہ کی ہے کہ عورت صرف خواہش اولاد کے لیے اپنے خاوند کے سوائے دوسرے سے تعلق پیدا کرے بلکہ لکھا ہے کہ مرد اپنی عورت یا لونڈی کو کہہ دیتا تھا۔ اَرْسِلِیْ اِلٰی فُلَانٍ فَاسْتَبْضِعِیْ مِنْهُ یعنی فلاں کو کہلا بھیجو اور اس سے اولاد حاصل کرنے کے لیے تعلق پیدا کرو۔

طلاق دینے کے بھی ظالمانہ طریقے رائج تھے۔ اگر ایک مرد چاہتا تو ایک عورت کو ہزار مرتبہ بھی طلاق دے کر عدت کے اندر رجوع کر لیتا۔

شعراء اپنے معاشقے کی داستانیں اپنے قصائد میں بیان کرتے۔ اسی طرح جس گھر میں لڑکی پیدا ہوتی اس کو سخت رنج ہوتا۔ اسی وجہ سے دختر کشی کی رسم جاری ہو گئی۔ ہثیم بن عدی نے ذکر کیا ہے کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا اصول عرب کے تمام قبائل میں رائج تھا۔ ایک اس پر عمل کرتا تو دس چھوڑتے تھے یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک اسلام نہیں آیا۔[1] بعض ننگ و عار کی بناء پر بعض مفلسی کی بناء پر اولاد کو قتل کرتے۔ عرب کے بعض شرفاء اور روساء بچیوں کی جان بچانے کے لیے خرید لیتے۔ صعصہ بن ناجیہ کا بیان ہے کہ اسلام کے ظہور کے وقت تک میں تین سو زندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو فدیہ دے کر بچا چکا تھا۔[2]

عورت وراثت میں حصہ دار نہیں ہوتی تھی۔ عرب کے جاہلی معاشرہ میں ہمسائیگی کے حقوق کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ نہ غریب، بیکس، یتیم کے حقوق کا خیال رکھا جاتا تھا۔ معاشرہ کا سب سے نچلا اور ذلیل طبقہ غلاموں کا تھا۔ ان کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی رہتی تھی۔ ان بیچاروں پر سخت مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ کسی کی کوئی داد فریاد نہ ہوتی تھی۔ ہر قسم کے ظلم وستم کا نشانہ بنائے جاتے تھے۔

معاشرتی تقسیم

عرب میں قبیلے کی بنیاد پر بڑی سخت عصبیت تھی۔ عربی معاشرہ خاندانوں کی بنیاد پر مختلف طبقات پر مشتمل تھا۔ ایک خاندان دوسرے خاندان سے اپنے آپ کو افضل اور بہتر سمجھتا تھا۔ بعض خاندان اپنے سے کم تر خاندانوں یا عام انسانوں کے ساتھ بعض رسوم میں شرکت نہیں کرتے تھے۔ حج کے مناسک میں قریش اور کنانہ عام حجاج سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ وہ عرفات میں عام حاجیوں کے ساتھ قیام کرنا باعث عار سمجھتے تھے۔ آنے جانے میں پیش قدمی کرتے تھے۔ قرآن مجید میں اس قبائلی عصبیت کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔

ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ (البقرہ۲:۱۹۹) پھر تم وہاں سے ہو کر چلو جہاں سے لوگ ہو کر چلتے ہیں۔

عرب کی سیاسی حالت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی۔ تمام عرب قبائل میں بٹا ہوا تھا۔ ان قبائل کی باہمی شیرازہ بندی نسب اور اتحاد خون کے واسطے سے ہوتی تھی۔ قبیلہ کی حکومت جمہوری طرز پر ہوتی تھی۔ ہر قبیلہ کا رئیس اعلیٰ اہل قبیلہ سے ہوتا۔ جمہوری اصول کے مطابق وہی شخص منصب سیادت کا اہل ہوتا تھا۔ جس کے حامی سب سے زیادہ ہوں اور وہ شجاعت، مہمان نوازی اور فیاضی میں ممتاز حیثیت رکھتا ہو۔ قبیلہ کا رئیس اعلیٰ کنبوں کے دوسرے سرداروں کو جمع کرتا۔ اس سے مجلس شیخ القبیلہ تشکیل پاتی تھی۔ اس میں جنگ و صلح یا دوسرے اہم امور کے متعلق گفتگو ہوتی۔ قبیلہ کا کوئی قانون نہ ہوتا۔

عرب میں مرکزی حکومت کے فقدان کی وجہ سے نہ کوئی محکمہ عدلیہ تھا نہ نظم امن کو قائم رکھنے کے لیے محکمہ پولیس تھا اور نہ خارجی خطرات کے دفاع کے لیے فوجی نظام نہ ان کے پاس اپنا سکہ یا ٹکسال تھی۔

[1] سیدانی [2] کتاب الاغانی

مرکزی حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہی ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کر دیتا۔ مظلوم قبیلہ کے مرد و زن کو تہ تیغ کرتا۔

عرب کی حکومتیں

قبائلی نظام کے علاوہ بعض حکومتوں کا بھی پتہ چلتا ہے ان میں سے اکثر دوسری بڑی حکومتوں کے ماتحت تھیں اور انھیں خراج ادا کرتی تھیں۔ ان کا مختصر حال یہ ہے۔

ملوک حیرہ

مشہور یونانی فاتح سکندر اعظم نے جب ۳۳۳ ق م میں ایرانیوں کو شکست دی اور دارا کو قتل کر دیا تو سلطنت کی طاقت پارہ پارہ ہوگئی۔ اس کے بعد ایران میں چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہوگئیں۔ ۲۳۰ء میں اردشیر نے ایرانیوں کا بکھرا ہوا شیرازہ باندھا اور ایک متحد سلطنت قائم کی۔ اس نے ایران سے بڑھ کر عراق پر تسلط قائم کر لیا۔ حیرہ اور انباء کے عربوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اردشیر نے جذیمہ کو حیرہ کا بادشاہ بنا دیا۔

جذیمہ کی وفات کے بعد قبیلہ لخم کا سردار عمرو بن عدی حیرہ کا بادشاہ ہوا۔ نوشیرواں اور کسریٰ کے زمانے تک لخمی خاندان حیرہ پر حکومت کرتا رہا لیکن کسریٰ نے کسی ناراضی کی وجہ سے لخمی خاندان سے حکومت چھین کر بنی طے کے رئیس ایاس بن قبیصہ کو دے دی لیکن ۶۳۲ء میں پھر لخمی سردار منذر نے حیرہ کی حکومت واپس لے لی۔

حیرہ کا شہر پانچ سو برس تک آباد رہا مگر جب کوفہ آباد ہوا تو حیرہ ویران ہونے لگا۔ اس کی آبادی اور رونق خلیفہ المعتضد عباسی تک کے زمانے تک گھٹتی رہی۔ آخر کار یہ شہر بالکل ہی تباہ و برباد ہوگیا۔

ملوکِ یمن

سرزمین یمن میں قحطانی قبائل پھیلے ہوئے تھے۔ اس سرزمین کے مختلف اقطاع میں عمالیق، اہل معین، عاد، سبا، حمیر کی مشہور سلطنتیں قائم ہوئیں۔ اربابِ اقتدار قبائل کی تعداد ۸۴ تھی۔

صنعاء کا مخلاف سب سے بڑا مخلاف سمجھا جاتا تھا اور وہاں کے امیر ملوک کہلاتے تھے۔ ان ملوک میں سے یوسف ذونواس بہت مشہور تھا۔ اس نے یہودی مذہب قبول کر لیا۔ عیسائی مبلغین کی کوشش سے اکثر رعایا عیسائی ہوگئی۔ خصوصاً نجران کے باشندے۔ ذونواس نے ۵۲۴ء میں ان پر مظالم ڈھانے شروع کر دیے۔ جب یہ خبر قیصر جوستین کو پہنچی تو اس نے حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی کو حکم دیا کہ وہ ذونواس پر چڑھائی کرے۔ اس نے فوراً ایک لشکر ارباط کی قیادت میں بھیجا۔ جس نے صنعا پر بزور شمشیر قبضہ کر لیا۔ ذونواس نے سمندر میں ڈوب کر خودکشی کر لی۔ ارباط کو اس کے لشکر کے امیر ابرہہ نے قتل کر دیا اور نجاشی کو راضی کر کے صنعاء کی حکومت پر قابض ہوگیا۔ سابق ملوک یمن اپنی کھوئی ہوئی طاقت کے حصول کے لیے کوشش کرنے لگے۔ چنانچہ معدی کرب نے نوشیروان شاہِ ایران سے مدد طلب کی۔ ایرانی مدد سے معدی کرب نے حبشہ کی فوج کو شکست دی۔ قحطانی قبائل نے بھی معدی کرب کا ساتھ دیا۔ آخر کار ایرانیوں نے ابرہہ کے خاندان کو یمن سے نکال کر معدی کرب کو بادشاہ بنا دیا۔ معدی کرب کی وفات کے بعد یمن حکومت ایران کا ایک صوبہ بن گئی۔

ملوکِ شام

سکندر کی فتح کے بعد شام پر رومیوں کی حکومت تھی۔ انھوں نے بنو قضاعہ کے ایک سردار کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد غسانی قبیلے نے بنو قضاعہ کو مغلوب کر لیا۔ رومی حکومت نے غسانی سردار جفنہ بن عمرو کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ بنی جفنہ نے عیسائیت قبول کر لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک انھی کی حکومت رہی۔ جنگ یرموک کے بعد اس کا آخری بادشاہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔

امارت حجاز

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو پرانی بنیادوں پر کھڑا کیا۔ اس گھر کا سب سے پہلا متولی

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مقرر کیا گیا۔ آہستہ آہستہ لوگ اس جگہ پر آباد ہونے شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آباد ہوا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس قبیلہ کے سردار مضماض کی لڑکی سے شادی کر لی۔ اس سے بارہ اولادیں ہوئیں۔ ان میں نابت (بنامیرث یا بنایوط) اور قیدار کی نسل نے بہت دنیاوی عروج حاصل کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے لڑکے نابت بیت اللہ کے متولی بنے اور دو پشتوں کے بعد آل اسماعیل میں اتنی کثرت ہوئی کہ وہ طلب معاش کے لیے باہر چلے گئے۔ ان کے مکہ سے باہر چلے جانے کے بعد بنی جرہم نے خانہ کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا۔ آل اسماعیل علیہ السلام نے رشتہ کی وجہ سے ان کا کوئی مقابلہ نہ کیا لیکن بنی جرہم تولیت کے غرور میں اتنے بدمست ہوئے کہ ان سے ہر قسم کی بدعنوانیاں شروع ہو گئیں۔

یمن کے سیلاب کی وجہ سے جب حارثہ بن عمر جس کا لقب خزاعہ تھا اپنا قبیلہ لے کر مکہ پہنچا تو وہاں کے باشندوں نے نکال دیا۔ یہ لوگ نجد، عراق اور بحرین میں جا بسے۔ مکہ اور اس کے اطراف میں آل اسماعیل علیہ السلام میں سے صرف قریش کی اولاد رہ گئی۔ جب خاندان قریش سے قصی پیدا ہوا۔ یہ شخص بہت حوصلہ مند اور زیرک تھا۔ اس نے تمام منتشر قبائل کو جمع کیا اور بنی کنانہ کی مدد سے بنی خزاعہ سے بیت اللہ کا قبضہ لے لیا اور تمام قریش کو مکہ میں آباد کیا اور اس کی تنظیم کر کے ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد ڈالی۔ جمہوری طرز پر رکھی۔ اس کے کئی شعبہ جات تھے جو مختلف قبائل میں منقسم تھے۔ بڑے تین شعبے تھے۔ فوجی عدالتی اور مذہبی۔ پھر یہ تینوں آگے کئی شعبوں میں تقسیم تھے۔ یہ شعبہ جات قریش کی مختلف شاخوں میں منقسم تھے۔ اسلام سے قبل ان کی تقسیم حسب ذیل تھی۔

۱۔ عقاب، یعنی قومی نشان کی علمبرداری، بنی امیہ۔
۲۔ قبہ اور عنہ یعنی فوجی کیمپ کا نظم و انصرام اور سواروں کے رسالہ کی سپہ سالاری بنی مخزوم۔
۳۔ سفارت یعنی دوسری حکومتوں سے خط و کتابت کا ادارہ، بنی عدی۔
۴۔ ندوہ یعنی عدالت اور قومی جلسہ کا انتظام۔ بنی عبددار۔
۵۔ مشورہ یعنی اہم امور میں صلاح مشورہ بنی اسد۔
۶۔ اشناق یعنی جہاں جرمانہ اور مالی تاوان کی نگہداشت ہوتی تھی۔ بنی تیم۔
۷۔ حکومت یعنی جہاں مقدمات کے فیصلے ہوتے تھے۔ بنی سہم۔
۸۔ سقایہ یعنی حاجیوں کی خورد و نوش کا انتظام اور
عمارہ یعنی خانہ کعبہ کا انتظام بنی ہاشم۔
۹۔ رفادہ۔ یعنی حاجیوں کی مہمان نوازی اور مالی امداد۔ بنی نوفل۔
۱۰۔ سدانہ یعنی خانہ کعبہ کی کلید برداری کا کام بنی عبددار۔
۱۱۔ ایسار یعنی بتوں سے استخارہ کرنے کا کام۔ بنی جمح۔
۱۲۔ اموال المحجرہ۔ یعنی بتوں کے چڑھاوے کا انتظام کرنا۔ بنی سہم۔

قصی کے چار لڑکے تھے۔ عبددار، عبد مناف، عبدالعزیٰ، عبدتخم اور برہ۔ مرتے وقت قصی نے حرم کے تمام منصب عبددار کو تفویض کر دیئے۔ عبد مناف کے لڑکے ہاشم نے بنی عبددار کی نااہلی کی وجہ سے ان سے سقایہ اور رفادہ کے منصب لے لیے۔ ہاشم نے مفوضہ خدمات کو نہایت ہی خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ حاجیوں کی بڑی فیاضی سے خدمت کرتے۔ جس وجہ سے قریش میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نسب و پیدائش

رَبَّنَآ اِنِّیۡٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ. (ابراھیم ۱۴: ۳۷)
اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد (خاندان نبوت) کو تیرے عزت والے گھر کے پاس اس وادی میں بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں۔

نسب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نسب تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک وہ حصہ ہے جس کی ثقاہت اور صحت پر اہل انساب کا اتفاق ہے۔ عدنان تک پہنچتا ہے دوسرا حصہ جس میں ماہرین انساب اور اہل سیَر کا اختلاف ہے کسی نے توقف کیا ہے اور کوئی صحت کا قائل ہے۔ یہ عدنان سے اوپر ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ تیسرا حصہ وہ ہے۔ جو شکوک وشبہات کا شکار ہے کوئی مؤرخ بھی اس کی صحت کا قائل نہیں۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اوپر حضرت آدم علیہ السلام تک ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنا شجرہ نسب حضرت عبداللہ سے لے کر معد بن عدنان تک بیان کرتے تھے اور اس کے اوپر کے بارے میں بتاتے تھے "کذب النسّابون" یعنی نسب بیان کرنے والوں نے اس کے آگے جھوٹ بولا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں اِنَّ النبی علیہ الصلوٰۃ السلام کان اذا انتسب لم یجاوِزْ فِی نَسْبِہٖ معد بن عدنان بن ادد ثم یمسک. (طبقات ابن سعد: ۱:۵۶) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نسب بیان فرماتے تو معد بن عدنان بن ادد تک بیان کر کے رک جاتے۔

مورخین نے پہلا حصہ ان سیڑھیوں کے ساتھ بیان کیا ہے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبد مناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (انہی کا لقب قریش تھا اور ان ہی کی طرف قبیلہ قریش منسوب ہے) بن مالک بن نضر (قیس) بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان (ابن شام ۱/۲۰۱ رحمۃ للعالمین ۲/ ۱۱ تا ۱۴، ۵۲ الطبقات الکبریٰ ۱/۵۶) الروض الانف)

دوسرا حصہ معد بن عدنان سے حضرت ابراہیم تک ہے لیکن اس حصہ کے درمیانی سلسلہ کے ناموں کے بارے میں اہل سیَر اور مورخین کا اختلاف ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے بین معدو اسماعیل علیہ السلام نیف و ثلاثون ابا (طبقات ابن سعد ۱:۵۶) معد سے لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک تیس چالیس کے قریب آباؤ اجداد ہیں۔

تیسرا حصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت آدمؑ تک جو نسب نامہ ہے اس کے درمیان کی کڑیوں کے بارے میں قطعیت اور یقین کامل سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

طہارت نسب

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی اپنے حسب ونسب کی پاکیزگی وطہارت کو بیان کیا ہے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰی کِنَانَۃَ مِنۡ وَلَدِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَاصۡطَفٰی قُرَیۡشًا مِّنۡ کِنَانَۃَ وَاصۡطَفٰی مِنۡ قُرَیۡشٍ بَنِیۡ ھَاشِمَ وَاصۡطَفَانِیۡ مِنۡ بَنِیۡ ھَاشِمٍ (مسلم کتاب الفضائل باب فضل نسب النبی ۷/۵۸) اللہ نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو پسند کیا اور قریش کو کنانہ سے اور قریش سے بنو ہاشم کو بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمالیا۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَمۡ یَزَلِ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ یَنۡقُلُنِیۡ مِنۡ اَصۡلَابٍ طَیِّبَۃٍ اِلٰی اَرۡحَامٍ طَاھِرَۃٍ صَافِیًا مُھَذَّبًا لَا تَتَشَعَّبُ شُعۡبَتَانِ اِلَّا کُنۡتُ فِیۡ خَیۡرِ ھِمَا (دلائل النبوۃ ابو نعیم ۲۴) اللہ تعالیٰ بڑی ہی پاکیزہ اور صاف اور

مہذب حالت میں میرے نور کو طیب اور پاک پشتوں سے پاکیزہ ارحام میں نقل فرماتا رہا جونہی کوئی خاندان دو حصوں میں تقسیم ہوتا تھا مجھے بہترین خاندان میں رکھ دیا جاتا تھا۔

آپ ہی سے ابن سعد، بزاز اور ابن ابی حاتم کی روایت سے یہ الفاظ بھی مروی ہیں مِنْ صُلْبِ نَبِيٍّ اِلٰی صُلْبِ نَبِيٍّ حَتّٰی اَخْرَجَهُ نَبِيًّا (تفسیر ابن کثیر ۳۵۲:۳) آپ کو نسل در نسل انبیاء کے پاکیزہ نسب سے گزارا ہے حتی کہ آپ کو بطور نبی پیدا کیا۔

ایک موقعہ پر فرمایا اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَيْنِ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ فِرْقَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ قَبِيْلَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوْتًا فَجَعَلَنِيْ فِيْ خَيْرِهِمْ بَيْتًا وَ خَيْرَهُمْ نَفْسًا (جامع الترمذی ۲۰۱:۲) میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا پھر جو بہترین مخلوق تھی مجھے اس میں رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے اس حصے کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جو بہترین گروہ تھا مجھے اس میں رکھا پھر اس گروہ کو قبائل میں تقسیم کیا جو بہترین قبیلہ تھا مجھے اس میں رکھا پھر اس قبیلے کو گھرانوں میں تقسیم کیا جو بہترین گھرانہ تھا مجھے اس میں رکھا سو میں ذات اور گھرانہ دونوں حوالوں سے سب سے بہتر ہوں۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَفْضَلُهُمْ اَصْلاً وَخَيْرُهُمْ مَوْضَعًا (مسند البزار) پس خدا کی قسم میں ان سب سے اپنی اصل ونسب اور اپنے ہر منصب دو اعتبار سے افضل ہوں۔

آپ کے مخالفین نے بھی آپ کے خاندان کی شرافت اور نجابت کی گواہی دی اور ابوسفیان نے بحالت کفر شاہ روم کے دربار میں اس کا اقرار کیا کہ هُوَ فِيْنَا ذُوْ نَسَبٍ (بخاری باب کیف بدء الوحی ۵/۱) وہ ہم میں بلند نسب ہیں۔

نسل ابراہیم

تورات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام "تارخ" لکھا ہے اسی طرح عرب کے نساب بھی اس بات پر متفق ہیں۔ زرقانی نے بھی تارخ [1] لکھا ہے۔ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے عراق میں لکڑی کے بت تراش کر بسر اوقات کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کے گھر میں پرورش پائی۔ اس بچہ کی آنکھ اس بت پرستی کے ماحول میں کھلی جب سن رشد کو پہنچے تو آپ کی فطرت سلیمہ نے بتوں کی تقدیس وتکریم کو برا جانا اور اپنے چچا سے ہی استفسار کیا کہ وہ بت جو تراش کر فروخت کرتے ہیں معبودیت کے قابل کیسے ہو سکتے ہیں لیکن والد کے جواب نے اطمینان قلب نہ بخشا۔ اس طرح ہر مرد پجاری جو بتوں کے سامنے سرنگوں ہوتا اس سے بھی سوال کرتے کہ یہ تمہارے ہی ہاتھوں کے بنائے ہوئے بت تم کو کیا فائدہ دے سکتے ہیں اور تمہاری کیا حاجت روائی کر سکتے ہیں اس طرح شہر کے تمام مشرکین میں حضرت ابراہیم کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ ایک دن موقعہ حاصل کیا۔ وہ لوگوں سے آنکھ بچا کر مندر میں تشریف لائے اور مندر کے بڑے بت کے سوا تمام بتوں کو توڑ دیا جب پجاری مندر میں گئے تو بتوں کو ٹوٹا ہوا پایا اور یہ خبر تمام شہر میں پھیل گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجمع

[1] بعض مورخین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر لکھا ہے اور قرآن مجید میں آزر کو آپ کا باپ کہا گیا ہے۔ وہ مشرک اور بت پرست تھا۔ ائمہ محققین کی رو سے "آزر" حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نہیں تھا۔ بلکہ رشتہ میں چچا تھا۔ آپ کی پرورش انھوں نے کی تھی۔ قرآن مجید میں ان ہی کو "اب" کہا ہے۔ اہل عرب چچا کے لیے اب "باپ" کا لفظ استعمال کر لیتے ہیں۔ اسی طرح یہ لفظ معلم پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ وَجَدْنَآ اٰبَاءَ نَا عَلٰٓى اُمَّةٍ میں اٰبَاءَ نَا سے مراد علماء لیے گئے ہیں۔

حضرت عباس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے۔ ایک دفعہ مجلس سے اٹھ کر گئے تو آپ نے فرمایا رُدُّوْا عَلَيَّ اَبِيْ (روح المعانی ۱۹۵:۴) میرے چچا کو بلاؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "عمی" (میرے چچا) کی جگہ ابی (میرے باپ) کا لفظ استعمال فرمایا ہے ایک اور موقعہ پر فرمایا اَلْعم صنو ابیه چچا باپ ہی کی طرح سے اَلْعَرَبُ يُطْلِقُوْنَ الْاَبَ عَلَى الْعَمِّ اہل عرب چچا کی جگہ لفظ باپ استعمال کر لیتے ہیں۔ اس لیے محققین کا آخری فیصلہ بھی یہی ہے۔ کان ازر علی الصحیح عمًّا لِاِبْرَاهِيْمَ...... لَيْسَ اٰزَرُ اَبًا لِاِبْرَاهِيْمَ اِنَّمَا هُوَ اِبْرَاهِيْمُ بن تَارِخ (المظہری ۲۸۶:۳ ۲۸۷) درست بات یہی ہے کہ ازر جناب ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ باپ نہیں تھا کیونکہ آپ کے حقیقی باپ کا نام تارخ تھا۔

کے سامنے لا کر استفسار کیا گیا ارشاد الٰہی ہے قَالُوْٓا ءَ اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ. (الانبیاء ۲۱:۶۲) انھوں نے کہا اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں سے یہ کام کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ (الانبیاء ۲۱:۶۳) کیا (جس نے کیا) ان کا یہ بڑا ہے سو ان سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں۔

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مورتیوں کی بے بسی و بے کسی و بے بضاعتی لوگوں پر واضح کرنا مقصود تھا۔ (خطبات احمدیہ ص ۱۰۹) لیکن وہ قوم جس کے خون میں شرک اور بت پرستی رچ چکی تھی اور توحید کی لذت سے نا آشنا اور بے گانہ تھی۔ وہ ان لطیف اشاروں سے کب راہ ہدایت پر آ سکتی تھی اور بتوں کی بے حرمتی برداشت کر سکتی تھی۔ اس پر لوگوں کے غیظ وغضب کی آگ بھڑک اٹھی تو اللہ تعالیٰ نے غضب ناک دشمنوں کے نرغہ سے اعجازی رنگ میں بچایا۔ تو خدا تعالیٰ کے فرمان کے تحت حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے مولد فدان آرام سے ہجرت کا ارادہ کر لیا وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ اور ابراہیم نے کہا میں جانے والا ہوں اپنے پروردگار کی طرف قریب ہی وہ میری رہنمائی کرے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت لوط (علیہ السلام) اور حضرت سارہ کو ساتھ لے کر فرات کی غربی کنارہ کے قریب ایک بستی میں چلے گئے جو اور کلدانیین کے نام سے مشہور ہے اور کچھ دنوں کے بعد یہاں سے حران کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں دین حنیف کی تبلیغ شروع کر دی۔

ہجرت فلسطین

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس طرح دعوت توحید دیتے ہوئے فلسطین پہنچے اس سفر میں بھی حضرت سارہ حضرت لوط اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین کے غربی اطراف میں سکونت اختیار کر لی۔ اس زمانہ میں یہ علاقہ کنعانیوں کے زیر تسلط تھا۔ پھر قریب ہی شکیم (نابلس) میں چلے گئے وہاں کچھ عرصہ قیام کیا اس کے بعد یہاں بھی زیادہ عرصہ قیام نہیں فرمایا اور غرب کی جانب چلتے چلتے مصر جا پہنچے۔ اس وقت مصر میں عمالقہ کی حکومت تھی اور بادشاہ کا نام رقیون تھا (خطبات احمدیہ ص ۱۰۹) شاہان عمالقہ عیش پرستی میں یہاں تک آگے گزر گئے تھے کہ رعایا کی شوہر دار حسین ازواج ان کے خاوندوں سے چھین کر اپنے حرم میں داخل کرتے تھے بی بی سارہ کو بھی بادشاہ نے اپنے لیے پسند کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے شب کو رویاء میں بتا دیا کہ وہ ایک برگزیدہ نبی کی زوجہ ہے وہ اپنے ناپاک ارادہ سے باز رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قدر و منزلت کی اور رضا جوئی کے لیے اپنی صاحبزادی ہاجرہ کو بھی ساتھ کر دیا۔ حضرت سارہ نے اولاد سے محروم ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ وہ حضرت ہاجرہ کو اپنی زوجیت میں لے لیں حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے اس کے بعد حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق متولد ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مکہ کی طرف ہجرت

تورات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ میں چھوڑنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت سارہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے پدری محبت اور پیار گوارہ نہ تھا۔ حضرت سارہ کے گمان میں حضرت اسمٰعیل خدمت گار عورت کا لڑکا ہے اس وجہ سے انھوں نے قسم کھائی کہ وہ حضرت ہاجرہ کے ساتھ نہیں رہیں گی۔ اس وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ وہ حضرت ہاجرہ اور اس کے بیٹے کو نکال دیں تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو ساتھ لیا اور جنوب کی طرف روانہ ہو گئے اور اس جگہ لا کر چھوڑ دیا کہ جو آج کل مکہ کے نام سے مشہور ہے اس وقت وہاں کوئی مستقل آبادی نہ تھی صرف شام و یمن سے آنے جانے والے قافلے آرام کرنے کے لیے پڑاؤ ڈال لیا کرتے تھے۔

حضرت ہاجرہ نے وہاں سر چھپانے کے لیے ایک جھونپڑی وغیرہ بنا لی۔ جو تھوڑا سا سامان معیشت ساتھ لایا ہوا تھا۔ وہ ختم ہو گیا۔ جب بچہ کو سخت پیاس لگی تو حضرت ہاجرہ نے ماں کی مامتا میں پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ دونوں پہاڑیوں پر سات مرتبہ چکر لگائے لیکن پانی کا نشان تک نہ پایا۔ مایوسی کے عالم میں واپس اپنے ننھے بچے کو دیکھنے کے لیے لوٹیں تو دیکھا کہ بچہ پیاس کے مارے زمین پر ایڑیاں رگڑ رہا ہے اس کی ایڑیاں پانی سے شرابور ہیں اور صاف شفاف پانی بہہ نکلا ہے۔ انھوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو پانی پلایا اور چشمہ کے اردگرد منڈیر بنا دی۔

بائبل کا یہ بیان سرتا پا غلط اور بے بنیاد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے کہنے پر حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو گھر سے نکالا تھا۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایک بہت بڑا اخلاقی اور معاشرتی بہتان ہے۔ اس کے برعکس قرآن مجید میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو اس مقام پر چھوڑنے کی وجہ یہ بیان کی ہے ارشاد الٰہی ہے۔ رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَ ارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ (ابراہیم ۱۴:۳۶) ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے عزت والے گھر کے پاس وادی میں بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہمارے رب! تا کہ وہ نماز قائم کریں سو تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کے پھلوں سے رزق دے تا کہ وہ شکر کریں۔[1]

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجرہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ کو چھوڑ کر واپس جانے لگے۔ تو حضرت ہاجرہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کیا آپ اللہ کے حکم سے ہمیں یہاں چھوڑ کر جا رہے ہو۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اشارہ سے فرمایا ہاں تب حضرت ہاجرہ نے فرمایا اگر آپ ہمیں خدا کے فرمان کے تحت یہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں تو وہ رازق اور قدرت کاملہ والا خدا ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

دراصل منشائے الٰہی یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کی بڑی شاخ سب سے بڑھ کر نعمتوں کی وارث ہو اس سے وہ نبی پیدا ہو جس کے متعلق تمام سابقین انبیاء علیہم السلام نے بشارت دی ہوئی تھی اور بڑا گھرانہ بیت محرم کے پاس آباد ہو جس سے توحید کا آخری چشمہ پھوٹنا تھا۔ اور پیاسی دنیا کو سیر کرنا تھا۔ سو حکم خداوندی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ آئے اور انجیل کی وہ پیش گوئی پوری ہو۔ ''وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔ (متی ۲۱:۴۲) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود فرمایا اَنَا ھٰذِہِ اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖن میں وہ پتھر ہوں اور خاتم النبیین ہوں۔

---

[1] یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خانہ کعبہ کے پاس چھوڑنے کی طرف اشارہ ہے یہاں لفظ اَسْکَنْتُ لا کر بتا دیا ہے کہ یہ چھوڑنا محض اخراج کے طور پر نہ تھا بلکہ مصلحت الٰہی کا تقاضا تھا کہ حضرت ابراہیم کی اولاد کا ایک حصہ یہاں آباد ہو۔ حدیث میں بھی ہے کہ یہ چھوڑنا حکم الٰہی سے تھا اور وادِ غیر ذِی زَرْعٍ کے الفاظ اس جگہ کی کیفیت ظاہر کرتے ہیں کہ وہ زمین پتھریلی ہے جہاں سبزی کا نام ونشان نہیں اور بارش بہت کم ہوتی ہے۔ اس لیے وہ کھیتی باڑی کے لیے موزوں نہیں یہ الفاظ کہنے میں یہ حکمت بالغہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی پیاری بیوی اور پیارے معصوم بچے کو محض رضائے الٰہی کے تحت چھوڑا تھا دنیوی اغراض مدنظر نہ تھیں ان الفاظ میں مسلمانوں کے لیے ایک سبق ہے کہ جب تک وہ اپنی پیاری چیزوں کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کو تیار نہ ہوں خدا کی رضا حاصل نہیں کر سکتے ہیں اور نہ وہ کامیابی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

ذبح عظیم حضرت ابراہیم کو بیٹا قربان کرنے کا حکم

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو ذبح کیا ہے ارشاد الٰہی ہے قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی (الصّٰفّٰت ۳۷:۱۰۲) اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔ تو دیکھ تیری کیا رائے ہے اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر دس بارہ سال کی ہونی چاہیے جیسا کہ قرآن مجید کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں: فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ (الصّٰفّٰت ۳۷:۱۰۲) سو جب وہ اس ساتھ کام کاج (کی عمر) کو پہنچا۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد کے منہ سے غدائی وحی کے تحت ذبح کرنے کا حکم سنا تو فرمایا یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (الصّٰفّٰت ۳۷:۱۰۲) اے میرے باپ جو کچھ تجھے حکم ہوا ہے کر۔ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (الصّٰفّٰت ۳۷:۱۰۲) تو مجھے اگر اللہ چاہے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔

رویاء قربانی میں حکمت بالغہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا اس میں کیا حکمت مضمر تھی اکابر صوفیا نے [1] لکھا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کے رویا صالحہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ عینی اور تمثیلی عینی میں بعینہٖ وہی چیز مقصود ہوتی ہے جو خواب میں نظر آتی ہے۔ تمثیلی میں رویاء استعارات اور تشبیہات اپنے اندر رکھتے ہیں۔ امام ابوبکر ابن العربی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خواب دوسری قسم یعنی تمثیلی قرار دیا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی محبت میں عملی رنگ میں اپنے رویاء کو پورا کرنے کو تیار ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے روک دیا اس رویاء میں یہی حکمت تھی کہ حضرت اسماعیل کو اپنے سے جدا کر کے بیت اللہ کی خدمت کے لیے وقف کرنا۔ اس رویاء کے بعد باپ بیٹے نے بیت اللہ کو پرانی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا اور بیٹے کو اس کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ اپنے بیٹے کو بیت اللہ کی خدمت اور اشاعت توحید کے لیے وقف کرنا ذبح کرنے کا مترادف ہی ہے۔

اکثر علماء نے اس خواب کو عینی قرار دیا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام عملی رنگ میں اس خواب کو پورا کرنے کے لیے تیار ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے روک دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی حسن نیت کی قدر کی اور فرمایا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (الصّٰفّٰت ۳۷:۱۰۵) تو نے خواب سچ کر دکھایا اس طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

خانہ کعبہ کی تعمیر

حضرت سارہ کی وفات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں تشریف لائے حضرت اسماعیل سن بلوغت کو پہنچ چکے تھے۔ دونوں باپ بیٹے نے فرمان خداوندی کے تحت ایک گھر کی بنیاد ڈالی چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ (بقرہ ۲:۱۲۷) جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔ تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا وَطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (الحج ۲۲:۲۶، ۲۷) اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک کر اور لوگوں میں حج کے لیے پکار دے۔ وہ تیری طرف آئیں گے (کچھ) پیدل اور (کچھ) ہر طرح کی دبلی (سواریوں) پر جو ہر دور کے راستے سے آتی ہوں گی۔

[1] محدث خطابی معالم السنن میں امام ابوبکر ابن العربی مالکی احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۰۶

پانی کا چشمہ جاری ہو جانے کی وجہ سے لوگ وہاں آباد ہونے لگے اور ان آباد ہونے والوں میں سے قبیلہ جرہم بھی تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس قبیلہ کے ایک ممتاز شخص مضماض بن عمرو نام کی دختر سے عقد فرمایا۔ اس نیک خاتون کے بطن سے بارہ اولادیں ہوئیں جس پر توریت کی شہادت ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے قیدار بہت نامور ہوا ہے۔ اس کی اولاد مکہ میں آباد رہی بیت التوحید کے حقوق کی نگہداشت کی۔ قیدار کی اولاد میں عدنان اول ایک اولوالعزم اور صاحب ہمت شخص گزرا ہے۔ اس نے اپنے مقدس باپ کے مقدس ورثہ کی پوری حفاظت کی۔

بنو جرہم کا غلبہ

عدنان کی وفات کے بعد قبیلہ بنو جرہم غالب آ گیا اور کعبہ کی تولیت بنو اسماعیل سے نکل کر جرہم کے خاندان میں آ گئی۔ ایک مدت تک یہ قبیلہ صاحب اقتدار اور جاہ وحشمت کا مالک رہا۔ بنو اسماعیل نے اپنے آبائی ورثہ کے حصول کی سعی نہ کی۔ ایک وقت گزرنے کے بعد بنو جرہم مالی تنگی کے اسیر ہو گئے اور خانہ کعبہ کا مال کھانے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ زائرین بیت اللہ بھی ان کے مظالم کا نشانہ بنتے تھے۔ بنو عدنان، بنو جرہم کی ان زیادتیوں کی وجہ سے نالاں تھے۔ بنو خزاعہ نے مرالظہر ان میں پڑاؤ ڈالا تو انھوں نے دیکھا کہ بنو عدنان، بنو جرہم سے نفرت کرتے ہیں تو اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بنو خزاعہ نے عدنانی قبیلے بنو بکر بن عبد مناف کو ساتھ لے کر بنو جرہم کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور مکہ سے نکال کر اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

حضرت اسماعیل کے خاندان کا دوبارہ غلبہ

قصی وہ پہلا دور اندیش سردار ہے جس نے بنو خزاعہ کو مکہ سے نکالنے کے لیے قریش کی منتشر اور افرادی قوت کو مجتمع کر کے مکہ میں آباد کیا تا کہ جب انھیں ضرورت پڑے تو وہ اس کے مددگار ہوں۔ ان کی یہ تدبیر کارگر رہی۔ آخر بنو خزاعہ سے اپنا آبائی ورثہ حرم کعبہ کی تولیت حاصل کر لی۔ مکہ میں حکومت کی بنیاد ڈالی۔ مختلف عہدے قائم کیے جو قریش کی تمام شاخوں میں تقسیم کر دیئے۔[1] قصی نے بڑے بڑے کام سرانجام دیئے جو ایک مدت یادگار رہے۔

عقد الفرید کی تصریح ہے کہ قریش[2] کا لقب انہی کو ملا ہے۔ قصی کی چھ اولاد تھی عبدالدار۔ عبد مناف۔ عبدالعزی۔ عبد بن قصی۔ تخمر۔ برہ۔ قصی نے مرتے وقت کلید کعبہ کے ساتھ دیگر تمام اعزازات عبدالدار کو تفویض کر دیئے[3] گو وہ اپنے بھائیوں میں سب سے نااہل تھا لیکن کچھ نہ کچھ فرائض سرانجام دیتا رہا۔

بنو عبدالدار اور بنو عبد مناف میں مناقشت

عبدالدار کے بعد اس کے بیٹے اور عبد مناف کے بیٹوں کے درمیان مناقشت پیدا ہو گئی۔ عبدالدار کے بیٹے سے کعبہ کی کلید لینے پر اصرار کیا۔ اس مناقشہ پر قریش کے دو گروہ ہو گئے۔

قریب تھا کہ ایک ایسی لڑائی شروع ہو جاتی جو دونوں گروہوں کی تباہی کا سبب بنتی چند دور اندیش اشخاص کی وجہ سے مصالحت ہو گئی عبد مناف کے بیٹے ہاشم کو سقایت اور رفادہ کے اعزازات اور بنو عبدالدار کو کلید برداری اور دارالندوہ کی صدارت کے فرائض سونپے گئے۔

ہاشم دولت کی چہل پہل میں کھیلتا تھا اور ساتھ ہی غربا مساکین اور زائرین مکہ کے لیے اپنا دستر خوان وسیع کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ہاشم کی شہرت اطراف مکہ میں پھیل گئی۔ مکہ کی تجارت کو فروغ دینے کے لیے ہاشم نے قیصر روم۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور تاجداران یمن فارس سے باہمی امن وسلامتی کے معاہدے کیے اور یہ بھی معاہدہ کیا کہ اگر قریشی ان ممالک میں سامان تجارت لے کر آئیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ اس طرح مکہ کی تجارت کا سورج نصف النہار تک پہنچ گیا۔

---

[1] تفصیلی بحث پہلے گزر چکی ہے۔ [2] بعض مورخین کے نزدیک عدنان سے نویں پشت میں نضر بن کنانہ ہیں جن کے ساتھ خاندان قریش کی بنیاد پڑی۔ بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا۔ اور انہی کی اولاد قریشی ہے۔ [3] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۴۱

عرب میں راستے غیر محفوظ تھے۔ بدو تجارتی قافلوں پر حملے کر کے سامان تجارت لوٹ لیتے تھے ہاشم نے مختلف قبائل میں دورہ کر کے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ قریش کے کار وانِ تجارت کو نقصان نہ پہنچائیں جس کے بدلے میں تجارتی قافلے ان قبائل میں ان کی ضروریات کو نقصان نہ پہنچائیں جس کے بدلے میں تجارتی قافلے ان قبائل میں ان کی ضروریات زندگی کا سامان خود لے کر جائیں گے اور وہ ان سے اپنی ضروریات زندگی کا سامان خریدیں گے۔ اس معاہدہ کی وجہ سے قریش کا تجارتی قافلہ محفوظ و مصئون رہتا۔

ہاشم کی شادی

ہاشم ان تجارتی سفروں کے دوران ایک مرتبہ مدینہ آئے وہاں قبیلہ خزرج کی ایک باعصمت خاتون سلمٰی نام سے عقد کر لیا۔ جو اپنے شوہر کے ہمراہ مکہ آ گئیں پھر جلدی ہاشم تجارت کی غرض سے فلسطین چلے گئے وہاں سے ہاشم کے مرنے کی خبر آئی۔ تو سلمٰی واپس میکے چلی گئیں۔ امید سے تھیں۔ مدینہ میں ہی ان کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہوا۔ اس کا نام شیبہ رکھا اس نے آٹھ سال تک مدینہ میں پرورش پائی ہاشم کے بھائی جن کا نام مطلب تھا۔ ان کو بچے کی پیدائش کا علم ہوا تو مدینہ روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر اپنے بھتیجے کی جستجو کی۔ سلمٰی کو جب اپنے دیور کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے بلوا بھیجا۔ تین دن مہمان رہے چوتھے دن اپنے بھتیجے شیبہ کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے ان کی عمر ۸ برس کی تھی۔ یہاں آ کر ان کا نام عبدالمطلب[1] پڑ گیا۔

مطلب کی سیادت

ہاشم کی وفات کے بعد تمام مناصب اور اعزازات مطلب کو تفویض ہوئے۔ اپنی سخاوت اور دریا دلی کی وجہ سے عرب میں "الفیض" کے نام سے مشہور تھے۔ اپنے فرائض نہایت ہی اعلیٰ طور پر سرانجام دیتے۔

عبدالمطلب کی قیادت

جب مطلب فوت ہوئے تو تمام مناصب اور فرائض قومی عبدالمطلب کو تفویض ہوئے عبدالمطلب کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ چاہ زمزم ایک مدت سے اٹ کر گم ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے زائرین کعبہ کو پانی کی فراہمی کے لیے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ عبدالمطلب نے جگہ کا پتہ لگا کر چاہ زمزم کو نئے سرے سے کھدوا کر درست کروایا۔

عبدالمطلب کی نذر

عبدالمطلب نے نذر مانی کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ عبدالمطلب کے ہاں دس بیٹے ہوئے انہی کی زندگی میں عنفوان شباب کی بہاریں دیکھیں۔ تب عبدالمطلب دس بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے اور قرعہ اندازی کی۔ تو عبداللہ کا نام نکلا۔ عبدالمطلب ان کو قربان گاہ کی طرف لے کر چلے۔ ہمشیرگان عبداللہ ساتھ تھیں انھوں نے رونا شروع کر دیا اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربان کر دیں۔ پھر دوبارہ دس اونٹوں اور عبداللہ پر قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ عبداللہ پر نکلا۔ حتیٰ کہ قرعہ اندازی کرتے کرتے اونٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی تو قرعہ اونٹوں پر نکلا۔ اسی طرح عبدالمطلب نے سو اونٹ کی قربانی دی۔[2]

---

[1] عبدالمطلب کے لفظی معنی مطلب کا غلام ہیں مورخین نے وجہ تسمیہ میں بہت اقوال نقل کیے ہیں۔ جن میں صحیح تر یہ ہے کہ چونکہ مطلب نے ان کی پرورش کی تھی اور یہ یتیم تھے۔ اس سے عرب کے محاورہ کے مطابق عبدالمطلب (مطلب کا غلام) مشہور ہو گئے۔

[2] محمد حسین ہیکل حیات محمد کے صفحہ ۲۲۹ پر بیان کرتے ہیں کہ یثرب کی مشہور عرافہ نے اونٹوں کے معاوضہ کی تدبیر بتائی۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ روسائے قریش نے معاوضہ کی یہ تدبیر بتائی۔

عبداللہ کی تزویج

جب عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو عبدالمطلب نے ان کی شادی وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی آمنہ[1] سے شادی کر دی۔
اس وقت عبداللہ کی عمر ۲۴ سال ہوگئی تھی[2] عرب کے دستور کے مطابق عبداللہ تین دن تک حضرت آمنہ کے گھر پر ہی فروکش رہے چوتھے روز عبداللہ اپنی عروس کو لے کر عبدالمطلب کے گھر تشریف لائے۔
شادی کے کچھ عرصہ بعد عبداللہ تجارت کے لیے شام گئے۔ واپس آتے ہوئے مدینہ میں قیام کیا اور بیمار ہو گئے پعبدالمطلب کو معلوم ہوا تو اپنے بیٹے حارث کوخبر لانے کے لیے بھیجا۔ حارث کے مدینہ پہنچنے سے قبل عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ صدمہ نوعروس کے لیے کوئی کم نہ تھا۔ اس وقت عبداللہ کی عمر پچیس برس تھی اپنے والد حضرت عبدالمطلب کے اخوال بنی عدی بن نجار کے ہاں مدفون ہوئے۔

ترکہ

عبداللہ نے ۵ اونٹ بکریوں کا ایک ریوڑ اور ام ایمن ایک کنیز بطور ترکہ چھوڑا تھا۔[3]

ولادت مبارک اور نام

اپنے والد کی وفات کے بعد تقریباً ۴ ماہ بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت موسم بہار میں دوشنبہ کے دن ۱ عام الفیل ۹ ربیع الاول ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی۔[4]
(علامہ شبلی نعمانی۔ علامہ محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری اور محمود پاشا فلکی کی یہی تحقیق ہے)
ولادت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے عبدالمطلب کے پاس پوتے کی خوش خبری بھجوائی وہ شادان وفرحان تشریف لائے۔ آپ کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور آپ کا نام محمد رکھا یہ نام عرب میں معروف نہ تھا اور والدہ نے احمد نام رکھا۔ دونوں اسماء مبارکہ کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور اس طرح دونوں نام صحیح احادیث میں آپ کی زبان مبارک سے ثابت ہیں۔[5]

---

[1] آمنہ اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھیں عبدالمطلب وہیب کے پاس گئے اور عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا اور انھوں نے منظور کیا اور شادی ہوگئی۔ اسی موقعہ پر خود عبدالمطلب نے بھی وہیب کی صاحبزادی سے جن کا نام ہالہ تھا۔ شادی کی۔ حضرت حمزہ انہی ہالہ کے بطن سے پیدا ہوئے ہالہ رشتہ میں رسول کریم صلعم کی خالہ ہوئیں اور حضرت حمزہ آپ کے خالہ زاد بھائی بھی تھے۔

[2] زرقانی جلد اول صفحہ ۱۲۲ پر رقمطراز ہیں ان کی عمر تقریباً ۱۷ برس تھی۔ [3] حیات محمد صفحہ ۲۴۳۔ طبقات ابن سعد جز اول قسم اول صفحہ ۶۲

[4] تاریخ ولادت میں مورخین میں اختلاف ہے طبری اور ابن خلدون نے ۱۲ اور ابو الفداء نے ۱۰ ربیع الاول لکھی ہے۔

[5] مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (الفتح ۲۹:۴۸) محمد اللہ کے رسول ہیں۔
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (محمد ۲:۴۷) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے اور اس پر ایمان لائے جو محمد (صلعم) پر اتارا گیا۔
وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (آل عمران ۱۴۴:۳) اور محمد تو اللہ کے رسول ہی ہیں۔
مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب ۴۰:۳۳) محمد (صلعم) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں وہ تو اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔
وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصف ۶:۶۱) اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والا ہے اس کا نام احمد ہے میں ان کی بشارت دینے والا ہوں۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ نیز محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام توریت میں ہے جو ایک آتشی شریعت ہے دوسرا نام انجیل میں ہے۔

اسماء مبارکہ کی حکمت بالغہ

ان دونوں اسماء میں یہ حکمت اور پیشگوئی مضمر ہے کہ آپ دنیا میں وہ شخص ہوں گے جن کی سب سے زیادہ تعریف کی جائے گی اور اپنے اخلاق اور اپنے کمالات کی وجہ سے دشمنوں سے بھی خراج تحسین حاصل کریں گے۔ اس لحاظ سے آپ محمد کہلانے کے حقیقی مستحق ہوں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہوں گے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جس قدر حمد الٰہی آپ نے کی ہے۔ دنیا میں ایک انسان بھی نہیں جس نے اپنے حقیقی مالک کی اتنی تعریف کی ہو۔

ان ناموں میں ایک دقیق نکتہ یہ بھی ہے کہ امت محمدیہ ان دونوں اسماء کو سامنے رکھے اور ان کے مفاہیم اپنے دل و دماغ پر مرتسم کرے تب یہ نام معرفت کی راہوں کی طرف ہدایت کریں گے۔ جس سے وہ دنیا اور آخرت میں ترقی کرتی چلی جائے گی۔ اور ہر قسم کے گھاٹے سے محفوظ و مصئون رہے گی۔

اس طرح ان اسماء مبارکہ میں یہ بھی نکتہ ہے کہ آپ جلال اور جمال دونوں کے جامع ہیں۔ بعثت کے بعد کی پہلی زندگی (مکی زندگی) جمالی رنگ کو ظاہر کرتی ہے جب کہ دوسری زندگی (مدنی زندگی) جلالی رنگ کو۔

عجیب نشانات کا ظہور

جس سال ظہور قدس ہوا۔ اس سال یمن کے حاکم نے اپنے دارالخلافہ صنعاء میں ایک گرجا بنا کر یہ مصمم بالجزم ارادہ کرلیا کہ وہ خانہ کعبہ کو پیوند خاک کر کے گرجا کو لوگوں کے لیے روحانی مرجع و ماویٰ بنائے گا۔ ابرہہ ایک جرار لشکر لے کر بیت الحرام کو مسمار کرنے کے لیے روانہ ہوا اور تین منزل پر ڈیرہ ڈالا اہل مکہ کو پیغام بھیجا کہ میرا ارادہ صرف خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کا ہے اس کے لشکر نے عبدالمطلب کے اونٹ پکڑ لیے اور عبدالمطلب خود ابرہہ کے پاس گئے ابرہہ عبدالمطلب کی وجاہت سے بہت متاثر ہوا اور پوچھا کہ تم کیا درخواست لے کر آئے ہو۔ عبدالمطلب نے نہایت ہی اطمینان اور سکون قلب سے کہا کہ آپ کا لشکر میرے اونٹ پکڑ لایا ہے وہ واپس لینے آیا ہوں۔ ابرہہ اس سوال پر بہت متحیر ہوا اور کہنے لگا۔ ''اے بڈھے! مجھے آپ کی فراست پر تعجب آیا ہے کہ میں آپ کے کعبہ کو مسمار کرنے آیا ہوں۔ آپ کو کعبہ کے نہ گرانے کی درخواست کرنی چاہیے تھی۔''

عبدالمطلب زیرلب تبسم لا کر کہنے لگا ''میرے اونٹ ہیں مجھے ان کی فکر کرنا ہے کعبہ کا مالک کعبہ کی فکر آپ کرے گا''

ابرہہ نے لشکریوں کو اونٹ واپس کرنے کا حکم دے دیا۔ اہل مکہ نے ابرہہ کے لشکر جرار کے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے ہوئے مکہ کو خالی کر دیا اور اردگرد کی پہاڑیوں پر ڈیرے لگا دیئے۔ کہتے ہیں کہ چلتے وقت عبدالمطلب نے بیت الحرام کے پردوں کو پکڑ کر یہ دعا کی اے خدا یہ تیرا گھر ہے تیرے فرمان کے تحت میرے پیارے نبی ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا اور اپنے لخت جگر اسماعیل کو بیت اللہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا اس وقت اس گھر کی حفاظت اور خدمت ہمارے ذمہ آ رہی ہے۔ آج میں اپنی بے کسی و بے بسی ناتوانی' کمزوری کا اقرار کرتا ہوں۔ تو ہی تمام طاقتوں کا مالک ہے اب تو ہی اس کی حفاظت اور مدافعت فرما۔

مورخین کہتے ہیں کہ اس اثنا میں ابرہہ کے لشکر میں چیچک کی خطرناک وبا پھوٹی فوج کا ایک کثیر حصہ لقمہ اجل ہو گیا اور باقی بدحواس ہو کر بھاگا۔ اس واقعہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ فیل میں کیا ہے اور یہ واقعہ بیان کر کے یہ لطیف اشارہ کیا ہے کہ جس خدا نے کعبہ کی ظاہری تکریم و تحریم کی حفاظت کی۔ اب اس کی باطنی تقدیس یعنی بتوں سے پاک کرنے کا سامان مہیا کرے گا۔ اب وہ وقت آ گیا ہے جب توحید کے چرخ کہن سے شرک اور بت پرستی کے بادل چھٹ جائیں گے اور تثلیث کے فصل پر خزان کا ظہور ہو گا۔

تواریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ظہور قدس کے وقت ''ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے اور آتش کدہ فارس بجھ گیا اور دریائے ساوہ خشک ہو گیا اگر بطور نشان واقع ہو تو کوئی انوکھی بات نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمثیلی رنگ میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ کسریٰ کی حکومت کا زوال اور انحطاط' آتش کدہ فارس کا بجھنا نہیں بلکہ عقیدہ آتش پرستی کا بطلان مراد ہے۔ حضرت محمد غزالی نے اس کو درست تسلیم نہیں کیا ہے۔[1]

[1] فقہ السیرۃ محمد غزالی صفحہ ۴۶

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالاتِ زندگی قبل از بعثت

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس: ۱۰: ۱۶)
میں تم میں اس سے پہلے ایک عمر بسر کر چکا ہوں۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

رضاعت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر آپ کی والدہ ماجدہ نے دو تین روز دودھ پلایا۔ اس کے بعد ابو لہب کی لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا۔ پھر حضرت حلیمہ نے دودھ پلایا۔ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ شہر کے روساء اور شہری اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لیے دیہات میں بھیج دیا کرتے تھے تاکہ جسمانی لحاظ سے صحت مند اور زبان کے لحاظ سے فصیح ہو جائیں۔[1]

غرض دستور مذکور کی بناء پر دو دفعہ عورتیں شہر میں آتیں اور بچوں کو لے جایا کرتی تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے چند دن قبل ہوازن قبیلہ کی عورتیں مکہ میں آئیں۔ ان میں حضرت حلیمہ سعدیہ بنت ابی ذویب بھی تھیں۔ ان کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزی اور کنیت ابو کبشہ تھی۔ بی بی آمنہ نے اپنے لخت جگر کو حلیمہ کے سپرد کر دیا۔ وہ ہر چھٹے ماہ مکہ لاکر ان کی والدہ کو دکھا جاتی تھیں۔ دو سال کے بعد دودھ چھڑا دیا اور حضرت حلیمہ بی بی آمنہ کے پاس لائیں چونکہ ان ایام میں مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی اس وجہ سے آنحضرتؐ کو ان کی والدہ ماجدہ نے حضرت حلیمہ کے ساتھ واپس بھیج دیا جب ۶ سال کے ہوئے تو دوبارہ حضرت حلیمہ مکہ لائیں۔ تو والدہ ماجدہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس رکھ لیا۔[2]

حضرت حلیمہ کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو والہانہ محبت تھی جب عہد نبوت میں آپ کے پاس آئیں تو حق رضاعت ادا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ احتراماً اٹھے۔ ساتھ لپٹے اور اپنی چادر مبارک بچھائی اور بٹھایا۔[3]

رضاعی رشتے

آپ کے رضاعی باپ کا نام حارث بن عبدالعزی تھا۔ وہ عہد نبوت میں مکہ آئے اور ایمان لائے۔[4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار رضاعی بھائی بہن تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ انیسہ، حذیفہ، حذافہ جو شیماء کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان میں سے عبداللہ اور شیماء کا اسلام لانا ثابت ہے۔ باقیوں کا حال معلوم نہیں۔[5]

---

[1] سہیلی نے روض الانف جلد اول میں ایک حدیث لکھی ہے۔ کہ رسول کریم صلعم فرماتے ہیں کہ میں اس لیے فصیح ہوں کہ میں بنی سعد کے قبیلہ میں پلا ہوں۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۷۱۔

[2] مورخین کا اختلاف ہے کہ آپ حضرت حلیمہ کے پاس کتنے برس رہے ابن اسحاق نے ۶ برس کی مدت بیان کی ہے محمد حسین ہیکل نے حیات محمد میں ۵ برس اور مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی نے سیرت خیر البشر میں ۶ برس لکھی ہے۔

[3] حضرت حلیمہ کے ایمان لانے کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ نبوت سے قبل حضرت حلیمہ کی وفات ہو گئی تھی۔ ابن حجر، ابن جوزی حافظ مغلطائی، ابن ابی خثیمہ اور منذری نے ایمان لانے کی تصریح کی ہے۔

[4] اصابہ فی احوال الصحابہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۳ بحوالہ سیرت النبی (مولانا شبلی) صفحہ ۱۷۴۔

[5] سیرت النبی صفحہ ۱۷۵

والدہ مکرمہ کا انتقال

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جب چھ برس ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کرنے کے لیے مدینہ ساتھ لے گئیں ایک ماہ وہیں قیام کیا۔ اس سفر میں ام ایمن ساتھ تھیں۔ واپس آتے ہوئے جب مقام ابواء میں پہنچیں تو آپ کی والدہ مکرمہ کا انتقال ہو گیا اور وہیں دفن کر دیا گیا۔ ام ایمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ لے کر آئیں۔

دادا کی تربیت اور انتقال

حضرت آمنہ کی وفات کے بعد حضور صلعم کو عبدالمطلب نے اپنی پرورش اور نگرانی میں لے لیا اور ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے جب حضور کی عمر آٹھ برس دو ماہ اور دس دن کی ہوئی تو عبدالمطلب نے بیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ جب عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے اور فرط محبت سے روتے جاتے تھے۔

ابو طالب کی کفالت

عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے۔ ابو طالب اور عبداللہ ایک زوجہ کے بطن سے تھے۔ اس وجہ سے عبداللہ کی بے وقت موت کے بعد عبدالمطلب نے ابو طالب کے سپرد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی اور ساتھ وصیت کی کہ یہ تمھارے مرحوم بھائی عبداللہ کی نشانی ہے۔ اس پیاری نشانی کو دل و جان سے عزیز رکھنا۔

ابو طالب نے عبدالمطلب کی وصیت کو جس رنگ میں پورا کیا۔ تاریخ اس کی شاہد ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بچپن سے ہی ایسی سوہنی اور پیاری تھی کہ جس شخص کا بھی آپ سے تعلق پڑتا آپ سے الفت اور محبت کرنے لگتا تھا۔ چنانچہ ابو طالب آپ کو اپنے ساتھ ہی سلاتے اور باہر جاتے اور ساتھ ہی لے جاتے تھے جب بارہ سال کے ہوئے تو آپ نے بکریاں چرائیں۔ بخاری نے کتاب الاجارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کیا ہے کہ میں قراریط[1] پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

سفر شام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بارہ برس تھی۔ جب ابو طالب نے تجارت کے لیے شام کا سفر کیا۔ سفر کی صعوبت اور تکلیف کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے جانا نہیں چاہتے تھے لیکن حضور کو ابو طالب سے اتنی محبت تھی کہ جب ابو طالب جانے لگے تو آپ جذبہ محبت میں ابو طالب کے ساتھ لپٹ گئے اور انھوں نے اپنے ساتھ لے لیا۔ عام روایتوں کے مطابق بحیرہ راہب کا واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔[2]

---

[1] قراریط کے معنی میں اختلاف ہے ابن ماجہ کے شیخ یعنی سوید بن سعید کی رائے ہے کہ قراریط قراط کی جمع ہے اور قراط اور درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے اس بناء پر ان کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجرت پر لوگوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے اس بناء پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارہ میں نقل کیا ہے لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اجیاد کے قریب ہے ابن جوزی نے اس قول کو ترجیح دی ہے علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں یہ بحث تفصیل سے لکھی ہے کہ قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے (عینی جلد ۶ صفحہ ۶۳۱) نور النبراس میں یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے ہے اور اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ (سیرت النبی مولفہ مولانا شبلی صفحہ ۱۷۸)

[2] اس روایت کی صحت اور عدم صحت پر محققین اور محدثین کا اختلاف ہے۔ روایت کو صحیح جاننے والوں میں سے امام ترمذی۔ امام حاکم نیشا پوری (المستدرک للحاکم ۲-۶۱۰) امام بزار (مسند بحوالہ زاد المعاد ۱/۱۷)

امام بیہقی (دلائل النبوۃ ۲/۲۶) امام ابونعیم اصفہانی (دلائل النبوۃ ۱۳۱) امام جلال الدین سیوطی (الخصائص الکبریٰ ۱/۸۳)

روایت کی عدم صحت قائلین میں سے علامہ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ ''میں اس حدیث کے بعض واقعات کو جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں۔ (جلد ۲/۶۱۵)

حرب فجار

۵۸۰ء اور ۵۹۰ء کے درمیان مختلف قبائل کے درمیان چار مراحل میں عکاظ کے مقام پر لڑائی ہوئی جو حرب فجار کے نام سے مشہور ہے۔

پہلی جنگ فجار بنو کنانہ اور بنو ہوازن کے درمیان ہوئی جنہیں قیس عیلان بھی کہا جاتا تھا۔ دوسری جنگ فجار قریش اور بنو کنانہ کے درمیان ہوئی۔ تیسری جنگ فجار بنو کنانہ اور بنو نصر بن معاویہ کے درمیان ہوئی۔ چوتھی جنگ فجار قریش اور بنو کنانہ نیز ہوازن کے درمیان ہوئی۔

نبی کریم ﷺ اس آخری جنگ فجار میں شریک ہوئے اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۱۵ سال تھی چونکہ قریش برحق تھے اس لیے آپ ﷺ نے ان کا ساتھ دیا لیکن کسی پر تلوار نہ اٹھائی۔[۲] اپنے چچاؤں کو تیر تھماتے رہے۔

حلف الفضول میں شرکت

عرب قبائل کی متواتر جنگوں کی وجہ سے ہزاروں گھرانے تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ حجاز کا خرمن امن نار حرب سے بھسم ہو چکا تھا۔ قتل و نہب کی وجہ سے رستے پر خطر تھے۔ غرباء روساء اور امراء کے تحت تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ حرب فجار کے بعد لوگوں کو ان تباہ کن نتائج کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ تو زبیر بن عبدالمطلب نے یہ تجویز پیش کی کہ ایسی انجمن تشکیل دی جائے جو ملک میں امن و سلامتی کو قائم رکھے۔ چنانچہ اس تحریک پر چند قبائل قریش یعنی بنو ہاشم بنو زہرہ، بنو تیم عبداللہ بن جدعان کے گھر پر اکٹھے ہوئے یہ معاہدہ ہوا کہ انجمن کے ممبر مندرجہ ذیل عہد کریں۔

۱۔ ہم ملک سے بدامنی دور کریں گے۔

۲۔ ہم غرباء کی اعانت کریں گے۔

۳۔ مسافروں کی حفاظت کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ میں شریک ہوئے اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے اگر اس معاہدہ کے بدلے مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جائیں تو میں ہرگز قبول نہ کرتا اگر آج بھی اس قسم کا معاہدہ ہو۔ تو میں شرکت کرنے کو تیار ہوں۔[۳]

حلف الفضول کی وجہ تسمیہ

اس معاہدہ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں دو اقوال ہیں۔

الف: قریش سے پہلے بھی قبیلہ جرہم اور قطور نے مل کر اس قسم کا معاہدہ کیا۔ جس میں تین اشخاص شامل ہوئے۔ ان کے ناموں میں فضیلت کا مادہ داخل تھا۔ یعنی فضیل بن حرث فضیل بن وداعہ اور مفضل[۴]

(بقیہ) علامہ مولانا شبلی نے سیرۃ النبی میں اس روایت کی عدم صحت پر بحث کی ہے۔ ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ من گھڑت ہے۔

کسی روایت کی صحت اور عدم صحت کے اصول کی رو سے شبلی کے دلائل وزنی ہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ ابتدائی دور کے مورخین مروجہ مشہور روایات کو بغیر تحقیق اپنی تصنیف میں درج کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے مورخین کی کتب میں متضاد واقعات بھی درج ہیں۔ ان مورخین کا مقصد قاری کو تمام واقعات سے آگاہی کرنا مقصود ہوتی تھی اور فیصلہ قاری پر ہی چھوڑ دیتے تھے کہ وہ کس واقعہ کو صحیح تسلیم کرتا ہے۔ ابن خلدون نے اس روش کو غلط قرار دے کر مورخین کی یہ ذمہ داری قرار دی ہے کہ وہ چھان پھٹک کر قاری کے سامنے تاریخی واقعات پیش کریں بحیرہ راہب والا واقعہ مشہور تھا۔ ہر مصنف نے اپنی تصنیف میں اس کا ذکر کر دیا۔ صرف علامہ ذہبی نے اس روایت پر تنقیدی نظر ڈال کر اس روایت کو مسترد کر دیا ہے۔ علامہ شبلی نے بھی اپنے محاکمہ میں عالمانہ انداز میں بحث کر کے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ واقعہ من گھڑت ہے۔ واقعہ کے غلط ہونے پر یہی دلیل کافی ہے کہ حضرت بلال اور حضرت ابوبکر کو بھی اس سفر میں شریک قرار دیا ہے جب کہ اس وقت بلال کا وجود تک نہ تھا اور حضرت ابوبکر بچے تھے اور وہ شریک سفر نہ تھے۔

۱۔ حرام مہینوں، محرم، رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ میں یہ لڑائی لڑی جانے کی وجہ سے حرب فجار کے نام سے مشہور ہیں۔

۲۔ روض الانف مصنفہ امام سہیلی جلد ۱ صفحہ ۱۲۰، سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۱۸۲ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۸۴ تا ۱۸۶ تاریخ خضری جلد ۱ صفحہ ۶۲

۳۔ مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۲۲۰ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۳۳، ۱۳۵ مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ صفحہ ۳۰، ۳۱۔

۴۔ تلخیص از سیرت النبی نعمانی جلد اول صفحہ ۱۸۳

ب: امام سہیلی نے مسند میں حارث بن اسامہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ نام اس لیے پڑا کہ اس معاہدہ میں یہ الفاظ تھے۔ ترد الفضول علی اھلھا.

امین کا لقب پانا

عنفوان شباب میں ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیکی تقویٰ' دیانت' امانت اور راست بازی مکہ میں زبان زد خلائق ہو چکی تھی جس آدمی کا بھی واسطہ آپ سے پڑا آپ کو کھرا پایا۔ اس وجہ سے لوگ آپ کو امین کے لقب سے پکارتے تھے۔

تعمیر کعبہ

بیت الحرام نشیب میں واقع تھا۔ بارش کے زمانہ میں تمام مکہ کا پانی حرم میں داخل ہو جاتا تھا۔ پانی کی روک تھام کے لیے بالائی حصہ پر بند بندھوایا تھا۔ لیکن وہ ٹوٹ جاتا تھا اور عمارت کو نقصان پہنچتا تھا اور امتداد زمانہ کی وجہ سے کعبہ کی عمارت بھی کہنہ ہو گئی تھی۔ آخر کار قریش نے بالاتفاق یہ طے پایا کہ کعبہ کی عمارت کو گرا کر از سر نو تعمیر کیا جائے۔ تمام قریش نے کعبہ کی تعمیر پر حصہ لیا تاکہ کوئی بھی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے جب حجر اسود کے رکھنے کا وقت آیا تو آپس میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا کہ کون سا قبیلہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھے۔ تمام اس شرف کے حاصل کرنے کے لیے بے تاب تھے۔ آخر کار قبائل کی تلواریں میانوں سے باہر آ گئیں ابو امیہ بن مغیرہ نے یہ رائے دی کہ کل سویرے جو شخص کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہو وہی اس جھگڑے کے فیصلہ کا حکم مقرر کر دیا جائے۔ تمام قبائل اس بات پر متفق ہو گئے تمام لوگوں نے رات بے تابی سے گزاری کہ دیکھئے صبح کون خوش قسمت سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہوتا ہے۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچ گئے۔ حکمت الٰہی سے بیت اللہ میں سب سے پہلے داخل ہونے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ سب لوگ بیک زبان پکار اٹھے "ھذا الامین" یہ امین آ گیا۔ اگر آپ چاہتے تو خود ہی کام سرانجام دے دیتے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اتحاد پیدا کرنے کے لیے ایک حسین تدبیر سے کام لیا۔ آپ نے اپنی ردا مبارک بچھائی۔ اس پر حجر اسود رکھ دیا اور قبائل کے روساء کو چادر کے چاروں کونے پکڑوا دیئے۔ جب چادر اس جگہ آ گئی جہاں حجر اسود رکھنا تھا۔ تو آپؐ نے حجر اسود دست مبارک سے اٹھا کر نصب کر دیا آپؐ کی حسن تدبیر سے ایک تو خون ریز جنگ رک گئی۔[1] اس وقت حضورؐ کی عمر ۳۵ سال تھی۔

اس واقعہ میں کئی اشارے مضمر ہیں۔ دنیا میں امن سلامتی کی عمارت آپ کے ہاتھوں سے مکمل ہو گی۔ ۲۔ آپ دین و دنیا کے تمام جھگڑوں کا حکم بننے والے ہیں اور وہی فیصلہ درست ہو گا۔ جس پر آپ کی مہر ثبت ہو گی۔ ۳۔ دین الٰہی کی عمارت کا آخری پتھر بھی آپ کے ہی دست مبارک نصب ہو گا۔ یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ آپ نے فرمایا انا ھذہ اللبنۃ و انا خاتم النبیین. میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں اور خاتم النبیین ہوں۔

تجارت کا شغل

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جوانی میں قدم رکھا تو کسب معاش کی فکر ہوئی۔ آپ کا خیال تجارت کی طرف ہوا۔ جو آپ کا خاندانی کاروبار تھا۔ آپ کو اس کا تجربہ بھی تھا لیکن سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اپنا کاروبار نہیں کر سکتے تھے۔ آپ کی راست بازی اور حسن معاملگی کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی۔ اس لیے صاحب ثروت لوگ منافع کی شرکت پر آپ کو سرمایہ دیتے۔ آپ نہایت دیانت داری اور محنت سے کام کرتے تھے۔ تجارت کی غرض سے شام' بصرہ اور یمن کے متعدد سفر اختیار کیے اور آپ کی دیانت اور امانت داری کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔[2]

---

[1] مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۴۵۸

[2] زرقانی باب تزویج خدیجہ جلد ۱

حضرت خدیجہ سے شادی

آپ کی راست بازی کی وجہ سے مکہ کی ایک معزز خاتون خدیجہؓ نامی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ ان کے مال سے تجارت کریں۔ جو معاوضہ میں دوسروں کو دیتی ہوں۔ اس سے دوگنا آپ کو دوں گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ چنانچہ آپ مال تجارت لے کر بصری کی طرف گئے۔ خدیجہ کا ذاتی نوکر میسرہ بھی ہمراہ تھا۔ اس تجارتی سفر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حضرت خدیجہ کو بہت نفع آیا۔ میسرہ غلام نے خدیجہ کو آپ کے اخلاق حمیدہ کے متعلق بہت کچھ بتایا اور حضرت خدیجہ بہت ہی متاثر ہوئیں چنانچہ واپس آنے کے تین ماہ بعد حضرت خدیجہ نے شادی کا پیغام بھیج دیا۔ اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال تھی۔

تاریخ مقررہ پر ابو طالب اور تمام روساء خاندان حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے اور ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھایا[1] اور پانچ سو طلائی درہم مہر مقرر کیا۔

اولاد

حضرت خدیجہ کے بطن سے چار صاحبزادیاں اور دو صاحب زادے تولد ہوئے آپ کا سب سے بڑا بچہ قاسم تھا۔ جس سے آپ کی کنیت ابو القاسم ہوئی۔ پھر زینب رقیہ، ام کلثومؓ فاطمہ اور عبداللہ پیدا ہوئے عبداللہ کا لقب طیب اور طاہر تھا۔ آپ کے سب بچے بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ سب سے بڑی صاحبزادی زینب تھیں جن کا عقد ابو العاص سے ہوا۔ یہ سیدہ خدیجہ کے ہمشیرہ زاد تھے اور رقیہ اور ام کلثوم کی شادی بالترتیب عتبہ اور عتیبہ سے ہوئی۔ دونوں ابولہب کے فرزند تھے۔ لیکن ابولہب کی اسلام دشمنی کی وجہ سے دونوں رشتے منقطع ہو گئے دونوں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان بن عفان کے نکاح میں آئیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کا نکاح حضرت علی سے ہوا جن کی اولاد سے خاندان سادات چلا۔

حضرت خدیجہ کو آپ سے اور آپ کو حضرت خدیجہ سے بہت ہی محبت تھی آپ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد بھی اپنی ازواج مطہرات سے اس محبت کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ نے آپ سے فرمایا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بہتر بیوی نہیں دی۔ وہ بوڑھی تھیں تو آپ نے جواب دیا۔ نہیں اس نے مجھے اس وقت قبول کیا۔ جب کہ تمام دنیا مجھے رد کر رہی تھی۔ آپ حضرت خدیجہ کے حسن اخلاق کے گرویدہ تھے۔ آپ نے حضرت خدیجہ کا مال فی سبیل اللہ دل کھول کر خرچ کیا۔

آنحضرتؐ کی زندگی کا یہ زمانہ حضرت خدیجہ کی مہر و وفا کی وجہ سے بہت ہی خوشگوار تھا۔ آپ نے یاد الٰہی اور ریاضت کے لیے غار حرا کو پسند کیا۔ یہ غار مکہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے آپ ہر سال رمضان کا پورا ماہ اس غار میں یاد الٰہی اور فکر و تعمق میں ڈوبے رہتے تھوڑا سا توشہ ہمراہ لے جاتے اس پر تمام مہینے کا گزراں ہوتا۔ رمضان کا مہینہ ختم ہونے پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم واپس گھر تشریف لے آتے۔ لیکن ریاضت کے تصورات آپ کے ذہن پر ہمیشہ مرتسم رہتے۔

غار حراء کی ریاضت کس مسلک پر تھی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں کس شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے؟ اس معاملہ میں علماء کی مختلف آرا ہیں ابن کثیر نے

[1] خطبہ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ کے والد زندہ تھے یا وفات شدہ اس بارہ میں مورخین کا اختلاف ہے امام سہیلی کی رو سے حضرت خدیجہ کے والد جنگ فجار میں فوت ہو چکے تھے۔ حیات محمد (اردو ایڈیشن) صفحہ ۲۷۴ پر یہی لکھا ہے کہ اس وقت بی بی کے باپ خویلد بن حرب الفجار میں لقمہ اجل ہو چکے تھے جن کے بارہ میں کذب پیشہ راوی کہتے ہیں کہ خویلد زندہ تھے مگر وہ اس پر خوش نہ تھے اور صاحبزادی نے باپ کو شراب پلا کر نشہ کی حالت میں اجازت حاصل کر لی تھی' سیرت النبی جلد ا صفحہ پر مولانا شبلی نعمانی رقمطراز ہیں۔ ''واپس آنے کے تقریباً تین ماہ کے بعد حضرت خدیجہؓ نے آپ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔''

اپنی تاریخ میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔

ا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے مطابق۔ ۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق۔ ۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق۔ ۴۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق۔ ۵۔ اپنی مقرر کردہ شریعت کے مطابق[1]

ان پانچوں اقوال میں سے دوسرا قول یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق ریاضت اور عبادت کیا کرتے تھے زیادہ قرین قیاس ہے عینی شرح بخاری میں ہے۔ قیل ماکان صفة تعبده اجیب بان ذالک کان بالتفکر والا عتبار.[2] یہ سوال کیا گیا کہ آپ کی عبادت کیا تھی۔ جواب میں فرمایا غور وتعمق اور مظہر قدرت سے عبرت پذیری۔

یہ وہی عبادت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے نبوت سے پہلے کی تھی۔ مظہر قدرت سے خدا تعالیٰ کی ہستی کا راز معلوم کیا اور راز معلوم کرنے کے بعد فرمایا اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ.

بت پرستی سے نفرت

ملک کی تمام توہم پرستیوں اور فحش ومنکرات سے آپ کو فطرۃً نفرت تھی۔ یہ بالکل سچ ہے کہ آپ کا سینہ بچپن ہی سے ہر قسم کی آلائش سے صاف کر دیا گیا تھا۔ وہ کشفی نظارہ جس میں فرشتے آپ کا سینہ دھوتے ہوئے دکھائی دیئے گئے تھے وہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا تھا۔[3]

آپ کی طبیعت بت پرستی سے نفرت کرتی تھی ایک دفعہ آپ کی مجلس میں لات منات اور عزی کا ذکر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا مجھے جتنی نفرت ان بتوں سے ہے اور کسی چیز سے نہیں آپ نے کبھی وہ کھانا نہیں کھایا جو بتوں پر چڑھایا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل ہی بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی۔

آپ کے خاص احباب

آپ کی نبوت سے قبل جو آپ کے خاص احباب اور رفقاء تھے۔ وہ بھی اخلاق فاضلہ اور بلند رتبہ کے مالک تھے۔ ان میں سب سے مقدم حضرت ابو بکرؓ تھے۔ جو دعویٰ نبوت سنتے ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ حضرت حکیم بن حزام حضرت خدیجہ کے چچیرے بھائی تھے۔ حرم کا منصب رفادہ انہی کے پاس تھا اور قریش کے معزز رئیس تھے فتح مکہ کے بعد حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت ضماد بن ثعلبہ آپ کے خاص احباب میں سے تھے ازد قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ نبوت کے زمانہ میں مکہ آئے تو راستہ میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی ہے اور اس کے پیچھے شہر کے لونڈے ہیں اور اس آدمی کو تضحیک کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں اور اہل مکہ مجنون کے نام سے پکارتے ہیں۔ لونڈوں کا غول دیکھ کر وہاں گئے تو دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ضماد نے کہا اے محمد! میں جنون کا علاج کر سکتا ہوں آپ نے حمد وثنا پڑھی اور اس کے بعد چند تبلیغی کلمات کہے وہ ضماد کے دل میں میخ کی طرح گڑ گئے اور وہیں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔[4]

قیس بن سائب مخذومی ان احباب میں سے تھے۔ جو تجارت کے کاروبار میں شریک تھے۔ ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ کے عمزاد تھے۔ عیسائی ہو گئے تھے بہت نیک اور خدا ترس تھے۔ آپ کے ورقہ سے خاصے مراسم تھے۔ ان کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔

نبوت کا دیباچہ

احادیث سے یہ عیاں ہے کہ نبوت سے قبل رویاء میں آپ پر اسرار منکشف ہوتے تھے۔ جو رویاء میں دیکھتے تھے۔ صبح کی سپیدی کی طرح وہ پورے ہو جاتے تھے۔ حضرت عائشہ سے روایت ہے اول ماہدی بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرویاء الصالحة فی النوم فکان لایری رؤیا الا جاء ت مثل فلق الصبح[5]۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کا آغاز رویاء صالحہ سے ہوا۔ جو کچھ خواب میں دیکھتے ویسا ہی ظہور میں آ جاتا۔

ا حیات محمد مصنفہ محمد حسین ہیکل صفحہ ۲۹۲۔ ۲ عینی جلد اصفحہ ۶۷ ۳ سیرت خیر البشر مولوی محمد علی صفحہ ۵۰

۴ مسند امام بن حنبل جلد اصفحہ ۳۰۲ ۵ بخاری باب کیف کان بدء الوحی ۳/۱

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت و نبوت اور واقعات

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ٥ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ٥ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ٥ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ٥ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ (العلق ۹۶:۱۔۵)

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر عزت والا ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم دیا اور انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کے ہوئے اور آپؐ حسب معمول غار حرا میں مصروف عبادت تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ ایک مبارک رات میں جبرائیل آپؐ کے سامنے آئے اور کہا اِقْرَاْ یعنی پڑھ آپؐ نے جواباً فرمایا ما انا بقاری میں تو پڑھنا نہیں جانتا تب جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو سینے سے لگا کر زور سے دبایا اور کہا اِقْرَاْ یعنی پڑھ اور جواب وہی پایا۔ پھر دوبارہ آپ کو جبرائیل علیہ السلام نے سینہ سے لگا کر زور سے دبایا اور فرمایا اِقْرَاْ جواب وہی ما انا بقاری پایا۔ غرض تیسری بار کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یہ پانچ آیات پڑھیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ[1]

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔ انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر بزرگی والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

یہ وہ پہلا دن تھا جب نبوت کا بارگراں آپ کے کندھوں پر ڈالا گیا وہ راستہ جس کی خاطر آپ دن رات متلاشی اور جویاں تھے۔ مل گیا وہ آب زلال جس کے لیے آپ کا کام و دہن پیاسا تھا۔ دست یاب ہوگیا وہ نور ہدایت جس کے لیے آپ کی باطنی بینائی جستجو میں تھی حاصل ہوگیا۔ وہ قلب جس سکون کے لیے حیران و سرگردان تھے۔ نصیب ہوگیا۔

یہ پیغام الٰہی صرف ایک قوم کے لیے نہیں تھا۔ بلکہ ایک عالمگیر پیغام تھا۔ جس کی یہ گراں ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی تھی۔ جس کو آپؐ نے نبھانا تھا۔ انسان بڑا ہی کمزور ہے۔[2] جب اس پر کوئی اہم ذمہ داری ڈالی جاتی ہے اس ذمہ داری کو پورا کرنے کا سامان بھی موجود ہو تب بھی کانپ جاتا ہے۔ اصلاح عالم کی ذمہ داری تو بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ اسلام پر جب ایک قوم (بنی اسرائیل) کی اصلاح کا بوجھ ڈالا گیا فوراً خدا سے ملتجی ہوئے اے خدایا! میرے بھائی ہارون کو بھی میرا مددگار بنا۔[3] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ساری دنیا کی اصلاح کا بارگراں ڈالا جا رہا تھا۔ آپؐ کا قلب جلال الٰہی سے اتنا مضبوط تھا کہ خدا سے کسی مددگار کی درخواست نہیں کرتے۔ بلکہ اکیلے ہی اس ذمہ داری کو کندھے پر اٹھا کر میدان عمل میں آ گئے۔ (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ)

اصلاح عالم کی ذمہ داری کا احساس اپنے دل میں لیے ہوئے گھر پہنچ کر آپ لیٹ گئے اور حضرت خدیجہ سے کہا کہ مجھ پر کمبل ڈال دو۔ جب طبیعت میں سکون آیا تو ان سے واقعہ بیان کیا اور فرمایا خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ کہ مجھے جان کا ڈر ہوگیا ہے۔ اس پاک اور مقدس بیوی نے ان الفاظ میں تسلی دی کَلَّا وَاللّٰہِ مَا یُخْزِیْكَ اللّٰہُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَ تَقْرِی الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ۔[4]

---

[1] العلق ۹۶:۱.....۵
[2] خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (القرآن)
[3] وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِیْ (طٰہٰ)
[4] بخاری بدء الوحی ۱/۱۔

ہرگز نہیں! خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں کمزوروں کو کھانا کھلاتے ہیں اور مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

ذرا طبیعت سنبھلی تو حضرت خدیجہؓ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ حضرت خدیجہ کے عم زاد بھائی تھے۔ بت پرستی سے متنفر اور دین حق کے متلاشی تھے۔ آخر کار وہ آغوش نصرانیت میں چلے گئے تھے وہ عبرانی زبان جانتے تھے۔ تورات اور انجیل کے خوب ماہر تھے۔ انھوں نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام واقعہ سنا۔ سننے کے بعد فرمایا یہ وہی ناموس ہے۔ جو موسیٰ پر اترا تھا۔ اس میں مثیل موسیٰ والی پیشگوئی کی طرف اشارہ تھا پھر ورقہ بن نوفل نے آرزو کی کہ کاش میں بھی اس وقت تک زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکال دے گی۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعجب ہو کر پوچھا۔ کیا میری قوم مجھ کو یہاں سے نکال دے گی۔ ورقہ نے جواب دیا۔ ہاں ہر نبی کے ساتھ ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے اس کے بعد ورقہ جلد فوت ہو گیا اس اظہار ایمان کی وجہ سے ورقہ بن نوفل کو صحابہ میں شامل کیا گیا ہے۔[1]

زمانہ فترت الوحی

پہلے پیغام کے بعد کچھ مدت تک وحی کا آنا رک گیا۔ بعض لوگوں نے اس مدت کو لمبا کیا ہے اور تین سال کی مدت تک بڑھا دیا ہے یہ صحیح نہیں حضرت ابن عباس کی روایت میں ایاماً کا لفظ آیا ہے یعنی وحی چند دن رکی تھی۔ تاریخی واقعات اس بات کے موید ہیں کہ یہ زمانہ چھ ماہ سے زیادہ نہیں تھا ایک روایت ہے کہ فترت الوحی کے زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑوں پر چلے جاتے تھے اور اپنے آپ کو گرا دینے کا ارادہ کر لیتے دفعتہً جبرائیل سامنے آ جاتے اور کہتے اے محمد تم واقعی نبی ہو۔

یہ حدیث اصول روایت کی بناء پر صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ روایت امام زہری کے بلاغات میں سے ہے یعنی اس کا سلسلہ سند زہری تک ختم ہو جاتا ہے۔ وہ تابعین میں سے ہیں انھوں نے کسی ایسے صحابی کا ذکر نہیں کیا۔ جس نے یہ کہا ہو کہ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو کہ وہ اپنے آپ کو ہلاک کرنے پر تلے ہوئے ہیں ایسے عظیم الشان واقعہ کے لیے سند مقطوع کافی نہیں اگر کسی نے دیکھا بھی ہو۔ تو یہ ایک معمولی واقعہ ہے آپ غار حراء میں عبادت الٰہی کے لیے جایا کرتے تھے۔ پہاڑ پر جاتا دیکھ کر گمان کر لیتا کہ آپ اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے لیے پہاڑ پر گئے ہیں سراسر خلاف عقل اور باطل خیال ہے فترت الوحی میں یہ حکمت الٰہی تھی وحی نبوت کی شدت اتنی ہوتی تھی کہ سردی کے موسم میں جبین مبارک پر پسینہ آ جاتا تھا۔

ایک صحابی کی روایت ہے کہ ایک دفعہ ایسی حالت میں وحی کا نزول شروع ہو گیا کہ اس صحابی کی ران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران کے نیچے تھی۔ صحابی کہتے ہیں وحی کی اتنی شدت تھی کہ میں یوں محسوس کرنے لگا کہ میری ران پس جائے گی۔ اس وجہ سے یہ نہایت ضروری تھا کہ وحی چند ایام کے لیے رک جائے تاکہ جسمانی طاقت وحی کی شدت کا مقابلہ کر سکے۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے تاکہ رسول کریم صلعم کا مزید اشتیاق بڑھے۔

تیسرا یہ بتانا مقصود تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کلام کا اختراع نہیں کر رہے بلکہ علیم وحکیم ہستی کی طرف سے یہ پیغام آیا ہے جو موقع اور حکمت کے تحت پیغام بھیجتا ہے۔

دوسری وحی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ یہ تھی ۔ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ (المدثر ۷۴:۲۴) اے چادر اوڑھنے والے اٹھ اور ڈرا۔

---

[1] مخالفین نے حضرت ورقہ بن نوفل کے پاس جانے کے عجیب وغریب قصے بنائے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت پر شک وتردد تھا۔ اس وجہ سے گئے کہ پوچھیں کہ یہ پیغام کیسا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو پہلے دن ہی اپنی وحی پر کامل یقین ہو جاتا ہے سب سے پہلے وہی ایمان لانے والے ہوتے ہیں۔ حضرت رسول کریم صلعم ورقہ کے پاس پیغام حق پہنچانے کی خاطر گئے تھے۔ جس کی ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی تھی۔ جو احادیث میں گھبراہٹ کا ذکر آتا ہے وہاں بھی لوگوں نے غلطی کھائی ہے دراصل گھبراہٹ اور اضطراب جلال الٰہی اور نبوت کے بارگراں کی عظمت کا احساس تھا۔

اس پیغام میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ خلوت میں بیٹھ کر صرف عبادت الٰہی کرنے کا زمانہ ختم ہو گیا ہے بلکہ لوگوں کو ظلمات سے نکال کر حلقہ نور میں لانے کا وقت آ گیا ہے۔ اس وجہ سے اٹھ اور لوگوں کو ڈرا کہ جس نے اس شمع ہدایت سے منہ پھیرا وہ دین و دنیا میں خسران اور گھاٹے میں ہے سو اس حکم کو پاتے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میدان عمل میں آ گئے۔

السابقون الاوّلون

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دور اوّل میں جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ان میں چند خصائص مشترک تھے۔

۱۔ اکثر وہ لوگ تھے جو نیک اور پاکیزہ اخلاق کے مالک اور صوفی آدمی تھے۔

۲۔ بعض ایسے صحابہ تھے جو اسلام سے قبل ہی بت پرستی ترک کر چکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیرو کہتے تھے۔

۳۔ اکثر صحابہ وہ تھے۔ جو غریب اور مفلس تھے۔ دولت اور ثروت نے ان کے صافی قلب کو زنگ آلود نہیں کیا تھا اور غرور اور تکبر کے مرض سے پاک تھے کیونکہ اکثر مال کی کثرت حق کے قبول کرنے میں مانع ہوتی ہے۔[1]

انبیاء علیہم السلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والے اس قسم کے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ تاکہ لوگوں پر یہ آشکار ہو جائے کہ نبی کی کامیابی اور کامرانی کا راز خدا تعالیٰ کی نصرت میں مضمر ہے نہ کہ امراء و روساء کی طاقت اور ان کی دولت بالکل ابتدائی زمانہ نبوت میں پیغام حق پہنچانے میں بڑا راز داری اور احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔ رسول کریم صلعم انہی لوگوں کو پیغام حق پہنچاتے تھے جو آپ کے کردار و اخلاق سے خوب واقف تھے اور آپ کے حلقہ احباب میں داخل تھے۔ جب نماز کا وقت آتا تھا تو رسول کریم صلعم پہاڑ کی گھاٹی پر چلے جاتے تھے اور وہاں نماز ادا کرتے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لانے والی آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ ہیں۔ سب لوگوں سے بڑھ کر یہی بیوی راز دار تھیں۔ رسول کریم صلعم کی زوجیت میں آئے ہوئے پندرہ برس گزر چکے تھے۔ آپ کی کوئی بات حضرت خدیجہ سے نہاں نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ پاک بیوی نبوت سے قبل ہی آپ کے غموں کی گھڑیوں میں موجب تسکین ہوتی تھی۔ آپ کے قلب پر رسول کریم صلعم کی راست بازی' امانت داری اور دیانت داری کا بہت گہرا اثر تھا۔ جونہی رسول کریم صلعم غار حراء سے پیغام ہدایت لے کر باہر نکلے اور گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے اس پیغام کا ذکر کیا تو آپ نے اس پیغام کو حق سمجھا اور ایمان لے آئیں اور ساتھ یہ کہہ اٹھیں کہ "آپ جیسا راست باز شخص کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔"

اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے ہمراہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئے۔ ان کے اعضاء پیری کی وجہ سے مضمحل اور آنکھیں سفید ہو چکی تھیں اور موت کے دروازے کو دستک دے رہے تھے۔ تلاش حق کے لیے نصرانیت قبول کر چکے تھے۔ عبرانی جانتے تھے انجیل کا عبرانی سے ترجمہ کرنے میں مصروف تھے۔ پیغام حق سنتے ہی امنت و صدقت کہہ اٹھے اور السابقون الاولون میں شمار ہوئے۔

حضرت ابوبکر دولت مند صاحب الرائے اور ماہر نساب تھے۔ شروع سے ہی بت پرستی' شرک سے نفرت تھی۔ قتل و غارت لوٹ مار میں کبھی حصہ نہ لیا۔ تجارت کے ذریعہ حلال کمائی کو ترجیح دی۔ طبیعت پر متانت تھی آپ کی ہتھیلی سے فیاضی کا دریا بہتا تھا اور غرباء مساکین' مسافر وغیرہ کے لیے رحمت کا موجب تھے۔ اس وجہ سے مکہ میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ بعثت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت ہی دوستانہ مراسم تھے۔ اور حضورؐ کے پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے آپ سے بہت متاثر تھے۔ ان کے ایمان لانے کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر باہر سے گھر تشریف لائے۔ تو ان کی لونڈی نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے دوست محمد (صلعم) نے کیا دعویٰ کیا ہے ابوبکرؓ نے جواب دیا نہیں لونڈی نے کہا۔ آپ کا دوست محمد (صلعم) کہتا ہے کہ میں نبی ہوں اور مجھ پر خدا کا پیغام آتا ہے ابوبکرؓ نے جواب دیا اگر وہ یوں کہتے ہیں تو ٹھیک کہتے ہیں جب کہ پہلی عمر میں راست بازی کے راستہ پر گامزن رہے کسی شخص پر جھوٹ نہیں بولا۔ اب وہ شخص خدا کی ذات پر اتنا بڑا جھوٹ نہیں بول سکتا۔ سیدھے گھر سے نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر گئے۔ دستک دی۔ حضورؐ باہر آئے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے

[1] تلخیص سیرت النبی صفحہ ۲۰۷ تا ۲۰۹

دریافت کیا۔ کیا آپ نے دعوی نبوت کیا ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دعوی نبوت کی دلیل دینی چاہی حضرت ابوبکرؓ نے ٹوک کر کہا۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ کہ آیا آپ نے اس قسم کا دعویٰ کیا ہے۔ رسول کریم صلعم نے پھر دلیل دینے کی کوشش کی حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں آپ سے دلیل نہیں مانگتا صرف یہ بتایئے کہ آپ نے دعوی نبوت کیا ہے۔ رسول کریم صلعم نے فرمایا۔ ہاں تو بغیر کسی تامل کے فوراً ایمان لے آئے مردوں میں اوّل المومنین ہوئے اور صدیق اکبر کا لقب پایا۔

حضرت علیؓ ابو طالب کے فرزند تھے۔ آپ بچپن سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ رہے تھے اور وہ بچوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔

زید بن ثابتؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ رسول کریم صلعم کے اخلاق حمیدہ کی وجہ سے عاشق جان نثار تھے۔ ان کے باپ کو علم ہوا کہ اس کا لڑکا مکہ میں فلاں آدمی کے پاس ہے۔ وہ مکہ پہنچا۔ رسول کریم صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ واپس لے جانے کی اجازت چاہی رحمۃ للعالمین کا قلب شفیق کب گوارہ کرسکتا تھا کہ بیٹا باپ کی جدائی میں رہے اور باپ بیٹے کے فراق میں گھلے مگر یہ انسان کامل زید کو زبردستی اپنے سے الگ کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ آپ نے زید کے باپ سے کہا۔ کہ اپنے لڑکے سے دریافت کرلیں اگر وہ جانا چاہتا ہے۔ تو چلا جائے باپ نے زید سے واپس جانے کو کہا۔ تو زید نے انکار کر دیا باپ کو کیا معلوم تھا کہ زید غلامی سے تو آزاد ہے لیکن رسول کریم صلعم کی محبت میں مقید ہو چکا ہے۔ اب رسول کریم صلعم کی صحبت سے موت ہی جدا کرسکتی ہے۔

حضرت ابوبکر کا لوگوں کے ساتھ بہت میل ملاپ تھا۔ ان کی تبلیغ سے حضرت عثمان غنیؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ طلحہؓ سعد بن ابی وقاص مسلمان ہوئے۔

پھر ابو عبیدؓ عامر بن عبداللہ بن الجراحؓ عبدالاسد بن بلالؓ عثمان بن مظعونؓ عامر بن فہیرہ ازدیؓ ابو حذیفہ بن عتبہؓ سائب بن عثمان مظعونؓ ارقمؓ عمارؓ یاسر خباب بن الارتؓ سعید بن زیدؓ عبداللہ بن مسعودؓ صہیب رومیؓ بلال ابو ذر غفاری حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

عورتوں میں سے حضرت خدیجہ کے بعد حضرت عباس کی بیوی ام الفضل اسماء بنت عمیسؓ اسماء بنت ابوبکرؓ سمیہؓ فاطمہؓ خواہر حضرت عمر فاروق نے اسلام قبول کیا۔[1]

اوائل زمانہ میں حضرت ارقم مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کا گھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی کوششوں کا مرکز بن گیا تھا اور تین سال میں تقریباً چالیس پاک نفوس حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ اس سے اس بات کی بھی تردید ہوتی ہے جو فترۃ الوحی کا زمانہ تین سال گردانتے ہیں کیونکہ اس صورت میں چوتھا سال محض ابتدائے دعوت ہوتا ہے حالانکہ اس وقت تک اسلام میں ایک جماعت داخل ہو چکی تھی اور مخالفت کا آغاز ہو چکا تھا۔

کفار مکہ کی ایذا رسائی کا آغاز

تین سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت راز داری اور احتیاط وحزم سے فریضہ تبلیغ کو سرانجام دیتے رہے آخر کار کھل کر میدان عمل میں آنے کا حکم ہوا۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ[2] کھول کر کہہ دے جو تجھے حکم دیا گیا ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ [3]

اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو بلایا جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک جرار لشکر آ رہا ہے تو تم یقین کرلو گے۔ سب نے بیک زبان ہو کر کہا۔ ہاں! کیونکہ آپ ہمیشہ جادۂ راست پر گامزن رہے ہیں اور

---

1. صحابیات مصنفہ نیاز فتح پوری سے مزید معلومات حاصل کیجئے۔
2. الحجر ۱۵: ۹۴ 3. الشعراء ۲۶: ۲۱۴

ہم سے الامین کا لقب پایا' ہم کیسے آپ کی بات کو جھٹلا سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب الیم نازل ہوگا۔ یہ سن کر سب لوگ جن میں ابولہب بھی تھا۔ سخت برافروختہ ہوئے اور برا بھلا کہتے ہوئے چلے گئے۔[1]

چند روز کے بعد حضرت علیؓ سے کہا کہ ایک دعوت کا انتظام کرو یہ تبلیغ اسلام کا پہلا موقع تھا۔ اس دعوت میں تمام خاندان عبدالمطلب مدعو تھا۔ ابو طالب حمزہ' عباس سب شریک تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھا چکنے کے بعد فرمایا کہ میں وہ چیز لایا ہوں۔ جو اس کو قبول کرے گا۔ وہ دین و دنیا میں فلاح پا جائے گا۔ اس بارگراں کے اٹھانے میں میرا کون ساتھ دے گا۔ تمام حاضرین محفل خاموش رہے۔ دفعتہً ایک کونے سے ایک تیرہ سال کا بچہ کھڑا ہوا اور کہا گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں۔ پتلی ٹانگوں والا ہوں۔ اور مجھے آشوب چشم ہے۔ اس بارگراں کے اٹھانے میں آپ کا معاون و مددگار رہوں گا حاضرین محفل کو بے ساختہ ہنسی آ گئی اور چل دیئے۔[2]

عرب میں عکاظ اور مجنہ اور ذوالمجاز کے میلے بہت مشہور تھے۔ عرب کے ہر کونے سے وہاں لوگ آتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں جاتے ان کو وعظ فرماتے۔

وعظ کی بڑی بڑی باتیں

خدا کو ایک مانو' اسی کے سامنے سر جھکاؤ وہی ذات قابل عبادت ہے وہ تمام عیوب سے منزہ اور تمام خوبیوں کا جامع ہے زمین آسمان چاند سورج ستارے وغیرہ اس کے پیدا کیے ہوئے ہیں ان کو اپنا معبود نہ جانو' جوا نہ کھیلو' جسمانی اور قلبی پاکیزگی اختیار کرو وعدہ کی پابندی کرو۔ چوری زنا سے باز آ جاؤ۔ لین دین میں کسی سے دغا نہ کرو۔

تبلیغ سے کچھ سعید روحیں حلقہ اسلام میں داخل ہوگئی تھیں جن کی تعداد چالیس سے زیادہ نہ تھی۔ آپ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کر دیا دفعتہً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ہر طرف سے لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب حارث بن ابی ہالہ کو خبر ہوئی۔ دوڑے ہوئے آگے آپ کو بچانے کی کوشش کی۔ اس میں وہ شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں پہلا خون تھا جو حرم کعبہ کو رنگین کر گیا۔[3]

اب تک کفار نے دعوت اسلام کو زیادہ اہمیت نہ دی تھی۔ جوں جوں اسلام کے حلقہ میں آنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ تو کفار کی آتش مخالفت زیادہ بھڑکنے لگی۔

مخالفت کی وجوہ

۱۔ قریش کی گھٹی میں بت پرستی رچ چکی تھی ان کے نزدیک بت ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے۔ وہی لڑائیوں میں فتح دلاتے تھے۔ پانی برساتے تھے اولادیں دیتے تھے حاجتیں پوری کرتے تھے۔ اس وجہ سے وہ بتوں کی برائی سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ جو ان کی تنقیص کرے گا وہ قریش کا سب سے بڑا دشمن ہوگا۔ قرآن مجید نے ان کو حصب جہنم قرار دیا ارشاد الٰہی ہے اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء ۲۱:۹۸)

تم اور وہ چیزیں جن کی تم اللہ کے سوائے عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہیں۔

۲۔ اکثر قبائل بنو ہاشم سے مخالفت رکھتے تھے۔ مخالف قبیلے کے ایک شخص کی قیادت و سیادت قبول کرنا انھیں عار معلوم ہوتا تھا۔ ابوجہل کی ایک تقریر سے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ ایک دفعہ اخنس بن شریق ثقفی ابوجہل کے پاس گیا اور کہا کہ محمد (صلعم) کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے ابوجہل نے جواب دیا ہم اور بنو عبد مناف (آل ہاشم) ہمیشہ ایک دوسرے کے حریف اور مدمقابل رہے ہیں۔ انھوں نے مہمانداریاں کیں۔ تو ہم نے بھی کیں۔ انھوں نے خون بہا دیئے تو ہم نے بھی دیئے۔ انھوں نے فیاضیاں کیں۔ تو ہم نے بھی اپنی جود و سخا کی بارش سے غرباء کے دلوں کی خشک زمین کو سیراب کیا اب بنو ہاشم میں سے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ خدا کی قسم ہم اس پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔[4]

---

[1] طبقات جلد ا صفحہ ۲۰۰۔ صحیح بخاری جلد ۲' صفحہ ۸۰۲۔ [2] طبری جلد ۲ صفحہ ۱۱۷۱' ابو الفدا ا

[3] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر حارث بن ابی ہالہ [4] سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۰۸

۳۔ مخالفت کا بڑا سبب قریش کی بد اخلاقیاں تھیں قریش زنا' جوا' رہزنی' غصب و نہب' عہد شکنی' آوارگی جھوٹ' چغل خوری وغیرہ کے عادی تھے قرآن مجید ان عادات قبیحہ کا سخت دشمن ہے۔ ان کی مخالفت میں آیات نازل ہوئیں۔ رسول کریم صلعم نے بھی ان برائیوں پر سخت سرزنش کی۔ جن سے وہ سخت برہم ہوئے اور مخالفت پہ کمربستہ ہو گئے۔

۴۔ قریش خاندانی فضیلت و برتری پر مغرور و نازاں تھے۔ انھیں اسلامی مساوات کا قبول کرنا ایک قسم کی ذلت محسوس ہوتی تھی۔ اسلام کے نزدیک خاندانی وجاہت باعث تکریم نہیں بلکہ تقوی ہے ارشاد الٰہی ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات:۱۳) اللہ کے حضور سب سے زیادہ معزز وہی ہے جو متقی ہے چنانچہ ابن ام مکتوم کے واقعہ نے اس نکتہ کو خوب واضح کیا ہے ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اشراف قریش کو تبلیغ اسلام کر رہے تھے کہ ابن ام مکتوم مجلس میں پہنچے۔ تو نابینائی کی وجہ سے نہ جان کر کہ آنحضرتؐ کن سے اور کیا گفتگو کر رہے ہیں۔ پہنچتے ہی چند سوال کر دیئے۔ آنحضرتؐ نے زبان سے کچھ نہیں کہا بلکہ گفتگو جاری رکھی۔ صرف بتقاضائے بشریت آپ کی پیشانی پر شکن آیا۔ ابن ام مکتوم تو دیکھ نہ سکے لیکن اللہ تعالیٰ جو دلوں کی نہاں در نہاں باتوں کو جانتا ہے اس بات کو بھی پسند نہ فرمایا کیونکہ مساوات کی تعلیم کے منافی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل کی۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی (عبس ۸۰:۱'۲) تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا۔ اس لیے کہ اس کے پاس اندھا آیا۔

اس وحی خداوندی نے ہمیشہ کے لیے یہ مہر ثبت کر دی کہ خاندانی وجاہت اور شرافت وجہ کمال نہیں ہے بلکہ تقوی اور پاکیزگی قلب وجہ کمال ہے۔

۵۔ قریش کو عیسائیت سے بالطبع نفرت تھی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ابرہہ الاشرم (بادشاہ حبش) جو کعبہ کے ڈھانے کو آیا تھا۔ عیسائی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قریش عیسائیوں کے مقابلہ میں پارسیوں کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ ایران اور روم کی جنگ میں ایرانیوں کو فتح ہوئی۔ تو قریش نے نہایت خوشی کا اظہار کیا اور مسلمان مغموم ہوئے چنانچہ یہ آیت اتری غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ .... (روم) قریب کے ملک میں رومی مغلوب ہوئے۔

اسلام اور نصرانیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں سب سے بڑھ کر یہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا اور مدینہ منورہ میں بھی ایک مدت تک یہی قبلہ رہا۔ ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔[1]

۶۔ قریش نبوت کا مفہوم سمجھنے میں قاصر تھے اور بعید سمجھتے تھے کہ خدا کے حکم سے کوئی انسان انسانوں کو سمجھانے کے لیے آئے۔[2]

۷۔ وہ جزا اور سزائے اعمال کے قائل نہ تھے۔ اس لیے یہ تعلیم کہ موت کے بعد اعمال کی جواب دہی ہو گی ان کے نزدیک بالکل قابل تمسخر تھی۔[3]

۸۔ قریش عرب کے اندر بلکہ شام اور حبشہ تک بے خوف و خطر تجارت کرتے تھے۔ عرب میں دوسرے لوگوں کے لیے اسباب تجارت لے کر جانا آسان نہ تھا۔ قدم قدم پر رہزن گھات لگائے بیٹھے رہتے تھے۔ قریش چونکہ مذہبی رہنما تھے۔ بیت اللہ کے متولی تھے جو سب عرب لوگوں کے لیے تکریم و احترام کی جگہ تھی۔ قریش کو اس احترام کی وجہ سے جیران اللہ کہا جاتا تھا۔
قریش کو خوف ہوا کہ اسلام پھیلا تو قبائل ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی تجارت ختم ہو جائے گی۔

۹۔ قریش بیت اللہ کے متولی تھے۔ انھیں مشرکین عرب کی روحانی اور مذہبی پیشوائی حاصل تھی۔ وہ اسے اپنا منصبی فرض جانتے تھے اور دین حق کو روکیں ان کو یہ گمان ہو رہا تھا۔ اگر اسلام پھیل گیا تو ان کی تولیت بیت الحرام ختم ہو جائے گی اور دیگر قبائل پر جو ان کو فضیلت حاصل ہے ختم ہو جائے گی۔

---

[1] سیرۃ النبی شبلی صفحہ ۲۱۶۔ [2] رحمۃ للعالمین مصنفہ محمد سلیمان منصور پوری صفحہ ۶۲۔
[3] ایضاً

۱۰۔ قریش کو تولیت بیت اللہ اور حج کی وجہ سے بہت آمدن ہوتی تھی۔ کعبہ پر جو نذرانے چڑھتے تھے۔ انھی کے ہاتھ آتے۔ انھوں نے یہ لازم ٹھہرایا ہوا تھا کہ زائرین احرام کے لیے انھی سے کپڑا خریدیں اور اپنی تجارت کو فروغ دیں اور لوگوں سے منہ بولے دام لیں۔

۱۱۔ قریش میں بڑے بڑے صاحب اثر اور دولت مند لوگ تھے۔ رسول کریم صلعم باوجود ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے کے ان دونوں باتوں سے خالی تھے۔ ایسی حالت میں قائدین مکہ کا آپ کی قیادت میں آنا اپنی توہین خیال کرتے تھے۔ اس وجہ سے وہ کہتے تھے۔ ''کیوں نہ یہ قرآن مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی پر نازل ہوا'' پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں جہالت' ذاتی' مادی اور اقتصادی اسباب تھے اس لیے قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمر باندھی اور اسلام کو نیست و نابود کرنے کا تہیہ کر لیا۔

منظم استہزا اور ایذا رسانی کا آغاز

جب مشرکین مکہ نے یہ دیکھا کہ اسلام لوگوں میں پھیل رہا ہے۔ اگر اسی طرح عرب میں پھیلتا چلا گیا تو ان کو اپنی سیادت و قیادت اور ثروت سے ہاتھ دھونا پڑ جائے گا۔ ''قرار پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل توہین کی جائے۔ جس سے نبوت کی تکذیب خود بخود ہوتی رہے گی۔ مجلسوں گزرگاہوں پر مشہور شعرا سے ہجویہ قصائد پڑھوانے شروع کیے۔ جن میں ابوسفیان بن حارث' عمرو بن العاص' اور عبداللہ بن زبعری جیسے جادو بیان شاعر اپنی شعلہ بیانی سے عوام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکاتے ان قصیدوں میں جی کھول کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی منقصت ہوتی ادھر سے بعض مسلمان شاعر بھی جواب دیتے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معارضہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی''۔[۱]

اس کے ساتھ اس قسم کے معجزے طلب کیے جس طرح یہود اور عیسائیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے معجزے طلب کیے۔

۱۔ کوہ صفا و مروہ دونوں پہاڑیاں سونے کی ہو جائیں۔

۲۔ وحی کتابت شدہ شکل میں ہمارے سامنے آسمان سے نازل ہو۔

۳۔ جس جبرائیل سے ہم کلامی کی آپ حکایت کیا کرتے ہیں یہ گفتگو اس فرشتے سے ہمارے بالمواجہ کیجئے۔

۴۔ مردوں کو زندہ کر کے دکھایا جائے۔

۵۔ یہ پہاڑ جو شہر مکہ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے کھڑے ہیں انھیں یہاں سے اٹھوا کر دور پھینکوا دیا جائے تاکہ اہل مکہ کھلی ہوا میں سانس لے سکیں۔

۶۔ پانی کی فراوانی کے لیے مکہ کے چاروں طرف ایسے چشمے ابل پڑیں۔ جن کا پانی زمزم سے زیادہ خوشگوار ہو۔

۷۔ فروغ تجارت کے لیے ہمیں روزانہ نرخ اپنے خدا سے پوچھ کر بتایا کیجئے۔ اہل مکہ کے اس مسخرہ پن کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ط وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۷:۱۸۸)[۲]

کہہ میں اپنی جان کے لیے نفع کا مالک نہیں اور نہ نقصان کا۔ مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت بھلائی لے لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔ میں صرف ڈرانے والا ہوں اور ان لوگوں کو خوش خبری دینے جو ایمان لاتے ہیں۔

---

[۱] حیات محمد مصنفہ محمد حسین ہیکل ترجمہ ابو یحییٰ امام خان صفحہ ۱۸۵

[۲] حیات محمد صفحہ ۱۸۵'۱۸۶۔

ابو طالب کے پاس وفود کا بھیجنا

جب مشرکین ان تمسخرانہ طریقے سے اسلام کی نورانی شعاعوں کو پھیلنے سے نہ روک سکے تو ایک اور طریقہ اختیار کیا کہ ایک وفد ابو طالب کے پاس بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ ان کے بتوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دے۔ ابو طالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کو جاری رکھا۔ جب قریش نے دیکھا کہ آپ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو دوسرا وفد ابو طالب کے پاس بھیجا اور وہ وفد اپنے ساتھ عمار بن ولید کو لے گیا۔ یہ نوجوان شجاعت اور حسن و زیبائی میں بے مثال تھا۔ ابو طالب سے کہا۔ اس نوجوان کو اپنا بیٹا بنا لو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے سپرد کر دو۔ ابو طالب نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ میں تمھارے بیٹے کی پرورش کروں اور آپ میرے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا ابو طالب کا جواب سن کر کفار قریش واپس ناکام و نامراد لوٹ آئے۔ اب قریش نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکالیف اور ایذائیں دینی شروع کر دیں۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی۔ آپ اپنے فریضہ منصبی کو ادا کرتے رہے۔ پھر شوریٰ ہوا اور ایک وفد سہ بارہ ابوطالب کے پاس گیا اور کہا اے ابو طالب آپ ہم سے عمر میں زیادہ ہیں مرتبہ اور وجاہت میں بھی سربلند ہیں پہلے بھی آپ سے دو بار درخواست کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو بتوں کی مذمت سے منع کر لیں لیکن آپ نے لمبے اس کام سے نہیں روکا وفد نے دھمکی انداز میں کہا اے ابو طالب! اب ہمارا صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اگر اب اس نے ہمارے بتوں کو برا بھلا کہا۔ ہمارے آباؤ و اجداد کی تذلیل کی ہمیں گمراہ اور وقود النار کہا تو ہم آپ سے جنگ کریں گے تاکہ معاملہ ختم ہو جائے۔

ابو طالب نے اپنے پیارے بھتیجے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر قوم کا ایک ایک لفظ کہہ سنایا اور کہا ہم اس قابل نہیں کہ ہم قوم کا مقابلہ کرسکیں۔ اس وجہ سے مجھے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ابو طالب کے دل پر قوم کی دھمکی کا بہت اثر ہوا ہے تو آپ نے فرمایا اے چچا! اگر آپ قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو بے شک میری معاونت سے دست کش ہو جائیں پھر فرمایا۔

یاعم واللّٰہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک ھذا الامر حتی یظھر اللّٰہ او اھلک فیہ ما ترکتہ.

یعنی اے میرے چچا! اگر کفار مکہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں اور کہیں کہ اس کے عوض میں تبلیغ اسلام ترک کر دوں۔ مجھے منظور نہ ہوگا۔ اگر مجھے اس راہ میں ہلاکت نظر آئے۔ تو میں پیچھے نہیں لوٹوں گا۔

ابو طالب کے دل پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بجلی کا سا اثر کر گئے اور اپنے بھتیجے سے کہا کہ جو بات تمھیں لوگوں سے کہنا ہو کہہ دیجئے بخدا میں آپ کے ہر قدم پر مدد کروں گا اور آپ کی تکلیف گوارہ نہ کروں گا اور کوئی شخص تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

مادی ترغیبات اور آنحضرتؐ کا جواب

جب تیسری سفارت کاری کارگر ثابت نہ ہوئی پھر قریش مکہ نے ایک منصوبہ بنایا شاید اس سے رسول کریم صلعم دعوت الی الاسلام سے رک جائیں وہ منصوبہ یہ تھا کہ اس دفعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مادی ترغیبات دو۔ یہ مشورہ کر کے عتبہ بن ربیعہ کو اس سفارت پر مقرر کیا وہ رسول کریم صلعم کے پاس آیا اور کہا:

اے بھتیجے! آپ تمام قریش میں عالی النسب تو ہیں مگر آپ نے قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ ان کی عقلوں کو حماقت سے دو چار قرار دیا ہے۔ ان کے معبودوں اور ان کے دین کی عیب جوئی کی ہے۔ ان کے آباء و اجداد کو کافر ٹھہرایا ہے۔ میں چند تجاویز پیش کرتا ہوں۔ ان پر غور کرو امید ہے کہ آپ ان میں سے کوئی بات مان لیں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابو الولید کہو! میں سنوں گا۔ ابو الولید نے کہا؟ بھتیجے! اگر اس قسم کی تبلیغ سے آپ کا منشا مال سمیٹنا ہو تو ہم لوگ آپ کے لیے اتنی دولت جمع کر سکتے ہیں کہ عرب میں آپ سے بڑا

کوئی تو نگر نہ ملے گا۔

۲۔ اگر یہ نیت ہو کہ آپ تمام عرب کے سردار بن جائیں تو ہم برضا و رغبت آپ کی سیادت قبول کرنے کے لیے حاضر ہیں۔

۳۔ اگر آپ بادشاہت کے طلب گار ہوں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے۔

۴۔ اگر آپ آسیب زدہ ہیں اور اس کے معالجہ سے معذور ہیں تو فرمایئے ہم لوگ از خود طبیب اور اس کا معاوضہ مہیا کر سکتے ہیں۔

ابو الولید عتبہ بن ربیعہ کی ان ترغیبات کے جواب میں آپ نے کہا کہ مجھے مال و دولت حکومت' سیادت و قیادت کی ضرورت نہیں ہے اور نہ میرے دماغ میں خلل ہے پھر آپ نے سورہ حم السجدہ کی ابتدائی ۳۸ آیات تلاوت فرمائیں۔ حٰمٓ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (۱ ......۳۸ لفظ فَهُمْ لَا یَسْئَمُوْنَ تک) (کتاب کا نازل کرنا۔ اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کی طرف سے ہے۔ یہ کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کر بیان کی گئی ہیں قرآن عربی ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں)

قرآن مجید کے پاکیزہ اور مقدس الفاظ نے عتبہ کے دل پر وہ اثر کیا کہ نہایت خاموشی سے اٹھا اور اپنے رفقاء کے پاس آیا اور کہا اے معشر قریش!

میں ایک ایسا کلام سن کر آیا ہوں۔ جو نہ کہانت ہے نہ شعر ہے نہ جادو نہ منتر میرا کہنا مانو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ خدا کی قسم میں نے اس کا جو کلام سنا ہے اس سے زبردست واقعہ رونما ہو کر رہے گا پھر اگر اس شخص کو عرب نے مار دیا تو قریش کو خود بخود اس (محمد صلعم) سے نجات مل جائے گی اگر یہ شخص عرب پر غالب آ گیا۔ تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہو گی اور... اس کا وجود سب سے بڑھ کر تمھارے لیے سعادت کا باعث ہو گا۔'' لوگوں نے یہ رائے سن کر کہا لو عتبہ پر بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سحر چل گیا ہے۔ عتبہ نے کہا اس شخص کے بارے میں میری تو یہی رائے ہے اب تمھیں جو ٹھیک معلوم ہو کرو۔''

ایک دوسری روایت میں یہ مذکور ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت شروع کی تو عتبہ خاموش سنتا رہا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ (حم السجدہ ۴۱: ۱۳) (سو اگر وہ منہ پھیر لیں تو کہہ دے میں تمھیں عاد اور ثمود کے عذاب جیسے عذاب سے ڈراتا ہوں) تو عتبہ کانپ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر رکھ دیا کہ میں آپ کو اللہ اور قرابت کا واسطہ دیتا ہوں۔ (کہ ایسا نہ کریں) اسے یہ خطرہ تھا کہ کہیں وہ صعقہ (عذاب) ان پر آن نہ پڑے۔ اس کے بعد وہ قوم کے پاس آیا اور مذکورہ گفتگو ہوئی۔[1]

اس سفارت میں ناکامی کے بعد کفار کے دلوں میں عداوت کی مزید آگ بھڑکنے لگی اور مخالفت نے مختلف شکلیں اختیار کر گئیں۔ ابو لہب کی بیوی ام جمیل نے دستور بنا لیا کہ گھر بھر کی نجاست سمیٹ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینک دیتی بسا اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھا دیئے جاتے تا کہ رات کے اندھیرے میں آپ کے پاؤں زخمی ہوں۔ گھر کے دروازے پر گندگیاں پھینک دی جاتیں تا کہ صحت و جمعیت خاطر میں خلل پڑے۔[2]

ابن عمرو بن العاص کا چشم دید بیان ہے کہ ایک روز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے چادر آپ کے گلے میں ڈال کر اس زور سے مروڑا کہ دم گھٹ گیا۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا وہ آئے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۔[3]

کیا تم ایک ایسے شخص کو مارتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے اور تمھارے پاس کھلے نشانات لایا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے لگے۔ تو ابو جہل نے سجدہ کی حالت میں اونٹنی کی غلیظ بچہ دانی آپ پر رکھ دی۔ حضرت فاطمہؓ آئیں تو انھوں نے آپ کی پشت سے اوجھڑی کو پرے پھینک دیا۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر ۶ صفحہ ۱۵۹' ۱۶۰' ۱۶۱ ۲۔ تاریخ طبری

۳۔ صحیح بخاری عن ابن عمرو بن العاص باب حالقی النبی من المشرکین

صحابہ پر جور و ستم

جوں جوں اسلام کی نورانی شعاعیں عوام میں پھیلنے لگیں اور عوام خصوصاً ظلم کی چکی میں پسے ہوئے افراد اسلام کی طرف راغب ہونے لگے تو کفار نے اس رغبت کے آگے حصار کھڑا کرنے کی یہ تدبیر اختیار کی کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کو اذیت دی جائے تاکہ جو مسلمان ہو چکے ہیں وہ واپس آ جائیں اور نئے لوگ اسلام کو قبول نہ کریں۔ سنگ دل کفار نے بے بس مسلمانوں پر جو مظالم کے پہاڑ ڈھائے ان کو احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے مختصر طور پر چند بزرگ اور ان کو عذاب دیئے جانے کے طریقے سپردِ قلم کیے جاتے ہیں۔

ا۔ حضرت خباب بن ارت قبیلہ تمیم سے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے۔ قریش نے ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ ایک دفعہ کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے گئے ان پر چت لٹایا گیا۔ ایک آدمی ان کی چھاتی پر چڑھ گیا تاکہ کروٹ نہ بدل سکیں یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہو گئے۔ حضرت خبابؓ نے مدت کے بعد حضرت عمر کے سامنے بیان کیا اور پیٹھ کھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح سفید تھی۔[1]

بلال حبشی تھے امیہ بن خلف کے غلام تھے جب امیہ کو علم ہوا کہ بلال مسلمان ہو گیا ہے تو ان کے لیے گونا گوں عذاب تجویز کیے موسم گرما کی چلاتی دھوپ میں ان کو باہر لے جاتا جلتی ریت پر لٹا دیتا۔ سینہ پر ایک بھاری سل رکھ دیتا تاکہ جنبش نہ ہونے پائے۔ ان سے کہتا کہ محمد کو چھوڑ دو اور اسلام سے باز آ جاؤ ورنہ اس طرح ان ایذاؤں سے دم دے دو گے۔ اس وقت بھی ان کی زبان سے احدٌ احدٌ لفظ نکلتا۔ کبھی گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ میں دے دی جاتی وہ مکہ کی پہاڑیوں میں لیے پھرتے۔ کبھی مشکیں باندھ کر کوڑوں سے پیٹا جاتا۔ بھوکا رکھا جاتا۔[2]

حضرت عمارؓ نے جب اسلام قبول کیا تھا۔ تو ان سے پہلے صرف تین اشخاص دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ قریش ان کو بھی تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتے تھے۔ ساتھ سخت ایذائیں دی جاتیں تو وہ بے ہوش ہو جاتے تھے۔

حضرت سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ سنگ دل ابوجہل نے اندام نہانی میں نیزہ مار کر شہید کر دیا۔[3]

حضرت یاسر حضرت عمار کے والد تھے۔ یہ بھی کفار مکہ کے ظلم و ستم اٹھاتے اٹھاتے شہید ہوئے (ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں عذاب سہتے ہوئے دیکھا فرمایا اِصْبِرُوْا یَا اٰلَ یَاسِر فَاِنَّ مُوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃُ اے ال یاسر! صبر کرو۔ تمہارا ٹھکانہ جنت ہے)

حضرت صہیب رومی[4] دائرہ اسلام میں داخل ہوئے قریش اس قدر ان کو تکلیف اور اذیت پہنچاتے تھے کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے تھے۔ جب انھوں نے مدینہ ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا اپنا سارا سامان چھوڑ جاؤ۔ تو جا سکتے ہو۔ حضرت صہیب نے خوشی سے مان لیا۔

حضرت ابوفکیہ جن کا نام افلح تھا صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ جب صفوان کو ان کے اسلام کا علم ہوا۔ تو اس کے پاؤں میں رسی باندھی تو لوگوں سے کہا کہ اس کو گھسیٹ کر تپتی ہوئی ریت پر لٹائیں۔

ایک گبریلا راہ میں جا رہا تھا۔ صفوان نے کہا کہ "تیرا خدا ہی تو نہیں ہے ابوفکیہہ نے جواب دیا میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے۔ اس پر صفوان نے زور سے منہ پر طمانچہ مارا اور زور سے گلا گھونٹا لوگوں نے سمجھا کہ دم نکل گیا ہے ایک دفعہ ان کے سینہ پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھ دیا کہ ان کی زبان نکل پڑی۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد سوم تذکرہ خباب (جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کر دیئے گئے تھے۔ ام انمار نے خرید لیا تھا۔ یہ ابتدائی اسلام لانے والوں میں شامل تھے۔ مدینہ میں بعمر ۶۳ سال ۱۹ھ میں وفات پائی)

[2] ۲۰ھ میں بمقام دمشق بعمر ۶۳ سال وفات پائی۔ [3] مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۵۰

[4] صہیب رومی نہ تھے ان کے والد سنان کسریٰ کی طرف سے ابلہ کے حاکم تھے اور ان کا خاندان موصل میں آباد ہو گیا۔ ایک دفعہ رومیوں نے اس نواح پر حملہ کیا اور جن لوگوں کو قید کر کے لے گئے تھے ان میں حضرت صہیبؓ بھی تھے۔ یہ روم میں پلے اس لیے عربی زبان اچھی طرح بول نہ سکتے تھے ایک عرب نے ان کو خریدا اور مکہ میں لایا۔ یہاں عبداللہ بن جدعان نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا (سیرۃ النبی شبلی جلد ۱ صفحہ ۲۳۰، ۲۳۱)

حضرت لبینہؓ بے چاری ایک کنیز تھیں۔ حضرت عمرؓ ان کو اتنا مارتے کہ خود تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے رحم کی بناء پر مارنا ترک نہیں کیا بلکہ تھک گیا ہوں وہ جواب دیتیں ''اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو خدا اس کا انتقام لے گا''

حضرت زنیرہؓ حضرت عمر کے گھر کی کنیز تھیں ظالم اور سنگ دل ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔

حضرت نہدیہؓ اور ام عبیسؓ یہ بھی دونوں کنیز تھیں کافر ان کو سخت ایذائیں دیا کرتے تھے۔[1]

جو لوگ بڑے قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور صاحب حیثیت تھے۔ وہ بھی سنگ دل کفار کے ہاتھوں محفوظ نہ تھے۔ ان کے ساتھ بھی وہی برتاؤ کیا گیا جو غلاموں اور ضعفاء کے ساتھ کیا گیا۔

حضرت عثمان بن عفان جب اسلام لائے تو ان کے چچا نے رسی سے باندھ کر مارا حضرت عمر نے اپنے بہنوئی حضرت سعید اور بہن حضرت فاطمہ کو مار مار کر لہولہان کر دیا۔

حضرت زبیر کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیا گیا۔

مصعب بن عمیرؓ کو ان کی ماں نے گھر سے نکال دیا۔ اسی جرم میں کہ وہ اسلام لے آئے تھے۔ یہ جور وستم یہ جلادانہ بے رحمیاں اور یہ عبرت ناک سفاکیاں ایک مسلمان کو صراط مستقیم سے متزلزل نہ کر سکیں جب کہ پہلی امتوں نے اپنے انبیاء کو چند کوڑیاں لے کر گرفتار کرا دیا اور ان کے منہ پر تھوکا۔

ایک عیسائی مورخ نے لکھا ہے۔

''عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مسائل نے وہ درجہ نشہ دینی کا آپ کے پیروؤں میں پیدا کیا جس کو عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے جب کہ عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے۔ ان کا نشہ دینی جاتا رہا۔ وہ اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیے؟ برعکس اس کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو اپنے مظلوم کے گرد آئے آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کر دیا۔[2]

تعذیب کی الٰہی حکمتیں

۱۔ مومنوں کے اخلاص پر مہر لگ جائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ لوگ دنیوی لالچ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع نہیں ہوئے بلکہ خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ایمان لائے تھے۔

۲۔ انسان کے اخلاق کی تکمیل نہیں ہوتی جب تک مصائب و آلام کا سامنا نہ ہو۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنی یہ قدرت دکھانا چاہتا تھا۔ کہ اللہ کی جلائی ہوئی شمع ہدایت مخالفتوں کی آندھیوں سے نہیں بجھائی جا سکتی اس کی حفاظت اللہ کے ہی ذمہ ہے۔

ہجرت حبشہ ۵ نبوی (۶۱۵ء)

بعثت نبوی کا پانچواں سال تھا۔ آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد تقریباً پچاس اصحاب سے زائد جمع ہو چکے تھے۔ کفار مکہ کے مظالم اور ایذاؤں نے ان کے قصر اتحاد کو اور زیادہ مرصوص بنا دیا تھا۔ قبولیت اسلام کی لہر روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ جس نے کفار مکہ کے دلوں میں عداوت کی مزید آگ بھڑکا دی۔ صحابہ کرام کے ساتھ کفار کا بے رحمی کا سلوک اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اجازت دے دی کہ وہ ارض حبش کی طرف ہجرت کر جائیں حبش عربوں کی قدیم تجارت گاہ تھی وہاں کا بادشاہ نجاشی[3] تھا اور اس کے عدل و انصاف کی عام شہرت تھی جان نثاران اسلام ہر قسم کی تکلیف تو برداشت کر سکتے تھے لیکن ان کا مکہ میں رہ کر فرائض اسلام کا ادا کرنا ناممکن تھا کوئی

---

[1] حضرت بلال لبیبہ زنیرہ نہدیہ ام عبیس سب کو حضرت ابوبکر نے آزاد کرایا تھا۔

[2] اپالوجی گاڈفری ہیگنس ترجمہ اردو صفحہ ۶۶' ۶۷ مطبوعہ برہمی ۱۸۷۳ بحوالہ سیرت النبی شبلی صفحہ ۲۳۳۔ [3] نجاشی کا اصل نام اصحمہ تھا۔

شخص کعبہ میں اونچی آواز سے قرآن مجید کی تلاوت نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ایمان لائے تو انھوں نے کہا کہ میں بیت اللہ میں جا کر ضرور قرآن مجید کی تلاوت کروں گا حرم میں گئے اور مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر سورہ رحمٰن پڑھنی شروع کر دی۔ چاروں طرف سے کفار ٹوٹ پڑے اور بے تحاشہ مارنا شروع کر دیا بلکہ وہ پڑھتے رہے جب وہ سورت پڑھ چکے تھے تو واپس آئے تو ان کے چہرہ پر ضربوں کے نشان تھے۔[1]

(حضرت ابو بکرؓ جاہ و اقتدار میں دوسرے روساء مکہ سے کم نہ تھے لیکن اونچی آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے اس بناء پر ایک بار ہجرت کے لیے امادہ ہو گئے)[2]

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ۵ نبوی میں اول بارہ مرد اور چار عورتوں کا ایک مختصر سا قافلہ رات کی تاریکی کے پردہ میں نکلا اور بندرگاہ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ قریش کو خبر ہوئی تو انھوں نے بندرگاہ تک تعاقب کیا لیکن قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔

مہاجرین کے نام

حضرت عثمان بن عفان۔ ۲۔ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ۔ ۳۔ حضرت زبیر بن العوام۔ ۴۔ حضرت مصعب بن عمیر۔ ۵۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف۔ ۶۔ حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد ۷۔ حضرت عثمان بن مظعون۔ ۸۔ حضرت عامر بن ربیعہ۔ ۹۔ حضرت ابو سبرۃ بن ابی رہم۔ ۱۰۔ حضرت ابو حاطب بن عمرو۔ ۱۱۔ حضرت سہیل بن بیضاء۔ ۱۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود۔[3]

مہاجرات کے نام

۱۔ حضرت رقیہ زوجہ محترمہ حضرت عثمان۔ ۲۔ حضرت لیلیٰ بنت ابی حشمہ (زوجہ عامر بن ربیعہ) ۳۔ ام سلمہ بنت ابی امیہ زوجہ حضرت ابو سلمہ بن الاسد مخزومی ۴۔ حضرت سہلہ بنت سہیل زوجہ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ۔

اس قافلہ کے قائد حضرت عثمان بن عفان تھے۔ ان کی زوجہ محترمہ رقیہ ان کے ساتھ تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ لوط و ابراہیم علیہما السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جنھوں نے خدا کے راستے میں ہجرت کی ہے۔[4]

مہاجرین کے اسماء کی فہرست سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قافلہ میں ہر قسم کے لوگ تھے۔ بے بس بھی تھے۔ صاحب اقتدار بھی تھے۔ اس وجہ سے مورخین کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔ کہ حبشہ کی طرف ان لوگوں نے ہجرت کی جن کا کوئی معاون و مددگار نہ تھا۔

مورخین کا یہ خیال اس وجہ سے بھی سراسر غلط ہے کہ اس فہرست میں بعض ایسے مظلوم صحابہ کا ذکر ہی نہیں جنھیں تپتی ہوئی ریت جلتے ہوئے انگاروں پر لٹایا جاتا۔ جوع وعطشان کے عذاب میں مبتلا کیا جاتا تھا۔ یعنی بلالؓ عمارؓ یاسر وغیرہ اس کی وجہ یا تو بے سروسامانی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی۔ ان کا سفر کرنا ناممکن تھا۔ یا وہ مصائب و آلام کے باوجود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے الگ رہنا پسند نہ کرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر دکھ برداشت کرنے میں زیادہ لذت محسوس کرتے تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد ان کے پیچھے ۸۲ یا ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں حبشہ کی طرف روانہ ہوئے ان میں حضرت جعفر بھی تھے۔ کفار مکہ کو ان کی ہجرت کی خبر ہوئی۔ تو تعاقب کیا۔ لیکن جب بندرگاہ تک پہنچے۔ تو جہاز جا چکے تھے۔ مایوس ہو کر واپس لوٹے وہ یہ نہ چاہتے تھے کہ اسلام کی شعاعیں کہیں پھیلیں اور مسلمان آزادی سے اپنے فرائض ادا کر سکیں اور امن کی زندگی بسر کر سکیں۔ اس وجہ سے مشورہ کر کے یہ رائے قرار پائی کہ نجاشی کے پاس ایک سفارتی وفد بھیجا جائے وہ جا کر یہ کہے کہ وہ ان لوگوں کو جو عرب سے بھاگ کر آئے ہیں۔ سفراء کے سپرد کر دے۔

چنانچہ اس غرض کے لیے عبداللہ بن ربیعہ' عمرو بن العاص اس سفارت کے لیے منتخب ہوئے بڑے بڑے قیمتی تحفے ساتھ لیے۔ پہلے درباریوں سے ملے ان کو تحائف پیش کیے اور کہا کہ ان نادان لوگوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے۔ جو عیسائیت کے بھی مخالف ہے اس طرح

---

[1] طبرانی صفحہ ۱۸۸ [2] بخاری ہجرت مدینہ

[3] حبشہ کے مہاجرین اول کی تعداد اور ان کے تعین میں کسی قدر اختلاف ہے۔ مفصل بحث سیرۃ النبی (شبلی) کے صفحہ ۲۲۵ پر ملاحظہ کیجئے۔ [4] رواہ حاکم ۱۲۔

ان کی تائید حاصل کی۔ چنانچہ اگلے دن یہ سفیر دربار میں پہنچے۔ درخواست کی۔ کہ مہاجرین ہمارے مجرم ہیں ان کو واپس کیا جائے۔ بادشاہ کو یہ کہہ کر اکسایا کہ ان لوگوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا ہے چنانچہ بادشاہ نے مسلمانوں کو جواب دینے کے لیے طلب کر لیا۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی حضرت جعفر طیار نے دربار میں مسلمانوں کی ترجمانی کی اور ایک موثر تقریر کی۔

''اے بادشاہ ہم ایک جاہل قوم تھے۔ جو بتوں کو پوجتے مردار کھاتے' بے حیائی کے کام کرتے' اقرباء کے حقوق ادا نہ کرتے' ہمسایوں سے برا سلوک کرتے اور ہم میں سے مضبوط کمزور کو کھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول مبعوث کیا۔ جس کے نسب صدق' امانت اور پرہیز گاری کو ہم خوب جانتے تھے۔ اس نے ہم کو بلایا کہ خدا کو ایک مانیں۔ اس کی عبادت کریں پتھروں اور بتوں کی پرستش کو چھوڑ دیں اور اس نے ہم کو کہا کہ ہم سچ بولیں۔ امانت ادا کریں۔ صلہ رحمی کریں۔ ہمسایوں سے نیک سلوک کریں۔ یتیم کا مال نہ کھائیں۔ حرام باتوں اور خون ریزیوں سے بچیں۔ عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں۔ روزے رکھیں۔ زکوٰۃ دیں۔ پس ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی پیروی کی اور اس کی باتوں کو مانا۔ اس پر ہماری قوم نے ہم پر ظلم شروع کر دیئے اور ہم کو دکھ دیا کہ ہم اپنا دین ترک کر دیں اور بت پرستی کی طرف لوٹ آئیں۔ پس جب ان کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہیں ہوں گے۔[1]

بادشاہ نے یہ تقریر سن کر کہا کہ جو کلام آپ کے نبی پر نازل ہوتا ہے وہ بھی سناؤ حضرت جعفر طیار نے سورہ مریم کی چند آیات پڑھ کر سنائیں نجاشی کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آئیں پھر کہا۔ خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چشمہ ہدایت سے نکلے ہیں اور یہ تو وہی نبی ہے جس کی یسوع مسیح نے خبر دی تھی الحمدللہ کہ مجھے اس رسول کا زمانہ ملا ہے سفراء قریش کو دربار سے نکال دیا ہے۔

اگلے دن سفراء نے ایک اور تدبیر سوچی کہ نجاشی کو اکسایا جائے کہ یہ حضرت عیسیٰ کو نہیں مانتے عمرو بن العاص دوبارہ دربار میں پہنچے اور نجاشی سے کہا کہ حضور! آپ کو معلوم ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں؟ بادشاہ نے دوبارہ مسلمانوں کو بلا کر کہا کہ تم حضرت عیسیٰ کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت جعفر نے کہا کہ ہم حضرت عیسیٰ کو خدا کا ایک برگزیدہ نبی اور رسول مانتے ہیں۔ خدا نہیں مانتے۔

یہ جواب سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ حضرت عیسیٰ اس سے جو مسلمانوں نے بیان کیا ہے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں۔ پادری بہت برہم ہوئے لیکن نجاشی نے کوئی پرواہ نہ کی۔ قریش کے سفراء کو ناکام و نامراد واپس لوٹا دیا۔

نجاشی سے مسلمانوں کی وفاداری

اس اثناء میں کسی دشمن نے حبشہ پر حملہ کر دیا۔ نجاشی خود محاذ پر گیا چونکہ مسلمانوں کو اس ملک میں ہر قسم کا امن اور آرام میسر تھا۔ اس لیے انھوں نے نجاشی کی مدد کی اور فتح کے لیے دعائیں بھی مانگیں سو خدا نے نجاشی کو فتح دی۔[2]

ابو طالب کا اندیشہ قتل اور بنو ہاشم اور بنو مطلب کو جمع کرنا

ابو طالب نے قریش کی عداوت کے مختلف انداز سے یہ محسوس کر لیا کہ وہ آپ کے بھتیجے کی جان کے درپے ہیں تو انھوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو جمع کیا اور ان کو دعوت دی کہ وہ ان کے بھتیجے کی حفاظت کے لیے ان کی مدد کریں چنانچہ عربی حمیت کے پیش نظر دونوں خاندانوں کے مسلم اور کافر سب افراد نے قبول کر لیا البتہ ابولہب ایک شخص تھا۔ جس نے اسے منظور نہ کیا اور سارے خاندان سے الگ ہو کر مشرکین کے ساتھ جا ملا اور ان کا ساتھ دیا۔[3]

---

1. یہ تقریر سیرت ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۱۶۔ مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۳۱۰ یعقوبی سیرت النبی شبلی حصہ اول صفحہ ۲۳۸۔۹۔ رحمۃ للعالمین مصنفہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری صفحہ ۵۳۔۵۴ انسان کامل مصنفہ ڈاکٹر خالد علوی صفحہ ۱۳' ۱۴ پر درج ہے۔ البتہ طبری اور ابن سعد نے حضرت جعفر اور نجاشی کی تقریر کا ذکر نہیں کیا۔

2. مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۰۲

3. ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۶۹۔ مختصر سیرۃ شیخ عبداللہ ص ۱۰۶

حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام ۶ نبوی

حضرت حمزہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی دونوں نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ وہ آپ سے صرف دو تین سال بڑے تھے اور بچپن میں اکٹھا کھیلا کرتے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعویٰ نبوت کیا۔ تو حضرت حمزہ نبوت کے چھٹے سال تک آپ ایمان نہ لائے لیکن آپ سے خاص محبت رکھتے تھے۔

حضرت حمزہ کو شکار اور سپہ گری کا بہت شوق تھا۔ صبح منہ اندھیرے کمان ہاتھ میں لے کر باہر نکل جاتے تمام دن شکار میں مصروف رہتے۔ شام کو واپس آ کے پہلے بیت اللہ کو جاتے طواف کرتے روساء سے ملتے پھر گھر واپس آتے۔

ایک دن حسب معمول ابوجہل نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی کی۔ حضرت حمزہ کی لونڈی دیکھ رہی تھی۔ جب حضرت حمزہ واپس گھر لوٹے تو لونڈی نے کہا اتنے شہ سوار اور شہ زور بنے پھرتے ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ آج آپ کے بھتیجے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوجہل کس طرح پیش آیا۔

حضرت حمزہ قرابت کی حمیت میں حرم میں ابوجہل کے پاس پہنچے اور زور سے کمان ابوجہل کے سر پر دے ماری اور مسلمان ہونے کا اعلان کردیا جب گھر واپس لوٹے تو متردد تھے کہ آبائی دین کو دفعتہً چھوڑ دینا ٹھیک نہیں تمام دن سوچتے رہے آخر کار اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسلام ہی درست دین ہے۔

حضرت عمرؓ کا اسلام لانا ۶ نبوی

دوسرے عظیم انسان حضرت عمر[1] حضرت حمزہ کے تین دن کے بعد حلقہ اسلام میں آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی۔ **اللهم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب**[2] اے اللہ! عمر کے ساتھ دین اسلام کو غلبہ دے۔

ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ مورخین نے اس طرح بیان کیا ہے۔ ایک دن حضرت عمر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی نیت سے گھر سے نکلے ہاتھ میں برہنہ تلوار تھی بازار میں سے جا رہے تھے راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ ملے اور حضرت عمر سے پوچھا۔ ہاتھ میں برہنہ تلوار لے کر کدھر کا رخ ہے۔ حضرت عمر نے غیظ وغضب میں جواب دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ نعیم نے جواب دیا پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو۔ تمھارے بہنوئی اور بہن دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر غصے کی حالت میں بہن کے گھر پہنچے۔ تو حضرت خبابؓ ان کو قرآن پڑھا رہے تھے۔

حضرت عمرؓ کی آواز سن کر قرآن مجید کے اوراق چھپا دیئے۔ حضرت عمر نے جلالی آواز میں کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر حضرت سعیدؓ کو پکڑا اور مارنا شروع کر دیا۔

بہن اپنے شوہر کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں تو ان کو بھی چوٹیں آئیں اور لہولہان ہوگئیں اور بولیں عمر! جو تمہارا جی چاہتا ہے کرو۔ لیکن اسلام کی محبت دل سے نہیں نکل سکے گی۔ بہن کے استقلال، ثابت قدمی اور عزم نے بھائی کے تمام غصے کو فرو کر دیا اور فرمایا بہن ''جو کچھ تم پڑھ رہے ہو۔ مجھے بھی سناؤ۔ بہن نے قرآن کے اجزاء سامنے لا کر رکھے تو سورۃ الحدید کی ابتدائی آیات تھیں۔ **سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ**[3] (اللہ کی تسبیح کرتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے) ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے **اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ**[4] (اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ) تو بے اختیار بول اٹھے کہ **اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ**۔[5]

---

[1] مولانا شبلی نعمانی سیرۃ النبی جلد اول صفحہ ۲۲۴ پر حضرت عمرؓ کی عمر ۲۷ سال بیان کرتے ہیں جبکہ محمد حسین ہیکل حیات محمد میں ان کی عمر ۲۵ سال تحریر کرتے ہیں۔

[2] سنن ابن ماجہ مقدمہ حدیث ۱۰۵ [3] الحدید ۵۷:۱ [4] الحدید ۵۷:۷۔

[5] بعض سیرت کی کتب میں سورۃ طٰہٰ کی ۱ سے ۱۴ تک آیات کی تلاوت کا ذکر ہے۔ تطبیق یوں ہے کہ حضرت عمرؓ نے دونوں سورتوں کے مذکورہ حصے تلاوت کیے ہوں گے۔ اس طرح دونوں سورتوں کی آیات کا ذکر کتب سیرت میں آ گیا ہے۔

حضرت خباب بھی جو حضرت عمر کے ڈر سے چھپ گئے ہوئے تھے باہر آ گئے۔ ان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ پوچھ کر حضرت ارقم کے گھر تشریف لائے صحابہ نے حضرت عمر کے ہاتھ میں برہنہ تلوار دیکھی صحابہ کو تردد ہوا لیکن حضرت حمزہ نے کہا نیک نیت سے آیا ہے تو بہتر ورنہ اس کی تلوار سے سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر نے اندر قدم رکھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور حضرت عمرؓ کی طرف بڑھے اور فرمایا عمر! کس ارادہ سے آئے ہو تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا یا رسول اللہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہوں۔ رسول کریم صلعم بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے ساتھ ہی تمام صحابہ کرام نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔

حضرت عمر کے ایمان لانے کے بعد مسلمانوں کو بہت تقویت ہوئی انھوں نے اعلانیہ اسلام کا اظہار کیا اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ بیت اللہ میں نماز ادا کی۔

شعب ابی طالب میں محصور ہونا محرم ۷ نبوی

کفار کی ایذا رسانیوں' سفاکیوں اور ستم آرائیوں کے باوجود اسلام کی شعاعیں پھیلتی چلی گئیں یہاں تک کہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر جیسے صاحب اقتدار اور جاہ و جلال والے اشخاص دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ تو کفار عداوت کی آگ میں اور جلنے لگے۔ تو کفار نے اسلام کی اشاعت کو روکنے کے لیے ایک اور تدبیر سوچی کہ بنو ہاشم سے مکمل مقاطعہ کیا جائے۔ یعنی ان سے ناطہ رشتہ کرنا چھوڑ دیا جائے گلی بازاروں میں پھرنے سے روک دیا جائے اور کوئی ان سے خرید و فروخت نہ کی جائے۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا قبیلہ شعب ابی طالب میں محصور و محبوس ہو گیا اور تین سال تک وہیں رہے۔ قریش نے اجناس خوردنی کا گھاٹی کے اندر جانا بند کر دیا۔ بنو ہاشم کے بچے بھوک کے مارے اس قدر رویا کرتے تھے کہ ان کی آوازیں گھاٹی کے باہر تک سنائی دیتی تھیں۔ محصورین درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرتے تھے لیکن بعض رحم دل آدمیوں کو ترس بھی آتا تھا کچھ لوگ خفیہ طور پر غلہ وغیرہ اندر پہنچانے کی کوشش کرتے۔ مگر ابو جہل نگرانی کرتا۔ چنانچہ حکیم بن حزام نے جو رشتہ میں حضرت خدیجہ کا قریبی رشتہ دار تھا۔ کچھ سامان خوراک اندر پہنچانا چاہا۔ تو ابو جہل مخل ہوا ابو البختری نے ابو جہل سے کہا ایک شخص اپنے رشتے دار کے لیے کچھ اشیاء خوردنی اندر بھیجنا چاہتا ہے تو اسے کیوں روکتا ہے بالآخر مخالفین ہی کو رحم آیا۔ اس معاہدہ کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ ہشام ایک دفعہ زبیر کے پاس گیا اور اس کو اس معاہدہ کو ختم کرنے کی تحریک کی۔ زبیر رضا مند ہو گیا تو دونوں مطعم بن عدی کے پاس گئے۔ پھر زمعہ بن الاسود کے پاس گئے۔ انھوں نے باہم طے کر لیا کہ اس معاہدہ کو پھاڑ دیں گے۔ اتنے میں ایک اور واقعہ خدا کی طرف سے رونما ہوا۔ کہ معاہدہ کا کاغذ جو بیت اللہ میں آویزاں تھا اس کو دیمک کھا گئی۔ خدا تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا۔ تو آپ نے ابو طالب کو بتا دیا ایک دن ابو طالب باہر نکلے۔ تو انھوں نے قریش مکہ کو ان کے ظلم و ستم کی طرف توجہ دلائی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ جس معاہدہ کی بناء پر یہ جور و ستم کر رہے ہو اس کو تو دیمک کھا چکی ہے۔ یہ ایک نشان ہے تم اپنے معاہدہ سے دست بردار ہو جاؤ۔ چنانچہ یہی فیصلہ ہوا کہ اگر کاغذ کرم خوردہ ثابت ہوا۔ تو اسے کالعدم سمجھا جائے گا۔ جب اقرار نامہ دیکھا گیا تو کرم خوردہ ثابت ہوا۔ ادھر وہ لوگ ہتھیار باندھ کر شعب ابی طالب کے دروازہ پر آ گئے۔ محصورین کو باہر نکالا اور ان کو نکال کر اپنے اپنے گھروں میں بھیج دیا۔ اس طرح محصورین کو شعب ابی طالب کی قید سے رہائی نبوت کے دسویں سال ہوئی۔[1]

عام الحزن ۱۰ نبوی

شعب ابی طالب سے نکلنے کے چند دن بعد ابو طالب وفات پا گئے۔ ابو طالب کی وفات کے چند ماہ بعد حضرت خدیجہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہ نے رمضان ۱۰ نبوی میں وفات پائی۔ اس وقت عمر ۶۵ سال کی تھی۔ مقام حجون میں دفن کی گئیں اس سال کو رسول کریم صلعم نے عام الحزن فرمایا۔

---

[1] بائیکاٹ کی تفصیل کے حسب ذیل ماخذ ہیں۔ صحیح بخاری باب نزول النبی بمکۃ ۱/۲۱۶۔ باب تقاسم المشرکین علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۱/۵۴۸۔ زاد المعاد ۱/۲۹۹۔ ابن ہشام ۱/۳۵۰'۳۵۱۔۳۷۴'۳۷۷'۳۷۴ سیرۃ النبی شبلی ۱/۲۴۵ تا ۲۴۷ رحمۃ للعالمین ۱/۵۹' انسان کامل از ڈاکٹر خالد علوی صفحہ ۱۴ حیات محمد اردو ایڈیشن صفحہ ۲۱۹۔ الرحیق المختوم صفحہ ۱۵۸۔۱۶۱۔ انساب الاشراف جلد ۱ صفحہ ۲۳۴۔

تبلیغ کی وسعت

بیرون مکہ تبلیغ اسلام

جب کفار مکہ کی حد سے زیادہ ہٹ دھرمی، مخالفت اور ضد دیکھی تو آپ اپنے غلام حضرت زید کے ہمراہ طائف کی طرف تبلیغ اسلام کے لیے نکلے۔ طائف مکہ مکرمہ سے ساٹھ ستر کلو میٹر پر ایک زرخیز اور شاداب بستی تھی لوگ خوش حال تھے۔ دولت اور ثروت نے انھیں متکبر بنا رکھا تھا۔ اخلاقی اقدار سے عاری تھے۔ وہاں عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا۔ عبدیالیل مسعود اور حبیب تین بھائی تھے۔ یہ تینوں بھائی بڑے بااثر سمجھے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک کی شادی قبیلہ قریش میں ہوئی تھی اور اس کے گھر قریشی خاتون تھی۔ جس کا نام صفیہ بنت معمر تھا۔ اس قرابت داری کی وجہ سے رسول کریم صلعم طائف میں سب سے پہلے ان ہی کے پاس پہنچے۔ دعوت اسلام دی۔ ان تینوں نے نہایت گستاخانہ جواب دیا۔ ایک بولا۔ اگر تجھے اللہ نے رسول بنایا ہے تو میں کعبہ کے سامنے ڈاڑھی منڈوا دوں گا۔ دوسرا بولا کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی رسول بنانے کو نہ ملا۔ تیسرے نے کہا میں تجھ سے کلام نہیں کروں گا۔ اگر تو خدا کا سچا نبی ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے اگر جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب میں تجھ سے صرف یہ کہتا ہوں کہ اپنے خیالات اپنے پاس ہی رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ خیالات دوسروں کی گمراہی اور ٹھوکر کا موجب بنیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام دینا شروع کر دی۔ تو ان بدبختوں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں کو سکھایا کہ وہ آپ کی ہنسی اڑائیں تمام شہر کے اوباش آپ پر ٹوٹ پڑے۔ پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ آپ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ جب آپ زخموں سے نڈھال ہو کر بیٹھتے۔ تو شہر کے اوباش بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور جب چلتے تو پتھروں کی بارش برساتے آخر کار آپ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ یہ باغ ایک کافر عتبہ بن ربیعہ کا تھا۔ اس نے آپ کو اس خستگی کی حالت میں دیکھا اپنے غلام عداس نام کے ہاتھ ایک انگور کا خوشہ بھیجا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر انگور کی طرف ہاتھ بڑھایا غلام نے حیراں ہو کر دیکھا اور کہا یہ ایسا کلام ہے کہ جو یہاں کے لوگ بولا نہیں کرتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا مذہب کیا ہے غلام نے جواب دیا کہ میں نینوی کا باشندہ ہوں اور میرا مذہب عیسائیت ہے نبی کریم صلعم نے فرمایا کیا تم یونس بن متی کے شہر کے رہنے والے ہو۔ غلام نے کہا کہ آپ کو کیا خبر ہے کہ یونس کون تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا وہ میرا بھائی تھا۔ وہ بھی نبی تھا اور مجھے بھی خدا نے نبی بنا کر بھیجا ہے غلام سنتے ہی سرنگوں ہوا اور ہاتھ پاؤں چومنے شروع کر دیئے۔

دور سے آقا دیکھ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ غلام ہمارے ہاتھوں نکل گیا جب نوکر واپس لوٹا تو آقا نے کہا کہ تم اس شخص کے ہاتھ پاؤں کیوں چوم رہے تھے۔ نوکر نے آقا کو جواب دیا کہ اس شخص سے بہتر کوئی شخص بھی روئے زمین پر نہیں ہے۔

اس نوکر کو ڈانٹا اور کہا دیکھنا اپنے دین کو نہ چھوڑ دینا۔ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔

بے کسی کی دعا

جب اہل طائف کی یہ سنگ دلی اور سیاہ باطنی دیکھی تو آپؐ خدا کی طرف متوجہ ہوئے مگر اس حال میں بھی آپ کے اندر کوئی مایوسی پیدا نہ ہوئی تھی بلکہ خدا کی محبت سے دل معمور تھا۔ اس دعا کے الفاظ یہ ہیں۔

اللھم الیک اشکو ضعف قوتی و قلۃ حیلتی وھو الی علی الناس یا ارحم الرحمین. انت ارحم الرحمین

وانت رب المستضعفین الی من تکلنی الی عدو بعید یتجھمنی ام الی صدیق قریب ملکتہ امری ان لم تکن غضباناً علیّ فلا ابالی غیر ان عافیتک اوسع لی اعوذ بنور وجھک الذی اضاءت لہ السموات و اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والاخرۃ ان ینزل بی غضبک اویحل بی سخطک و لک العقبی حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا بک۔

اے میرے خدا اپنی کمزوری اور اپنی طاقت کی کمی اور لوگوں کی نظر میں ہیچ ہونے کی تیری طرف شکایت کرتا ہوں۔ اے رب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے تو ہی کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا رب ہے۔ تو کس کی طرف مجھے سپرد کرے گا۔ کسی اجنبی دشمن کی طرف جو مجھ سے ترش روئی کے ساتھ پیش آتا ہے یا قریب دوست کی طرف جس کے قبضہ میں تو نے میرا معاملہ دیا ہے۔ اگر تیری ناراضگی مجھ پر نہیں تو ان تمام باتوں کی مجھے کچھ پرواہ نہیں لیکن تیری حفاظت میرے لیے وسیع ہے میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کے ساتھ ساری تاریکیاں پاش پاش ہو کر روشن ہو جاتی ہیں جس سے دنیا اور آخرت کے امور درست ہوتے ہیں۔ ہاں اس بات سے میں تیرے منور چہرے کی پناہ میں آتا ہوں کہ مجھ پر تیری ناراضگی ہو۔ یا تیرا غصہ ہو۔ میں تیری رضا طلب کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور کوئی طاقت اور قوت نہیں مگر تیرے ساتھ۔[1]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپسی کے بعد چند روز نخلہ میں قیام کیا پھر کوہ حرا پر تشریف لے گئے۔ مطعم بن عدی کو کہلا بھیجا مطعم آیا اور آپ نے فرمایا کیا آپ مجھ کو اپنی حمایت میں لے سکتے ہو۔ مطعم نے منظور کر لیا۔ مطعم اونٹ پر سوار ہو کر حرم کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے محمد (صلعم) کو اپنی پناہ دی ہے۔ رسول کریم صلعم حرم میں آئے نماز ادا کی پھر واپس گھر گئے۔

مختلف قبائل میں تبلیغی دورے

مطعم بن عدی کی حمایت میں آنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فریضہ تبلیغ کو ادا کرنے میں اور زیادہ جوش و خروش سے کام لیا۔ جب حج کا موسم آیا تو مختلف قبائل مکہ کے آس پاس اترتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے۔ دعوت اسلام دیتے اس طرح آپ میلوں میں جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے۔ ان میلوں میں عکاظ مجنہ اور ذوالمجاز مشہور تھے۔ زہری نے لکھا ہے حسب ذیل قبائل کو دعوت اسلام دی۔ بنو عامر بنی فزارہ۔ محارب بن عصفہ۔ غسان۔ مرہ۔ حنیفہ۔ سلیم۔ عبس۔ بنی نصر۔ بنو البکاء۔ کلبؔ حارث بن کعب۔ عذرہ۔ حضارمہ مشہور قبائل ہیں۔ ان کے پاس گئے۔[2] اسلام کا دشمن ابولہب ہر وقت سائے کی طرح ساتھ رہتا جب آپ تقریر کرتے۔ تو ابولہب کہتا کہ ''یہ دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے'' اس کی باتیں نہ سنو۔[3]

قبیلہ بنو عامر بن صعصعہ کے پاس گئے سردار قبیلہ کا نام بحیرہ بن فراس تھا۔ آپ کی تقریر سن کر کہا اگر یہ شخص میرے ہاتھ میں آ جائے تو میں تمام عرب پر قبضہ کر لوں۔ پھر آپ سے پوچھا۔ اگر ہم تمہارا ساتھ دیں اور تم اپنے مخالفوں پر غالب آ جاؤ تو کیا تمھارے بعد ریاست ہم کو ملے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا یہ تو خدا کا اختیار ہے۔ جسے چاہے میرے بعد اسے مقرر کر دے بحیرہ بولا۔ خوب دشمنوں کا مقابلہ تو ہم کریں جب غلبہ حاصل ہو جائے تو حکومت غیروں کے ہاتھ آ جائے جاؤ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

---

1. سفر طائف کے واقع کی یہ تفصیلات زاد المعاد ۲/۴۶'۴۷ ابن ہشام ۱/۴۱۹ تا ۴۲۲۔ سیرۃ النبی ۱/۲۵۰'۲۵۱'۲۵۲ رحمۃ للعالمین ۱/۶۱-۶۲۔ حیات محمد ۲۴۳'۲۴۴ اور دیگر معروف کتب سے اخذ کی گئی ہیں۔
2. زرقانی جلد ۱ صفحہ ۳۷۲'۳۷۴' ابن سعد نے بھی ان سب قبائل کا ذکر کیا ہے۔ مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ ص ۱۴۹۔
3. مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۱۵

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس گئے۔ ان کا رئیس مفروق تھا۔ حضرت ابوبکر بھی ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکر نے مفروق سے کہا تم نے کسی نبی کا تذکرہ سنا ہے وہ یہی ہے مفروق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہوا اور کہا۔ تم کیا تبلیغ کرتے ہو۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ انعام کی آیات تلاوت کیں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَبَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذَالِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ. (الانعام ۶: ۱۵۲)

کہہ آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو تمھارے رب نے حرام کیا ہے تم پر واجب ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے قتل نہ کرو۔ ہم تم کو رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کی باتوں کے قریب مت جاؤ۔ جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو چھپی ہوئی ہوں اور اس جان کو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ قتل نہ کرو۔ مگر جن پر اس کا تم کو حکم دیتا ہے تا کہ تم عقل سے کام لو۔

مفروق اور دوسرے تمام لوگوں نے کلام کی تحسین کی اور کہا مدتوں کا خاندانی مذہب چھوڑ دینا زود اعتقادی ہے اس کے علاوہ کہا کہ ہم کسریٰ کے زیر اثر ہیں ہمارا اس سے معاہدہ ہے ہم اور کسی کے زیر اثر نہیں ہوں گے۔

قبیلہ بنوعبداللہ کے پاس گئے۔ انھیں فرمایا کہ آپ کے باپ کا نام عبداللہ تھا۔ تم بھی اسم بامسمیٰ بن جاؤ۔

بنو حنیفہ نے شدت سے انکار کیا۔

قبیلہ بنو کندہ میں تشریف لے گئے۔ ان کے سردار کا نام ملیح تھا۔

اسلام کی شعاعیں مکہ سے باہر اور کچھ سعید روحوں کا قبول اسلام

جس طرح اس موسم حج میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل اور وفود کے سامنے اسلام پیش کیا اسی طرح کئی افراد کے سامنے بھی اسلام پیش کیا اور کچھ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ چند کی مختصر روداد حسب ذیل ہے۔

سوید بن صامت

انہی ایام میں آپؐ سوید بن صامت سے ملے۔ جو شاعری اور شجاعت میں ممتاز تھا۔ اس وجہ سے اہل عرب اس کو ''کامل'' کہتے تھے۔ آپؐ نے اسے دعوت اسلام دی۔ سوید کے پاس امثال لقمان کا ایک نسخہ تھا۔ جس کو وہ صحیفہ آسمانی سمجھتا تھا۔ سوید نے کہا۔ شاید آپ کے پاس بھی وہی ہے جو میرے پاس ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ کے پاس کیا ہے اس نے جواب دیا حکمت لقمان۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیان کرو۔ سوید نے کچھ امثال لقمان پڑھ کر سنائیں۔ آپ نے فرمایا۔ میرے پاس اس سے بہتر چیز ہے۔ یہ کہہ کر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ سوید وجد میں آ گیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ مدینہ واپس آیا تو جنگ بعاث میں مارا گیا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ مرتے وقت اس کی زبان پر تکبیر جاری تھی۔[1]

ایاس بن معاذ

اوس اور خزرج کے معرکوں میں جب اوس کو شکست ہوئی۔ تو انس بن رافع، بنی عبدالاشہل کے چند نوجوانوں کے ساتھ خزرج قوم کی طرف سے قریش کے ساتھ معاہدہ کرنے آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وفد کے پاس گئے اور فرمایا کہ میرے پاس ایک ایسی چیز ہے اگر تم اس

[1] البدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۴۷۔ ابن ہشام ۱/۴۲۵۔۴۲۷۔ رحمۃ للعالمین ۱/۶۳۔ سیرت النبی ۱/۲۶۰۔۲۶۲۔ الرحیق المختوم مصنفہ صفی الرحمٰن مبارک پوری صفحہ اردو ایڈیشن ۱۸۹۔ تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی ۱/ ۱۲۵۔

کو مان جاؤ تو اس میں تمہاری بہبود ہے۔ وہ بولے وہ کیا ہے آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کی طرف سے مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور دعوت دیتا ہوں کہ خدا کی ہی عبادت کرو کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور مجھ پر اس کی وحی نازل ہوتی ہے پھر آپ نے ان کو اصول اسلام بتائے اور قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ ایاس بن معاذ بے اختیار بول اٹھے اے میری قوم جس مقصد کے لیے تم یہاں آئے ہو۔ یہ اس سے بہتر ہے انس بن رافع نے خاک کی مٹھی ایاس بن معاذ کے منہ پر پھینک ماری اور کہا بس چپ رہو۔ اس مقصد کے لیے ہم نہیں آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے۔

ایاس، رسول کریم صلعم کی ہجرت سے قبل انتقال کر گیا۔ کہتے ہیں کہ مرتے وقت ان کی زبان پر تسبیح و تحمید تہلیل و تکبیر جاری تھی۔ اس لیے لوگوں کو یقین ہے کہ ان کی وفات اسلام پر ہوئی۔[1]

طفیل بن عمرو دوسی کا قبول اسلام

طفیل بن عمرو دوسی مکہ میں آیا۔ نواحی یمن میں ان کے خاندان کی حکومت تھی۔ طفیل شاعر اور دانشمند آدمی تھا۔ اہل مکہ نے شہر سے باہر جا کر طفیل کا استقبال کیا اور کہا کہ ایک شخص ہم میں نکلا ہے۔ اسے سحر آتا ہے۔ جس کے ذریعہ باپ بیٹے زن وشوہر بھائی بھائی میں افتراق پیدا کر دیتا ہے۔ ہماری ساری جمعیت کو پریشان کر دیا ہے اس وجہ سے آپ کو ہماری طرف سے یہ نصیحت ہے کہ اس سے بچنا اس کے پاس نہ جانا اور نہ بات سننا۔

طفیل کا اپنا بیان ہے۔ انھوں نے اس طمع سازی سے یہ باتیں میرے ذہن میں بٹھا دیں۔ کہ جب میں کعبہ میں جانا چاہتا تو کانوں میں روئی ڈال لیتا تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کان میں نہ پڑ جائے ایک روز میں کعبہ میں گیا۔ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں محو تھے۔ چونکہ خدا کو یہی منظور تھا کہ ان کی آواز میرے کانوں تک پہنچے۔ اس وجہ سے میں نے سنا کہ ایک نہایت لطیف کلام پڑھ رہے ہیں۔ اس وقت میں نے اپنے آپ کو ملامت کی۔ کہ میں شاعر بھی ہوں صاحب علم بھی ہوں اچھے برے کی تمیز کر سکتا ہوں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ میں خود ان سے بات نہ کروں۔ تو جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر گھر کی طرف چلے تو طفیل کہتے ہیں کہ میں بھی ان کے پیچھے ہولیا۔ جب مکان پر حاضر ہوا۔ تو اپنا تمام واقعہ کہہ سنایا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اپنی بات سنائیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا ایک حصہ پڑھ کر سنایا تو بے ساختہ کہہ اٹھا بخدا میں نے کبھی بھی ایسا کلام نہیں سنا۔ جس میں اس قدر نیکی اور عدل کی تعلیم ہو۔ اس وقت اسلام میں داخل ہو گیا۔ قریش کو ایسے آدمی کا مسلمان ہو جانا بہت ہی ناگوار گزرا۔[2] جب طفیل واپس لوٹے تو انھوں نے اپنے والد اور بیوی کو دعوت دی وہ دونوں مسلمان ہو گئے لیکن قوم نے اسلام تاخیر سے قبول کیا۔ لیکن طفیل مسلسل اپنے قبیلہ کو تبلیغ کرتے رہے حتی کہ غزوہ خندق کے بعد جب انھوں نے ہجرت کی۔ تو ان کے ساتھ ان کی قوم کے ستر یا اسی خاندان تھے۔ حضرت طفیل نے اسلام میں بڑے کارنامے سرانجام دیئے یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔[3]

ضماد ازدی کا ایمان لانا

ضماد ازدی مکہ آیا عرب کا افسوں گر تھا اس نے سنا کہ محمدؐ پر جنات کا اثر ہے اس نے قریش سے کہا کہ میں جنتر منتر سے محمد کا علاج کر سکتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا محمد آؤ تمہارا منتر سے علاج کروں نبی کریم صلعم نے جواب دیا مجھ سے پہلے کچھ سن لیجئے۔ پھر نبی کریم نے سنایا۔

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھدان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ واشھدان محمدا عبدہ و رسولہ امابعدہ

---

[1] طبری ص ۲۳۴ ابن ہشام ۱/ ۴۲۷، ۴۲۸۔ سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۸ [2] زاد المعاد ۱/ ۴۹۳، ۴۹۴۔

[3] ابن ہشام ۱/ ۱۸۳، ۱۸۵، رحمۃ للعالمین ۱/ ۶۹ مختصر السیرہ للشیخ عبداللہ ص ۱۴۴۔ الرحیق المختوم صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳

سب تعریفیں اللہ کے ہی لیے ہیں ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اسی سے اعانت طلب کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے خدا رستہ نہ دکھائے اس کی کوئی راہبری نہیں کر سکتا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس کے بعد مدعا یہ ہے۔

ضماد نے جب یہ کلمات طیبات سنے۔ تو بے ساختہ بول اٹھا انہی کلمات کو پھر دہرایئے۔ اس طرح دو تین دفعہ یہ کلمات سنے پھر بے اختیار بول اٹھے۔ بہتیرے کاہن اور ساحر دیکھے ہیں شاعروں کا کلام سنا ہے لیکن ایسا کلام تو میں نے کسی سے نہیں سنا ہے یہ تو مطالب اور معانی کا اتھاہ سمندر ہے محمد اپنا دست مبارک بڑھایئے اور میری بیعت لیجیے۔[1]

ابو ذر غفاری کا قبول اسلام

ابو ذر غفاری کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم ہوا۔ تو انھوں نے اپنے بھائی انیس کو مکہ بھیجا کہ وہ مدعی نبوت سے مل کر آئے۔ انیس ایک مشہور فصیح شاعر تھا۔ وہ مکہ میں آیا نبی کریم صلعم سے ملا۔ پھر واپس لوٹ کر بھائی کو بتایا کہ محمدؐ ایک ایسا شخص ہے جو خیر کے کرنے اور شر سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے۔

ابو ذر بولے کہ اتنی بات تو قلب کو اطمینان نہیں بخشتی آخر وہ خود پیدل مکہ کی طرف چل دیئے۔ رسول کریم صلی اللہ کی شناخت نہ تھی کسی سے دریافت کرنا بھی پسند نہ کیا۔ چاہ زمزم کا پانی پی کر کعبہ میں لیٹ گئے حضرت علی مرتضیٰ تشریف لائے اور پاس کھڑے ہو کر کہا۔ یہ کوئی مسافر معلوم ہوتا ہے ابو ذر بولے ہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میرے ساتھ چلیں اور وہیں رات بسر کرنا۔ حضرت ابو ذر غفاری حضرت علیؓ کے ساتھ چل دیئے۔ انہی کے ہاں رات گزاری۔ اگلے دن پھر کعبہ میں تشریف لے آئے اور لیٹ گئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش تھی حضرت علی کعبہ آئے تو پھر اپنے مہمان کو وہیں لیٹا ہوا پایا اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنا ٹھکانہ نہیں ملا۔ ابو ذر بولے ہاں حضرت علی پھر اپنے ساتھ لے آئے۔ اب انھوں نے پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ کون ہو۔ ابو ذر نے کہا کہ اگر تم اس راز کو پردہ کتمان میں رکھو تو بتا دیتا ہوں۔ حضرت علی مرتضیٰ نے وعدہ کیا تو حضرت ابو ذر غفاریؓ نے کہا کہ میں نے سنا ہے اس شہر میں ایک شخص ہے جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا تھا لیکن وہ تسلی بخش بات لے کر نہیں گیا۔ اس لیے خود آیا ہوں۔

حضرت علی نے کہا تم خوب آئے ہو ابھی ان کی خدمت میں لے جاتا ہوں حضرت علی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں لے گئے تو ابو ذر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے متعلق دریافت کیا آپ نے اسلام کی بابت بیان فرمایا۔ حضرت ابو ذر اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو ذر ابھی تم اپنے ایمان کو چھپائے رکھو اور اپنے وطن لوٹ جاؤ۔ جب تمھیں ہمارے ظہور کا علم ہو تو تب آ جانا۔ حضرت ابو ذرؓ نے کہا۔ بخدا میں تو ان عدوان اسلام میں اپنے اسلام کا اعلان کر کے جاؤں گا۔ ابو ذر کعبہ میں آئے قریش جمع تھے۔ سب کو سنا کر کلمہ شہادت پڑھا۔ سب قریش حضرت ابو ذرؓ پر پل پڑے اور مارنا شروع کر دیا اتنے میں عباس آ گئے انھوں نے جھک کر دیکھا اور کہا کم بختو! یہ تو قبیلہ غفار کا آدمی ہے جہاں تم تجارت کرنے جاتے ہو اور کھجوریں لاتے ہو۔ لوگ ہٹ گئے اگلے دن پھر حرم میں آئے کلمہ شہادت پڑھا لوگوں نے مارنا شروع کر دیا اور عباس نے آ کر چھڑایا اور حضرت ابو ذر غفاری حلیہ ایمان سے آراستہ ہو کر واپس یثرب لوٹ گئے۔[2]

کچھ انصار[3] کے متعلق

انصار قبیلہ اوس اور خزرج سے تعلق رکھتے تھے یہ دو بھائی تھے۔ قحطان کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور یمن کے رہنے والے تھے۔ جب یمن میں مشہور سیل عرم آیا تو یہ لوگ یمن سے نکل کر یثرب میں آباد ہو گئے۔ اس وقت یثرب میں یہود با اثر اور صاحب اقتدار تھے۔ ان کے گھروں میں دولت کی بہتات تھی۔ آس پاس کے مقامات پر ان کا قبضہ تھا۔ ان کی بستیاں دور دور تک پھیل چکی تھیں ایک زمانہ تک اوس اور خزرج

---

1. مسلم۔ مشکوۃ المصابیح باب علامات النبوۃ ۲/۵۲۵۔ حجۃ اللہ البالغہ ص ۳۸۷۔
2. صحیح بخاری باب قصۃ زمزم ۱/۴۹۹، ۵۰۰ باب اسلام ابی ذر ۱/۵۴۴، ۵۴۵۔
3. انصار کے نسب اور یثرب میں آباد ہونے کی تفصیل وفاء الوفاء جلد اوّل صفحہ ۱۱۶ تا ۱۵۲ میں مذکور ہے۔

یہودیوں سے الگ تھلگ رہے۔ بالآخر ان کے حلیف ہو گئے اور آہستہ آہستہ صاحب اقتدار ہو گئے۔ یہود نے ان کے اقتدار کی وجہ سے معاہدہ توڑ لیا۔

یہودیوں کا رئیس فطیون بہت عیاش اور بدکار تھا۔ اس کا حکم تھا کہ ہر دوشیزہ دلہن بننے سے پہلے اس کے بستر عشرت پر آئے۔ مالک بن عجلان نے اپنی بہن کی غیرت وحمیت میں اس کو قتل کر دیا اور خود شام کی طرف بھاگ گیا وہاں غسانیوں کی حکومت تھی۔ ان کا حکمران ابو جبلہ تھا۔ مالک ابو جبلہ سے ملا۔ ایک سازش کر کے یہود کے روساء کو ایک دعوت میں بلا کر قتل کر دیا اس طرح یہود کی قوت ٹوٹ گئی اور انصار نے نئے سرے سے اقتدار حاصل کر لیا اور انھوں نے یثرب اور حوالی یثرب میں کثرت سے قلعے تعمیر کر لیے ایک مدت تک قبائل اوس وخزرج متحد رہے۔

جنگ بعاث

یہود کی سیسہ کاری اور عیاری کام آ گئی۔ اوس اور خزرج کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ایک دوسرے کے اتنے شدید مخالف تھے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ کا نام ونشان مٹانے پر تلا ہوا تھا ایک سے ایک حملہ پہلے سے بڑھ کر شدت میں ہوتا تھا۔
قبیلہ اوس کے ایک دستے پر ابو اسید بن حضیر کمان کر رہے تھے اوس کے قدم اکھڑ گئے اور نجد کی طرف بھاگے خزرج نے ان کا تعاقب کیا اسید بن حضیر سواری سے نیچے اتر آیا اور اپنا نیزہ اپنی ران میں گاڑ دیا اور کہا اب میں اس جگہ سے ہٹ نہیں سکتا یا تو مجھے خود قتل کر دو یا مجھے خزرج کے سپرد کر دو۔

اوس نے جب اپنے قائد کے یہ الفاظ سنے تو عزم وثبات اور استقلال کا جذبہ لے کر واپس لوٹے اور خزرج پر حملہ آور ہوئے اور ان کو مار بھگایا وہ بدحواسی میں یثرب کی طرف بھاگے۔ اسید نے اعلان کر دیا کہ خزرج کے باغات کو جلا دو۔ ان کے گھروں کو پیوند خاک کر دو۔ لیکن ابو قیس ابن الصلت نے کہا "یہ تمھارے بھائی ہیں۔ یہود سے بہتر ہیں" ان الفاظ نے اوس کی تلواروں کو میانوں میں لوٹا دیا۔
اس لڑائی کی وجہ سے یہود کی کھوئی ہوئی عظمت اور یثرب کی قیادت واپس لوٹ آئی دونوں قبیلوں نے اپنے ماضی پر نگاہ ڈالی تو شرمساری سے سر نیچے کر لیے اور پھر دونوں قبیلوں نے سر جوڑ کر ایک شخص کو اپنا سردار بنانے کا معاہدہ کر لیا۔ لیکن سیادت وقیادت کی زمام کسی اور ہی مقدس ہاتھوں میں آنے والی تھی۔ یہود یا اوس یا خزرج کسی کی قیادت کی گنجائش نہ تھی۔

یثرب (مدینہ) میں اشاعت اسلام

ایام حج میں جب آپ مختلف قبائل کو دعوت اسلام دیتے پھرتے تھے۔ تو آپ خزرج کے چند آدمیوں کے پاس آئے آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تم کون لوگ ہو۔ انھوں نے جواب دیا خزرج' آپ نے فرمایا یہودیوں کے حلیف انھوں نے کہا ہاں آپ نے ان سے کہا اگر بیٹھ جاؤ تو میں کچھ باتیں آپ لوگوں کو سناؤں وہ بیٹھ گئے آپ نے ان کو دعوت اسلام دی۔ اسلام کی تعلیم نے ان کے قلوب پر بہت اثر کیا انھوں نے یہودیوں سے سنا ہوا تھا کہ عنقریب ایک نبی آنے والا ہے اسلام کی تعلیم اور پیشگوئی سے ان کو یقین ہو گیا کہ یہ وہی نبی ہیں۔ جس کا ذکر یہودی کیا کرتے تھے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے ان کے اسماء حسب ذیل ہیں۔
۱۔ ابو الہیثم بن تیہان۔ ۲۔ ابو امامہ اسعد بن زرارہ۔ ۳۔ عوف بن حارث۔ ۴۔ رافع بن مالک بن عجلان۔ ۵۔ قطبہ بن عامر بن حدیدہ۔ ۶۔ جابر بن عبداللہ[1]۔ گیارہویں سال کا واقعہ ہے جب یہ لوگ یثرب پہنچے تو اسلام کا چرچا گھر گھر میں ہونے لگا۔ ہر ایک کی زبان پر رسول کریم کا نام تھا۔

حضرت عائشہؓ سے نکاح

اس سال شوال ۱۱ نبوت میں رسول کریم صلی اللہ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح فرمایا۔ پھر ہجرت کے پہلے سال شوال کے مہینہ میں مدینہ

[1] بعض مورخین نے ابو الہیثم بن تیہان کی جگہ عقبہ بن عامر کا نام لیا ہے اور جابر کی جگہ عبادہ بن صامت کا ذکر ہے۔ دوم یہ واقعات تمام تواریخ میں ملتے ہیں۔

میں رخصتی کی۔

معراج اور اسراء

اسراء کے معنی رات کو چلانے یا لے جانے کے ہیں۔ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزانہ سفر رات کو ہوا اس لیے اس کو اسراء کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے اسی لفظ سے اس کو تعبیر کیا ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً الخ

معراج ''عروج'' سے مشتق ہے۔ جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں چونکہ احادیث میں آپ سے عُرِجَ بِیْ مروی ہے۔ اس لیے اس کا نام معراج ہے۔

معراج نبوی کا وقت اور تاریخ اور تعدد وقوع میں اختلاف

اس بارہ میں اختلاف ہے کہ معراج کب اور کس تاریخ کو ہوئی۔ ایک دفعہ ہوئی یا کئی دفعہ جمہور علماء کی رائے کے موافق معراج صرف ایک ہی دفعہ ہوئی ہے۔[1]

بعض لوگ تعدد معراج کے قائل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روایتوں میں جزئیات معراج کے بارہ میں اختلاف ہے۔ اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے انھوں نے متعدد دفعہ معراج کا وقوع تسلیم کر لیا ہے۔

معراج کے وقت اور زمانہ تعین میں یہ دشواری ہے۔ یہ ہجرت کے پہلے کا واقعہ ہے جبکہ سن اور تاریخ کی تدوین نہیں ہوئی تھی۔ اس وجہ سے صحیح دن اور تاریخ کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ تاہم اتنی بات پر سب کا اتفاق ہے کہ آغاز وحی کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔

اگر متاخرین کے نقول قیاسات' استنباطات پر غور کر لیا جائے۔ تو ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ راجح پہلو کس طرف ہے۔

ابن سعد' موسیٰ بن عقبہ' زہری' عروہ بن زبیر' قتادہ' مقاتل' ابن جریج' ابراہیم بن اسحاق کے اقوال کے مطابق ہجرت سے ایک سال قبل معراج شریف ہوئی۔

مسلم بن قتیبہ کے نزدیک ہجرت سے ۱۸ ماہ پیشتر' سدی کے نزدیک ہجرت سے ۱۶ یا ۱۷ ماہ پیشتر معراج ہوئی۔

ابن اثیر نے ہجرت سے تین سال پہلے معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے۔

بعض اصحاب نے تین سال یا پانچ سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کیا ہے۔ اس کی بناء حضرت عائشہؓ کی حدیث قرار دی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے کہ حضرت خدیجہؓ نماز پنجگانہ کی فرضیت سے پہلے وفات پا چکی تھیں۔ نماز بالاتفاق معراج میں فرض ہوئی۔

پھر بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے ہجرت سے تین سال قبل وفات پائی۔ بعض دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے کہ ہجرت سے پانچ سال پہلے وفات ہوئی۔

ان روایات کو یکجا جمع کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے تین سال یا پانچ سال قبل ہوا ہے۔

ہمارے زمانہ کے مشہور مورخین قاضی محمد سلیمان صاحب سلیمان منصور پوری' علامہ شبلی نعمانی' محمد حسین ہیکل نے معراج کے وقوع کا تعین نبوت کا دسواں سال قرار دیا ہے۔

بعض مفسرین نے نبوت کا چوتھا یا پانچواں سال متعین کیا ہے اس کی بناء وہ سورۃ بنی اسرائیل کا زمانہ نزول قرار دیتے ہیں۔ جس میں معراج شریف کا واقعہ ہے اور یہ سورۃ نبوت کے چوتھے یا پانچویں سال میں نازل ہوئی۔

معراج کے متعلق امت میں دو گروہ

احادیث معراج کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریمؐ پہلے بیت المقدس تشریف لے جاتے ہیں۔ وہاں انبیاء علیہم السلام کی امامت کراتے ہیں۔

---

[1] علامہ زرقانی نے شرح مواہب جلد اول ص ۳۵۵ پر یہ تصریح کی ہے کہ یہی جمہور محدثین' متکلمین اور فقہاء کی رائے ہے اور روایات صحیحہ کا تواتر بھی بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے عدول نہیں کرنا چاہیے۔ ابن کثیر کا بھی یہی مذہب ہے۔

وہاں سے آسمانوں کی سیر کرائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ حضور ان تمام مقامات سے آگے نکل جاتے ہیں۔ جہاں انبیاء سابقین نہ پہنچ سکے تھے اور یہ بات بھی بالاتفاق ثابت ہے کہ پانچ نمازیں بھی معراج کی رات کو ہی فرض کی گئی تھیں۔

سب سے پہلے سوال یہ ہے کہ آیا معراج جسد عنصری کے ساتھ تھا۔ یا روحانی۔ اس بارہ میں امت کے دو گروہ ہیں۔ کثیر گروہ جسم عنصری کے ساتھ مانتا ہے۔ قلیل گروہ حضرت عائشہؓ۔ معاویہؓ۔ حسنؓ اسے رؤیا مانتے ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ معراج نبوی جسد عنصری کے ساتھ نہیں ہوا بلکہ نورانی جسم کے ساتھ ہوا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدوں کو عالم روحانی کی سیر کے لیے عطا کرتا ہے۔

قرآن مجید میں پہلی دلیل سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت ہے۔ "جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ" یہاں صاف الفاظ میں رویاء قرار دیا ہے اور رویاء کا لفظ عام خواب سے مخصوص ہے۔

دوم۔ جب کفار مکہ نے رسول کریمؐ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اس جسد عنصری کے ساتھ آسمان پر جائیں (اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ) تو آپ نے اس کا جواب دیا۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا

یعنی یہ تقاضائے بشریت کے خلاف ہے کہ انسان اس جسد عنصری سے زمین کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلا جائے۔

سوم۔ حدیث بخاری میں صاف یہ الفاظ ہیں۔

"فیما یری قلبه و تنام عینه ولا ینام قلبهٗ"

یعنی معراج اس حالت میں ہوا کہ آپ کا قلب دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں سو رہی تھیں اور دل نہیں سوتا تھا۔

اسی حدیث کے آخر میں ہے۔

استیقظ وهو فی المسجد الحرام. آپ جاگ اٹھے اور آپ مسجد حرام میں تھے۔

دوسری روایت بھی بخاری کی ہے جہاں معراج کی حالت کو بین النوم والیقظان یعنی حالت مکاشفہ کی بیان کیا ہے۔

چہارم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ معراج میں دیکھا تھا۔ وہ اس زمین پر بھی حالت کشف میں دیکھنا احادیث سے ثابت ہے۔

اوّل حدیث میں ہے کہ جب کفار کو اس بات کا یقین نہ ہوا تو انھوں نے بیت المقدس کے حالات دریافت کیے۔ تو رسول کریمؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو ان کے سامنے کر دیا اور جو کچھ دریافت کرتے تھے۔ آپ بیت المقدس کو دیکھ کر بیان کرتے جاتے تھے۔

دوم حدیث کسوف میں ذکر ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ مجھے یہاں سب کچھ دکھایا گیا ہے۔ یہاں تک کہ دوزخ اور جنت بھی۔

سوم۔ جس طرح معراج کی حدیث میں رویت باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث ہے۔ جس میں رسول کریمؐ فرماتے ہیں کہ آپ رات کو تہجد کے لیے اٹھے۔ نماز پڑھی۔ تب ناگہاں اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا۔

اسی طرح اور بھی بے شمار احادیث ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریمؐ نے کشفی حالت میں مردوں کی کیفیت بیان کی۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ ایک دن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبرستان سے گزر رہے تھے۔ فرمایا کہ ان دو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے یہ عذاب کسی کبیرہ گناہ کی پاداش میں نہیں ہے۔ ایک پیشاب کے چھینٹوں کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ دوسرا اس وجہ سے عذاب میں مبتلا ہے کہ وہ لوگوں کی چغلی کھایا کرتا تھا۔[1]

حضرت ابوایوب انصاری کی روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ دوپہر کو گھر سے نکلے تو آپ کے کانوں میں ایک آواز آئی۔ فرمایا کہ یہ یہود پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔[2]

1۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز۔

2۔ کتاب الجنائز۔

ایک جہاد میں مسلمانوں کی طرف سے ایک آدمی مارا گیا۔ صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ وہ شہید ہوا ہے۔ رسول کریمؐ نے فرمایا نہیں۔ میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے مال غنیمت میں سے ایک چادر چوری کی تھی۔[1]

احادیث میں ایسے امور کا ذکر ہے کہ جن کو عالم بیداری میں حضور کی روحانی آنکھ نے نورانی جسم کا لبادہ اوڑھ کر مشاہدہ کیا۔ ان ظاہری آنکھوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا۔ اگر ظاہری آنکھیں دیکھ سکتی ہوتیں۔ تو صحابہ کرامؓ بھی ساتھ ہوتے تھے۔ لیکن ان امور کو صحابہؓ کی آنکھیں دیکھ نہیں سکتی تھیں۔

معراج کی بھی یہی کیفیت ہے کہ اسوقت رویت وسماعت کے تمام دنیاوی قوانین منسوخ کر کے قیود زمانی ومکانی کی تمام فرضی بیڑیاں کاٹ کر رسول کریم صلی اللہ کی روح مقدس کو ایک ایسا نورانی جسم دیا گیا۔ جس کے ساتھ تمام روحانی مدارج طے کرتے ہوئے حریم خلوت گاہ قدس میں جا پہنچے اور قاب قوسین سے بھی نزدیک تر ہو گئے اور اسرار علوم حاصل کر کے واپس اسی دنیا میں آ گئے۔

فلسفہ معراج

اوّل۔ معراج میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات غیر متناہی کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ آپ اس مقام ارفع پر کھڑے ہیں۔ جہاں کسی انسان اور فرشتے کی رسائی نہیں۔

دوم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔

سوم۔ آنحضرت صلعم کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے جانے میں یہ اشارہ تھا کہ بیت المقدس کی خدمت گزاری مسلمانوں کے سپرد کی جائے گی اور انبیائے بنی اسرائیل کی برکات کا وارث رسول کریم کو کیا جائے گا۔

چہارم۔ اسراء سے ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ ہی وہ نبی موعود ہیں جس کی پہلے انبیاء علیہم السلام نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم کی اقتداء میں تمام انبیاء علیہم السلام کا نماز پڑھنا دکھایا گیا ہے۔

---

[1] کتاب الجنائز۔ [2] جامع ترمذی باب ماجاء فی الغائل۔

بیعت عقبہ اولیٰ

اگلے سال ۱۲ نبوت میں یثرب کے بارہ آدمی مکہ میں آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔ یہ بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ ان میں نو خزرج کے اور تین اوس کے تھے ان کے نام حسب روایت ابن سعد حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اسیدؓ بن حضیر۔ ۲۔ ابو الہیثم بن تیہان۔ ۳۔ سعد بن خثیمہ۔ ۴۔ اسعد بن زرارہ۔ ۵۔ اسعد بن الربیع۔ ۶۔ عبداللہ بن رواحہ۔ ۷۔ سعد بن عبادہ۔ ۸۔ منذر بن عمرو۔ ۹۔ براء بن معرور۔ ۱۰۔ عبداللہ بن عمرو۔ ۱۱۔ عبادہ بن الصامت۔ ۱۲۔ رافع بن مالک۔

شرائط بیعت

۱۔ ہم خدائے وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ ۲۔ چوری نہیں کریں گے۔ ۳۔ زنا نہیں کریں گے۔ ۴۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ ۵۔ کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے۔ کسی کی چغلی نہیں کریں گے۔ ۶۔ امر بالمعروف میں آپ کی نافرمانی نہیں کرے گے۔ جب انصار بیعت کر رہے تھے تو سعد بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا بھائیو! یہ بھی خبر ہے؟ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ عرب وعجم اور جن وانس سے اعلان جنگ ہے سب نے کہا ہم اس پر بیعت کر رہے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو مبایعین یثرب کی خواہش کے مطابق اسلامی احکام سکھانے کے لیے ان کے ساتھ بھیجا۔ وہ یثرب میں آ کر اسعد بن زرارہ کے مکان پر فروکش ہوئے۔ جو یثرب کے معزز رئیس تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ صبح باہر نکل جاتے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اس طرح دو تین آدمی ہر روز حلقہ اسلام میں داخل ہو جاتے۔ صرف خطمہ، وائل اور واقف کے چند گھرانے باقی رہ گئے تھے۔[1]

اُسید اور معاذ کا قبول اسلام

ایک دن مصعب بن عمیر، اسعد اور چند مسلمان بئر مرق پر جمع ہوئے کہ کسی طرح بنی عبدالاشہل اور بنوظفر میں تبلیغ کی جائے۔ حضرت مصعب نے اسعد کے ساتھ ان قبائل کا رخ کیا۔

سعد بن معاذ اور اسید بن حُضیر قبائل کے سردار تھے۔ سعد بن معاذ نے مصعب اور اسعد کو اپنے محلات کی طرف آتے ہوئے دیکھا اور اسید بن حضیر سے کہا۔ "تم کس غفلت میں ہو۔ دیکھو یہ لوگ ہمارے گھروں کی طرف آ رہے ہیں اور ہمارے بے وقوفوں کو بہکائیں گے۔ تم جاؤ اور ان کو ڈانٹ دے دو کہ وہ آئندہ ہمارے گھروں کی طرف نہ آیا کریں۔ میں خود اس وجہ سے نہیں جاتا کہ اسعد خالہ زاد بھائی ہے۔

اسید بن حُضیر ہتھیار باندھ کر ان کی طرف گیا اور جاتے ہی گالیاں دینی شروع کر دیں حضرت مصعب بن عمیر نے کہا۔ ہمارے پاس بیٹھیں اور باتیں سنیں اگر ہماری باتیں پسند ہوں۔ تو قبول کر لینا۔ ورنہ ترک کر دینا۔ اسید بن حُضیر بیٹھ گیا۔ حضرت مصعب نے انھیں سمجھایا کہ اسلام کیا ہے اور قرآن پڑھ کر سنایا اسید فوراً اسلام کی صداقت کا قائل ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا پھر کہا کہ میرے پیچھے ایک اور آدمی ہے۔ اگر وہ اسلام لے آیا تو تمہارا کوئی بھی مخالف نہ رہے گا۔ میں ابھی تمھارے پاس بھیجتا ہوں سعد بن معاذ منتظر بیٹھا تھا اور اسید بن حُضیر سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہوا ہے اسید نے کہا کہ میں نے ان کو سمجھایا ہے کہ وہ ہمارے گھروں کی طرف نہ آیا کریں لیکن وہاں ایک حادثہ پیش آ گیا تھا وہ یہ کہ وہاں بنو حارثہ آ گئے اور اسعد بن زرارہ کو اس وجہ سے قتل کرنے لگے کہ وہ آپ کا بھائی ہے یہ سن کر سعد بن معاذ فوراً ان کی طرف روانہ ہو گیا وہاں پہنچا تو دیکھا کہ اسعد اور مصعب نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے۔ سعد بن معاذ سمجھ گیا کہ مجھے ان کی باتیں سننے کے لیے بھیجا گیا ہے۔

---

1 ابن سعد نے طبقات اور اسی طرح تمام قدیم اور جدید مورخین نے یہی واقعات اپنی کتب میں درج کیے ہیں۔

غیظ و غضب کی آگ میں جل رہا تھا۔ بے تحاشہ برا بھلا کہنا شروع کر دیا مصعب نے کہا۔ سعد! ہمارے پاس بیٹھیں ہماری باتیں سنیں اگر پسند ہوں تو مان لینا اگر ناپسند ہوں۔ تو نہ قبول کرنا۔ سعد بیٹھ گیا تو حضرت مصعب نے اسلام کی حقیقت بیان کی۔ قرآن مجید پڑھ کر سنایا۔ سعد بن معاذ فوراً اسلام کی حقانیت کا قائل ہو گیا اور حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

آتے ہی اپنے قبیلہ کے لوگوں کو پکارا اور کہا اے بنی الاشہل! تمہارا میرے متعلق کیا گمان ہے انھوں نے کہا۔ تم ہمارے رئیس ہو صائب الرائے ہو۔ سعد بولا۔ میں کسی مرد اور عورت سے بولنا حرام سمجھتا ہوں جب تک کہ وہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے۔ تمام قبیلہ ایک ہی دن میں مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح عمرو بن الجموح جو قبیلہ بنی سلمہ کا سردار تھا۔ مسلمان ہو گیا مصعب کی کوشش سے اسلام کا چرچا انصار کے تمام قبائل میں پھیل گیا دوسرا سال آیا تو مصعب رجب کے مہینے میں مکہ تشریف لائے اور یثرب میں اسلام کے فروغ کے واقعات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائے۔ مصعب نے یہ بھی بتایا کہ مدینہ کے مسلمان جتھہ بند اور بہادر ہیں اور یہ خوشخبری بھی سنائی کہ اس سال وہاں سے بہت سے مسلمان حج میں حاضر ہوں گے۔[1]

بیعت عقبہ ثانی ۱۳ نبوت (۶۲۲ء)

نبوت کے تیرھویں سال (۶۲۲ء) حضرت مصعب کے ہمراہ تہتر مرد اور دو بیبیاں حج کے لیے مکہ آئے ان کو اہل یثرب کے اہل ایمان نے اس لیے بھی بھیجا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کے ان مسلمانوں سے خفیہ ملاقات میں یہ طے فرمایا۔ زیارت و حج کے بعد ایام تشریق میں عقبہ کے مقام پر ملاقات ہو گی سب لوگ آخر شب میں وہاں پہنچ جائیں۔ یثرب سے مسلمانوں کے ساتھ مشرکین بھی زیارت کعبہ کے لیے مکہ آئے تھے۔ ان سے یہ راز مخفی رکھا۔ یہاں تک کہ وقت مقررہ پر قافلہ میں سے ایک ایک مسلمان مقررہ مقام (عقبہ) پر پہنچ گیا۔ رسول کریمؐ بھی مقررہ وقت پر تشریف لائے۔ اس وقت عباسؓ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور اسلام نہیں لائے تھے۔[2] لیکن ہاشمی ہونے کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ کر رکھا تھا۔

فریقین (عباس اور انصار) کے درمیان گفتگو

جب فریقین (۱۔ رسول کریم صلعم اور عباس ۲۔ انصار) عقبہ پہنچ گئے تو دینی اور فوجی عہد و پیمان کو آخری شکل دینے کے لیے گفتگو کا آغاز ہوا۔ سب سے پہلے عباس نے آغاز کلام کیا اور انصار سے مخاطب ہو کر کہا "گروہ خزرج محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ سینہ سپر رہے ہیں۔ اب وہ تمھارے پاس جانا چاہتے ہیں۔ اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔ تمھیں معلوم ہے کہ قریش مکہ محمدؐ کے جانی دشمن ہیں اگر تم ان سے کوئی عہد و اقرار کرنے لگے ہو تو سمجھ لینا کہ یہ نازک اور مشکل ہے۔ محمدؐ سے عہد و پیمان کرنا سرخ و سیاہ لڑائیوں کو دعوت دینا ہے جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم لوگ اس بات پر بیعت کرو کہ اپنے اہل و عیال کی طرح میری حفاظت کرو گے" حضرت براء بن معرور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہم نے پشتہا پشت سے جنگ و جدل میں پرورش پائی ہے وہ اس قدر کہنے پائے تھے کہ ابوالہیثم نے ٹوک کر کہا۔ یا رسول اللہ! ہم میں اور یہود میں جو تعلقات ہیں وہ بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب آپ کو اقتدار حاصل ہو جائے اس وقت آپ ہم کو چھوڑ کر آ جائیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جہاں تمہارا خون گرے گا وہاں میرا خون بھی بہے گا میں تم میں سے ہوں اور تم میرے ہم قوم ہو۔ تم جس سے جنگ کرو گے میں تمھارے ساتھ شریک ہوں گا اور جس کے ساتھ تمھاری صلح ہو گی میں اس کا حلیف ہوں گا۔ اس گفتگو کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار میں بارہ نقیب مقرر فرمائے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

---

[1] طبقات ۱/۲۱۹۔ ابن ہشام ۱/۴۳۵۔ ۴۳۸۔ زاد المعاد ۲/۵۱۔ دیگر تمام قدیم اور جدید کتب میں ان واقعات کی تفصیلات ملتی ہیں۔

[2] طبری صفحہ ۲۴۴

خزرج کے نقباء

۱۔ اسعد بن زرارہ بن عدس۔ ۲۔ سعد بن ربیع بن عمرو۔ ۳۔ عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ۔ ۴۔ رافع بن مالک بن عجلان۔ ۵۔ براء بن معرور بن صخر۔ ۶۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام۔ ۷۔ عباد بن صامت بن قیس۔ ۸۔ سعد بن عبادہ بن ولیم۔ ۹۔ منذر بن عمرو بن خنیس۔

اوس کے نقباء

۱۔ اُسید بن حُضیر بن سماک۔ ۲۔ سعد بن خیثمہ بن حارث۔ ۳۔ رفاعہ بن عبدالمنذر بن زبیر[1]۔

عہد

نقیب مقرر فرما کر ان سے بیعت لی اور یہ عہد لیا۔ شرک' چوری' زنا' قتلِ اولاد اور بہتان طرازی کے مرتکب نہیں ہوں گے اور آپ جو اچھی بات کہیں گے اس پر عمل کریں گے۔

جب انصار بیعت کر رہے تھے تو اسعد بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا۔ بھائیو! یہ بھی خبر ہے کہ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یاد رکھو عرب و عجم سے اعلان جنگ ہے سب نے کہا ہاں ہم اس پر بیعت کر رہے ہیں۔

سعد بن عبادہ کی گرفتاری

صبح ہوتے ہی قریش کو اس بات کا علم ہو گیا۔ ان کی تلاش میں نکلے۔ لیکن قافلہ صبح ہی روانہ ہو چکا تھا۔ قریش نے سعد بن عبادہ اور منذر کو وہاں پایا۔

منذر تو وہاں سے بھاگ گیا۔ سعد بن عبادہ پکڑے گئے۔ ان کی مشکیں باندھ دیں اور مارنا شروع کر دیا۔ سعد بن عبادہ کا بیان ہے کہ جب قریش زد و کوب کر رہے تھے کہ سرخ و سفید شیریں شمائل شخص آتا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا اگر اس قوم میں کسی سے بھلائی کی امید ہو سکتی ہے تو یہی ہے لیکن وہ اتنا سنگ دل نکلا۔ اس نے زور سے میرے منہ پر طمانچہ دے مارا۔ میں نے خیال کیا اس قوم میں کوئی بھی آدمی نہیں۔ جس سے بھلائی کی امید کی جا سکتی ہے۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا اس نے ترس کھا کر کہا۔ کہ قریش کے کسی بھی شخص کے ساتھ حق ہمسائیگی حاصل نہیں' کسی سے عہد و پیمان نہیں میں نے جواب دیا۔ جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب بن امیہ۔ یہ دونوں تجارت کے لیے ہمارے ہاں جایا کرتے تھے میں نے کئی بار ان کی حفاظت کی ہے۔ سعد بن عبادہ نے کہا ان دونوں کا نام لے کر دہائی دو میں نے ایسا ہی کیا اور وہ شخص ان دونوں کے پاس بھی گیا اور جا کر کہا کہ یثرب کا ایک آدمی قریش کے ہاتھوں پٹ رہا ہے اور وہ تمھارے نام لے کر دہائی دے رہا ہے وہ دونوں اس جگہ پہنچے۔ تو دیکھا کہ سعد بن عبادہ کو مارا جا رہا ہے انھوں نے سعد بن عبادہ کو چھڑا دیا اور وہ سیدھے یثرب چلے گئے۔[2]

مستقبل کا نقشہ

مقام عقبہ میں انصار اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کا ایک ایک لفظ مستقبل کا نقشہ پیش کر رہا ہے کہ قریش نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدائی منصوبے کو ختم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی تکالیف کا تختہ مشق بنایا۔ مادی ترغیبات دیں۔ آپ کے اصحاب کو وہ تکالیف دیں۔ جو آج تک آسمان نے اس قسم کی تکالیف کا نظارہ نہیں کیا تھا۔ آخر کار بنو ہاشم اور آپ کے ساتھیوں کو ایک تنگ گھاٹی میں محصور کر دیا۔ ہر قسم کی اشیاء خوردنی گھاٹی کے اندر جانے سے روک دیں۔ بھوک سے بچے بلبلانے لگے۔ محصورین بھوک مٹانے کے لیے درختوں کی چھال اور پتے کھا کھا کر گزارہ کرتے۔ صحابہ کرام کے ساتھ کفار کی بے رحمی دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ زبیر حرف ب سے بعض نے ب کی جگہ نون کہا ہے یعنی زنیر۔ بعض مورخین نے رفاعہ کے بدلے ابو الہیثم بن تیہان کا نام لکھا ہے۔

۲۔ بیعت عقبہ ثانی کی تفصیلات تمام کتب قدیم و جدید (طبقات ابن سعد۔ سیرت ابن ہشام۔ زاد المعاد سیرت النبی۔ شبلی حیات محمد۔ الرحیق المختوم۔ انسان کامل (خالد علوی) رحمۃ للعالمین۔ سیرۃ الرسول (طاہر القادری) وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔

نے حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کو کہا۔ کوئی شخص اپنے گھر بار کو خوشی سے نہیں چھوڑتا۔ کوئی اپنے اعزہ و اقارب سے الگ نہیں ہوتا۔ انہی میں رہنا اس کے لیے باعث مسرت ہوتی ہے آخر کچھ صحابہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعب سے رہائی حاصل کرنے کے بعد اہل طائف کی طرف گئے شاید کوئی سعید روح حق و صداقت کو قبول کرلے۔ آخر لہو اور زخموں کا تحفہ لے کر واپس لوٹ آئے۔ ان تمام تاریک حالات میں بھی فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کے تحت شب و روز دعوت اسلام میں مصروف رہے اور اکا دُکا سعید روحیں صداقت کو قبول کرنے لگیں۔ انہی روحوں میں سے حضرت عمر اور حضرت حمزہ تھے لیکن مصائب کی تاریک آندھی نہیں ٹلی تھی بلکہ ہر روز مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ادھر بھی صبر و استقلال کا ایک عظیم پیکر تھا۔ جس کے پائے استقلال میں ذرا بھر بھی لغزش نہ آئی اور اپنی کامیابی و کامرانی پر کامل یقین رکھتا تھا۔ آخر کار کامیابی کا سورج یثرب سے طلوع ہوا۔ اہل یثرب نے دعوت اسلام کو قبول کیا۔ نہ صرف قبول کیا بلکہ رسولؐ کی حفاظت کے لیے اپنی جانوں کو قربان کرنے کا عہد بھی کیا مکی زندگی کے ان تیرہ سالوں کی تگ و دو کا یہ نتیجہ تھا۔ کفار کو اس معاہدہ میں اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ اگر اسلام اسی طرح پھیلتا چلا گیا۔ تو ممکن ہے مسلمان انتقام لینے کے لیے ان پر چڑھائی کر دیں اور بتوں کو ان کی نظروں کے سامنے گرا دیں۔ اہل مکہ اور شام کی درمیانی تجارتی شاہراہ کاٹ دیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بادشاہت سارے عرب پر مسلط ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے یہ معاہدہ اسلام کی ترقی کی اساس تھا۔ یثرب مدینۃ النبیؐ بننے والا تھا۔ اسلام کے سورج کی شعاعیں تمام اکناف عالم میں پھیلنے والی تھیں اور هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ (وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ تمام ادیان پر اس کو غالب کرے) کا نظارہ آنکھیں دیکھنے والی تھیں باطل مٹنے والا' حق چھانے والا تھا۔ آخر کار یہی ہوا۔ حق چھا گیا۔ باطل مٹ گیا۔

بیعت عقبہ کی اہمیت کے متعلق Tahia Al-Jamial اپنی کتاب "Life of Muhammad" میں لکھتا ہے۔

The oath of Al-Aqabe marked an opening for the new religion enabling it to grow unmolested in a city where people conld worship Allah in hope and freedom and with out fear. To worship openly all men, whether believer or not without being tortured, perseculed or molested had been the dream of muslims of Makka and after thirteen years of patient struggle. Allah made their dream a really.

''بیعت العقبہ نے نئے دین کی راہیں کھول دیں اور ایک ایسے شہر میں بے روک ٹوک دین کو فروغ پانے کا موقع دیا۔ جہاں لوگ امید اور آزادی کی فضا میں کسی خوف و خطر سے بے نیاز خدائے واحد کی عبادت کرسکیں مسلمانان مکہ کے لیے ظلم و ستم اور اذیت کا سامنا کیے بغیر مومن اور غیر مومن افراد کے سامنے کھلے عام عبادت کرنا ایک ایسا خواب تھا۔ جس کی تعبیر اللہ نے انھیں تیرہ سالہ پرعزیمت جدوجہد کے بعد حقیقت کی صورت میں دکھا دی۔[1]

---

[1] صفحہ ۸۷

ہجرت

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ ۹ : ۴۰)

اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو یقیناً اللہ اس کی مدد کی۔ جب اس کو ان لوگوں نے جو کافر تھے۔ نکال دیا اس حال میں کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا۔ جب وہ دونوں غار میں تھے۔ جب اس نے اپنے رفیق سے کہا کہ غمگین نہ ہو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

عقبہ ثانیہ کی بیعت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو یثرب جانے کی اجازت دے دی مسلمانوں نے اپنے گھر بار خویش واقارب بہن بھائی' زن وفرزند چھوڑ کر مدینہ جانا شروع کر دیا۔

ا۔ سب سے پہلے مہاجر حضرت ابوسلمہؓ [1] تھے۔ جب وہ ہجرت کرنے لگے تو اپنی زوجہ محترمہ ام سلمہ کو اونٹ پر بٹھایا۔ سلمہ اس وقت ام سلمہ کی گود میں تھا۔ جب اونٹ چل پڑا۔ تو بنومغیرہ نے آ کر گھیر لیا اور کہا تو جا سکتا ہے لیکن ہماری لڑکی کو لے جا نہیں سکتا۔ اتنے میں بنوعبدالاسد بھی آ گئے۔ انھوں نے کہا۔ تو ہمارے قبیلہ کے بچے کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ انھوں نے اونٹ کی مہار لے کر اونٹ بٹھا دیا بنوعبدالاسد تو ماں کی گود سے بچہ چھین کر لے گئے اور بنومغیرہ ام سلمہ کو لے کر چلے گئے ابوسلمہ اپنی زوجہ اور لخت جگر کو اللہ کے سپرد کر کے یثرب مدینہ کو روانہ ہو گئے۔

ام سلمہ ہر روز شام کے وقت اسی جگہ جہاں سے اس کا بچہ اور شوہر جدا ہوئے تھے۔ جاتی زار ونزار روتی دھوتی آخر ان کے عم زاد بھائی کو رحم آیا۔ اس نے دونوں قبیلوں سے کہا کہ ام سلمہ کو مع لخت جگر اس کے خاوند کے پاس جانے کی اجازت دے دی جائے آخر ام سلمہ اونٹ پر سوار ہو کر اکیلی مدینہ کو روانہ ہو گئی۔ [2]

صہیب رومی جب ہجرت کرنے لگے تو کفار نے آ گھیرا اور کہا کہ جب تم مکہ آئے تھے۔ تو تہی دست تھے۔ یہاں آ کر دولت کمائی ہے۔ اب تم دولت لے کر یہاں سے جانا چاہتے ہو۔ ایسا ہرگز نہ ہو گا۔

صہیب نے کہا اگر میں مال ومتاع تمھیں دے جاؤں تو پھر جانے کی اجازت ہے۔ قریش بولے ہاں۔

حضرت صہیب رومی تمام مال ومتاع اللہ کے حوالے کر کے یثرب روانہ ہو گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقع کا علم ہوا۔ تو فرمایا صہیب نے اس سودے میں نفع کمایا۔ [3]

حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ ہجرت کے وقت عیاش اور ہشام بن عاص بھی ان کے ساتھ مدینہ جانے کو تیار ہوئے تھے۔ عیاش تو روانگی کے وقت جائے معینہ پر پہنچ گئے تھے لیکن ہشام کو اہل مکہ نے گھیر لیا اور ان کو قید کر دیا۔

عیاش مدینہ جا پہنچے۔ تو ان کے پیچھے ابوجہل اور ان کے بھائی حرث بھی یثرب آن پہنچے۔ عیاش ان کے عم زاد بھائی تھے۔ تینوں کی ماں ایک ہی تھی۔ ابوجہل اور حرث نے عیاش سے کہا کہ تمہاری والدہ نے قسم کھالی ہے کہ عیاش کا منہ دیکھنے تک نہ سر میں کنگھی کروں گی اور نہ سایہ میں بیٹھوں گی۔ اس لیے ہمارے ساتھ چلیں اور ماں کی قسم پوری کر آئیں۔ حضرت عمرؓ نے عیاش سے کہا کہ مجھے ان کی گفتگو سے غداری اور فریب کی بو آتی ہے ان کے ساتھ نہ جائیں۔

---

[1] بقول ابن اسحاق بیعت عقبہ ثانیہ سے ایک سال پہلے ہجرت کی تھی۔

[2] سیرت ابن ہشام ص ۱۶۸ [3] سیرت ابن ہشام ص ۱۶۸

حضرت عیاش نے کہا کہ میں والدہ کی قسم پوری کر کے جلد واپس آ جاؤں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اگر جانا ہی ہے۔ تو میری ناقہ پر سوار ہو کر جایئے اگر کسی جگہ خطرہ محسوس کریں تو آپ اس ناقہ کی تیز روی کی وجہ سے ان کی گرفت سے بچ جائیں گے۔

عیاش نے ناقہ لی اور ابوجہل اور حرث کے ساتھ چل پڑے مکہ کے قریب پہنچ کر ابوجہل نے کہا۔ بھائی ہمارا اونٹ تو ناقہ کے ساتھ چلتا چلتا درماندہ ہو گیا ہے تم مجھے اپنے ساتھ سوار کر لو۔ عیاش بولا بہت اچھا۔ جب عیاش نے ناقہ بٹھائی تو دونوں بھائیوں نے عیاش کو اپنی گرفت میں لے لیا اور مشکیں باندھ کر مکہ لائے۔ اور کہا کہ ان احمقوں کو یوں سزا دی جاتی ہے آخر عیاش کو ہشام کے ساتھ قید کر دیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے تو حضور کی تمنا کو پورا کرنے کے لیے ولید بن مغیرہ مکہ آئے۔ رات کی تاریکی کے پردہ میں قید خانہ سے دونوں کو نکال کر لے گئے۔[1]

تمام صحابہ کرام ہجرت کر کے یثرب چلے گئے۔ مکہ میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت علیؓ رہ گئے۔ یہ واقعہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار پر روشنی ڈالتا ہے کہ عدوان اسلام غیظ وغضب کی آگ میں جل کر آپ کی جان کے درپے تھے۔ پھر بھی پہلے صحابہ کو مکہ سے جانے کو کہا۔ خود مکہ میں ہی قیام کیا۔ اگر آپ پہلے مکہ سے چلے جاتے تو کس نے اعتراض کرنا تھا۔ صحابہ تو اپنی جانیں نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے۔ پھر اسلام کی بقا بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر منحصر تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حفاظت کے لیے خدا پر بھروسہ تھا نہ کہ ظاہری اسباب پر۔ اگر آپ پہلے چلے جاتے۔ تو سنگ دل کفار مکہ صحابہ کرام کو ایک ایک کر کے قتل کر دیتے لیکن محسن عالم کے شفیق قلب نے ایسا نہ کیا کہ خود پہلے جائیں بلکہ صحابہ کرام کو مکہ سے جانے کی اجازت دے دی۔

دارالندوہ میں قتل کا مشورہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت

جب مکہ سے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور خود حکم الٰہی کے منتظر تھے مکہ کے باہر اطراف میں مسلمان ہو چکے تھے وہ جان نثاری کا ثبوت دے رہے تھے اور حضور سے درخواست کر رہے تھے کہ ان کے پاس آ جائیں چنانچہ قبیلہ دوس ایک محفوظ قلعہ کا مالک تھا۔ اس کے رئیس طفیل بن عمرو نے اپنا قلعہ پیش کیا لیکن آپ نے انکار فرمایا۔[2] اس طرح ہمدان کے ایک شخص نے یہی خواہش کی تھی۔ بعد کو اس نے کہا کہ وہ اپنے قبیلہ کو مطلع کر کے آئندہ سال آئے گا۔[3] لیکن خدا کی تقدیر یہ کام کر رہی تھی کہ یہ فضیلت اور شرف صرف انصار کو حاصل ہو چنانچہ ہجرت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رویاء دیکھا کہ دارالہجرت ایک پر باغ و بہار مقام ہے۔ خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہو گا لیکن وہ شہر مدینہ نکلا[4] نبوت کا تیرھواں سال تھا۔ صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ جا چکے تھے۔ پرامن فضا میں آزادی سے زندگی بسر کر رہے تھے اسلام کی نورانی شعاعیں اردگرد قبائل میں پھیل رہی تھیں اور اسلام زور پکڑتا جا رہا تھا۔ کفار کی نظروں کے سامنے تمام خدشات ایک ایک کر کے آنے لگے۔ اپنی ناکامیوں کی بھیانک جھلک دیکھنے لگے۔ اپنے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لیے دارالندوہ میں خفیہ اجلاس...ہوا۔[5] اور قریش کے مشہور قبائل کے حسب ذیل روساء موجود تھے۔

---

1. سیرت ابن ہشام جلد اول صفحہ ۱۶۷
2. صحیح مسلم جلد ا باب الدلیل علیٰ ان قاتل نفسہ لایکفر
3. مستدرک جلد ۲ صفحہ ۶۱۳ وزرقانی علی المواہب جلد اول صفحہ ۳۵۹
4. صحیح بخاری باب ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
5. قرآن مجید میں آتا ہے یکیدون کیداً واکید کیداً فمھل الکفرین امھلھم رویداً وہ تدبیریں کرتے ہیں اور میں (خدا) بھی تدبیر کرتا ہوں۔ اے نبی اب ان کو نرمی اور آہستگی سے چھوڑ دیجئے۔ اس آیت کی روشنی میں ان عدوان اسلام کے انجام کو دیکھئے کہ گیارہ سردار ایک ہی دن جنگ بدر میں قتل ہوئے اور تین ابوسفیان؛ جبیر بن مطعم اور حکیم بن حزام دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

۱۔	ابو جہل	قبیلہ بنو مخزوم سے
۲۔	جبیر بن مطعم۔ طعیمہ بن علوی اور حارث بن عامر	بنی نوفل بن عبد مناف سے
۳۔	شیبہ بن ربیعہ عتبہ بن ربیعہ اور ابوسفیان بن حرب	بنی عبد شمس بن عبد مناف سے
۴۔	نضر بن حارث	بنی عبد الدار سے
۵۔	ابوالبختری بن ہشام۔ زمعہ بن الاسود اور حکیم بن حزام	بنی اسد بن عبدالعزی سے
۶۔	نبیہ بن حجاج اور منبہ بن حجاج	بنی سہم سے
۷۔	امیہ بن خلف	بنی جمح سے

دارالندوہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی قرارداد پر اتفاق

دارالندوہ میں اجلاس شروع ہوا ہر سردار نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ایک بولا اسے پکڑ کر گلے میں طوق و زنجیر ڈال کر ایک تاریک کمرہ میں قید کر دو۔ سابقہ شعراء عرب زبیر اور نابغہ کی طرح قید خانہ کی صعوبت سے گھبرا کر دم دے دے گا۔ نجدی بڈھا بولا۔ یہ ٹھیک نہیں محمدؐ کے قید ہونے کی خبر باہر نکل جائے گی مسلمان اسے چھڑا کر لے جائیں گے اور طاقت پکڑ کر تمہیں تباہ و برباد کر دیں گے۔ تیسرا بولا۔ جلا وطن کر دینا ہی کافی ہے۔

پھر نجدی اٹھا اور کہا۔ یہ تدبیر بھی ٹھیک نہیں کیا تم نے محمدؐ کی دلآویز اور دلکش گفتگو نہیں سنی۔ جس سے بھی وہ کلام کرتا ہے۔ وہ آدمی اس کا ہو جاتا ہے جہاں بھی جائے گا۔ وہاں کے لوگ اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ بالآخر اپنے نبی کا بدلہ تم سے لے لیں گے۔ آخر میں ابو جہل اٹھا اور اس نے روساء سے مخاطب ہو کر کہا کہ بہتر رائے یہ ہے کہ عرب کے ہر ایک مشہور قبیلہ سے ایک ایک جوانمرد لیا جائے اور وہ سب رات کی تاریکی میں محمدؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیں جب وہ علی الصبح نماز کے لیے باہر نکلے۔ تو سب اس پر حملہ آور ہو کر قتل کر دیں۔ اس صورت میں خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا۔ اکیلے آل ہاشم تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ آخر کار تمام روساء اس تدبیر پر متفق ہو گئے۔

واقعات ہجرت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے دو تین دن پہلے دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر گئے۔ دستک دی۔ اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ سے فرمایا کچھ مشورہ کرنا ہے سب کو ہٹا دو۔ فرمایا یہاں آپ کی حرم کے سوا اور کوئی نہیں (اس وقت حضرت عائشہ کا نکاح آپ سے ہو چکا تھا) آپ نے فرمایا مجھ کو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے۔ حضرت ابوبکر بولے۔ فدا ابی امی مجھ کو بھی مصاحبت کا شرف حاصل ہوگا۔ ارشاد ہوا۔ ہاں حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے لیے چار مہینہ سے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ ہجرت کا پروگرام طے کر کے رسول کریم صلعم گھر تشریف لائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گو قریش کی عداوت تھی۔ لیکن امین جان کر آپ کے پاس ہی امانتیں رکھواتے تھے۔ ہجرت کے وقت قریش کی کچھ امانتیں آپ کے پاس تھیں ان کی واپسی کا بندوبست کرنا تھا۔ آپ کو قریش کے ارادہ کی اطلاع ہو چکی تھی حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا مجھے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا تم میرے بستر پر چادر اوڑھ کر سو رہو۔ صبح کو سب امانتیں امانت والوں کو واپس کر دینا۔ یہ سخت خطرہ کا موقعہ تھا۔ آپ کے بستر پر سونا اپنی جان جوکھوں میں ڈالنا تھا۔ آپ کا بستر آرام گاہ نہیں تھی بلکہ قتل گاہ تھی لیکن جری قلب انسان تلواروں کے سائے میں بستر رسول پر سو گئے جھٹ پٹے میں کفار کے مقرر کردہ نوجوانوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ (کسی کے گھر میں گھسنا عرب کے دستور کے خلاف تھا۔) جونہی تہائی رات گزری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کی تاریکی میں قریش کے نوجوانوں کے حصار کو چیرتے ہوئے اور ان کی قوت بصارت پر اونگھ کی چادر ڈالتے ہوئے قادر وتوانا خدا کی حفاظت میں گھر سے نکلے اور کعبہ پر نظر دوڑائی اور فرمایا۔ ''مکہ تو مجھ کو دنیا سے عزیز تر ہے۔ لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے۔'' سید الکونین حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لائے۔ جو پہلے سے ہی چشم براہ تھے اور ہجرت کا پورا سامان تیار کیا ہوا تھا۔ دو تیز رو اونٹنیاں کھڑی تھیں۔ راستہ کی راہنمائی کرنے والا مقرر کیا جا چکا تھا۔ خدائی تدبیر کا انسانی تدبیر پر غلبہ کا وقت آن پہنچا تھا۔ نصرت وحفاظت رسول کا خدائی وعدہ پورا ہونے والا تھا۔ ذیل کی آیت کریمہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (الانفال ۸:۳۰) اور جب وہ جو کافر ہوئے تیرے متعلق تدبیریں کرتے تھے تاکہ تجھے قید کریں یا تجھے قتل کریں یا تجھے نکال دیں اور وہ تدبیریں کرتے تھے اللہ بھی تدبیر کرتا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو شرف مصاحبت بخشا۔ تھوڑا سا زاد راہ لے کر عقبی دروازہ سے نکل کر شہر کی جنوبی سمت پر چل پڑے یمن کی جہت پر کوہ ثور ہے۔ اس کی چڑھائی مشکل تھی۔ راستہ سنگلاخ تھا۔ چلنے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کندھوں پر اٹھا لیا۔ ایک غار میں پہنچے حضرت ابوبکر پہلے غار کے اندر داخل ہوئے غار کو صاف کیا پھر عرض کیا کہ حضور اندر تشریف لے آئیں۔

صبح ہوئی۔ حضرت علیؓ بستر سے اٹھے پہرہ داروں نے دیکھا کہ سویا ہوا تو علیؓ ہے۔ انھوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ محمدؐ کہاں ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کیا میں پہرہ دے رہا تھا؟ تم لوگوں نے انھیں نکل جانے دیا اور وہ نکل گئے۔ نوجوان غصہ میں حضرت علیؓ پر ٹوٹ پڑے اور ان کو زد وکوب کیا۔ خانہ کعبہ تک پکڑ لائے اور قید میں ڈال دیا آخر چھوڑ دیا۔[1]

پھر وہ ابوبکر کے گھر آئے دستک دی حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اسماء باہر نکلی ابوجہل نے پوچھا لڑکی تیرا والد کہاں ہے۔ وہ بولی مجھے علم نہیں قسی القلب ابوجہل نے ایسا طمانچہ مارا کہ اسماء کے کان کی بالی نیچے گر گئی۔[2]

[1] طبری ۲۴۵/ بن ہشام ۴۸/۱ [2] طبری ۲۴۷

راز داران ثور

یہ راز حضرت ابوبکرؓ کے اہل بیت عبداللہؓ حضرت عائشہ اور حضرت اسماء اور ایک غلام عامر بن فہیرہ تک محدود تھا۔ عبداللہ بن ابی بکر نوخیز نوجوان تھے۔ رات کو غار ثور میں چلے جاتے اور وہیں سوتے علی الصبح شہر چلے آتے قریش کے مشوروں کا پتہ لگاتے۔ شام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیتے۔ غلام عامر بن فہیرہ جو حضرت عائشہ کے بھائی کا غلام تھا۔ جس کے پاس حضرت ابوبکرؓ کا ریوڑ تھا۔ رات گئے وہاں بکریاں چرا کر جاتا نبی کریم ﷺ دودھ بقدر ضرورت لے لیتے پھر وہ ریوڑ سے آنے والوں کے نقش قدم تمام راستے سے مٹا دیتا بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ روزانہ حضرت اسماء گھر سے کھانا تیار کر کے غار میں پہنچا آتیں اس طرح تین راتیں بسر کیں۔[1]

تعاقب اور کفار کی ناکامی

کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور کے منہ تک پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کے پاؤں کی آہٹ سنی۔ آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر دیکھا تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کے چہرے سے خوف کے نشان دیکھ کر فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس انتہائی بے بسی و بے کسی کے وقت جب دنیا میں نہ کوئی یار و مددگار ہے نہ کوئی جائے مفر۔ غار میں چھپے ہوئے ہیں دشمن غار کے منہ پر کھڑا ہے اپنی سلامتی اور حفاظت کے متعلق کس اعتماد سے کہہ رہے ہیں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے ہمیں کوئی انسانی ہاتھ پکڑ نہیں سکتا نہ مار سکتا ہے۔ یہ آپؐ کے اندر کی آواز نہ تھی بلکہ خدائے عالم الغیب قادر و توانا کی آواز تھی۔ وہ جانتا تھا کہ دشمن سر پر بھی پہنچ جائے۔ تب بھی وہ اپنے ارادوں اور تدابیر میں ناکام و نامراد رہے گا۔[2]

غار سے روانگی

چوتھی رات کو دو اونٹنیاں آئیں جن کو حضرت ابوبکرؓ نے پہلے ہی سے اس کام کے لیے تیار رکھا ہوا تھا۔ ایک پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ سوار ہو گئے اور دوسری پر عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط (یہ ایک کافر تھا راہنمائی کے لیے اجرت پر مقرر کیا گیا تھا) سوار ہوئے۔ عام شاہراہ سے ہٹ کر اس غیر معروف راستہ پر پڑ گئے۔ جس سے ان کا رہبر دشت عبداللہ بن اریقط باخبر تھا۔ مکہ سے جنوبی سمت نشیب کی طرف سے ہوتے ہوئے وادی تہامہ کی جانب ہو کر پھر بحر احمر کے ساحل کے قریب سفر اختیار کیا ایک رات دن برابر چلتے رہے دوسرے دن دوپہر کے وقت سخت تمازت ہو گئی۔ حضرت ابوبکرؓ سواری سے نیچے اترے ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں سایہ دار جگہ مل جائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرمالیں۔ ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا وہاں گئے۔ زمین صاف کی۔ پھر اپنی چادر بچھا دی اور رسول کریم ﷺ کو آرام فرمانے کے لیے کہا پھر تلاش میں نکلے کہ کہیں کھانے کے لیے کچھ مل جائے۔ ایک ریوڑ نظر آیا۔ چرواہے کے پاس گئے۔ اس سے کہا کہ ایک بکری کا تھن گرد و غبار سے صاف کر کے دودھ دوھ دے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پہلے اس کے ہاتھ صاف کرائے۔ اس نے دودھ دوہا۔ برتن کے منہ پر کپڑا ڈال کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے پی کر فرمایا کہ "کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا" آفتاب ڈھل چکا ہے۔ اس لیے روانگی اختیار کرنی چاہیے۔

---

[1] پوری تفصیل بخاری باب الہجرۃ میں ہے۔

[2] قدیم تواریخ مواہب لدنیہ اور زرقانی میں ببول کے درخت کے اگنے پھر اس کی شاخوں میں کبوتروں کا انڈے دینے کا ذکر آتا ہے۔ یہ تمام روایات ائمہ فن رجال نے غلط قرار دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں اپنی نصرت و حفاظت کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (توبہ ۹:۴۰) اس (آنحضرت ﷺ) کو ایسے لشکروں (فرشتوں) سے قوت دی۔ جن کو تم نہ دیکھتے تھے اور ان لوگوں کی بات کو جو کافر تھے۔ نیچا دکھایا اور اللہ کی بات ہی بلند ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں کے (قتل کرنے سے) محفوظ رکھے گا۔

سراقہ کا تعاقب

قریش نے اشتہار دے دیا تھا کہ جو شخص محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر لائے گا اس کو سو اونٹ بطور انعام دیئے جائیں گے۔

مکہ میں کسی راہرو نے قریش کو خبر دی کہ ابھی ابھی میں نے فلاں راستہ پر اس قسم کے سوار دیکھے ہیں ہو نہ ہو کہ وہ آپ کا شکار ہوں۔ اس وقت سراقہ بن جعشم بھی بیٹھا ہوا تھا اس کے حریص دل میں گراں بہا سو اونٹوں کے انعام نے جوش مارا اور اس کی نیت بدل گئی دوسروں سے کہا کہ میں ابھی ابھی اس راستہ سے آیا ہوں۔ وہ فلاں قبیلہ کے راہ گزر ہیں۔ کچھ عرصہ وہیں بیٹھا گفتگو میں مصروف رہا۔ پھر اٹھا گھر آیا اپنا باد رفتار گھوڑا لیا اور اس راستہ پر ڈال دیا۔ جس طرف کا نشان اس مسافر نے بتایا تھا۔

سید الکونین اور حضرت ابوبکرؓ سفر کی تیاری کر ہی رہے تھے۔ سراقہ نے آپ کو دیکھ لیا۔ گھوڑے کو تیز کیا اور قریب آ گیا لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی وہ زمین پر گر پڑا۔ ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیے یا کہ نہیں جواب میں ''نہیں'' نکلا۔ لیکن سراقہ کے حریص دل پر سو اونٹوں کا گراں بہا انعام مسلط تھا۔ وہ پھر گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑے کو اسی طرف مہمیز لگائی اور قریب پہنچا۔ اس دفعہ بھی گھوڑے نے ٹھوکر کھائی سراقہ اس کی پشت سے گر کر زمین پر اوندھا گر پڑا۔ اس حالت میں سراقہ کو اس کے اسلحہ سے بھی تکلیف پہنچی۔ پھر فال کا تیر نکالا۔ پھر وہی تیر نکلا۔

سراقہ کی طرف سے طلب امان

اس کے بعد سراقہ نے امان کے ساتھ انھیں پکارا تو وہ لوگ ٹھہر گئے اور آواز دی ''صاحب! میں سراقہ بن جعشم ہوں۔ مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت دیجئے۔ بخدا! میں آپ کو کسی فریب میں نہیں ڈالنا چاہتا اور نہ گزند پہنچانا مقصود ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی اور قریش کے اشتہار کی خبر دی اور درخواست کی کہ مجھ کو امان کا وثیقہ لکھ دیجئے چنانچہ ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر وثیقہ امن تحریر کرایا (بخاری کتاب الفضائل باب الہجرۃ ۴/۲۵۷) جب سراقہ جانے لگا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کشفی حالت میں خدا سے علم حاصل کر کے بتایا سراقہ! اس وقت تیری کیا حالت ہوگی۔ جب تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے شاہی کنگن پہنائے جائیں گے۔ سراقہ جنگ احد کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مدائن فتح ہوا۔ تو کسریٰ کا تاج اور زیورات فاروق اعظمؓ کے سامنے رکھے گئے۔ تو کنگن دیکھتے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ذہن میں آ گئی۔ فوراً سراقہ کو بلایا۔ اس کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنائے اور بے ساختہ زبان سے نکل گیا۔ اللہ اکبر! اللہ کی بڑی شان ہے جس نے کسریٰ کے کنگن سراقہ اعرابی کے ہاتھوں میں پہنائے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے باصفا اور باوفا ساتھی کے ساتھ غیر معروف راستہ پر لگاتار سات دن دھوپ کی جھلسا دینے والی تمازت میں چلتے رہے۔ ابن سعد نے طبقات میں اس سفر کی تمام منازل گنائی ہیں اگرچہ عرب کے نقشوں میں ان کا نشان نہیں ملتا۔[1]

حسن اتفاق یہ ہے کہ حضرت زبیر شام سے تجارت کا سامان لے کر آ رہے تھے۔ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بیش قیمت کپڑے پیش کیے۔ جو اس بے سروسامانی میں نعمت تھے۔[2]

بریدہ اور ۷۰ اشخاص کا قبول اسلام

اثنائے راہ میں بُریدہ اَسلمی ملا۔ یہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ قریش نے آنحضرتؐ کی گرفتاری پر ایک سو اونٹ کا انعام مشتہر کیا تھا اور

---

[1] ان منازل کے نام یہ ہیں۔ خرار۔ ثنیۃ المرہ۔ لقف۔ مدلجہ۔ مرجح۔ حدائد۔ اذاخر۔ رابغ۔ (یہ مقام آج بھی حجاج کے راستہ میں آتا ہے یہاں آپ نے مغرب کی نماز پڑھی) ذاسلم۔ عثانیہ۔ قاحہ۔ عرج۔ جدوات۔ رکوبتہ۔ عقیق۔ جنجاشہ۔ (ابن ہشام نے جلد ۱۱/۴۹۱،۴۹۲ پر منازل کی تفصیلات درج کی ہیں۔ قاری سیرۃ النبی (شبلی) ۱/۲۷۴) الرحیق المختوم صفحہ ۲۳۳ پر تفصیلات ملاحظہ کریں۔

[2] سیرۃ النبی ۱/۲۷۴۔ بخاری ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بُریدہ اسی انعام کے لالچ سے آنحضرتؐ کی تلاش میں نکلا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہوا اور حضورؐ سے ہم کلام ہونے کا موقع بھی ملا۔ تو بُریدہ ستر آدمیوں سمیت مسلمان ہوگیا۔ اپنی پگڑی اتار کر نیزہ پر باندھ لی۔ جس کا سفید پھریرا ہوا میں لہراتا اور بشارت سناتا تھا کہ امن کا بادشاہ، صلح کا حامی، دنیا کو عدالت و انصاف سے بھرپور کرنے والا تشریف لا رہا ہے۔[1]

مسلمانانِ مدینہ کا انتظار

مکہ سے روانگی کی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی۔ تمام مسلمان رسول خداؐ اور ان کے رفیق سفر کے انتظار میں چشم براہ تھے۔ ایک ایک مسلمان آپؐ کی زیارت اور گفتگو کے شوق میں جدائی کی گھڑیاں گن گن کر گزار رہا تھا جن مسلمانوں کو آپ کی زیارت ابھی تک نصیب نہیں ہوئی تھی۔ صرف تبلیغ کے ذریعہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ وہ تو بحرِ محبت کی گہرائیوں میں غرق ہوئے جاتے تھے۔ اضطرابی اور بے چینی سے نیندیں حرام ہوئی جاتی تھیں۔ کمسن اور معصوم بچے فرطِ شوق سے کہتے پھرتے تھے ''پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آ رہے ہیں'' لوگ ہر روز مدینہ کے باہر چلے جاتے تھے۔ تمام دن انتظار کر کے واپس لوٹ آتے۔ ایک دن حسب معمول انتظار کر کے واپس لوٹے۔ تو ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا اور قرائن سے پہچان کر آواز بلند سے کہا۔ اہل عرب جس شخص کا تم انتظار کرتے تھے۔ وہ آ گیا۔ یہ سنتے ہی تمام شہر تکبیروں سے گونج اٹھا اور انصار والہانہ محبت میں گھروں سے باہر نکل آئے۔

قباء میں ورود اور مسجد کی تاسیس

مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے اس کو عالیہ یا قباء کہتے ہیں۔ وہاں چند انصاری خاندان آباد تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۸[2] ربیع الاول ۱۳ نبوت روز دوشنبہ[3] (۲۳ ستمبر ۶۲۲ء) قباء میں پہنچ گئے وہاں چند انصاری خاندان آباد تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پہنچ کر کلثوم بن الہدم کو شرف میزبانی بخشا۔ انصار ہر طرف سے جوق در جوق آتے اور جوشِ عقیدت سے سلام عرض کرتے۔[4] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبا میں چودہ دن قیام کیا۔[5] یہی قرین قیاس ہے۔ سب سے پہلا کام جو آپ نے سرانجام دیا وہ عبادت الٰہی کے لیے مسجد کی تعمیر تھی۔ خود بھی صحابہ کے ساتھ کام کرتے پتھر اٹھاتے۔ تو جسم زخمی ہو جاتا تو عقیدت مند آتے اور کہتے فداک ابی و امی آپ چھوڑ دیں ہم خود اٹھالیں گے۔

عبداللہ بن رواحہ بھی شاعر تھے وہ بھی مسجد کی تعمیر میں ہاتھ سے کام کرنے والوں میں سے تھے اور وہ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

افلح من یعالج المساجدا
و یقرء القران قائما و قاعدا
ولا یبیت اللیل عنہ راقدا

وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے ہیں۔[6]

یہی وہ مسجد ہے۔ جس کا قرآن میں ذکر ہے ارشاد الٰہی ہے۔ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (توبہ: ۱۰۸) وہ مسجد ہے جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزگی کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور اللہ صاف اور پاک رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

---

1. رحمۃ للعالمین ۱/۸۵ 2. سرور المحزون شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ 3. صحیح۔
4. بخاری ۴/۲۵۷ 5. تفسیر علامہ ابی السعود صفحہ ۱۵۲ جلد ۸ پر تین روز قیام تحریر کیا ہے اور بخاری میں بضع عشر لیلۃ لکھا ہے۔
6. اس مسجد کی تعمیر کی تفصیل وفاء الوفاء میں ہے۔

حضرت علیؓ کی تشریف آوری

مکہ میں تین دن قیام کر کے حضرت علیؓ لوگوں کو ان کی امانتیں سپرد کر کے پیدل عازم مدینہ ہوئے۔ یہ سفر دو ہفتوں میں طے کیا اور قبا میں رسول کریم صلعم سے آ ملے اور کلثوم بن الہدم کے یہاں قیام فرمایا۔[1]

یثرب میں تشریف آوری

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تعمیر کرنے کے بعد مدینہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں بنی سلم کا محلہ پڑتا تھا۔ وہاں جمعہ کی پہلی نماز ادا کی۔ زیارت اور استقبال کے لیے سارا مدینہ اُمڈ آیا قباء سے مدینہ تک دو رویہ انصار کی صفیں تھیں ہر قبیلہ عقیدت سے حاضر خدمت ہوتا اور عرض کرتا حضور یہ گھر ہے۔ یہ مال ہے یہ جان ہے۔ حضورؐ دعا خیر دیتے اور آگے بڑھتے جاتے شہر قریب آ گیا۔ مکانوں کی چھتوں پر پردہ نشین عورتیں خوشی کے عالم میں دف بجا بجا کر یہ پڑھتیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا　　مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا　　مَادَعَى لِلّٰهِ دَاعِيَ

چاند نکل آیا ہے کوہ وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔

معصوم لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں۔

نَحْنُ جَوَارٌ بَنِي النَّجَّارِ　　يا حبذَا مُحَمَّداً مِنْ جَارِ

ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کیا اچھا ہمسایہ ہے۔

آپ نے بچیوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا ''کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟ بولیں ہاں فرمایا کہ ''میں بھی تم کو چاہتا ہوں۔''

جب کوکبہ نبوی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر کے پاس پہنچا۔ تو ہر ایک عقیدت مند نے میزبانی پیش کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پہلو میں ایک مادر مہربان سے زیادہ شفیق قلب رکھتے تھے وہ کسی کی پیش کش کو ٹھکرا کر رنجیدہ خاطر بنانا نہیں چاہتے تھے آپ نے فرمایا کہ میری ناقہ کو چھوڑ دو۔ وہ خدا کی طرف سے مامور ہے جہاں بیٹھ جائے گی وہی میری قیام گاہ ہو گی۔ آخر یہ انمول اور گراں بہا نعمت حضرت ابو ایوب انصاری کے حصہ میں آئی۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سات ماہ تک حضرت ابو ایوب کے ہاں ہی مقیم رہے اسی وقت سے سن ہجری کا آغاز ہوتا ہے۔

ہجرت کے متعلق بائبل میں پیشگوئی

بائبل میں اس تاریخی واقعہ ہجرت نبوی کا ذکر موجود ہے۔ اس پیشگوئی کا ایک ایک لفظ اس واقعہ پر دلالت کر رہا ہے ''عرب کے صحرا میں تم رات کو کاٹو گے اے ددانیوں کے قافلو!

''پانی کے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو۔ روٹی لے کر بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو''

''کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔[3]

اول لفظ عرب پھر بھاگنے والے کا ذکر تاریخ عالم میں ایک ہی شخص بھاگنے والا ہے۔ جس کا بھاگنا (ہجرت کرنا) تاریخ میں ایک عظیم واقع ہو گیا ہے وہ ہے حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم وہی ننگی تلواروں کے سامنے سے بھاگنے والا ہے جب کہ کفار نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا۔

---

[1] زاد المعاد ۲/۵۴۔ ابن ہشام ۱/۴۹۲۔

[2] صحیح مسلم باب الہجرۃ میں ہے کہ جب لوگوں نے آپ کی میزبانی کے متعلق جھگڑا کیا تو رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ میں بنو نجار کے ہاں اتروں گا۔ جو عبدالمطلب کے ماموں ہیں امام بخاری نے تاریخ الصغیر میں لکھا ہے کہ حضرت ایوب کے گھر اترنا قرابت داری کی وجہ سے تھا۔

[3] یسعیاہ ۲۱۰: ۱۳۔ ۱۵

ضرورت اہمیت اور نتائج ہجرت

لفظ ہجرت اسلامی ادب میں دو مفہوم یعنی ظاہری اور باطنی اپنے اندر رکھتا ہے۔ ظاہر مفہوم دارالکفر سے دارالایمان کی طرف خروج ہے۔ (صاحب راغب) جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مکہ کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔ گو کافر دونوں جگہ موجود تھے۔ مگر مکہ دارالکفر اس لیے ہوا وہاں مسلمانوں کو دکھ دیا جاتا تھا۔ دینی شعار اور فرائض ادا کرنے میں روک تھی۔

باطنی ہجرت برے اخلاق کو چھوڑنے کا نام ہے۔ جس کی طرف حدیث میں اشارہ ہے۔ اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَاجَرَ مَانَهَى اللّٰهُ عَنْهُ[1] یعنی مہاجر وہ ہے جو ان باتوں سے الگ ہوگیا جن سے اللہ نے منع فرمایا۔

باطنی ہجرت اسلام کی روح ہے۔ اس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے سلسلہ انبیاء علیہم السلام کا شروع کیا اور اسی سے دین کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ جب لوگ برے اخلاق چھوڑ کر اعمال صالحہ بجالانا شروع کر دیں۔ تو اس سے استحصال سے پاک ایک صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے اور انسان خوشگوار زندگی بسر کرتا ہے۔

ظاہری ہجرت اور باطنی ہجرت لازم وملزوم ہیں اگر ایک انسان دارالکفر کو چھوڑ کر دارالایمان کی طرف جاتا ہے لیکن برے اعمال نہیں چھوڑتا تو اس کی ظاہری ہجرت بے مغز ہے۔

پہلی ضرورت حفاظت ایمان

ایمان روح کی غذا ہے روح کی زندگی ایمان سے ہے۔ روح کی حیات سے انسان اس راستہ پر گامزن ہوتا ہے۔ جو خدا کے قرب تک پہنچاتا ہے اور خدا کے فضلوں اور رحمتوں کا وارث بنتا ہے۔

جبر واستبداد کے ماحول میں احکام شریعت کی پابندی کرنا عملاً ناممکن ہو جائے۔ طاقت ور دشمن سے مقابلہ کی ہمت نہ ہو۔ تو ایسے موقع پر اسلام نے ہجرت کر جانے کا حکم دیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ط قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (النساء۴:۹۷) ان کو جن کی فرشتے جان قبض کرتے ہیں۔ اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں وہ کہیں گے۔ تم کس حال میں تھے۔ کہیں گے۔ ہم ملک میں بے بس تھے۔ فرشتے کہیں گے۔ کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

اس آیت میں ظالمی انفسھم سے مراد وہ ہیں جو دارالحرب میں ہیں۔ صداقت اسلام کے قائل ہو چکے ہیں۔ باوجود استطاعت کے ہجرت اختیار نہیں کرتے اور غلبہ کفار کی وجہ سے اظہار ایمان نہ کر سکے۔ وہ لوگ خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہیں۔ انہی لوگوں سے یہ کہا گیا ہے وہ حفاظت ایمان کے لیے ہجرت کیوں نہ کر گئے۔

دوسری ضرورت جذبہ شجاعت کی حفاظت

انسان میں جذبہ شجاعت ایک قیمتی جوہر ہے۔ اسی جذبہ سے دنیا میں حق وصداقت قائم ہے حق وصداقت کو قائم و دائم رکھنے کے لیے انسان اپنی جان قربان کر دیتے ہیں۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ جب ایک انسان مستقل ظلم وستم کا شکار رہے اور لمبے ظلم واستبداد سے نجات کا کوئی راستہ نظر نہ آ رہا ہو۔ تو وہ مایوسی کے عالم میں خست، دنائیت اور بزدلی کا شکار ہو جاتا ہے مصر میں فرعون کے عہد میں بنی اسرائیل کیوں جوہر شجاعت سے محروم ہو چکے تھے۔ صرف مستقل جبر واستبداد میں رہنے کی وجہ تھی۔ ہر معاشرہ میں گرے ہوئے لوگ ملیں گے۔ ان کی گراوٹ کی وجہ محض ایک طاقت ور کا ان پر ظلم کرنا ہے ناروا سلوک کی وجہ سے ان کی خودی ختم ہو جاتی ہے۔ جب کسی انسان یا کسی قوم سے بحیثیت مجموعی بہادری کا جذبہ ختم ہو جائے تو وہ اپنی آزادی کی حفاظت نہیں کر سکتی۔

---

[1] صحیح بخاری ۱:۶

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس وجہ سے مکہ سے مدینہ ہجرت کر جانے کا حکم دیا تا کہ مسلمان مستقل کفار کے ظلم وستم کا شکار رہنے کی وجہ سے شجاعت کے جوہر سے محروم نہ ہو جائیں۔

تیسری ضرورت تبلیغ و اشاعت احکام الٰہی

احکام الٰہی میں ہی انسان کی خیر ہے۔ انہی احکام کے پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کا سلسلہ شروع کیا تا کہ وہ ان احکام اور ضابطہ حیات کو لوگوں تک پہنچائیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔[1] اے رسول جو کچھ تیرے رب سے تیری طرف اتارا گیا پہنچا دے اور اگر تو ایسا نہ کرے تو تو نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں احکام الٰہی لوگوں تک پہنچانے شروع کیے تو چاروں طرف مخالفت کی آندھیاں چلنی شروع ہو گئیں۔ صرف چند سعید روحیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو دبانے کے لیے ہر قسم کے طریقے استعمال کیے حتیٰ کہ آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ ان حالات میں تبلیغ کو جاری رکھنا محال ہو گیا۔ لازمی ہو گیا کہ تبلیغ کا نیا مرکز تلاش کیا جائے جہاں سے احکام الٰہی کی اشاعت کی جا سکے۔ سو اس کام کے لیے یثرب کی مٹی زرخیز ثابت ہوئی۔

چوتھی ضرورت اخوت اور اتحاد کو قائم کرنا

قوموں کی ترقی کا راز اخوت اور اتحاد میں ہے۔ اس وجہ سے قرآن مجید میں اخوت اور اتحاد پر بہت زور دیا گیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اخوت کی اہمیت کو مختلف پیرایوں میں بیان فرمایا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ[2] مومن بھائی بھائی ہیں۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا (انفال ۸:۷۲) جو ایمان لائے اور ہجرت کی۔ اسے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے پناہ دی اور مدد دی وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں جنھوں نے ہجرت نہیں کی تم پر ان کی دوستی کا کوئی حق نہیں ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ[3] مومن ایک دوسرے کے لیے ایسا ہے جیسا کہ ایک عمارت۔ اس کا ہر ایک جزء دوسرے جزء کو تقویت دیتا ہے۔

پھر فرمایا تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَکٰی عُضْوٌ تَدَاعٰی لَهٗ سَائِرُ جَسَدِهٖ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰی[4] (فرمایا) تو ایمان رکھنے والوں کو ایک دوسرے سے رحم اور محبت اور مہربانی میں ایسا دیکھے گا جیسا بدن میں ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارے اعضا بخار اور بیداری میں اس کے شریک ہو جاتے ہیں۔

اس اخوت اور اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے جو آئندہ کی کامیابیوں اور غلبہ اسلام کا ذریعہ تھا۔ ہجرت ضروری تھی۔ اگر مومنوں کا ایک گروہ مکہ میں رہتا کچھ مومن یثرب اور دیگر علاقوں میں رہائش پذیر ہوتے تو وہ اخوت اور اتحاد کی سلک میں منسلک نہیں ہو سکتے تھے۔ سب مومنوں کو ایک لڑی میں پرونے کے لیے ایک نئے مرکز کی ضرورت تھی۔ جونہی ایک مرکز یعنی یثرب کی زمین ہجرت کے لیے مل گئی۔ تمام مسلمان ایک مرکز پر اکٹھے ہو گئے۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو اخوت کی لڑی میں پرو دیا۔ یہی اتحاد مستقبل میں غلبہ اسلام کا باعث بنا۔

پانچویں ضرورت نفاذ شریعت

احکام الٰہی کے دو حصے ہوتے ہیں۔ لسانی (قولی) اور عملی۔ عقائد و ایمانیات کا تعلق جنان اور لسان سے ہے یعنی دل سے ماننا اور زبان

[1] المائدۃ ۵:۶۷ [2] الحجرات: ۱۰

[3] بخاری کتاب الادب [4] بخاری کتاب الادب

سے اقرار کرنا۔ زیادہ حصہ زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کو عملی رنگ میں نافذ کرنے سے تعلق رکھتا ہے اگر ان کو نافذ نہ کیا جائے تو وہ احکام بے مقصد ہو جائیں گے۔ ان کے نفاذ سے انسان کو جو خیر اور بھلائی میسر ہونے والی ہوتی ہے انسان اس سے محروم رہ جاتا ہے۔ عملی رنگ میں احکام الٰہی کو نافذ کرنے کے لیے ایک خطہ ارضی کا ہونا ضروری ہے۔ جہاں زندگی کے تمام شعبوں میں ان احکام کو نافذ کیا جائے۔

اسلامی احکام کو مکہ کی سرزمین پر عملی رنگ میں نافذ کرنا محال تھا۔ یہاں تک کہ وہاں مسلمان عبادت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے احکام الٰہی کے نفاذ کے لیے یثرب کی زمین کو منتخب کیا گیا اس وجہ سے مسلمانوں کو یثرب ہجرت کرنے کو کہا گیا۔ گویا نفاذ شریعت کے لیے ہجرت ضروری تھی۔ ارشاد الٰہی ہے یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ " فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ[1] اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو بے شک میری زمین وسیع ہے تاکہ تم میری عبادت کرسکو۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ جہاں احکام الٰہی پر عمل کرنا مشکل ہو جائے۔ تو وہاں سے نقل مکانی کر جانی چاہیے عبادت سے مراد اسلام کے مکمل ضابطہ حیات پر عمل کرنا ہے۔

اہمیت: کامیابی کا ذریعہ

ہجرت ''کامیابی'' کا ذریعہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ. یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ خَالِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ[2] جو ایمان لاتے ہیں اور ہجرت کرتے ہیں اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اللہ کے ہاں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں اور وہی بامراد (کامیاب) ہوں گے ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضا اور باغوں کی خوش خبری دیتا ہے۔ ان کے لیے ان میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی۔ انہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

ان آیات میں پہلے تین اعمال یعنی ایمان، ہجرت اور جہاد کا ذکر کیا ہے اس کے بعد اللہ کے انعامات کا ذکر ہے۔ پہلا انعام یہ ہے کہ وہ اللہ کے پاس بلند درجات کے مالک ہوں گے۔ دوسرا انعام وہ کامیاب و کامران ہوں گے اور اپنی مرادوں کو پالیں گے۔ تیسرا اور چوتھا انعام خدا کی رحمت اور رضوان کا حصول ہے۔

ایک انسان کی سب سے بڑی دلی مراد یہ ہے کہ اس دنیا میں کامیاب و کامران ہو اور دنیا اور آخرت میں خدا کی رضا حاصل ہو۔ مذکورہ آیات ظاہر کرتی ہیں ایمان، ہجرت اور جہاد انسان کی کامیابی اور خدا کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

تاریخی شہادت

تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ ہجرت سے قبل مکہ میں مٹھی بھر مسلمان تھے وہ ایک چھوٹے سے حجرہ میں بھی سما سکتے تھے۔ انگلیوں پر نام بنام گنے جا سکتے تھے۔ ان کی ظاہری طاقت کا یہ حال تھا کہ وہ ظلم و ستم کے ہاتھ کو روک نہیں سکتے تھے۔ اس بے چارگی کے عالم میں جب ہجرت کر کے یثرب جاتے ہیں تو دس سال کے قلیل عرصہ میں صرف سارا عرب ملک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو جاتا بلکہ وہ مکہ جہاں سے بے بسی کے عالم میں نکالے گئے اس کو فتح کر لیتے ہیں اور وہ دشمن جن کے خوف سے اپنے گھر بار چھوڑے تھے مجرموں کی طرح سامنے کھڑے ہیں اور معافی کا خواستگار ہیں۔ مسلمان صرف اپنے مخالف عرب دشمنوں پر ہی غالب نہیں آئے بلکہ بڑی بڑی سلطنتیں ایک ایک کر کے مسلمانوں کے قدموں پر گرنے لگیں، یہ تمام کامیابیاں اسی ہجرت کا نتیجہ ہیں جس کا ذکر قرآن مجید کی مذکورہ آیات میں موجود ہے گو ایک ظاہر بین آنکھ کو ہجرت کے پردوں میں کامیابی کی جھلک نظر نہیں آتی لیکن مسلمانوں کی ژرف بین نگاہیں کامیابیوں کو آتے دیکھ رہی تھیں اسی لیے جب ہجرت کا حکم آتا ہے تو بغیر کسی تردد کے ہجرت کے سفر پر جانے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

---

[1] العنکبوت ۲۹:۵۶ [2] توبہ ۹:۲۰-۲۲

گناہوں کی بخشش کا ذریعہ

ہجرت گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے۔ انسان جب خدا کی رضا کے لیے گھر بار چھوڑتا ہے اعزا و اقرباء سے جدا ہوتا ہے۔ ہجرت کا سفر اختیار کرتا ہے۔ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کی خطائیں اور گناہ معاف کرتا ہے ایک نئی زندگی دیتا ہے جو گناہ سے پاک صاف ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران ۳:۱۹۵) پس جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے۔ میں ضرور ان کے گناہ مٹا دوں گا اور میں ضرور ان کو باغوں میں داخل کروں گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ اللہ کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا بدلہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کے لیے انعامات کا ذکر ہے۔ پہلا انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو دور کرتا ہے۔ ان کے دل گناہوں کی میل سے صاف ہو جاتے ہیں۔ دوم اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ وعدہ گو اخروی زندگی کے متعلق ہے مگر ہر ایک وعدہ کچھ نہ کچھ کسی رنگ میں اس دنیا میں دکھا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے بعد کس طرح ان کو زرخیز زمینوں کا وارث بنایا۔ جہاں باغات تھے۔ نہریں ان کو سیراب کرتی تھیں یہ قرآنی الفاظ اس دنیوی وعدہ پر یوں صفائی سے صادق آتے ہیں کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں صاف طور پر دجلہ (جس کی جگہ حدیث میں لفظ نیل آیا ہے) اور فرات جیحون اور سیحون کو انہار الجنۃ قرار دیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اخروی جنت کے ساتھ فتوحات کے ذریعہ ان زرخیز زمینوں کا وارث بنایا۔ جہاں نہریں بہتی ہیں۔

نتائج

تاریخ کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی کہ ایک شخص ظلم و ستم سے نجات پانے کے لیے رات کی تاریکی میں اپنے گھر کو چھوڑتا ہے۔ دوسری جگہ جاتا ہے تو بادشاہت کا تاج پہن لیتا ہے۔ وہ صرف اور صرف رسول کریم صلعم کا ہی ایک وجود ہے جس کو یہ شرف حاصل ہے اور یہ نعمت غیر مترقبہ ہجرت کا نتیجہ ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھوٹی سی سلطنت کے حکمران بن جاتے ہیں۔ پھر دشمنوں نے اس سلطنت کو ختم کرنے کے لیے منصوبے بنائے جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تاریخ یہ بتانے سے قاصر ہے کہ وہ عظیم سپہ سالار مٹھی بھر جان نثاروں کو لے کر طاقت ور دشمن کو ہر معرکہ میں شکست فاش دیتا ہے۔ آخر کار وہ جنم بھومی جس سے نکالا گیا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ہمراہ فتح کر لیتا ہے۔ یہ بھی اسی ہجرت کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد ہجرت کے جتنے بھی نتائج گنائے وہ سب ان دونوں نتائج کے ضمنی عنوان ہیں۔ گویا ہجرت مسلمانوں کی ترقی و عروج کا وہ دروازہ تھا۔ جس میں داخل ہو کر مسلمان اس بام عروج تک پہنچے۔ جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

مدینہ کو ہجرت کے لیے کیوں منتخب کیا گیا

اس کی تین وجوہ تھیں ایک وجہ تو یہ تھی کہ مدینہ میں اشاعت اسلام کے لیے فضا خوشگوار تھی۔ اوس اور خزرج کے سردار دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے جن کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے نہ صرف ان کے قبیلہ کے لوگ ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے بلکہ مدینہ سے باہر بھی لوگوں پر اچھا اثر پڑا اور لوگ اسلام کو ایک طاقت سمجھنا شروع ہو گئے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مدینہ میں اسلام کی تعلیم اور قانون کو عملی جامہ پہنانے کے لیے زمین ہموار ہو چکی تھی۔

تیسری وجہ مدینہ کا محل وقوع تھا مدینہ دفاعی لحاظ سے محفوظ مقام تھا جس کے تین طرف پہاڑ اور ایک طرف نخلستان تھے اور یہیں سے مکہ والوں کے تجارتی قافلے گزرتے تھے۔ تصادم کی صورت میں تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی کرنا آسان تھی کیونکہ مکہ والوں کی معیشت کا دار و مدار یہی تجارتی قافلے تھے اہل مکہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا مدینہ میں قیام اسی وجہ سے ناگوار گزرا کہ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان ان کی معیشت کے دروازے پر بیٹھ گئے ہیں جب چاہیں ان کی تجارت کو بیرونی ممالک سے بند کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں سے جنگیں لڑنے کا ایک قوی سبب یہ بھی تھا۔

نئے معاشرہ کی تشکیل
ہجرت کا پہلا سال

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ (الانفال ۸:۷۲)

جو ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنھوں نے انھیں پناہ دی اور مدد دی۔ یہ ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

تعمیر مسجد

مدینہ میں سب سے پہلا کام خانہ خدا کی تعمیر تھی۔ آپؐ کی قیام گاہ کے قریب بونجار کی افتادہ زمین تھی۔ جس میں ایک طرف کچھ قبریں تھیں کچھ درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ آپؐ نے ان لوگوں کو بلا کر کہا کہ مسجد کے لیے یہ زمین قیمت کے ساتھ لینا چاہتا ہوں۔ وہ بولے ہم قیمت لیں گے لیکن آپ سے نہیں بلکہ خدا سے چونکہ وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی۔ آپؐ نے ان کو کہلا بھیجا۔ وہ آئے۔ انھوں نے بلا قیمت نذر کرنی چاہی مگر آپ نے منظور نہ فرمایا ان کو حضرت ابو ایوبؓ انصاری نے قیمت ادا کی۔ قبریں اکھاڑی گئیں درخت کاٹے گئے۔ جھاڑیاں صاف کی گئیں اور زمین ہموار کر کے تعمیر مسجد کا مقدس کام شروع ہو گیا۔ سید الکونین خود پتھر اٹھاتے اور صحابہ کرام کے دوش بدوش کام کر: اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَةِ فَانْصُرِ الْأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ اے خدا! آخرت کی بھلائی ہی اصل بھلائی ہے تو انصار اور مہاجرین کی مدد فرما۔

یہ مسجد مکمل سادگی کا نمونہ تھی کچی دیواریں کھجور کے ستون' کھجور کی شاخوں اور پتوں کی چھت فرش کچا' جب بارش ہوتی ہے تو چھت ٹپکتی ہے اندر کیچڑ ہو جاتا ہے اس تکلیف کو دور کرنے کے لیے کنکریاں بچھا دیں۔

اس کچی اور سادہ مسجد میں وہ بے بس اور گھروں سے نکالے ہوئے آدمی خدا کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے تمام دنیا کو اسلام کے جھنڈے تلے لانے کی باتیں کرتے ہیں آخر خدا کے وعدہ کا وقت آن پہنچا۔ وہی بے بس وہی ضعیف و ناتواں گھروں سے نکالے ہوئے اور عدوان اسلام کے ستائے ہوئے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے مالک بنتے ہیں۔

قریب ہی نادار مسلمانوں کے لیے ایک مسقف چبوترہ بنایا گیا۔ جو صفہ کہلاتا تھا۔ گویا مسجد کے ساتھ درس گاہ تھی۔ وہ لوگ اپنا سارا وقت دین کے سیکھنے پر ہی صرف کرتے تھے۔ اس مسجد کے متصل دو حجرے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں[1] کے لیے بنائے گئے۔

جب ازواج مطہرات میں اضافہ ہوا تو حجرات میں بھی توسیع کر دی گئی۔ یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے۔ ان میں سے پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے ہوئے تھے۔ جو حجرے اینٹوں کے تھے۔ ان کے اندرونی حصے بھی ٹٹیوں کے تھے۔ ترتیب یہ تھی حضرت ام سلمہؓ حضرت ام حبیبہؓ حضرت زینبؓ حضرت جویریہؓ حضرت میمونہؓ حضرت زینب بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے حضرت عائشہؓ حضرت سودہؓ مقابل جانب تھیں[2] مکانات مسجد سے بہت متصل تھے یہ مکانات چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے۔ دس دس ہاتھ لمبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا۔[3] راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔

---

[1] حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ اس وقت تک صرف یہ دونوں ہی عقدہ نکاح میں آئی ہوئی تھیں۔

[2] پوری تفصیل ابن سعد جزء ۸ صفحہ ۱۱۷ اور وفاء الوفاء میں ہے۔ [3] طبقات ۲۱۶۱/۱ بخاری باب الصلوۃ علی الفراش۔

آپ کے جوار میں جو انصار رہتے تھے ان میں حضرت سعد بن معاذ حضرت عمارہ بن حزم اور حضرت ابو ایوب انصاری تھے یہ لوگ آنحضرت کی خدمت میں کچھ خورد و نوش بھیج دیا کرتے تھے۔ اس پر آپ بسر اوقات فرماتے حضرت سعد بن عبادہ نے یہ التزام کر رکھا تھا۔ کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ ایک بڑا بادیہ ارسال کرتے تھے۔ اس میں کبھی دودھ کبھی سالن اور کبھی گھی ہوتا تھا۔[1]

ام انس نے اپنی جائیداد حضور کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے قبول فرما کر اپنی دایہ ام ایمن کو عطا فرما دی۔[2]

اذان کی ابتداء

تعمیر مسجد کے بعد آپ نے نماز باجماعت کی طرف توجہ فرمائی اس سے پیشتر لوگ وقت کا اندازہ کر لیتے اور مسجد میں نماز پڑھ جاتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو ناپسند کیا کہ لوگ انفرادی طور پر ہی نماز ادا کر کے چلے جائیں اس سے اسلام کی عبادات کا ایک اہم مقصد وحدت اور اجتماع فوت ہو جاتا تھا۔ پہلے آپ نے ارادہ فرمایا کہ آدمی مقرر کر دیئے جائیں وہ مسلمانوں کے گھروں پر جا کر بلا لایا کریں۔ اس میں بھی تکلیف تھی۔ آپ نے صحابہ کرام کو بلا کر مشورہ کیا۔ کسی نے یہ رائے دی کہ نماز کے وقت مسجد میں علم نصب کر دیا جائے مسلمان دیکھ کر مسجد میں آ جایا کریں گے۔ آپ نے اس کو بھی ناپسند فرمایا بعض نے نصاری اور یہودیوں کا طریقہ اعلان پیش کیا۔ آپ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ آخر کار حضرت عمرؓ کی رائے سے اذان کا طریقہ جاری ہوا۔ اور حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ اذان دیں۔[3]

صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں یہ بھی ہے کہ اذان کی تجویز حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے پیش کی۔ انھوں نے خواب میں دیکھا تھا۔[4] حضرت عمر کو بھی خواب میں توارد ہوا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اور دیگر صحابہ نے بھی خواب میں اذان کے مروجہ الفاظ دیکھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے من جانب اللہ سمجھ کر قبول فرمائے اور اسی کے مطابق مروجہ اذان جاری ہوئی۔

مواخات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچتے ہی جس چیز کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی۔ وہ شہر کو پر امن اور وہاں کے باشندوں کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانا تھا۔ مہاجرین اپنے گھر اعزہ و اقارب مال و دولت چھوڑ کر مدینہ آئے تھے۔ گو انھوں نے صرف رضا الٰہی کے لیے کام کیا تھا۔ لیکن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس پریشانی اور زبوں حالی کو دیکھ نہیں سکتے تھے اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار اور مہاجرین میں رشتہ اخوت قائم کر دیا جائے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا اور حضرت انس بن مالک جو اس وقت دہ سالہ تھے ان کے مکان میں انصار اور مہاجرین اکٹھے ہوئے۔ کل تعداد نوے تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ یہ تمہارے بھائی ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کے اندر مواخات قائم کر کے مہاجرین کی آباد کاری اور معاشی مسئلے کو حل کر دیا اور فریقین کے مابین تعلقات کو خوشگوار بنایا۔

مہاجرین کے لیے مکانات کا یہ بندوبست کیا کہ انصار نے اپنے گھروں کے پاس کی جو افتادہ زمینیں تھیں ان کو دے دیں۔ جن کے پاس زمین نہ تھی انھوں نے اپنے مسکونہ مکانات دے دیئے سب سے پہلے حارثہ بن نعمان نے اپنی زمین پیش کی۔ اس کے علاوہ انصار نے مہاجرین کے سامنے اپنے گھر کا تمام سامان پیش کر دیا اور کہا نصف آپ کا اور نصف ہمارا ہے سعد بن الربیع کا بھائی چارہ عبدالرحمٰن بن عوف سے ہوا تھا۔ حضرت سعد کی دو بیویاں تھیں سعد نے کہا ایک کو میں طلاق دیتا ہوں۔ آپ اس سے نکاح کر لیجئے لیکن انھوں نے اس احسان مندی کا انکار کر دیا۔ انصار نے اپنے مال و دولت اور نخلستان حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیئے اور درخواست کی کہ یہ باغات ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان برابر برابر تقسیم فرما دیں۔ مہاجرین تجارت پیشہ تھے۔ اس وجہ سے وہ زراعت کے فن سے بالکل ناواقف تھے۔ اس بناء پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے انکار کر دیا۔ انصار نے کہا کہ ہم سب کاروبار خود ہی کریں گے۔ جو کچھ پیداوار ہوگی اس میں سے نصف حصہ مہاجرین کا ہوگا۔ مہاجرین نے قبول فرما لیا۔ ان کا یہ قبول کرنا محض مجبوری کے تحت تھا۔ دل میں یہ رشک ہوتا تھا کہ کاش ہم بھی اس کارِ خیر کا معاوضہ دے سکیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد کتاب النساء ص ۱۱۶۔

[2] بخاری صفحہ ۳۵۸ باب فضل المنیحۃ

[3] بخاری باب الاذان، ابو داؤد باب بدء الاذان

[4] تفصیل جامع ترمذی۔ سنن ابی داؤد۔ مسند احمد اور صحیح ابن خزیمہ ملاحظہ فرمائیں۔

میثاق مدینہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ پہنچے۔ تو اس وقت وہاں تین جماعتیں تھیں۔ انصار' مہاجرین' یہود اور دیگر غیر مسلم۔ پھر یہ تینوں جماعتیں مختلف قبائل میں بٹی ہوئی تھیں۔ انصار کے اوس اور خزرج دو قبیلے تھے۔ یہود کے تین قبیلے تھے بنو قینقاع۔ بنو قریظہ۔ بنو نضیر اور ان کی آبادی مدینے کے اندر تھی۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ یہ دونوں قبیلے اوس کے حلیف تھے۔ اور ان دونوں کی آبادی مدینے کے اطراف میں تھی ایک چوتھا گروہ منافقین کا بھی تھا۔ جس کا قائد عبداللہ بن ابی تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل ان کی تاج پوشی کی تیاری ہو رہی تھی لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد نے اس تحریکی عمل کو ھباء منثوراً بنا دیا۔ وہ اس ناکامی کے زخم اپنے دل میں لیے ہوا تھا۔ گو بظاہر دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا تھا لیکن اس کی ریشہ دوانیاں معاشرہ کے لیے یقینی طور پر ضرر رساں تھیں۔ مدینہ کی ریاست کے حکمران اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے آپ پر دفاع کی ذمہ داری تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے عزائم سے بخوبی واقف تھے کہ مدینہ اور مکہ میں خون ریز تصادم ضرور ہوگا اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر اور ژرف نگاہی کا امتحان تھا کہ وہ اس ذمہ داری سے کس طرح سرخرو ہوتے ہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اندرونی استحکام اور امن کے بغیر ملکی دفاع نہیں ہوسکتا۔ چونکہ مدینہ مختلف قبائل کا مسکن تھا۔ جب تک وہ ایک معاہدہ کے ذریعہ اتحاد اور یک جہتی کی لڑی میں پروئے نہیں جاتے۔ اس وقت تک مدینہ میں استحکام اور امن قائم نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ مدینہ میں مستقل استحکام پیدا کرنے کے لیے حضورؐ نے ایک معاہدہ تیار کیا۔ جس کو تاریخ میں میثاق مدینہ کہا جاتا ہے۔ یہ میثاق مختلف قبائل میں یک جہتی کا باعث ہی نہیں تھا بلکہ مورخین نے اس میثاق کو مدینہ کی وفاقی حکومت کا آئین قرار دیا ہے۔

متن قرار داد معاہدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریری معاہدہ ہے مدینہ کے مندرجہ ذیل طبقوں کے درمیان۔

الف: محمد نبی رسول اللہؐ۔

ب: مسلمان قریش مکہ از ساکنین شہر مدینہ۔

ج: مدینہ کے مسلمان۔

د: مدینہ کے یہودی۔

ہ: مدینہ کے نصرانی۔

و: مدینہ کے غیر مسلم۔

دفعہ اول

متذکرۃ الصدر ہر شش گروہ سیاسی طور پر ایک جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دفعہ دوم

ان میں سے ہر ایک گروہ فرداً فرداً مندرجہ ذیل امور کا ذمہ دار ہے قریش اپنے قبائل کی طرف سے قدیمی طے شدہ اور اسلام کی طرف

سے مصدقہ دیت کی ادائیگی میں انصاف و عدل کے ساتھ ذمہ دار ہیں۔

اور اس دفعہ میں مدینہ کے مندرجہ ذیل گروہ بھی شامل ہیں۔

۱۔ بنو عوف

۲۔ بنو حارث از قبیلہ خزرج

۳۔ بنو ساعدہ

۴۔ بنو جشم

۵۔ بنو نجار

۶۔ بنو عمرو بن عوف

۷۔ بنو نبیت

۸۔ بنو اوس

دفعہ سوم

۱۔ کوئی گروہ دیت کی مقررہ حدوں میں تخفیف کی راہ پیدا نہ کرے۔

۲۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان کے مظلوم حلیف کے مقابلے میں اپنے حلیف کی ناحق حمایت نہ کرے۔

۳۔ جو شخص باہم ادائے دیت میں سفارش کی راہ پیدا کرنے کی سعی کرے اس شخص کے خلاف دوسرے مسلمانوں کو ورثائے قتیل کی مناسب طرف داری کرنا ہوگی۔

۴۔ جو مسلمان خود یا اس کا بیٹا جماعت میں فساد اور تفرقہ پیدا کرنے میں ساعی ہو۔ اس کے خلاف تمام مسلمانوں کو یک جا ہو کر یہ فتنہ فرو کرنا ہوگا۔

۵۔ اگر کسی مسلمان کے ہاتھ سے کافر مارا جائے تو دوسرے مسلمان کا کافر کی حمایت میں مسلمان پر جور و تعدی کرنا خلاف معاہدہ ہوگا۔

۶۔ اگر کافر مسلمان کے درپے آزار ہو۔ تو کسی مسلمان کو ایسے کافر کی حمایت نہ کرنا ہوگی۔

۷۔ مسلمانوں کا ہر فرد یکساں طور پر خدا کی پناہ میں ہے اور تمام مسلمان ایک دوسرے کے دوست دار ہیں۔

دفعہ چہارم

۱۔ مسلمانوں کے لیے کسی یہودی کے ایسے معاملہ میں مدد کرنے پر کوئی حرج نہیں جس سے وہ یہودی مسلمانوں کے انصاف پر اطمینان حاصل کر سکے۔

۲۔ مسلمان کے لڑائی میں شہید ہونے کے بعد ایک دوسرے مسلمان پر اس کی ذمہ داری عائد نہ کی جائے گی۔

۳۔ تمام مومنین اسلام کے احسن اور اقدم طریق پر ثابت قدم رہیں گے۔

۴۔ کوئی مسلمان کسی مشرک کو مسلمان کے خلاف پناہ نہ دے گا۔ نہ کسی ایسے مال کا ضامن ہوگا۔ جو مشرک نے ناجائز طور پر مسلمان کے مال سے حاصل کیا ہو اور نہ کوئی مسلمان مشرک کی حمایت میں مسلمان کے درپے ہوگا۔

۵۔ مومن کے قتل ناحق پر اگر ورثاء قتیل رضا مندی سے دیت لینے پر مائل نہ ہوں تو قاتل کو جلاد کے حوالے کیا جائے گا۔

۶۔ جو مسلمان اس معاہدہ میں شامل ہے۔ اگر وہ دل سے خدا تعالیٰ اور محمدؐ پر ایمان لا چکا ہے تو اسے کسی مفسد کی حمایت نہ کرنا ہوگی۔ مفسد کو پناہ دینا بھی اس کی حمایت میں شامل ہے۔ ایسے بے انصاف مسلمان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں خدا کی لعنت اور عذاب ہے۔ جس عذاب کے بدلے میں اس سے کوئی معاوضہ قبول نہ کیا جائے گا۔

(ذیلی دفعہ نمبر ۷) بلا استثناء تمام مسلمانوں پر لاگو ہے

۷۔ مسلمان اپنے باہمی تنازعات میں خدا اور محمدؐ کی طرف رجوع کرنے کے پابند ہوں گے۔

دفعہ ششم

یہود شرکائے معاہدہ کے لیے

۱۔ مسلمانوں کی جنگوں میں ان کی مالی اعانت کرنا ہر یہودی پر واجب ہوگا۔

۲۔ قبیلہ بنوعوف کے تمام یہود کو مسلمانوں کے ساتھ ایک حریف کی حیثیت سے مل کر رہنا ہوگا۔ مسلمان اور یہودی دونوں اپنے اپنے مذہب کے پابند ہوں گے۔

۳۔ یہ ذمہ داری بنوعوف کے غلاموں پر بھی ان کے آقاؤں کی مانند ہوگی اور عدم پابندی کی صورت میں ان کے آقا ان کی طرف سے جواب دہ ہوں گے۔ سرکشی کی صورت میں نہ صرف بنوعوف کے مرد بلکہ ان کے بال بچے پر بھی مواخذہ کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اس دفعہ میں مدینہ کے مندرجہ ذیل یہود بھی شامل ہیں۔

۱۔ بنونجار

۲۔ بنوحارث

۳۔ بنوساعدہ

۴۔ بنوجشم

۵۔ بنوثعلبہ اوران کے حلیف

۶۔ جفنہ جو بنوثعلبہ کی شاخ ہے۔

۷۔ بنوشطیبہ

الغرض یہ دفعہ ہر یہودی قبیلہ کے حلیفوں پر لاگو ہے۔

۵۔ ان سب سے کوئی فرد یا شاخ یا قبیلہ اس دفعہ سے محمدؐ کی اجازت کے بغیر مستثنیٰ قرار نہیں پا سکتا۔

۶۔ نہ ان میں سے کوئی فرد یا جماعت کسی کو مجروح کرنے پر مواخذہ سے بری الذمہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

۷۔ ان میں جو فرد یا جماعت قتل ناحق کا ارتکاب کرے اس کا وبال اس کی ذات اور اہل وعیال سب پر آ سکتا ہے۔

۸۔ ان (یہود) میں سے کسی پر ناحق ایسی تہمت پر اس کا ناصر اور حامی خدا ہے۔

۹۔ مسلمان اور یہود دونوں اپنے مصارف زندگی کے خود کفیل ہوں گے۔

۱۰۔ دونوں میں سے جو فرد اس قرار داد سے منحرف ہوگا۔ دوسرا فریق اس باغی پر قابو حاصل کرنے میں پہلے فریق کا معاون ہوگا۔

۱۱۔ یہود اور مسلمان دونوں ایک دوسرے گروہ اور فرد کے ساتھ صلح اور نصیحت پر عامل رہیں گے اور صلح ونصیحت میں کسی قسم کی رخنہ اندازی درمیان نہ آنے دیں گے۔

۱۲۔ فریقین میں سے کوئی فرد یا جماعت دوسرے فریق کی حق تلفی گوارا نہ کرے گی بلکہ ایک دوسرے گروہ کے مظلوم کی حمایت کرنا اس کا فرض ہوگا۔

۱۳۔ مسلمان جب تک اپنے دشمنوں سے مصروف پیکار رہیں یہود ان کی مالی اعانت کرتے رہیں گے۔

۱۴۔ شہر مدینہ میں ایک دوسرے فریق کے ساتھ جنگ کرنا حرام ہے۔

۱۵۔ ہر فرد اپنے ہمسائے کی طرف داری اپنے نفس کی مانند کرتا رہے گا۔

۱۶۔ اس معاہدہ کے پابند افراد اور گروہ باہمی اختلاف اور نزاع کا مقدمہ خدا اور اس کے رسول محمدؐ کے سامنے پیش کریں گے۔
۱۷۔ شرکائے معاہدہ میں سے کوئی فرد یا جماعت قریش مکہ کو اپنے ہاں پناہ نہ دیں گے اور نہ قریش مکہ سے کسی حلیف کی حمایت کرے گی۔
۱۸۔ مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں شرکائے معاہدہ میں سے ہر فرد اور جماعت حملہ آور کی مداخلت کے خلاف دوسرے فریق کی حمایتی ہوگی۔
۱۹۔ شرکائے قرارداد کسی جماعت کی طرف سے دشمن کے ساتھ مصالحت میں دوسرے گروہ میں شریک نہ ہوں گے۔
۲۰۔ دشمن سے صلح کی صورت میں اگر کسی نوع کی منفعت ہوگی تو مسلمانوں کی مانند دوسرے شرکائے قرارداد بھی اس سے منتفع ہوں گے۔
۲۱۔ جنگی حالت میں معاہدہ فریق کے ہر فرد کو مالی اعانت میں اپنا حصہ ادا کرنا ہوگا۔
۲۲۔ قبیلہ اوس کے یہود اور ان (یہود) کے موالی (حلیف) بھی اس قرار داد کے اسی طرح پابند ہیں جس طرح وہ قبائل جن کا نام بنام ذکر اوپر آچکا ہے۔

حرف آخر

۱۔ اس معاہدہ کی خلاف ورزی ظالم اور مفسد کے سوا اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔
۲۔ جو شخص مدینہ میں خلوص اور امن کے ساتھ سکونت رکھے اور وہ شخص جو مدینہ سے خلوص اور امن کے ساتھ کسی اور جگہ انتقال مکانی کرنا چاہے ان دونوں پر کوئی مواخذہ نہیں لیکن فساد اور شرارت کرنے کے لیے قیام مدینہ اور یہاں سے ترک اقامت دونوں پر گرفت ہے۔
۳۔ جو شخص دوسروں کے ساتھ بھلائی کا طلب گار ہے۔ خدا تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے خیر اندیش ہیں۔[۱]

گردونواح کے قبائل پر معاہدہ کی توسیع

میثاق مدینہ کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ مدینہ کے گردونواح کے قبائل بھی اس معاہدہ میں شامل ہو جائیں۔ اس کے کئی فوائد ہوں گے۔

۱۔ قبائل کے اندر ہمیشہ خانہ جنگی رہنے کی وجہ سے خلق خدا کے خون سے زمین کا سینہ رنگین ہو جاتا تھا۔ اس کا بھی انسداد ہو جائے گا۔
۲۔ قریش مکہ ان لوگوں کو جن سے معاہدہ ہو جائے گا مسلمانوں کے خلاف اکسا نہ سکیں گے۔
۳۔ معاہدوں سے باہمی تعلقات خوشگوار ہو جائیں گے۔ جن سے قبائل کو اسلام کے سمجھنے کا موقع ملے گا۔

سو اس مشن کو سرانجام دینے کے لیے ۱ھ میں جہینہ کے بعض سرداروں سے معاہدہ ہوا تھا۔ ۲ھ میں ینبوع کے آس پاس بسنے والے بنو ضمرہ بنو مدلج۔ بنو زرعہ بنو الرابعہ سے دوستی کے معاہدے کیے۔ ان معاہدوں کے ساتھ ہی قریش پر تجارتی راستہ بند کیا جا سکا کیونکہ یہ سب قبائل مدینے اور بحر قلزم کے درمیان بستے تھے۔ اور انھیں کی سرزمین سے قریشی تجارتی قافلوں کو گزرنا پڑتا تھا۔ اسی سلسلہ میں جمادی الآخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذی العشیرہ تشریف لے گئے یہ مقام ینبوع اور مدینے کے درمیان ہے۔ بنو مدلج سے بھی اس معاہدہ پر دستخط کروائے۔[۲]

ام المومنین حضرت عائشہؓ کی رخصتی

میثاق مدینہ کے بعد مدینہ کی وفاقی حکومت پر کافی گرفت مضبوط کر لی۔ مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ حل ہو گیا۔ معاشرتی، اقتصادی استحکام ہو گیا۔ مسلمان آزادی سے زندگی بسر کرنے لگے تو حکومتی فرائض ادا کرنے کے بعد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ بنت ابوبکر کی رخصتی کا ارادہ فرمایا۔ جن کے ساتھ پہلے یہ عقد ہو چکا تھا۔ ام المومنین حضرت سودہؓ بھی مکہ سے ہجرت کر کے تشریف لا چکی تھیں حضرت عائشہ کو ان ہی کے حجرہ میں اتارا گیا۔

۱۔ سیاسی وثیقہ جات مرتبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدر آبادی ص ۱۹ تا ۲۴ و ابن ہشام ۵۰۲/۱ تا ۵۰۴، تاریخ کی ہر کتاب میں یہ میثاق درج ہے۔
۲۔ زاد المعاد ۳۴۴/۱۔

فرضیت زکوٰۃ و روزہ

نماز تو پہلے فرض ہو چکی تھی۔ اب اس کے ساتھ زکوٰۃ روزہ اور حدود بھی فرض کر دیئے گئے۔

تحویل قبلہ شعبان

مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نماز ادا کرتے کہ مقام ابراہیم کے سامنے نماز پڑھتے جس کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا۔ اس طرح دونوں قبلے سامنے آ جاتے تھے۔ مدینہ آ جانے کے بعد ایسا ممکن نہ تھا۔ اس لیے آپ نے ایک مدت یعنی ۱۶ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی پھر حکم الٰہی سے قبلہ کی تبدیلی کا اعلان ہوا۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ [1] سو تو اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف پھیر دے اور جہاں کہیں تم ہو اپنے مونہوں کو اس کی طرف پھیر دو۔

تحویل قبلہ میں حکمتیں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل روحانی امامت کا عصا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق کی نسل بنی اسرائیل کے ہاتھ میں تھا۔ انہی میں انبیاء علیہم السلام آتے۔ جو خدا کے احکام لوگوں تک پہنچاتے رہے اور مردہ دلوں کو زندگی بخشتے رہے اس نسل میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بیت المقدس کو اپنا روحانی مرکز بنایا۔ جب تک یہ نسل روحانی امامت کے عہدے پر فائز رہی اس وقت تک یہ بیت المقدس موحدین کا قبلہ رہا۔ جب یہ شاخ اپنے آباء و اجداد کے رستہ سے ہٹ گئی۔ خدا کی نعماء کی ناقدری کرنے لگے منصب امامت کا حق ادا کرنا ترک کر دیا تب اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کے نتیجہ میں اسماعیلی شاخ سے ایک رسول مبعوث کیا۔ اور عالمگیر شریعت عطا کی اور کہا اب جو اس رسول کی پیروی کرے گا وہ امامت کا مستحق ہوگا۔

تبدیلی امامت کا اعلان ہونے کے بعد قدرتی طور پر تحویل قبلہ کا اعلان ہونا بھی ضروری تھا۔

جب تک امامت کا منصب بنی اسرائیل کی شاخ میں رہا۔ تو بیت المقدس دعوت الی اللہ کا مرکز رہا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں نے بھی بیت المقدس کو قبلہ بنائے رکھا۔ حتی کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں ہجرت کر لی۔ پھر بھی ۱۶ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے جب بنی اسرائیل منصب امامت سے باضابطہ معزول کر دیئے گئے تو بیت المقدس کی مرکزیت ختم ہوگئی اور اعلان کر دیا گیا کہ دین الٰہی کا مرکز وہ مقام ہوگا۔ جہاں سے اس رسول نے دعوت کا اعلان کیا۔

بیت اللہ کو قبلہ بنانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب مسلمان بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں گے تو ان کو موحد اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اعلائے حکم اللہ کے لیے جو جو قربانیاں کی تھیں مدنظر رہیں گی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے انہی بزرگوں کے نقش قدم پر چلیں گے اور خدا کے فضلوں کے وارث بنیں گے۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ بیت اللہ دنیا کا پہلا گھر تھا جو خدا کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا اس وجہ سے یہ ضروری تھا کہ اس گھر کو بطور قبلہ مقرر کیا جاتا جہاں سے سب سے پہلے توحید کا چشمہ پھوٹا۔

---

[1] البقرہ ۲: ۱۴۴

غزوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوعیت

مدافعانہ جنگ کی اجازت

مکہ میں کفار کا تشدد اور ظلم وستم انفرادی رنگ رکھتا تھا۔ جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ تو اب کفار نے مسلمانوں کی من حیث القوم بیخ کنی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بحیثیت ایک قائد فرض ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی قومی زندگی کی بقا کی حفاظت کریں۔ سو خدا تعالیٰ کے حکم سے قومی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے ہاتھ میں تلوار لی۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْ لَادَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ[1]

ان لوگوں کو اجازت دی گئی ہے۔ جن سے لڑائی کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے۔ صرف اس بات پر کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے نہ ہٹاتا تو صوامع۔ گرجے عبادت گاہیں اور مساجد جن میں اللہ کا نام کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے منہدم کر دی جاتیں اور اللہ ضرور اس کی نصرت کرے گا۔ جو اس کے دین کی اشاعت میں مدد کرتا ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دفاع کی اجازت مندرجہ ذیل امور کی بناء پر دی گئی ہے۔

(۱) بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا. یعنی مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے گئے۔

(۲) اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ. یعنی ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا۔

(۳) لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ. یعنی بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی جنگ ایک مقدس جنگ تھی۔ اگر ان کو اجازت نہ دی جاتی۔ تو دنیا سے امن اٹھ جاتا۔ مذہبی آزادی مٹ جاتی اور خدا تعالیٰ کی عبادت گاہیں پیوند خاک ہو جاتیں۔

پھر ایک اور آیت میں مسلمانوں پر ایک واضح شرط عائد کر دی۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ.[2]

اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

اس آیت کریمہ میں دو شرطیں مسلمانوں پر عائد کی ہیں۔

اوّل: مسلمانوں کو پہلے حملہ نہیں کرنا چاہیے۔ جنگ ان لوگوں سے کریں۔ جو ان سے جنگ کرتے ہیں۔

دوم: جب اپنی حفاظت اور دفاع کے لیے جنگ کرنی پڑ جائے تو کسی قسم کی زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَیْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ.[3]

کیا تم ان لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے۔ جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑا اور رسول کو نکال دینے کا قصد کیا اور انھوں نے تمھارے ساتھ پہل کی۔

اس آیت کریمہ میں بھی بتا دیا گیا ہے کہ کن کن لوگوں سے جنگ کرنا روا ہے۔

---

[1] سورۃ الحج آیت ۲۲: ۴۰ [2] سورۃ البقرہ ۲: ۱۹۰ [3] سورہ توبہ ۹: ۱۳

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ دفاعی جنگ کے احکام سورہ توبہ کی پانچویں آیت[1] سے منسوخ کر دیئے گئے تھے۔ سورہ توبہ میں مشرکین کے خلاف جنگ کرنے کا حکم ضرور دیا گیا ہے مگر سب مشرکین کے ساتھ نہیں۔

بلکہ ان کے بارہ میں استثناء بیان کیا گیا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ.[2]

سوائے ان مشرکین کے جن سے تم نے عہد باندھا۔ پھر انھوں نے اس عہد کو پورا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ ہی تمھارے خلاف کسی کی مدد کی ہے۔ تو ان کے ساتھ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت رکھتا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت ایسے مشرک قبائل بھی تھے۔ جن سے رسول اللہ صلعم نے معاہدات کیے ہوئے تھے اور وہ مشرک قبائل ان معاہدات کے پابند تھے۔ مسلمانوں کو ان کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت نہیں۔ صرف ان مشرک قبائل کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ جنھوں نے معاہدات کو پس پشت ڈالا۔ مسلمانوں پر حملہ کیا۔ یا عدوان اسلام کی کسی نہ کسی رنگ میں مسلمانوں کے خلاف مدد کی۔

صلح کرنے اور جنگ ختم کرنے کی تعلیم

مسلمانوں کو یہ بھی تعلیم دی ہے کہ اگر دشمن صلح کرنا چاہے تو صلح منظور کر لینی چاہیے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ .[3]

اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں۔ تو تو بھی صلح کی طرف مائل ہو جا اور اللہ پر بھروسہ کر وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ اگر ان کا ارادہ تجھے دھوکہ دینے کا ہو۔ تو تجھے اللہ کافی ہے۔

اس آیت کریمہ میں صلح کی تعلیم دی گئی ہے۔ گو دشمن کی نیت میں فرق ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی اسی تعلیم کے تحت رہا۔ چنانچہ جب کبھی دشمن نے صلح کی خواہش ظاہر کی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف مائل ہو گئے۔ حدیبیہ کے مقام پر جب کفار مکہ صلح کی طرف مائل ہوئے۔ تو آپ نے فوراً ان شرائط کو منظور کر لیا۔ جن کو آپ کے جان نثار صحابہ اسلام کے لیے مزیل شان سمجھتے تھے۔ حالانکہ آپ نے کسی میدان جنگ میں کفار مکہ سے شکست نہیں کھائی تھی اور مزید براں صحابہ کرام اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔

برسبیل تذکرہ اس غلط فہمی کو بھی دور کر دینا ضروری ہے کہ جو دور خلافت کی جنگوں کو جارحانہ جنگیں خیال کیا جاتا ہے۔

اگر ہم ان خطبات پر غور کریں۔ جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے سریر خلافت پر بیٹھتے ہوئے دیئے تھے۔ تو واضح ہو جائے گا کہ وہ قرآن کریم اور سنت نبوی کی پیروی کو کتنا اپنے لیے ضروری قرار دیتے تھے جبکہ قرآن مجید کی تعلیم جارحانہ لڑائیوں کے خلاف اور سنت نبوی اس کے خلاف۔ پھر وہ ایسے راستے پر کیسے چل سکتے تھے۔ جس راستہ پر چلنے کے لیے قرآن اور رسولؐ مخالف ہو۔

---

[1] فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ.
جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔

[2] سورہ توبہ آیت ۴

[3] سورہ انفال آیت ۶۱-۶۲

اس کے علاوہ اگر تاریخی واقعات بھی سامنے رکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ خلافت اسلامیہ کے ابتدائی دور کی جنگیں جارحانہ جنگیں نہ تھیں۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب عرب میں بغاوت کی آگ پھیل گئی تو حضرت ابوبکرؓ اس آگ کو بجھانے میں مصروف تھے۔ ایران اور روم کی حکومتوں نے روپے اور آدمیوں کے ذریعہ باغیوں کی کھلم کھلا امداد کی۔

چنانچہ ڈبلیو میور لکھتا ہے۔

''چالڈیا اور جنوبی سیریا فی الحقیقت عرب میں شامل ہیں۔ جو اقوام اس علاقہ میں آباد تھیں۔ ان میں کچھ تو بت پرست اور زیادہ تر (کم از کم برائے نام) عیسائی تھے۔ وہ عرب نسل کا ایک جزو لاینفک تھے اور اس وجہ سے بلاواسطہ نئے مذہب کے حلقہ اثر میں تھے۔

نوٹ: (۱) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیوں کے اسباب اور (۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگی انقلابی اصلاحات پر زیر عنوان ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت سپہ سالار'' بحث کی گئی ہے۔ مذکورہ دونوں عنوانات ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگوں کی نوعیت'' کا حصہ سمجھیں تو قارئین پر جنگوں کی نوعیت کا مسئلہ واضح ہو جائے گا۔

سرایا

غزوہ کے علاوہ ایک اور لفظ ''سریہ'' مورخین نے اپنی کتب میں استعمال کیا ہے اور غزوہ اور سریہ میں یہ فرق کیا ہے کہ سریہ ان چھوٹی جنگی مہمات کو کہا جاتا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس شرکت نہ کی ہو۔ بلکہ آپ نے دوسرے صحابہ کی سرکردگی میں کچھ جنگی یا طلائع گرد دستے روانہ کیے ہوں۔

ان سرایا کو چند اقسام پر منقسم کر سکتے ہیں۔

(۱) قبائل کی حالت معلوم کرنے کے لیے۔

(۲) قریش کی تجارت کی روک ٹوک کے لیے۔

(۳) امن و امان قائم کرنے کے لیے تعزیری فوجیں بھیجنا۔

(۴) اشاعت اسلام کے لیے لوگ بھیجنا۔

(۵) دشمنوں کے حملہ کی خبر سن کر مدافعت کے لیے پیش قدمی کرنا۔[1]

مورخین کے نزدیک ان سرایا کا مقصد قافلہ کو لوٹنا یا کسی جماعت پر بے خبری کی حالت میں جا پڑنا ہوتا تھا۔ یہ بات دو وجوہ کی بناء پر خلاف قرینہ ہے کہ اول لوٹ کھسوٹ ڈاکہ زنی اسلام کی تعلیم کے ہی منافی ہے۔ دوم دستے اکثر دس دس بارہ بارہ افراد پر مشتمل ہوتے تھے۔ اتنے تھوڑے سے آدمی لڑنے کے لیے نہیں بھیجے جا سکتے۔

(۱) خبر گیری کے لیے

۲ھ میں آنحضرتؐ نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو بارہ آدمیوں کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ کیا اور ایک تحریر لکھ کر دی کہ دو دن کی مسافت پر جا کر اسے کھولیں۔ جب وہ موقعہ آیا۔ تو عبداللہ نے کھول کر تحریر پڑھی۔ تو اس میں یہ مضمون تھا۔

''اذا نظرت فی کتابی ھذا فامض حتی تنزل نخلة بین مکة و الطائف فترصد قریشاً و تعلم لنا من اخبارھم.

جب تم میری یہ تحریر پڑھو تو اپنا سفر برابر جاری رکھو۔ یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے درمیان کھجوروں کے باغ میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالو اور وہاں قریش کے حالات کی دیکھ بھال کرتے رہو اور ان کے حالات کی اطلاع دیتے رہو۔

(۲) قریش کی تجارت کی روک ٹوک

حضرت ابو ذر غفاریؓ نے مکہ میں جب اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ تو قریش نے ان کو مارنا شروع کر دیا۔ تو حضرت عباسؓ نے کہا کہ ابو ذر غفار قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے اور غفار قبیلہ تمھارے کاروان تجارت کے سر راہ واقع ہے۔ وہ لوگ تمھارے اس فعل سے ناراض ہو کر کاروان تجارت کو روک دیں گے۔ اس بناء پر قریش نے ابو ذر غفاری کو مارنا چھوڑ دیا۔

اسی طرح حضرت معاذ انصاریؓ کا واقعہ بخاری میں ہے۔ ابو جہل نے حضرت معاذ انصاری سے کعبہ میں کہا کہ اگر تم لوگ محمدؐ کو نکال نہ دو گے۔ تو تم کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے تو معاذ انصاری نے جواب دیا۔ اگر تم نے ہمیں کعبہ کے طواف سے روکا۔ تو ہم تمہاری شام کی تجارت کو روک دیں گے۔

سرایا کے ذکر میں اکثر جگہ مورخین لکھتے ہیں۔

''یتعرض لعیر قریش'' یعنی قریش کے کاروان تجارت کی روک ٹوک کے لیے دستہ بھیجا گیا۔

---

[1] سیرۃ النبی صفحہ ۵۸۸،۵۸۷

(۳) امن و امان قائم کرنے کے لیے

۶ھ میں حضرت دحیہ کلبی کو آنحضرت ﷺ نے قیصر کے پاس خط دے کر بھیجا تھا۔ شام سے واپس آ رہے تھے۔ جب حسمی پہنچے تو ہنید نے چند آدمیوں کے ساتھ ان پر حملہ کیا۔ سوائے بدن کے چند کپڑوں کے سب کچھ چھین لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تدارک کے لیے حضرت زید کو بھیجا۔[1]

(۴) اشاعت اسلام کے لیے

صفر ۴ھ میں بنی عامر اور بنی سلیم کا سردار ابو براء آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ تحفے وغیرہ پیش کیے جو آپ نے قبول نہ کیے اس نے یہ درخواست کی کہ اگر آپ چند مبلغ میرے ساتھ بھیج دیں۔ تو شاید میری قوم دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا مجھے نجد کے لوگوں سے خوف آتا ہے۔ ابو براء نے حفاظت کا ذمہ لیا۔ تو آپ نے ستر قاری اس کے ساتھ بھیج دیئے۔ بئر معونہ کے قریب قبائل رعل و ذکوان کے ہاتھوں تمام قاری شہید ہو گئے۔ صرف ایک صاحب بچ گئے جنھوں نے مدینہ آ کر خبر دی۔

ایسا ہی ایک واقعہ رجیع کا ہے۔ قبیلہ عضل و قارہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلیم و رُشد کے لیے چند قاری بھیجنے کی درخواست کی۔ آپ نے دس قاری بھیج دیئے۔ مقام رجیع پر ان کے ساتھ بھی غداری کی گئی۔ بنولحیان نے ان پر حملہ کر دیا۔ آٹھ ان میں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ خبیب اور زید نے کافروں کے وعدہ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دیا۔ انھوں نے ان کو قیدی بنا کر اہل مکہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خاندان حارث نے خبیب کو حرم کی حدود سے باہر لے جا کر شہید کر دیا۔ قتل ہونے سے قبل انہوں نے دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔

وما ان ابالي حين اقتل مسلماً
على اى شق كان لله مصرع
وذلك في ذات الاله و ان يشاء
يبارك على اوصال شلو ممزع

جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جاتا ہوں تو یہ پرواہ نہیں کہ کس پہلو پر گرتا ہے یہ سب اللہ کے لیے ہے اور وہ اگر چاہے تو جسم کے ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل کرے۔

زید کو صفوان بن امیہ نے قتل کرنے کے ارادہ سے خریدا تھا۔ ان کے قتل کے موقعہ پر ابوسفیان اور دیگر روسائے قریش حاضر تھے۔ جب ان کا سر جسم سے قلم کیا جانے لگا۔ تو ابوسفیان نے کہا کیا تم پسند کرتے ہو کہ تم تو بچ جاؤ اور تمہاری جگہ محمد ﷺ کو قتل کر دیا جائے؟ زید نے جواب دیا۔ میں تو اپنی جان کی اتنی بھی پرواہ نہیں کرتا کہ میں بچ جاؤں اور رسول کریم کو ایک کانٹا چبھ جائے۔

(۵) مدافعت

سریہ ابوسلمہ ۳ھ

اس سریہ کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ طلیحہ اور سلمہ (پسران خویلد) دونوں اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کو لے کر آپ سے لڑنے کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔

سریہ عبداللہ بن انیس ۳ھ

عبداللہ بن انیس اس لیے بھیجے گئے کہ آنحضرت کو خبر ملی کہ ابوسفیان بن خالد اپنے قبیلہ کو اور باہر کے لوگوں کو آنحضرتؐ سے لڑنے کے لیے جمع کر رہا ہے۔

تواریخ میں بے شمار ایسی مہمیں ہیں جو صرف مدافعت کے لیے بھیجی گئی تھیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۶۳

غزوت مع نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم غزوۃ کذا وکذا انضق الناسُ المنازل و قطعوا الطریق فبعث النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم منادیاینادی فی الناس ان من ضیق منزلا و قطع طریقا فلا جھاد لہ۔[1]

حضرت معاذ بن انس سے روایت ہے کہ میں فلاں غزوہ میں رسول کریم صلعم کے ساتھ تھا۔لوگوں نے دوسروں کو تنگ کیا اورلوٹا۔آپ نے ایک شخص کو بھیجا جس نے منادی کی کہ جوشخص دوسروں کو گھروں میں تنگ کرے گا یا لوٹے گا اس کا جہاد جہاد نہیں ہے۔

اسی طرح آپؐ نے اپنے صحابہ کوفرمایا۔

ان اللّٰہ تعالی لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتاب الا باذن ولا ضرب نسائھم ولا اکل ثمارھم اذا اعطوکم الذی علیھم. (سنن ابی داؤد باب تعشیر الذمة اذا اختلفوا فی التجارة)

یعنی خدا نے تمھارے لیے جائز نہیں رکھا کہ اہل کتاب کے گھروں میں بغیر اجازت لیے گھس جاؤ نہ یہ جائز رکھا ہے کہ تم ان کی عورتوں کو مارو۔ نہ یہ کہ ان کے پھل کھا جاؤ۔ جو وہ تم کو خود دیں۔

ثار کے عقیدہ کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان کیا کہ اپنے قبیلہ کے قاتلوں کا خون معاف کر دیا جائے۔

عربوں کے لیے مال غنیمت مرغوب اور محبوب چیز تھی۔قرآن نے مال غنیمت کو متاع دنیوی قرار دیا ہے اور اس میں انہاک عمل شیطان چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے۔مِنْکُمْ مَنْ یُرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْکُمْ مَنْ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ. ال عمران ۳:۱۵۲)

تم میں سے کچھ دنیا کے طلب گار تھے اور کچھ آخرت کے۔

ایک اور وحی میں آتا ہے۔

تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ. (انفال ۸:۱) تم لوگ دنیا کی پونجی چاہتے ہو خدا آخرت کو چاہتا ہے۔

خدا تعالٰی نے مال غنیمت کو رسولؐ کے اختیار میں دیا ہے۔چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ. (انفال ۸:۶۷)

لوگ تجھ سے مال غنیمت کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔غنیمت خدا اور رسول کے لیے ہے۔

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ مجاہدین مال غنیمت کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔اس کی تقسیم رسول کریم صلعم کے اختیار میں ہے۔

چنانچہ حدیث میں بھی آتا ہے کہ ایک شخص نے رسول کریمؐ سے پوچھا کہ ایک شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے۔لیکن وہ کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے۔آپ نے فرمایا۔اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ یہ بات لوگوں کو بہت عجیب معلوم ہوئی اور لوگوں نے اس شخص سے کہا۔دوبارہ جا کر دریافت کرو۔ غالباً تم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو نہیں سمجھا۔(ابو داؤد جلد ا ص ۳۴۲)

ہر بار رسول کریمؐ نے یہی فرمایا۔ لا اجر لہ یعنی اس کے لیے خدا کے پاس کوئی اجر نہیں ہے۔

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے اس سوال کے جواب میں کہ ”کس کا جہاد خدا کی راہ میں سمجھا جائے“ فرمایا۔

من قاتل لتکون کلمة اللّٰہ ھی العلیا.[2]

یعنی جہاد اس شخص کا ہے جو اس غرض کے لیے لڑتا ہے کہ خدا کے دین کا بول بالا ہو۔

غرض اسلام کی تعلیم نے عرب کی جنگوں کے ظلم وستم۔ جور و جفا' بہیمیت و بربریت' سفاکی وخوں ریزی کو اعلائے کلمۃ اللہ۔ قیام امن' دفع مفاسد' نصرت مظلوم اور عبادت الٰہی میں بدل دیا۔

---

[1] ابو داؤد کتاب الجہاد جلد اوّل ص ۳۵۴

[2] بخاری کتاب الجہاد باب من قاتل لتکون کلمة اللّٰہ ھی العلیا.

ہجرت کے بعد کفار مکہ کا معاندانہ رویہ

جیسا کہ پہلے صفحات میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ کفار مکہ نے کس قدر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو اذیتیں دیں۔ پہلے صحابہ کو حبشہ ہجرت کرنی پڑی۔ کون گھر بار چھوڑتا ہے؟ انسان اس وقت اپنا گھر بار چھوڑتا۔ جب اس پر جینا حرام ہو جائے خاص طور پر اس وقت جب اس کے ایمان کی حفاظت کا سوال ہو تیرہ سالہ مکی زندگی کی تکالیف کے بعد مدینہ سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنے لگے۔ عقبہ کے مقام پر اوس اور خزرج کے لوگوں نے بیعت کی۔ یہ بیعت مسلمانوں کی ترقی کا ایک در تھا جو کھلا۔ اسلام کی شعاعیں اکناف عالم میں پھیل گئیں۔ مسلمانوں نے بیعت عقبہ کے بعد مدینہ ہجرت کرنا شروع کر دی۔ مسلمانوں کو صرف اہل مکہ کی اذیتوں سے نجات نہیں ملی بلکہ اقتدار کی کرسی مل گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاقی سلطنت کی سربراہی اور مسلمانوں کا آرام کفار کو کب بھاتا تھا۔ وہ حسد کی آگ میں جلنے لگے تب مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے ملیا میٹ کرنے کے منصوبے بنانے لگ پڑے۔

عبداللہ بن ابی کو دھمکی آمیز خط

کفار مکہ نے عبداللہ بن ابی کو جو انصار کا سردار تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ میں ورود سے پہلے انھیں تاج بادشاہت پہنایا جا رہا تھا۔ مشرکین مکہ نے اپنے اس تہدید آمیز خط میں عبداللہ بن ابی اور اس کے رفقاء کو مخاطب کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں لکھا ''آپ لوگوں نے ہمارے صاحب کو پناہ دے رکھی ہے اس لیے ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو آپ لوگ اس سے لڑائی کیجئے یا اسے نکال دیجئے یا پھر ہم اپنی پوری جمعیت کے ساتھ آپ لوگوں پر حملہ کر کے آپ کے سارے جنگی مردوں کو قتل کر دیں گے اور آپ کی عورتوں پر قبضہ کر لیں گے۔[1]

یہ خط وصول ہوتے ہی عبداللہ بن ابی مسلمانوں سے جنگ کرنے کو تیار ہو گیا جب رسول کریم صلعم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا ''قریش کی دھمکی تم لوگوں پر بہت گہرا اثر کر گئی ہے تم خود اپنے آپ کو جتنا نقصان پہنچا دینا چاہتے ہو قریش اس سے زیادہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے خود ہی لڑنا چاہتے ہو؟ نبی کریم صلعم کی یہ بات سن کر لوگ منتشر ہو گئے۔[2]

گو اس وقت خانہ جنگی ٹل گئی لیکن مشرکین مکہ اور عبداللہ بن ابی کے درمیان خفیہ روابط موجود تھے۔ اس نے یہود کے ساتھ بھی ساز باز رکھی ہوئی تھی۔

مسجد حرام میں داخلے کی ممانعت

حضرت سعد بن معاذؓ عمرہ کے لیے مکہ گئے اور امیہ بن خلف کے مہمان ٹھہرے انھوں نے امیہ سے کہا ''میرے لیے کوئی خلوت کا وقت دیکھو ذرا میں بیت اللہ کا طواف کر لوں'' امیہ دوپہر کے قریب انھیں لے کر نکلا تو ابوجہل سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے (امیہ کو مخاطب ہو کر کہا ابو صفوان تمھارے ساتھ یہ کون ہے؟ امیہ نے کہا۔ یہ سعد ہیں۔ ابوجہل نے سعد کو مخاطب کر کے کہا ''اچھا! میں دیکھ رہا ہوں' کہ تم بڑے امن کے ساتھ طواف کر رہے ہو۔ حالانکہ تم لوگوں نے بے دینوں کو پناہ دے رکھی ہے اور یہ زعم رکھتے ہو۔ کہ ان کی نصرت بھی کرو گے۔ سنو! خدا کی قسم اگر تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے گھر سلامت پلٹ کر نہ جا سکتے تھے'' اس پر سعد نے بآواز بلند کہا ''سن! خدا کی قسم اگر تو نے مجھ کو اس

[1] ابو داؤد ج ۲، باب خبر النضیر

[2] ابو داؤد باب فی خبر النضیر

سے روکا۔ تو میں تجھے ایسی چیز سے روک دوں گا۔ جو تجھ پر اس سے زیادہ گراں ہوگی۔[1] (یعنی تجارتی راستہ)

یہود کے ساتھ ساز باز مسلمانوں کی دھمکی

مشرکین مکہ نے اپنی خفیہ سازشوں کا جال مزید پھیلانا شروع کر دیا۔ مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ ساز باز شروع کر دی جب یہود کو اپنے ساتھ ملا چکے تو اپنی اس کامیابی پر مسلمانوں کو کہلا بھیجا "تم مغرور نہ ہو جانا کہ مکہ سے صاف بچ کر نکل آئے ہو۔ ہم یثرب بھی پہنچ کر تمہارا ستیاناس کر سکتے ہیں اس پیغام کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی۔ ربیع الاول ۲ ھ کو کرز بن جابر الفہری مسلمانوں کی ایک چراگاہ پر حملہ آور ہو کر مال مویشی لوٹ کر لے گیا اور صاف بچ کر نکل گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف ذرائع سے قریش کے برے ارادوں کا علم ہوگیا تھا۔ آپ یا تو جاگ کر رات گزارتے تھے یا صحابہ کرام کے پہرے میں سوتے تھے چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ مدینہ میں آنے کے بعد ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ رہے تھے کہ فرمایا "کاش آج رات میرے صحابہؓ میں سے کوئی صالح آدمی میرے یہاں پہرہ دیتا ابھی ہم اسی حالت میں تھے کہ ہمیں ہتھیار کی جھنکار سنائی پڑی۔ آپ نے فرمایا "کون ہے؟ جواب آیا "سعد بن ابی وقاص" فرمایا کیسے آنا ہوا بولے میرے دل میں آپ کے متعلق خطرے کا اندیشہ ہوا میں آپ کے یہاں پہرہ دینے آ گیا" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دعا دی اور پھر سو گئے۔[2]

یہ پہرہ مسلسل اور دائمی تھا جب یہ آیت نازل ہوئی وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا) تب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبے سے سر نکالا۔ اور فرمایا "لوگو! واپس جاؤ اللہ عزوجل نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔[3]

تمام مسلمان خطرے کی حالت میں

صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی خطرات میں نہ گھری ہوئی تھی بلکہ تمام مسلمان خطرے کے بھنور میں پھنسے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ جب رسول کریم صلعم اور آپ کے رفقاء مدینہ تشریف لائے تو انصار نے انھیں پناہ دی۔ تو سارا عرب ان کے خلاف ہوگیا تھا چنانچہ یہ لوگ نہ ہتھیار کے بغیر رات گزارتے اور نہ ہتھیار کے بغیر صبح کرتے۔[4]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری اور حفاظتی تدابیر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر بحیثیت ایک حکمران کے مدنی ریاست کے دفاع اور اہل مدینہ کی حفاظت کی ذمہ داری آن پڑی تھی تو اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے آپ نے تین تدابیر اختیار کیں۔ ایک یہ کہ اردگرد کے حالات کی خبر رکھی جائے نیز مدینہ کے قرب و جوار کے قبائل کے ساتھ صلح کی بنیاد ڈالی جائے۔ اس بناء پر آپ نے مختلف اوقات میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں گرد و نواح میں بھیجنی شروع کیں۔ اس سے دشمن کو یہ بتانا مقصود تھا کہ مسلمان بے خبر نہیں۔ دوم قبائل کو غیر جانبدار رکھنے کی کوشش کی جائے۔

---

[1] بخاری کتاب المغازی ۲/۵۶۳

[2] مسلم باب فضل سعد بن ابی وقاص ۲/۲۸۰ صحیح بخاری باب الحراسۃ فی الغزو فی سبیل اللہ ۱/۴۰۴۔

[3] جامع ترمذی ابواب التفسیر ۲/۱۳۰

[4] لباب فی اسباب النزول للسیوطی اور سورہ نور آیت وعد اللہ الذین امنوا منکم الخ. مسند دارمی ۔

۲۔ دوسری تدبیر آپ نے یہ کی کہ اردگرد کے قبائل سے معاہدے کر لیے جائیں ان میں سے ایک معاہدہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معاہدات کس رنگ کے لیے تھے۔''یہ محمد رسول اللہ صلعم کی تحریر ہے بنوحمزہ کے لیے ان لوگوں کی جان اور مال محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا۔ اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی۔ بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ اسلام کے مقابلہ میں لڑیں اور پیغمبر جب ان کو مدد کے لیے بلائیں گے۔ تو یہ مدد کو آئیں گے گویا یہ معاہدات خود حفاظتی قسم کے تھے۔

۳۔ تیسری تدبیر یہ اختیار کی کہ کفار پر اقتصادی دباؤ ڈالنے یا صلح پر آمادہ کرنے کے لیے شام کی سرحد کی طرف مختلف اوقات میں حضرت حمزہؓ حضرت عبیدہ بن حارث اور سعد بن وقاص کی قیادت میں مہمات بھیجیں۔ لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی تھی۔ یہی وہ رستہ تھا۔ جس کے ذریعہ کفار مکہ تجارت کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سرایا وغزوات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرایا کی تعداد پچاس ہے اور غزوات تعداد میں ستائیس ہیں جن میں سے نو میں لڑائی ہوئی۔

سریہ سیف البحر[1] رمضان ۱ھ یعنی ساحل بحر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا پہلا لشکر ہجرت کے ساتویں ماہ رمضان میں بھیجا۔ جس کا علم حضرت حمزہؓ کے لیے تھا اور ابو مرثد کناز بن حصین غنوی نے اٹھا رکھا تھا۔ شام سے آنے والے قریش کے قافلہ کی روک تھام کے لیے تیس مہاجرین کا ایک دستہ ارسال کیا جب یہ لوگ سیف البحر پہنچے تو قریش کے قافلہ کو ابوجہل کی قیادت میں پایا اب لڑائی ہونے میں کوئی شک نہ تھا۔ مگر مجدی بن عمرو جہنی دونوں گروہوں کا حلیف تھا اس کی کوشش سے جنگ نہ ہوئی۔[2]

سریہ رابغ شوال ۱ھ

اپریل ۶۲۳ ہجرت کے آٹھویں ماہ شوال کے آخر میں حضرت عبیدہ بن حرث بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں ساٹھ مہاجرین کا دستہ وادی رابغ کی طرف بھیجا۔ ابوسفیان بن حرب سے جحفہ کے مقام سے دس میل دور وادی رابغ میں مقابلہ ہوا۔ جس کے ہمراہ دوسو آدمی تھے۔ اس جنگ میں تیراندازی ہوئی حضرت سعد بن ابی وقاص نے سب سے پہلے اللہ کے راستہ میں تیر مارا کوئی باقاعدہ جنگ نہ ہوئی۔ اس سریے میں مکی لشکر کے دو آدمی مسلمانوں سے آ ملے۔

ایک مقداد بن عمرو البہرانی دوسرے عتبہ بن غزوان المازنی یہ دونوں کفار کے ساتھ نکلے ہی اس مقصد کے لیے تھے۔ کہ وہ مسلمانوں سے جا ملیں گے حضرت مسطح بن اثاثہ بن مطلب بن عبد مناف علمبردار تھے۔

سریہ خرّار (ذی قعدہ ۱ھ مئی ۶۲۳)

یہ جحفہ کے نزدیک مقام ہے حضرت سعد بن ابی وقاص کی زیر قیادت اسی مہاجرین کا دستہ روانہ کیا کہیں دشمن کا پتہ نہ لگا اور خرار تک جا کر واپس آ گئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف خبر رسانی کی غرض سے روانہ ہوئے تھے۔ اس مہم کا علمبردار مقداد بن عمرو تھے۔

سریہ ابوسلمہ (۲ھ)

اس سریہ کی وجہ یہ تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ طلحہ اور سلمہ پسران خویلد اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کو لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے روانہ ہوئے ہیں ابوسلمہ کی سرکردگی میں کچھ صحابہ کو پیش دستی کے طور پر بھیجا۔[3]

غزوہ ابوا یا ودّان (ماہ صفر ۲ھ)

مدینہ سے جنوب مغرب کی طرف تقریباً آٹھ منزل (اسی میل) پر واقع ایک ابوا بستی ہے۔ یہاں پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا مدفن ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰۰ صحابیوں کے ساتھ قریش کے تجارتی قافلہ اور بنی حمزہ کے مقابلہ کے لیے نکلے آپ نے

---

[1] سیف کی س کے نیچے زیر ہے۔ معنی ساحل سمندر

[2] زاد المعاد مترجم رئیس احمد جعفری ص ۴۷۱

[3] ابن سعد ص ۳۵

مدینہ میں سعد بن عبادہ کو عامل مقرر فرمایا۔ فوج کا علم حمزہؓ بن عبدالمطلب کو دیا آپ ودان اور ابوا تک پہنچے مگر دشمن سے مقابلہ نہ ہوا کیونکہ تجارتی قافلہ مکہ چلا گیا تھا۔ بنوحمزہ کے رئیس مخشی بن عمروضمری نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور اپنی قوم کی طرف سے صلح کی درخواست پیش کی۔ آپ اس کے ساتھ معاہدہ کر کے بغیر لڑائی کے واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ یہ پہلا غزوہ جس میں آپ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔

غزوہ[1] بواط (۲ھ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسو مسلمانوں کے ایک دستہ کے ساتھ جس میں مہاجر اور انصار دونوں شامل تھے بواط کی طرف روانہ ہوئے امیہ بن خلف ایک سوشمشیر بکف قریشی بہادروں کی زیر نگرانی اڑھائی ہزار اونٹوں کا گلہ لے کر آ رہا تھا۔ جب اس نے سنا تو وہ بھی طرح دے کر دوسری طرف سے نکل گیا۔

غزوہ ذوالعُشَیرَہ (۲ھ)

جمادی الاولی بشمول اوائل جمادی الاخری (ماہ اکتوبر) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسو مسلمانوں کا دستہ لے کر وادی ینبوع میں مقام عشیرہ تک تشریف لائے۔ اس راستہ سے ابوسفیان کی زیر نگرانی ایک تجارتی قافلہ گزرنے کی خبر تھی۔ یہ قافلہ شام کی طرف جا رہا تھا یہ قافلہ بھی طرح دے کر دوسری طرف نکل گیا۔ اس غزوہ میں قبیلہ بنی مدلج اور ان کے حلیفوں سے معاہدہ ہو گیا یہ لوگ بنی حمزہ کے معاہد اور حلیف تھے۔

غزوہ بدر الاولیٰ (۲ھ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ العشیر ہ سے واپسی کے دس روز بعد یہ حادثہ پیش آیا کہ کرز بن جابر الفہری مدینہ کی چراگاہ پر حملہ آور ہو کر کئی اونٹ گھیر کر ساتھ لے گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کرز بن جابر الفہری کا تعاقب وادی صفوان تک کیا۔ جو بدر کے قریب ہے۔ اس مناسبت سے یہ غزوہ بدر الاولیٰ کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔ کرز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفت سے بچ کر صاف نکل گیا۔

سریہ نخلہ (۲ھ)

حضرت عبداللہؓ بن جحش کی قیادت میں چند صحابہ پر مشتمل دستے کو وادی نخلہ کی طرف روانہ کیا گیا۔ دشمن سے تصادم ہو گیا۔ کفار کا ایک آدمی مارا گیا۔ یہ رجب کا مہینہ تھا اور عرب کے دستور کے مطابق اس مہینے میں جنگ ممنوع تھی۔ قریش مکہ مشتعل ہو گئے اور مدینہ پر حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں معرکہ بدر ہوا۔

---

[1] بواط ایک مقام کا نام ہے جو رضوی پہاڑوں کے دامن میں ہے اور مدینہ سے پچاس میل پر واقع ہے۔

غزوہ بدر ۲ھ

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (آل عمران)

یقیناً اللہ نے تمھاری بدر میں مدد کی جب تم کمزور تھے پس اللہ سے ڈرو تا کہ تم شکر گزار بنو۔

غزوہ بدر کے وجوہ پر ایک نظر

مدینہ میں آ کر گو مسلمان آزادی کی فضا میں سانس لینے لگے۔ عبادت میں کوئی مخل نہ تھا۔ اذان ہونے لگی۔ مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس وجہ سے کوئی چھیڑ چھاڑ بھی نہیں تھی۔ اگر ایک طرف مدینہ کے اندر مسلمانوں کے لیے حالات سازگار تھے تو دوسری طرف قریش مکہ اسلام کی عداوت میں اتنے جلے بھنے تھے کہ مسلمانوں کے وطن چھوڑ کر مدینہ چلے جانے کے بعد بھی ان کو چین نہ آیا۔ کفار مکہ نے پہلے عبداللہ بن ابی کو جو ہجرت سے قبل رئیس الانصار تھا اور انصار نے اس کی تاج پوشی کے لیے تیاری کر رکھی تھی۔ خط لکھا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

انکم اویتم صاحبنا و انا نقسم باللّٰہ لتقاتلنہ او تخرجنہ او نسیرن الیکم باجمعنا حتی نقتل مقاتلتکم و نستبیح نسائکم۔[1]

تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو۔ یا مدینہ سے نکال دو ورنہ ہم تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کی خبر ہوئی۔ تو آپ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے گئے اور لڑائی کے بد نتائج سے آگاہ کیا۔ عبداللہ بن ابی اس بات کو سمجھ گیا اور قریش کی دھمکی پر عمل نہ کر سکا۔

اس کے بعد قریش نے مدینہ کے یہودیوں سے ساز باز شروع کر دی جب ان کو خفیہ طور پر اپنے ساتھ ملا لیا۔ تب مسلمانوں کو تہدیدی پیغام بھیجا تم مغرور نہ ہو جانا کہ مکہ سے جان بچا کر آ گئے ہو ہم مدینہ پر حملہ کر کے تمھیں فنا کر دیں گے۔

اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کفار مکہ نے مسلمانوں کے ساتھ چھیڑ خوانی شروع کر دی۔ مدینہ پر خطرات اس قدر منڈلانے لگے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہرہ کے نیچے سونے لگے اور صحابہ ہر وقت مسلح رہتے تھے۔ کفار کی نقل و حرکت سے باخبر رہنے کے لیے مختلف سمتوں میں گشتی دستے بھیجے جانے شروع کر دیئے۔

۲ ھ میں کرز بن جابر الفہری مسلمانوں کی ایک چراگاہ پر حملہ آور ہو کر مال مویشی لوٹ کر لے گیا اور صاف بچ کر نکل گیا۔

غزوہ کی فوری وجوہ

ا۔ عمرو بن عبداللہ حضرمی کا قتل

رجب ۲ھ میں آپ نے عبداللہ بن جحش کو بارہ آدمیوں کی مختصر سی جماعت کے ساتھ قریش کے کاروان تجارت کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لیے بھیجا۔ تجارتی قافلہ شام سے واپس آ رہا تھا۔ مڈ بھیڑ ہوگئی عبداللہ نے ان پر حملہ کر دیا۔ حضرت واقد بن عبداللہ السہمی کے تیر سے عمرو بن عبداللہ الحضرمی کی موت واقع ہوگئی عثمان اور حکم کو گرفتار کر لیا گیا اور نوفل بھاگ گیا۔ قائد دستہ حضرت عبداللہ بن جحش قریش کے دونوں قیدی اور سامان لے کر رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا **ما امرتکم بقتال فی الشھر الحرام** یعنی میں نے

[1] سنن ابو داؤد (جلد ۲ صفحہ ۶۷ باب خبر النضیر)

حرمت والے مہینے میں جنگ کی اجازت نہیں دی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدی اور مال و اسباب میں سے کسی شے کو قبول نہ فرمایا۔

یہ تصادم اور عمرو بن حضرمی کا قتل کیا جانا شہر حرام میں ہوا تھا۔ جن مہینوں میں عرب کے دستور کے مطابق لڑائی حرام تھی۔ کفار نے اس واقعہ کو بہت اچھالا اور بدلہ لینے کا تہیہ کر لیا۔

۲۔ تجارتی قافلہ کی واپسی

۲ھ میں ابوسفیان کی سرکردگی میں قریش کا کاروانِ تجارت شام کی طرف روانہ ہوا تھا۔ اس میں مکہ کے تمام مرد و زن کا سرمایہ لگا ہوا تھا۔ جن کی مجموعی پونجی پچاس ہزار دینار تھی۔ جونہی قافلے کے واپس لوٹنے کا موسم آیا تو رسول کریم ﷺ نے طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید کو قافلہ کی خبر رسانی کے لیے مقرر کیا مقام حوراء میں آ کر کشد الجہنی کے پاس قیام کیا۔ جس وقت کارواں وہاں سے گزرا تو دونوں اصحاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے کے لیے روانہ ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مدینہ پہنچنے سے قبل ہی علم ہو چکا تھا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کو روانہ فرمایا کہ قریش کے قافلہ کو روکیں تا کہ ان کو علم ہو جائے کہ اہل مدینہ سے بگاڑ کرنا ان کی تجارت کے لیے کتنا مضر ہے اور ان کی تجارت شام سے منقطع ہو سکتی ہے۔ یہ جمیعت جنگ کے ارادہ سے روانہ نہیں کی گئی۔ نہ لوٹ مار کے لیے بلکہ اس کا صرف مقصد تخویف اور تادیب تھا۔

ابوسفیان صاحب فراست مرد تھا۔ وہ قدم قدم پر مسلمانوں کے عزائم سے باخبر رہنے کے لیے گوش براہ تھا۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کے اس دستہ کی روانگی سے فوراً مطلع اور باخبر ہو گیا۔ ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر قریش مکہ کو خطرہ سے متنبہ کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔

ضمضم غفاری کا واویلا

ضمضم نے مکہ پہنچتے ہی دستور عرب کے مطابق معاملہ کی سنگینی ظاہر کرنے کے لیے اونٹنی کے کان اور ناک کاٹ دیئے۔ اس کا پالان اٹھا کر کوہان پر رکھ دیا۔ اپنی قمیض کا گریبان چاک کر کے بلند آواز سے چلانا شروع کر دیا ''اے قریش! تمہارا قافلہ خطرہ میں ہے۔ محمدؐ اپنے رفقاء سمیت ابوسفیان پر حملہ کرنے کو ہے امید نہیں کہ تم اپنا مال بچا سکو۔ کون دلاور ہے جو ابوسفیان کو بچانے کے لیے نکلے۔

ابوجہل کا نعرہ جنگ

ابوجہل تو پہلے ہی مسلمانوں پر حملہ کرنے کا بہانہ تلاش کر رہا تھا۔ حضرمی کے قتل اور ضمضم غفاری کے واویلا نے ابوجہل کی آتش غضب کو بھڑکایا وہ کعبہ میں گیا اور اپنے خداؤں سے استمداد کی۔ پھر اہل مکہ کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے ابھارا۔ تا کہ مسلمانوں کے خون سے آتش غضب کو بجھائے۔

قریش و بنوکنانہ کی پرانی عداوت

قریش اور بنوکنانہ میں قدیم عداوت چلی آ رہی تھی۔ قریش کو خدشہ تھا کہ ایسا نہ ہو۔ جب ہم مسلمانوں کے بالمقابل صف آراء ہوں۔ تو بنوکنانہ اپنا بدلہ لینے کے لیے ہمارے گھروں پر حملہ آور ہو جائیں گے اور مالک بن جعشم المدلجی نے یہ خبر سن لی۔ وہ کنانہ کا رئیس تھا۔ وہ قریش کے مجمع میں گیا اور کہا "انا جار لکم من ان تاتیکم کنانۃ من خلفکم بشی تکرھوہ۔ اے قریش! اگر بنوکنانہ تمھارے ساتھ غداری کریں تو میں ذمہ دار ہوں۔

مالک کی یہ تقریر سن کر ابوجہل کی ہمت بندھ گئی۔ اور جنگ کی تیاری شروع ہو گئی۔ اہل مکہ میں جو شخص خود میدان جنگ میں لڑنے کے قابل تھا وہ بلاتامل لشکر کے ساتھ جانے کو تیار ہو گیا۔ جو کسی وجہ سے نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے معاوضہ پر اپنا قائم مقام تیار کیا اور لشکر کے ساتھ روانہ کر دیا۔ سوائے ابولہب کے جو بغیر کسی مجبوری سے لشکر کے پیچھے رہا اور چار ہزار درہم کے معاوضہ پر عاص بن ہشام بن المغیرہ کو لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔

امیہ بن خلف اور ابوجہل کا مکابرہ

امیہ بن خلف فربہ اندام ہونے کی وجہ سے لڑائی میں شریک ہونے سے گریز کر رہا تھا جب قریش کو معلوم ہوا۔ تو ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط امیہ کے پاس خانہ کعبہ میں گیا اور سرمہ دانی اور لوبان اور سلگتی ہوئی انگیٹھی سامنے رکھ دی اور کہا اے عورت! لوبان اور سلگتی ہوئی انگیٹھی اور سرمہ دانی حاضر ہے گھر لے جایئے۔ لوبان کی خوشبو سے دماغ کو معطر کریں اور سرمہ دانی سے آنکھوں میں سرمہ لگائیں۔ امیہ بن خلف ابوجہل اور عقبہ کا طعنہ سن کر اٹھا اور ایک بیش قیمت اونٹ خرید کر لشکر کے ساتھ خروج کیا۔ اس لشکر میں قریش کے تمام روساء شامل تھے۔

رسول کریم صلعم کی مشاورت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کی خبر ہوئی تو آپ نے تمام صحابہ کو مشورہ کے لیے جمع کیا۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ نے اپنی رائے پیش کی۔ ان کے بعد حضرت مقداد اٹھے اور جان نثاری کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

''یا رسول اللہ! احکام خداوندی کی تعمیل فرمانے میں ہماری طرف سے دل میں خدشہ نہ لایئے۔ ہم موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں۔ ہم لوگ آپ کے دائیں سے، بائیں سے، سامنے سے اور پیچھے سے لڑیں گے۔ ان کی اس جان نثارانہ تقریر سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک چمک اٹھا۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا جنھوں نے بیعت عقبہ کبریٰ کے موقعہ پر وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر کوئی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہوا تو وہ دشمن کا مقابلہ کریں گے لیکن مدینہ سے باہر جا کر مقابلہ کرنے کا عہد نہیں کیا تھا۔ جب انصار کو محسوس ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ہماری طرف ہے تو حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا ''انك تريدنا'' یا رسول اللہ! کیا آپ کا یہ اشارہ ہماری طرف ہے؟ تب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! میرا اشارہ تمہاری طرف ہے۔[1]

سعد بن معاذ کی اظہار وفاداری

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں سعد نے کہا ''ہم آپؐ کی رسالت پر ایمان لے آئے ہیں۔ ہم نے آپؐ کی تصدیق کی۔ ہم نے قرآن مجید کی توثیق کی۔ آپؐ کی اطاعت کاملہ پر پختہ عہد کیا۔ آپؐ احکام خداوندی کی تعمیل میں ہماری طرف سے ذرا بھی دل میں خدشہ نہ لایئے اس خدا کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر مبعوث کیا ہے اگر آپ سمندر میں قدم رکھیں گے۔ تو ہم بلا خوف وخطر اس میں کود پڑیں گے۔ ہم میں سے کوئی فرد پیچھے نہ رہے گا۔ نہ ہم دشمن کا مقابلہ کرنے میں تامل کریں گے۔ ہم میدان حرب میں صابر اور لڑائی میں ثابت قدم ہیں امید ہے کہ ہماری وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو ٹھنڈا رکھے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ دشمن کو گھیرنے کے لیے جلدی کوچ فرمایئے۔''[1]

حضرت سعد کی تقریر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار نمودار ہو گئے اور فرمایا سیروا وَاَبْشِرُوْا فان اللّٰہ قَدْ وَعَدَنِي اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اب کوچ کرو۔ خدا کی طرف سے یہ بشارت سنو کہ اللہ نے دشمن کے دو گروہوں میں سے ایک پر نصرت کا وعدہ کیا ہے۔

پھر فرمایا وَاللّٰهِ كَاَنِّي اَنْظُرُ اِلٰى مَصَارِعِ الْقَوْمِ۔ خدا کی قسم مکہ والوں میں سے ایک ایک کا مقتل میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

گو دفاعی مشاورت میں مہاجرین اور انصار نے کھل کر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور وفاداری و جان نثاری کا تجدید عہد و پیمان کیا۔ لیکن مسلمانوں میں کچھ ایسے بھی تھے۔ جو کفار کی طاقت سے مرعوب تھے۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے ارشاد الٰہی ہے اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ[2] مومنوں میں سے ایک گروہ ناخوش تھا۔ تیرے ساتھ حق کے بارے میں جھگڑتے ہیں اس کے بعد کہ وہ واضح ہو گیا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں۔

---

1. حیات محمد صفحہ ۳۳۵

2. الانفال ۸: ۶۵

میدان بدر کی طرف مسلمانوں کا خروج

غرض ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپ تین سو تیرہ جان نثاروں[1] کو ساتھ لے کر شہر سے نکلے تو اپنی عدم موجودگی میں نیابت صلوٰۃ حضرت عمرو بن ام مکتوم کو تفویض فرمائی اور روحاء پر پہنچ کر حضرت ابولبانہ کو مدینہ کا حاکم بنا کر واپس بھیج دیا اور مدینہ کے بالائی حصہ پر عاصم بن عدی کو مقرر کیا ایک میل چل کر فوج کا جائزہ لیا جو کم سن بچے تھے۔ واپس کر دیئے گئے عمیر بن ابی وقاص ایک کم سن بچہ تھا۔ جب اس کو واپسی کا کہا گیا تو وہ رو پڑا۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی لشکر میں شامل کر لیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کم سن سپاہی کے گلے میں تلوار حمائل کی۔ مہاجرین کا علَم حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔ قبیلہ خزرج کا جھنڈا حباب بن المنذر کے پاس تھا۔ قبیلہ اوس کا پرچم حضرت سعد بن معاذ نے اٹھا رکھا تھا۔ اسلامی لشکر کے ظاہری ساز و سامان کی یہ حالت تھی کہ صرف دو گھوڑے تھے۔ جن پر حضرت زبیر اور حضرت مقداد سوار تھے۔ ستر اونٹ تھے ایک ایک اونٹ پر تین تین چار چار سپاہی سوار تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس اونٹ پر سوار تھے۔ اس پر بھی دو تین اور صحابہ سوار تھے۔ مسلمان اپنے محبوب قائد کی قیادت میں منزل بہ منزل[2] طے کرتے ہوئے مقام[3] بدر کے قریب پہنچ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کو وہیں چھوڑ کر اکیلے گشت کو نکلے ایک معمر عرب سے ملاقات ہوئی۔ اس بوڑھے کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ اہل مکہ نے قریب ہی پڑاؤ ڈال رکھا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے حضرت علیؓ حضرت زبیر اور حضرت سعدؓ کو ایک دستہ کے ہمراہ قریش کی خبر معلوم کرنے کے لیے چاہ بدر کی طرف روانہ کیا۔ تو وہ قریش کے دو غلام گرفتار کر کے ساتھ لے آئے۔ رسول کریم صلعم نے ان سے قریش کے پڑاؤ کے متعلق دریافت کیا۔ وہ کہنے لگے کہ اہل مکہ اس ٹیلہ کے پچھواڑے پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے تعداد پوچھی تو انھوں نے جواب دیا کہ ہمیں علم نہیں تب آپؐ نے دریافت فرمایا کہ وہ لوگ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا ایک روز نو دوسرے روز دس اونٹ ذبح کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے لشکر کی تعداد کا اندازہ نو سو سے لے کر ایک ہزار تک فرمایا۔ ان بچوں نے قریش کے تمام روساء کے نام بتائے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

هٰذِهٖ مَكَّةُ اَلْقَتْ اِلَيْكُمْ اَفْلَاذَ كَبِدِهَا۔ یعنی مکہ نے اپنے جگر پارے تمہاری طرف پھینک دیے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ دو خبر رساں نسیبہ اور عدی بھیجے وہ اپنی سواریوں کو کھلی جگہ بٹھا کر چاہ بدر پر پہنچے وہاں دو لڑکیاں موجود تھیں ایک لڑکی دوسری لڑکی کے قرض کے مطالبہ میں کہہ رہی تھی۔ ''ایک دو دن تک قریش کا ایک قافلہ گزر رہا ہے میں ان لوگوں کی مزدوری کر کے تمہارا قرض ادا کر دوں گی''۔ یہ خبر سن کر اونٹنی سوار واپس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لڑکیوں کی گفتگو سے آگاہ کیا۔

ابوسفیان کا نیا راستہ اختیار کرنا

ابو سفیان مسلمانوں کی ٹوہ لگاتا ہوا بدر میں پانی کے گھاٹ پر پہنچا۔ مجدی بن عمرو سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ابو سفیان

---

[1] ۸۶ مہاجر ۶۱ قبیلہ اوس اور ۱۷۰ خزرج کے

[2] روحاء۔ منصرف ذات اجذال۔ معلاۃ۔ اثیل (سیرۃ النبی حصہ اوّل صفحہ ۳۱۷)

[3] بدر بیضوی شکل کا ایک میدان ہے کوئی ساڑھے پانچ میل لمبا اور تقریباً چار میل چوڑا اطراف میں بلند پہاڑ ہیں۔ مکہ شام اور مدینہ جانے کے راستے جو وادیوں سے گزرتے ہیں یہیں ملتے ہیں۔ ترکی دور میں شریف عبدالمطلب نے اس میدان میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا تھا اب وہ ٹوٹ پھوٹ گیا ہے۔ یہ میدان سنگلاخ اور ریتلا ہے مگر جنوب مغربی حصے کی زمین نرم ہے جنگ بدر کے دن بارش ہوئی تھی تو وہ مقام جہاں قریش کا پڑاؤ تھا۔ دلدل بن گیا۔ (عہد نبوی کے میدان جنگ مصنفہ محمد حمید اللہ)

بدر کے اطراف میں جو پہاڑ ہیں ان کے مختلف حصوں کے مختلف نام ہیں۔ ان پہاڑیوں میں سے ایک کا نام العدوۃ الدنیا اور دوسری کا نام العدوۃ القصوی ہے درمیانی اونچے پہاڑ کا نام جبل اسفل ہے۔

کو بتایا کہ ابھی ابھی دو شتر سوار ادھر آئے تھے اور انھوں نے اس جگہ اپنی اونٹنیاں بٹھائی تھیں۔ ابوسفیان اس جگہ آیا اونٹ کی مینگنیاں اٹھا کر دیکھیں تو ان میں یثرب کی علامات پائیں ابوسفیان بدر والا راستہ بدل کر سمندر کے کنارے کنارے سفر اختیار کیا اور مکہ پہنچ گیا۔

لشکر کفار میں اختلاف

قریش جحفہ کے مقام پر تھے تو ان کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ مسلمانوں کی گرفت سے بچ کر نکل گیا ہے۔ تو قبیلہ زہرہ اور عدی کے روساء نے کہا۔ اب لڑنا بے سود ہے لیکن ابوجہل نے نہ مانا۔ زہرہ اور عدی کے لوگ واپس لوٹ گئے۔

اس طرح قریش کے بعض اور سردار بھی اپنی نیک دلی سے لڑائی سے نفرت کرتے تھے۔ ان میں حکیم بن حزام تھے وہ فوج کے سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ کے پاس گئے اور کہا۔ ''اگر آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہ جائے''۔ عتبہ نے کہا۔ کیوں کر۔ حکیم نے کہا۔ قریش کا مطالبہ صرف حضرمی کا خون ہے وہ آپ کا حلیف تھا۔ آپ اس کا خون بہا ادا کر دیجئے عتبہ نے خوشی سے منظور کر لیا لیکن ابوجہل کا اتفاق رائے ضروری تھا۔ حکیم عتبہ کا پیغام لے کر ابوجہل کے پاس گیا۔ اور پیغام سنایا' ابوجہل نے جواب دیا ہاں عتبہ کی ہمت ہار چکی ہے۔ ابوجہل کے دل میں اس وجہ سے بدگمانی پیدا ہوئی کہ عتبہ کے فرزند ابو حذیفہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ وہ اس معرکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

ابوجہل نے حضرمی کے بھائی عامر کو بلا کر کہا کہ اپنے حلیف کو دیکھئے کہ آپ کے بھائی کا خون آپ کی آنکھوں کے سامنے خاک میں ملا دیا ہے۔ عتبہ چاہتا ہے کہ لشکر آپ کے بھائی کا بدلہ لیے بغیر لوٹ جائے۔ عامر نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے۔ گرد اڑا کر واعمرہ واعمرہ کہہ کر چلانے لگا۔ جس سے قریش کے نوجوانوں کا خون کھولنے لگا۔ وہ نخوت اور تکبر کے نشہ میں آگے بڑھے اور مناسب جگہوں پر قبضہ کر لیا اور ابوعزیز بن عمیر نضر بن حارث اور طلحہ بن ابوطلحہ کو علمبردار مقرر کر دیا۔ یہ اس بات کی علامت تھی اب جنگ کا طبل بجنے والا ہے۔

مسلمانوں کی جنگی حکمت عملی اور جنگی امور میں مشاورت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی جگہ پر لشکر کو ٹھہرایا۔ جہاں چشمہ یا کنواں نہ تھا۔ زمین ریتلی تھی۔ حضرت حباب بن منذر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر سے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وحی سے نہیں۔

حضرت حباب نے کہا۔ بہتر ہے کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے کنویں بیکار کر دیئے جائیں۔ آپ نے یہ رائے پسند فرمائی۔ اس پر عمل کیا گیا تائید ایزدی سے اس رات بارش ہوئی۔[1] جس سے ریت بیٹھ گئی پانی روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لیے گئے تا کہ وضو اور غسل کے کام آئیں۔

سعد کا مشورہ

حوض کی تعمیر کے بعد سعد بن معاذ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کے لیے ایک ٹیلہ پر پتھروں کی ایک عریش بنائی جائے۔ آپ وہاں بیٹھ کر جنگ کی کمان فرماتے رہیں۔ ایک کنارے پر سانڈنی کھڑی کر رکھیں۔ اگر دشمن پر غلبہ حاصل ہو۔ تو سبحان اللہ۔ شکست کی صورت میں سواری پر سوار ہو کر مدینہ میں ان لوگوں کے پاس تشریف لے جائیں۔ جنھیں پیچھے چھوڑ آئے ہیں ان کے دلوں میں آپ کی محبت ہے جب بھی جہاد کا موقعہ آئے گا۔ وہ آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ کی زبان سے یہ بات سن کر ان کے لیے دعا فرمائی ان کی رائے کو بہت سراہا۔

ایک ٹیلہ پر عریش بنائی گئی۔ جہاں سے میدان جنگ صاف نظر آتا تھا تا کہ آسانی سے فوج کو ہدایات دی جاسکیں۔

---

[1] اس رحمت الٰہی کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے يُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ (الانفال ۸:۱۱) اس نے تم پر بادل سے پانی اتارا تا کہ اس سے تم کو پاک کرے۔

رسول کریم صلعم کی دعا اور کامران کی پیشگوئی

۱۶ رمضان کی رات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت متفکر تھے۔ عریش میں زار زار روتے تھے بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے تھے۔ اے خدا اگر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین میں تیری عبادت کرنے والا' توحید کا پیغام پہنچانے والا کوئی نہ رہے گا۔ پھر آپ نے دو رکعت نماز ادا کی اور غنودگی کی حالت میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ کفار کی فوج کو شکست ہو گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اس کے بعد آپ نے ایک مٹھی مٹی کی لی۔ قریش کی طرف پھینک دی اور فرمایا شاهَتِ الْوُجُوهُ چہرے بگڑ جائیں۔ ان کنکریوں کے پھینکنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے ارشاد الٰہی ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (الانفال ۸:۱۷) جب آپ نے پھینکا در اصل آپ نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا لیفٹیننٹ جنرل سرجان کلب نے اپنی کتاب دی لائف اینڈ ٹائمز محمد میں لکھتا ہے۔ ''عین اس وقت جب کہ دونوں فوجوں کے درمیان جنگ ہونے والی تھی۔ ہوا کے ایک شدید جھکڑ نے مکہ والوں کی آنکھوں میں ریت جھونک دی۔''

فریقین کی صف بندی

۱۷ رمضان بروز جمعہ صبح ہوتے ہی آپ نے صف بندی کی۔ مسلمانوں کے ۳۱۳ جنگ جو تھے۔ صف آرائی کے بغیر عام حالتوں میں مقابلہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکتا۔ امام ترمذی[۱] کے مطابق اسلامی فوج کی تقسیم لڑائی سے پہلے کی رات ہو چکی تھی۔ آپ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا۔ اس کے اشارہ سے صفیں درست کرتے جاتے تھے اور ہدایت فرماتے جاتے تھے کہ کوئی شخص صف سے آگے یا پیچھے نہ رہنے پائے اور کسی کے منہ سے آواز نہ نکلنے پائے۔ صف بندی کے بعد آپ نے فوج کے مختلف حصوں پر افسر مقرر کیے۔ واقدی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی فوج مہاجرین اوس اور خزرج تین جماعتوں میں منقسم تھی صف آرائی کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سپاہیوں کو نہایت اہم ہدایات دیں جن کا ماحصل یہ ہے۔

۱۔ مسلمان صف بندی کو نہ توڑیں۔

۲۔ اس وقت تک لڑائی کا آغاز نہ کریں۔ جب تک آپ اجازت نہ دیں۔

۳۔ دشمن دور ہو۔ تو تیر چلا کر ضائع نہ کریں۔ زد میں آ جائے تو تیر چلائیں اور بھی قریب آئے تو پتھروں سے ماریں۔ اس سے بھی نزدیک ہو جائے تو نیزوں سے روکیں اور سب سے آخر میں تلوار کھینچیں۔[۲]

مسلمان مجاہدین کے پاس کوئی امتیازی لباس نہ تھا۔ اس وجہ سے ''یا منصور امت'' کا جملہ ان کا شعار مقرر کیا گیا۔[۳] جب دو آدمی مقابل ہوتے اور فریق ثانی یہ شعار نہ دہراتا تو فوراً معلوم ہو جاتا کہ وہ دشمن کا آدمی ہے فریق ثانی قریش کی جمعیت ایک ہزار تھی ہر ایک سپاہی زرہ پوش تھا۔ ایک سو سوار تھے سات سو اونٹ تھے۔ تمام حربی اسلحہ سے لیس تھے۔ ایک مٹھی بھر جماعت کو تباہ کرنے کا جوش ان کے دلوں میں موجزن ہے۔

دشمن کی تنظیم کا زیادہ پتہ نہیں چلتا۔ واقدی کے مطابق ان کا میمنہ و میسرہ دو حصے تھے اور فوج میں تین جھنڈے تھے انھوں نے پیش قدمی کر کے ایک خاص مقام پر قیام کیا آمنے سامنے دونوں فوجیں کھڑی ہیں قریش میں سے اسود بن عبدالاسد اسلام دشمنی میں خدمات سے مغلوب ہو کر حوض کی منڈیر ڈھانے کے لیے مسلمانوں کی صفوں میں جا گھسا حضرت حمزہؓ نے ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا۔

---

[۱] ترمذی ابواب الجہاد

[۲] یہ ہدایتیں اکثر کتب حدیث میں ملتی ہیں مگر ان کا بدر میں دیا جانا واقدی کا بیان ہے۔ نیز ابن ہشام صفحہ ۴۴۳' نیز عہد نبوی کے دوران جنگ مصنفہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صفحہ ۲۱ میں ہدایات رقم ہیں۔

[۳] الواقدی صفحہ ۶ نیز عہد نبوی کے میدان جنگ صفحہ ۲۱

باقاعدہ جنگ

لڑائی کا آغاز یوں ہوا کہ عامر حضرمی آگے بڑھا مھجع حضرت عمر کا غلام مقابلہ پر نکلا اور شہید ہوگیا۔

عتبہ جو رئیس لشکر تھا۔ ابوجہل کے طعنہ سے بہت برہم تھا۔ وہ اپنے حقیقی بھائی اور بیٹے شیبہ اور ولید کو لے کر میدان میں نکلا اور مقابلہ کے لیے للکارا۔ حضرت عوفؓ حضرت معاذؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ مقابلہ میں نکلے عتبہ نے نام پوچھا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ وہ انصار میں سے ہے تو عتبہ نے غیر کفو ہونے کی وجہ سے ان کی مبارزت کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ ہم صرف بہادران قریش سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ آپ لوگوں سے نہیں پھر رسول کریم ﷺ سے مخاطب ہو کر پکارا۔ یہ لوگ ہمارا جوڑ نہیں' پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت حمزہ حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہ میدان جنگ میں اترے عتبہ نے نام پوچھے۔ سب نے نام ونسب بتائے عتبہ نے کہا ہاں! اب ہمارا جوڑ ہے۔ ولید کا حضرت علی سے۔ عتبہ کا حضرت حمزہ سے مقابلہ ہوا۔ دونوں مارے گئے۔ شیبہ نے عبیدہ کو زخمی کیا۔ لیکن حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا۔

عبیدہ بن سعید بن العاص سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا نخوت اور تکبر میں چور صف سے نکلا اور للکارا کہ "میں ابو کرش ہوں" حضرت زبیر مسلمانوں کی صف سے مقابلہ کے لیے نکلے تاک کر آنکھ میں برچھی ماری۔ عبیدہ زمین پر گر گیا' برچھی آنکھ میں اتنی مضبوطی سے پیوست ہوگئی تھی کہ حضرت زبیر نے لاش پر پاؤں رکھ کر برچھی کو باہر نکالا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیرؓ سے برچھی مانگ لی اور یادگار کے طور پر خلفائے راشدین کے پاس رہی پھر حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس آئی۔[1]

عام لڑائی

اب عام حملہ ہوا۔ کفار اپنے ساز وسامان اور اپنی تعداد پر نازاں تھے لیکن مسلمانوں کے ضعف کو ان کے خلوص اور جمعیت اور رسول کریم ﷺ کی تضرعانہ دعاؤں نے پُر کیا ہوا تھا۔

ابوجہل کی اسلام دشمنی کا عام چرچا تھا۔ اس وجہ سے انصار میں سے دو مجاہد لڑکوں معوذ اور معاذ نے اپنے دلوں میں یہ مصمم ارادہ کیا ہوا تھا کہ یہ شقی جہاں نظر آئے گا۔ تلوار کا لقمہ بنائیں گے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ اس صف میں کھڑا تھا۔ کہ میرے دائیں بائیں دو لڑکے تھے ایک نے کان میں پوچھا کہ ابوجہل کہاں ہے۔ میں نے پوچھا۔ اے برادر زادہ ابوجہل کو پوچھ کر کیا کرو گے۔ اس لڑکے نے جواب دیا کہ میں نے خدا سے یہ عہد باندھ رکھا ہے کہ جہاں یہ شقی ابوجہل ملے گا۔ اس کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا یا خود لڑ کر مر جاؤں گا ابھی میں جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے اپنی طرف متوجہ کیا اور وہی باتیں کہیں۔ دونوں کو اشارہ سے ابوجہل کی جگہ بتا رہا تھا کہ وہ باز کی طرح جھپٹے اور ابوجہل زمین پر تھا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے معاذ کے بائیں شانہ پر ضرب ماری۔ جس سے بازو کٹ گیا۔ لیکن تسمہ باقی لگا رہا۔ معاذ اس حالت میں لڑ رہا تھا۔ لیکن بازو کے لٹکنے کی وجہ سے زحمت ہوتی تھی۔ بازو کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا اور تسمہ الگ ہوگیا۔ ابوجہل کے قتل سے قریش میں بددلی پھیل گئی۔[2]

امیہ بن خلف کا قتل

ابھی ایک اور سردار امیہ بن خلف باقی تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کسی زمانہ میں امیہ بن خلف سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ مدینہ آئے گا تو یہ اس کی جان کے ضامن ہوں گے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کی نظر سے بچا کر اسے نکال دینا چاہتے تھے۔ اتفاق سے حضرت بلال نے دیکھ لیا۔ یہ شخص حضرت بلالؓ کو سخت ایذائیں دیا کرتا تھا انصار کو خبر کر دی۔ وہ اس پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا لوگوں نے اسے قتل کر دیا پھر اس کی طرف بڑھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ وہ لیٹ گیا اور وہ اس پر چھا گئے تاکہ لوگ اس کو مار نہ سکیں۔ لیکن لوگوں نے مار کر دم لیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی ایک ٹانگ بھی حفاظت میں زخمی ہوگئی۔

---

[1] صحیح بخاری غزوہ بدر

[2] طبقات ۲/۱۷

ابوالبختری کا قتل

لڑائی سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کفار کے لشکر میں بعض ایسے افراد بھی ہیں جو طیب خاطر سے نہیں بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہیں۔ ان لوگوں کے نام بھی آپ نے بتا دیئے تھے ان میں سے ابوالبختری تھا۔ مجذر کی نظر ابوالبختری پر پڑی۔ مجذر نے کہا چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے قتل سے منع فرمایا ہے اس لیے تجھے چھوڑتا ہوں۔ ابوالبختری نے کہا میرے رفیق کو بھی مجذر نے کہا۔ نہیں ابوالبختری نے کہا۔ میں خاتونانِ عرب کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ابوالبختری مجذر پر حملہ آور ہوا لیکن مارا گیا۔

امیہ کے قتل ہوتے ہی کفار میدان حرب سے بھاگ اٹھے۔ پورے ساز و سامان سے لیس ہونے کے باوجود ان بے سر و سامان مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ جنگ بدر میں جو نظارہ نصرت الٰہی کا نظر آیا۔ ایسے نظارے عموماً کم ہی دکھائی دیتے ہیں۔ ایک طرف قوت دوسری طرف ضعف' اللہ تعالیٰ نے ضعف کو فتح سے ہمکنار کر کے اپنی قدرت کاملہ اور اپنے رسول کی پیشگوئی کی (سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ) کو سچا ظاہر کرنا تھا۔ قریش شکست کھا گئے اور مسلمان فتح سے ہمکنار ہوئے۔

مسلمانوں کے کل چودہ آدمی شہید ہوئے[1] اور قریش کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر کے قریب قیدی کیے گئے۔[2] تمام نامور سردار شیبہ' عتبہ' ابوجہل' ابوالبختری' زمعہ بن اسود عاص بن ہشام امیہ بن خلف اور منبہ بن الحجاج[3] مارے گئے اور مشاہیر قریش عباس' عقیل' نوفل' اسود' عبد بن زمعہ وغیرہ گرفتار ہوئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بنو ہاشم اور بعض اشراف مکہ سے امتیازی سلوک

جنگ سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکریوں سے فرمایا تھا کہ بنو ہاشم اور قریش کے فلاں فلاں اشراف پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے یہ اپنی کسی ذاتی غرض یا قرابت داری یا اپنے قبیلہ کی محبت کی وجہ سے نہیں فرمایا تھا تمام زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ آپ نے ہمیشہ عدل و انصاف کو قرابت اور تعلقات پر ترجیح دی ہے اس امتیازی سلوک کو اگر مکی زندگی کے تناظر میں دیکھا جائے تو بات واضح ہو جائے گی۔ کہ بنو ہاشم نے متواتر تیرہ سال تک آپ کی یاوری کی۔ یہاں تک کہ مکہ میں اوس اور خزرج کی دوسری بیعت عقبہ ہوئی۔ تو اس وقت آپ کے عم بزرگوار حضرت عباس بھی ساتھ تھے۔

بعض اشراف قریش نے قرارداد مقاطعہ سے اختلاف کیا اور شعب ابی طالب کی اسیری سے نجات دلانے میں مدد کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں طبقوں (بنی ہاشم اور اشراف قریش) کے ان احسانات کا بدلہ معرکہ بدر میں دینا چاہتے تھے۔ بعض اشراف مکہ اور بنو ہاشم کو زبردستی میدان جنگ میں لائے ہیں ان کا مسلمانوں سے جنگ کا کوئی سروکار نہیں۔

جنگی قیدیوں سے سلوک

اسیران جنگ دو دو چار چار صحابہ میں تقسیم کر دیئے گئے اور ہدایت ہوئی۔ کہ ان سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ صحابہ کرام ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر گزارہ کرتے تھے۔[4] قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا۔ جو نہایت فصیح اللسان تھا۔ رسول کریم صلعم کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ اس کے دو نیچے کے دانت اکھڑوا دیجئے تا کہ اچھا بول نہ سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر میں اس کے عضو بگاڑوں گا تو گو نبی ہوں لیکن خدا اس کی جزاء میں میرے اعضا بھی بگاڑے گا۔[5]

جس قیدی کے پاس کپڑے نہ تھے اسے کپڑے دیئے گئے۔ حضرت عباس کے بدن پر قد لمبا ہونے کی وجہ سے کوئی کرتہ ٹھیک نہیں آتا تھا۔ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے اپنا کرتہ منگوا کر دیا۔[6]

---

[1] ابن ہشام ص ۵۰۶ [2] ابن ہشام ص ۵۰۷ [3] سیرۃ النبی صفحہ ۳۲۹
[4] طبری/ ۱۳۳۸ [5] صحیح بخاری [6] ابن ہشام ص ۴۶۲

اسیران جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کو جو اہمیت دیتے تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگا لیجیے کہ چار ہزار کی خطیر رقم کے عوض پڑھے لکھے قیدیوں کو دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے پر رہا کر دیا گیا۔[1] جو لوگ غریب اور نادار تھے اور فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے وہ چھوڑ دیتے گئے۔

انصار نے رسول کریم صلعم کی خدمت میں عرض کی کہ ہم حضرت عباس کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی بناء پر یہ بات پسند نہ کی۔ ان کو بھی فدیہ ادا کرنا پڑا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابو العاص بھی اسیران جنگ میں سے تھے۔ ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی۔ انھوں نے رسول کریم صلعم کی صاحبزادی حضرت زینب کو جو ان کی زوجہ تھیں۔ پیغام بھیجا کہ فدیہ ارسال کر دیں حضرت زینب نے زرفدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی بھیجا۔ جو ان کو شادی کے موقعہ پر اپنی والدہ ماجدہ (حضرت خدیجہ) کی طرف سے ملا تھا۔ رسول کریم صلعم نے ہار دیکھا تو آب دیدہ ہو گئے۔ سب نے سر تسلیم خم کیا اور وہ ہار واپس کر دیا گیا۔

مدینہ میں فتح کی خبر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے سے ایک روز قبل دو مبشر (زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ) مدینہ بھیجے ایک محلہ ہائے عالیہ کے لیے اور دوسرا محلہ ہائے سافلہ کے لیے تاکہ وہاں کی بے چین آبادی کو لڑائی کے نتیجہ کی خوش خبری اور دیگر واقعات سنائیں۔[2] جب وہ مدینہ پہنچے۔ تو خوش خبری کی منادی کی۔ تو مسلمان گھروں سے نکل آئے اور نعرے بلند ہوئے۔

مکہ میں شکست کی خبر

بدر کی شکست کی خبر مکہ پہنچی۔ تو گھر گھر میں ماتم کی صف بیٹھ گئی۔ جھوٹی غیرت کی وجہ سے قریش نے منادی کرا دی کہ کوئی شخص بدر کے مقتولین پر نہ روئے۔ اس لڑائی میں اسود کے تین لڑکے مارے گئے تھے لیکن قریش کی منادی کی وجہ سے رو نہیں سکتا تھا۔ ایک دن کسی طرف سے رونے کی آواز آئی۔ تو اس نے نوکر سے کہا۔ ذرا دیکھنا کہ قریش نے مقتولین بدر پر رونے کی اجازت دے دی ہے۔ میرے سینے میں غم اندوہ کی آگ دھک رہی ہے۔ ذرا جی کھول کر رولوں تو تسکین ہو جائے۔ نوکر نے کہا۔ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے اس کے لیے رو رہی ہے۔

جو لوگ شکست خوردہ تھے ان کی حالت یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کے سامنے آنکھ اٹھانے میں شرم محسوس کرتے تھے۔ گھروں سے باہر نکلتے تو سر جھکائے ہوئے نکلتے۔

نتائج

1- سیاسی طاقت بن کر ابھرنا

جنگ بدر کی فتح نے قریش کی قوت کو توڑ دیا اور مسلمان سیاسی لحاظ سے مضبوط ہو گئے۔ یہود اور دیگر قبائل نے مسلمانوں کی طاقت کو تسلیم کر لیا۔ آئندہ کی کامیابیوں کے در کھل گئے۔ مسلمان ایک عظیم طاقت کے طور پر ابھرے۔ ہر طرف مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ پروفیسر فلپ ہٹی جنگ بدر کی سیاسی حیثیت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

However unimportant in ilself as a millilary engagement, this ghazwat e-Badr laid the foundation of Muhammd`s temporal power. Islam had own its first mililary victory. The spirit of discipline and comtempt of death maniferted at this first armed en counler of Islam

[1] مسند احمد بن حنبل ۱/۲۴۶، ابن سعد ۲/۱۔۱۴۰

[2] سیرۃ شامی غزوہ بدر نیز ابن ہشام صفحہ ۴۵۰

proved characteristic of it in all its later and greater conquests. Hitherto islam had been a religion within a stalt in Medina. After Badr. it passed into something more than a state religion and itself be come the slate:[1]

(غزوہ بدر) بطور ایک معرکہ کے کتنا ہی غیر اہم سہی لیکن اس غزوہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی طاقت وحکومت کا سنگ بنیاد رکھ دیا اسلام نے اپنی پہلی اور فیصلہ کن فتح حاصل کر لی تھی۔ اسلام کے اس پہلے مسلح تصادم میں جس جذبہ نظم وضبط اور موت سے جس حقارت اور بے پروائی کا مظاہرہ کیا گیا وہ اسلام کی تمام آئندہ عظیم تر فتوحات میں اس کا ایک امتیازی وصف ثابت ہوا۔ (بدر سے پہلے) اسلام مدنی ریاست میں محض ایک مذہب تھا۔ مگر بدر کے بعد وہ مذہب ریاست بلکہ خود ریاست بن گیا۔

دور حاضر کا ایک فاضل انگریز مصنف لیفٹینٹ جنرل سرجان کلب رقمطراز ہے "بدر کی فتح اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی تھی۔ اگر مسلمانوں کو شکست ہو جاتی یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہو جاتے تو نیا فرقہ یا مذہب (Sect) نئے پیروکار حاصل کرنے اور اپنی عزت و وقار میں اضافہ کے بجائے (جیسا کہ ہوا) صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جاتا۔[2]

۲۔ روساء قریش کا مارا جانا

قوموں کا وجود اپنے روساء کے ساتھ ہوتا ہے۔ انہی کے سہارے اپنے مدمقابل کا مقابلہ کرتی ہیں۔ اگر کوئی قوم اپنے رئیس سے محروم ہو جائے تو وہ قوم حوصلہ کے لحاظ سے پست ہو جاتی ہے۔ کفار عرب کے ساتھ یہی ہوا۔ تمام روساء جنگ بدر میں قتل ہو گئے۔ کفار اپنی قیادت سے محروم ہو گئے۔ ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ ان کے حوصلے جواب دے گئے۔ مایوسی اور ناامیدی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر گئے۔ جس کا نتیجہ ظاہر و باہر ہے کہ جب بھی کفار بعد کی لڑائیوں میں مسلمانوں کے مقابلے پر آئے۔ بری طرح ناکام رہے۔ آخر ان کی طاقت خاک میں مل گئی۔

۳۔ فتح بدر کا مدینہ کے غیر مسلمین پر اثر

ایک طرف اہل مکہ جنگ بدر میں شکست کی وجہ سے آتش زیرپا تھے۔ اور اپنے مقتولین کا بدلہ لینے کی تیاریوں میں غرق تھے۔ دوسری طرف مدینہ کے غیر مسلم (یہود، مشرک اور منافق) مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو اپنے لیے مستقل خطرہ محسوس کرنے لگے اور مسلمانوں کی طاقت کو ختم کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہود کے منصوبوں سے آگاہ تھے۔ یہود کی شرارتوں کی وجہ سے ہی پہلے بنو قینقاع کو مدینہ سے نکالا گیا۔[3] ایک ہجوگو شاعر ابو عفک اپنے قبیلہ بنی عمرو بن عوف کو ہر وقت مسلمانوں کے خلاف لڑائی کے لیے اکساتا تھا۔ فتح بدر کے بعد اس کی آتش حسد اشعار کے روپ میں ظاہر ہونے لگی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں شاعرانہ گستاخیاں کرنے لگ پڑا۔ مسلمان اس کی بداخلاقی سے بہت ہی تنگ پڑ گئے آخر کار سالم بن عمیر نے گھر میں سوتے ہوئے ابدی نیند سلا دیا اس طرح مروان بن زید کی بیٹی عصماء لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف قتل و غارت پر برانگیختہ کرتی۔ فتح بدر کے بعد تو اس نے اسلام دشمنی میں انتہا کر دی۔ بھلا مسلمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کب گوارہ کرتے تھے۔ عمیر بن عوف نے رات کے وقت موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تیسرا قتل کعب بن اشرف کا ہے۔ کعب نے فتح بدر کے بعد تاسف کے لہجہ میں یہ کہا۔

"سادات قریش جو حرم کے نگہبان اور عرب کے بادشاہ تھے ان کی موت کے بعد ہم جیسوں کا زمین پر چلنے پھرنے سے مر جانا بہتر ہے۔"[4]

کعب شاعر تھا۔ مکہ گیا۔ برمحل ایسے قصائد کہے۔ جن سے اہل مکہ کو خوب رلایا کعب مدینہ واپس لوٹا تو مسلمانوں کی دل آزاری کے لیے وہ طریقہ اختیار کیا جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا تھا مسلمانوں کی بیبیوں کے نام لے کر ان کی تشبیب شروع کر دی۔ ہر شخص جانتا ہے

۱۔ History of the Arabs　　۲۔ عربوں کی عظیم فتوحات

۳۔ تفصیل بعد میں آئے گی۔　　۴۔ حیات محمد صفحہ ۳۶۲

کہ عرب اپنی ناموس پر کس طرح مر مٹتے ہیں۔ کعب کی اس ہرزہ سرائی سے مسلمان اتنے تنگ پڑ گئے آخر کار ابو نائلہ اور اس کے ساتھیوں نے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

معاشی ترقی

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فتوحات ملکی معاشی ترقی کا ایک ذریعہ ہوتی ہیں۔ جب مسلمانوں کو جنگ بدر میں پہلی عظیم الشان فتح ہوئی۔ تو اس نتیجہ میں صرف مال غنیمت اور فدیہ ہی حاصل نہیں ہوا بلکہ مسلمانوں کے تجارتی رستے بھی کھل گئے۔ اس فتح سے مسلمانوں کی تجارت کو فروغ حاصل ہوا۔ جس سے مسلمان اقتصادی لحاظ سے خوش حال ہو گئے۔

اسلام کی صداقت کا اظہار

یہ جنگ دو نظریوں کی جنگ تھی۔ ایک نظریہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور دوسرا نظریہ ابو جہل اور اس کے دیگر روساء کا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آغاز جنگ سے قبل اس عریش میں جاتے ہیں جو آپ کے لیے بنائی گئی تھی۔ خدا کے سامنے دعا کے لیے گر جاتے ہیں بار گاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں۔ اگر آج یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو تیری عبادت نہ کی جائے گی اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت بھی نہ کی جائے۔[1]

خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا آج پورا کر اس محویت اور بے خودی کے عالم میں چادر کندھوں سے گر جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر حضور کے پاسبان تھے وہ پاس تھے۔ عرض کی "اے اللہ کے رسول! بس فرمایئے۔ آپ نے اللہ کے حضور بڑی تضرع اور الحاح کے ساتھ دعا کر لی ہے۔

حضور پر کچھ غنودگی طاری ہوئی۔ پھر خوشی کے عالم میں مسکراتے جھونپڑی سے باہر نکلے۔ قرآن مجید کی یہ آیت جو پہلے نازل ہو چکی تھی۔ بلند آواز سے پڑھی۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ کفار کی فوج کو شکست ہو گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

دوسری طرف ابو جہل نے بھی جنگ کے لیے روانہ ہونے سے قبل ان الفاظ میں دعا کی۔ "اے خدا! جو ہم دونوں فریق میں سے تعلقات رحمی کو کاٹنے والا اور زمین میں فساد کرنے والا ہے اسے جنگ میں ہلاک کر دے اس طرح استار کعبہ کو پکڑ کر قریش نے بھی اس قسم کی دعا کی تھی۔ کہ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ اس فریق کا حامی و ناصر ہو۔ جو حق پر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح مبین دے کر واضح کر دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی نظریہ صحیح ہے یہی نظریہ غالب ہو گا۔ مخالف کا نظریہ مغلوب رہے گا۔ اس طرح دین اسلام کی صداقت روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی۔

---

[1] اَللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ الْيَوْمَ لَا تُعْبَدُ اَللّٰهُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ اَبَدًا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض ارباب سیَر کا یہ خیال ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شام سے واپس آتے ہوئے قافلہ کو لوٹنے کے لیے نکلے تھے۔ یہ خیال حقائق پر مبنی نہیں ہے۔ رسول کریم ﷺ کے مدینہ سے خروج سے متعلقہ تمام پہلوؤں پر نظر دوڑائیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے لشکر سے جنگ کرنے کے لیے ہی نکلے تھے۔

مدینہ میں بیک وقت تجارتی قافلہ اور تجارتی قافلہ کی حفاظت کے لیے قریش کے جنگی دستہ کی خبریں مدینہ میں پہنچ چکی تھیں۔ اگر قریش کے جنگی دستہ سے لڑائی کرنا مقصود نہ ہوتا صرف تجارتی قافلہ کی روک تھام مطلوب ہوتی۔ تو رسول کریم ﷺ نہ تو انصار سے مدینہ سے باہر جا کر لڑائی لڑنے کا تجدید عہد و پیمان کرتے۔ نہ حسب استطاعت اتنی فوج اکٹھی کرتے۔ اس جنگ سے پہلے بھی رسول کریم صلعم خبر گیری کے لیے مختلف اطراف میں سرایا بھیجتے تھے۔ بعض اوقات خود بھی دستہ لے کر تشریف لے جاتے تھے۔ ان سرایا کے بھیجنے میں اتنا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا نہ دستوں میں اتنی زیادہ مجاہدین کی تعداد ہوتی تھی۔ اور نہ انصار اور مہاجرین کو بلا کر ان سے مشاورت کی جاتی تھی۔

انصار اور مہاجرین سے مشاورت پھر حسب استطاعت تمام جنگجو مردوں کو جمع کر لینا اس بات کی نشان دہی ہے کہ رسول کریم ﷺ قریش کی جنگی فوج کی مزاحمت اور مدافعت کے لیے نکلے تھے اور صحابہ بھی یہی سمجھتے تھے کہ وہ قریش کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے جا رہے ہیں جیسا کہ قرآن مجید کی یہ آیت ظاہر کر رہی ہے۔ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَاتَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ[1] (مومنوں میں سے ایک گروہ قطعاً ناخوش تھا تیرے ساتھ حق کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اس کے بعد کہ ان کے لیے بات واضح ہو چکی ہے گویا وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں)

اگر صرف قافلہ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو یہ خوف یہ اضطراب یہ پہلو تہی کس بناء پر تھی۔ اس سے پہلے کئی بار کاروان تجارت کی روک ٹوک دیکھ بھال کے لیے سرایا بھیجے گئے تھے۔ کبھی ان کو ضرر نہیں پہنچا تھا نہ وہ اتنے خوف زدہ ہوئے کہ وہ یوں محسوس کریں کہ وہ موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں۔ اس دفعہ اس تجارتی قافلہ کا اتنا ڈر ہے کہ تین سو سے زائد مجاہدین ہیں۔ ان میں حضرت علیؓ حضرت امیر حمزہ جیسے بہادر اور جان نثار سپاہی بھی ہیں۔ پھر بھی مجاہدین کا ایک گروہ خوف سے مدینہ سے باہر جانے سے گریزاں ہے اور اسے اپنی موت خیال کرتا ہے۔ یہ اضطراب اور خوف ظاہر کرتا ہے کہ وہ مدینہ پر حملہ آور لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے نکل رہے تھے۔

دوم۔ قرآن مجید کی شہادت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریشی فوج کی مدافعت کے لیے نکلے تھے۔ ارشاد الٰہی ہے كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ[2] جس طرح تیرے رب نے تجھے تیرے گھر سے حق کے ساتھ نکالا۔

مدینہ سے آپ کے نکلنے کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف منسوب کیا گیا ہے پس معلوم ہوا کہ رسول کریم خدا کے حکم سے نکلے تھے اپنی خواہش یا صحابہ کے مشورے سے نہیں نکلے تھے۔ یہ حکم تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کا نہیں تھا جیسا کہ لفظ بالحق ظاہر کرتا ہے۔ کسی فعل یا قول کا حق ہونا یہ ہوتا ہے جیسا کہ امام راغب نے لکھا ہے جب اس کا وقوع بحسب مایجب و بقدر مایجب وفی الوقت الذی یجب ہو۔ یعنی اس

---

[1] الانفال ۸:۶،۵

[2] الانفال ۸:۵

کے مطابق جو واجب ہو اور اس اندازہ سے جو واجب ہو اور اس وقت میں جو واجب ہو۔ اب اگر تجارتی قافلہ پر حملہ کے لیے خروج ہوتا تو یہ تینوں لحاظ سے کسی طرح پر بالحق نہ تھا۔ اس لیے اول تو کسی راہ چلتے قافلہ پر حملہ بحسب ما یجب نہیں۔ اس کا واجب ہونا چھوڑ اس کی ضرورت ہی کوئی نہیں۔ پھر بقدر ما یجب بھی نہیں اس لیے کہ آنحضرت صلعم پوری تیاری کر کے نکلے ہیں۔ جو ممکن تھی۔ حالانکہ قافلہ کے لیے پچاس مسلح آدمی کافی تھے۔ اور فی الوقت مایجب بھی نہیں اس لیے کہ قافلہ تو اس وقت بہت دور نکل چکا تھا یہاں تک کہ جنگ بدر میں فتح حاصل کرنے کے بعد اتنا قریب بھی نہ تھا کہ اس پر حملہ کیا جاتا پس اخراج بالحق اس وقت ہوسکتا ہے کہ اس لشکر کے مقابلہ کے لیے نکلیں جو مدینہ پر مسلمانوں کو کچلنے کے لیے حملہ آور ہو رہا ہے یہ ایک ضرورت حقہ تھی اور پھر تیاری بھی اسی کے مطابق کی گئی اور پھر وقت بھی اس کے مقابلہ کا تھا اور قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلنا اس لیے بھی بالحق نہیں کہلا سکتا کہ قرآن کریم میں حکم ہے وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ اور اس قافلہ نے آپ سے جنگ نہ کی تھی نہ ابھی تک قریش نے ہی آپ پر حملہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بدر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے کفار کے حملہ کے منتظر رہے اور جب انھوں نے حملہ کیا تب آپ نے مدافعت کا حکم دیا۔[1]

---

[1] بیان القرآن حصہ اول مصنفہ مولوی محمد علی صفحہ ۵۵۴

بدر کے بعد کی جنگی سرگرمیاں اور واقعات

غزوہ بنو قینقاع شوال ۲ھ

جب جنگ بدر میں فتح مبین ہوئی۔ تو یہود نے محسوس کیا کہ اسلام ایک طاقت بنتا جا رہا ہے۔ تو ان کے دل میں بغض و عناد ظاہر ہونے لگا۔ سب سے پہلے بنو قینقاع نے عہد شکنی کی۔ ابن ہشام اور طبری نے ابن اسحٰق کی روایت سے عاصم بن قتادہ انصاری کی روایت نقل کی ہے ان بنی قینقاع کانوا اول یهود نقضوا ما بینهم و بین رسول الله صلی الله علیه وسلم و حاربوا فیما بین بدر و احد یعنی بنو قینقاع پہلے یہود تھے۔ جنھوں نے اس معاہدہ کو جو ان میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا۔ توڑ ڈالا اور بدر اور احد کے درمیانی زمانہ میں مسلمانوں سے لڑائی کی۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ واقعہ بدر میں یہودیوں نے شورش اور حسد ظاہر کیا اور عہد کو توڑا۔

ایک اتفاقیہ سبب پیش آ گیا جس نے لڑائی کی آگ کو اور بھڑکایا کہ ایک مسلمان عورت بنو قینقاع کے محلے میں دودھ بیچنے گئی۔ چند یہودیوں نے شرارۃً سر بازار برہنہ کر دیا عورت کی چیخ و پکار پر ایک مسلمان نے یہودی کو قتل کر دیا اس پر یہودی اکٹھے ہو گئے۔ انھوں نے مسلمان کو قتل کر دیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا ''خدا سے ڈرو ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب آئے۔ وہ بولے کہ ''ہم قریش نہیں ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھلا دیں گے کہ لڑائی اس کا نام ہے''۔ یہ کھلم کھلا اعلان جنگ تھا۔ رسول کریم صلی اللہ عیہ وسلم نے لڑائی کی وہ قلعہ بند ہو گئے پندرہ دن تک محاصرہ رہا۔ آخر کار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر اتر آئے عبداللہ بن ابی ان کا حلیف تھا۔ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کو جلا وطن کر دیا جائے۔ غرض وہ مدینہ سے جلا وطن ہو کر اذرعات نام بستی شام کے علاقے میں مقیم ہو گئے۔

غزوہ سویق ذی الحجہ ۲ھ

غزوہ بدر میں بڑے بڑے روساء مارے گئے۔ تو عنان سیادت ابوسفیان کے ہاتھ آئی۔ اس منصب کا سب سے بڑا فرض غزوہ بدر کی شکست کا بدلہ لینا تھا۔ ابوسفیان نے منت مانی تھی کہ جب تک مقتولان بدر کا انتقام نہ لے لے گا۔ نہ غسل جنابت کرے گا نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ چنانچہ وہ دو سو شتر سواروں کو ساتھ لے کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ رات کے وقت شہر میں آیا۔ پہلے حی بن اخطب کے ہاں گیا مگر اس نے معذرت کر دی پھر سلام بن مشکم کے پاس آیا۔ وہ یہودی بنی نضیر کا سردار تھا اور تجارتی خزانہ اس کے زیر اہتمام رہتا تھا۔ اس نے عمدہ کھانے کھلائے شراب پلائی اور مسلمانوں کی پوری حالت بھی بتا دی۔ صبح کو ابوسفیان عریض پر حملہ آور ہوا اس نے دو آدمیوں کو جو کاشت کاری میں مشغول تھے۔ قتل کر دیا تھا۔ ان دونوں میں ایک تو سعید بن عمرو انصاری تھے اور دوسرا ان کا حلیف تھا۔

چند مکانات اور گھاس کے انبار جلا دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا۔ ابوسفیان مسلمانوں کے آنے کی خبر سنتے ہی بھاگ پڑا اور مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ بھاگتے ہوئے کفار مکہ راستہ میں ستوؤں کے تھیلے پھینکتے گئے جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ اس واقعہ کا نام غزوہ سویق مشہور ہوا (عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں)

قبیلہ غطفان و سلیم کی سرکشی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہوئی کہ نواحی مدینہ کے قبیلہ غطفان کی شاخ بنو سلیم کے لوگ مدینہ پر چڑھائی کے لیے فوج

جمع کر رہے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو سو سواروں کے ساتھ ان کے علاقے پر دھاوا بول دیا اور مقام قرۃ الکدر میں ان کی منازل تک جا پہنچے۔ بنوسلیم میں اچانک حملہ کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی اور افراتفری کے عالم میں وادی کے اندر پانچ سو اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جس پر مسلمان لشکر نے قبضہ کر لیا رسول کریم صلعم نے اس کا خمس نکال کر بقیہ مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ ہر شخص کے حصے میں دو دو اونٹ آئے۔ اس غزوہ میں یسار نامی ایک غلام ہاتھ آیا۔ آپ نے آزاد کر دیا اس کے بعد دیار بنی سلیم میں تین روز قیام کر کے مدینہ واپس آ گئے۔

غزوہ ذی امر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنو ثعلبہ اور بنو محارب مقام ذی امر پر جمع ہو رہا ہے اور مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۴ یا ۵ سو مجاہدین کا دستہ لے کر نکلے راستہ میں بنو ثعلبہ کا ایک آدمی مل گیا۔ اس نے کہا۔ لوگ فلاں مقام پر بیٹھے ہوئے ہیں اگر ان کو آپ کی آمد کی خبر ہو گئی تو وہ بھاگ کر پہاڑ میں روپوش ہو جائیں گے۔ اور میں خود آپ کے ہمراہ چلتا ہوں۔ جونہی انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خبر سنی وہ پہاڑ میں منتشر ہو گئے۔

بنوسلیم کی دوسری مرتبہ سرکشی (ماہ ربیع الآخر ۳ھ)

بنوسلیم کے دوسرے حملہ کی تیاری کی اطلاع پر رسول کریم صلعم تین سو مجاہدین کا دستہ لے کر بحراں پر پہنچے۔ وہاں انہی کے قبیلہ کے ایک آدمی نے خبر دی کہ آپ کی خبر سن کر منتشر ہو گئے ہیں۔

کعب بن اشرف، ابو رافع اور سلام بن الحقیق کا قتل ۳ھ

بنونضیر کا سردار کعب بن اشرف دشمنی میں بہت بڑا ہوا تھا۔ اس نے نہ صرف مقتولین بدر کا مرثیہ لکھا بلکہ کعبہ میں ابوجہل سے حلف بھی لیا۔ اس نے علانیہ مسلمان خواتین کے نام اپنے عشقیہ اشعار میں لینے شروع کیے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازشیں کرنے لگا۔ ابو رافع اور سلام بن الحقیق نے بھی یہی ناپاک سازش کی۔ مسلمانوں نے ان تینوں کا قصہ تمام کر دیا۔

سریہ زید بن حارثہ (جمادی الاوّل ۳ھ)

مکہ کے تجارتی قافلے شام جاتے ہوئے بحیرہ احمر کے کنارے پر ہو کر گزرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام قبائل سے معاہدہ کر لیا۔ جو تجارتی گزرگاہ پر آباد تھا۔ اس طرح قریش مکہ کی تجارتی ناکہ بندی ہو گئی۔ اہل مکہ کی معیشت کا دار و مدار تجارت پر ہی تھا۔ ان کو اس ناکہ بندی کی فکر لاحق ہوئی۔

ایک روز صفوان بن امیہ نے جس کو اس سال ملک شام جانے والے تجارتی قافلے کا میر کارواں منتخب کیا تھا ایک مجمع میں تقریر کی کہ ''مسلمانوں نے ہماری تجارتی ناکہ بندی کر دی ہے۔ تجارتی گزرگاہ پر بسنے والے قبائل سے بھی معاہدہ کر لیا ہے۔ اب اس راستہ سے ہمارے تجارتی قافلوں کا گزرنا مشکل ہو گیا ہے اگر یہی حالت رہی تو ہم قحط اور بھوک کا لقمہ اجل بن جائیں گے۔''

مجمع میں اسود بن عبدالمطلب نے کھڑے ہو کر تقریر کی۔ ''شام جانے کے لیے ساحل سمندر سے ہٹ کر عراق ہو کر بھی جا سکتے ہیں۔ ہم میں سے فرات بن حیان اس راستہ کو جانتا ہے۔ فرات نے کہا۔ ''جہاں تک میرا علم ہے (حضرت) محمدؐ کے رفقاء میں سے کسی نے ابھی تک عراق کا راستہ نہیں دیکھا۔ اس راہ میں پہاڑوں اور بیابانوں کا بے پایاں سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ صفوان نے کہا ''اگر صحرا کا سفر موسم سرما میں کیا جائے تو کوئی خطرہ نہیں رہتا اس موسم میں پیاس کم لگتی ہے۔

کاروان تجارت کی تیاری شروع ہو گئی لاکھوں درہم کا سامان تجارت لے کر قافلہ چل پڑا۔

جب قریش نے یہ معاملہ طے کیا مدینہ کا ایک آدمی نعیم بن مسعود مکہ میں موجود تھا۔ مدینہ واپس لوٹا۔ اس نے بادہ نوشی کی محفل میں ایک مسلمان سلیط بن نعمان کو اس قافلہ کی خبر کر دی یہ خبر اڑتی ہوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی۔ آپ نے زید بن حارثہ کو ایک سو سپاہیوں

کا دستہ دے کر روانہ کیا۔ قردہ میں ایک چشمہ کے قریب کاروان تجارت پر چھاپہ مارا اور انھیں بھگا دیا اور مال و متاع جس کا اندازہ ایک لاکھ درہم تھا پر قبضہ کر کے رسول خدا کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اپنا خمس نکالنے کے بعد بقیہ مال غنیمت زید اور ان کے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔

اس یلغار میں فرات گرفتار کر لیا گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منقبت میں قصیدہ خوانی کی۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرات کا اسلام قبول فرمالیا۔

بدر کے بعد قریش کے لیے یہ سب سے زیادہ تکلیف دہ واقعہ تھا۔ جس نے قریش کو زیر آتش پا کر دیا۔ اب ان کے سامنے دو ہی راستے تھے یا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لیں۔ یا پوری طاقت کے ساتھ مدینہ پر حملہ کریں اور مسلمانوں کی طاقت کو ختم کر دیا جائے۔ ان رستوں میں سے قریش نے دوسرا رستہ اختیار کیا اور مسلمانوں کی طاقت کو ختم کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ جس کے نتیجہ میں غزوہ احد ہوا۔

غزوہ احد ۳ھ

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

(آل عمران ۳: ۱۳۹)

اور ست نہ ہو اور غمگین نہ بنو اور تم ہی غالب رہو گے جب تم مومن ہو۔

جنگ احد کی وجوہات

کفار مکہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کی ایک قلیل اور بے سرو سامان جماعت کے ہاتھ سے مغلوب ہونے اور ان کے عظام و روساء کا میدان جنگ میں کام آنے کی وجہ سے جوش انتقام سے لبریز تھے۔ مدینہ کے یہودیوں اور منافقوں نے بھی ان کی آتش غضب کو بھڑکانے میں کوتاہی نہ کی۔ حضرت زید بن حارثِ کی تاخت نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ سو قریش مکہ حادثہ بدر اور تجارتی ناکہ بندی دونوں کے انتقام اور مداوا کے لیے آتش زیر پا تھے۔

جنگ کی تیاری

روساء قریش میں سے جبیر بن مطعم، صفوان، امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام اور حویطب بن عبدالعزیٰ اپنے نئے قائد ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری قوم کا خاتمہ کر دیا ہے اب انتقام کا وقت ہے ہم چاہتے ہیں کہ سامان تجارت سے جو نفع حاصل ہوا ہے۔ اس سے اسلحہ حرب خریدا جائے اور مدینہ پر حملہ کر کے کشتگان بدر کا بدلہ لیا جائے۔ یہ ایک ایسی درخواست تھی۔ جو منہ سے نکلتے ہی قبول کر لی گئی۔ ان بڑوں کی کانفرنس میں یہ بھی طے پایا کہ قبائل عرب کو بھی مسلمانوں کے خلاف مشتعل کر کے لشکر میں شامل کیا جائے۔ چنانچہ قریش نے ابوعزہ عمرو جمحی اور مسافع بن عبد مناف تین پُرگو شاعروں عمرو بن العاص، عبداللہ بن الابعری اور ہبیرہ بن ابی وہب کو قبائل میں گشت کے لیے روانہ کیا۔ انھوں نے اپنی آتش بیانی سے مسلمانوں کے خلاف آتش غضب بھڑکایا چنانچہ قبائل قریش کی امداد کے لیے آمادہ ہو گئے۔ مکہ کے حبشی غلاموں کو بھی شریک جنگ کیا گیا۔ تجارتی کاروان کے نفع میں سے ڈھائی لاکھ درہم[1] جنگ کی تیاری کے لیے اکٹھا کیا گیا۔

عرب کی لڑائیوں میں سپاہیوں کی ثابت قدمی، شجاعت کا ذریعہ خاتونان حرم ہوتی تھیں۔ عرب ان کی وجہ سے موت سے کھیل جاتے تھے تاکہ شکست کی صورت میں عورتوں کے سامنے شرم سار نہ ہوں۔ دوم شکست کے بعد عورتوں کی بے حرمتی نہ ہو۔ ویسے بھی عورتیں رجز پڑھ پڑھ کر جنگجوؤں کو جوش دلاتی تھیں۔ غرض جب فوج تیار ہوئی۔ تو بڑے بڑے گھرانوں کی عورتیں لشکر میں شامل ہونے کے لیے مصر ہوئیں۔ جن پر ایک شخص نے یہ رائے پیش کی ”ہم لوگ سر پر کفن باندھ کر جا رہے ہیں۔ اگر اپنے مقتولین کا بدلہ نہ لے سکے۔ تو زندہ واپس نہ لوٹیں گے۔ عورتوں کی معیت ہمارے لیے مفید ثابت ہو گی۔ یہ زخمیوں کو سنبھالیں گی۔ ہمیں بدر کے واقعات یاد دلا دلا کر آگے بڑھائیں گی۔ دوسرے نے کہا ”عورتیں ہماری آبرو ہیں اگر ہمیں شکست ہوئی۔ تو ان کی بے حرمتی سے ہمارا ناموس خاک میں مل جائے گا“۔

اس موقعہ پر ہندہ نے تقریر کی۔

”حاضرین مجلس! اس سے نہ گھبرائیں کہ آپ زندہ بچ کر نہ آ سکیں گے۔ آخر آپ لوگ بدر سے بھی بچ ہی نکلے تھے اور اپنی عورتوں کو بھی آ کر دیکھ لیا۔ پھر آپ لوگ ہمیں شرکت سے منع کرنے والے کون ہیں۔ جب کہ یہی غلطی بدر میں ہوئی۔ جب آپ لوگوں نے اپنی ان نوجوان

[1] سیرہ شامی احوال اُحد

لڑکیوں کو جحفہ (مقام) سے واپس لوٹا دیا جو معرکہ میں موجود ہوتیں۔ تو آپ لوگوں کو غیرت دلا کر آگے بڑھاتیں آہ! وہ بدر جس میں ہمارے عزیز ترین مرد دشمن کے ہاتھ سے مارے گئے"۔[1]

جو عورتیں فوج میں شامل ہوئیں ان میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔[2]

ا۔	ہندہ بنت عتبہ	عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہؓ کی ماں
۲۔	ام حکیم	عکرمہ (فرزند ابوجہل) کی بیوی
۳۔	فاطمہ (بنت ولید)	حضرت خالدؓ کی بہن
۴۔	برزہ	مسعود ثقفی رئیس طائف کی بیٹی
۵۔	ریطہ	عمرو بن العاص کی زوجہ
۶۔	خناس	حضرت مصعبؓ بن عمیر کی ماں
۷۔	سلافہ بنت سعد	
۸۔	عمیرہ بنت علقمہ	

حضرت حمزہ نے ہندہ کے والد عتبہ کو بدر کی جنگ میں قتل کیا تھا۔ اسی طرح جبیر بن مطعم کا چچا طعیمہ بن عدی بھی حضرت حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس بناء پر ہندہ نے ایک وحشی کو جو جبیر کا غلام تھا اور حربہ اندازی میں کمال مہارت رکھتا تھا۔ حضرت حمزہؓ کو قتل کرنے پر تیار کیا۔ اور یہ طے پایا کہ وہ اس کارگزاری کے صلہ میں آزاد کر دیا جائے گا۔

الغرض ابوسفیان بنو کنانہ کو ساتھ ملا کر پانچ ہزار[3] کا لشکر فراہم کیا گیا۔ جس میں تین ہزار شتر سوار دو سو گھوڑ سوار اور سات سو زرہ پوش پیادہ تھے۔

شوال ۳ھ میں قریش مکہ بڑے طمطراق سے عازم مدینہ ہوئے۔ حضرت عباس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خفیہ اطلاع دے دی۔ چنانچہ کفار کا لشکر مدینہ کے قریب آ گیا اور مدینہ کی چراگاہ عریض کو ان کے گھوڑوں نے پامال کر دیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں پہنچیں۔ تو آپ نے پانچویں شوال ۳ھ کو دو خبر رساں انس اور مونس ابنائے فضالہ خبر لانے کے لیے بھیجے انھوں نے آ کر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آ گیا ہے اور مدینہ کی چراگاہ کو ان کے گھوڑوں نے پامال کر دیا ہے۔

شہر پر حملہ کا خطرہ تھا۔ اس وجہ سے ہر طرف پہرہ بٹھا دیا حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ مسلح ہو کر تمام رات مسجد نبوی میں پہرہ دیتے رہے۔

مشاورت

جمعہ دن ۱۰ شوال کو رسول کریم صلعم نے صحابہ کو اکٹھا کر کے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ قریباً ہر بڑی جنگ سے پہلے آپ کا صحابہ سے مشورہ کرنا ثابت ہے آپ نے اپنی خوابیں بیان فرمائیں ایک خواب میں کہ آپ کی تلوار کی دھار کچھ ٹوٹی ہوئی ہے۔ آپ نے اس کی یہ تعبیر کی کہ کچھ نقصان ہوگا۔ آپ نے یہ بھی دیکھا تھا کہ چند گائیں ذبح کی جا رہی ہیں اس کی تعبیر آپ نے یہ فرمائی۔ کہ آپ کے کچھ صحابہ شہید ہوں گے پھر آپ نے یہ بھی دیکھا کہ آپ کا ہاتھ ایک مضبوط زرہ میں ہے اس کی تعبیر یہ بیان کی کہ ہمیں مدینہ میں رہ کر دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ مدینہ ہمارے لیے محفوظ مقام ہے۔ اکثر مہاجرین اور تجربہ کار انصار کی رائے بھی یہی تھی کہ خواتین کو شہر کے باہر قلعوں میں بھیج دیا جائے اور شہر میں پناہ

---

[1] حیات محمد صفحہ ۳۷۶

[2] طبری جلد ۳ صفحہ ۳۸۶ زرقانی جلد ۴ ص ۳ نے ان چھ خواتین کے سوا سلافہ بنت سعد اور عمیرہ بنت علقمہ دو اور خاتون کا ذکر کیا ہے ان میں خناس اور عمیرہ کے سوا باقی خواتین بعد میں مسلمان ہو گئیں۔

[3] تاریخ التواریخ۔ دیگر کتب میں تین ہزار تعداد درج ہے۔

گزین ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی بن ابی سلول کی بھی یہی رائے تھی۔ مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ ایک کثیر گروہ کھلے میدان میں لشکر کفار کا مقابلہ کرنے کے لیے مصر تھا اس میں دو قسم کے لوگ تھے۔

الف۔ وہ نوخیز صحابہ جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

ب۔ بعض وہ بہادر صحابہ جو نصرت ایزدی سے غزوہ بدر میں کفار پر غالب آ چکے تھے وہ شہر میں رہ کر مدافعت بزدلی پر محمول کرتے تھے اس گروہ کے ایک نوجوان نے اپنی جان نثارانہ تقریر میں کہا۔

''مجھے یہ گوارہ نہیں کہ وہ (قریش) یہاں سے واپس لوٹ کر کہیں کہ (حضرت) محمدؐ ہم سے ڈر کر یثرب اور اس کے قلعوں میں دبک گئے یا شہر میں ہمارے بند ہو جانے سے دشمن کی جرأت اور بھی زیادہ ہو جائے گی۔

دوستو! جن دشمنوں نے ہمارے کھیت اور پھل اور پودے تاراج کر دیئے ہیں۔ اگر ہم نے انھیں اپنے باغات کی بربادی سے نہ روکا تو درختوں کا پھل اس میں کیسے نصیب ہوگا۔ ہمارا دشمن بدر کی شکست کے بعد ایک سال تک دوڑ بھاگ میں لگا رہا۔ تب جا کر مٹھی بھر عرب اور ان حبشی غلاموں کو اپنے ہمراہ لانے میں کامیاب ہوا ہے قریش کی جرأت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے اسپ اور شتر ہمارے شہر کے سوانے میں لے آئے'' آپ لوگ پسند کرتے ہیں کہ وہ ہمیں شہر اور قلعوں میں بند کر کے خود زخم کھائے بغیر واپس لوٹ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو ہمارے خلاف دشمن کے حوصلے کس قدر بڑھ جائیں گے؟ وہ آئے دن اس طرح ہمارے سرسبز و شاداب کھیت برباد کرتے رہیں گے۔ کبھی کسی طرف سے ہمیں نرغہ میں لینے کی کوشش کریں گے۔ کبھی کسی جانب سے آ کر ہمیں گھیر لیں گے۔ ان کے جاسوس انھیں بروقت ہماری خبریں پہنچایا کریں گے۔ اور ہمارا شہر ان کی گھات سے کبھی محفوظ نہ رہے گا حتیٰ کہ ایک ایک دن قریش ہم پر غالب آ جائیں گے''۔[1]

اس تقریر نے صحابہ کے جذبہ شجاعت کو مہمیز لگائی۔ کھلے میدان میں جنگ کرنے کی طرف مائل ہو گئے۔

جنگ کی تیاری

جمعہ کا دن تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ پڑھ کر فرمایا ''مسلمانو! اگر تم نے صبر اور استقامت کا ثبوت دیا۔ تو تمہاری فتح ہو گی اور مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا فرمان صادر فرمایا نماز عصر ادا کرنے کے بعد آپ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر گھر تشریف لائے زرہ پہنی اور تلوار حمائل کی۔

جب تک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم دولت خانہ میں رہے صحابہ کرام کے درمیان شہر کے اندر رہ کر یا کھلے میدان میں دونوں امور پر گفتگو جاری رہی اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ قلعہ بندی کے حامی تھے۔ دوسرے گروہ سے کہا ''آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ آنحضرتؐ قلعہ بندی چاہتے ہیں پھر بھی آپ حضرات کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میدان میں نکلنے کے لیے مجبور کیا جا رہا ہے۔ ابھی وقت ہے کہ آنحضرتؐ کی رضا مقدم سمجھی جائے اور جو کچھ حکم فرمائیں آپ بلا عذر اس کی اطاعت کریں۔''[2]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زرہ پہن کر باہر تشریف لائے لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ ہم نے رسول خدا کو خلاف مرضی نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ سب نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ہمارا مقصود آپ کی مخالفت کرنا نہیں! آپ قلعہ بند رہ کر مدافعت پر کاربند ہوں یا میدان میں صف آرائی کا حکم فرمائیں ہم اطاعت کے لیے حاضر ہیں۔ خدا کے بعد آپ کا فرمان ہمارے لیے واجب العمل ہے۔''[3]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پیغمبر کو یہ زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر اتار دے''۔ اس طرح رسول خدا نے شوریٰ کی بنیاد رکھ دی اور اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ جس مسئلے کو بحث و تمحیص کے بعد طے کر لیا جائے۔ اسے کسی رائے کے خلاف ہونے کی بناء پر مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

---

[1] حیات محمد ص ۳۷۹

[2] حیات محمد ص ۳۸۱

[3] حیات محمد ص ۳۸۱

قریشی فوج بدھ کے دن احد کے مغرب میں زغابہ میں مقیم ہوگئی۔

اُحد کا محل وقوع اور وجہ انتخاب

احد ایک پہاڑ ہے جو مدینے کے شمال میں تین ساڑھے تین میل کے فاصلے پر شرقاً غرباً کم وبیش خط مستقیم پھیلا ہوا ہے تقریباً وسط میں ایک جگہ خماؤ ہے۔ اور نیم دائرے کی شکل میں ایک وسیع میدان بن گیا ہے۔ اس کے عقبی یعنی شمالی حصے میں ایک بہت ہی تنگ درے سے گزرنے پر اندر مزید کھلے یا محفوظ میدان مل جاتے ہیں۔ اُحد کے جنوبی دامن میں وادی قناۃ گزرتی ہے وادی قناۃ کے جنوب میں جبل عینین واقع ہے جسے اب تیراندازوں کے تعین کے باعث جبل الرماۃ کہا جاتا ہے وادی قناۃ کے شمال میں جبل احد کے دامن میں جو کھلا میدان ہے اس میں پانی کے دو چشمے اب بھی موجود ہیں۔

کے کے متعلق سب جانتے ہیں کہ وہ مدینے کے جنوب میں واقع ہے پھر کفار مدینہ کے جنوب پر کیوں حملہ آور نہیں ہوئے اور کس مصلحت سے مدینہ کے شمال میں جا کر حملہ آور ہوئے اور اپنی واپسی اور اپنی کمک وغیرہ کا راستہ بند کر لیا مدینہ ایک ایسے مقام پر آباد ہے۔ جو بس میل لمبے اور اتنے ہی چوڑے میدان پر مشتمل ہے۔ اسی میدان کو ''جوف مدینہ اور بعد میں ''حرم مدینہ'' کا نام دیا گیا اس میدان کے اطراف ہر سمت میں اونچی اور ایک دوسرے سے متصل پہاڑیوں کا سلسلہ بڑی دور تک چلا گیا ہے اور آمد ورفت تنگ وادیوں اور گھاٹیوں میں سے ہوتی ہے۔ جبل عیر اور جبل ثور سے محدود ہونے والا یہ میدان بالکل ہموار بھی نہیں ہے بلکہ بیچ میں سلع کا پہاڑ اور متعدد دیگر چھوٹی پہاڑیاں واقع ہیں جن کو بڑی جنگی اہمیت حاصل ہے۔

عہد نبوی میں مدینہ کوئی اس طرح کا شہر نہ تھا۔ جیسا کہ وہ آج کل ہے۔ اس زمانہ میں وہاں عرب اور یہودی قبیلے بستے تھے۔ ہر قبیلے کا محلہ یا گاؤں دوسرے سے الگ اور فرلانگ دو فرلانگ یا اس سے بھی زیادہ فاصلے پر واقع تھا۔ اس طرح کے گاؤں کا سلسلہ جبل عیر سے جبل ثور تک برابر پھیلا ہوا تھا۔

ان دیہات میں ایک یا زیادہ پانی کے کنویں ہوتے۔ رہائشی مکان پتھر کے بنے ہوئے اور عموماً دو منزلہ ہوتے تھے۔ ہر گاؤں میں برج کی وضع کی مستحکم عمارتیں ہوتیں۔ جن کو آطام اور آجام کہا جاتا۔ جنگ کے زمانے میں عورتیں بچے جانور اور دیگر اسباب ان میں منتقل کر دیا جاتا۔ ان آطام کے اندر اکثر پانی کے کنویں بھی ہوتے تھے۔ تاکہ محاصرے کے وقت کام دیں۔

ان منتشر اور دور دور بسے ہوئے محلوں کے علاوہ مختلف افراد یا قبائل کے باغ تھے اور عموماً ان کا احاطہ پتھر کی دیوار سے بنایا جاتا تھا۔ یہ باغ آبادی کے اطراف میں چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔

ان قبائلی آبادیوں میں سے ایک کا نام یثرب تھا اور یہ گاؤں اب تک باقی ہے ممکن ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ سب سے اہم آبادی ہو اور اسی کی بناء پر پورے جوف مدینہ کے دیہات پر یثرب کا اطلاق ہوتا ہو۔ جس کی نظیر ہر ملک میں ملتی ہے۔

مدینۃ النبی کا محلہ جہاں آنحضرتؐ رہتے تھے کم وبیش وسط میں واقع ہے۔ کے والوں کو عام اہل مدینہ سے کوئی پرخاش نہ تھی۔ وہ صرف آنحضرتؐ پر اپنا غصہ اتارنا چاہتے تھے۔ مسکن نبوی تک پہنچنے کے لیے جنوب میں گنجان باغ حائل تھے۔ جن کے باعث لڑائی کا کوئی میدان نہ تھا۔ جنوب مشرق میں قبا اور عوالی آبادیاں اور باغ تھے۔ مشرق میں مسلسل یہودی محلے تھے۔ جو شمالاً جنوباً قبا سے لے کر تقریباً احد تک چلے گئے تھے۔ باغوں یا محلوں کا سلسلہ جنوب مغرب اور مغرب میں بھی پھیلا ہوا تھا۔ مگر نسبتاً کم گنجان تھا۔ مدینے کی موجودہ فصیل پر شمال میں باب الشامی کے پاس بنو ساعدہ رہتے تھے۔ ان کا سقیفہ اب تک موجود ہے۔ اس کے آگے خود جبل سلع پر بنو حرام رہتے تھے۔ ان کا قبرستان اور سقیفہ بھی اب تک باقی ہیں۔ شمال مغرب میں وادی العتیق کے کنارے بئر رومہ تک بہ کثرت باغ تھے۔ بئر رومہ مع اراضی تابعہ ابتداً یہودیوں کے قبضے میں تھی۔ شمالی حصہ البتہ کھلا ہوا تھا۔ ادھر سے مدینۃ النبی کا راستہ کھلا ہوا بھی تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ مدینے کے جنوب میں بلند پہاڑیاں ہیں اور راستہ صرف وادیوں اور گھاٹیوں میں سے گزرتا ہے۔ عہد نبوی میں مدینے کو براہ راست جنوب سے آنے کے لیے قبا کی طرف ایک سخت دشوار

گزار راستہ تھا۔ جو لاوے کے پتھروں سے اٹا ہوا ہونے کے باعث شاذ ہی اختیار کیا جاتا تھا۔ کسی فوج کے لیے لاوے سے اٹے ہوئے میدانوں میں سے گزرنا آدمی اور جانور دونوں کے لیے سخت تکلیف دہ ہے اور دوپہر کو ان پتھروں کے گرم ہو جانے کے باعث وہاں پڑاؤ ڈالنا بھی کم پسند کیا جاتا تھا۔ مدینہ کے مشرق اور مغرب دونوں طرف شمالاً جنوباً لاوے کے یہ میدان پھیلے ہوئے ہیں ان کو "لابہ" اور "حرہ" کہا جاتا ہے۔ ان حروں میں آبادی کے مکان تو تھے۔ غالباً جنگی مصلحت سے۔ لیکن باغ نہیں۔ اگر تکلیف گوارا کر کے ان حروں پر سے فوج گزر بھی جائے۔ تو ایسے میدانوں میں لڑائی بھی آسان نہیں۔

قدیم زمانہ میں کاروانوں کا راستہ یہ تھا کہ ذوالحلیفہ سے گزرتے ہی جبل عیر کے مغرب سے وادی العقیق کے اندر سیدھے شمال میں زغابہ کے سنگم تک جائیں۔ اور وہاں سے مدینہ کو جانے کے لیے جنوبی طرف مڑیں۔ وادیوں کے یہ راستے نرم ریت پر مشتمل ہونے کے باعث اونٹوں کو بھی پسند تھے۔

غرض یہ جغرافیائی دشواریاں تھیں۔ جن کے باعث قریش کی تھکی ہوئی فوج اور بارہ دن کے کوچ سے نیم مردہ جانوروں نے بھی مدینہ سے دور زغابہ میں جا کر ٹھہرنا پسند کیا۔ یہاں پانی افراط سے تھا۔ چارہ بھی ملتا تھا اور چونکہ کامیابی کا یقین تھا۔ اس لیے واپسی کے راستہ کی بھی فکر نہ تھی۔[1]

لشکر اسلام کی روانگی اُحد کی طرف

جمعہ کے دن شوال کی دسویں تاریخ عصر کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہزار سپاہیوں کی معیت میں اُحد کی طرف چلے۔ جب آپ ثنیۃ الوداع کے قریب پہنچے۔ تو ایک فوج نظر آئی۔ آپ کے دریافت فرمانے پر صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ یہ لوگ ابن ابی اور یہود کے حلیف ہیں۔ جو آپ کی نصرت کے لیے نکلے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

لا یستنصر باھل الشرک علی اھل الشرک مالم یسلموا.

یعنی ہم مشرکین کے خلاف مشرکین سے مدد نہیں لیتے۔ جب تک کہ وہ تہ دل سے مسلمان نہ ہو جائیں۔

جب آپ شیخین کی گڑھیوں کے پاس پہنچے۔ تو رضا کاروں کا تنقیدی نظر سے معائنہ کیا۔ کم سن بچے واپس کر دیئے گئے۔[2]

ان میں اسامہ بن زید۔ ابن عمر۔ زید بن ثابت۔ براء بن حازب۔ عمرو بن حزم۔ اسید بن ظہیر انصاری۔ ابو سعید خدری۔ عرابہ بن اوس۔ زید بن ارقم۔ سعد بن عقیب۔ سعد بن حبہ۔ زید بن جاریہ جابر بن عبداللہ اور حضرت حبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ لیکن خدا کی راہ میں جان دینے کا اتنا شوق تھا کہ جب رافعؓ بن خدیج سے کہا گیا کہ کم سن ہو۔ واپس جاؤ۔ تو وہ پاؤں کے انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قد اونچا نظر آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جان نثار بچے کی ادا پسند آئی۔ وہ بھی لشکر میں شامل کر لیے گئے۔[3]

بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رافع کو اچھا تیر انداز ہونے کی وجہ سے لشکر میں شرکت کی اجازت ملی تھی۔[4]

سمرہ سے ان کی کم سنی کی وجہ سے واپس جانے کو کہا۔ انھوں نے یہ دلیل پیش کی کہ میں رافع کو کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں کشتی لڑیں۔ چنانچہ سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ اس بناء پر ان کو بھی اجازت مل گئی۔

ایک بہت معمر ضعیف البنیان مضمحل الاعضاء مرد حضرت خثیمہؓ سے واپس جانے کو کہا۔ تو انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔

---

[1] ترتیب و تلخیص صفحہ ۲۶ تا ۲۹ از عہد نبوی کے میدان جنگ از محمد حمید اللہ۔

[2] سیرۃ شامی۔

[3] طبری جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۱۔

[4] ابن ہشام ذکر غزوہ احد، زرقانی جلد ۲ صفحہ ۲۹ بدایہ ابن کثیر جلد ۴۔

''امید ہے کہ اللہ ہمیں فتح یاب کرے یا شہادت ہی نصیب ہو۔ جس شہادت سے میں بدر میں محروم رہ گیا۔ میں بدر میں شرکت سے دست بردار ہونے پر راضی نہ تھا اور میرا فرزند (سعد) بھی اس پر مصر تھا۔ آخر دونوں نے قرعہ اندازی کی۔ میرے فرزند کی قسمت بیدار ہوگئی اور وہ اس معرکہ میں شہید ہوگیا۔ اسی شب کو رویا میں اس نے مجھے کہا ''خدا نے ہمارے ساتھ جو وعدے کیے تھے۔ ہم نے سب پورے ہوتے دیکھ لیے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ آ کر جنت میں رہیے''۔

یا رسول اللہ! بخدا میں اسی لمحہ سے اپنے فرزند کے ساتھ جنت میں رہنے کے اشتیاق میں بیٹھا ہوں۔ تبھی تو میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔ میری ہڈیوں میں دم نہیں رہا۔ اب میں اپنے رب سے ملاقات کو زیادہ پسند کرتا ہوں''۔[1]

اسلامی لشکر میں عورتوں کی بھی کافی تعداد تھی۔ ان میں حضرت ام المومنین حضرت عائشہؓ بھی تھیں۔ جن کا مشکیں بھر بھر کر پانی لانا اور زخمیوں کو پلانا صحیح بخاری میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اسی جگہ رات بسر کی۔ رات کو پچاس سپاہی محمد بن مسلمہ کی سرکردگی میں حفاظت کے لیے اسلامی پڑاؤ کے اطراف میں گشت کرتے رہے۔[2] تاکہ شب خون کا اندیشہ نہ رہے۔

دوسرے دن باغ شوط میں جو مدینہ اور احد کے درمیان ہے۔ فجر کے وقت پہنچے اور نماز باجماعت ادا کی گئی۔ اسی جگہ سے عبداللہ بن ابی تین سو کی جمعیت کے ساتھ یہ کہہ کر مدینہ واپس چلا آیا کہ ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میری رائے نہ مانی''۔ جب یہ منافقین واپس لوٹے۔ تو صحابہ کرامؓ کے ایک گروہ نے ان سے لڑائی کی ٹھانی اور دوسرے گروہ نے کہا کہ ہم قتال نہیں کرتے کیونکہ یہ مسلمان ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فَمَالَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلاً (النساء ۴:۸۸)

سو تمھارے لیے کیا وجہ ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ بنو۔ حالانکہ اللہ نے ان کو اس کی وجہ سے اوندھا کر دیا۔ جو انھوں نے کمایا۔ تم چاہتے ہو کہ اسے ہدایت کرو جسے اللہ نے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور جس کو اللہ گمراہ چھوڑ دے تو اس کے لیے کوئی راستہ نہ پائے گا۔

یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو منافقوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔

عبداللہ بن ابی بن سلول کا قول سن کر خزرج میں سے بنو سلمہ اور اوس میں سے بنو حارثہ نے دل میں لوٹنے کا ارادہ کیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا۔ قرآن مجید میں ہے۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (ال عمران ۳:۱۲۲)

جب تم میں سے دو گروہوں نے ارادہ کیا کہ ہمت ہار دیں اور اللہ ان دونوں کا ولی تھا اور اللہ پر ہی مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔

بخاری میں جابر بن عبداللہ سے روایت ہے۔

فینا نزلت اذهمت طائفتان منکم ان تفشلا واللّٰہ ولیهما قال نحن الطائفتان بنو حارثة و بنو سلمة وما نحب **انها لم تنزل لقول اللّٰہ واللّٰہ ولیهما۔**

یعنی یہ آیت ہمارے متعلق اتری اور ہم بنو حارثہ اور بنو سلمہ دو گروہ ہیں اور ہم کو یہ پسند نہیں کہ یہ نہ اترتی کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ ان دونوں کا کارساز اور مددگار ہے۔ ان کا ھمّ یا ارادہ محض حدیث نفس کے طور پر تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دن سات سو آدمیوں کو لے کر جن میں دو اسپ سوار اور ایک سو زرہ پوش تھے۔ آگے بڑھے۔ جبل احد کے مذکورہ خماؤ کے اندر پڑاؤ ڈال دیا۔[3] جس سے بہتر اور محفوظ مقام نہیں مل سکتا تھا۔

---

[1] حیات محمد اردو ایڈیشن ص ۶۲۲، ۶۲۳

[2] سیرۃ شامی (استعمل علی الحرس تلک اللیلة محمد بن مسلمة فی خمسین رجلا یطوفون بالعسکر)

[3] سیرۃ شامی۔

اسلامی لشکر کی صف آرائی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کو پشت پر اور کوہ عینین کو جو وادی قنات میں ہے۔ اپنی بائیں طرف رکھ کر صف آرائی کی۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو علم دیا۔ حضرت زبیرؓ بن عوام رسالے کے افسر مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہؓ کو اس حصہ کی قیادت ملی۔ جو زرہ پوش[1] نہ تھے۔ جبل عینین (جبل الرماۃ) پر پچاس تیر انداز متعین کیے کہ اگر وادی قنات کی راہ سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے کوئی دستہ بھیجے تو اسے روکیں۔[2] حضرت عبداللہ بن جبیر ان تیر اندازوں کے قائد مقرر ہوئے۔ رسول کریم صلعم نے انھیں ہدایت فرمائی۔

''اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو اچک کر لے گئے ہیں۔ تو اپنی جگہ کو نہ چھوڑنا۔ یہاں تک کہ میں تمھارے پاس کسی کو بھیجوں اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دی ہے اور مار کر پامال کر دیا ہے۔ تو بھی ایسا ہی کرنا''۔[3]

قریش کی صف آرائی

مشرکین نے جو کوہ عینین (جبل الرماۃ) میں وادی قناۃ کے مدینے کی طرف کے کنارے پر اترے ہوئے تھے۔ صفیں آرا۔تہ کیں۔ انھوں نے اسپ سواروں کے میمنہ پر خالد بن ولید کو میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو پیادہ فوج پر صفوان بن امیہ کو۔ تیر اندازوں پر عبداللہ بن ابی ربیعہ کو مقرر کیا۔ طلحہ علمبردار تھا۔ دو سو گھوڑے کوتل رکاب میں تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

عورتوں کی رجز خوانی

خاتونان قریش دف پر رجزیہ اشعار پڑھتی ہوئیں اپنے سپاہیوں کو انتقام خون پر برانگیختہ کرتی ہوئیں صفوں کے آگے پیچھے چلتی پھرتی تھیں، رجزیہ اشعار یہ تھے۔

ویہا بنی عبدالدار ویہا حماۃ الادبار ضربا بکل بتار

نحن بنات الطارق	ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں
نمشی علی النمارق	ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
ان تقبلوا نعانق	اگر تم آگے بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی
او تدبروا نفارق	پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گی

لڑائی کا آغاز

ابو عامر اوسی مدینہ کا ایک مشہور و معروف شخص تھا۔ اسلام سے قبل اپنے زہد اور پارسائی کی وجہ سے بہت معزز تھا۔ جب آفتاب رسالت مدینہ گئے۔ تو یہ شخص آپ کا مخالف ہو گیا اور مدینہ چھوڑ کر مکے آ گیا۔ اور قریش کو لڑائی پر آمادہ کیا اور کہا کہ میری قوم جب مجھے دیکھے گی۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دے گی۔ اس لیے اس نے میدان میں آ کر پکارا۔ ''اے اوس کے گروہ! مجھے پہچانتے ہو۔ میں ابو عامر ہوں''۔ اوس نے جواب دیا۔ ''ہاں او بدکار! ہم تجھ کو پہچانتے ہیں۔ خدا تیری آرزو پوری نہ کرے''۔

مشرکین کے علم بردار طلحہ نے صف سے نکل کر پکارا۔ ''مسلمانو! تم میں سے کوئی ہے جو یا مجھ کو جلد دوزخ میں پہنچا دے۔ یا خود میرے ہاتھ سے بہشت میں پہنچ جائے''۔ حضرت علی ابن ابی طالب نے صف سے نکل کر کہا۔ ''میں ہوں''۔ یہ کہہ کر سر پر ایسی تلوار ماری کہ طلحہ زمین پر

---

1. طبری جلد ۲ صفحہ ۱۳۹۴
2. ابن ہشام صفحہ ۵۶۰
3. صحیح بخاری کتاب الجہاد باب مایکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب۔

تھا۔ طلحہ کے قتل ہونے کے بعد اس کے بھائی عثمان نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ اس کے پیچھے عورتیں رجز یہ اشعار پڑھتی آتی تھیں اور وہ ان کے آگے یہ رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا۔

ان علی اھل اللواء حقا　　ان تخضب الصعدۃ وتندقا

علم بردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون میں رنگ دے۔ یا وہ ٹوٹ جائے۔

حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب مقابلے کے لیے نکلے اس زور سے شانہ پر تلوار کا وار کیا کہ کمر تک اتر آئی اور زبان پر یہ الفاظ تھے۔

''انا ابن ساقی الحجیج''

کہ میں ساقی حجاج کا بیٹا ہوں۔

اب عام جنگ شروع ہوگئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں تلوار تھی۔ آپ نے فرمایا کون اس کا حق ادا کرے گا۔ یہ سن کر کئی جان نثار آگے بڑھے۔ مگر آپ نے وہ تلوار کسی کو نہ دی۔ ابو دجانہ (سماک بن خرشہ انصاری) نے اٹھ کر عرض کی۔ یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کا حق یہ ہے کہ تو اس کو دشمن پر مارے یہاں تک کہ ٹیڑھی ہو جائے''۔ ابو دجانہ نے عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ! میں اس حق کو ادا کروں گا''۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو دجانہ کو تلوار عنایت فرمائی۔ ابو دجانہ مشہور پہلوان تھے۔ اس غیر متوقع عزت نے ان کو بادہ شجاعت سے مست کر دیا۔ سر پر سرخ رومال باندھا اور اکڑتے تنتے نکلے۔ یہ دیکھ کر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ چال خدا کو ناپسند ہے لیکن اس وقت پسند ہے''۔ حضرت ابو دجانہ صفوں کو چیرتے لاشوں پر لاشے گراتے مشرکین کی عورتوں تک جا پہنچے۔ سامنے ہند بنت عتبہ آ گئی۔ اس پر وار کرنے والے ہی تھے۔ فوراً دل میں خیال گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار اس قابل نہیں کہ کمزور عورت پر آزمائی جائے۔

اسی طرح حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ صفوں کی صفیں صاف کرتے جا رہے تھے۔ کفار کا مشہور شمشیر زن ارطاۃ بن عبد شرجیل بھی حضرت حمزہؓ کی تلوار کا لقمہ بنا تھا۔ سباع بن عبدالعزی (الغبشانی) بھی حضرت حمزہؓ کی تلوار کی مار سے زمین پر ڈھیر ہوا تھا۔

حضرت حمزہ کی شہادت

وحشی ایک حبشی غلام تھا۔ جس سے جبیر بن مطعم نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حضرت حمزہؓ کو قتل کر دے۔ تو وہ آزاد کر دیا جائے گا۔ اسی طرح ہندہ نے وعدہ کیا کہ وہ اس کو سیم زر سے مالا مال کر دے گی۔ وحشی تاک میں تھا۔

جونہی حضرت حمزہؓ کشتوں کے پشتے لگاتے ہوئے سامنے آئے۔ اس نے حربہ (چھوٹا نیزہ) مارا جو ناف سے پار ہو گیا۔ حضرت حمزہ نے اس پر حملہ کرنا چاہا۔ لیکن گر پڑے اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔[1]

ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ اس کا بیٹا حضرت حنظلہؓ اسلام کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باپ کے مقابلے میں لڑنے کی اجازت مانگی۔ لیکن رحمتہ للعالمین نے گوارا نہ کیا کہ باپ بیٹے کی تلوار کا لقمہ بنے۔ حضرت حنظلہؓ نے مشرکین کے سالار اعظم ابوسفیان پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ وہ ابوسفیان کو قتل کر دیتے۔ لیکن شداد بن الاسود نے لپک کر ان کے وار کو روک لیا۔ اور ان کو شہید کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کشفی حالت میں دیکھا کہ فرشتے حضرت حنظلہؓ کو غسل دے رہے ہیں۔ ان کی بیوی سے ان کا حال دریافت کیا۔ تو بیوی نے کہا۔ شب احد کو ان کی شادی ہوئی تھی۔ صبح کو غسل کی حاجت تھی۔ غسل کے لیے ابھی آدھا سر دھویا تھا کہ جہاد میں شامل ہونے کی آواز سنی۔ فوراً اسی حالت میں وہ جنگ میں شریک ہو گئے یہ سن کر رسول کریمؐ نے فرمایا۔ اسی وجہ سے اسے فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت حنظلہؓ کو غسیل الملائکہ کہتے ہیں۔[2]

[1] صحیح بخاری باب قتل حمزہ　[2] سیرۃ ابن ہشام

بہادرانِ اسلام بڑھ بڑھ کر داد شجاعت دے رہے تھے۔ کفار کے علم بردار لڑ کر گر گر جاتے تھے۔ لیکن علم زمین پر گرنے نہیں پاتا تھا۔ ایک کے گرنے سے دوسرا جانثار علم کو ہاتھ میں تھام لیتا تھا۔ عثمان بن طلحہ' حارث بن طلحہ' کلاب بن طلحہ' جلاس بن طلحہ' ارطات بن شرجیل' شریح بن قارظ اور ابو زید بن عمرو بن عبد مناف یکے بعد دیگرے قتل ہوئے تو کفار کا علم زمین پر آ گرا۔ عمرۃ بنت علقمہ بہادری سے آگے بڑھی اور علم کو ہاتھ میں لے کر بلند کیا۔ اس سے ایک حبشی غلام صواب نام نے لے لیا۔ قریش اس کے گرد جمع ہو کر بدر کی شکست کا داغ دھونے کی سعی لاحاصل کر رہے تھے۔ کسی مسلمان نے بڑھ کر صواب کے اس زور سے تلوار ماری کہ دونوں ہاتھ ساتھ ہی کٹ کر گر گئے۔ وہ قومی علم کو زمین پر گرا ہوا دیکھ نہیں سکتا تھا۔ علم کے گرنے کے ساتھ ہی سینہ کے بل زمین پر گرا اور جھنڈے کو سینے اور گردن کے درمیان دبا لیا۔ اسی حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔[1]

صواب کے گرنے کے بعد کسی کو قومی علم اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ کفار کو شکست ہوئی۔ بہادر عورتیں جو رجزیہ اشعار سے دلوں کو ابھارتی تھیں۔ کپڑے چڑھائے برہنہ ساق پیچھے ہٹیں۔ مسلمان قتل و غارت' سلب و نہب میں مشغول ہو گئے۔ یہ دیکھ کر تیر انداز جو درہ پر متعین تھے۔ وہ بھی مال غنیمت کے حصول کے لیے دوڑے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر نے بہت روکا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد دلایا۔ سوائے چند ایک کے وہ نہ رکے۔ ان کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَاكَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (ال عمران ۳:۱۵۵)

وہ لوگ جنھوں نے اس دن تم میں سے پیٹھ پھیر دی۔ جس دن دو گروہ ملے۔ شیطان نے ہی ان کو پھسلانا چاہا۔ اس کے کسی حصہ کی وجہ سے جو انھوں نے کمایا اور یقیناً اللہ نے ان کو معاف کر دیا کیونکہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

خالد بن ولید نے دیکھا کہ درہ میں چند ایک سپاہی ہیں۔ ان پر حملہ کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر نے چند جاں بازوں کے ساتھ مقابلہ کیا اور سب کے سب شہید ہو گئے۔ اب راستہ صاف تھا۔ خالد بن ولید نے سواروں کے دستہ کے ساتھ لشکر اسلام پر حملہ کر دیا۔ دوسری طرف سے عکرمہ بن ابو جہل نے بھی اپنے سواروں کے ساتھ دھاوا بول دیا۔ ابو سفیان جو میدان جنگ چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا۔ وہ بھی اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر نئے جوش اور نئی ہمت کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں پر یہ حملے اچانک ہوئے۔ اور وہ اتنے بدحواس ہوئے کہ مسلمان مسلمان کے ہاتھ سے مارے گئے۔ حضرت حذیفہ کے والد یمان پر مسلمانوں کی تلواریں برس پڑیں۔ حضرت حذیفہ چلاتے رہے کہ میرے باپ ہیں۔ لیکن بدحواسی میں کون سنتا تھا۔ غرض وہ شہید ہو گئے۔ حضرت حذیفہؓ نے ایثار کے لہجہ میں کہا۔ ''مسلمانو! خدا تم کو بخش دے''۔

رسول اللہؐ کی شہادت کی افواہ

حضرت مصعبؓ بن عمیر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکل و صورت میں مشابہ اور علم بردار تھے۔ ابن قمیہ نے ان کو شہید کر دیا اور مشہور ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ اس افراتفری و بدحواسی اور اضطراب میں بہتوں نے تو بالکل ہمت ہار دی۔ جو جہاں تھا۔ وہیں گھر کر رہ گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف صحابی[2] ابوبکرؓ۔ علیؓ۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ سعد بن وقاص۔ طلحہ بن عبداللہ۔ زبیر بن عوامؓ۔ ابو عبیدہ بن جراح وغیرہ تھے۔

بعض مسلمانوں کی سرفروشی

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت انس بن نضر نے راستے میں بعض مہاجرین اور انصار کو دیکھا۔ جن میں حضرت عمر فاروق[3] اور طلحہ بن عبید اللہ بھی تھے۔ وہ ہتھیار پھینک کر مایوس بیٹھے ہوئے تھے۔ ابن نضر نے پوچھا۔ یہاں کیا کرتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ رسول کریم صلی

1. ابن ہشام بروایت ابن اسحاق
2. بخاری عن براء بن عازب باب الرسول یدعوکم کتاب التفسیر۔
3. صحیح بخاری میں یہ واقع مذکور ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کا نام نہیں۔

اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ ابن نضر نے کہا۔ "ان کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے"۔ یہ کہہ کر دشمن کی فوج میں گھس گئے۔ اور جام شہادت نوش کیا۔[1] لڑائی کے بعد جب ان کی لاش دیکھی گئی۔ تو اسی سے زیادہ زخم تھے۔ کوئی شخص پہچان نہ سکا۔ ان کی بہن نے انگلی دیکھ کر پہچانا۔

ثابت بن وحداح انصار کے پاس آئے۔ اور خطاب کیا۔ "اے گروہ انصار! اگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو چکے تو اللہ زندہ ہے۔ مرتا نہیں۔ تم اپنے دین کے لیے لڑو"۔ یہ کہہ کر انھوں نے چند انصار کے ساتھ خالد بن ولید کے دستہ پر حملہ کیا۔ مگر خالد بن ولید نے ان کو شہید کر دیا۔[2]

جان نثار رضائے الٰہی کے لیے برابر شمشیر چلائے جا رہے تھے۔ لیکن نگاہیں سید الکونین کو ڈھونڈھتی تھیں۔ سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک نے پہچانا اور دفعتہً پکارا۔ "مسلمانو! رسول اللہؐ یہ ہیں"۔ یہ سن کر چشم زدن میں ہر طرف سے جان نثار کعب کی آواز کی جگہ آ پہنچے۔

کفار کا زور بھی اسی طرف ہو گیا۔ ایک دفعہ اتنے زور سے حملہ ہوا۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ "کون مجھ پر جان دیتا ہے۔ زیاد بن سکن پانچ یا سات انصاری لے کر حاضر ہوئے جنھوں نے یکے بعد دیگرے جانبازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں۔ حضرت عمارہ بن زیاد کو یہ شرف حاصل ہوا۔ جان دیتے ہوئے اپنے رخسار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں سے لگا دیئے۔[3]

ایک بہادر مسلمان اس عالم میں بھی بے پروائی کے ساتھ کھڑا کھجوریں کھا رہا تھا۔ اس نے بڑھ کر پوچھا کہ "یا رسول اللہ! اگر میں مارا جاؤں تو کہاں ہوں گا"۔ آپ نے فرمایا "جنت میں"۔ یہ بشارت سن کر اس شجاعت سے کفار کی صفوں پر حملہ آور ہوا کہ شہید ہو گیا۔[4]

حضرت وہب بن قابوس اور ان کا بھتیجا عتبہ بن قابوس بکریاں چراتے مدینہ آئے۔ معلوم ہوا کہ رسول کریم غزوہ احد پر تشریف لے گئے ہیں۔ اسلام لا کر حاضر خدمت اقدس ہوئے خالد اور عکرمہ کے حملے کے وقت حضرت وہب جاں بازی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کا بھتیجا بھی لڑتے ہوئے شہید ہوا۔

ابن ہشام کے پتھر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بازو زخمی ہوا۔ عتبہ کے پتھر سے چار دانت شہید ہوئے۔ عبداللہ بن قمیہ جو قریش کا بہادر پہلوان تھا۔ صفوں کو چیرتا ہوا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ پہنچا اور چہرہ مبارک پر تلوار ماری اور مغفر کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ گئیں۔ چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برس رہے تھے۔ لیکن جان نثاروں نے آپ کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ابو دجانہؓ نے اپنی پیٹھ رسول کریمؐ کی سپر بنا دی۔ جو تیر آتے تھے۔ وہ پیٹھ پر پڑتے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے سپر کا کام لیا۔ ہاتھ پر تیر روکتے تھے۔ یہ ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل ہو گیا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مشہور تیر انداز تھے۔ حضور خود ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے اور فرماتے"۔ تم پر میرے ماں باپ قربان! تیر مارتے جاؤ"۔[5] حضرت ابو طلحہؓ انصاری جو حضرت انسؓ کے علاتی باپ تھے۔ مشہور تیر انداز تھے۔ انھوں نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانیں ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے ہاتھ میں رہ گئیں انھوں نے چمڑے کی ڈھال سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اوٹ میں کر لیا تھا۔ آپ کبھی گردن اٹھا کر دشمن کی طرف دیکھتے تھے۔ تو وہ عرض کرتے۔ "آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں گردن اٹھا کر نہ دیکھئے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے۔ یہ میرا سینہ سامنے ہے"۔[6]

حضرت شماس بن عثمان قرشی مخزومی تلوار کے ساتھ رسول کریمؐ کی مدافعت کر رہے تھے اور شدید زخمی ہوئے۔ ان کو اٹھا کر مدینہ میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس لے جایا گیا۔ وہاں ایک دن رات زندہ رہ کر وفات پائی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ڈھال سے تشبیہ دی۔ اس طرح سہل بن حنیف انصاری اوسی نے اپنے ترکش سے تمام تیر ختم کر دیئے اور رسول کریمؐ فرماتے تھے۔ "سہل کو تیر دو" حضرت قتادہ بن نعمان انصاری کی آنکھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے ایسا تیر لگا کہ ڈیلا رخسار پر آ گرا۔ آپؐ نے دست مبارک سے اس کو جگہ پر رکھ دیا اور دعا کی۔ "خدایا تو قتادہ کو بچا۔ جیسا کہ اس نے تیرے نبی کے چہرے کو بچایا ہے" پس وہ آنکھ درست ہو گئی۔ اسی جان نثاری

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ [2] اصابہ مترجم ثابت بن وحداح
[3] زاد المعاد و طبری [4] صحیح بخاری غزوہ احد
[5] صحیح بخاری غزوہ احد صفحہ ۵۸۰ [6] ایضاً

کے موقع پر سعد بن ربیع شہید ہوئے تھے۔ جنگ کے اختتام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے۔ ایک نے دیکھا کہ زخمیوں میں پڑے دم توڑ رہے ہیں۔ پوچھا کیا حال ہے۔ سعد نے جواب دیا۔ مجھے اب مردہ سمجھو لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دینا اور یہ بھی گذارش کر دینا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ جزائے خیر دے۔ جو کسی نبی کو عطا نہیں ہوئی اور میری قوم کو یہ کہہ دینا کہ جب تک تم میں سے ایک فرد بھی باقی ہے۔ اس وقت تک اگر دشمن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گیا۔ تو خدا کے حضور میں تم کوئی عذر پیش نہ کر سکو گے۔[1]

ام عمارہ کی بہادری

یہ انصار سے تعلق رکھتی تھیں۔ دوپہر تک تو زخمیوں کو پانی پلاتی رہیں۔ دوپہر کے بعد دیکھا کہ مسلمان کفار کے نرغہ میں پھنس گئے ہیں۔ مشکیزہ پھینک کر ہاتھ میں تلوار سونت کر قریش پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح رسول کریمؐ کی حفاظت کرتے ہوئے زخمی ہو گئیں۔

اس مصیبت کی حالت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے یہ جملہ نکلا۔ ''وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے۔ جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہے''۔ خدا تعالیٰ کو یہ الفاظ پسند نہ آئے اور یہ آیت اتری۔

لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ

یعنی تم کو اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابی بن خلف کی مبارزت

قریش کا جوش انتقام بار بار ابھرتا تھا۔ ہر ایک قرشی نوجوان بہادر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی لینے کے درپے تھا کیونکہ وہ آپ کی زندگی کو اپنے لیے موت کا پیغام سمجھتے تھے۔ انھوں نے ایک بار پھر دھاوا کر دیا۔ ان کے اس دستہ کا سپہ سالار ابی بن خلف قرشی تھا۔ اپنے ہاتھ میں نیزہ لے کر نکلا اور کہا۔

''محمدؐ کو سامنے کرو۔ اگر انھیں اپنا نجات دہندہ مطلوب ہے۔ تو ان کی یہ تمنا میں پوری کر دوں'۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن الصمہ سے ان کا نیزہ لے کر ابی کی طرف مارا۔ بس کی ضرب سے ابی بن خلف اپنے گھوڑے کی زین ہی پر اوندھا ہو گیا۔

قریش کا ایک اور حملہ

خالد بن ولید نے شدت سے ایک اور حملہ کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھ دوسرے مسلمانوں کو لے کر حملہ پسپا کر دیا۔ مگر مسلمان یہاں سے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ اب وہ بعد کے بلند ٹیلے پر جا پہنچے۔ جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زخموں کی شدت کی وجہ سے نماز بیٹھ کر ادا کی اور مسلمانوں نے بھی آپ کی اقتدا میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔

ابوسفیان نے مسلمانوں کو پہاڑ کی چوٹی پر دیکھا۔ فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا۔ لیکن حضرت عمرؓ اور چند صحابہ نے پتھر برسائے۔ جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا۔[2]

آپ کی وفات کی خبر مدینہ پہنچی۔ تو مخلص جان نثار نہایت' بے تابی کے ساتھ دوڑتے ہوئے۔ میدان جنگ کی طرف آئے۔ حضرت فاطمہؓ زہرا نے آ کر دیکھا۔ تو ابھی تک چہرہ مبارک سے خون جاری تھا۔ حضرت علیؓ ڈھال میں بھر کر پانی لاتے۔ حضرت سیدۃ النساء خون دھوتی تھیں۔ لیکن خون نہیں تھمتا تھا۔ بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ سے زخم بھر دیا اور خون فوراً تھم گیا۔[3]

پھر حضورؐ نے فرمایا۔ اشتد غضب اللّٰہ علی قوم دموا وجه رسوله. پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ اغۡفِرۡ لِقَوۡمِيۡ فَاِنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ.[4]

---

1. تاریخ طبری 2. طبری ۱۴۱۰۔ ۱۴۱۱۔ 3. صحیح بخاری غزوہ احد جلد ۲
4. صحیح مسلمؒ باب غزوہ احد ۲/۱۰۸' فتح الباری ۷/۲۷۳' کتاب الشفاء بتعریف المصطفیٰ (قاضی عیاض) ۱/۸۱

مسلمان نعشوں کا مثلہ

ابوسفیان کی اہلیہ ہندہ نے اپنی آتش غیظ بجھانے کے لیے جاہلیت کی وحشیانہ و بہیمانہ خصلت سے کام لیا۔ اس نے مسلمانوں کی لاشوں میں سے ایک ایک کے کان اور ناک کٹوائے۔ ان سے گلے کا ہار بنا کر پہنا۔ حضرت حمزہؓ کی لاش ڈھونڈی۔ ان کا کلیجہ نکال کر چبایا۔ مگر نگل نہ سکی اور اگلنا پڑا۔

حضرت وہبؓ کو بری طرح مثلہ کر دیا گیا۔ رسول خداؐ اگرچہ زخموں سے نڈھال تھے۔ مگر حضرت وہب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

رضی اللہ عنک فانی عنک راض.

اللہ تجھ سے راضی ہوا میں تجھ سے راضی ہوں۔

ابوسفیان نے سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا کہ "یہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں"؟ آپ نے حکم دیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابو سفیان نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام لے کر پکارا اور جب کچھ آواز نہ آئی۔ تو بلند آواز سے پکار کر بولا۔ سب مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور بول اٹھے۔ "او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں"۔

ابوسفیان نے کہا۔

اعلی ھبل.[1] اے ہبل تو اونچا رہ

صحابہ کرامؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کہا۔

اللہ اعلی واجل. خدا بلند و برتر ہے۔

ابوسفیان نے کہا۔

لنا العزی[2] ولا عزی لکم. ہمارے پاس عزی ہے تمھارے پاس نہیں۔

صحابہؓ نے کہا۔

اللہ مولا ناولا مولی لکم.

اللہ ہمارا آقا ہے اور تمہارا آقا نہیں۔

ابوسفیان نے کہا۔ یوم بیوم والموعد العام المقبل. آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ اگلے سال ایک میدان اور ہو گا۔

اس غزوہ میں اکثر خاتونان اسلام نے بھی شرکت کی تھی اور زخمیوں کی خدمت کرتی تھیں۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ اور ام سلیم کو دیکھا کہ پائنچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ مشک خالی ہو جاتی تو جا کر بھر لاتی تھیں۔[3]

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ام سلیطؓ نے بھی جو حضرت ابوسعیدؓ خدری کی ماں تھیں۔ یہی خدمت سرانجام دی۔

حضرت صفیہ خواہر حضرت حمزہؓ شکست کی خبر سن کر بے تابی سے مدینہ سے نکلیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیر کو بلا کر ارشاد کیا "کہ صفیہ بھائی کی لاش پر نہ جائے"۔ حضرت زبیرؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا۔ بولیں کہ "میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں۔ لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں"۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کا یہ حوصلہ دیکھ کر اجازت دے دی۔ بہن بھائی کی مثلہ لاش پر جا کر انا للہ و انا الیہ راجعون. کہہ کر چپ ہو گئیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔[4]

---

[1] بت کا نام ہے۔ [2] بت کا نام ہے۔

[3] بخاری کتاب المغازی غزوہ احد۔ [4] طبری ۱۴۲۱۔

بنو دینار کی ایک عورت کے باپ بھائی شوہر سب معرکہ میں مارے گئے۔ وہ دوڑتی ہوئیں میدان کارزار کی طرف آئیں۔ باری باری باپ بھائی شوہر کی شہادت کی خبر کانوں میں پڑتی تھی۔ لیکن ہر بار یہی پوچھتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ لوگوں نے کہا بخیر ہیں۔ اس نے پاس آ کر چہرہ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھیں۔[1]

کل مصیبة بعدک جلل۔ آپ کے ہوتے ہوئے ہر ایک مصیبت ہیچ ہے۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کی طرف سے ستر آدمی شہید ہوئے۔ ابن نجار نے ان سب کے نام دیئے ہیں۔ جن میں سے چار مہاجرین میں سے اور باقی چھیاسٹھ انصار میں سے ہیں۔[2]

میدان احد میں مسلمانوں کے نقصان کے اسباب

غزوہ احد میں لشکر قریش کو فیصلہ کن فتح حاصل نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ میدان جنگ سے ہی واپس لوٹ گیا اور مدینہ پر حملہ کرنے کی جرات نہ کر سکا باوجود اس کے کہ فاروقؓ اعظم نے اس کے ہر متکبرانہ نعرے کا جواب دیا لیکن از سر نو جنگ شروع کرنے کی کوشش نہ کی بلکہ تعاقب کرنے والے مومنین کا بھی پلٹ کر مقابلہ نہ کیا۔ تاہم اس جنگ میں لشکر اسلام کا نقصان توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ اس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مسلمانوں میں ایک کثیر تعداد نو مسلموں کی تھی۔ اس لیے ان کا نظم وضبط کا معیار وہ نہیں تھا جو بدر میں تھا۔

۲۔ منافقین آخر وقت پر ساتھ چھوڑ گئے اور مسلمانوں کی تعداد کل ۷۰۰ رہ گئی جنھیں ۳۰۰۰ کا مقابلہ درپیش تھا۔

۳۔ نوجوان مسلمانوں میں ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی تھی جس کی وجہ سے توکل میں کمی آ گئی تھی اور جنگی تدابیر میں بھی سستی برتی گئی۔

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی جھوٹی افواہ نے نو مسلموں کے حوصلے پست کر دیئے اور وہ میدان سے ہٹ گئے۔

۵۔ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ نئے مسلمانوں کے ذہن میں حب مال موجود تھی اس لیے انھوں نے مال غنیمت کے لالچ میں پہاڑی کی وہ جگہ چھوڑ دی۔ جہاں انھیں عقب سے حملہ آوروں کے دفاع کے لیے کھڑا کیا ہوا تھا۔

۶۔ خالد بن ولید نے عقب سے حملہ کر دیا تھا جس سے مسلمان دو لشکروں کے درمیان آ کر پس گئے۔

۷۔ مسلمانوں کے نقصان کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو نظر انداز کر کے پہاڑی مورچہ چھوڑ دیا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ارشاد فرمایا تھا کہ اگر پرندے ہمارا گوشت نوچ رہے ہوں تو بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ اطاعت رسولؐ سے غافل ہونے کی وجہ سے وہ تائید الٰہی سے محروم ہو گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے۔ کسی طرف پلٹ کر دیکھنے کا ہوش تمھیں نہ تھا اور رسولؐ تمھارے پیچھے تم کو پکار رہا تھا۔ اس وقت تمہاری روش کا بدلہ اللہ نے تمھیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دیئے تاکہ آئندہ کے لیے تمھیں سبق ملے۔''

غزوہ احد کے اثرات

غزوہ احد کو مسلمانوں کی تربیت کے نقطہ نظر سے بہت اہمیت حاصل ہے۔ نیز عرب کی سیاسی صورت حال پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ حب مال پر ضرب کاری

سود پر پابندی لگا دی گئی تاکہ حب مال کا خاتمہ کیا جا سکے۔ تنگی وفراخی دونوں حالتوں میں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی تلقین کی گئی تاکہ سرمایہ پرستی کی بجائے خدا کی بندگی مقصد زندگی قرار پائے۔

---

[1] طبری صفحہ ۱۴۲۵ [2] وفاء الوفاء للسمہودی جزء ثانی صفحہ ۱۱۳۔

۲۔ تربیت کی خامیوں کو دور کرنا

اطاعت رسولؐ پر پورا زور دیا گیا اور جہاد سے منہ موڑنے پر سختی سے تنبیہ کی گئی اور مزید آزمائشوں کے لیے مسلمانوں کو ذہنی طور پر تیار کیا گیا۔ اس طرح تربیت کی وہ تمام خامیاں جو سامنے آئی تھیں دور کر دی گئیں۔

۳۔ غزوہ احزاب کا پیش خیمہ

غزوہ احد میں قریش کی بزعم خویش کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ ان کے جوش انتقام کی تسکین ہوگئی اور اگلے ہی سال مدینہ پر حملہ کرنے کی بجائے انھوں نے دو تین سال بعد مدینہ پر حملہ کیا تاہم قریش کی اس بزعم خویش نے ان کے حوصلے بلند کر دیئے تھے۔ اس وجہ سے اس دفعہ انھوں نے بھرپور حملہ کیا تاکہ مدینہ کی اسلامی ریاست کو ہمیشہ کے لیے ختم کر ڈالیں۔ یہ حملہ غزوہ احزاب کے نام سے مشہور ہے۔

۴۔ قبائل کی معاندانہ روش

قبائل عرب جو جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کی وجہ سے وقتی طور پر اسلام دشمنی سے باز آ گئے تھے۔ اس جنگ کے بعد پھر آمادہ شر ہو گئے اور انھوں نے ہر طریقے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔

۵۔ منافقین کا بے نقاب ہونا

منافقین ابھی ''نومسلم'' سمجھے جاتے تھے۔ اس وجہ سے ان کے خطرناک عزائم کا تاحال اندازہ نہیں ہوا تھا۔ اس جنگ میں وہ بے نقاب ہو گئے۔ اگرچہ جنگ کے خاتمے کے بعد انھوں نے معذرتیں کیں جن کو قبول کر لیا گیا لیکن یہ معلوم ہو گیا تھا کہ کون لوگ ایسے ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

۶۔ یہود کے عناد میں اضافہ

اس جنگ نے یہودیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ بنوقینقاع کی جلاوطنی سے وہ قدرے محتاط ہو گئے تھے۔ غزوہ احد میں قریش کی بظاہر کامیابی سے وہ از سرنو شرارت پر آمادہ ہو گئے چنانچہ مسلمانوں کو بنونضیر کے خلاف کارروائی کرنی پڑی۔

جنگ احد میں مسلمانوں کو الٰہی اسباق اور نصائح

اس جنگ میں مسلمانوں کو حسب ذیل نصائح اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں:

پہلا سبق اور نصیحت

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (آل عمران ۳:۱۳۸)

اور نہ سست ہو اور نہ غمگین اور تم ہی غالب رہو گے جب تم مومن ہو۔

اس آیت میں مومنوں کو تسلی دلا کر فرمایا کہ تم اس جنگ احد کو شکست نہ سمجھو اور اس کی وجہ سے تم سست اور غمگین نہ ہو اس کو شکست قرار دینا دشمنوں کا پراپیگنڈہ ہے۔ فی الواقع ایسا نہیں بلکہ اس میں تمہاری فتح اور غلبہ کا نشان موجود ہے تم ایمان کی روشن آنکھ سے ان آسمانی نشانات اور الٰہی تائیدات کو دیکھو جو اس جنگ میں نمودار ہوئیں۔

دوسرا سبق اور نصیحت

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ. (آل عمران ۳:۱۳۹)

اگر تم کو کوئی زخم پہنچا ہے تو یقیناً اسی طرح کا زخم لوگوں کو بھی پہنچا ہے اور ان دنوں کو ہم لوگوں میں نوبت بہ نوبت لاتے

رہتے ہیں۔

اس میں یہ بتایا گیا ہے اے مسلمانو! گھبرا کیوں گئے ہو تم تو حق کے پھیلانے کے لیے اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہو اور دشمن اپنی قومی روایات اور رسوم کو برقرار رکھنے کی خاطر نبرد آزما ہے اگر تم کو اس راہ میں کچھ زخم پہنچے ہیں تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ تمھارے دشمن کو بھی زخم پہنچے ہیں بلکہ تم سے بڑھ کر۔ آخر وہ بھی تو تمھارے خاندان اور تمہاری قوم کے افراد ہیں۔ دنیا میں قانون یہی ہے کہ: اَلْحَرْبُ سِجَالٌ یعنی جنگ کنوئیں کے ڈول کی طرح ہے کبھی ایک ڈول اوپر تو کبھی دوسرا۔

تیسرا سبق اور نصیحت

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَآءَ. (آل عمران ۳: ۱۴۰)

اور تا کہ اللہ ان کو جان لے جو ایمان لائے اور تم میں سے شہید بنائے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے حوادث کے ظہور پر تمھارے ایمانوں کا امتحان لینا چاہتا ہے کہ وہ کون سے لوگ ہیں۔ جن کے ایمانی جذبات ایسے حوادث کو دیکھ کر ٹھنڈے نہیں پڑے بلکہ جوش میں آ کر اللہ کی راہ میں اپنی قیمتی جان تک کو شہادت کے لیے پیش کر دیتے ہیں۔

چوتھا سبق اور نصیحت

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا. (آل عمران ۳:۱۴۱) اور تا کہ اللہ ان لوگوں کو کھرا کر دے۔ ایسے حوادثات کے لانے سے اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ مومنوں کو ایسے حوادثات کی کٹھائی میں ڈال کر ان کے ایمان کو کندن بنا دے اور ان کے ساتھ جو ملے جلے منافق یا کمزور ایمان والے انہیں ان سے جدا کر دے۔

پانچواں سبق اور نصیحت

وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران ۳:۱۴۱) اور کافروں کو گھٹا دے۔ اس حادثہ کے ظہور سے تو کافروں کا سر کچلنا منظور تھا۔ جب مسلمانوں نے اپنے پیارے آقا و پیشوا رحمتہ للعالمین کو دیکھا ہوگا کہ آپ کو کس قدر زخم آئے بے حد تکلیف پہنچی۔ نیز جب صحابہؓ نے ان بڑی بڑی ہستیوں کو دیکھا ہوگا۔ جنھیں کفار نے شہید کر ڈالا تو لازمی بات ہے کہ ایسے وقت میں ان کی ایمانی حرارت جوش میں آئے گی اور اب وہ اپنے دلوں میں پہلے سے زیادہ جوش پا کر ان کافروں کا سر کچلنے کی پوری کوشش کریں گے اور انھیں کیفر کردار تک پہنچائیں گے۔

چھٹا سبق اور نصیحت

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِيْنَ. (آل عمران ۳:۱۴۲)

کیا تم سمجھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا جو کوشش کرتے ہیں اور (نہ) صبر کرنے والوں کو جانا۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اعلیٰ منازل پر پہنچنے کے لیے کئی ایک مشکل گھاٹیوں کو عبور کرنا پڑتا ہے تا کہ مجاہدین اور صابرین کا پتہ چل جائے کہ ان مشکل گھاٹیوں کو کون کوشش اور صبر سے عبور کرتا ہے۔

ساتواں سبق اور نصیحت

وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ. (آل عمران ۳:۱۴۳)

اور یقیناً تم موت کے آنے سے پہلے مرنے کی آرزو کرتے تھے پس تم نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

یہ ابتلا تو تمہاری منہ مانگی مراد تھی۔ جس کا تم نے آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا پھر اس کو برا کیوں مناتے ہو۔

آٹھواں سبق اور نصیحت

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران ۳:۱۴۴)
اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی ہے اس سے پہلے رسول مر چکے ہیں۔ پھر اگر وہ مر جائے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔

اس میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ اے مسلمانو! اسلامی نظام تم ہی نے قائم کرنا ہے۔ اس لیے اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے صرف ایک ذات پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا بے شک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے آقا اور پیشوا ہیں۔ تمھیں ان سے والہانہ محبت اور عقیدت ہے انہی نے تمھارے سامنے اسلام پیش کیا اور وہی تمہاری اسلامی زندگی کا مطمح نظر ہے مگر یہ بھی تو یاد رکھو کہ وہ بھی تمہاری طرح بشر ہیں۔ ان کی بشری زندگی کا زمانہ محدود ہے اور انھوں نے ایک وقت تم سے جدا ہونا ہے تو کیا پھر اس اسلامی نظام کے قائم کرنے کو ترک کر دو گے اور پھر الٹے پاؤں کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

نواں سبق اور نصیحت

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا. (آل عمران ۳:۱۴۵)
اور کسی شخص کے لیے یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے سوا مر جائے (موت) کا ایک وقت مقرر ہے۔

اس آیت میں یہ بیان کیا ہے کہ اے مومنو! ایسے ابتلاؤں سے تم گھبرا کیوں گئے ہو موت تو ایک وقت ہر شخص پر یقیناً آنی ہے جس میعاد کے لیے الٰہی قانون مقرر ہے۔ پس شخصی مصلحت کو ملی مصلحتوں پر قربان کر کے آگے بڑھو تاکہ تم زندہ قوموں کی طرح الٰہی انعامات کے وارث بنو۔

دسواں سبق اور حکمت

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران ۳:۱۴۷)
اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ اور جو ہم نے اپنے کام میں حد سے تجاوز کیے ہیں معاف کر اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور ہم کو کافروں کے خلاف مدد دے۔

اس میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ ان مصائب کے نزول پر اپنی کوتاہیوں کا محاسبہ کرو اور آستانہ الوہیت پر گر کر دعاؤں سے کام لو۔ لوگون کے خلاف صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگو۔

گیارہواں سبق اور حکمت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ (آل عمران ۳:۱۴۹)
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اگر تم ان کی اطاعت کرو گے جو کافر ہوئے تو وہ تم کو الٹے پاؤں لوٹا دیں گے پس تم نقصان اٹھانے والے ہو کر پھر جاؤ گے۔

اس آیت میں یہ سبق دیا گیا ہے اور نصیحت کی گئی ہے کہ خبردار تم دشمن کے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہونا اور کہیں ان کفار کے جھانسے میں نہ آ جانا۔ تم جو ترقی کے اعلیٰ شاہراہوں پر گامزن ہو کر بڑی سرعت سے منازل ارتقاء طے کر رہے ہو۔ دشمن حسد سے جل کر تمھیں ان منازل سے گزرنے اور اس شاہراہ سے ہٹانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے اگر تم نے کفار کے جھوٹے پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر راہ حق کو چھوڑ دیا تو تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔

بارہواں سبق اور حکمت

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ (آل عمران ۳:۱۵۰)
بلکہ اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب سے اچھا مددگار ہے۔

اس آیت میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ صرف اللہ ہی مسلمانوں کا دوست اور والی ہے۔ اور وہی مددگار ہے اس وجہ سے مدد کے لیے اسی کے آستانہ پر گزرنا چاہیے۔

تیرہواں سبق اور حکمت

حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰٮكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ. (آل عمران ۳: ۱۵۲)

یہاں تک کہ تم پھسل گئے اور حکم کے متعلق آپس میں جھگڑنے لگے اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ جو کچھ تم ناپسند کرتے تھے تم کو دکھا دیا تم میں سے کچھ وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور کچھ تم میں سے وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل عینین پر پچاس تیرانداز مقرر کیے کہ اگر وادی قنات کی راہ سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے کوئی دستہ آئے تو اسے روکیں حضرت عبداللہ بن جبیر کو ان تیراندازوں کا قائد مقرر کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ہدایت فرمائی کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو اچک کر لے گئے ہیں تم نے اپنی جگہ نہیں چھوڑنی یہاں تک کہ میں تمھارے پاس کسی کو بھیجوں۔

مسلمانوں کو جب فتح نصیب ہوئی تو صحابہ کرامؓ مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور پچاس آدمیوں کا دستہ بھی درہ خالی چھوڑ کر مال غنیمت کے لوٹنے میں شریک ہوگیا۔ خالد بن ولید نے درہ کو خالی پا کر دوبارہ حملہ کر دیا اور مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تمھارے نقصان کی وجہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی ہے تم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف درہ خالی چھوڑ دیا اور دشمن نے درہ کو خالی پا کر دوبارہ حملہ کر دیا اور تمھیں نقصان اٹھانا پڑا۔

اس میں مسلمانوں کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ اگر وہ ترقی کی اعلیٰ منازل طے کرنا چاہتے ہیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی تابعداری کریں۔ اسی اطاعت میں ترقی کا راز مضمر ہے۔

واقعات متفرقہ

۱۔ رمضان کی پندرھویں تاریخ کو حضرت امام حسنؓ کی ولادت ہوئی۔

۲۔ رسول کریم صلعم نے حضرت عمر کی صاحبزادی حفصہ سے شادی کی۔

۳۔ حضرت عثمان نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثوم سے شادی کی اور ذوالنورین کا لقب پایا۔

۴۔ اسی سال قانون وراثت نازل ہوا۔

۵۔ مشرکہ کا نکاح مسلمانوں سے اب تک جائز تھا۔ اس سال اس کی بھی ترمیم نازل ہوئی۔

سنہ ۴ھ

قبائل عرب اور مسلمان

لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡهِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ. (آل عمران ۳:۱۲۸)

اس معاملہ میں تیرا کچھ دخل نہیں خواہ وہ ان پر رحمت سے لوٹے یا انھیں عذاب دے بے شک وہ ظالم ہیں۔

مدنی سیاست اور مسلمانوں کی حفاظت کی فکر

جنگ احد کے بعد تمام قبائل عرب نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ ان کو یقین کامل ہو گیا کہ قریش مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا کر دم لیں گے۔ اس وجہ سے ان کی شرارتوں میں اضافہ ہوتا گیا جگہ جگہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبائل کی مدینہ پر چڑھائی کی خبریں آنے لگیں۔ آپ تو دنیا میں مزکی بن کر آئے تھے۔ جنگ و پیکار سے کوئی تعلق نہ تھا اور قوم کو نیکی کا سبق دینے اور بدی سے روکنے کے لیے تیار کیا تھا اب اس قوم کی زندگی مصائب میں گھری ہوئی تھی۔ نوزائیدہ سلطنت کا وجود خطرے میں پڑ گیا تھا اس وجہ سے آپ پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ مدنی ریاست اور مسلمانوں کی حفاظت کے لیے تدابیر سوچتے اور ان پر عمل کرتے۔ علاوہ ازیں آپ کو یہ بھی سبق سکھانا تھا کہ جب کسی شخص کے سپرد ریاست اور اس میں رہنے والوں کی حفاظت ہو تو اسے اس قوم کی ترقی اور حفاظت کے لیے کیا کیا تدابیر اختیار کرنی چاہیں۔

اگر تاریخ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اور کام نہ بھی ہو تو یہی ایک کام نہ مٹنے والا ہے کہ کس طرح ایک قلیل التعداد قوم دشمنوں سے چاروں طرف سے گھری ہوئی ہے اور دشمن اس کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اس کو پُرفتن اور پُرخطر وادی سے نکال کر کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنا دنیا کے عظیم الشان کاموں میں سے ایک کام ہے۔ جن پُرخطر حالات کے تحت آپ نے یہ کام سرانجام دیا اس کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

الغرض جنگ احد کے بعد مدنی ریاست قبائل کے دفعۃً اٹھ کھڑے ہونے کی وجہ سے خطرات و مشکلات میں گھر گئی۔ سیرت نبویؐ میں سرایا کا وسیع سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے اس زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ مسلمان ہر وقت مسلح رہتے چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان شب و روز ہتھیار بند رہنے کی وجہ سے اکتا گئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تکلیف بیان کی۔ آپ نے تسلی دی کہ عنقریب امن کا زمانہ آنے والا ہے۔ آپ خود بھی نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے مکہ کی ایک تاریک شب میں مدینہ کے باہر آوازیں بلند ہوئیں یہ خیال پیدا ہوا کہ مدینہ پر حملہ ہو گیا ہے۔ صحابہ مدافعت کی تیاری کے لیے ایک جگہ پر جمع ہونا شروع ہو گئے اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ رسول کریمؐ بنفس نفیس گھوڑے پر سوار باہر سے آ رہے ہیں اور صحابہ کو تسلی دیتے ہیں کہ فکر نہ کریں معمولی بات ہے۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرف سے خبر رکھنی پڑتی تھی۔ جب بھی کسی قبیلہ کی خبر پہنچتی۔ تو آپ مدافعت کے لیے دستے بھیج دیتے اور حملہ کرنے سے پہلے ہی ان کو منتشر کر دیتے۔

نادان دشمن اعتراض کرتا ہے کہ تلوار سے لوگوں کو مسلمان بنایا گیا۔ تلوار سے کسی کو دائرہ اسلام میں کیا داخل کرنا تھا۔ اس وقت تو مسلمان ہونے کے معنی دشمن کی تلوار کے نیچے سر رکھ دینے کے تھے۔ جس قدر مہمات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شورش دبانے کے لیے باہر بھیجنی پڑیں۔ کہ انھوں نے کسی کو مسلمان کیا ہو۔ یا ان مہمات کی وجہ سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہوں وہ تو دور ہی پُرفتن کا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتنوں کو دبانے اور مسلمانوں کو پُرخطر حالات سے نکالنے کی فکر میں تھے۔ ہاں! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بھی فرض تھا کہ وہ

اسلام لوگوں تک پہنچائیں' اس کام کے لیے آپ نے مبلغ یا قاری تیار کیے ہوئے تھے۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ بعض اوقات ان قاریوں کو تبلیغ کے بہانے قتل کر دیا گیا۔

سریہ ابی سلمہ

سب سے پہلے امحرم ۴ھ میں طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو فید کے کوہستانی علاقہ قطن میں رہتا تھا۔ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے ابوسلمہؓ کی زیر قیادت ایک سو پچاس انصار اور مہاجرین پر مشتمل ایک دستہ بھیجا۔ جن میں ابوعبیدہ' سعد بن ابی وقاص' اسید بن حضیر تھے۔ یہ خبر سن کر ان کی جماعت منتشر ہو گئی۔

سریہ عبداللہ بن انیس

محرم ۴ھ میں سفیان بن خالد جو قبیلہ بنی لحیان سے تعلق رکھتا تھا اور جو کوہستان عُرنہ کا رئیس تھا۔ مدینہ پر حملہ کا قصد کیا۔ اس کے دفاع کے لیے آپ نے حضرت عبداللہ بن انیس کو بھیجا۔ جنھوں نے لطائف الحیل سے موقع حاصل کر کے سفیان بن خالد کو قتل کر دیا۔[1]

کفار کی بدعہدی اور شرارت

رجیع پر قاریوں کا قتل

ماہ صفر ۴ھ میں قریش مکہ نے عضل اور قارہ کے سات آدمیوں کو براہ فریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ وہ مدینہ پہنچے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ ہماری قوم مسلمان ہو چکی ہے۔ قاریوں کو ہمارے ہاں بھیجئے کہ اسلام کے احکام اور عقائد سکھائیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وطیرہ تھا کہ جب کوئی شخص آپ سے ایسی درخواست کرتا۔ آپ رد نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ مکہ میں بیعت عقبۃ الکبریٰ کے موقعہ پر اوس اور خزرج کی درخواست پر حضرت مصعب بن عمیر کو مبلغ بنا کر بھیجا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح بخاری کی روایت کے مطابق دس' ابن ہشام اور ابن خلدون کے قول کے مطابق چھ بزرگ صحابہ تعلیم اسلام دینے کے لیے بھیج دیئے۔

مرثد بن ابی مرثد غنوی یا عاصم[2] بن ثابت بن ابی الافلح اس بزرگ جماعت کے سردار مقرر کیے۔

جب یہ لوگ قبیلہ کے ایک تالاب موسومہ رجیع پر پہنچے۔ تو ان غداروں نے بدعہدی کی اور قبیلہ بنولحیان کو پکارا۔ ان کے دوسو آدمیوں نے جن میں ایک سو تیرانداز تھے۔ مسلمانوں کو گھیر لیا۔ ان لوگوں نے بڑھ کر ایک ٹیکری پر پناہ لی۔ تیراندازوں نے ان سے کہا کہ ''اتر آؤ۔ ہم تم کو امن دیتے ہیں''۔ حضرت عاصمؓ نے کہا۔ ''میں کافر کی پناہ میں نہیں آتا''۔ یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے خطاب کیا کہ ''اپنے رسول کو خبر پہنچا دے''۔ وہ مع سات قاریوں کے تیراندازوں کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کر گئے۔ تین داعیوں' عبداللہ بن طارقؓ۔ حضرت خبیبؓ اور حضرت زید بن الدثنہؓ نے کافروں کے عہد پر اعتماد کیا اور پہاڑی سے اتر آئے کافروں نے بدعہدی کر کے ان کی مشکیں کس لیں اور مکہ کی طرف لے چلے۔ راستہ میں حضرت عبداللہ بن طارق کافروں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ انھوں نے تعاقب کیا۔ عبداللہ تلوار سونت کر مقابلہ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ مگر کافروں نے پتھراؤ سے ہی شہید کر دیا۔

حضرت زید اور خبیب اہل مکہ کے ہاتھ میں

کفار دونوں کو مکہ لے گئے۔ حضرت زید نے غزوہ بدر میں امیہ بن خلف کو قتل کیا تھا۔ انھیں قتل کرنے کے لیے امیہ کے بیٹے صفوان

---

1. طبقات ابن سعد صفحہ ۳۶
2. عاصم بن ثابت حضرت عمر فاروق کے نانا تھے۔

نے خرید کر اپنے غلام نسطاس کے سپرد کر دیا۔

زید کے قتل کے وقت تمام روساء قریش مقتل میں پہنچے۔ ان میں ابوسفیان بھی تھا۔ جب ان کا سر تن سے جدا ہونے کو تھا تو ابوسفیان نے کہا۔ ''کیا تم پسند نہیں کرتے کہ تم بچ جاؤ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کیے جائیں''۔ انھوں نے جواب دیا کہ ''میں تو اپنی جان کو اتنی وقعت بھی نہیں دیتا کہ میں بچ جاؤں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کانٹا چبھ جائے''۔

یہ ان لوگوں کی محبت اور عشق کا نمونہ ہے۔

صفوان کے غلام نسطاس[1] نے ان کی گردن مار دی۔

حضرت خبیبؓ نے جنگ احد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ اس لیے ان کو حارث کے بیٹوں نے خرید لیا کہ باپ کے قتل کا بدلہ لیں۔[2] چند دن انھی کے گھر میں بھوک و پیاس کے ساتھ قید رہے۔ ایک دن حارث کی نواسی تیز چھری سے کھیلتی ہوئی حضرت خبیبؓ کے پاس چلی گئی انھوں نے بچی کو زانو پر بٹھا لیا اور چھری زمین پر رکھ دی۔ بچی کی ماں اتفاقاً کہیں سے آ گئی۔ دیکھا کہ حضرت خبیبؓ کے پاس چھری پڑی ہوئی ہے۔ خوف سے لرزہ براندام ہو گئی۔ حضرت خبیبؓ نے کہا۔ ''کیا تو سمجھتی ہے کہ میں اس کو قتل کر دوں گا؟ ہمارا یہ کام نہیں''۔

حارث کا خاندان ان کو حرم کی حدود سے باہر لے گیا اور قتل کرنا چاہا۔ حضرت خبیبؓ کافروں سے اجازت لے کر دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد ان سے یوں مخاطب ہوئے۔

''اما واللّٰہ! لولا ان تظنوا انی انما طولت جزعا من القتل لا ستکثرت من الصلاۃ''

خدا کی قسم! اگر تمھاری طرف سے اس بدگمانی کا شبہ نہ ہوتا ''کہ موت سے ڈر کر نماز کو طول دے رہا ہوں'' تو اور لمبی نماز پڑھتا۔

حضرت خبیبؓ کی بددعا

اس کے بعد کفار کے لیے بددعا کی۔

''اللھم احصھم عددا واقتلھم بددا ولا تغادر منھم احدا''۔

اے اللہ انھیں تباہ و برباد کر دینا۔ انھیں قتل کر دینا اور ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑنا۔

خدا کے اس برگزیدہ جواں مرد نے صلیب کے نیچے کھڑے ہو کر یہ فی البدیہہ اشعار کہے۔

وَمَا اِنْ اُبَالِی حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلٰی اَیِّ شِقٍّ کَانَ لِلّٰہِ مَصْرَعِیْ
وَذَالِکَ فِی ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَّشَأْ یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٖ

جب میں مسلم ہونے کی حالت میں قتل کیا جاتا ہوں۔ تو مجھے یہ پرواہ نہیں کہ کس پہلو پر میرا گرنا ہو۔ یہ سب اللہ کے لیے ہے اور وہ اگر چاہے تو جسم کے ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل کرے۔

ایک بے رحم، سنگ دل کافر نے حضرت خبیبؓ کو نیزہ مار کر پوچھا۔ کہو اب تو تم پسند کرتے ہو گے کہ محمدؐ پھنس جائیں اور تو چھوٹ جائے۔ حضرت خبیبؓ نے عشق و محبت سے بھری ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ''خدا جانتا ہے کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان بچ جانے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک میں کانٹا بھی لگے''۔[3]

آخر کار حضرت خبیبؓ کو صلیب پر چڑھا دیا گیا اور نہایت بہادری اور شجاعت سے جان دی۔

حضرت سعید بن عامر[4] رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی دفعتہً بیہوش ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے وجہ دریافت کی۔ وہ

---

[1] نسطاس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا۔ زرقانی جلد ۲ صفحہ ۸۴۔

[2] حارث کے بیٹے ابوسروعہؓ جنھوں نے حضرت خبیبؓ کو قتل کیا تھا۔ بعد کو مسلمان ہوئے (زرقانی جسد ۲ صفحہ ۸۷)

[3] طبری و ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۲۸۔

[4] حضرت عمرؓ کے عمال میں سے تھے۔

بولے۔ مجھے نہ کوئی مرض ہے۔ نہ کوئی جسمانی تکلیف جب حضرت خبیبؓ کو صلیب پر چڑھایا گیا تو میں اس مجمع میں موجود تھا۔ مجھے جب ان کی باتیں یاد آتی ہیں۔ تو کانپ کر بیہوش ہو جاتا ہوں۔

علماء یورپ بغض و عناد کی آگ میں جل کر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ بزور شمشیر پھیلا ہے۔ کیا تلوار کی کاٹ سے ایمان لانے والوں کی محبت کا یہ نمونہ ہوا کرتا ہے کیا ان کے دلوں میں اسلام کی حقانیت اس طرح رچی ہوتی ہے۔ کیا ان کی دین حق پر ایسی استقامت ہوا کرتی ہے۔ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ ظالم ہاتھوں نے مظلوم اور بے بس مسلمانوں کے دلوں سے دین اسلام کی محبت کو ختم کرنے کی سعی لاحاصل کی۔ لوگوں کا دائرہ اسلام میں داخلہ روکنے کے لیے مصائب اور ایذاؤں کے حصار کھڑے کیے۔ قتل و قتال کا سلسلہ جاری کیا۔ طمع و حرص کا جادو چلایا۔ لیکن کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی۔ اسلام تلواروں کے سائے کے نیچے بھی ترقی کرتا چلا گیا۔

واقعہ بئر معونہ

ماہ صفر ۴ھ میں ابو براء عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسلام کی دعوت دی وہ نہ تو دائرہ اسلام میں داخل ہوا اور نہ اس نے نفرت کا اظہار کیا بلکہ کہنے لگا۔ چند لوگوں کو میرے ساتھ بھیجئے کہ وہ نجد میں جا کر میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں''۔ آپ نے کہا ''مجھ کو نجد کی طرف سے ڈر ہے''۔ ابو براء نے کہا۔ ''ان کا میں ضامن ہوں''۔ آپ نے منظور فرما کر اسی کے ہمراہ ابن اسحاق کے قول کے مطابق چالیس آدمی روانہ کیے۔ لیکن صحیح حدیث میں ہے کہ وہ ستر قاری تھے اور منذر بن عمرو ان کا قائد تھا۔ یہ لوگ نہایت مقدس، پاک باز اور درویش تھے۔ اکثر اصحاب صفہ میں سے تھے۔

جب یہ لوگ علاقہ بنو عامر اور حرہ بنو سلیم کے درمیان بئر معونہ پر پہنچے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط حرام بن ملحان کو دے کر عامر بن طفیل بن مالک بن جعفر کلابی و عامری کے پاس بھیجا۔ جو رئیس قبیلہ تھا۔ یہ عامر ابو براء کا بھتیجا تھا۔ اس نے سفیر کو قتل کرا دیا۔ جبار بن سلمیٰ نے حاکم کے اشارہ سے ان کی پشت پر نیزہ مارا جو چھاتی سے صاف نکل گیا۔ انھوں نے گرتے ہوئے کہا۔

فُزْتُ ورب الكعبة

قسم ہے کعبہ کے خدا کی میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔

قاتل پر اس فقرہ کا ایسا اثر ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اپنے دل سے گناہ کا سیاہ دھبہ توبہ استغفار کے پانی سے مٹاتا ہے۔

عامر بن طفیل نے آس پاس کے قبائل عُصیۃ رعل ذکوان سب کے پاس آدمی بھیجے کہ تیار ہو کر آئیں۔ چنانچہ ایک بڑا لشکر جمع ہو گیا۔ مسلمان حرام بن ملحان کی واپسی کے منتظر تھے۔ جب دیر لگی تو خود روانہ ہوئے۔ راستہ میں عامر کی فوج سے سامنا ہوا۔ انھوں نے مٹھی بھر مسلمانوں کو گھیر لیا اور ان سے مقابلہ کیا۔ کعب بن زید بن نجار کے سوا باقی سب کو شہید کر دیا۔ یہ مقتولین میں پڑے رہے اور بعد میں زندہ رہے۔ آخر غزوہ خندق میں شہید ہوئے۔

حضرت عمرو بن امیہ اور حضرت منذر بن محمد بن عقبہ انصاری پیچھے تھے۔ جب یہ مقام حادثہ پر پہنچے۔ تو کفار نے منذر کو تو شہید کر دیا اور حضرت عمرو بن امیہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ جب انھوں نے کہا کہ میں مضر قبیلہ سے ہوں تو انھیں رہا کر دیا گیا۔ اب عمرو بن امیہ واپس تشریف لائے۔ ایک نہر کے کنارے درخت کے سائے کے نیچے اترے اس کے بعد بنو کلاب کے دو آدمی بھی وہیں اتر پڑے۔ عمرو بن امیہ نے ان کو دشمن سمجھ کر اور موقع پا کر انتقاماً قتل کر دیا۔ مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ آپ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر اتنا صدمہ نہیں ہوا۔ ایک ماہ تک ان قاتلوں کے حق میں بددعا کی۔ مگر وہ خدا جس نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا۔ نہ چاہتا تھا کہ سنگ دل دشمن کے لیے بھی آپ کے رحیم دل سے بددعا نکلے۔ اس لیے آپ پر وحی نازل ہوئی۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْيَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ. (آل عمران ۳:۱۲۸)

یعنی اس معاملہ میں تیرا کچھ دخل نہیں۔ خواہ وہ ان پر رحمت سے لوٹے یا انھیں عذاب دے۔ بے شک وہ ظالم ہیں۔
وحی نازل ہوتے ہی آپ نے بددعا کرنا ترک کر دیا۔

وفائے عہد کی نادر مثال

عمرو بن امیہ نے جن دو آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو امان دے چکے تھے۔ جب آپ نے یہ سنا تو ناراضگی ظاہر فرمائی اور دونوں کے خون بہا دینے کا اعلان فرمایا۔

بدر موعود یا بدر ثانیہ

ابوسفیان جنگ احد سے لوٹتے ہوئے بلند آواز سے یہ کہہ گیا تھا۔ "یوم بیوم بدر والموعد العام المقبل" بدر کا انتقام تو لے لیا گیا ہے۔ آئندہ سال پھر ایک میدان ہوگا۔

جب اگلا سال آیا۔ تو ابوسفیان دو ہزار کا لشکر لے کر نکلا۔ جب مرالظہر ان پہنچے۔ جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے تو ابوسفیان کا دل مرعوب ہوگیا اور ساتھیوں سے کہا۔ **یا معشر قریش انہ لا یصلحکم الا عام خصیب و ان علمکم ھذا جدب و انی راجع فارجعوا۔** یعنی خشک سالی کا سال ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم واپس لوٹ جائیں۔

اس نے واپسی کی ٹھان لی۔ اتنے میں نعیم بن مسعود اشجعی ملا۔ تو ابوسفیان نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ احد کے موقعہ پر وعدہ کر آیا تھا کہ بدر صغریٰ پر اگلے سال ہماری تمہاری جنگ ہوگی۔ مگر خشک سالی ہے۔ ہم واپس ہونا چاہتے ہیں۔ اس لیے یہ خوف ہے کہ ہماری عدم موجودگی کی وجہ سے مسلمانوں کی جرأت بڑھ جائے گی۔ اس لیے تم مدینہ جاؤ اور مسلمانوں کو ڈراؤ تاکہ وہ جنگ کے لیے نہ نکلیں۔ میں تمھیں دس اونٹ دوں گا۔ نعیم مدینہ آیا اور اس نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاریاں کرتے پایا۔ تو اس نے مسلمانوں کو ڈرانا شروع کیا کہ پچھلے سال قریش نے تم کو کس قدر نقصان پہنچایا۔ اب ابوسفیان ایک عظیم لشکر کے ساتھ آ رہا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کی شمع ایمان اور بھی فروزاں ہونے لگی۔ جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔

> "اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَظِیْمٍ (آل عمران ۳:۱۷۳، ۱۷۴)
>
> وہ جن کو لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمھارے (مقابلہ کے) لیے (لشکر) جمع کیے ہیں۔ پس ان سے ڈرو۔ تو اس (بات) نے ان کا ایمان بڑھایا اور انھوں نے کہا۔ اللہ ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ پس وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس آئے! انھیں کوئی دکھ نہیں پہنچا اور انھوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اللہ بڑے فضل والا ہے۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینہ میں ایک قول کے مطابق ذی قعدہ میں وعدہ کے مطابق ایک ہزار پانچ سو کا لشکر لے کر نکلے۔ مدینہ میں حضرت عبداللہ بن رواحہ کو عامل بنایا اور علم حضرت علی بن ابی طالب کو دیا۔ مسلمان بدر صغریٰ پر پہنچ گئے۔ جہاں بنی کنانہ کا ایک تجارتی میلہ لگا کرتا تھا۔ اس میں مسلمانوں نے تجارت کر کے فائدہ اٹھایا۔ قریش وعدہ کے مطابق نہ آئے تھے۔ اس لیے جنگ نہ ہوئی۔ اہل مکہ نے اس مہم کا نام جیش السویق رکھا۔ یعنی صرف ستو پینے کی مہم تھی۔ مسلمانوں میں یہ غزوہ بدر صغریٰ کے نام سے موسوم ہے۔
مسلمان بدر صغریٰ سے تجارتی منافع کے ساتھ واپس لوٹے۔ خدا نے اس کو نعمت اور فضل کا نام دیا ہے۔

غزوۂ ذات الرقاع ۵ھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ بنو غطفان مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے نجد میں جمع ہو رہے ہیں۔ آپ نے یہ خبر سنتے ہی چارسو

سواروں کا دستہ (ایک روایت کے مطابق سات سو کا دستہ) لے کر ذات الرقاع تک تشریف لائے۔ مدینہ میں حضرت ابو ذرؓ کو عامل بنایا۔ ایک قول کے مطابق حضرت عثمان بن عفان کو عامل بنایا۔

جب آپؐ غطفان کی فوج کے سامنے ہوئے تو وہ بجائے قتال کے پہاڑوں میں بھاگ گئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے تعاقب کے خطرہ کی وجہ سے صلوٰۃ خوف ادا کی۔

غزوہ دومتہ الجندل

ربیع الاول ۵ھ میں یہ خبر آئی کہ کفار کی فوج دومتہ الجندل میں جمع ہو رہی ہے۔ یہ مقام اس نخلستان میں واقع ہے۔ جو بحیرہ احمر سے خلیج فارس اور شام وحجاز کے مقام اتصال پر واقع ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ ان کو خبر ہوئی تو وہ بھاگ گئے اور اپنا بے حساب مال و متاع چھوڑ گئے۔ جو مسلمانوں کو بطور غنیمت کے ملا۔

غزوہ مریسیع یا بنی مصطلق شعبان ۵ھ

خزاعہ ایک قبیلہ تھا جو قریش کا حلیف اور ہم عہد تھا۔ خزاعہ کی ایک شاخ بنو مصطلق تھی۔ وہ مقام مریسیع میں جو مدینہ سے ۹ منزل پر ہے آباد تھا۔ ان کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا۔ اس نے قریش کے اکسانے پر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بریدہ بن حصیب اسلمی کو خبر لانے کے لیے بھیجا۔ وہ حارث بن ابی ضرار سے ملے۔ گفتگو کی اور خبر حاصل کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی تیاری سے آگاہ کیا۔ آپؐ نے صحابہؓ کو تیاری کا حکم دیا۔ تین شعبان کو اسلامی لشکر مدینہ سے روانہ ہوا۔ مہاجرین کا عَلَم حضرت ابوبکرؓ اور انصار کا عَلَم حضرت سعد بن عبادہؓ کو دیا۔ حضرت زید بن حارثہؓ کو آپ نے مدینہ پر عامل مقرر کیا۔ ایک قول حضرت ابو ذر غفاریؓ کے متعلق بھی ہے۔ ایک قول نمیلہ بن عبداللہ لیثی کے متعلق ہے۔

مریسیع میں خبر پہنچی۔ تو حارث بن ابی ضرار کی جمعیت منتشر ہو گئی اور خود بھی کسی طرف بھاگ گیا۔ لیکن مریسیع کے لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کی۔ دس آدمی قتل کیے گئے ۶۰۰ قیدی دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔

یہ لڑائی ایک معمولی لڑائی تھی۔ لیکن تین شہرت پذیر واقعات کی بنا پر یہ لڑائی خاص تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔

ا۔ قیدیوں میں جویریہ بنت حارث تھیں۔ حارث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بیٹی کو لے جانا چاہا۔ تو آپؐ نے خود جویریہ کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ بیٹی نے اپنے باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زر فدیہ اپنی جیب سے ادا کر کے نکاح کر لیا۔ اس نکاح کے نتیجہ میں صحابہ نے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔

ب۔ اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ غنیمت کے حرص میں رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول بھی غزوہ میں شریک تھا۔ یہ بدباطن مسلمانوں کے درمیان سنگ تفرقہ پھینکنے کے لیے موقع کی تاڑ میں رہتا تھا۔

حضرت عمر بن خطابؓ کا سائیس' معرکہ ختم ہونے پر چشمہ سے پانی لینے کے لیے گیا۔ تو ایک انصاری سے مناقشہ ہو گیا۔ انصاری نے عرب کے قدیم طریقہ پر یاللانصار کا نعرہ بلند کیا۔ سائیس نے بھی یا معشر المہاجرین کا نعرہ لگایا۔ نعرے سن کر مہاجرین اور انصار نے میانوں سے تلواریں کھینچ لیں۔ بعض فہمیدہ صحابہ کی مداخلت سے بیچ بچاؤ ہو گیا۔

عبداللہ بن ابی کے ہاتھ یہ موقع آ گیا۔ انصار سے کہا "تم نے یہ مصیبت خود مول لی ہے انھیں اپنے ہاں پناہ دی۔ اور اپنے اموال ان کے سامنے رکھ دیئے۔ آج وہ تم سے برابر کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اب بھی وقت ہے۔ تم نصرت و اعانت سے ہاتھ کھینچ لو۔ عاجز آ کر وہ خود مدینہ سے چلے جائیں گے"۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سرغنہ منافقین کی بدگوئی اور بدکلامی کی اطلاع ہوئی تو حضرت عمر فاروق بھی موجود تھے۔ غیرت ایمانی

سے بے تاب ہو گئے اور عرض کی۔ کسی کو ارشاد ہو کہ اس منافق کا سر تسلیم کر دے۔ آپؐ نے متانت و حکمت اور مآل اندیشی کے مطابق فرمایا کہ کیا تم یہ سننا پسند کرتے ہو کہ لوگ کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ والوں کو قتل کر دیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری طور پر لشکر کو چلنے کا حکم دے دیا۔ جب لشکر مدینہ پہنچ گیا۔ تو عبداللہ بن ابی کو علم ہوا کہ اس کی بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی ہے۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قسمیں کھا کھا کر انکار کرنے لگا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ. يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (المنافقون ٦٣: ٧،٨)

یعنی وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ ان پر خرچ نہ کرو جو اللہ کے رسولؐ کے پاس ہیں۔ یہاں تک کہ وہ چلے جائیں اور اللہ کے لیے ہی آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں۔ لیکن منافق نہیں سمجھتے کہتے ہیں اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے۔ تو عزت والے ذلیل لوگوں کو اس سے نکال دیں گے اور اللہ کے لیے ہی عزت ہے اور اس کے رسول کے لیے لیکن منافق نہیں جانتے۔

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں کو سرغنہ منافقین کے قتل کیے جانے کا یقین ہو گیا۔ تو اس کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ دنیا جانتی ہے کہ میں باپ کا کس قدر خدمت گزار ہوں۔ اگر میرے باپ کو قتل کرنا مقصود ہے۔ تو مجھ ہی کو حکم ہو۔ میں ابھی اس کا سر کاٹ لاتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کسی اور کو حکم صادر کریں اور میں غیرت کے جوش سے باپ کے قاتل کو قتل کر دوں۔ آپ نے تسلی دلائی کہ قتل کی بجائے اس پر مہربانی کروں گا۔[1]

واقعہ افک

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ میں شرکت کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات میں سے کسی ایک زوجہ کو قرعہ اندازی سے ساتھ لے جاتے۔ غزوہ بنی مصطلق میں ام المومنین حضرت عائشہؓ ساتھ تھیں۔

جب مریسیع سے روانگی کا اعلان فرمایا تو کوچ کے موقع پر حضرت عائشہؓ رفع حاجت کے لیے لشکر گاہ سے دور تشریف لے گئی تھیں۔ واپسی پر معلوم ہوا کہ گلے کا ہار گر پڑا ہے۔ الٹے قدم ہار کی تلاش کے لیے واپس لوٹ گئیں۔ جب واپس تشریف لائیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا صحابہؓ نے یہ سمجھا کہ حضرت عائشہؓ ہودج میں ہی ہیں۔ جسے انھوں نے اٹھا کر اونٹ پر رکھ لیا۔

حضرت عائشہؓ نے برقع بدن پر لپیٹ لیا اور زمین پر لیٹ گئیں۔ حضرت عائشہ کو یقین تھا کہ جب ساربان کو ہودج خالی محسوس ہو گا۔ تو فوراً سواری واپس لے آئے گا۔

صفوان بن معطلؓ جو رفع حاجت کی وجہ سے کارواں سے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کا اس طرف سے گزر ہوا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو دیکھ کر زور سے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ صفوانؓ نے اپنی ناقہ پر سوار ہونے کے لیے کہا۔ حضرت عائشہؓ ناقہ پر بیٹھ گئیں اور مدینہ کا رخ کیا۔ لشکر کے پہنچنے کے ذرا دیر بعد حضرت عائشہؓ اور حضرت صفوانؓ بھی پہنچ گئے۔

دونوں پاک باز بزرگ حضرات کو دیکھ کر منافقین آپس میں یہ کانا پھوسی کرنے لگے کہ عائشہ کا لشکر سے بچھڑ کر صفوان کی سواری پر آنے کا مطلب کیا ہے۔ یہ بدگمانی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی۔ مسلمانوں میں سے بی بی حمنہ (ام المومنین زینب بنت جحش کی حقیقی بہن) حسان بن ثابت۔ مسطح جو حضرت ابوبکرؓ کے عزیزوں میں سے تھا۔ اس تہمت میں شامل تھے۔

حضرت عائشہؓ مدینہ پہنچ کر ایک ماہ تک بیمار رہیں اور انھیں اس طوفان بدتمیزی کا کوئی علم نہ تھا۔ یہاں تک کہ مسطح کی والدہ نے یہ قصہ سنایا۔ تب اس کی تصدیق کے لیے حضرت عائشہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ وہ والدین کے گھر چلی جائے۔ آپ نے

[1] یہ تمام واقعات ابن سعد اور طبری میں موجود ہیں۔

اجازت دے دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہؓ اور حضرت علیؓ سے مشورہ کیا۔ تو حضرت اسامہؓ نے کہا کہ ہم نے سوائے خیر کے کوئی بات نہیں دیکھی اور حضرت علیؓ نے بریرہ (لونڈی) سے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ سوائے اس کے میں نے عیب کی کوئی بات نہیں دیکھی کہ وہ ایک کم عمر لڑکی ہیں۔ کبھی آٹا گوندھا ہوا چھوڑ کر سو جاتی ہیں۔ تو بکری کھا جاتی ہے۔

ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر تشریف لے گئے اور حضرت عائشہؓ سے دریافت فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ اگر میں اپنی بریت کا اظہار کروں۔ تو کون مانے گا۔ اگر میں جھوٹ اقرار کرلوں۔ تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ سچ نہیں۔ میں تو وہی کہتی ہوں۔ جو حضرت یعقوبؑ نے کہا تھا۔ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَاتَصِفُوْنَ. پھر آپ پر بریت کی وحی نازل ہوئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُ وْ بِالْاِفْکِ عُصْبَةٌ مِّنْکُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّکُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ لِکُلِّ امْرِیءٍ مِّنْهُمْ مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا وَّ قَالُوْا هٰذَآ اِفْکٌ مُّبِیْنٌ (نور ۲۴: ۱۱، ۱۲)

جو جھوٹ بنا لائے تمھیں میں سے ایک گروہ ہے۔ اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمھارے لیے اچھا ہے۔ ان میں سے ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے گناہ کمایا اور ان میں سے جس نے اس کا بڑا بوجھ اپنے اوپر لیا۔ اس کے لیے بڑا دکھ ہے۔ جب تم نے اسے سنا تھا۔ کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے لوگوں پر نیک ظن کیا اور کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔

مستشرقین نے بھی بہت ہی بیہودہ گوئی سے کام لیا ہے۔ حالانکہ جانتے ہیں۔ اگر حضرت عائشہ صدیقہؓ پر ایسا الزام لگا تھا تو مریم صدیقہؑ پر بھی لگا تھا۔ کاش کہ وہ تعصب اور بغض سے عاری ہو کر واقعات پر بھی غور کرتے اور صداقت اور حقیقت کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

اس واقعہ کو خیر اس لیے کہا ہے کہ نتیجہ میں بھلائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ آئندہ بری باتوں میں کبھی نہ شامل ہوں اور مومنوں کو آپس میں حسن ظن سے کام لینا چاہیے۔ اس لیے کہ وہ رضا جوئی کے لیے خدا کے بتائے ہوئے راستوں پر گامزن ہونا ہے۔

اس واقعہ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عظمت اور فضیلت پر روشنی پڑتی ہے۔

حسن سلوک

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے کہ مردوں میں سے مسطح جو حضرت ابوبکرؓ کا قریبی عزیز تھا اس تہمت میں شریک تھا۔ جب خدا نے وحی کے ذریعے حضرت عائشہؓ کی پاکدامنی کی تصدیق کر دی تو حضرت ابوبکرؓ نے عہد کر لیا کہ وہ مسطح کی غربت کی وجہ سے جو امداد کیا کرتے تھے۔ بند کر دیں گے۔ لیکن اسلام کی مقدس تعلیم میں یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ غریب قرابت والوں سے ان کی کسی غلطی کی وجہ سے روزی بند کر دی جائے۔ چنانچہ وحی نازل ہوئی۔

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوْا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَکُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (نور ۲۴: ۲۲)

اور تم میں سے بزرگی اور وسعت والے لوگ یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ قریبیوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہیں دیں گے اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کرے اور اللہ حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

غزوہ خندق یا غزوہ احزاب ۵ھ

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا. (الاحزاب ۳۳: ۲۲)

اور جب مومنوں نے لشکروں کو دیکھا۔ بول اٹھے۔ یہ وہ ہے۔ جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے دیا تھا اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا تھا اور اس نے انھیں صرف ایمان اور فرمانبرداری میں بڑھایا۔

یہودیوں[1] کی جلاوطنی مسلمانوں کے لیے عارضی مشکلات کا باعث بنی۔ یہ لوگ مدینہ کے شمالی علاقوں میں جیسے خیبر وادی القریٰ اور دیگر یہودی نو آبادیاں جو شامی راستے پر فلسطین تک پھیلی ہوئی تھیں۔ آباد ہو گئے۔ انھوں نے اپنے اثرات اردگرد کے قبائل پر ڈال کر مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنا شروع کر دیا۔ ویسے بھی عرب کا ایک ایک فرد رسول خدا سے کئی کئی وجوہ سے انتقام لینے کے لیے مضطرب تھا کہ کل ایک شخص خالی ہاتھ سوائے توحید کی گراں بہا دولت لے کر مکہ سے نکلتا ہے اور پانچ سال کے قلیل عرصہ میں اس قدر قوت حاصل کر لیتا ہے کہ اپنی برتری کا سکہ تمام قبائل پر بٹھا لیتا ہے۔

بنونضیر کے روساء میں سے سلام بن ابی الحقیق، حی بن اخطب، کنانہ بن الربیع اور بنو وائل کے دو بڑے سرغنے ہوزہ بن قیس اور ابو عمارہ متحد ہو کر اول مکہ معظمہ گئے۔ چندہ کی فہرست بھی کھولی اور کہا ''اگر ہمارا ساتھ دو۔ تو اسلام کا استیصال کیا جا سکتا ہے''۔

قریش اس کے لیے ہمیشہ سے تیار تھے۔ انھوں نے بڑھ بڑھ کر سیم و زر مصارف جنگ کے لیے دیا۔ قریش کو آمادہ کر کے یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے۔ ان کو لالچ دیا۔ ایک سال کا پورا نفقہ کھجور کا فصل دیا جائے گا۔[2] بنو اسد قبیلہ غطفان کے حلیف تھے۔ ان کو بھی لڑائی کے لیے آمادہ کر لیا گیا۔ بنو سعد کا قبیلہ یہود کا حلیف تھا۔ اس بناء پر ان کو بھی تیار کر لیا گیا۔ قریش کی قرابت داری قبیلہ بنو سلیم سے تھی۔ انھوں نے بھی ساتھ دیا۔ ان کے علاوہ بنو مرہ بنو فزارہ اشجع نے بھی شریک جنگ ہونے کا وعدہ کیا۔

آخری جنگ لڑنے سے قبل تمام قبائل کے سرداروں نے جن کی تعداد پچاس سے کم نہ تھی۔ خانہ کعبہ میں جا کر قسمیں کھائیں کہ جب تک زندہ ہیں۔ مسلمانوں سے لڑائی لڑیں گے اور ان کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیں گے۔

ابوسفیان مکہ سے چار ہزار شمشیر زن لے کر نکلا۔ جن میں تین سو اسپ سوار اور ایک ہزار ناقہ سوار تھے۔ عثمان بن طلحہ کو لشکر کا جھنڈا دیا گیا۔

بنو فزارہ کے ان گنت نوجوان نکلے۔ جن میں ایک ہزار ناقہ سوار تھے۔ ان کا سپہ سالار عیینہ بن حصن فزاری تھے۔ قبیلہ اشجع کے چار سو دلاور تھے جو مسعود بن رخیلہ کی کمان میں تھے۔ قبیلہ مرہ کے بھی چار سو نوجوان تھے۔ ان کے قائد حارث بن عوف تھے۔ بنو سلیم سفیان بن عبدالشمس کی قیادت میں تھے۔ ان کی تعداد سات سو تھی۔ بنو اسد طلیحہ کی زیر کمان سات سو کی جمعیت میں نکلے۔ انہی کی مانند بنو سعد تھے۔ بنو نظیر کا سردار حیی بن اخطب تھا۔ یہودی کا رندوں نے مدینے کے شمال اور جنوب دونوں طرف سے آنے والے حلیفوں کے لیے وقت اور مقام متعین کر لیا ہوا تھا۔

---

[1] جنگ احزاب سے قبل بنو قینقاع اور بنو نظیر مدینہ سے جلا وطن کر دیئے گئے تھے۔ تمام یہود کی جلاوطنی کے حالات ایک مستقل عنوان ''یہودیوں اور مسلمانوں کے تعلقات کے'' کے تحت بیان کیے جائیں گے تاکہ سلسلہ واقعات قائم رہے۔

[2] مغازی واقدی ورق ۱۰۱

غرض قریش کنانہ اور احابیش کے قبائل وادی عقیق کے قریب بئر رومہ پر مقیم[1] ہوئے غطفان اور بنو اسد اس سے کس قدر مشرق میں وادی النعمان کے پاس ذنب نقمی نامی مقام سے جبل احد تک پھیل گئے۔[2] ان مقامات پر پانی اور گھاس کی کافی سہولتیں تھیں۔

فوج کی کل تعداد بروایات مختلفہ کم سے کم دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنی۔ تو صحابہ سے مشورہ کیا اسلامی مورخ عام طور سے بیان کرتے ہیں کہ مدافعت کے مشورہ میں حضرت سلمان فارسی نے رائے دی کہ شہر کے اطراف میں ایک خندق کھودی جائے۔ جیسا کہ ایران میں رواج تھا۔[3] مکتوبات نبوی میں سے ایک مکتوب جو مغازی الواقدی اور مقریزی کی بنی ہاشم بنی امیہ'' میں ملتا ہے۔ ابوسفیان نے طعنہ دیا کہ کھلے میدان میں مقابلہ کرنے کی بجائے قلعوں میں گھس بیٹھے ہو۔ اس نئے طریقہ حرب پر حیرت کا اظہار کیا۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا ''کہ خدا نے آپ کو یہ چیز الہام کی ہے''۔ صورت جو بھی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترقی یافتہ اصول جنگ سے مقابلہ کیا اور خندق کھودنے کے لیے آلات مہیا کیے گئے۔

شہر کے جنوب میں باغوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ ان کے درمیان جو تنگ راستے تھے۔ ان میں سے گزرنے کے لیے دشمن کو صف کی جگہ قطار بنانی پڑتی تھی۔ ان راستوں میں چھوٹی چھوٹی چوکیاں بھی ایک بڑی فوج کو روکنے کے لیے کافی تھیں۔ مشرق میں بنو قریظہ کے سینکڑوں مکانات اور باغ تھے۔ ان سے اس وقت اچھے تعلقات تھے ادھر سے بھی اطمینان تھا۔ صرف شمال کی سمت ہی سب سے خطرناک تھی اور ایک حد تک مغربی طرف بھی۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شمال میں حرہ شرقی اور حرہ غربی کو ملاتی ہوئی ایک خندق کھدوائی۔ جو نیم دائرہ بناتی ہوئی جبل سلع کے مغربی کنارے سے آ ملی۔[4] پھر مختلف قبائل نے اپنے محلوں کی حفاظت کے لیے اپنے طور پر اسے جنوب میں عیدگاہ (مسجد غمامہ) کے مغرب سے گزارتے ہوئے کافی دور تک قبا کے رخ میں بڑھا دیا۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کھدوائی میں تین ہزار مسلمانوں نے کام کیا۔ آپ نے ہر دس دس آدمیوں پر چالیس ''ذراع'' (جو شاید دس گز کے مترادف ہے) زمین تقسیم کی۔[5] دوسرے لفظوں میں یہ خندق تقریباً ساڑھے تین میل طویل تھی۔ لیکن عمق اور عرض کے متعلق کوئی خاص شہادت نہیں ملتی لیکن دشمن کے اسپ سوار خندق کو کود کر آنے کی کوشش میں ناکام رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسی ہی ایک کوشش میں ایک اسپ سوار خندق کے اندر گر کر مر گیا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خندق کا عرض اور عمق دس[6] دس گز تھا۔

خندق کی کھدائی کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا مکان چھوڑ کر خندق سے متصل ایک پہاڑی پر خیمہ لگا کر مقیم ہو گئے۔ اس جگہ یادگار کے طور پر مسجد ذباب بنائی گئی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمیوں کی ٹولی میں خود بھی شرکت فرما لی۔ اسی ٹولی میں سلمان فارسیؓ بھی تھے۔ سلمان فارسیؓ قوی ہیکل ہونے کی وجہ سے کئی آدمیوں کے مجموعی کام کے برابر کھدائی کرتے تھے۔ ہر ٹولی کے لوگ چاہتے تھے۔ سلمانؓ انھیں کے ساتھ ہو۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''سلمان منا اهل البيت'' یعنی سلمانؓ تو ہمارے اہل بیت کے ساتھ ہوں گے۔ اس جملہ سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹولی میں زیادہ تر اہل بیت نبوی کے افراد مثلاً حضرت علیؓ وغیرہ ہوں گے۔ طبری سے معلوم ہوتا ہے انصار وغیرہ لوگوں ہی پر یہ جماعت مشتمل تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے واقدی اور شامی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تھک کر خندق کی کھدائی کے وقت آرام لینے کے لیے لیٹ گئے تو:۔

ورایت ابابکر و عمر واقفین علی راسه (صلی الله علیه وسلم) ینحیان الناس ان یمروا به فینبهوه.

---

[1] طبری، ابن ہشام

[2] ایضاً۔ [3] طبری ص ۱۴۶۵

[4] وفا علی بن احمد السمہودی در بیان خندق۔ [5] طبری ص ۱۴۶۷

[6] شبلیؒ نے سیرۃ النبی میں عمق پانچ گز بیان کیا ہے ص ۴۲۱

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑے تھے اور لوگوں کو ہٹا رہے تھے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کے پاس سے گزر کر آپ کو بیدار کر دیں۔

ابن سعد سے معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ راتج (حرہ شرقی) سے جبل ذباب تک مہاجرین کھدائی کا کام کرتے تھے اور وہاں سے جبل بنی عبید اور مسجد فتح تک انصار مامور تھے۔

خدام اور مخدوم بھوک پیاس سے مٹی سے لتھڑے ہوئے ہیں۔ اس ناگفتہ بہ حالت میں بھی دلوں میں وہ خوشی ہے۔ جو ہفت اقلیم بادشاہوں کو بھی میسر نہیں آ سکتی۔ صحابہ جوش ایمانی میں ہم آواز ہو کر یہ پڑھتے ہیں۔

نحن الذین بایعوا محمدا علی الجهاد مابقینا ابدا.

اس کے بعد یہ رجز سب کی زبان پر ہے۔

واللّٰہ لو لا انت ماھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

فانزلن سکینة علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

ان الاولی قد بغوا علینا اذا ارادو افتنة ابینا

اے اللہ اگر تیرا فضل نہ ہوتا۔ تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نماز پڑھتے اے خدا ہم پر سکینت نازل فرما۔ اگر دشمن مقابلہ کرے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما۔

یہ لوگ ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ ہم کو دین حق سے لوٹانا چاہتے ہیں اور ہم نے انکار کیا۔

ابینا کا لفظ جب آتا تو آواز زیادہ بلند ہو جاتی اور مکرر کہتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصار اور مہاجرین کے حق میں دعا بھی دیتے جاتے تھے۔

اللھم انه لا خیر الا خیر الاخرة فبارک فی الانصار والمهاجرة

اے اللہ آخرت کی بھلائی ہی اصل بھلائی ہے۔ سو انصار اور مہاجروں کو برکت دے۔

فارس اور روم کی فتح کی بشارت

خندق کے کھودنے میں ایک سخت پتھر آ گیا۔ سب نے پتھر توڑنے میں زور آزمائی کی۔ لیکن پتھر نہ ٹوٹا۔ آپ سے عرض کی گئی کہ خندق کو وہاں سے پھیرنے کی اجازت دی جائے۔ آپ اٹھے اور پھاوڑا ہاتھ میں لیا اور خندق میں اتر کر پتھر پر اس زور سے مارا کہ روشنی نکلی۔ جس پر آپ نے اللہ اکبر کہا۔ سب صحابہؓ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ فرمایا مجھے شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ پھر آپ نے پورے زور سے دوسری ضرب لگائی۔ پتھر اور بھی زیادہ پھٹ گیا۔ پھر روشنی نمودار ہوئی اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے فارس کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ تیسری مرتبہ جب ضرب ماری تو پتھر ٹوٹ گیا۔ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے یمن کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں اور آپ نے فرمایا۔ مجھے کشفی حالت میں جبرائیل علیہ السلام نے اطلاع دی ہے کہ آپ کی امت شام اور فارس اور یمن کے تختوں پر غالب آئے گی۔

چوبیس ہزار کا لشکر مدینہ سے باہر مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے پرے جمائے بیٹھا ہے۔ اسلام کے پودے کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینے کا مصمم ارادہ کر چکا ہے شہر میں یہود مار آستین بن کر مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کر رہے ہیں۔ اس وقت خدا کا برگزیدہ نبی علیم وخبیر ہستی سے اطلاع پا کر اپنے جان نثاروں کو یمن و ایران اور روم کی بادشاہت کی بشارت دے رہا ہے۔ یہ انسان کے وہم و گمان سے بالاتر باتیں ہیں۔ ان قدرت کے رازوں کو وہی سمجھ سکتا ہے۔ جو اہل دل ہو۔

بیس دن میں یہ خندق مکمل ہو گئی۔

عورتوں اور بچوں کی حفاظت

عورتوں اور بچوں کو محفوظ گڑھوں میں بھیج دیا۔[1] چونکہ بنو قریظہ کے حملے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے دو سو مجاہدین کو حضرت سلیم بن اسلم کی سرکردگی میں ـــ متعین کیا گیا کہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے۔

جب خندق مکمل ہوگئی تو آپ پوری فوج کے ساتھ جبل سلع پر پڑاؤ لگا کر مقیم ہو گئے۔ آپ کا خیمہ جبل سلع کے ایک اہم مگر محفوظ مقام پر نصب کر دیا گیا۔ آج کل وہاں بطور یادگار مسجد فتح تعمیر کر دی گئی ہے۔ اسی کے قریب آپ کے چار سپہ سالاروں کے خیمے تھے وہاں بھی مساجد تعمیر کر دی گئی ہیں۔

مسلمانوں کی ٹولیاں باری باری خندق کی پاسبانی کرتیں اور پہرہ دیتیں۔ جب کبھی دشمن خندق کے قریب آتا۔ تو مسلمان تیروں سے دفاع کرتے۔ خندق کی دوسری طرف دشمن کے سوار غفلت کی تلاش میں رہتے۔ بعض لوگ خندق کودنے کی کوشش میں اس میں گر پڑے اور جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔

ایک رات مسلمانوں کی دو ٹکڑیوں میں تصادم ہوگیا اور ایک دوسرے کو نہ پہچان سکے تلواروں کو میانوں سے نکال کر ایک دوسرے پر پل پڑے۔ پھر اپنے شعار کا نعرہ لگانے سے متنبہ ہوئے۔ لیکن کچھ مارے گئے اور چند زخمی ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی۔ آپ نے مرنے والوں کو شہید قرار دیا۔

بنو قریظہ کی بدعہدی

سردی کا موسم تھا رسد ختم ہوتی جا رہی تھی۔ محاصرے نے طول اختیار کر لیا۔ کفار کے لیے یہ مشکل تھا کہ خندق کو پھاند کر مسلمانوں کے خون سے اپنے غیظ وغضب کی آگ کو بجھائیں۔ حی بن اخطب رئیس بنو نضیر کو رہ رہ کر یہ خیال آ رہا تھا کہ اگر محاصرہ اور طول پکڑ گیا۔ تو تمام حلیف واپس لوٹ جائیں گے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح ہوگی۔ جس کے بعد ابد الآباد تک یہود کا ٹھکانہ کہیں نہ رہے گا۔ آخر اس نے بنو قریظہ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ حیی بن اخطب خود قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا۔ اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔ آخر حیی نے کہا کہ "میں تیرے پاس زمانے کی عزت لایا ہوں۔ قریش غطفان اور بنو اسد کو مع ان کے سرداروں کے لایا ہوں جو محمدؐ سے جنگ کریں گے۔ کعب نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم۔ تو میرے پاس زمانہ کی ذلت اور ایسا بادل لایا ہے۔ جو اپنا پانی بہا چکا ہے۔ وہ گرجتا اور چمکتا ہے لیکن برستا نہیں۔[2]

آخر کار حیی کا جادو چل گیا۔ بنو قریظہ عہد شکنی پر تیار ہو گئے۔ نیز کعب نے حیی بن اخطب سے یہ شرط کی اگر وہ محمدؐ کے خلاف کامیاب و کامران نہ ہوسکیں۔ تو حیی بن اخطب بھی ان کے ہمراہ قلعہ بند ہو جائے گا تاکہ جو سزا انھیں ملے۔ اسے بھی مل کر رہے۔ اس نے یہ شرط قبول کر لی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حال معلوم ہوا۔ تو آپ نے حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو تحقیق کے لیے بھیجا اور فرمایا اگر یہ خبر صحیح ہو کہ بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے۔ تو وہاں سے آ کر اس خبر کو مبہم الفاظ میں بیان کرنا تاکہ مسلمانوں میں بددلی نہ پھیلے۔ بنو قریظہ کی غداری کی توثیق ہوگئی۔ اب ان کی طرف سے بھی خطرہ منڈلانے لگا۔ اس لیے حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے۔

"ولقد كنت اداني على سلع فانظر الى بيوت المدينة فاذا رايتُهُمْ هادئين حمدت الله.[3]

میں بار بار سلع پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتا تھا۔ مدینہ کے گھروں کی طرف دیکھتا تھا۔ اگر ان کو پر سکون پاتا تو خدا کا شکر ادا کرتا۔

اب مسلمان چاروں طرف سے خطرات میں گھر گئے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس خطرناک حالت کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ

---

1. طبری ص ۱۴۷۰
2. زاد المعاد مترجم رئیس احمد جعفری ص ۳۱۰
3. مغازی الواقدی ص ۱۰۵

الظُّنُوْنَا هُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا. (الاحزاب ۳۳: ۱۰، ۱۱)

جب کہ دشمن اوپر کی طرف سے اور تمھارے نیچے سے آ پڑا اور نظریں خیرہ ہوگئیں۔ کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم خدا کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس موقع پر ایمان والوں کی آزمائش کا وقت آ گیا۔ اور وہ بڑے زور کے زلزلے میں ڈال دیئے گئے۔

مسلمانوں کی فوج میں منافق بھی شامل ہو گئے ہوئے تھے۔ لیکن راتوں کی بے خوابی اور متواتر فاقوں نے ان کی منافقت کا راز فاش کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت مانگتے تھے کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں۔ ہم کو شہر میں واپس چلے جانے کی اجازت دی جائے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ وَمَا هِیَ بِعَوْرَۃٍ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا. (الاحزاب ۳۳: ۱۳)

کہتے ہیں کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں۔ حالانکہ وہ کھلے نہیں بلکہ ان کا بھاگنا مقصود ہے۔

لیکن مسلمانوں کے ایمان کو گروہوں کے اجتماع، بھوک و پیاس کی شدت، اور مصائب و آلام کے بادلوں نے اور بھی زیادہ کر دیا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِیْمَانًا وَّ تَسْلِیْمًا. (الاحزاب ۳۳: ۲۲)

جب مومنوں نے قبائل کی فوجوں کو دیکھا۔ تو یوں بول اٹھے یہ وہی ہے جس کا وعدہ خدا نے اور اس کے رسول نے کیا تھا اور خدا اور اس کا رسول دونوں سچے تھے۔ اس بات نے ان کے ایمان اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ پر کئی کئی دن کے فاقے گزرے۔ ایک دن صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے پیٹ کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہیں۔ لیکن جب آپ نے پیٹ کھولا۔ تو دو پتھر تھے۔ محاصرہ اس قدر سخت ہو گیا کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ کوئی ہے جو باہر جا کر محاصرین کی خبر لائے۔ آپ نے تین دفعہ یہ الفاظ دہرائے لیکن حضرت زبیرؓ کے سوا کوئی نہ بولا۔ آپ نے اس وقت ان کو حواری کا لقب دیا۔[1]

آپ نے حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ کو جو روسائے انصار تھے بلا کر مشورہ کیا۔ غطفان سے مدینہ کی پیداوار کے ایک ثلث پر معاہدہ کر لیں۔ دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اگر یہ خدا کا حکم ہے۔ تو انکار کی مجال نہیں۔ اگر رائے ہے تو گزارش ہے کہ کفر کی حالت میں بھی ہم نے کسی کو خراج نہیں دیا۔ اب ہم ان سے دب نہیں سکتے جو کچھ بھی ہو۔ ہم لڑائی کریں گے۔ حضرت سعد نے معاہدہ کا کاغذ لے کر تمام عبارت مٹا دی۔[2]

مشرکوں کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ ابوسفیان خالد بن ولید عمرو بن العاص، ضرار بن الخطاب اور جبیرہ کا ایک ایک دن لڑائی کے لیے مقرر تھا۔ وہ اپنی باری پر فوج لے کر خندق کے دوسری طرف سے تیر اور پتھر برساتے۔

اس طریقہ سے خاطرہ خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ پھر مشورہ سے یہ طے پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے تمام لشکر کفار ایک جگہ جمع ہو گیا اور روساء قبائل آگے آگے تھے۔ ایک جگہ سے خندق کم عریض تھی۔ وہ جگہ حملہ کرنے کے لیے انتخاب کی گئی۔ ضرار، جبیرہ، نوفل، عمرو بن عبدود اور عکرمہ بن ابی جہل نے خندق کے بیرونی کنارے سے اپنے اپنے گھوڑے کو مہمیز کیا۔ چشم زدن میں مسلمانوں کے سر پر آ پہنچے۔ ان میں سے عمرو بن عبدود سب سے مشہور بہادر تھا۔ وہ ایک ہزار بہادروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا اور اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لے لوں۔ اس وقت تک بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔ اس وقت اس کی عمر 90 سال تھی۔ عرب کے دستور کے مطابق مبارزت طلبی کی۔

---

[1] صحیح بخاری غزوہ احزاب۔

[2] طبری ص ۱۴۷۲

حضرت علیؓ ہاتھ میں تلوار لے کر مقابلہ کے لیے پیادہ پا نکلے۔ عمرو کی غیرت نے گوارا نہ کیا۔ گھوڑے سے اترا۔ تلوار سے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر پوچھا کہ تم کون ہو۔ آپ نے نام بتایا۔ اس نے کہا۔ ''عزیز من میں تجھے قتل نہیں کرنا چاہتا'' حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ''ہاں! لیکن میں اپنی تلوار کی پیاس تیرے خون سے بجھانا چاہتا ہوں''۔ یہ دلیرانہ جواب سن کر عمرو غیض وغضب سے بے تاب ہو گیا۔ پر تلے سے تلوار نکال کر آگے بڑھا اور وار کیا۔ حضرت علیؓ نے سپر پر روکا۔ لیکن تلوار سپر میں سے نکل کر پیشانی پر لگی۔ گو یہ زخم کاری نہ تھا۔ دشمن کا وار ہو چکا تھا تو حضرت علیؓ نے خدا کا نام لے کر وار کیا ان کی تلوار نے سر کو قلم کر دیا۔ عمرو کے قتل کے بعد ضرار اور جبیرہ نے حملہ کیا لیکن حضرت علیؓ نے روکا۔ تو وہ پیچھے کو بھاگے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ضرار کا تعاقب کیا۔ ضرار نے مڑ کر تلوار کا وار کرنا چاہا لیکن روک لیا اور کہا۔ عمر! اس احسان کو یاد رکھنا۔

نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا۔ مسلمانوں نے تیر مارنے شروع کر دیئے۔ اس نے کہا ''مسلمانو! میں مقابلہ کی موت مرنا چاہتا ہوں''۔ حضرت علیؓ خندق میں اترے اور تلوار کے وار سے ختم کیا۔

ابوسفیان نے نوفل کی لاش لینے کے لیے دیت میں ایک سو اونٹ پیش کیے۔ رسول کریمؐ نے دیت رد کر دی اور اس کی لاش مٹی میں چھپا دی گئی۔

حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا۔ تمام دن لڑائی جاری رہی۔ کفار ہر طرف سے تیر اور پتھروں کا مینہ برساتے رہے۔ یہی وہ دن ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متصل چار نمازیں قضا کیں۔

سیدہ صفیہؓ کی بہادری

مستورات جس گڑھی میں تھیں۔ وہ بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھی ایک یہودی جاسوسی کرنے کے لیے پھاٹک تک آن پہنچا۔ مستورات کی حفاظت کے لیے حضرت حسانؓ شاعر متعین کر دیئے گئے تھے۔ حضرت صفیہؓ نے ان سے کہا ''اتر کر اس کو قتل کر دو ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتہ دے گا''۔ حضرت حسانؓ ایک عارضہ کی وجہ سے کمزور دل ہو گئے تھے۔

اب لڑائی حضرت حسانؓ کے بس کا روگ نہ تھا۔ انھوں نے جواب دیا ''اے دختر عبدالمطلب خدا تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔ میں وہ مرد نہیں۔ جسے کسی پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت ہو''۔

حضرت صفیہؓ خود لاٹھی لے کر نکلیں اور یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر کھل گیا۔ حضرت صفیہؓ چلی آئیں اور حضرت حسانؓ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ۔ حضرت حسانؓ نے کہا۔ ''جانے بھی دیجئے۔ مجھے ان چیزوں کی ضرورت ہی نہیں''۔ حضرت صفیہؓ نے کہا۔ اچھا جاؤ۔ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک آؤ کہ یہودی مرعوب ہو جائیں لیکن یہ کام بھی حضرت صفیہ ہی نے کیا۔ یہود کو یقین ہو گیا کہ قلعہ میں فوج متعین ہے۔ اس خیال سے پھر انھوں نے حملہ کرنے کی جرأت نہ کی۔

بنو قریظہ نے اس جنگ میں شرکت اس شرط پر کی تھی کہ قریش یرغمال کے طور پر چند معزز آدمی بنو قریظہ کے پاس رکھ دیں۔ اگر وہ لڑائی کا فیصلہ کیے بغیر جانا چاہیں تو ان لوگوں کو روک لیں گے۔ لیکن انھوں نے وہ شرط پوری نہیں کی۔ اس لیے یہود کے دل میں شک وشبہ پیدا ہوا اور انھوں نے خفیہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کے ساتھ مصالحت کا پیغام بھیجا کہ بنو نضیر کو دوبارہ مدینہ میں آنے کی اجازت دے دیں۔ نعیم بن مسعود رسول کریمؐ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ وہ پیٹ کے ہلکے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے راز کے طور پر بنو قریظہ کا مخفی پیغام ذکر کیا۔ انھوں نے فوراً جا کر یہ خبر قریش تک پہنچا دی اس سے قریش کو بنو قریظہ سے بدگمانی پیدا ہو گی اور یہودیوں سے کشیدگی اور کبیدگی حد کو پہنچ گئی اور رشتہ اتفاق ٹوٹ گیا۔[1]

اسی اثناء میں شوال کا مہینہ ختم ہو چلا اور ذی قعدہ قریب آ گیا۔ جو شہر حرم کا آغاز تھا۔ جس میں قریش مذہبا لڑائی نہیں کر سکتے تھے۔ فتح کے امکانات یہود کی عدم معاونت کی وجہ سے ختم ہو گئے تھے موسم بھی خراب آ گیا۔ بارش آندھی' سردی اور قلت رسد وغیرہ سے محاصرین کے پائے ثبات میں لغزش آ گئی۔ آخر بیزار ہو کر ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ روانہ ہو گیا۔ اس پر دوسرے قبائل بھی یکے بعد دیگر چلتے بنے۔[2]

1۔ البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۳۱ مصر۔ 2۔ ابن ہشام ص ۱۸۸۴ و طبری ص ۱۴۸۴۔۱۴۸۵

خدا تعالیٰ نے اس طوفان اور بادصرصر کو مسلمانوں کے لیے نعمت قرار دیا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَ تْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (الاحزاب۳۳:۹)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اس احسان کو یاد کرو کہ جب تم پر فوجیں آ پڑیں۔ تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور فوجیں بھیجیں۔ جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھیں۔

کفار کے متعلق قرآن مجید میں ان الفاظ میں ذکر ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ. (الاحزاب ۳۳:۲۵)

خدا تعالیٰ نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا واپس لوٹا دیا۔ ان کو کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اور اللہ مومنوں کے لیے لڑائی میں کافی مددگار و معاون ہے۔

اس معرکہ میں اسلامی فوج کا جانی نقصان بہت کم ہوا۔ لیکن ایک مشہور انصاری حضرت سعد بن معاذ جو قبیلہ اوس کے رئیس تھے۔ زخمی ہوئے اور پھر جانبر نہ ہو سکے۔

دیگر واقعات اور سرایا

ا۔ سلام بن ابی الحقیق کا قتل

سلام بن ابی الحقیق کی کنیت ابو رافع تھی یہود کے بااثر روساء میں سے تھا۔ اس نے مسلمانوں کے خلاف بڑھ چڑھ کر معاندانہ کاروائیوں میں حصہ لیا۔ مشرکین کو اکسایا۔ مال اور رسد سے ان کی مدد کی۔ اس کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتا تھا۔ جب مسلمان بنو قریظہ سے فارغ ہو گئے تو بنوخزرج کے لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قتل کی اجازت مانگی۔ اس سے قبل قبیلہ اوس کے لوگوں نے کعب بن اشرف کو قتل کیا تھا۔ اس لیے بنوخزرج سلام بن ابی الحقیق کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی اور تاکید فرمائی کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔ سو قبیلہ خزرج کی شاخ بنوسلمہ کے پانچ نوجوان اس مہم پر روانہ ہو پڑے ان کا قائد عبداللہ بن عتیک تھا۔ خیبر پہنچ کر کسی طرح صحابہ سلام کے گھر میں داخل ہو گئے۔ رات کو سوتے ہوئے قتل کر دیا۔

جنگ احزاب کے بعد گو تمام کفار ناامیدی اور مایوسی کے عالم میں تھے۔ ان کی طاقت ٹوٹ چکی تھی لیکن پھر بھی مختلف اطراف میں کچھ قبیلے بدامنی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ قوت قاہرہ کے بغیر راہ راست پر نہیں آتے۔ تھے اس لیے مسلم ریاست کو پُرامن بنانے کے لیے یہ مہمات کرنی پڑیں۔ اسلام میں جہاد کا تصور ہی دہشت گردی کا خاتمہ اور ضعفا مرد اور عورتوں کی امداد اور پُرامن فضا پیدا کرتا ہے۔ مستشرقین ان مہمات کو بالکل غلط رنگ دیتے ہیں اگر مخالفین کی معاندانہ کاروائیوں کو دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ باغی قبائل کی معاندانہ کاروائیوں کو ختم کیے بغیر مسلم ریاست میں امن قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو مجبوراً یہ سرایا مخالف قبائل کی سرکوبی کے لیے بھیجنے پڑے۔

۲۔ سریہ محمد بن مسلمہ

غزوہ احزاب اور قریظہ کی جنگوں سے فراغت کے بعد یہ پہلا سریہ ہے۔ ذی الحجہ ۵ ھ میں محمد بن مسلمہ کو تیس آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ بنی کلاب کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ نجد کے اندر بکرات کے علاقہ میں ضریہ کے آس پاس قرطاء نامی مقام پر رہتے تھے ضریہ اور مدینہ کے درمیان سات رات کا فاصلہ ہے۔ مسلمانوں نے چھاپہ مارا تو دشمن کے دس آدمی مارے گئے باقی سب بھاگ گئے۔ پچاس اونٹ اور تین ہزار بکریاں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔

سب سے اہم بات بنو حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنفی کی گرفتاری پھر اس کا دائرہ اسلام میں آنا ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے عمرہ کرنے گیا تو قریش نے کہا۔ ثمامہ! تم بے دین ہو گئے ہو۔ ثمامہ نے کہا۔ نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہوں اور سنو! خدا کی قسم تمھارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ نہیں آ سکتا۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت نہ دیں۔ یمامہ اہل مکہ کے لیے کھیت کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت ثمامہ نے وطن واپس آ کر مکہ کے لیے غلہ کی روانگی بند کر دی۔ جس سے قریش سخت مشکلات میں پڑ گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرابت کا واسطہ دیتے ہوئے لکھا کہ ثمامہ کو لکھ دیں کہ وہ غلہ کی روانگی بند نہ کریں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔[1]

۳۔ غزوہ بنولحیان

بنولحیان وہی ہیں جنھوں نے مقام رجیع میں دس صحابہ کرام کو دھوکے سے گھیر کر آٹھ کو قتل کر دیا اور دو کو اہل مکہ کے ہاتھوں فروخت کر

[1] زاد المعاد ۲/ ۱۱۹' مختصر السیرۃ للشیخ عبداللہ ۲۹۲' ۲۹۳

دیا چونکہ ان کا علاقہ حجاز کے اندر بہت دور حدود مکہ کے قریب واقع تھا۔ اس وقت مسلمانوں اور قریش اور اعراب کے درمیان سخت تصادم کی فضا تھی۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوجی سٹریٹجی کے مدنظر اس علاقے میں بہت اندر تک گھس کر پڑے دشمن کے قریب چلے جانا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ جب کفار مختلف جنگوں میں شکستیں کھا کر کمزور ہو گئے تو بنولحیان سے مقتولین کا بدلہ لینے کے لیے ربیع الاول یا جمادی الاول ۹ ھ میں دو سو صحابہ کی معیت میں ان کا رخ کیا۔ مدینہ میں حضرت ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین بنایا اور ظاہر یہ کیا کہ آپ شام کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد آپ یلغار کرتے ہوئے اج اور عسفان کے بطن غراں نامی ایک وادی میں جہاں صحابہ کرام کو شہید کیا گیا تھا پہنچے اور ان کے لیے رحمت کی دعائیں کیں ادھر بنولحیان کو آپ کی آمد کی خبر ہو گئی تھی۔ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے کوئی آدمی بھی گرفت میں نہ آ سکا۔ آپ نے ان کی سرزمین میں دو روز قیام فرمایا۔ اس دوران سریے بھی بھیجے لیکن بنولحیان نہ مل سکے۔ اس کے بعد آپ نے عسفان کا قصد کیا اور وہاں سے دس سوار کراغ الغمیم بھیجے تاکہ قریش کو بھی آپ کی آمد کی خبر ہو جائے اس کے بعد چودہ دن مدینہ سے باہر رہ کر واپس مدینہ آ گئے۔

۴۔ سریہ غمر

ربیع الاول یا ربیع الاخر ۶ ھ میں حضرت عکاشہ بن محصنؓ کو چالیس صحابہ کا قائد بنا کر مقام غمر کی طرف روانہ کیا جو بنو اسد کے ایک چشمے کا نام ہے۔ دشمن بھاگ گیا اور مسلمانوں کے ہاتھ دو سو اونٹ لگے۔

۵۔ سریہ ذوالقصہ (۱)

ربیع الاول یا ربیع الاخر ۶ ھ میں حضرت محمد بن مسلمہؓ کی قیادت میں دس افراد کا ایک دستہ ذوالقصہ کی طرف بھیجا۔ یہ مقام بنو ثعلبہ کے دیار میں واقع تھا جس کی تعداد ایک سو تھی۔ وہ کمین گاہ میں چھپ گئے جب صحابہ کرام سو گئے تو اچانک حملہ کر کے انھیں قتل کر دیا۔ صرف محمد بن مسلمہ زندہ بچے وہ بھی زخمی تھے۔

۶۔ سریہ ذوالقصہ (۲)

محمد بن مسلمہ کے رفقاء کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے ربیع الآخر ۶ ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہؓ کو چالیس صحابہ کی جمعیت کے ساتھ ذوالقصہ کی طرف روانہ فرمایا۔ جب حضرت ابوعبیدہ بنو ثعلبہ کے دیار میں پہنچے۔ تو بنو ثعلبہ اس سبک رفتاری سے پہاڑوں میں بھاگے۔ مسلمان گرفتار نہ کر سکے۔ صرف ایک آدمی پکڑا گیا وہ مسلمان ہو گیا البتہ مویشی اور بکریاں ہاتھ آئیں۔

۷ سریہ جموم

سریہ زید بن حارثہؓ کی قیادت میں ربیع الآخر ۶ ھ میں جموم کی طرف روانہ کیا۔ جموم مرالظہران میں بنو سُلیم کے ایک چشمے کا نام ہے۔ حضرت زید وہاں پہنچے تو قبیلہ مُزَینَہ کی ایک عورت جس کا نام حلیمہ تھا۔ گرفت میں آ گئی تو اس نے بنو سُلَیم کے ایک مقام کا پتہ بتایا جہاں سے بہت مویشی بکریاں اور قیدی ہاتھ آئے۔ حضرت زید سب مال غنیمت لے کر مدینہ واپس آئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مزنی عورت کو آزاد کر کے اس کی شادی کر دی۔

۸۔ سریہ عیص

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سریہ حضرت زید بن حارثہ کی قیادت پر ایک سو ستر سوار جمادی الاول ۶ ھ میں عیص کی جانب روانہ کیا اس مہم میں قریش کے اس قافلہ کا مال ہاتھ آیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص کی قیادت میں جا رہا تھا۔ ابوالعاص بھاگ کر مدینہ آ گئے اور حضرت زینب کی پناہ لے کر ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ کر قافلے کا مال واپس دلا دیں۔ حضرت زینب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بات پیش کی۔ تو آپ نے دباؤ کے بغیر صحابہ سے کہا کہ مال واپس کر دیں۔ تمام صحابہ نے بطیب خاطر مال واپس کر دیا ابوالعاص مال لے کر مکہ آیا اور مالکوں کے حوالہ کر دیا۔ پھر مسلمان ہو کر مدینہ تشریف لائے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی

نکاح کی بنیاد پر حضرت زینب کو ان کے حوالہ کر دیا جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔[1]

۹۔ سریہ طرف یا طرق

اس مہم میں حضرت زید بن حارثہؓ کی قیادت میں پندرہ آدمیوں کا دستہ جمادی الآخر ۶ ھ میں طرف یا طرق کی طرف روانہ کیا۔ جب بدوؤں نے اسلامی دستہ کی خبر سنی تو انھوں نے راہ فرار اختیار کی انھیں خطرہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت زید کو بطور غنیمت چار اونٹ میسر آئے۔

۱۰۔ سریہ وادی القریٰ

یہ سریہ بارہ آدمیوں پر مشتمل تھا اور حضرت زید اس کے قائد تھے۔ وہ رجب ۶ ھ میں وادی القریٰ کی جانب روانہ ہوئے۔ مگر وادی القریٰ کے باشندوں نے اسلامی دستہ پر حملہ کر کے صحابہ کو شہید کر دیا صرف تین بچ سکے۔ ان میں سے ایک حضرت زید تھے۔

۱۱۔ سریہ خبط

اس سریہ کا زمانہ رجب ۸ ھ بتایا جاتا ہے مگر سیاق بتاتا ہے کہ یہ حدیبیہ سے پہلے کا ہے۔ اس سریہ کی بابت حضرت جابر کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن جراح کی قیادت میں تین سو سواروں کا دستہ روانہ کیا۔ قریش کے ایک قافلہ کا پتا لگانا تھا۔ اس مہم کے دوران سخت بھوک سے دو چار ہوئے۔ یہاں تک کہ پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانے پڑے۔ آخر ایک آدمی نے تین اونٹ ذبح کیے پھر تین اونٹ ذبح کیے پھر تین اونٹ ذبح کیے اس کے بعد ابوعبیدہ نے روک دیا۔ پھر اس کے بعد سمندر نے ایک عنبر مچھلی پھینک دی۔ جس کو آدھا مہینہ کھاتے رہے۔ اس کا تیل بھی لگاتے رہے۔ ہمارے جسم پہلی حالت پر آتے گئے اور تندرست ہو گئے۔[2]

۱۲۔ سریہ دیار بنی کلاب (علاقہ دومۃ الجندل)

رواۃ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ دومۃ الجندل میں ایک گروہ کثیر جمع ہے اور مدینہ پر بڑھنا چاہتا ہے۔[3]

یہ خبر پا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی قیادت میں شعبان ۶ ھ میں ایک دستہ بنی کلاب کے علاقے کی طرف بھیجا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ ان کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو ان کے سردار کی بیٹی سے شادی کر لینا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف نے اسلام کے قبول کرنے کی دعوت دی اور ان کا سردار اصبغ بن عمرو کلبی دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی تمام علاقے میں اسلام پھیل گیا۔ وہ پہلے عیسائی تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے تماضر بنت اصبغ سے شادی کر لی۔ یہی ابوسلمہ کی ماں ہے۔

۱۳۔ سریہ دیار بنی سعد (علاقہ فدک)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بنو سعد فدک میں یہود خیبر کی کمک کے لیے فوج جمع کر رہے ہیں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان ۶ ھ میں حضرت علیؓ کی قیادت میں دو سو آدمی دے کر روانہ کیا۔ یہ لوگ رات کو سفر کرتے اور دن میں چھپے رہتے۔ چنانچہ ایک جاسوس گرفت میں آیا اس نے اقرار کیا کہ ان لوگوں نے خیبر کی کھجوروں کے عوض امداد فراہم کرنے کی پیش کش کی ہے اور جاسوس نے یہ بھی بتایا' بنو سعد نے کس جگہ جتھہ بندی کی ہے۔ حضرت علیؓ نے شبخون مار کر پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریوں پر قبضہ کر لیا۔ بنو سعد اپنی عورتوں اور بچوں سمیت بھاگ گئے ان کا سردار بر بن علیم تھا۔

---

۱ سنن ابی داؤد مع شرح عون المعبود باب الی متی ترد علیہ امراتہ اذا اسلم بعدھا۔

۲ تفصیل دیکھیے صحیح بخاری ۲/ ۲۶۵' ۶۲۹ صحیح مسلم ۲/ ۱۴۰' ۱۴۶

۳ ابن سعد ص ۴۴

۱۴۔ سریہ ام قرفہ

رمضان ۶ ھ میں حضرت ابوبکرؓ کی قیادت میں بنو فزارہ کی طرف ایک دستہ بھیجا۔ بنو فزارہ نے ام قرفہ کی تحریک سے حضرت زید بن حارثہ کے تاجرانہ قافلہ کو لوٹا تھا۔ اس ڈکیتی کی وجہ سے ام قرفہ کی گرفتاری عمل میں لائی گئی' اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی گرفتار کر لی گئی حضرت ابوبکر نے وہ لڑکی سلمہ بن اکوع کے سپرد کر دی۔ جب یہ دستہ مدینہ پہنچا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑکی کو سلمہ بن اکوع سے لے کر مکہ بھیج دیا اور اس کے عوض وہاں کے متعدد قیدیوں کو رہا کرا لیا۔[1]

سریہ عرنیین

عکل اور عرینہ کے چند افراد نے مدینہ میں آ کر اسلام کا اظہار کیا اور مدینہ میں یہ قیام کیا لیکن ان کو مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند اونٹوں کے ساتھ باہر ایک چراگاہ میں بھیج دیا۔ اونٹوں کا دودھ پیئں جب یہ لوگ تندرست ہو گئے تو چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو ہانک کر لے گئے لہذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کرز بن جابر الفہری کی قیادت میں دس آدمیوں کا دستہ عرنیوں کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ وہ پکڑے گئے اور انھوں نے مسلمان چرواہوں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا۔ اس کے قصاص کے طور پر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی گئیں اور انھیں ایک حرہ کے ایک گوشہ میں چھوڑ دیا گیا۔ جہاں وہ تڑپتے تڑپتے اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔

ان کا واقعہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت انس سے مروی ہے۔[2]

---

[1] تفصیل دیکھئے صحیح مسلم ۸۹/۲ (کہا جاتا ہے کہ یہ سریہ ۷ھ میں پیش آیا)

[2] زاد المعاد ۱۲۲/۳)

۲،۳،۴،۵ھ

یہودیوں اور مسلمانوں کے تعلقات

قَدْبَدَ تِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَکْبَرُ. (آل عمران ۳:۱۱۸)

ان کے مونہوں سے بغض ظاہر ہوگیا اور جو ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ اس سے بڑھ کر ہے۔

(بنو قینقاع کا اخراج۔ قتل کعب بن اشرف۔ غزوہ بنو نضیر۔ بنو قریظہ کا خاتمہ۔ غزوہ خیبر)

یہود کے تین قبیلے تھے۔ قینقاع، نضیر، قریظہ یہ سب مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ عموماً زمیندار تجارت پیشہ اور صناع تھے سودی کاروبار کرتے تھے اور انصار ان کے مقروض رہتے تھے۔ علمی لحاظ سے بھی انصار پر فوقیت رکھتے تھے اور اپنے آپ کو زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے۔

دولت و ثروت کی فراوانی کی وجہ سے اخلاق شنیعہ میں مبتلا اور انسانیت سے عاری ہو چکے تھے۔ وہ چار روپے کے زیور کے بدلے بچوں کو پتھر سے مار ڈالتے تھے۔ قرضہ کی کفالت میں بچوں اور عورتوں کو رہن رکھواتے تھے۔ امرا کو زنا اور بدکاری کی سزا نہیں دی جا سکتی تھی۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری شریعت میں زنا کی سزا درہ مارنا ہے۔ انھوں نے کہا نہیں بلکہ سنگسار کرنا ہے۔ لیکن ہمارے امراء اس مرض میں مبتلا ہیں اس وجہ سے جب وہ پکڑے جاتے ہیں۔ تو ہم ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔ البتہ عام آدمیوں کو یہ سزا دی جاتی ہے۔ بالآخر یہ قرار پایا کہ سنگسار کرنے کی سزا درہ سے بدل دی جائے تا کہ امیر اور غریب سب کو یکساں سزا دی جا سکے۔

جب انصار نور ہدایت سے منور ہوئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے۔ تو یہودیوں کے جابرانہ اور خود غرضانہ اقتدار کی عمارت پیوند خاک ہونے لگی اور یہودیت کی اشاعت رک گئی۔ اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ یہودیوں کے دل حسد اور بغض کی آگ سے جلنے لگے۔ اسلام کی بیخ کنی کے ناپاک منصوبے گھڑنے شروع کر دیئے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے طرح طرح کی کوششیں کرنے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہتک آمیز اور بیہودہ کلمات کہنے سے نہ رکتے (راعنا ہماری رعایت کیجئے) کو زبان مروڑ کر راعن (احمق ہے) کہہ دیتے۔ آپ سے سلام علیکم کرتے تو بجائے السلام علیک کے السام علیک (تم پر موت آئے) کا لفظ استعمال کرتے۔

مذہب اسلام کے متعلق غلط تصور پیدا کرنے کے لیے بظاہر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے اور کچھ عرصہ کے بعد ارتداد اختیار کر لیتے تا کہ دوسروں کے دلوں پر برا اثر پڑے اور مسلمان بھی مرتد ہو جائیں۔

انصار کے قبیلے اوس اور خزرج جو قبول اسلام سے قبل برسر پیکار رہتے تھے۔ اسلام نے ان کو باہم متحد کر دیا۔ یہود ہر وقت اس موقعہ کی تاڑ میں رہتے تھے کہ اوس اور خزرج کے درمیان مناقشت اور مخالفت کی آگ بھڑکا دیں۔ تا کہ اسلام خود بخود نیست و نابود ہو جائے۔ ایک دفعہ دونوں قبیلوں کے آدمی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ چند یہودی اس مجلس میں پہنچے اور جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ اس لڑائی کے تذکرہ نے خوابیدہ جذبات عداوت کو زندہ کر دیا۔ دونوں قبیلوں نے میانوں سے تلواریں کھینچ لیں۔ لڑ مٹنے کے لیے تیار ہو گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ آپ فوراً وہاں تشریف لے گئے پر زور نصائح سے مشتعل جذبات کی حدت کو ٹھنڈا کیا اور انصار اپنے کیے پر پچھتانے لگے۔ اس پر وحی نازل ہوئی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ. (آل عمران ۳:۱۰۰)

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے بعض لوگوں کا کہنا مانو گے۔ تو وہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دیں گے۔

یہود نہ صرف خود ہی اسلام کی بربادی کی موہوم سکیمیں بناتے تھے۔ بلکہ ان کا خفیہ تعلق منافقوں اور کفار مکہ کے ساتھ بھی تھا تا کہ متحدہ

طاقت کے ساتھ شجر اسلام کو اکھاڑ پھینکیں غرضیکہ عداوت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو گھر سے نکلتے۔ تو جان کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔ حضرت طلحہ بن براء بیمار ہوئے تو انھوں نے وصیت کی کہ اگر میں رات کے وقت مروں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ دینا ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے یہود کی طرف سے آپ پر حادثہ گزر جائے۔[1]

بنو قینقاع کا اخراج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے مال و جان سے کچھ تعرض نہیں کیا جائے گا اور ان کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔ لیکن یہود نے معاہدہ کا کوئی پاس نہ کیا۔ سب سے پہلے بنو قینقاع نے عہد شکنی کی۔ ابن ہشام وطبری نے ابن اسحاق کی روایت سے عاصم بن قتادہ انصاری کی روایت نقل کی ہے۔

"ان بنی قینقاع کانوا اول یهود نَقَضُوْا مابینهم و بین رسول الله صلی الله علیه وسلم و حاربوا فیها بین بدرو احد."

بنو قینقاع پہلے یہود تھے۔ جنھوں نے اس معاہدہ کو جوان میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا۔ توڑا تھا اور بدر اور احد کے درمیانی زمانہ میں ان سے لڑائی ہوئی۔

ابن سعد نے بنو قینقاع کے ذکر میں تحریر کیا ہے۔

"فلما کانت وقعة بدرا ظهروا البغی والحسد و نبذوا العهد والمرة".

جنگ بدر میں یہودیوں نے بغاوت اور حسد ظاہر کیا اور عہد کو پس پشت ڈال دیا۔

ایک مسلمان عورت کی بے حرمتی

بنو قینقاع کے بغض اور عناد کو ظاہر کرنے کے لیے ایک واقعہ پیش آ گیا کہ انصار کی ایک نقاب پوش خاتون بنو قینقاع کے محلہ میں ایک سنار کے ہاں زیور بنوانے کے لیے آئی۔ تو ایک بدخصلت یہودی نے اپنی ہوس دید کے بجھانے کے لیے بے نقاب کر دیا اور مسلمان عورت نے واویلا شروع کر دیا۔ ایک مسلمان یہ دیکھ کر آگے بڑھا اور اپنی تلوار سے یہودی کا سر قلم کر دیا۔ مگر وہ مسلمان دوسرے یہودیوں کی تلوار کا لقمہ بن کر موت کی گود میں ابدی نیند سو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ بنو قینقاع کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا۔ "اگر تم لوگوں نے مسلمانوں کی ایذا رسانی سے ہاتھ نہ روکا اور صلح کے معاہدہ پر عمل نہ کیا۔ تو تمھارے ساتھ بھی وہی سلوک ہو گا۔ جو قریش مکہ کے ساتھ کیا گیا ہے"۔ وہ بولے۔

لا یغرنک یا محمدا انک لقیت قوما لا علم لهم بالحرب فاصبت فرصة انا والله لئن حاربنا ــ لتعلمن انا نحن الناس.

اے محمد! آپ دھوکے میں نہ رہیں۔ تم نے ایسی قوم سے مقابلہ کیا تھا۔ جو فن حرب سے آشنا نہ تھی۔ بخدا اگر ہمارے ساتھ سابقہ پڑا۔ تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی اس کا نام ہے۔

یہ بنو قینقاع کی طرف سے کھلم کھلا اعلان جنگ اور نقض عہد تھا۔ مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بیسویں ماہ شوال کے نصف کے قریب ہفتہ کے دن اپنے جان نثاروں کے ساتھ ان کی طرف بڑھے۔ مسلمانوں کا پرچم حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کے ہاتھ میں تھا اور ابولبابہ بن عبداللہ کو مدینہ میں چھوڑ دیا گیا۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے اور مسلمانوں نے باہر سے ان کی مدد بند کر دی۔ مگر یہودی ۱۵ دن کے سخت محاصرے کے بعد اطاعت پر آمادہ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا۔ مدینہ چھوڑ دو۔ چنانچہ یہود اپنے اسلحہ اور زیورات جو ان کی صنعت اور تجارت کا ذریعہ تھے۔ مدینہ میں ہی چھوڑ کر جلاوطن ہو گئے۔ کچھ عرصہ وادی القریٰ میں مقیم رہے مگر یہاں سے اذرعات نام بستی میں جو شام کے علاقہ میں ہے۔ منتقل ہو گئے۔ یہ سات سو اشخاص تھے جن میں تین سو زرہ پوش تھے۔ یہ شوال ۲ھ کا واقعہ ہے۔

---

[1] اصحابہ ترجمہ طلحہ بن براء۔

قتل کعب بن اشرف ربیع الاول ۳ھ

کعب بن اشرف ایک مشہور قادر الکلام یہودی شاعر تھا۔ اس کا باپ اشرف جو طے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے ابو رافع بن ابی الحقیق جو یہودی رئیس تھا۔ اس کی لڑکی سے شادی کی۔ کعب اس کے بطن سے پیدا ہوا۔ شاعری اور دولتمندی کی وجہ سے یہودیوں کا رئیس بن گیا۔ تمام یہودی علماء اس کے دست نگر تھے اس لیے ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر لیا تھا۔ یہ صرف اسلام کے خلاف ہی کینہ اور بغض نہ رکھتا تھا بلکہ کفار مکہ کے ساتھ بھی ساز باز رکھتا تھا۔ جب قریش مکہ نے جنگ بدر میں شکست کھائی تو تاسف سے کہا تھا۔

"هولاء اشراف العرب ملوک الناس واللّٰہ لئن کان محمد اصاب هولاء القوم لبطن الارض خیر من ظهرها"۔

یہ لوگ عرب کے اشراف اور بادشاہ تھے۔ جو ان کی موت کے بعد ہم جیسوں کا زمین پر چلنے پھرنے سے مرجانا بہتر ہے[1]۔

تعزیت کے لیے مکہ گیا۔ پُردرد مرثیے کہے۔ قریش مکہ کو خوب رلایا اور ان کو بدلہ لینے کے لیے برانگیختہ کیا اور دوسرے قبائل کو بھی اسلام کے خلاف اکساتا رہا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور مسلمان خواتین کے خلاف ہجویں کہیں۔ صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ مدینہ لوٹ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چپکے سے قتل کرا دینے کا قصد کیا۔ علامہ یعقوبی اپنی تاریخ میں بنو نضیر کے واقعہ میں لکھتے ہیں۔

"کعب بن اشرف الیهودی الذی اراد ان یمکر برسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم۔

کعب بن اشرف یہودی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے میں قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔

ایک معاہد قوم میں سے ہونے کے باوجود اس قدر اسلام کے خلاف بغض و عناد کا اظہار پھر کفار مکہ کے ساتھ سازش اور مزید برآں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کا منصوبہ یہ ایسے امور نہ تھے کہ ان پر چشم پوشی سے کام لیا جاتا۔ اس کی یہ حرکات سخت سزا کے قابل تھیں۔ مدینہ میں کوئی ایسی عدالت نہ تھی کہ اس کو اس کے ناپاک منصوبوں اور سازشوں کی وجہ سے کیفرکردار تک پہنچاتی۔ اب صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ اس کو خفیہ طور پر قتل کرا دیا جاتا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے محمد بن مسلمہ نے روساء اوس کے مشورہ سے ربیع الاول ۳ھ میں اسے قتل کر دیا۔

غزوہ بنونضیر ربیع الاول ۴ھ

بنونضیر باوجود معاہدے کے قریش مکہ کے ساتھ اسلام کے خلاف ساز باز رکھتے تھے۔ بدر میں شکست فاش کھانے کے بعد قریش نے یہود کو لکھا۔

انکم اهل الحلقة والحصون وانکم تقاتلن صاحبنا او لنفعلن کذا کذا ولا یجوز بیننا و بین خدم نساء کم شی۔[1]

تمھارے لوگوں کے پاس اسلحہ جنگ اور قلعہ تلواریں ہیں۔ تم ہمارے حریف سے لڑو۔ ورنہ ہم تمھارے ساتھ یہ کریں گے اور تمھاری عورتوں کی پازیبیں اتار لیں گے۔

اس خط کے ملنے کے بعد بنونضیر نے عہد شکنی کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فریب سے قتل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

ربیع الاول ۴ھ کا ذکر ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی شبہ میں قتل کر دیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہی مقتولین کی دیت کے متعلق مشورہ کرنے کے لیے بنونضیر کے محلہ میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ دس صحابی تھے۔ جن میں حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ علیؓ بن ابی طالب بھی شامل تھے۔ آپ نے بنونضیر سے پوچھا کہ قبیلہ بنی عامر کو دیت کس طرح ادا کی جائے اور ان کے یہاں دیت کا دستور کیا ہے۔[2]

---

[1] سنن ابی داؤد ذکر بنونضیر (کتاب الخراج) الامارۃ

[2] سیرت حبیبیہ جلد ۲ ص ۴۷۷۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محلہ میں دیکھ کر کعب بن اشرف کے قتل کا زخم پھر ابھر آیا چند سرغنے مجلس سے اٹھ کر فریب سے قتل کرنے کے منصوبے گھڑنے لگے۔ چنانچہ یہ سازش کی کہ ایک شخص بالاخانہ پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر گرا دے۔ عمرو بن حجاش سیاہ باطن یہودی اس ارادہ سے کوٹھے پر چڑھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باعلام ربانی اس سازش کا علم ہو گیا۔ آپ فوراً مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

جب اس منصوبہ میں ناکام ہوئے۔ تو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ تیس آدمیوں کو لے کر آئیں۔ ہم بھی اپنے احبار لے کر آئیں گے۔ وہ آپ سے مناظرہ کریں گے۔ اگر انھوں نے آپ کی تصدیق کر دی۔ تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم معاہدہ نہ لکھ دو۔ میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا لیکن وہ اس بات پر راضی نہ ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنو قریظہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے تجدید معاہدہ کیا کیونکہ بنو نضیر بغاوت پر تل چکے تھے۔ اس وجہ سے وہ کسی طرح بھی معاہدہ کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ بالآخر انھوں نے دوبارہ آپ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ تین آدمی لے کر آئیں اور ہمارے تین احبار کے ساتھ مباحثہ کریں۔ اگر وہ آپ پر ایمان لے آئیں۔ تو ہم بھی ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے منظور فرما لیا۔ راستہ میں آپ کو علم ہو گیا کہ یہود میانوں سے تلواریں سونت کر کھڑے ہیں کہ جب آپ تشریف لے جائیں۔ تو آپ کو قتل کر دیں۔[1]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت محمد بن مسلمہؓ کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا۔

"ان اخرجوا من بلادی لقد نقضتم العهد الذی جعلت لکم بما هممتم به. لقد اجلتکم عشرا فمن رأی بعد ذلک ضرب عنقه". [2]

ہمارے شہر سے نکل جاؤ کیونکہ تم نے عہد شکنی کی ہے۔ ورنہ دس روز کے بعد تم میں سے جو شخص مدینہ میں دیکھا گیا۔ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

ابن ابی منافق کی شہ

عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے یہود کو شہ دینے کے لیے ان کے پاس دو ایلچی بھیجے۔ "مبادا! تم مال اور گھر بار چھوڑ کر جلا وطن ہونا منظور کر لو بلکہ ہمت مستقل المزاجی اور ثابت قدمی سے اپنے قلعوں میں جمے رہنا۔ میں دو ہزار آدمی لے کر تمہاری اعانت کروں گا"۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَکُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْکُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّکُمْ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَیُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ (الحشر ۵۹: ۱۱.۱۳)

کیا تو نے انھیں نہیں دیکھا۔ جو منافق ہیں۔ وہ اپنے بھائیوں کو جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں کہتے ہیں۔ اگر تمھیں نکالا گیا تو ہم تمھارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمھارے معاملہ میں کبھی کسی کی اطاعت نہ کریں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی۔ تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں اگر انھیں نکالا گیا۔ تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر یہ ان کی مدد کریں تو پیٹھیں پھیر دیں گے۔ پھر ان کی کوئی مدد نہ ہو گی۔ اللہ کی نسبت تمہارا ڈر ان کے دلوں میں بہت زیادہ ہے یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں۔

جو لوگ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی طینت سے آگاہ تھے۔ انھوں نے اس کی پیش کردہ معاونت پر اعتماد نہ کیا اور کہا

---

[1] فتح الباری غزوہ بنو نضیر۔

[2] حیات محمد مترجم محمد حسین ہیکل ص ۳۰۴

''اس نے اس قسم کی شہ بنوقینقاع کو بھی تو دی تھی۔ جب وہ نرغے میں لے لیے گئے۔ تو ابن ابی نے انھیں بے یارو مددگار چھوڑ کر اپنی راہ لی'' !
انھوں نے یہ بھی سوچا۔ اگر ان کو جلا وطن ہونا پڑا تو وہ خیبر یا مدینہ کی کسی قریب جگہ پر مقیم ہو جائیں گے تا کہ وہ مدینہ کے باغات کے پھل حاصل کر سکیں۔

حی ابن اخطب کی رائے

حی بن اخطب بنونضیر کا رئیس تھا۔ اس نے کہا کہ ہم (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کہلا بھیجتے ہیں کہ ہم شہر کو کسی صورت میں بھی خالی نہیں کر سکتے۔ ہمارے خلاف جو چاہیں کر گزریں یہ کہلا بھیجنے کے بعد انھوں نے قلعہ بندی کی تیاری شروع کر دی اور محاصرین پر پتھراؤ کرنے کے لیے چھتوں پر پتھر جمع کر لیے اور اشیاء خوردنی سے ان کے گھر بھرے پڑے تھے۔ جو ایک سال کے لیے کافی تھیں۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام سن کر بنونضیر کا محاصرہ کر لیا۔ یہود ۱۵ دن تک قلعہ بند رہے۔ قلعہ کے گرد جوان کے نخلستان تھے ان کے چند درخت کٹوا دیئے۔
جب بنونضیر نے مقابلہ کی تاب نہ پائی اور نہ ہی ابن ابی کی مدد پہنچی۔ تو اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ مدینہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور ان کو مال و اسباب اونٹوں پر لے جانے کی اجازت ہو۔ چنانچہ سب گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے۔ ان میں سے معزز روساء سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع، حی بن اخطب خیبر چلے گئے۔ وہاں کے لوگوں نے ان کو خیبر کا رئیس تسلیم کر لیا۔[1]
اپنی ذلت اور رسوائی کو چھپانے کے لیے وہ بڑی ٹھاٹھ باٹھ اور شاہانہ طریقہ سے مدینہ سے نکلے۔ جس سے جشن کا دھوکا ہوتا تھا۔ اونٹوں پر سوار تھے ساتھ ساتھ باجا بجتا جاتا تھا۔ عورتیں دف بجاتی اور گاتی جاتی تھیں۔[2]
ہتھیاروں کا ذخیرہ جو یہود نے چھوڑا تھا۔ اس میں پچاس زرہیں پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں۔[3]

بنوقریظہ کا خاتمہ ۵ھ

جنگ احزاب میں بنونضیر نے قریش اور قبائل عرب کو اکسانے اور چاروں طرف مخالفت اور عداوت کی آگ بھڑکانے میں بہت کوشش کی بنوقریظہ کو بھی بغاوت پر اکسایا۔ اول اول بنوقریظہ نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ آخر حیی بن اخطب کا جادو چل گیا' اس نے سمجھایا کہ مسلمان ٹڈی دل لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ ان کی تباہی و بربادی کی گھڑیاں قریب آ چکی ہیں۔ اب تمھیں یہ سنہری موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔ شہر کے اندر تم علم بغاوت بلند کر دو اور باہر سے ہم حملہ کر دیں گے۔ اس طرح اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے اور یہ بھی کہا۔ اگر قریش خائب و خاسر لوٹ گئے۔ تو میں خود تمھارے قلعہ میں چلا آؤں گا۔ چنانچہ اس نے یہ عہد پورا کیا۔ آخر بنوقریظہ نے مسلمانوں سے عہد شکنی کر کے قریش کے ساتھ معاہدہ کیا کہ وہ بھی جنگ میں ان کی اعانت کریں گے۔ قرآن مجید نے بھی اس کا ذکر سورۃ احزاب میں کیا ہے۔ ''اَلَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ'' یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جنھوں نے ان کفار کی مدد کی۔ تاریخ سے بھی ان کے جنگ میں عملاً حصہ لینے کی شہادت ملتی ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کی عورتوں پر حملہ کرنا چاہا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا آخری فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے فارغ ہو کر صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ابھی ہتھیار نہ اتاریں اور قریظہ کی طرف پیش قدمی کریں۔ جب مسلمان قلعوں کے پاس پہنچے۔ تو یہود نے اعلانیہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ دشنام دیں۔ ان کا محاصرہ کیا گیا۔ جو ایک ماہ تک رہا۔ محاصرہ کی تنگی سے بنوقریظہ تنگ آ گئے۔ بالآخر انھوں نے آپ کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ حضرت سعدؓ بن معاذ جو فیصلہ کریں۔ وہ منظور ہے۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ جب تک کسی امر کے متعلق وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔ آپ تورات کے احکام کی پابندی فرماتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ نے ضروری تحقیقات کے بعد یہ فیصلہ فرمایا۔
۱۔ بنوقریظہ کے جنگجو مرد قتل کر دیئے جائیں۔

---

[1] طبری صفحہ ۱۴۵۲۔ [2] پوری تفصیل طبری میں ہے ص ۱۴۵۲ [3] سیرۃ النبیؐ حصہ اول صفحہ ۴۱۲

۲۔ عورتیں اور بچے مملوک بنا لیے جائیں۔

۳۔ مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔[1]

مارگولوس کہتے ہیں کہ "چونکہ سعد بن معاذ کو اس جنگ میں ایک قریظی نے تیر سے زخمی کیا تھا۔ جس سے بالآخر وہ ہلاک ہو گئے تھے۔ اس لیے انھوں نے بنو قریظہ کے لیے ایسا بے رحمانہ فیصلہ کیا"۔ وہ تیر انداز ابن السرقہ قریشی تھا نہ کہ قریظی' صحیح بخاری اور مسلم میں صاف تصریح ہے۔

سعد بن معاذ نے وہ فیصلہ تورات کے مطابق کیا تھا۔ تورات کتاب تثنیہ اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے۔

"جب کسی شہر پر حملہ کے لیے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے۔ اگر وہ صلح تسلیم کرلیں اور تیرے لیے دروازے کھول دیں۔ تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں۔ سب تیرے غلام ہو جائیں گے۔ لیکن اگر صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے۔ تو جس قدر مرد ہوں۔ سب قتل کر دے۔ باقی بچے عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں۔ سب تیرے لیے مال غنیمت ہوں گے"۔

اسی طرح تورات میں گنتی کے ۳۱ باب از ۶ تا ۳۵ آیات میں لکھا ہے۔

"بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں ان کے بچوں کو اسیر کیا۔ ان کے مواشی اور بھیڑ بکریاں اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا۔ اور ان کے سارے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کے سب قلعوں کو پھونک دیا۔ ۱۴ موسیٰ...... غصہ ہوا۔ ۱۵ کہ کیا تم نے سب عورتوں کو جیتا رکھا" ۱۷ اتم ان بچوں کو جتنے لڑکے ہیں۔ سب کو قتل کر دو...... اور ہر عورت جو مرد کی صحبت سے واقف تھی۔ جان سے مار دو" ۱۸۔ لیکن وے لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں۔ ان کو اپنے لیے زندہ رکھو"

حضرت سعد بن معاذؓ نے جب فیصلہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ آسمانی فیصلہ کیا ہے۔ یہ اسی تورات کے حکم کی طرف اشارہ تھا۔

مخالفین اسلام نے حضرت سعدؓ بن معاذ کے فیصلہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنگدلی پر محمول کیا ہے۔ اگر منصفانہ نظر سے واقعات کا مطالعہ کیا جائے۔ تو حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دوستانہ معاہدہ کیا تھا۔ جس میں جان و مال کی حفاظت اور مذہب کی آزادی کا اقرار کیا گیا تھا لیکن انھوں نے عہد شکنی کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے قریش مکہ کے ساتھ سازش کر لی اور جنگ احزاب میں عملاً حصہ لیا۔

۲۔ عورتوں پر حملہ کرنا چاہا۔

۳۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ یہ فیصلہ ان کی شریعت کے مطابق تھا اور یہود خود بھی اپنے دشمنوں سے جنگ میں یہی سلوک کرتے تھے۔

۴۔ حضرت سعد بن معاذؓ کو خود انھوں نے ہی منصف مانا تھا۔

۵۔ اگر یہ لوگ خود نبی کریمؐ کے فیصلہ پر راضی ہو جاتے۔ تو آپ ان سے وہی سلوک کرتے۔ جو ان سے پہلے بنو قینقاع اور بنو نضیر سے کیا تھا۔ یعنی ان کو جلاوطن کر دیتے۔

اس تہذیب کے زمانہ میں اگر کوئی قوم غداری اور عہد شکنی کرے۔ تو اس سے نرم سلوک نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ایسی سزائیں دی جاتی ہیں۔ جن سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۷ (باب جواز قتال من نقض العہد و جواز انزال اہل الحصون علی حکم حاکم عدل)۔

۶ ھ

صلح حدیبیہ و بیعت رضوان

(۱) وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔ (انفال)

اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی اسی طرف جھک جا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر۔

(۲) اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکَ وَیَهْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا وَّیَنْصُرَکَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا (الفتح ۴۸: ۱۔۳)

ہم نے تیرے لیے ایک کھلی فتح (کی راہ) کھول دی ہے تاکہ اللہ ان قصوروں سے تیری حفاظت کرے جو تیرے ذمہ لگائے گئے اور جو پیچھے رہا اور اپنی نعمت کو تجھ پر پورا کرے اور تجھے سیدھے رستے پر چلائے اور اللہ تیری زبردست نصرت سے مدد کرے۔

جنگ احزاب پر قریباً ایک سال کی مدت گزر گئی موسم حج قریب آیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رویا میں دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اس رویا کے پیش نظر آپ نے بیت اللہ کی زیارت کرنے کا اعلان فرمایا۔ تو یہ خبر سرعت کے ساتھ مدینہ میں پھیل گئی کیونکہ صحابہ پہلے سے ہی اس سعید گھڑی کے منتظر تھے۔ ان کی ارواح بیت اللہ کی زیارت کے لیے تڑپتی تھیں۔ ان کے قلوب میں بیت اللہ کی یاد گدگدی لیتی رہتی تھی۔ حضرت بلالؓ اکثر رو رو کر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

الا لیت شعری هل ابیتنّ لیلةً
بواد و حولی اذخر و جلیل
وهل اردن یوما میاه مجنّة
وهل یبدون لی شامة و طفیل [۱]

کاش کہ وہ دن پھر آ جائے کہ میں مکہ کی وادی میں ایک رات بسر کر لوں اور میرے پاس اذخر اور جلیل ہوں اور کیا وہ دن بھی آئے گا کہ میں مجنہ کے چشموں پر اتروں اور شامہ اور طفیل مجھ کو دکھائی دیں۔

حالانکہ مکہ کی وہ زمین ہے۔ جہاں ان پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے گئے اور بے سروسامانی کی حالت میں گھروں سے نکالا گیا۔ کعبہ اسلام کا اصلی مرکز تھا۔ جس کی بنیاد دو مقدس نبیوں (حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام) نے رکھی تھی۔ اس گھر کی تعظیم سب کو تسلیم تھی اور ہمیشہ سے حج کے مناسک ادا ہوتے چلے آ رہے تھے اور حج کے ایام میں لڑائیوں کو بھی ملتوی کر دیا جاتا تھا۔ وہ قبائل جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے تھے ایک میدان میں جمع نظر آتے تھے اور شیر و شکر ہو کر ملتے تھے۔ خطرناک سے خطرناک دشمن کو بھی حج سے نہیں روکا جاتا تھا۔ اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال تھا کہ قریش مکہ حج کرنے میں آپ کے مزاحم نہیں ہوں گے۔ سو آپ چودہ سو پاک باز مقدس صحابہ کے ساتھ ذی قعدہ ۶ ہجری میں عمرہ کے لیے عازم مکہ ہوئے۔ حضرت ام سلمہ بھی ساتھ تھیں۔ قربانی کے اونٹ بھی ساتھ تھے۔ حذر و احتیاط کے لیے آپ نے حکم دیا کہ کوئی بھی جنگ کے ہتھیار اور سامان ساتھ نہ لے تاکہ قریش مزاحمت کا بہانہ نہ بنا لیں۔ صرف تلوار جو عرب کا ضروری اسلحہ تھا۔ ساتھ لی جائے۔ اس میں بھی یہ شرط تھی کہ نیام میں بند ہو۔

[۱] صحیح بخاری باب مقدم النبیؐ و اصحابہ المدینۃ۔

جب آپ ذوالحلیفہ میں پہنچے۔ جو اہل مدینہ کا میقات ہے۔ آپ نے احرام باندھا اور قربانیوں کو شعار کیا۔ یہاں سے بُسر بن سفیان کو قریش کی طرف بھیجا تا کہ ان کے ارادہ کی خبر لائے۔ اس نے مقام عسفان میں واپس آ کر آپ کو اطلاع دی کہ قریش نے ایک عظیم لشکر مقابلہ کے لیے جمع کر لیا ہے۔ وہ آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ہم عمرہ کی نیت سے آئے ہیں اگر کوئی شخص ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو تو ہمیں مجبوراً اس سے لڑنا چاہیے۔ آپ نے یہ رائے پسند فرمائی اور آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

کفار کی متحدہ فوج مکہ سے باہر بلدح پر جمع ہوگئی تھی اور خالد بن ولید دوسو سوار لے کر جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا...... مقدمتہ الجیش کے طور پر آگے بڑھے اور کراع الغمیم تک پہنچ گئے جو رابغ اور جحفہ کے درمیان ہے۔ تا کہ مسلمانوں کی پیش قدمی کو روکیں۔ آپ نے عسفان سے روانہ ہو کر راستے سے کترا کر داہنی طرف سفر اختیار کیا۔ خالد بن ولید کو علم ہوا۔ تو وہ فوراً گھوڑا دوڑا کر قریش کے پاس گئے تا کہ اہل مکہ کو مسلمانوں کے قریب پہنچ جانے کی اطلاع دیں۔

آپ بڑھتے ہوئے ثنیتہ المراء تک پہنچ گئے۔ آپ کی اونٹنی اس جگہ بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا کہ اونٹنی نے دھوکہ دیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اونٹنی نے دھوکہ نہیں دیا۔ حرمات اللہ کے خلاف تمہاری خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ آپ نے اونٹنی کو جھڑکا۔ وہ اٹھ کر چل پڑی۔ آپ حدیبیہ[1] کے پرلی طرف کنویں پر اترے کنویں میں پانی کی قلت تھی۔ آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر حضرت براء بن عازبؓ کو دیا کہ یہ تیر کنویں میں ڈال دو۔ تیر ڈالتے ہی اعجاز نبوی سے پانی کی بہتات ہوگئی۔[2]

قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کا حلیف اور راز دار تھا۔ کفار کی سازشوں اور منصوبوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا کرتا تھا۔ اس قبیلہ کا رئیس اعظم بدیل بن ورقاء چند آدمیوں کے ساتھ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ قریش نے آپ کی مزاحمت کے لیے ایک عظیم لشکر جمع کر رکھا ہے۔ وہ آپ کو کعبہ میں جانے نہیں دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ قریش سے کہہ دو کہ ہم عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔ جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے۔ جنگ نے قریش کی حالت زار کر دی ہے۔ ان کے لیے یہی بہتر ہے کہ ایک مدت کے لیے ہمارے ساتھ معاہدہ کر لیں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ اس پر بھی وہ راضی نہیں۔ تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے۔ بدیل یہ پیغام لے کر قریش کے پاس گئے اور کہا ''میں محمد کے پاس سے آیا ہوں۔ اجازت ہو تو کچھ کہوں''۔ چند منچلوں نے کہا کہ ''ہم کو محمدؐ کے پیغام کے سننے کی ضرورت نہیں۔ ہم ان کو بیت اللہ کی زیارت کے لیے نہیں آنے دیں گے''۔ لیکن کچھ فہمیدہ لوگوں نے اجازت دی۔ تو بدیل نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا۔ اس پر عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا کہ مناسب بات تمہارے سامنے پیش کی گئی ہے۔ اسے قبول کر لو اور میں خود ان کے پاس سمجھوتہ کے لیے جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ آپ کے پاس آیا اور گفتگو کرنے لگا۔ رسول کریمؐ نے بدیل والی بات فرمائی۔ اس پر عروہ کہنے لگا۔ ''محمدؐ فرض کرو کہ تم نے قریش کو تباہ و برباد کر دیا۔ تو کیا اس کی اور بھی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو۔ اس کے سوا اگر لڑائی کا رخ بدل گیا۔ تو تمہارے ساتھی تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس پر غصہ آیا اور کہا کہ کیا ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے پوچھا یہ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا ابوبکرؓ عروہ کہنے لگا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر مجھ پر تیرا احسان نہ ہوتا جس کا بدلہ میں نے ابھی تک نہیں اتارا۔ تو تجھے جواب دیتا۔

---

1. مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے جس کو حدیبیہ کہتے ہیں۔ گاؤں بھی اسی کنوئیں کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔
2. ایک خاص وقت کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی صفت قدرت میں اپنے خاص بندے کو شریک کر لیتا ہے۔ اس کو وہی طاقت دے دیتا ہے اللہ کا بندہ اللہ کے اذن سے وہ کام کر دکھاتا ہے جو اپنے اندر ایک اعجازی رنگ رکھتا ہے یہ شرکت مخصوص وقت کے لیے ہوتی ہے اس میں خدا کی مرضی شامل ہوتی ہے۔ کنواں میں پانی کا بہتات ہو جانا صفت قدرت کا اظہار ہے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت پورا ہوا۔

عروہ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگا اور بار بار آپ کی ریش مبارک پر ہاتھ ڈالتا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ ہتھیار لگائے ہوئے پشت پر کھڑے تھے۔ اس جرأت کو پسند نہ کر سکے۔ مغیرہ نے تلوار کا دستہ ہاتھ پر مارا اور کہا کہ "اپنا ہاتھ ہٹا لے۔ ورنہ یہ ہاتھ واپس نہ جا سکے گا"۔ عروہ نے آنکھ اٹھا کر پوچھا کہ یہ کون ہے۔ جواب ملا۔ مغیرہ بن شعبہ۔ عروہ نے کہا۔ "او بے وفا! کیا میں تیری دیت[1] میں کوشش نہ کرتا تھا"۔

اتفاق سے نماز کا وقت آ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ صحابہ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ وضو کرتے تو وضو کا پانی زمین پر گرنے نہ پاتا تھا۔ عقیدت کیش اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مل لیتے تھے۔ عروہ پر اس حیرت انگیز عقیدت نے عجیب اثر کیا۔ بات تو کوئی طے نہ ہوئی۔ وہ قریش کے پاس گیا اور کہا کہ "میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ وہاں بھی وہ عشق عقیدت اور وارفتگی کی کیفیت نہیں ہوتی۔ جو محمدؐ کی مجلس میں ہے"۔

چونکہ معاملہ ناتمام رہ گیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خراشؓ بن امیہ کو قریش کے پاس بھیجا۔ لیکن قریش نے ان کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا اور خراشؓ کو بھی مار ڈالنا چاہا۔ لیکن حلیس اور اس کے لوگوں نے حضرت خراشؓ کو بچا کر واپس روانہ کر دیا۔

اب قریش نے ایک دستہ بھیجا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو۔ لیکن صحابہ کرامؓ نے دیکھ لیا اور سب کو گرفتار کر لیا گیا اور بعد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سب کو آزاد کر دیا گیا۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (الفتح ۴۸:۲۴)

اور وہی خدا ہے جس نے مکہ میں ان لوگوں کا ہاتھ تم سے اور تمہارا ہاتھ ان سے روک لیا۔ بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا۔

حضرت خراشؓ کی ناکامی کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی گفتگو کے لیے حضرت عمرؓ کا انتخاب کیا لیکن انھوں نے معذرت کر دی کہ قریش میرے سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ بنو عدی بن کعب کا کوئی آدمی نہیں جو مجھ کو اپنی حمایت میں لے۔ لہٰذا میرا جانا خطرہ سے خالی نہیں۔ مجھ سے بہتر عثمان بن عفانؓ ہیں کیونکہ ان کے قبیلہ بنو امیہ کے بہت سے صاحب اثر اور طاقت ور آدمی موجود ہیں۔

رسول کریم نے حضرت عمرؓ کی اس رائے کو پسند کیا اور حضرت عثمان بن عفانؓ کو سفیر کے طور پر ابوسفیان کے پاس بھیجا۔ وہ اپنے ایک عزیز ابان بن سعید کی حمایت میں مکہ گئے۔ تمام روساء سے ملاقات کی۔ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سن کر کہا کہ ہم تم کو اجازت دیتے ہیں بیت اللہ کا طواف کر لو۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ "میں بغیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تنہا طواف نہیں کر سکتا یہ سن کر روساء برہم ہوئے اور ان کو نظر بند کر لیا۔

بیعت رضوان

حضرت عثمان بن عفانؓ کے واپس آنے میں تاخیر ہوئی تو یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ اس خبر کے سنتے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک عثمان کا بدلہ نہ لے لیں گے۔ یہاں سے نہ ٹلیں گے۔ آپ ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور تمام صحابہؓ سے جان نثاری کی بیعت لی۔ تاریخ میں یہ بیعت بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہوئی۔ سورۃ فتح میں اس کا ذکر ہے۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا (الفتح ۴۸:۱۸)

خدا مومنوں سے راضی ہو گیا۔ جب کہ وہ تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے سو خدا نے جان لیا جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں تھا۔ تو خدا نے ان پر تسلی نازل کی اور جلد فتح دی۔

---

[1] حضرت مغیرہ نے ثقیف کے تیرہ آدمی قتل کرائے تھے۔ جن کا خونبہا عروہ نے اپنے پاس سے دیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد حضرت عثمانؓ مکہ سے تشریف لے آئے۔ انھوں نے بھی رسول کریمؐ سے اسی قسم کی بیعت کی۔

کفار مکہ کے مآل اندیش اور فہمیدہ لوگ تو پہلے سے ہی لڑائی کو ناپسند کرتے تھے لیکن اب مفسد لوگ بھی مسلمانوں کی جنگ پر آمادگی اور تیاری دیکھ کر کچھ کچھ صلح و آشتی کی طرف مائل ہو گئے۔

چنانچہ سب نے سہیل بن عمرو کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ وہ نہایت ہی فصیح و بلیغ مقرر تھا۔ قریش نے ان سے صاف صاف یہ کہہ دیا تھا۔ صلح صرف اس شرط پر ہو کہ محمدؐ اس سال واپس چلے جائیں۔

سہیل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اس نے شرائط صلح پیش کیں۔ آپ نے ان شرائط کو قبول فرما لیا۔ حضرت علیؓ کو بلا کر حکم دیا کہ معاہدہ تحریر کریں۔ حضرت علیؓ نے عنوان پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا۔ تو سہیل نے کہا کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے۔ ہم عرب کے قدیم دستور کے موافق باسمک اللھم لکھیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا ایسے ہی لکھ دو جب حضرت علیؓ نے یہ فقرہ لکھا۔ ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ یعنی یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہؐ نے تسلیم کیا ہے۔ سہیل نے اعتراض کیا اور کہا کہ اگر ہم آپ کو رسول تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ آپ صرف ''محمد بن عبداللہ'' لکھوائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''گو تم تکذیب کرتے ہو لیکن خدا کی قسم میں خدا کا پیغمبر ہوں''۔ یہ کہہ کر آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ سہیل کی خواہش کے مطابق اس لفظ کو کاٹ دو اور خالی میرا نام لکھ دو۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکے گا کہ میں لفظ ''رسول اللہ'' کو اپنے قلم سے کاٹوں۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا مجھ کو بتاؤ۔ میرا نام کہاں ہے۔ حضرت علیؓ نے بتایا۔ آپ نے ''رسول اللہ'' کا لفظ مٹا دیا۔

شرائط

اس عہد نامہ کے شرائط یہ تھے۔

۱۔ مسلمان اس سال بغیر حج کیے واپس چلے جائیں۔

۲۔ اگلے سال آئیں۔ مگر تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں۔

۳۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلوار ساتھ لائیں۔ وہ بھی نیام میں اور نیام بھی حلبان میں۔

۴۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں۔ ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے۔ تو اس کو نہ روکیں۔

۵۔ مسلمان میں سے کوئی شخص مدینے جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں آ جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا۔ جس فریق کے ساتھ چاہیں۔ معاہدہ میں شریک ہو جائیں۔

ابو جندل کا واقعہ

یہ شرائط مسلمانوں کو سخت ناگوار گزریں۔ مگر ادب کی وجہ سے خاموش تھے۔ اتفاق سے ابھی معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ خود سہیل کے صاحبزادے ابو جندلؓ مکہ میں اسلام لا چکے تھے۔ وہ اس جرم کی پاداش میں پابند سلاسل کر دیے گئے تھے۔ وہ قید سے کسی طرح بھاگ کر بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہو گئے اور اپنی حالت زار دکھائی۔ آپ نے ہزار چاہا کہ ابو جندلؓ کو معاہدہ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ مگر سہیل نے ایک نہ مانی۔ آخر کار آپ کو مجبوراً ماننا پڑا کہ ابو جندل واپس چلا جائے۔ ابو جندلؓ نے اپنے جسم سے مار کے زخم دکھائے اور کہا۔ برادران اسلام! کیا پھر مجھ کو کفار کے ہاتھ میں دیکھنا چاہتے ہو۔ تمام مسلمان تڑپ اٹھے۔ آخر حضرت عمرؓ نہ رہ سکے۔ بارگاہ نبویؐ میں آئے۔ اور کہا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ برحق نبی نہیں ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا ''ہاں ہوں'' حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا ہم حق پر نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ''ہاں ہم حق پر ہیں''۔ حضرت عمرؓ نے پھر کہا۔ کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں! آپ نے فرمایا: ضرور وہ مشرک ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ ''میں خدا کا رسول ہوں اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ وہ مجھے ہرگز ذلیل نہیں کرے گا''۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ ''کیا آپ نے یہ نہیں

فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کریں گے''۔ آپ نے فرمایا۔ ''لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے''۔ حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور یہی گفتگو ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ ''وہ خدا کے نبی ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں۔ خدا کے حکم سے کرتے ہیں''۔ اس کے بعد جب حضرت عمرؓ کے غصہ کی حدت فرو ہوئی۔ تو وہ اپنی گستاخی پر بہت نادم ہوئے۔ تمام زندگی توبہ و استغفار کرتے رہے اور غلام آزاد کیے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

یا ابا جندل اصبرو احتسب فان اللّٰہ جاعل لک ولمن معک من المستضعفین فرجا و مخرجا انا قدعقدنا بیننا و بین القوم صلحا و انا لا نغدرھم. (ابن ھشام)

اے ابو جندلؓ! صبر اور ضبط سے کام لو خدا تمھارے لیے اور کمزوروں کے لیے راہ نکالے گا۔ اب صلح ہو چکی ہے۔ ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے۔

ابو جندلؓ کو اسی حالت میں واپس جانا پڑا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ یہیں قربانی کر دیں۔ لیکن صحابہؓ اتنے دل برداشتہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا۔ یہاں تک کہ تین دفعہ کہنے پر بھی ایک شخص قربانی کرنے کے لیے نہ اٹھا۔ آپ گھر تشریف لائے۔ حضرت ام سلمہ سے کہا۔ انھوں کہا۔ آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ اٹھ کر خود قربانی کر دیں اور احرام اتارنے کے لیے بال منڈوا دیں۔ آپ اٹھے خود قربانی کی اور بال منڈوائے۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا۔ تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا۔

فتح مبین

عہد نامہ کے بعد قبیلہ خزاعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف ہو گیا اور قبیلہ بنو بکر قریش کا حلیف بن گیا۔ خزاعہ اور بنو بکر کی مدت سے آپس میں مخالفت تھی۔ یہ دونوں ایک ایک فریق کے معاہد بن گئے تھے۔ اس وجہ سے دونوں میں بھی صلح ہو گئی۔

صلح کے بعد تین دن تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قیام کیا۔ پھر وہاں سے روانہ ہوئے۔ تو راستہ میں سورہ فتح نازل ہوئی۔ جس کی شروع کی آیات عنوان میں درج ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلایا اور فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ انھوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہی صلح فتح مبین ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں حضرت عمرؓ مطمئن ہو گئے۔ بعد کے نتائج نے یہ واضح کر دیا کہ وہ صلح فی الواقعہ فتح مبین تھی۔ جنگ و پیکار کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔ مسلمان کفار آپس میں ملنے جلنے لگے۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ آنے جانے لگے۔ ملاقاتوں سے اسلام کی حقانیت سے آگاہ ہونے لگے۔ اس صلح سے لے کر فتح مکہ تک اتنے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے کہ اس سے قبل نہیں ہوئے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت خالد بن ولید بھی اسی زمانہ میں مسلمان ہوئے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایفاء عہد

چند روز کے بعد ایک شخص عتبہ بن اسید (ابو بصیر) بھاگ کر مدینہ آئے۔ قریش نے دو قاصد بھیجے کہ معاہدہ کی شرائط کے مطابق عتبہ کو واپس کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ سے فرمایا کہ واپس جاؤ۔ عتبہؓ نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو کافروں کے پاس بھیجتے ہیں کہ وہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں۔

آپ نے فرمایا۔ ہم تو تم کو واپس کرنے پر مجبور ہیں۔ ہاں اللہ کوئی راہ نکال دے گا۔ عتبہ قاصدوں کے ہمراہ مکہ روانہ ہو گئے۔ جب مقام ذوالحلیفہ پہنچے تو عتبہ نے ایک قاصد کو قتل کر دیا۔ دوسرا بھاگ کر سیدھا مدینہ آیا اور آپ سے شکایت کی۔ ساتھ ابو بصیر بھی پہنچ گئے اور عرض کی۔ آپ نے عہد کے موافق مجھ کو واپس کر دیا۔ آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی یہ کہہ کر مدینہ سے چلے گئے اور مقام عیص میں جو سمندر کے کنارے پر ہے۔ سکونت اختیار کر لی۔ اب مکہ کے ظلم رسیدہ مسلمان بھاگ بھاگ کر عیص پہنچنا شروع ہو گئے۔ اس طرح ایک نو آبادی بن گئی۔

اب ان لوگوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ قریش کے تجارتی قافلوں پر حملہ آور ہوتے اور مال غنیمت حاصل کر کے گزران کرتے۔

قریش نے مجبور ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لکھا کہ ہم معاہدہ کی اس شرط کو چھوڑتے ہیں۔ جس میں یہ لکھا ہے کہ مکہ کا جو آدمی مسلمان ہو کر مدینہ جانا چاہتا ہے۔ اس کو واپس مکہ بھیجا جائے گا۔ اب جو مسلمان چاہے۔ مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے۔ آپؐ نے آوارہ وطن کو لکھا کہ مدینہ چلے آؤ۔ چنانچہ مسلمان مدینہ چلے آئے۔

غزوہ وادی القریٰ

ربیع الآخر ۶ھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھیل اونٹنیاں اپنے غلام رباح اور اپنے چرواہے کے ہمراہ چرنے کے لیے بھیجی تھیں اور سلمہ بن اکوعؓ بھی ان کے ساتھ تھا۔ بنو غطفان کے سواروں نے زیر قیادت عیینہ فزاری چراگاہ پر چھاپہ مارا اور اونٹ ہانک کر لے گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ سو سواروں کے ساتھ (جن میں سلمہ بن اکوع شامل تھا) ڈاکوؤں کا تعاقب کیا اور سارے اونٹ چھڑا لیے۔

اس غزوے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا آج ہمارے سب سے بہتر شہسوار ابو قتادہ اور سب سے بہتر پیادہ سلمہ ہیں اور آپؐ نے مجھے دو حصے دیئے ایک پیادہ کا حصہ اور دوسرا شہسوار کا حصہ اور مدینہ واپس ہوئے سلمہ بن اکوع کو یہ شرف بخشا کہ اپنی عضباء نامی اونٹنی پر اپنے پیچھے سوار فرما لیا۔

اس غزوہ کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا انتظام ابن ام مکتوم کو سونپا اور غزوے کا پرچم مقداد بن عمرو کو عطا فرمایا تھا۔[1]

---

[1] تفصیل دیکھئے۔ صحیح بخاری باب غزوہ ذی قرد ۲/۶۰۳، صحیح مسلم باب غزوہ ذی قرد وغیرہ ۲/۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵۔ زاد المعاد ۲/۱۲۰

۷ھ

غزوات وسرایا اور دیگر اہم واقعات

غزوہ خیبر

مورخین کا غزوہ خیبر کے تاریخ وقوع کے متعلق اختلاف ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ خیبر ۶ ھ میں فتح ہوا اور جمہور کا خیال ہے۔ ۷ھ میں فتح ہوا۔ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ مجھے زہری سے انھیں عروہ سے انھیں مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ سے روایت پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال تشریف لے گئے۔ ابھی مکہ و مدینہ کے درمیان تھے کہ سورہ فتح نازل ہوئی اس میں اللہ نے آپ کو خیبر عطا فرمایا اور مغانم کثیرہ کا وعدہ فرمایا۔ اس طرح یہ خیبر (کی فتح وغنائم) جلد عطا کر دی گئی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحجہ کے مہینہ میں مدینہ واپس تشریف لائے اور تھوڑی مدت ہی ٹھہر کر محرم کے مہینے میں خیبر تشریف لے گئے۔[1]

خیبر مدینہ منورہ سے دو سو میل کے فاصلہ پر واقع[2] ہے۔ جہاں یہود نے نہایت مضبوط قلعے بنائے ہوئے تھے۔ جن میں سے بعض کے آثار اب تک باقی ہیں۔

خیبر یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ بنو نضیر مدینہ سے جلا وطنی کے بعد یہاں آ کر آباد ہوئے تھے۔ ان کے دل اسلام کی عداوت میں جل رہے تھے۔ تو انھوں نے تمام قبائل عرب اور قریش مکہ کو مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے برانگیختہ کیا۔ جس کے نتیجے میں احزاب کا معرکہ ہوا۔

حی بن اخطب کے قتل کے بعد ابو رافع سلام بن ابی الحقیق اس کا جانشین ہوا۔ قبیلہ غطفان کی آبادی خیبر سے متصل تھی اور وہ یہود خیبر کے حلیف اور ہم عہد[3] تھے۔ سلام نے قبیلہ غطفان اور آس پاس کے قبائل کو اسلام کے خلاف اکسایا اور ایک لشکر جرار اکٹھا کر کے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ جب رسول کریم کو علم ہوا۔ تو آپ کے ایماء سے رمضان ۶ ھ میں حضرت عبداللہ بن عتیک کے ہاتھ سے اپنے قلعہ میں ہی سوتا ہوا قتل کر دیا گیا۔ سلام کے بعد اُسیر بن رزام نے عنان ریاست اپنے ہاتھ میں لی اور غطفان اور دیگر قبائل میں دورہ کر کے ایک عظیم الشان فوج تیار کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبریں پہنچیں۔ تو آپ نے عبداللہ بن رواحہؓ کو چند صحابہ کے ساتھ تحقیق کے لیے روانہ کیا۔ انھوں نے چھپ کر اسیر کی زبانی تمام تدابیر سنیں اور واپس آ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوش گزار کیں۔ آپ نے دوبارہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو تیس آدمیوں کے ساتھ خیبر روانہ کیا۔ وہ اسیر سے ملے اور کہا کہ ہم کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ اگر تم مدینہ آ جاؤ تو خیبر کی حکومت تم کو دے دی جائے گی۔ چنانچہ وہ بھی تیس آدمیوں کو لے کر خیبر سے نکلا۔ ایک ایک اونٹ پر ایک یہودی اور ایک مسلمان ہم رکاب تھے۔ قرقرہ پہنچ کر اسیر نے عبداللہ بن انیس پر حملہ کرنا چاہا۔ تو عبداللہ نے بڑھ کر اسیر کا خاتمہ کر دیا۔ اب مسلمان یہود پر ٹوٹ پڑے اور ایک کے سوا سب کا خاتمہ کر دیا۔ یہ اخیر ۶ ھ کا واقعہ ہے۔

سلام بن ابی الحقیق کے قتل کے بعد اس کا بھتیجا کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق نے زمام امارت ہاتھ میں لی اور قبیلہ غطفان کے پاس گیا اور کہا کہ ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ کرو تو ہم نخلستان کی نصف پیداوار تم کو دیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ غطفان نے اس کو منظور کر

---

1. زاد المعاد مترجم مصنفہ ابن قیمؒ ۲۳۰ 2. مار گیولوس صفحہ ۳۵۶۔
3. ابن خلدون جلد ۲ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۴ باب غزوہ خیبر۔

لیا۔[1] عام روایتوں میں ہے کہ غطفان نے مسلمانوں کے خوف سے اس کو منظور نہ کیا۔ لیکن امر واقع یہ ہے کہ غطفان نے مسلمانوں کے خلاف یہود کی پوری پوری اعانت کی۔ چنانچہ غطفان کا ایک طاقت ور قبیلہ بنوفزارہ خود خیبر میں آیا اور مدد کا وعدہ کیا۔ جب رسول کریم کو اس بات کا علم ہوا۔ تو خط لکھا کہ خیبر والوں کی مدد سے باز آؤ۔ خیبر کی فتح کے بعد تم کو بھی حصہ دیا جائے گا۔ لیکن بنوفزارہ نے انکار کر دیا۔ اس کے علاوہ غطفان نے مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

اس قبیلہ کے چند آدمیوں نے عبدالرحمان بن عتبہ کی سرداری میں ذی قرہ کی چراگاہ پر چھاپا مارا۔ حضرت ابوذرؓ کے صاحبزادے کو قتل کر کے ۲۰ اونٹنیاں اور ان کی بیوی کو پکڑ کر لے گئے لیکن مسلمانوں کی بروقت مدد سے اونٹنیوں اور حضرت ابوذرؓ کی بہو کو چھڑا لیا گیا۔ اس واقعہ کے تین دن بعد خیبر کی جنگ ہوئی۔

خیبر پر حملہ کی تیاری

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غطفان اور یہود کے حملوں کی مدافعت کے لیے محرم ۷ھ میں اس لشکر کو روانگی کا حکم دیا۔ جو صلح حدیبیہ میں شامل تھے اور ان کے سوا دوسرے لوگوں کی شمولیت سے انکار تو نہ فرمایا مگر انھیں غنیمت سے مستثنیٰ فرما دیا۔[2]

لشکر کی تعداد سولہ سو تھی۔ جن میں دو سو سوار اور باقی پیدل تھے۔ ازواج مطہرات میں سے ام سلمہؓ ساتھ تھیں۔ حضرت سباع بن عرطفہ غفاری کو مدینہ کا افسر مقرر کیا تھا۔

آپؐ نے تین علم تیار کرائے۔ ایک ایک حضرت حبابؓ بن منذر اور حضرت سعد بن عبادہؓ کو عنایت فرمائے۔ ایک خاص علم جس کا پھریرا حضرت عائشہؓ کی رداء سے تیار ہوا تھا۔ وہ حضرت علیؓ کو دیا۔ حضرت عامرؓ بن الاکوع یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگے چلے۔

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّكَ مَا اتَّقَيْنَا والقين سكينة علينا

انا اذا صيح بنا اتينا وثبت الاقدام ان لاقينا

وبالصياح عَوَّلُوْا عَلَيْنَا

اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ صدقہ کرتے نہ نماز پڑھتے ہم تجھ پر قربان! تو ہمیں بخش دے جب تک ہم تقویٰ اختیار کریں اور اگر ہم ٹکرائیں تو ہمیں ثابت قدم رکھو اور ہم پر سکینت نازل فرما۔ جب ہمیں للکارا جاتا ہے تو ہم اکڑ جاتے ہیں اور للکار میں ہم پر لوگوں نے اعتماد کیا ہے۔

اس لڑائی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر چند عورتیں لشکر کے ساتھ ہو لی تھیں آپؐ کو علم ہوا تو ان کو بلایا اور غضب کے لہجہ میں فرمایا۔ ''تم کس کے ساتھ آئیں اور کس کی اجازت سے آئیں''؟ بولیں یا رسول اللہ! ہم اس لیے آئی ہیں کہ چرخہ کات کر کچھ پیدا کریں گی اور اس کام میں مدد دیں گی۔

ہمارے پاس زخمیوں کے لیے مرہم پٹی ہے۔ اس کے علاوہ ہم مجاہدین کو تیر اٹھا اٹھا کر دیں گی۔ فتح کے بعد آپؐ نے ان پردہ نشینوں کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا۔

آپؐ نے خیبر اور بنی غطفان کے درمیان مقام رجیع میں فوجیں اتاریں۔ بنوغطفان کو یہ خوف لاحق ہوا کہ مسلمان ہماری بستیوں پر حملہ آور ہوں گے۔ اس وجہ سے وہ اپنے گھروں میں ہی مدافعت کے لیے موجود رہے اور خیبر کے یہودیوں کی اعانت کے لیے نہ نکلے۔

خیبر میں دس قلعے تھے۔ جن میں بیس ہزار جنگی سپاہی رہتے تھے۔ (۱) ناعم (۲) نطاۃ (۳) صعب ابن معاذ (۴) قلعہ الزبیر (۵) حصن شق (۶) حصن البر (۷) حصن ابی (۸) قموص (۹) وطیح (۱۰) سلام۔

---

[1] تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۴۳ [2] حیات محمد ۵۱۰ اردو اڈیشن۔

ان سب میں قموص نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا۔ مرحب عرب کا مشہور پہلوان اسی قلعہ کا رئیس اعظم تھا۔ ابن ابی الحقیق کا خاندان بھی یہیں رہتا تھا۔

لشکر اسلام نے مقام صہبا میں پہنچ کر عصر کی نماز ادا کی۔ پھر وہاں ہی ستو پانی میں گھول کر نوش کیے۔ رات ہوتے ہوتے لشکر اسلام خیبر کے سواد میں پہنچ گیا۔ آپ نے صحابہ کو ارشاد فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ وہاں یہ دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرْضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنَ وَمَا اَضْلَلْنَ فَاِنَّا نَسْئَالُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ اَهْلِهَا وَخَيْرَ مَافِيْهَا وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَشَرِّ اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا۔

اے اللہ! آسمان اور جن پر وہ سایہ فگن ہیں اور ساتوں زمین اور جن کو وہ اٹھائے ہوئے ہیں ان کے پروردگار شیاطین اور جن کو انھوں نے گمراہ کیا ان کے پروردگار! ہم تجھ سے اس بستی کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں اور اس بستی کے شر سے اور اس کے باشندگان کے شر سے اور اس میں جو کچھ ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

محاصرہ

لشکر اسلام نے خیبر کے قلعوں کو چاروں طرف سے محاصرہ میں لے لیا اور یہود نے سلام بن مشکم کی رائے سے مال و اسباب مستورات اور بچوں کو قلعہ وطیح وسلام میں بھیج دیا رسد اور غلہ قلعہ ناعم میں جمع کر دیا۔

فوجیں غنیم کے حملے سے عہدہ برآ ہونے کے لیے قلعہ نطاۃ اور قموص میں جمع ہو گئیں۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہود جنگ کے لیے آمادہ ہو گئے ہیں۔ تو آپؐ نے صحابہ کو جہاد کی ترغیب دی۔[1]

قلعہ ناعم کی فتح

سب سے پہلے لشکر اسلام قلعہ ناعم کی طرف بڑھا۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے خوب شجاعت کے جوہر دکھائے۔

گرمی کی شدت تھی۔ تھک کر آرام کرنے کے لیے دیوار کے سائے کے نیچے بیٹھے تو کنانہ بن الربیع نے فصیل سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرا دیا۔ جس کی چوٹ سے وفات پائی۔ قلعہ بہت جلد مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

قلعہ قموص کی فتح

یہ قلعہ مرحب اور ابن ابی الحقیق کا مسکن تھا۔ اس قلعہ کے فتح کرنے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو بھیجا۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کو بھیجا۔ وہ بھی قلعہ سر نہ کر سکے۔ جب قلعہ فتح کرنے میں زیادہ دیر ہوئی۔ تو ایک دن شام کو رسول کریمؐ نے فرمایا کہ ''کل میں اس شخص کو علم دوں گا۔ جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کا رسول بھی اس کو چاہتے ہیں''۔[2]

تمام صحابہؓ نے رات اسی امید اور انتظار ہی میں کاٹی کہ دیکھئے کل قیادت کا علم کس کے ہاتھ میں آتا ہے۔

صبح ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی کہ علیؓ کہاں ہیں؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان کو بلایا جائے۔ حضرت علیؓ حاضر ہوئے۔ آپؐ نے لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگایا اور دعا فرمائی۔ تو آنکھیں ٹھیک ہو گئیں تو آپؐ نے ان کو عَلَم عنایت فرمایا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ''کیا یہود کو بزور شمشیر مسلمان بنا لیں؟''

آپؐ نے جواب دیا۔ ''محبت اور نرمی سے ان پر اسلام پیش کرو۔ اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''[2]

---

[1] تاریخ خمیس [2] یہ واقعہ صحیح بخاری میں منقول ہے۔

مرحب پوری طرح اسلحہ باندھ کر یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا۔

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ.

خیبر مجھے جانتا ہے کہ میں ہتھیار بند بہادر اور مرد میدان ہوں۔

مرحب کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہ رجز پڑھا۔

انا الذی سمتنی امی حیدر کلیث غابات کریه المنظر.

میں وہ ہوں کہ جس کی ماں نے حیدر نام رکھا۔ جنگلوں کے شیروں کی طرح خوفناک ہوں۔

مرحب آگے بڑھا۔ لیکن حضرت علیؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ وہ ایک ہی ضرب سے واصل جہنم ہوا۔

اس مہم میں حضرت علیؓ کے بارے میں محیر العقول اور مبالغہ آمیز داستانیں پھیلائی گئی ہیں ان کے متعلق علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ میں تصریح کی ہے کلها واهية. یعنی سب لغو روائتیں ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ مرحب کا نعرۂ مبازرت سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس کا کون مقابلہ کرے گا"۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے عرض کیا۔ یا "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل اس کے ہاتھ سے میرا بھائی (محمود) شہید ہوا تھا"۔ اجازت نبوی سے دونوں میں مقابلہ ہوا۔ تو حضرت محمد بن مسلمہ نے دشمن خدا کو تلوار کے ایک ہی وار سے کیفر کردار تک پہنچا دیا۔

صحیح مسلم اور حاکم جلد ۲ صفحہ ۳۹ میں حضرت علیؓ کو ہی مرحب کا قاتل اور خیبر کا فاتح لکھا ہے اور یہی صحیح ہے۔

یاسر اور زبیر کا مقابلہ

مرحب کے مرنے کے بعد یاسر یہودی "ھل من مبارز" کا نعرہ لگاتے ہوئے نکلا۔ اس کے مقابلہ میں حضرت زبیرؓ نکلے۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ نے اسے قتل کر دیا۔

یہ قلعہ ۲۰ دن کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا۔ اسی قلعہ میں سے صفیہ بنت حی اخطب اور دوسرے بہت سے قیدی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ صفیہ کی شادی کنانہ بن الربیع سے ہوئی تھی۔ گرفتاری کے بعد وہ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کے حصہ میں آئیں۔ ان سے آپ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ پھر وہ آپ کی زوجیت میں آ گئیں۔

قلعہ قموص کے بعد صعب بن معاذ کا قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد خیبر کا چوتھا قلعہ بھی فتح ہو گیا۔

آخر میں وطیح اور سلام دو قلعے باقی رہ گئے۔ ان دونوں کا مسلمانوں نے دس دن تک محاصرہ کیا۔ محاصرہ کی شدت کو دیکھ کر یہود نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہنے دیجئے۔ ہم پیداوار کا نصف ادا کریں گے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

تقسیم زمین

خیبر کی مفتوحہ اراضی برابر دو حصوں میں تقسیم کی گئی۔ نصف بیت المال، مہمانی، سفارت وغیرہ کے اخراجات کے لیے خاص کی گئی۔ باقی نصف مجاہدین پر مساوی حصوں میں تقسیم کی گئی۔ سواروں کو گھوڑوں کے مصارف کے لیے پیدل غازی سے دوگنا ملا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عام مجاہدین کے برابر ایک حصہ ملا۔

یہود کے بقیہ مراکز

(الف) فدک

فدک کے یہودی خیبر کی خبروں سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ اس وجہ سے انھوں نے خود ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ ہم کو صرف ہماری جانوں کی امان دی جائے۔ مال و اسباب سے کوئی واسطہ نہیں۔ آپ نے درخواست منظور فرما لی کیونکہ فدک بغیر جد و جہد لڑائی

کے فتح ہوا تھا۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق آپ نے اسے خالصہ کے طور پر اپنے لیے مختص کر لیا۔

(ب) وادی القریٰ

یہ بستیاں خیبر اور مدینہ کی گزرگاہ پر واقع تھیں۔ جب لشکر اسلام ان بستیوں کی طرف آیا۔ تو یہود نے تیر برسانے شروع کر دیے۔ چنانچہ محاصرہ کیا گیا۔ آخر کار انھوں نے بھی نصف بٹائی پر اطاعت قبول کر لی۔ صرف ایک مسلمان شہید ہوا۔

(ج) وادی تیماء

اسی راہ گزر پر وادی تیماء ہے۔ یہاں کے یہودیوں نے بغیر مقابلہ کے وادی القریٰ والوں کی طرح اطاعت قبول کر لی۔

(د) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے یہود بنو عریض اور بنو غازیہ کے ساتھ اطاعت اور ادائے جزیہ پر معاہدہ کر لیا۔

عرب میں مسلمانوں کے دشمن صرف دو تھے۔ مشرکین اور یہود۔ ایک اور دشمن گروہ نے مسلمانوں کے اندر سے جنم لیا۔ وہ منافق تھے۔ یہ تینوں گروہ اسلام کی مخالفت میں کنفسٍ واحدۃٍ تھے۔ صلح حدیبیہ سے مشرکین مکہ کی مخالفت کے بادل چھٹ گئے۔ خیبر اور دوسرے یہود کے مراکز فتح ہونے سے یہود کی طاقت ٹوٹ گئی۔

اس وجہ سے ان کا جابرانہ اور خود غرضانہ اقتدار ختم ہو گیا اور ان کی طرف سے فتنوں سازشوں اور آئے دن کی چھیڑ چھاڑ کا دروازہ بند ہو گیا۔ ساتھ ہی منافقوں کی مخالفت ھباءً منثورًا ہو گئی۔

سریہ ابو بکر صدیقؓ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ پہنچے۔ تو آپ نے ان تمام قبائل کی طرف جو مسلمانوں کی بیخ کنی میں لگے ہوئے تھے۔ ایک ایک دستہ ادب آموزی اور امن و امان قائم کرنے کے لیے روانہ کیا۔ چنانچہ نجد کے قبیلہ بنو فزارہ کی طرف حضرت ابو بکر صدیق......کو بھیجا۔ ان کے ہمراہ سلمہ بن اکوع بھی تھے۔ مال غنیمت میں سے ان کے حصہ ایک حسین لونڈی آئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لے لی۔ اس کے عوض میں ان مسلمان قیدیوں کو چھڑایا۔ جو مکہ میں تھے۔

سریہ تربہ (شعبان ۷ھ)

تُرَبَہ مکہ سے دو منزل پر ہے قوم ہوازن کی طرف حضرت عمرؓ کو تیس سواروں کے دستہ کے ساتھ بھیجا۔ جب انھیں اطلاع ہوئی کہ وہ بھاگ گئے ہیں۔ تو مسلمان واپس مدینہ آ گئے۔

سریہ خیبر (شوال ۷ھ)

حضرت عبداللہ بن رواحہ کو تیس سواروں کے ساتھ اسیر یا بشیر بن رزام یہودی کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی کہ غطفان نے آپ سے جنگ کرنے کے لیے گروہ بندی کی ہے اور اسے وہ خیبر کے علاقہ میں لے آئے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے بشیر کو تیس آدمیوں کے ساتھ گرفتار کیا اور مدینہ روانہ ہو گئے۔ راستہ میں بشیر نے حضرت عبداللہ بن انیس کی تلوار کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا وہ اس کی نیت بھانپ گئے اور موقع پا کر حملہ کر کے اس کی ٹانگ کاٹ دی۔ مسلمانوں نے یہودیوں پر حملہ کر کے سوائے ایک کے سب کو قتل کر دیا۔ اس حادثہ میں کوئی مسلمان شہید نہ ہوا۔

سریہ اطراف فدک (شعبان ۷ھ)

بشیر بن سعد انصاری کو تیس آدمیوں کے دستہ کے ساتھ فدک میں بنو مرہ کی طرف بھیجا۔ ان کا چرواہوں کے ساتھ آمنا سامنا ہوا۔ دونوں طرف سے تیر اندازی ہوئی۔ آخر کار بشیر اور ان کے اصحاب کے پاس تیر ختم ہو گئے۔

پھر حضرت بشیرؓ نے ان سے سخت لڑائی لڑی اور ان کی بکریاں اور چوپائے لے کر واپس لوٹے۔

سریہ میفعہ (رمضان ۷ھ)

حضرت عبداللہ بن رواحہ کو ایک جماعت کے ساتھ جہینہ کی طرف بھیجا۔ جب قریب پہنچے۔ تو حضرت عبداللہ نے جماعت کو ہدایات دیں۔ پھر متحد ہو کر حملہ کیا اور دشمن کو گھیر لیا۔ حضرت اسامہ بن زید ایک رومی کے پیچھے نکلے۔ جس کا نام نہیک بن مرداس تھا اور قریب پہنچ کر نہیک پر تلوار اٹھائی تو اس نے لا الہ الا اللہ کہا مگر حضرت اسامہ نے قتل کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان ہوا۔ تو آپ بہت ناراض ہوئے فوراً اسامہؓ سے جواب طلبی کی۔ انھوں نے عرض کیا کہ اس نے فریب دینے اور اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ توحید پڑھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ هَلاَّ شَقَقْتَ قَلْبَهٗ۔ (سنن ابی داوٗد ۱:۳۶۲) کیا آپ نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔ حضرت اسامہؓ نے توبہ کی۔ تمام زندگی اس غلطی پر نادم ہوئے۔

سریہ کدید (قدید) صفر یا ربیع الاول ۷ھ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب بن عبداللہ کلبی کو کدید میں قبیلہ بنی ملوح کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ ان سے جنگ کرو۔ یہ دستہ شام کے قریب وادی کدید میں اترا۔ جب شب کا ایک حصہ گزر گیا۔ تو مسلمانوں نے اچانک ان پر حملہ کیا اور مال غنیمت لے کر واپس لوٹے۔

سریہ غابہ

رسول کریم صلی اللہ نے ابو حدرد اسلمی کو صرف تین آدمیوں کے ساتھ قبیلہ جشم بن معاویہ کے سردار رفاعہ بن قیس کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ غروب آفتاب کے وقت بستی کے قریب پہنچے اور ایک سمت میں چھپ گئے رات کا کافی حصہ گزر گیا۔ اہل بستی میں سے ایک کا چرواہا نہ آیا۔ یہاں تک کہ انھیں خطرہ لاحق ہوا کہ اس کو ضرور کوئی گزند پہنچا ہے۔ اس پر ان کا سردار رفاعہ بن قیس تلوار لے کر اٹھا اور کہنے لگا۔ بخدا میں اس چرواہے کے نشانات پر جاؤں گا۔ اور خبر لاؤں گا''۔ ساتھیوں نے کہا۔ اکیلے مت جایئے۔ رئیس نے جواب دیا۔ ''نہیں۔ صرف میں ہی جاؤں گا'' پھر وہ نکلا۔ یہاں تک کہ وہ حضرت ابی حدرد اسلمی کے پاس سے گزرا۔ جب وہ حضرت ابی حدرد کی زد میں آ گیا۔ تو انھوں نے تاک کر تیر مارا وہ اس کے دل میں پیوست ہو گیا۔ وہیں ڈھیر ہو کر زمین پر گر پڑا۔ حضرت ابی حدرد نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ دوسرے ساتھیوں نے بھی نعرہ لگایا اور دشمن دہشت زدہ ہو کر بھاگ گیا۔ اونٹ اور بکریوں کی ایک بڑی تعداد لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے حضرت ابو حدرد کو تیرہ اونٹ مرحمت فرمائے۔

سریہ ابو قتادہ ومحلم بن جثامہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ اور محلم بن جثامہ کو مقام اضم کی طرف روانہ کیا۔ راستہ میں قوم اشجع کا ایک شخص عامر بن اضبط جو اپنے مال ومتاع کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ ملا اس نے اسلامی طریق پر السلام علیکم کہا۔ مسلمانوں نے سمجھا کہ اس نے جان بچانے کے لیے سلام کہا ہے۔ مسلمانوں نے سلام کا جواب دینے میں تامل کیا اور محلم بن جثامہ نے عامر پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔ جب یہ مہم واپس آئی۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا۔ تو آپؐ نے محلم سے فرمایا کہ تو نے امنت باللّٰہ کہنے کے بعد اسے قتل کر دیا؟ چنانچہ آپؐ نے عامر کے ورثاء کو پچاس اونٹ خون بہا دے کر رضا مند کر لیا اور حضرت محلمؓ کو قصاص سے آزادی ملی۔

سریہ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کو ایک دستہ کا امیر بنا کر بھیجا آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ امیر کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔ انھوں نے امیر کو کسی بات میں ناراض کر دیا۔ امیر نے کہا۔ لکڑیاں جمع کرو۔ انھوں نے لکڑیاں جمع کیں۔ پھر کہنے لگے آگ جلاؤ۔ انھوں نے آگ جلائی۔ پھر کہنے لگے۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہ دیا تھا کہ میرا حکم سنو اور اطاعت کرو۔

انھوں نے جواب دیا۔ ہاں

اس پر امیر نے کہا۔ اس آگ میں کود پڑو۔

مجاہدین ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اور کہنے لگے کہ ہم آگ سے بھاگ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے تھے۔ اتنے میں امیر کا غصہ فرو ہو گیا اور آگ بھی بجھ گئی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو اس امر کا تذکرہ کیا۔

آپ نے فرمایا۔ اگر تم اس میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی نہ نکلتے۔ اطاعت امیر صرف معروف میں ہے۔

امیر کی اطاعت کے حدود و شرائط

اس واقع نے امیر کی اطاعت کی بنیادی حد اور شرط مقرر کر دی ہے کہ امیر کی اطاعت نیکی کے کاموں میں ہی لازم ہے کیونکہ خالق کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے زمام خلافت اپنے ہاتھ میں سب سے پہلا خطبہ جو دیا تھا اس میں یہی کہا تھا کہ اگر میں نیک کام کروں۔ تو تمہارا فرض ہے کہ میری مدد کرو اور اگر میں کوئی غلط راہ اختیار کروں۔ تو تمہارا فرض ہے کہ تم مجھ کو سیدھے راستہ پر قائم کرو۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں۔ تو میری اطاعت کرو۔ جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں۔ تو تم میرا ساتھ چھوڑ دو کیونکہ پھر تم پر میری اطاعت فرض نہیں۔

عمرہ قضا

معاہدہ حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ اگلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں آ کر عمرہ ادا کریں اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں۔ اس بناء پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال عمرہ ادا کرنا چاہا اور اعلان کرا دیا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ میں شریک تھے۔ وہ سب بیت اللہ کی زیارت کے لیے نکلیں۔ جو صحابہ خیبر میں شہید ہو گئے یا وفات پا گئے ان کے علاوہ تمام نے یہ سعادت حاصل کی۔

مدینہ میں حضرت ابو ذر غفاری کو عامل مقرر کیا۔

معاہدہ میں شرط تھی کہ مسلمان مکہ میں آئیں۔ تو ہتھیار ساتھ نہ لائیں۔ اس لیے اسلحہ جنگ بطن یا جج میں جو مکہ سے آٹھ میل ادھر ہے۔ چھوڑ دیا گیا اور اوس بن خولی انصاریؓ کی قیادت میں دو سو سواروں کا ایک دستہ اسلحہ کی حفاظت کے لیے متعین کر دیا گیا۔

مکہ سے قریش کی روپوشی

مکہ میں مسلمانوں کے داخلہ سے پہلے قریش کے مرد و زن نے ندامت سے منہ چھپانے کے لیے گرد و نواح کی پہاڑیوں پر خیمے نصب کر لیے۔

مکہ میں مسلمانوں کا داخلہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جان نثار رفقاء کی مشایعت میں مکہ کی شمالی جانب سے شہر میں داخل ہوئے۔ آپؐ کی ناقہ (قصواء) کے آگے آگے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔

خلوا بنی الکفار عن سبیله	خلوافکل الخیر فی رسوله
قدانزل الرحمن فی تنزیله	فی صحف تتلی علی رسوله
یارب انی مومن بقیله	انی رائتُ الحق فی قبوله
بان خیرالقتل فی سبیله	الیوم نضربکم علی تنزیله
ضربا یزیل الهام عن مقیله	ویذهل الخلیل عن خلیله

کفار کے بیٹو! ان کا راستہ چھوڑ دو کہ ساری بھلائی اس کے پیغمبر ہی میں ہے۔
رحمان نے اپنی تنزیل (قرآن) میں اتارا ہے یعنی ایسے صحیفوں میں جن کی تلاوت اس کے پیغمبر پر کی جاتی ہے اے پروردگار! میں ان کی بات پر ایمان رکھتا ہوں اور اسے قبول کرنے کو حق جانتا ہوں۔ کہ بہترین قتل وہ ہے جو اللہ کی راہ میں ہو۔ آج ہم اس تنزیل کے مطابق تمہیں ایسی مار ماریں گے کہ کھوپڑی اپنی جگہ سے چھٹک جائے گی اور دوست کو دوست سے بے خبر کر دے گی۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سنے۔ تو آپؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے فرمایا۔

"مھلا یابن رواحة و قل لا اله الا اللّٰه وحده نصر عبده و اعز جندهٗ و خذل الاحزاب وحدهٗ"۔

اے ابن رواحہ! ان اشعار کی بجائے کہو۔ ایک اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں۔ اس نے اپنے بندے کی نصرت فرمائی۔ اس کے (مقدس) لشکر کو عزت بخشی اور (کفار کے) لشکروں کو شرمسار کر کے ناکام کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی یہ کلمات دہرائے۔ تو دشت و جبل آواز سے گونج اٹھے اور پہاڑوں میں دبکے ہوئے کفار کے دل ذلت و شرمساری سے پانی پانی ہو گئے۔

عمرہ کے اعمال

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکن یمانی کو چھونے کے بعد حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر کعبہ کے سات طواف کیے۔ پہلے تین طوافوں کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اکڑ کر تیز رفتاری سے کریں۔[1] عربی زبان میں اس کو رمل کہتے ہیں۔ چنانچہ آج تک یہ سنت باقی ہے۔
بقیہ چار طواف معمولی رفتار کے ساتھ ادا کیے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ طواف کعبہ سے فارغ ہو کر کوہ صفا پر تشریف لائے۔ صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی فرمائی۔ مروہ کے قریب قربانی ذبح کر کے سر کے بال منڈوائے اور عمرہ سے فارغ ہوئے۔

سقف کعبہ پر اذان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے روز بیت اللہ میں تشریف لائے' حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان کہی۔ صحابہ کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی۔ مسلمانوں نے یہ تین دن ذکر الٰہی میں گزارے۔ وہ مکہ کی گلیوں میں چلتے پھرتے فرشتے معلوم ہوتے تھے۔

حضرت میمونہؓ سے عقد

حضرت میمونہ نے مسلمانوں کے اخلاق حمیدہ سے متاثر ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کا تہیہ کر لیا۔ یہ ام الفضل زوجہ حضرت عباسؓ کی ہمشیرہ اور خالد بن ولید کی خالہ تھیں۔ ام الفضل نے وکالت حضرت عباسؓ ہی کے سپرد کر دی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما کر چار درہم مہر کے عوض عقد فرما لیا۔

جب معاہدہ حدیبیہ کی شرط کے مطابق تین دن ختم ہو گئے۔ تو قریش کے وکیل سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔

"آپ کی میعاد ختم ہو چکی ہے۔ اب شہر خالی کر دیجیے"۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں نے ایک خاتون سے شادی کی ہے۔ آپ لوگوں کی شمولیت کی امید پر دعوت ولیمہ کرنا چاہتا ہوں۔ سہیل نے کہا۔ "ہمارے شہر سے نکل جائیں۔ ہمیں آپ کی دعوت ولیمہ منظور نہیں"۔

---

[1] عمرہ کی روانگی کے لیے مدینہ سے روانہ ہونے سے قبل مدینہ میں تپ کی وبا پھیل گئی تھی اور مسلمان کمزور ہو گئے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی ہمت دکھانے کے لیے پہلے تین طواف تیز رفتاری سے کرنے کا ارشاد فرمایا۔ (بخاری کتاب الحج۔ صحیح مسلم ۱/۴۱۲)

رسول اللہؐ کی مراجعت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم احترام معاہدہ کی غرض سے مکہ سے روانہ ہو گئے۔ اپنے غلام ابو رافعؓ سے فرمایا "ام المومنین میمونہ کو ہمراہ لائیں"۔ پہلی رات مقام سرف میں گزاری۔ ازواج مطہرات میں حضرت میمونہ آخری حرم ہیں۔ رسول کریمؐ کی وفات کے بعد ۵۰ سال تک زندہ رہیں۔ ان کی قبر بھی مقام سرف میں ہے۔

حضرت حمزہ کی بچی کی تولیت پر جھگڑا

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہونے لگے۔ تو حضرت حمزہؓ کی صغیر السن بچی امامہؓ آپ کے پاس چچا چچا کہتی دوڑی ہوئی آئیں۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اسے گود میں اٹھا لیا۔

حضرت علیؓ حضرت جعفرؓ اور حضرت زیدؓ نے بچی کی تولیت پر نزاع کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اسے اٹھایا ہے اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفرؓ نے فرمایا کہ یہ میرے چچا کی صاحبزادی ہے۔ مزید براں اس کی خالہ میری زوجہ ہے۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ یہ میرے مذہبی بھائی کی بیٹی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ (اسماء) کے حق میں فیصلہ کیا اور فرمایا۔ "خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے"۔

سریہ ابو العوجاء (ذی الحجہ ۷ھ)

۷ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جماعت جس میں پچاس آدمی تھے۔ بنو سُلَیم کی طرف تبلیغ کے لیے بھیجی۔ اس گروہ کے سردار ابن ابی العوجاء تھے۔ انھوں نے بنو سلیم کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن انھوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔ رئیس دستہ کے سوا تمام شہید ہو گئے۔

سریہ یمن و جَبار (شوال ۷ھ)

یہ بنو غطفان اور کہا جاتا ہے۔ بنو فزارہ اور بنو عذرہ کے علاقے کا نام ہے۔ حضرت بشیر بن کعب انصاری کی قیادت میں تین سو مسلمانوں پر مشتمل ایک دستہ روانہ کیا۔ دشمن کی ایک بڑی جمعیت مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔ مسلمان رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپے رہتے تھے جب دشمن کو بشیر کی آمد کی خبر ہوئی۔ تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ بشیر نے بہت سے جانوروں پر قبضہ کیا اور دو آدمی قید بھی کیے۔ جب دونوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔

زہر آلود گوشت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت

یہودیوں کے رئیس سلام بن مشکم کی زوجہ زینب بنت الحرث نے بکری کا بھنا ہوا زہر آلود گوشت آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے چکھتے ہی تھوک دیا اور فرمایا ان ھذا العظم لیجزنی انہ مسموم یعنی گوشت کے اس پارہ نے ہی مجھے اپنا زہر آلود ہونا بتا دیا ہے۔ مگر آپ کے ایک ساتھی بشر بن البراء نے لقمہ نگل لیا تھا اور وہ شہید ہو گئے۔ زینب کو بلایا گیا۔ اس نے زہر ملانے کا اقرار کر لیا اس جرم کی پاداش میں زینب کو قتل کرا دیا۔[1]

بی بی صفیہ سے شادی

خیبر کی ایک بی بی صفیہ بھی قیدیوں میں آئیں۔ حی بن اخطب کی دختر اور مدینہ کے ایک رئیس کنانہ بن ربیع کی بیوہ تھیں۔ بی بی صفیہ کے اسیر ہو کر آنے پر مسلمانوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ بی بی صفیہ بنو قریظہ و نضیر دونوں قبیلوں میں ممتاز ہونے

[1] طبقات ۲/ ۱۱۵، ۱۱۶/ سبل الھدی والرشاد ۵: ۲۱۰)

کی وجہ سے صرف آپ کے حرم میں شامل ہونے کے شایان ہیں یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کر کے اپنے حرم میں شامل کر لیا۔ دعوت ولیمہ کے لیے آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنا اپنا کھانا لے آئیں اور اکٹھے مل کر کھا لیں۔ چنانچہ اس دستر خوان پر کھجور اور ستو کے سوا کچھ نہ تھا۔

اسی سال ۷ھ حضرت عثمان بن ابی طلحہ کلید بردار کعبہ دائرہ اسلام میں داخل ہوا غزوہ خیبر کے سلسلہ میں متعدد نئے احکامات جاری ہوئے۔

چند فقہی مسائل

۱۔ پنجہ دار پرند حرام ہو گئے۔
۲۔ درندہ جانور حرام کر دیئے گئے۔
۳۔ گدھا اور خچر حرام کر دیا گیا۔
۴۔ متعہ کو مسلمانوں کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا۔
۵۔ چاندی سونے کا بہ تفاضل خریدنا حرام ہو گیا۔[1]

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر۔ سیرۃ ۳/ ۳۴۵، ۳۴۶

شاہان عرب وعجم کو دعوتِ اسلام

آخر ۶ھ تا ۹ھ

(۱) یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ. (مائدہ)
اے رسول جو تجھ پر تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ پہنچا دے۔
(۲) مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاس.
ہم نے تجھے (دنیا کے) تمام لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔
(۳)وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ.
ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لیے موجب رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (النحل)
(۴) اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ. قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ. (آل عمران ۳:۶۴)
کہو اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ۔ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو سوائے اللہ کے رب بنائے۔

اسلام دوسرے مذاہب کی طرح قومی مذہب نہ تھا بلکہ عالمگیر مذہب تھا۔ جونہی یہود کی طاقت ٹوٹنے اور حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا۔ تو وقت آ گیا کہ اتمام حجت کے لیے اسلام کا پیغام تمام دنیا تک پہنچا دیا جائے۔ سب سے پہلے یہ کام سرانجام دیا۔ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو اکٹھا کیا اور خطبہ دیا۔ ''اے لوگو! خدا نے مجھے تمام دنیا کے لیے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو حواریین عیسیٰ کی طرح اختلاف نہ کرنا۔ جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو'' [1]

اس کے بعد آپ نے قیصر روم' کسریٰ' عزیز مصر' نجاشی اور روسائے عرب کے نام خطوط ارسال فرمائے۔
مکتوب الیہم اور حاملین مکتوبات کی تفصیل یہ ہے۔

مکتوب الیہ	حامل مکتوب
(۱) قیصر روم	حضرت دحیہؓ کلبی
(۲) خسرو پرویز	حضرت عبداللہ بن حذافہؓ سہمی
(۳) عزیز مصر	حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ
(۴) نجاشی بادشاہ حبش	حضرت عمروؓ بن امیہ
(۵) رئیس یمامہ ہوذہ بن علی	حضرت سلیطؓ بن عمرو بن عبد شمس
(۶) منذر بن ساوی شاہ بحرین	حضرت علاءؓ بن الحضرمی
(۷) شاہ عمان	حضرت عمروؓ بن العاص
(۸) حارث بن ابو شمر شاہ دمشق	حضرت ـــــ شجاعؓ بن وہب الاسدی

[1] الطبری ۳:۸۵

(۹) حرث بن عبد کلال حمیری شاہ یمن　　　　حضرت مہاجرؓ بن ابی امیہ مخزومی

سفیران رسالت مآبؐ کی مدینہ سے روانگی کے متعلق دو روایات ہیں۔ بعض مورخ کہتے ہیں کہ بیک وقت مدینہ سے روانہ ہوئے۔ بعض مورخین کے نزدیک مختلف اوقات میں روانہ ہوئے۔

قیصر روم کے نام خط

ہرقل نے ایرانیوں کو شکست دے کر اپنے تمام مفتوحہ علاقوں پر دوبارہ قبضہ کرلیا اس کا شکر ادا کرنے کے لیے بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ دحیہ کلبی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک بصریٰ میں حارث غسانی کو لا کر دیا۔ اس نے قیصر کے پاس بیت المقدس بھیج دیا۔ قیصر کو جب خط ملا۔ تو اس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص بلاؤ۔ اتفاق کی بات ہے۔ ابوسفیان تجارت کے سلسلہ میں غزہ میں مقیم تھا۔ اس کو قیصر کے پاس لے جایا گیا۔ قیصر کی ابوسفیان کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات دریافت کرنے کے لیے حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

قیصر۔ محمدؐ کا خاندان اور نسب کیسا ہے؟

ابوسفیان۔ شریف ہے۔

یہ جواب سن کر ہرقل نے کہا۔ ''سچ ہے کہ پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندان سے پیدا ہوتے ہیں تا کہ اس کی اطاعت میں کسی کو عار نہ ہو''۔

قیصر۔ اس خاندان میں کسی اور نے بھی دعویٰ نبوت کیا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں۔

یہ جواب سن کر ہرقل نے کہا۔ ''اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ اپنے سے پہلے کی تقلید کی ہے۔

قیصر۔ اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے۔

ابوسفیان۔ نہیں۔

ہرقل نے یہ سن کر جواب دیا۔ ''اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو سلطنت کی ہوس ہے''۔

قیصر۔ محمدؐ پر ایمان لانے والے مسکین لوگ ہیں یا سردار؟

ابوسفیان' مسکین' کمزور لوگ۔

ہرقل نے اس جواب پر کہا۔ ''ہر ایک نبی کے پہلے ایمان لانے والے مسکین غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔

قیصر۔ ایمان لانے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ یا کہ گھٹ رہی ہے۔

ابوسفیان۔ بڑھ رہی ہے۔

ہرقل نے سن کر جواب دیا۔ ''سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ وہ بڑھتا جاتا ہے''۔

قیصر۔ کیا نبوت سے قبل یہ شخص جھوٹ بولا کرتا تھا۔

ابوسفیان۔ نہیں۔

قیصر نے کہا۔ ''تم مانتے ہو کہ اس نے نبوت سے قبل کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ وہ اب آخری عمر میں خدا پر کیوں کر جھوٹ باندھ سکتا ہے۔

قیصر۔ ''وہ کبھی عہد و اقرار کو توڑ بھی دیتا ہے''۔

ابوسفیان۔ نہیں۔ لیکن اب جو نیا عہد کیا ہے۔ اس میں دیکھیں کہ وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا کہ نہیں۔

قیصر نے جواب دیا۔ ''نبی کبھی فریب نہیں کرتے''۔

قیصر۔ تم نے اس سے کبھی جنگ و قتال کی ہے۔

ابوسفیان۔ ہاں۔

قیصر۔ جنگ کا کیا نتیجہ رہا۔
ابوسفیان۔ کبھی وہ غالب رہا۔ کبھی ہم۔
قیصر۔ اس کی تعلیم کیا ہے۔
ابوسفیان۔ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ کسی اور کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ نماز قائم کرو' پاکدامنی اختیار کرو' سچ بولو' صلہ رحمی کرو۔
یہ سن کر قیصر نے جواب دیا۔ ''نبی ہمیشہ نماز' تقویٰ' پرہیز گاری' پاک دامنی کی ہی تعلیم دیتا ہے۔
ہرقل قیصر روم نے کہا سچے نبی کی یہی علامتیں ہوتی ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ ایک رسول آنے والا ہے۔ لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ ابوسفیان۔ اگر تم نے سچ سچ جواب دیئے ہیں۔ تو وہ ایک روز میری قدم گاہ پر قابض ہوگا۔ کاش میں ان کی خدمت اقدس میں پہنچ سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔
اس کے بعد خط پڑھ کر سنایا گیا۔
اس نامہ مبارک کے الفاظ یہ تھے۔
بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم.

من محمد عبداللّٰہ و رسولہ الی ھرقل عظیم روم. سلام علی من اتبع الھدٰی اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللّٰہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الاریسین. ویااھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الانعبد الا اللّٰہ ولا نشرک بہ شیئًا ولایتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللّٰہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون.[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔
محمدؐ کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ یہ خط ہرقل کے نام ہے۔ جو روم کا رئیس اعظم ہے۔ اس پر سلامتی ہو' جو ہدایت کا پیرو ہو۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لا۔ تو سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دوہرا اجر دے گا۔ اگر تو ایمان نہ لایا تو اہل ملک کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا نہ بنائے۔ اگر تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔
ہرقل اس نامہ مبارک اور کچھ اس خواب کی بناء پر جو اس نے دیکھا تھا۔ بہت متاثر ہوا۔ اس نے بطارقہ اور بشپوں کو بلا کر سمجھانے کی کوشش کی کہ اس دین متین کو مان لینے میں ہماری بہبودی اور بہتری ہے۔ جب ان لوگوں کو سخت متنفر پایا۔ تو کہہ دیا کہ میں نے تمھیں آزمانے کے لیے ایسا کیا ہے اور کفر کی حالت میں ہی مرا۔

اتحاد مذاہب کی بنیاد

اس خط کے اندر اور ایسا ہی بعض دوسرے مکتوبات کے اندر آپ نے یہ آیت قرآنی تحریر کی۔
''وَيٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ.''
اس آیت کریمہ میں تمام مذاہب کو ایک مرکز پر جمع کرنے کا زریں اصول بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ سب مذاہب میں جو بات مشترک پائی جاتی ہے۔ اس کو بنیاد رکھ لیا جائے۔ پھر ایسے فروع قائم کیے جائیں۔ جو اس بنیاد کے خلاف نہ ہوں۔

---
[1] صحیح البخاری۔

اگر بنظر عمیق مذاہب کا مطالعہ کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ توحید کا تصور کسی نہ کسی صورت میں ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ توحید ہی وہ جڑ ہے۔ جس سے امن وامان اور اتحاد کی شاخیں متفرع ہوتی ہیں۔ ہمارے نبی امیؐ نے آج سے چودہ سو سال قبل دنیا کو اتحاد کا اصول بتا دیا ہے۔ جس پر تمام مذہبی دنیا آسانی سے جمع ہوسکتی ہے۔

کسریٰ کے نام جو نامہ مبارک حضرت عبداللہ بن حذافہؓ لے کر گئے تھے۔ یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط من محمد رسول اللہ الی کسری عظیم فارس سلامٌ علی من اتبع الھدی وامن باللہ ورسولہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ وان محمداً عبدہ ورَسولہ وادعوک بدعاء اللہ انی رسول اللہ الی الناس کافۃ لانذر. من کان حیا ویحق القول علی الکافرین فاسلم تسلم فان ابیت فان اثم المجوس علیک.[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد رحم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے) محمد پیغمبر کی طرف سے کسریٰ کے نام۔ سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو۔ جو خدا اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے اور یہی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور خدا نے مجھ کو تمام دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ ہر زندہ شخص کو خوف دلا دے۔ حق بات کافروں پر ثابت کروں تو اسلام قبول کر تو سلامت رہے گا۔ ورنہ مجوسیوں کا گناہ تیری گردن پر ہوگا۔

کسریٰ بڑی جاہ وجلال کا بادشاہ تھا۔ وہ تکبر اور نخوت کی وجہ سے یہ برداشت نہ کر سکا کہ اس کے نام کے اوپر بھی دنیا میں کسی دوسرے کا نام ہو اور بولا "کہ میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے"۔ پھر نامہ مبارک کو چاک چاک کر دیا اور ساتھ گورنر یمن کو جس کا نام باذان تھا۔ یہ حکم بھیجا کہ کسی شخص کو حجاز بھیجو کہ وہ مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے پاس لائے۔ گورنر نے دو شخصوں کو جن کا نام بابویہ اور خرخسرہ تھا۔ مدینہ بھیجا۔ وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کہ کسریٰ نے تم کو بلایا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کل میرے پاس آؤ۔ جب وہ دوسرے دن آئے تو آپ نے فرمایا۔ فلاں مہینے کی فلاں رات کو میرے خدا نے آپ کے خدا کو قتل کر دیا ہے اور اس کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا ہے۔ آپ نے کہا۔ واپس جاؤ۔ اور اپنے بادشاہ کو کہہ دو کہ میرا دین اور حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچ جائے گا۔

جب دونوں یمن آئے۔ تو خبر آئی کہ شیرویہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ باذان مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد جلد ہی کسریٰ کی ساری سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ شیرویہ جلد فوت ہوگیا۔ اس کی جگہ اس کا کم سن بچہ تخت پر بیٹھا۔ جس کا نام اردشیر تھا۔ اس کو ایرانی سپہ سالار شہریار نام قتل کر کے خود تخت پر بیٹھ گیا۔ چند روز کے بعد ارکان سلطنت نے اس کو قتل کر کے خسرو پرویز کی بیٹی بوران کو تخت پر بٹھایا۔ جو صرف ایک سال اور چند ماہ حکمران رہی۔ اس کی وفات کے بعد کئی نوخیز لڑکے اور عورتیں تخت پر بیٹھیں۔ آخر میں یزدگرد تخت پر جلوہ افروز ہوا وہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں قتل ہوا۔

۳۔ شاہ حبشہ کے نام خط

اصحمہ نجاشی شاہ حبشہ کو آپ نے بدست عمرو بن امیہ الضمری دعوت اسلام کا جو خط لکھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. من محمد رسول اللہ الی النجاشی الا صحمۃ ملک الحبشۃ سلم انت فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن واشھدان عیسی بن مریم روح اللہ و کلمتہٗ القاھا الی مریم البتول والطیبۃ الحصینۃ حملت بعیسی فخلقہ من روحہ و نفخہ کما خلق ادم بیدہ ونفخہ وانی ادعوک الی اللہ وحدہ لا شریک لہ وموالاۃ علی طاعتہ وان تتبعنی و تومن

[1] تاریخ الامم والملوک ۳:۹۰

بالذی جاء نی فانی رسول اللہ الیک وقد بعثت الیک ابن عمی جعفرا نفرا معہ من المسلمین فاذا جاءک فاقرھم ودع التجبر. فانی ادعوک و جنودک الی اللہ وقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصحی. والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط پیغمبر خدا کی طرف سے نجاشی اصحمہ بادشاہ حبش کے نام ہے۔ تجھے سلامتی ہو۔ میں پہلے خدا کی تعریف کرتا ہوں۔ جو ملک، قدوس، سلام، مومن، اور مہیمن ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی مخلوق ہے۔ اس کا حکم ہیں۔ جو مریم بتول پاکباز، پاک دامنہ کی طرف بھیجا گیا۔ اور انھیں عیسیٰ کا حمل ٹھہر گیا۔ خدا نے عیسیٰ کو روح اور نفخ سے اسی طرح پیدا کیا۔ جیسا کہ آدم کو اپنے ہاتھ اور نفخ سے پیدا کیا۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ جو اکیلا اور لاشریک ہے اور ہمیشہ اس کی فرماں برداری پر قائم رہ۔ اور میری پیروی کر۔ اور میری تعلیم کو صدق دل سے مان کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں نے آپ کے ملک میں اپنے چچیرے بھائی جعفر کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا تھا۔ انھیں آرام ٹھہرا لینا۔ تم تکبر کو چھوڑ دو کیونکہ میں تمھیں اور تمھارے لشکر کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا ہے اور نصیحت کر دی ہے تم میری نصیحت کو قبول کرو۔ سلام اس پر جو راہ ہدایت پر چلتا ہے۔ اس خط کے پہنچنے پر نجاشی نے حضرت جعفر کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی۔

ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ آدمیوں کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا۔ لیکن جہاز سمندر میں ڈوب گیا۔[2]

ارباب سِیَر لکھتے ہیں کہ نجاشی نے ۹ھ میں وفات پائی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جس نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔ وہ یہ نہ تھا ابن قیم نے زاد المعاد میں مسلم کی روایت کے اس حصہ کو راوی کا وہم بتایا ہے۔

مہاجرین حبشہ میں سے ام حبیبہؓ بھی تھیں۔ ان کا شوہر انتقال کر چکا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کو لکھا کہ ام حبیبہؓ کو شادی کا پیغام سنا دو اور واپس مدینہ بھیج دو۔ نجاشی نے خالد بن سعید بن العاص کو مقرر کیا۔ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایجاب وقبول ادا کیا اور نجاشی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے چار سو اشرفیاں مہر کے طور پر ادا کیں۔ ام حبیبہؓ جہاز میں سوار ہو کر مدینہ آئیں۔ رسول کریمؐ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ اکثر نجاشی کے حالات ام حبیبہ سے پوچھا کرتے تھے۔[3]

اس شادی کے متعلق مستشرقین کی دو رائیں ہیں۔

(۱) ام حبیبہؓ ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں۔ ابوسفیان سے قرابت کی وجہ سے اہل مکہ کو صلح حدیبیہ پر قائم رکھنے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عقد کیا۔

(۲) ابوسفیان بت پرست تھا۔ اس کو رنجیدہ کرنے کے لیے شادی کی یہ دونوں رائیں غلط ہیں۔

۴۔ والی مصر کے نام خط

مقوقس والی مصر، ہرقل قیصر روم ــــ کا باجگزار تھا۔ اس کے پاس حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نامہ مبارک لے کر گئے تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. من محمد عبداللہ و رسولہ الی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الھدی. امّا بعدفانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یوتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فعلیک

[1] تاریخ الامم والملوک ۳: ۸۹۔

[2] طبری جلد ۳ ص ۱۵۶۹۔

[3] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۵۷۰۔

الم القبط. یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللّٰہ ولا نشرک بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللّٰہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے مقوقس امیر قبط کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ امابعد میں تجھ کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ تو اسلام قبول کر۔ سلامت رہے گا۔ تجھ کو اللہ دوہرا اجر دے گا۔ اگر تو نے نہ مانا۔ تو تجھ پر قبطیوں کا گناہ بھی لازم آئے گا۔ اے اہل کتاب ایسی بات کی طرف آؤ۔ جو ہمارے اور تمھارے درمیان برابر ہے۔ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ ہم میں سے کوئی بھی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے۔ اگر وہ نہ مانیں۔ تم گواہ رہو کہ ہم اطاعت کرنے والے ہیں۔

اصلی خط فرانسیسی سیاح کو اصیم کے گرجا میں ۱۸۵۸ء میں ملا ہے۔ اب اصل خط قسطنطنیہ میں محفوظ ہے اور بڑے بڑے عیسائی محققین نے اسے اصلی قرار دیا ہے منجملہ ان کے ڈاکٹر بیجر ہے۔

اب اس کا عکس شائع ہو چکا ہے۔ اس عکسی خط کے بعینہٖ وہی الفاظ ہیں۔ جو حدیثوں میں منقول ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی مہر

خط کے آخر پر ایک مہر ثبت ہے۔ جس کا نقش محمد رسول اللہ ہے۔ اس مہر کے نقش اور اس کی دوسری تفصیلات کے متعلق تمام معتبر احادیث میں ذکر پایا جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں یہ حدیث مختلف روایتوں سے بیان کی گئی ہے۔ پہلے باب دعاء النبی الی الاسلام میں ہے۔

عن قتادۃ قال سمعت انسا رضی اللّٰہ عنہ یقول لما اراد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یکتب الی الروم قیل لہ انھم لا یقرؤن کتابا الا ان یکون مختوما فاتخذ خاتما من فضۃ فکانی ۔۔۔ انظر الی بیاضہ و نقش فیہ محمد رسول اللّٰہ.

اسی باب میں پھر حدیث خاتم کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما قال اتخذ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خاتم من ورق و کان فی یدہ ثم کان بعد فی ید ابی بکر ثم کان بعد فی ید عمر ثم کان بعد فی ید عثمان حتی وقع بعد فی بئر اریس نقشہ رسول اللّٰہ.

پھر یہی حدیث انس بن مالک کی روایت سے ان الفاظ سے بیان ہوئی ہے۔

لما اراد النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یکتب الی الروم قیل لہ انھم لن یقرؤا کتابک اذا لم یکن مختوما فاتخذ خاتما من فضۃ و نقشہ محمد رسول اللّٰہ ...... کانی انظر الی بیاضہ فی یدہ.

ایسا ہی دوسری کتب صحاح میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

یعنی جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادشاہوں کو خطوط لکھنے کا ارادہ کیا۔ تو صحابہؓ نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ لوگ خط کو نہیں پڑھتے۔ سوائے اس کے کہ اس پر مرسل کی مہر ثبت ہو۔ چنانچہ آپ نے ایک چاندی کی مہر بنوائی۔ جس پر محمد رسول اللہ نقش کر دیا۔ اس سے خطوط پر مہر لگائی۔ یہ مہر رسول کریمؐ کی زندگی میں آپ کے ہاتھ میں رہی۔ آپ کی وفات کے بعد وہ مہر حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں ان کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں۔ پھر حضرت عثمانؓ سے یہ مہر ایک کنویں میں گر پڑی۔ جس کا نام اریس تھا۔ پھر نہیں ملی۔

---

[1] الوثائق السیاسیہ صفحہ ۱۰۶

مقوقس کے اصلی خط کے دست یاب ہونے کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطوط پر مہر لگانے کے لیے ایک مہر بنوائی تھی۔

عزیز مصر نے آپؐ کے خط کے جواب میں عربی زبان میں یہ خط تحریر کیا۔

انی محمد بن عبداللّٰہ من المقوقس عظیم القبط سلام علیك امابعد فقد قرأت کتابك وفهمت ماذکرت فیه وماتدعوا الیه وقد علمت ان نبیًا بقی وکنت اظن ان یخرج من الشام و قداکرمت رسولك و بعثت الیك بجاریتین لهما مکان من القبط عظیم و کسوة واهدیت الیك بغلة لترکبها و السلام علیك۔

محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے سلام علیک کے بعد میں نے آپؐ کا خط پڑھا۔ اس کے متن کو سمجھا۔ مجھ کو معلوم تھا کہ ایک رسول آنے والا ہے لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظہور کریں گے۔ میں نے آپؐ کے سفیر کی تحریم وتکریم کی۔ اور دولڑکیاں بھیجتا ہوں۔ جن کو مصری لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور میں آپ کے لیے کپڑا اور سواری کا ایک خچر بھیجتا ہوں۔

مقوقس نے اپنے خط میں جن دولڑکیوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں۔ جو حرم نبویؐ میں داخل ہوئیں۔ دوسری سیرین تھیں۔ جو حضرت حسان بن ثابتؓ کی زوجیت میں آئیں۔ یہ دونوں خواتین مدینہ پہنچنے سے پیشتر بطیب خاطر دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھیں۔

حضرت حاطبؓ نے مقوقس کا ذکر کیا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے ملک کی طمع کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا۔ حالانکہ اس کا ملک باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۵۔ ہوذہ کے نام خط

ہوذہ بن علی رئیس یمامہ کی طرف یہ خط لکھا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللّٰہ الی هوذة بن علی سلام علٰی من اتبع الهدی واعلم ان دینی سیظهر الی منتهٰی الخف والحافر فاسلم تسلم اجعل لك ماتحت یدیك۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے پیغمبر محمدؐ کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ یہ جان لے کہ میرا دین عنقریب اس حد تک پہنچے گا۔ جہاں تک کہ اونٹ اور خچر جاتے ہیں۔ تو اسلام قبول کر۔ سلامت رہے گا۔ میں تیرا ملک تجھ کو دے دوں گا۔

جب حضرت سلیطؓ بن عمرو عامری یہ خط ہوذہ کے پاس لے گئے۔ تو ارکون دمشق جو امرائے نصاریٰ میں سے تھا۔ اس وقت حاضر تھا۔ ارکون نے کہا تم اس نبی پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ ہوذہ نے کہا میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں۔ اگر میں ایمان لے آؤں۔ تو بادشاہت جاتی رہے گی۔ ارکون نے کہا خدا کی قسم! اگر تو اس پر ایمان لے آئے۔ تو وہ ضرور تیرا ملک تجھ کو دے دے گا۔ تیری فلاح و بہبودی اس پر ایمان لانے میں ہے۔ یہ وہ نبی ہے جس کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔ لیکن ہوذہ ایمان نہ لایا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہوذہ نے اپنی بادشاہت کی شرط منوانے پر اسلام قبول کرنے کا وعدہ کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اس طمع پر لعنت کی۔ ایک سال کے بعد فوت ہوگیا۔

۶۔ حاکم بحرین کے نام خط

۸ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علاء بن الحضرمی کو منذر بن ساوی حاکم بحرین کے پاس نامہ مبارک دے کر بھیجا جو پڑھ کر ایمان لے آیا۔ مگر یہود اور مجوس ایمان نہ لائے۔ حضرت منذرؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط کے ذریعے اطلاع دی اور دریافت کیا کہ کیا کیا جائے۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت منذر کو یہ خط لکھا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللّٰہ الی المنذر بن ساویٰ سلام علیك فانی احمد اللّٰہ الیك

الذی لا اله الا هو واشهد ان لا اله الا الله وان محمداً عبدهٗ و رسوله. امابعد فانی اذکر الله عز و جل فانه من ینصح فانما ینصح لنفسه و انه من یطع رسلی ویتبع امرهم فقد اطاعنی و من نصح لهم فقد نصح لی. وان رسلی قد اثنوا علیک خیرا و انی قد شفعتک فی قومک فاترک للمسلمین. ما اسلموا علیه وعفوت من اهل الذنوب فاقبل منهم و انک مهما تصلح فلن نعزلک عن عملک و من اقام علی یهودیة او مجوسیة فعلیه الجزیة.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر محمدؐ کی طرف سے منذر بن ساوی کی طرف تجھ پر سلام۔ میں تیرے پاس خدا کی حمد کرتا ہوں۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد اللہ کے بندہ اور رسول ہیں امابعد میں تجھے اللہ تعالیٰ کے احکام یاد دلاتا ہوں۔ جو خیر خواہی کرتا ہے۔ وہ دراصل اپنے لیے خیر خواہی کرتا ہے۔ جو میرے قاصدوں کی اطاعت کرے اور ان کا حکم مانے۔ اس نے میری خیر خواہی کی۔ میرے قاصدوں نے آپ کی تعریف کی ہے۔ میں نے تمہاری سفارش تمہاری قوم کے بارہ میں قبول کی۔ بس مسلمانوں کے لیے وہ مال وغیرہ چھوڑ دو۔ جس پر وہ مسلمان ہوئے ہیں۔ گنہگاروں کے گناہ معاف کرو۔ ان سے (اسلام) قبول کرو۔ جب تک تم اچھے کام کرتے رہو گے۔ ہم تم کو معزول نہیں کریں گے جو شخص یہودیت اور مجوسیت پر قائم رہے۔ اس پر جزیہ ہے۔

یہ اصل خط ایک فرانسیسی سیاح نے اطراف بلاد مصر سے ایک قبطی راہب سے خرید کر سلطان عبدالمجید خاں مرحوم کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔ یہ خط شاہی خزانہ میں محفوظ ہے۔ اس کے آخر میں مہر ہے۔

۷۔ والیان عمان کے نام خط

۸ھ ذی قعدہ میں والیان عمان کے نام یہ خط لکھا گیا۔

بسم الله الرحمٰن الرحیم. من محمد بن عبدالله الی جیفرو عبدابنی الجلندی سلام علی من اتبع الهدی. اما بعد فانی ادعو کما بدعایة الاسلام اسلما تسلما فانی رسول الله الی الناس کافة لا نذر من کان حیا و یحق القول علی الکافرین و انکما ان اقررتما بالاسلام ولیتکما مکانکما و ان ابیتما ان تقرا بالاسلام فان ملککما زائل منکما خیلی تحد بساحتکما و تظهر نبوتی ملککما.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمدؐ بن عبداللہ کی طرف سے جیفر اور عبد پسران جلندی کے نام۔ سلام اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ امابعد میں تم دونوں کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ تم اسلام لاؤ۔ سلامت رہو گے کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں تا کہ ڈراؤں ان کو جو زندہ ہیں۔ اور کافروں پر حجت قائم ہو جائے۔ اگر تم اسلام قبول کر لو۔ تو میں تم کو تمہارا ملک دے دوں گا...... اگر تم نے انکار کیا۔ تو تمہارا ملک تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ میرے سوار تمہارے میدانوں میں اتریں گے۔ اور میری نبوت تمہارے ملک پر غالب آئے گی۔

یہ خط حضرت عمرو بن العاص لے کر گئے تھے۔ جیفر و عبد دونوں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

۸۔ رئیس غسان کے نام خط

حارث بن ابی سمر غسان کا حاکم اور شام کا گورنر تھا۔ حضرت شجاع بن وہب نامہ مبارک لے کر گئے۔ خط پڑھ کر بہت بگڑا اور کہا۔ میں خود مدینہ پر حملہ کروں گا بالآخر سفیر کو عزت کے ساتھ رخصت کیا لیکن اسلام قبول نہ کیا۔

۹۔ امیر یمن کے نام خط

رئیس یمن حارث حمیری کے پاس مہاجر بن امیہ مخزومی نامہ مبارک لے کر گئے۔ خط پڑھ کر بہت بگڑا اور بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔

چند والیان ملک کا مشرف باسلام ہونا

صلح حدیبیہ کے بعد بعض والیان ملک مبلغین اسلام سے اسلام کی حقانیت معلوم کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ثمامہ نجد کا حکمران تھا۔ ۶ھ میں مسلمان ہوا۔

۲۔ جبلہ سلطنت غستان کا حکمران تھا۔ ۷ھ میں دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔

۳۔ فردہ بن عمرو خزاعی۔ علاقہ شام پر قیصر کی طرف سے گورنر تھا۔ جب مسلمان ہوا۔ تو قیصر نے ایک اور حکم دیا کہ اسلام ترک کر دے۔ فردہ نے انکار کر دیا۔ اور قیصر نے اسے قید میں ڈال دیا۔ پھر قتل کرا دیا۔

۴۔ اکیدر۔ دومتہ الجندل کا رئیس تھا۔ ۹ھ میں مسلمان ہوا۔

۵۔ ذی الکلاع حمیری۔ یمن وطائف کے بعض اضلاع کا حکمران تھا۔ خدا کہلاتا تھا اور رعایا سے سجدہ کروایا کرتا تھا۔ جب نور اسلام نے اس کے تاریک دل کو روشن کیا۔ تو مسجود سے ساجد بن گیا اور ایک دن میں اٹھارہ ہزار غلام آزاد کر دیئے۔

واقعات متفرقہ ۶ھ

حضرت خالد بن ولید اور عمرو بن العاص کا اسلام لانا اسلام لانے سے پہلے خالد بن ولید کا نام کفار کی فوجی صف میں ممتاز نظر آتا ہے۔ غزوہ احد میں بھی خالد بن ولید نے ہی درّہ کو خالی پا کر منتشر مسلمانوں پر حملہ کیا۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ حدیبیہ کے موقع پر بھی قریش کا جیش ان کی زیر کمان تھا۔

وہ خالد بن ولید جو مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لیے اپنی تمام طاقتوں کو خرچ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ہر حملہ میں پیش پیش ہے۔ آخر کار اسلام کی حقانیت اور صداقت کی کاری ضرب سے نہ بچ سکا۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب کفار اور مسلمانوں کا عام میل جول ہونے لگا۔ تو خالد بن ولید کی سعید روح بھی نور اسلام سے منور ہو گئی۔

مکہ سے نکل کر مدینہ کا رخ کیا۔ راستہ میں حضرت عمرو بن عاص ملے تو دریافت کیا کدھر جا رہے ہو۔ بولے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی قبول کرنے جا رہا ہوں۔ حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ میں بھی اسی ارادہ سے جا رہا ہوں۔ آخر دونوں اصحاب خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اور اپنی تمام استعدادوں اور طاقتوں کو اسلام کی اشاعت میں صرف کر دیا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے سیف اللہ کا خطاب حاصل کیا۔

جنگ موتہ میں اپنی خداداد جنگی استعداد سے مسلمانوں کو خطرناک مراحل سے نکال کامیابی سے ہمکنار کیا۔

اسی طرح عہد خلافت میں حضرت خالد بن ولیدؓ دشمنوں کے لیے تیغ براں تھے اور بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ اسی طرح حضرت عمرو بن العاصؓ بعد میں فاتح مصر کہلائے۔

آج اسلامی تاریخ ان دونوں مایۂ ناز فرزندان اسلام پر فخر کرتی ہے۔

سریہ ذات عرق (ربیع الاول ۸ھ)

بنو ہوازن اپنے علاقہ میں بے چینی کا سبب بنا ہوا تھا مسلمانوں کے دشمنوں کو کئی بار مدد کر چکا تھا اب مدینہ سے ۵ منزل پر تخریب کاری کے لیے لشکر جمع کر رہا تھا۔ ان کو منتشر اور مرعوب کرنے کے لیے حضرت شجاع بن وہب اسدی کی قیادت میں ۲۵ آدمیوں کا دستہ روانہ کیا۔ دشمن کو جب دستہ کے پہنچنے کی خبر ہوئی۔ تو وہ بھاگ گئے۔ مال غنیمت کے طور پر چند اونٹ قبضے میں آئے۔

۸ھ
غزوات و سرایا

سریہ ذات اطلح ربیع الاوّل ۸ ہجری

ربیع الاول ۸ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت کعب بن عُمَیرؓ غفاری کو پندرہ آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے ذات اطلح کی طرف روانہ کیا۔ یہ مقام شام کی حدود میں وادی القری سے اس طرف ہے۔ ذات اطلح پہنچ کر انھوں نے لوگوں کو دعوت اسلام دی۔ انھوں نے تیغ و سنان کے ساتھ جواب دیا۔ داعیان اسلام نے مقابلہ کیا۔ سوائے ایک کے سب کے سب شہید ہو گئے۔ اس نے آکر رسول کریم کو خبر دی۔ آپ نے ان سے انتقام لینا چاہا۔ لیکن وہ لوگ یہ مقام چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے۔

غزوہ موتہ جمادی الاولی ۸ھ

موتہ ارض شام بلقاء کے قریب واقع ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہ بصری شرجیل بن عمرو غسانی کے نام ایک تبلیغی نامہ مبارک حضرت حارث بن عمیر کے ہاتھ بھیجا۔ بصری بیت المقدس کے قریب شام کا مشہور تجارتی شہر تھا۔ شرجیل رومی سلطنت کی طرف سے گورنر تھا۔ اس نے سفیر کو نہایت ہی بے رحمی سے بلاوجہ قتل کر دیا۔ جب مدینہ منورہ میں قتل کی خبر پہنچی۔ تو مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قصاص کے لیے یہ مہم بھیجی۔ اگر آپ اس مہم کی روانگی میں ذرا بھی تامل کرتے تو مدینہ پر حملہ ہونا یقینی تھا۔ رسول کریمؐ نے حکم دیا کہ مسلمان اپنے اپنے ہتھیار لے کر موضع حرق میں جمع ہو جائیں۔ چنانچہ تین ہزار مجاہدین موضع حرق میں جمع ہو گئے آپ نے اس لشکر کی قیادت زید بن حارث کو دی۔ آپ نے فرمایا۔ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں۔ تو حضرت جعفر بن ابی طالب کو امیر بنا لینا۔ اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ کو امیر بنا لینا اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان جس کو مناسب سمجھیں اپنا امیر بنا لیں۔

ثنیۃ الوداع تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فوج کے ساتھ گئے۔ اور اسلامی لشکر کو میدان جنگ کی طرف الوداع کرتے ہوئے اصول جنگ کے متعلق چند ہدایات فرمائیں کیونکہ تمام مہمات کی غرض و غایت تبلیغ اسلام تھی۔ ارشاد ہوا کہ پہلے ان کو دعوت اسلام دی جائے۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں۔ تو جنگ کی ضرورت نہیں۔ اگر وہ جنگ پر آمادہ ہو جائیں۔ تو حسب ذیل وصیت پر کاربند رہیں۔

۱۔ راہبوں سے کوئی تعرض نہ کرنا۔

۲۔ کسی عورت پر ہرگز ہاتھ نہ اٹھانا۔

۳۔ کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔

۴۔ کسی بوڑھے کو نہ مارنا۔

۵۔ پھل دار و سرسبز درختوں کو نہ کاٹنا۔

۶۔ کوئی مکان منہدم نہ کرنا۔

اس کے بعد فرمایا۔ اظہار تعزیت کے لیے اس مقام پر جانا۔ جہاں حارث بن عمیر کو شہید کیا گیا تھا۔

حضرت زید بن حارث اپنے لشکر کو لیے مقام معان تک بڑھتے چلے گئے۔ یہ مقام شمالی حجاز سے متصل شامی (اردنی) علاقے میں واقع ہے۔ وہاں پہنچ کر یہ خبر ملی کہ شرجیل بن عمرو نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک لاکھ فوج جمع کر رکھی ہے۔ مزید اس کے علم کے تحت لخم و جذام بلقین و بہرا اور بلی (قبائل عرب) ایک لاکھ افراد جمع ہو گئے اور وادی بلقاء میں مقام مآب پر ڈیرہ ڈالے ہوئے ہے۔

ایک اور روایت ہے کہ ہرقل کی بجائے اس کے بھائی تیودور نے یہ لشکر جمع کیا تھا۔

جب حضرت زید بن حارثہؓ کو ان حالات کا علم ہوا۔ تو چاہا کہ ان حالات سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی جائے اور حکم اور امداد کا انتظار کیا جائے لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو اپنی طرف مخاطب کر کے کہا۔

''تم لوگ شہادت کے لیے نکلے ہو۔ کفار سے ہم گنتی یعنی اعداد و شمار اور قوت کے ذریعہ نہیں لڑتے۔ بلکہ ہم اس دین کے ذریعے لڑتے ہیں۔ جس سے اللہ نے ہم کو مشرف کیا ہے۔ پس مقام موتہ اور لشکر ہرقل کی طرف پیش قدمی کرو اور اپنے لشکر کا میمنہ اور میسرہ درست کر کے کفار کا مقابلہ کرو۔ اس کا نتیجہ ان دو نیکیوں سے خالی نہ ہوگا۔ یا تو ہم کو فتح حاصل ہوگی۔ یا شہادت میسر آئے گی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ کی ایمان افروز بہادرانہ تقریر سن کر تمام مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے اور معان سے روانہ ہو پڑے۔ موضع مشارف کے قریب دشمن کا لشکر جرار نظر آیا۔ مسلمانوں نے وہاں مقابلہ مناسب نہ سمجھا۔ وہاں سے کترا کر موتہ کی طرف بڑھے تاکہ لڑائی کے لیے اچھا میدان ہاتھ آئے۔ بالآخر دونوں فوجوں کا یہاں مقابلہ ہوا۔ حضرت زید بن حارثہ ہاتھ میں علم لیے قلب لشکر میں تھے۔ میمنہ پر قطبہ بن قتادہؓ تھے۔ اور میسرہ پر عبادہؓ بن مالک انصاری تھے۔

زید بن حارثہ کی شہادت

حضرت زید بن حارثہ شہادت کے شوق میں کفار کے لشکر جرار کی صفوں کو چیرتے ہوئے۔ آگے نکل گئے۔ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور وہ ان کے تیروں کی آماجگاہ بن گئے۔ یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔

جعفر طیار کی شجاعت

ان کی شہادت کے بعد حضرت جعفر طیار نے عَلَم اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا۔ گھوڑے سے اتر کر پہلے اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹیں۔ پھر موت سے کھیلتے ہوئے دشمن کی صفوں کے دل میں گھس گئے۔ چاروں طرف سے تیغ و سنان پڑنے لگے۔ ان کا دایاں ہاتھ جس میں علم اسلام سنبھالا ہوا تھا۔ کٹ کر الگ ہو گیا۔ مگر انھوں نے علم کو بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ اور شوق شہادت کے نشہ میں مخمور ہو کر لڑتے رہے۔ یہاں تک کہ بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ تو گردن سے علم کو لگا کر سینے سے سنبھالے رکھا۔ اسی حالت میں اپنے محبوب حقیقی کو جا ملے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے ان کی لاش دیکھی۔ تلواروں اور برچھیوں کے نوے زخم تھے۔ لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے۔

عبداللہ بن رواحہ کی شہادت

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے آگے بڑھ کر اسلامی جھنڈا تھام لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی شہید ہو گئے۔

خالد بن ولید کی سپہ سالاری

جب تینوں سپہ سالار یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ تو اسلامی لشکر میں پریشانی کے آثار نمایاں ہوئے۔ بنو عجلان کے حضرت ثابت بن ارقمؓ نے جھٹ آگے بڑھ کر علم اٹھا لیا۔ اور بلند آواز سے کہا۔ ''مسلمانو! کسی ایک کو امیر بنا لو''۔ مجاہدین اسلام کی طرف سے متفقہ آواز بلند ہوئی۔ ''رضینابک'' (ہم لوگ تمہاری قیادت پر راضی ہیں) ثابت بن ارقم نے جواب دیا۔ ''ما انا بفاعل فاتفقوا علی خالد بن الولید'' (میں قیادت کا کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ تم خالد بن ولید کو امیر بنا لو) اسلامی لشکر نے فوراً بلند آواز سے کہا۔ ''ہم کو خالد بن ولید کی امارت منظور

ہے''۔ یہ سنتے ہی حضرت خالد بن ولید نے آگے بڑھ کر حضرت ثابت بن ارقمؓ کے ہاتھ سے جھنڈا لے لیا۔ شکست خوردہ لیکن صاحب ہمت مسلمانوں کو از سر نو لڑائی پر آمادہ کیا۔ پھر اس خوبی سے دشمنوں کے لشکر پر پے در پے حملے کیے کہ لشکر کفار کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ جب شام ہونے کو آئی۔ تو رومی لشکر میدان سے بھاگ نکلا۔ مسلمانوں نے تھوڑی دور تک تعاقب کیا اور کچھ مال غنیمت بھی ہاتھ آیا۔

اس جنگ میں کل بارہ صحابی شہید ہوئے۔ کفار کے مقتولوں کی صحیح تعداد معلوم نہ ہو سکی۔

سیف اللہ خالد

حضرت خالد بن ولید کو خدا اور اس کے رسولؐ نے سیف اللہ کا خطاب دیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ میں ہی حالات جنگ کی اطلاع دے دی۔ آپ نے اسی وقت تمام مسلمانوں کو جمع کیا اور منبر پر چڑھ کر فرمایا کہ ''تمھارے لشکر کی خبر یہ ہے کہ انھوں نے دشمن کا مقابلہ کیا۔ زید بن ثابت شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا۔ اس کے بعد جعفرؓ نے اسلامی علم کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ وہ شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی بخش دیا پھر عبداللہ بن رواحہؓ نے اسلامی عَلَم ہاتھ میں تھاما۔ وہ بھی دشمنوں سے لڑ کر شہید ہو گئے۔ یہ سب کے سب جنت میں اٹھا لیے گئے اور تخت زریں پر متمکن ہیں۔ ان تینوں کے بعد اسلامی جھنڈے کو سیف من سیوف اللہ یعنی خالد بن ولید نے لیا اور لڑائی کی بگڑی ہوئی حالت کو سنبھالا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دشمن پر غلبہ دیا اسی روز سے حضرت خالد بن ولید سیف اللہ کے نام سے پکارے جانے لگے۔ جب اسلامی لشکر مدینہ کے قریب پہنچا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے نکل کر دور تک استقبال کرنے کے لیے چلے گئے۔ اور حضرت خالد بن ولید کو سیف اللہ کے خطاب کی بشارت سنائی ایک صحابی نے رویاء میں دیکھا کہ حضرت جعفرؓ جنت کی فضا میں دو بازوؤں سے اڑتے پھرتے ہیں۔ اسی روز سے ان کا نام جعفر طیار مشہور ہوا۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت جعفر کو دو بازو مرحمت فرمائے ہیں۔ جن سے وہ جنت کی بلندیوں میں اڑتے پھرتے ہیں۔ اسی روز سے ذوالجناحین اور طیار کے لقب سے موسوم ہوئے۔

غزوہ ذات السلاسل جمادی آخرہ ۸ھ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ سرحد شام کے قریب قبیلہ قضاعہ نے مدینہ پر حملہ کے لیے لشکر جمع کیا ہے۔ آپ نے حضرت عمرو بن العاص کو بلایا انھیں ایک سفید علم دیا اور تین سو مہاجر اور انصار کے دستہ کا امیر بنا کر اس طرف بھیجا۔ اس دستہ میں تیس گھوڑے بھی تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ بلیٰ عذرہ اور بلقین کے لوگوں کا تعاون بھی حاصل کر لیا جائے۔ چنانچہ یہ لوگ دن کو چھپ جاتے اور رات کو سفر کرتے جب دشمن کے قریب پہنچے۔ تو معلوم ہوا کہ دشمن کی جمعیت بہت زیادہ ہے۔ ایک قاصد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے مدد کے لیے ابو عبیدہؓ بن جراح کو دو سو آدمیوں کے ہمراہ بھیجا۔ جن میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو جھنڈا دیا اور حکم دیا کہ عمروؓ سے ملیں۔ اتحاد قائم رکھیں۔ اور اختلاف نہ کریں۔

جب یہ دستہ پہنچا تو ابو عبیدہ بن جراح نے امامت کرنا چاہی۔ حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ آپ کو میری مدد کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اس لیے امیر میں ہوں۔ چنانچہ حضرت عمروؓ نماز پڑھاتے رہے اور آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ قضاعہ کے علاقہ کو پامال کرتے ہوئے آخری حصہ میں پہنچ گئے۔ اور دشمن کے ایک لشکر پر حملہ آور ہوئے دشمن تاب و مقاومت نہ لا سکا اور بھاگ گیا۔ اسلامی لشکر فوز مرام واپس لوٹا۔ جذام کی سرزمین میں واقع ایک سلسل نامی چشمے پر اترے تھے۔ اس لیے اس مہم کا نام ذات السلاسل پڑ گیا۔[1]

عمرو بن العاص کا اجتہاد

اس لڑائی میں امیر لشکر حضرت عمروؓ بن العاص کو بدخوابی ہوئی۔ سخت سردی کی وجہ سے انھیں جان کا خطرہ لاحق ہوا۔ اس وجہ سے انھوں نے غسل نہ کیا اور تیمم کر لیا اور لشکر کو نماز پڑھا دی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا۔ تو آپ نے حضرت عمرو

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے ابن ہشام ۲/۶۲۳ تا ۶۲۶' زاد المعاد ۲/۱۵۷

بن العاص سے پوچھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب دیا کہ سخت سردی تھی۔ پانی سے مجھے جان کا خطرہ تھا۔ اس وجہ سے غسل نہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تقتلوا انفسکم ان اللّٰہ بکم رحیماً. یعنی اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرنے والا ہے۔

اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے اور کچھ نہ کہا۔

سریہ خبط ۸ھ

مدینہ سے پانچ منزل کے فاصلہ پر ساحل سمندر کے قریب جہینہ نے مدینہ پر حملہ آوری کے سامان جمع کیے۔ اس کی اطلاع آنحضرتؐ کو ملی۔ تو آپ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو تین سو مہاجر اور انصار کے ساتھ اس طرف روانہ کیا۔ یہ مہم بغیر مقاتلہ کے واپس آئی۔

سریہ سیف البحر (رجب ۸ھ)

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی قیادت میں تین سو آدمیوں کا دستہ روانہ کیا۔ دستہ سمندر کے کنارے چند روز ٹھہر کر واپس آ گیا اس سریہ کا مقصد صرف یہ تھا کہ قریش کے تجارتی قافلہ کی حفاظت کی جائے۔

سریہ خضرہ (شعبان ۸ھ)

بنو غطفان کئی بار تخریب کاری اور دہشت گردی کے مرتکب ہوئے تھے ابوقتادہ کی سرکردگی میں پندرہ آدمیوں کا دستہ بھیجا۔ دشمن کو جب دستہ کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو بھاگ گیا چند مویشی ہاتھ آئے۔

فتح مکہ ۸ھ
تاریخ اسلام کا عظیم واقعہ

رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا

ہم نے تیرے لیے ایک کھلی فتح کی راہ کھول دی۔

دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ (استثناء ۲:۳۳)

صلح حدیبیہ کی رو سے بنوخزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیف بن گئے اور بنوبکر قریش کے۔ دونوں قبیلوں کے درمیان پشتینی عداوت چلی آ رہی تھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد بظاہر عداوت کی آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ لیکن معاہدہ پر دو برس بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ بنوبکر نے رات کے وقت بنوخزاعہ پر حملہ کیا۔ قریش مکہ نے بنوبکر کو اسلحہ وغیرہ سے مدد دی۔ عکرمہ بن ابی جہل۔ صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو نے راتوں کو بھیس بدل کر بنوبکر کے ساتھ تلواریں چلائیں۔ بنوخزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی۔ لیکن ان ظالموں نے حرم کا بھی احترام نہ کیا۔ وہاں بھی انسانوں کا خون بہا دیا گیا۔

جس رات معاہدہ حدیبیہ کی ظالمانہ طور پر دھجیاں اڑائی جا رہی تھیں۔ بنوخزاعہ کے چند مظلوموں نے تلواروں کی دھاروں کے نیچے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فریاد کی۔ ''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری مدد کیجئے اور فریاد سنیئے۔ بنوبکر نے ہم پر ظلم کیا ہے''۔ چنانچہ قبیلہ بنوخزاعہ کا سردار عمرو بن سالم چالیس ناقہ سواروں کی جمعیت میں مدینہ پہنچا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ عمرو بن سالم نے قریش مکہ کی بدعہدی اور مظالم کی شکایت ایک نہایت پردرد نظم میں بیان کی۔ اس نظم کے چند شعر یہ ہیں۔

(۱) ان قریشا اخلفوک الموعدا ونقضوا میثاقک الموکدا

(۲) وجعلوا لی فی کداء رصدا وزعموا ان لست ادعوا احدا

(۳) وہم اذل و اقل عددًا ہم بیتونا بالوتیر ہجدا

وقتلونا رکعا و سجدا

(۱) قریش نے آپ کے ساتھ وعدہ خلافی کی ہے اور انھوں نے اس مضبوط معاہدے کو جو آپ سے کیا توڑ ڈالا ہے۔

(۲) اور ہمیں خشک گھاس کی طرح پامال کر دیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری امداد کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔

(۳) وہ ذلیل ہیں اور تعداد میں قلیل ہیں۔ انھوں نے وتیر[1] میں ہم کو سوئے ہوئے جا لیا۔

اور ہمیں رکوع اور سجود کی حالت میں قتل کر دیا۔

آپ نے ان کی دردبھری فریاد سنی اور تسلی دی اور کہا ہم تمہاری امداد کریں گے آپ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرائط پیش کیں کہ ان میں سے کوئی منظور کی جائے۔

(۱) مقتولوں کا خونبہا دیا جائے۔

[1] وتیر ایک چشمہ کا نام ہے۔ جس پر بنوخزاعہ رہتے تھے۔ (معجم البلدان)

(۲) قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

(۳) اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔

قرط بن عمرو نے قریش کی زبان سے کہا کہ "صرف تیسری شرط منظور ہے"۔ قاصد چلے جانے کے بعد قریش کو اپنی عاقبت نااندیشی پر ندامت ہوئی کیونکہ ان کو مستقبل کی تاریکیوں میں خطرات کے سیلاب اُمڈتے نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے ابو سفیان کو فوراً مدینہ بھیجا کہ وہ معاہدہ کی تجدید کرآئے۔

ابو سفیان مدینہ میں

ابو سفیان مدینہ پہنچا۔ تو اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ کے گھر گیا۔ جب اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر ے پر بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ تو ام حبیبہؓ نے بستر لپیٹ دیا۔

ابو سفیان کہنے لگا۔ اے بیٹی! کیا تو نے اس بستر ے کے باعث میری طرف سے اعراض کر لیا ہے؟ یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کے باعث میری طرف سے منہ پھیر لیا ہے؟

ام حبیبہؓ نے جواب دیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک ہیں۔

وہ کہنے لگا۔ اللہ کی قسم میرے بعد تجھے خرابی ہوگی۔[۱]

ابو سفیان غیض وغضب کی آگ میں جلتے ہوئے اپنی صاحبزادی کے گھر سے نکلے تو حضرت ابو بکرؓ کے ہاں بار یاب ہوئے کہ ان سے سفارش کرائیں۔ انھوں نے بھی انکار کر دیا۔ یہاں سے اٹھے تو حضرت عمر بن الخطاب کے پاس پہنچے۔ تو انھوں نے بھی صاف انکار کر دیا۔ یہاں سے حضرت علیؓ کے ہاں گئے۔ وہاں حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور حضرت حسنؓ بھی تھے۔ ابھی ان کی عمر تقریباً پانچ سال تھی۔ ابو سفیان حضرت فاطمہؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے۔ اپنے اس بیٹے حسن کو حکم دو کہ یہ لوگوں کے درمیان صلح کرا دے۔ یہ آخر زمانہ تک عرب کا سردار رہے گا۔ انھوں نے جواب دیا۔ میرا بیٹا ابھی اس عمر تک نہیں پہنچا کہ رسول اللہؐ کے خلاف کسی شخص کو پناہ دے۔ پھر ابو سفیان حضرت علیؓ کی طرف مخاطب ہوئے تو حضرت علیؓ نے کہا۔ "ابو سفیان! تمھارے لیے کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ چونکہ تم بنو کنانہ کے سردار ہو۔ مدینہ کے کسی مناسب مقام پر کھڑے ہو کر اعلان کر دو کہ صلح قائم ہے اور اس کے بعد فوراً واپس چلے جاؤ"۔

ابو سفیان مسجد نبوی میں گئے اور کھڑے کھڑے یہ اعلان کر دیا۔ "صلح قائم ہے" پھر مکہ کی راہ لی۔

ابو سفیان مکہ میں

ابو سفیان نے مکہ پہنچ کر لوگوں سے یہ سرگذشت بیان کی۔ تو سب نے کہا کہ یہ نہ تو صلح ہے کہ اطمینان سے بیٹھ جائیں اور نہ جنگ ہے کہ لڑائی کی تیاری کریں۔

رسول اللہؐ کی مکہ پر چڑھائی کی تیاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اتحادی قبائل کی طرف پیغام بھیجے کہ تیار ہو کر آئیں۔ پوری احتیاط برتی گئی کہ قریش کو تیاری کی خبر نہ ہونے پائے۔

ایک بدری صحابی حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے قریش کو مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کی اطلاع دینے کے لیے ایک خط سارہ کنیز کے ہاتھ روانہ کیا۔ علیم وخبیر ذات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الہام کے ذریعہ اس کی اطلاع دے دی۔ آپ نے حضرت علیؓ۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت مقدادؓ اور حضرات ابو مرثد غنوی[۲] کو روانہ کیا کہ جاؤ روضہ خاخ پہنچو وہاں ایک ہودج نشین عورت ملے گی جو قریش مکہ کے نام ایک خط

---

۱ زاد المعاد مصنفہ ابن قیم ذکر فتح مکہ۔

۲ زرقانی علی المواہب جلد ۲ صفحہ ۳۳۹

لے جا رہی ہے۔ اس سے خط چھین لاؤ۔ انھوں نے روضہ خاخ میں پہنچ کر اس کو گرفتار کیا۔ اس کی تلاشی لی تو خط کا پتہ نہ چلا۔ حضرت علیؓ نے کہا یہ نہیں ہوسکتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر غلط ہو۔ چنانچہ انھوں نے بہت ہی ڈرایا اور دھمکایا۔ تو اس نے اپنے جوڑے سے خط نکال کر دیا۔ قاصد خط اور عورت کو گرفتار کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے تمام صحابہ کو حاطب بن ابی بلتعہ کے افشائے راز پر حیرت ہوئی۔ حضرت عمرؓ تو غصہ سے بے تاب تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ ''حکم ہو کہ اس کی گردن اڑا دوں''۔ رسول کریمؐ نے حضرت حاطبؓ سے وجہ پوچھی تو انھوں نے جواب دیا کہ میرے مکہ میں اعزّہ واقارب ہیں اس لیے میں نے چاہا کہ اہل مکہ پر احسان کے طور پر حملہ کی اطلاع دے دوں۔

اگر یہ معاملہ کسی دنیاوی بادشاہ کے سامنے آتا تو ملزم کی گردن زدنی کا فوراً حکم دے دیا جاتا۔ چونکہ مکہ پر چڑھائی انتقامی نہ تھی۔ بلکہ عفو کے لیے تھی۔ پھر اپنے رفقاء کی خطاؤں سے کیوں عفو نہ کیا جاتا۔ چنانچہ عفو کے سمندر میں کوئی غصہ کی لہر آئے بغیر حاطب کے عذر کو قبول فرما کر معاف کر دیا۔

مکہ کی طرف روانگی

۱۰ رمضان ۸ھ میں آپ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور نہایت تیز رفتاری سے منزلیں طے کرتے جا رہے تھے۔ مقام جحفہ میں پہنچے کہ آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب معہ اہل وعیال مسلمان ہو کر مدینہ کی طرف آتے ہوئے ملے۔ آپ نے ان کے اہل وعیال کو تو مدینہ منورہ بھیج دیا اور حضرت عباس کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ مرالظہر ان (جو مکہ سے چار کوس کے فاصلہ پر ہے) پہنچ کر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور مختلف دستے دور دور تک پھیل گئے۔ رات کو آنحضرتؐ نے حکم دیا تھا۔ کہ ہر مسلمان مجاہد پڑاؤ پر آگ روشن کرے۔ چرواہوں کے ذریعہ قریش کو خبر پہنچی کہ وادی مرالظہر ان میں ایک لشکر عظیم خیمہ زن ہے۔ قریش نے یہ خبر سن کر ابوسفیان، حکیم بن حزام (حضرت خدیجہ کے بھتیجے) اور بدیل بن ورقاء کو حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ ادھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب کو ایک دستہ دے کر طلایہ گردی پر مامور فرما دیا تھا۔ کہ دشمن اچانک شبخون نہ مار سکے۔ ادھر حضرت عباس کی آنکھوں کے سامنے قریش کے مسلمانوں پر ظلم و ستم، جور و جفاء اسلام کے استیصال کے منصوبے رسولِ کریمؐ کو قتل کرنے کی سازشوں کی ایک ایک تصویر آنے لگی۔ اس وجہ سے وہ اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے کے کنارے پر دیکھ رہے تھے۔ اس اضطراب کے نشان ان کے چہرے پر ہویدا تھے۔ آپ پہچان گئے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عباسؓ کو بطور سفیر قریش کے پاس بھیجا تا کہ مکہ بغیر کشت وخون کے قبضہ میں آ جائے۔ وہ آپ کی خچر دلدل نامی پر سوار ہو کر لشکر گاہ سے نکلے اور گزرگاہ اراک پر ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہ گفتگو کرتے ہوئے آ رہے تھے کہ اتنا بڑا لشکر کہاں سے آ گیا۔ بدیل بن ورقا خزاعی نے کہا۔ یہ خزاعہ کا لشکر ہے۔ ابوسفیان نے حقارت آمیز لہجہ میں کہا کہ خزاعہ کی کیا مجال کہ اتنا بڑا لشکر لا سکے۔

حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی۔ اور بلایا اور کہا یہ عظیم لشکر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لشکر ہے۔ اور صبح کو مکہ پر حملہ آور ہوگا۔ یہ سنتے ہی ابوسفیان کے ہوش وحواس اڑ گئے۔ ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے تدبیر پوچھی۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ تم میرے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چلو۔ وہیں تم کو امان مل جائے گی۔ بدیل اور حکیم کو مکہ واپس لوٹا دیا۔

جب حضرت عباسؓ ابوسفیان کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ رہے تھے۔ تو راستہ میں حضرت عمرؓ فاروق نے ابوسفیان کو پہچان لیا اور قتل کرنا چاہا۔ لیکن حضرت عباسؓ سواری کو مہمیز کر کے جلد رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت عمرؓ پیدل تھے۔ وہ ذرا دیر سے بارگاہ نبوی میں پہنچے۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ کفر کے استیصال کا وقت آ گیا ہے۔ حکم دیجئے کہ اس دشمن خدا کی گردن اڑا دوں۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ میں امان دے چکا ہوں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے دوبارہ عرض کی۔ تو حضرت عباسؓ نے کہا۔ ''عمر! اگر یہ شخص تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا۔ تو تم کو اس کے قتل میں اتنا اصرار نہ ہوتا۔ اور اتنی بے صبری نہ کرتے''۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ ''آپ جس دن اسلام لائے تھے۔ مجھ کو اتنی مسرت حاصل ہوئی تھی۔ خود میرا باپ بھی اسلام لاتا تو اس قدر خوشی نہ ہوتی۔[1]

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۳۲

صحیح بخاری میں ہے کہ ابوسفیان نے گرفتار ہونے کے ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔

بعض تاریخوں میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں رکھو اور صبح کو پیش کرو۔ حضرت عباس نے رات بھر ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں رکھا۔ صبح کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ انصار اور مہاجرین دونوں گروہ موجود تھے۔ تو رسول کریمؐ نے فرمایا۔ ''کیوں ابوسفیان۔ کیا اب بھی تم کو یقین نہیں کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں''۔ ابو سفیان نے جواب دیا۔ ''کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا''۔ رسول کریمؐ نے پھر پوچھا۔ ''کیا میرے رسول ہونے میں شک ہے''۔ ابو سفیان نے جواب دیا۔ ''اس میں شک ہے''۔ بہرحال حضرت عباسؓ کے سمجھانے بجھانے سے ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے اور غزوات میں اپنے عمل سے خلوص اور وفاداری کا اظہار کیا۔ غزوہ طائف میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہوئی اور یرموک میں وہ بھی جاتی رہی۔

ابوسفیان کی عزت افزائی

حضرت عباسؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا۔ ''یا رسول اللہ! ابوسفیان کو اس موقعہ پر خاص عزت بخشیں''۔ آپ نے فرمایا۔ ''اچھا۔ جو شخص خانہ کعبہ میں پناہ لے گا اس کو امان دی جائے گی۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا۔ اس کو بھی امان دی جائے گی۔ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے گا۔ وہ بھی امان میں رہے گا۔ جو شخص بغیر ہتھیار لگائے راہ میں ملے گا۔ اس کو بھی امان دی جائے گی''۔

اسی وقت قدوسیوں کا لشکر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ مکہ مکرمہ ایک وادی میں واقع ہے۔ جس کے ہر طرف اونچے اور دشوار گزار پہاڑ ہیں۔ صرف ایک بڑا راستہ ہے جو شمالاً جنوباً شہر سے گزرتا ہے۔ اور دو ذیلی راستے ہیں۔ جو اس بڑے راستے میں آ کر مل جاتے ہیں۔ یعنی طریق حجون اور کداء۔ فوج کا بڑا حصہ جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ عام شمالی راستے یعنی معلات کی طرف سے بڑھنے لگا۔ کچھ فوج حضرت زبیر بن العوام کے تحت طریق کداء سے بڑھائی گئی۔ تا کہ وادی فاطمہ کی راہ ساحل کی طرف جانے والی گزرگاہ کھلی نہ رہے۔ ایک اور مضبوط دستہ کو سیف اللہ خالد بن الولید کے تحت جنوبی راستہ یعنی مسفلہ کی راہ لیط کی طرف سے شہر میں بڑھنے کا حکم دیا۔ ایک اور فوج حجون کے راستہ سے بڑھائی گئی۔ ادھر سے ایک راستہ جدہ جاتا ہے۔ اور ایک شاہراہ جنوب میں یمن کی طرف جاتی ہے۔ اور ہر معرکے کی طرح مسلمانوں کے لیے شعار (واچ ورڈ) بھی مقرر کر دیئے گئے۔[1]

لشکر اسلام جب مکہ کی طرف بڑھا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو۔ تا کہ اسلامی لشکر کا نظارہ دیکھ لے۔ جب بتائے ہوئے راستوں سے اسلامی دستے شہر میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ تو ابوسفیان متحیر ہو کر پوچھتا تھا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت عباسؓ نام بتاتے جاتے تھے۔ دفعتہً حضرت سعد بن عبادہ ہاتھ میں علم لیے ہوئے گزرے۔

تو ابوسفیان کو دیکھ کر بلند آواز سے پکار اٹھے۔

''الیوم یوم الملحمة الیوم تستحل الکعبة.[2]

آج لڑائی کا دن ہے۔ آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔

سب سے آخر میں آفتاب رسالت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ گر ہوئے۔

ابوسفیان دیکھ کر پکار اٹھا کہ ''حضورؐ نے سنا کہ عبادہ کیا کہتے ہیں''۔ آپ نے جواب دیا کہ ''عبادہ نے غلط کہا ہے۔ آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے''۔ یہ کہہ کر حکم دیا کہ فوج کا علم عبادہ سے لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دیا جائے۔

خالد بن ولید کے دستہ پر حملہ

حضرت خالد بن ولید کے دستہ کے سوا باقی اسلامی لشکر بغیر مزاحمت کے اپنے اپنے مقررہ راستوں سے شہر میں داخل ہو گئے۔ مگر حضرت

1. عہد نبوی کے میدان جنگ از حمید اللہ ص ۴۶
2. صحیح بخاری

خالدؓ کو مقابلہ کرنا پڑا۔ کیونکہ اس سمت کے لوگوں نے صفوان بن امیہ۔ سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں مورچے سنبھالے ہوئے تھے۔ جونہی حضرت خالد کا دستہ قریب پہنچا۔ انھوں نے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ لیکن حضرت خالدؓ نے جوابی حملہ کیا۔ یہ لوگ ۱۳ بروایت دیگر ۱۸ مقتولین چھوڑ کر بھاگ گئے۔ تین مسلمانوں، حضرت کرز بن جابر فہری، حضرت حبیش بن اشعر اور حضرت سلمہؓ بن المیلا نے شہادت پائی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلواروں کی چمک دیکھی۔ تو حضرت خالد بن ولید سے باز پرس کی۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ قتال کا آغاز دشمنوں کی طرف سے ہوا تھا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ قضائے الٰہی یہی تھی۔

لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ ''حضور کہیں اور قیام فرمائیں گے۔ یا اپنے قدیم مکان میں؟'' چونکہ عقیل نے وہ مکانات ابوسفیان کے ہاتھ فروخت کر دیئے ہوئے تھے۔ اس بناء پر رسول کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''عقیل نے گھر کہاں چھوڑا کہ اس میں اتروں''۔ اس لیے مقام خیف میں ٹھہروں گا۔ جہاں قریش نے ہمارے خلاف کفر کی تائید میں باہم عہد و پیمان کیا تھا۔[2] تھوڑا سا عرصہ استراحت کرنے کے بعد اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف گئے کسی جبار فاتح کی طرح نہیں کہ جب وہ اپنے دشمنوں پر قابو پا لیتا ہے۔ تو نشہ نخوت میں چور ہو کر اکڑتا ہوا اور سینہ تانتا ہوا چلتا ہے بلکہ ابن ہشام کے قول کے مطابق شرماتے' بارگاہ خداوندی میں سر نیاز جھکاتے۔ اور بار بار اونٹنی کے کجاوے ہی پر سجدہ شکر ادا کرتے ہوئے جا رہے تھے''۔

سواری پر ہی سات بار بیت اللہ کا طواف کیا۔ بیت اللہ کے اردگرد جتنے بت تھے۔ ایک ایک کو لکڑی کی ٹھوکر مارتے جاتے تھے۔ اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔

حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل بھاگ ہی جاتا ہے۔

اس کام سے فارغ ہو کر عثمان بن ابی طلحہ کو طلب فرمایا۔ ان کے خاندان میں مدت سے کعبہ کی کلید چلی آتی تھی۔ کلید طلب کی۔ دروازہ کھلوایا۔ عین کعبہ کے اندر بہت سے بت تھے۔ جن کو قریش خدا مانتے تھے۔ داخل ہونے سے قبل حکم دیا کہ سب کو نکلوا دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اندر جا کر سب تصاویر کو مٹا دیا۔ جب بیت اللہ بتوں اور تصاویر سے پاک ہو گیا۔ تو آپؐ حضرت بلالؓ اور حضرت طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ اور نماز ادا کی۔

پھر کنجی عثمان کو واپس کر دی اور فرمایا کہ یہ ہمیشہ کے لیے تمھارے پاس اور تمہاری نسل میں رہے گی۔

اس کے بعد خانہ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ جس میں توحید الٰہی اور نسل انسانی کی وحدت کو بیان کیا ہے۔ وہ خطبہ یہ ہے۔

لا اله الا اللّٰه وحده لا شريك له صدق وعده و نصر عبده و هزم الاحزاب وحده الا كل مائره اودم اومال يدعى فهو تحت قدمى هاتين الاسد انة البيت وسقاية الحجاج..........[1]

يامعشر قريش ان اللّٰه قد اذهب عنكم نخوة الجاهلية و تعظمها بالاباء الناس من ادم و ادم من تراب۔

ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اس نے اپنے بندہ کی مدد کی۔ تمام جتھوں کو تنہا شکست دی۔ ہاں تمام مفاخر تمام انتقامات خون بہائے قدیم۔ میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قوم قریش! اب جاہلیت کا تکبر اور نسبت کا افتخار اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا ہے۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے ہے۔

پھر یہ آیات پڑھیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔

(الحجرات:۱۳)

1۔ صحیح بخاری فتح مکہ

اے لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمھارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان لیا کرو۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو۔ خدا جاننے والا اور واقف کار ہے۔

اس کے بعد قریش کے ایک خاص مجمع سے خطاب کیا۔ جن میں وہ بھی شقی القلب موجود تھے جنکے تیغ و سنان نے بے کس مسلمانوں کے خون سے پیاس بجھائی تھی۔ وہ بھی تھے۔ جو مسلمان غلاموں کو دہکتے ہوئے انگاروں اور چلچلاتی ہوئی ریت پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ دیتے تھے۔ وہ بھی کینہ پرور اور کور باطن تھے۔ جنھوں نے خیر البشرؐ کے راستہ میں کانٹے بچھائے۔ معاشرتی مقاطعہ کر کے شعب میں مصائب و آلام کی بھٹی میں جھونک دیا۔ وعظ و نصیحت کے وقت پتھر مار مار کر پنڈلیوں کو لہولہان کر دیا۔ جن کی زبانیں تمسخر اور گالیوں کے سوا کسی اور چیز سے آشنا نہ تھیں۔ اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ غیض و غضب کی آتش کو بجھانے کے لیے قتل کرنے کا منصوبہ بھی بنایا۔ جب نصرت ایزدی سے بچ کر دوسری جگہ پناہ لینی چاہی۔ تو ان ظالموں نے وہاں بھی تعاقب کیا۔ بار بار حملہ آور ہو کر اسلام اور مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی۔ یہ سب مجرم اسی سر زمین پر کھڑے تھے۔ جو آپ کے خون کی پیاسی تھی۔ اگر کوئی اور فاتح ہوتا۔ تو عبرت کے طور پر بہتوں کی گردنیں سر سے الگ کرا کر موت کی آغوش میں ابدی نیند سلا دیتا۔ بہتوں سے جیل خانے بھر دیتا۔ لیکن قریش کے دل گواہی دیتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے یہ سلوک نہیں کریں گے۔ جب آپ نے ان کے نادم اور شرمسار چہروں کی طرف دیکھا۔ تو محبت بھرے لہجہ میں پوچھا۔ تم کو کچھ معلوم ہے۔ میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں وہ فوراً پکار اٹھے۔ ''اخ کریم و ابن اخ کریم''۔ یعنی تو شریف بھائی ہے اور شریف بھائی کا بیٹا ہے۔ آپ نے یہ جواب سن کر فرمایا۔ اچھا میں بھی تم سے وہی کہتا ہوں۔ جو یوسف علیہ السلام نے اپنے مجرم بھائیوں کو کہا تھا۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ (آج تم پر کوئی گرفت نہیں جاؤ۔ تم سب آزاد ہو۔

اس رحمتہ للعالمین کے دل میں بنی نوع انسان کے لیے کتنی محبت ہے کہ مجرموں کو بھی ایک لفظ ملامت کا نہیں کہا اور ان سے یہ وعدہ بھی نہیں لیا کہ وہ آئندہ ایسی شرارتیں نہیں کریں گے۔ صرف یہی وسعت قلبی کا ثبوت نہیں دیا۔ کفار مکہ نے مہاجرین کی جن جائیدادوں پر قبضہ کر لیا ہوا تھا۔ ان کو بھی واپس نہیں مانگا۔ بلکہ مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ اپنی مملوکات سے دست بردار ہو جائیں۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔ ان کی جاہلیت کی رگ حمیت پھڑک اٹھی۔ عتاب بن اسید نے کہا۔ ''خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اس کو دنیا سے اٹھا لیا''[1] ایک اور رئیس قریش نے کہا۔ ''اب جینا بیکار ہے۔''[1]

آپ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور مسلمان ہونے والوں کی بیعت قبول کی بیعت کرنے والے کو مندرجہ ذیل باتوں کا اقرار کرنا پڑتا تھا۔

(۱) میں خدا کے ساتھ کسی کو بھی اس کی ذات' صفات اور عبادت میں شریک نہ کروں گا۔

(۲) میں چوری نہ کروں گا۔ زنا نہ کروں گا۔ خون ناحق نہ کروں گا۔ لڑکیوں کو زندہ درگور نہ کروں گا۔ کسی پر بہتان نہ لگاؤں گا۔

(۳) امر بالمعروف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت بقدر استطاعت کروں گا۔ عورتوں سے مزید یہ اقرار بھی لیے جاتے تھے۔

کسی کے سوگ میں منہ نہ نوچیں گی۔ طمانچوں سے چہرہ نہ پیٹیں گی۔ نہ سر کے بال نوچیں گی۔ نہ گریبان چاک کریں گی۔ نہ سیاہ کپڑے پہنیں گی۔ نہ قبر پر سوگواری میں بیٹھیں گی۔

عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ

عورتوں سے بیعت لینے کا طریق یہ تھا کہ پانی کے برتن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ ڈال کر نکال لیتے تھے۔ پھر بیعت کرنے والی اس برتن میں ہاتھ ڈال کر اقرار کرتی۔

بیعت کرنے والوں میں حضرت امیر معاویہ اور ان کی والدہ ہندہ بھی تھیں۔ جنھوں نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا۔

[1] اصابہ تذکرہ عتاب بن اسید۔

فضالہ بن عمیر کا ارادہ سوء

فتح سے دوسرے دن کا واقعہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ فضالہ بن عمیر نے موقع دیکھ کر ارادہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر ڈالے۔ وہ اپنے ارادہ سوء کی تکمیل کے لیے قریب پہنچا۔ تو آپ نے فرمایا۔ ''کیا فضالہ آتا ہے''۔ فضالہ نے کہا۔ ''ہاں''۔ آپ نے فرمایا۔ ''تم اپنے دل میں ابھی کیا ارادہ کر رہے تھے''۔ فضالہ نے کہا۔ ''کچھ نہیں۔ میں تو اللہ اللہ کر رہا تھا''۔ نبی کریمؐ مسکرا پڑے اور فرمایا۔ ''تم اپنے خدا سے معافی کی درخواست کرو'' یہ فرما کر اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھ دیا۔

فضالہ کا بیان ہے کہ دست مبارک رکھ دینے سے مجھے بہت اطمینان قلب نصیب ہوا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میرے دل میں اتنی پیدا ہو گئی کہ آپ سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہ رہا۔ آپ کے اعجازی الفاظ کا اثر یہ ہوا فرماتے ہیں۔

''میں وہاں سے گھر کو روانہ ہوا۔ راستہ میں میری معشوقہ ملی جس کے پاس میں بیٹھا کرتا تھا۔ اس نے کہا۔ ''فضالہ ایک بات سنتے جاؤ''۔ میں نے جواب دیا۔ ''نہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اسلام ایسی باتوں سے منع کرتے ہیں۔''

اشتہاری ملزم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے تمام اسلامی لشکر کو ہدایت کر دی تھی کہ کسی شخص پر حملہ نہ کیا جائے۔ لیکن کچھ آدمیوں کے متعلق حکم دیا تھا کہ جہاں وہ ملیں۔ ان کو قتل کر دیا جائے۔ ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ حافظ مغلطائی نے پندرہ نام مختلف حوالوں سے جمع کیے ہیں۔ عام ارباب سیرت نے دس شخصوں کے نام لیے ہیں۔ ابن اسحاق نے آٹھ نام بیان کیے ہیں۔ ابو داؤد اور دارقطنی میں صرف چھ اور صحیح بخاری میں صرف ابن اخطل کا ذکر ہے۔

عام روایات کے مطابق جن دس آدمیوں کے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ وہ کسی ذاتی انتقام اور عناد کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ وہ اتنے شدید مجرم تھے کہ ان کو ان کے جرم کی سزا نہ دینا انصاف کا خون تھا۔ تاہم چھ آدمی خلوص سے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور ان کو معاف کر دیا گیا۔ صرف چار شخص قتل ہوئے۔ ان میں تین مرد اور ایک عورت تھی۔

جو چھ آدمی خلوص قلب سے ایمان لائے تھے وہ مندرجہ ذیل تھے۔

(۱) عبداللہ بن ابی سرح۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا۔ بعد میں کاتب وحی کے منصب پر فائز ہوئے۔ ترک اسلام کر کے قریش کے ہاں چلے گئے اور کہتے تھے کہ میں قرآن میں کمی بیشی کرتا رہا ہوں۔

حضرت عثمانؓ کے سوتیلے بھائی تھے وہ بارگاہ نبویؐ میں ساتھ لائے۔ جان بخشی کی سفارش کی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دیر تامل کے بعد پناہ دی۔ اور وہ مسلمان ہو گیا۔

(۲) صفوان بن امیہ نے اس دستہ کی سرداری کی تھی۔ جس نے مکہ میں داخل ہوتے وقت حضرت خالد بن ولید کے دستہ پر تیر اندازی کی تھی۔ پھر تاب مقاومت نہ لا کر بھاگ گیا تھا۔ عمیر بن وہب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صفوان کے لیے امان طلب کی۔ آپ نے امان دی اور علامت کے طور پر عمامہ عنایت کیا۔ عمیر جدہ پہنچ کر ان کو واپس لائے۔

حنین کے معرکہ تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔[1] بعد میں مسلمان ہوئے۔

(۳) عبداللہ بن زبعریٰ۔ عرب کے مشہور شاعر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجویں کہا کرتے تھے اور قرآن کریم پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ نجران بھاگ گئے۔ لیکن پھر آ کر مسلمان ہوئے۔

---

[1] طبری جلد ۲ صفحہ ۱۶۴۵ و اصابہ ذکر صفوان بن امیہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۷

(۴) عکرمہ بن ابی جہل مکہ میں داخلے کے وقت خالد بن ولید کے دستہ پر حملہ کیا تھا۔ فتح کے بعد مکہ چھوڑ کر یمن کی طرف بھاگ گئے۔ لیکن ان کی بیوی ام حکیمؓ نے رسول کریمؐ سے امان طلب کی اور جا کر یمن سے واپس لائیں۔[1]

(۵) ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان یہی وہ خاتون ہیں۔ جنھوں نے آتش انتقام کو بجھانے کے لیے سید الشہداء عم رسول حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا۔ مسلمان ہوئیں۔

(۶) ہبار بن الاسود۔ ہبار نے حضرت زینب بنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کہ وہ مدینہ کی طرف اونٹ پر سوار ہو کر جا رہی تھیں۔ نیزہ مارا۔ اور کجاوا گرا دیا۔ اس صدمہ سے حمل ساقط ہوا تھا بالآخر اس صدمہ سے ان کی وفات ہوئی۔ دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جان بخشی فرمائی۔

جس اشخاص کو قتل کیا گیا تھا۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) عبداللہ بن ہلال بن اخطل جو اسلام لا چکا تھا۔ اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر کے مرتد ہو گیا۔ اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنی دو کنیزوں سے رسول کریمؐ کی ہجو کے قصائد سننے سنانے کا مشغلہ بنالیا۔

(۲) مقیس بن صبابہ۔ اس کا ایک بھائی ایک انصاری کے ہاتھوں غلطی سے مارا گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی دیت ادا کر دی تھی۔ تاہم مقیس منافقانہ اسلام لایا اور انصاری کو قتل کر دیا یہ دونوں خونی مجرم تھے۔ قصاص میں قتل کر دیئے گئے۔

(۳) حویرث بن نقیذ۔ رسول کریمؐ کی دو صاحبزادیوں کے ساتھ جب وہ مدینہ جا رہی تھیں۔ شرارت کی تھی۔ ان دونوں کو اونٹوں سے گرا دینا چاہتا تھا اسے حضرت علیؓ نے قتل کیا۔

(۴) قریبہ۔ ابن اخطل کی کنیز تھی۔ مکہ کی ایک مغنیہ تھی۔ اسلام اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو گایا کرتی تھی۔

فتح مکہ کے دوسرے روز بنوخزاعہ نے قبیلہ بدیل کے ایک مشرک کو دیرینہ عداوت کی بناء پر قتل کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی۔ تو آپ نے مجمع عام میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

ان مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس لا يحل لامری يومن بالله واليوم الاخر ان يسفک بهادماً ولا يعضد بها شجرا فان احد ترخص القتال رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها فقولوا له ان الله اذن لرسوله ولم ياذن لكم و انما اذن لی فيها ساعة من نهار وقد عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالامس وليبلغ الشاهد الغائب.[2]

یعنی مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا۔ اور لوگوں نے حرام نہیں کیا۔ جو شخص خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے لیے جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے اور نہ اس کا درخت کاٹے۔ اگر اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنگ کے وجہ سے لڑائی کو جائز سمجھے۔ تو اس کو کہہ دو کہ خدا نے اپنے رسول کو اجازت دی تم کو اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اور آج پھر اس کی حرمت ایسی ہو گئی جیسا کہ کل تھی۔ چاہیے کہ جو یہاں حاضر ہے۔ وہ غائب کو پیغام پہنچا دے۔

اس کے بعد بنوخزاعہ سے خطاب کیا۔

یامعشر الخزاعة! ارفعوا ايديكم عن القتل فلقد كثر ان نفح' بعد قتلتم قتيلاً لادينه فمن قتل بعد مقالتیٰ هذا فاهله بخير النظرين ان شاوا فدم قاتله وان شاوا فعقلهٗ.

''اے خزاعہ کے لوگو! قتال سے ہاتھ روک لو۔ اگرچہ تمھارے لیے اس میں منفعت ہی سہی۔ میں یہی فیصلہ کرتا ہوں کہ تمھارے ہاتھ سے جو شخص قتل ہوا ہے۔ اس کے عوض میں قاتلوں کو اپنی طرف سے خونبہا دیے دیتا ہوں۔ لیکن آئندہ کے لیے مقتول کے وارثوں کو اختیار دیتا ہوں کہ اپنے قتیل کا خون بہالیں یا قصاص! انھیں اختیار ہے۔''[3]

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۴۲ [2] صحیح بخاری و سیرت ابن ہشام۔

[3] حیات محمدؐ ذکر فتح مکہ و تطہیر کعبہ۔

آپ نے مقتول کی دیت اس کے وارثوں کو اپنی طرف سے ادا کر کے تنازعہ ختم کر دیا۔

سنگ میل حرم کی مرمت

بنوخزاعہ سے فرمایا کہ حرم کی بارہ برجیوں میں سے جو برجی مرمت کے قابل ہو۔ اس کی مرمت کرا دیں۔ اس سے اہل مکہ کے دلوں پر اچھا اثر پڑا۔

اہل مکہ سے اظہارِ محبت

اسی لمحہ اہل مکہ سے فرمایا۔ ''آپ لوگ دنیا کی بہترین جماعت ہیں۔ مجھے تم سے بے حد محبت ہے۔ میں تمھیں چھوڑ کر مدینہ نہ جاتا اور کسی کو تمھارے ہم پلہ نہ ٹھہراتا۔ مگر کیا کروں۔ تم ہی نے مجھے اس شہر سے جلا وطن کیا''۔

یہ کلمات اہل مکہ کے دلوں کو کھا گئے۔ وہ اہل مکہ جو کل آپ کے خون کے پیاسے تھے۔ اب آپ کے لیے اپنے خون بہانے کو تیار تھے۔

ابو قحافہ پر شفقت

اسی وقفہ میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنے والد ابو قحافہ کو بارگاہ نبوی میں حاضر کیا۔ اس وقت ابو قحافہ کی بینائی جاتی رہی تھی اور ضعف کی وجہ سے چلنا مشکل تھا۔ آپ نے فرمایا ''اے ابوبکر! یہ ضعیف ہیں۔ میں خود ہی ان کے ہاں چلا جاتا۔ آپ نے انھیں یہاں آنے کی زحمت کیوں دی؟

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ ''یا رسول اللہ! یہ ان کا فرض تھا''۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو قحافہ کو اپنے سامنے بٹھا کر ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ ''اے شیخ! اسلام قبول کیجئے''۔ ابو قحافہ نے کلمہ توحید پڑھا۔ اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

فتح مکہ اور بت شکنی

جب مکہ فتح ہو گیا اور بیت اللہ کو اصنام کی آلائشوں سے پاک کر دیا گیا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر میں منادی کرا دی کہ جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں وہ اپنے گھروں میں کوئی بت نہ رہنے دیں۔ پھر آپ نے نواح مکہ کے مشہور بتوں کو توڑنے کے لیے چھوٹے چھوٹے دستے روانہ کیے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کو تیس سواروں کی مشایعت میں عزیٰ بت کو توڑنے کے لیے روانہ کیا۔ انھوں نے جا کر عزیٰ کو پاش پاش کر دیا۔ بنوشیبان اس کے پجاری تھے۔

حضرت عمرو بن العاص کو قبیلہ ہذیل کے بت سواع کو توڑنے کے لیے روانہ کیا جب حضرت عمرو بن العاص مندر کے قریب پہنچے۔ تو پجاری نے کہا کہ ''تم بت کو توڑنے میں کیسے قادر ہو سکتے ہو''۔ حضرت عمرو بن العاص نے کہا کہ تم دیکھتے جاؤ۔ چنانچہ یہ کہہ کر مندر کے اندر گئے۔ بت کو پاش پاش کر دیا۔ پجاری نے یہ دیکھ کر اسلام قبول کر لیا۔

حضرت سعد بن زید اشہلی کو مناۃ نامی بت توڑنے کے لیے مقام قدید کی طرف روانہ کیا۔ یہ ایک بن گھڑا پتھر تھا۔ ازد۔ غسان۔ اوس۔ خزرج اس کا حج کرتے تھے وہاں کے پجاری بھی یہ یقین رکھتے تھے کہ مسلمان بت توڑنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے چنانچہ یہاں کے پجاریوں نے دیکھ لیا کہ کس طرح مسلمانوں نے بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اس طرح عرب کے تمام بت مسمار کر دیے گئے۔

فتح مکہ کے بعد اسلام میں بکثرت داخل ہونے کی وجوہات

فتح مکہ کے بعد لوگ اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ اس کے چند اسباب تھے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) بہت سے قبائل اسلام قبول کرنے سے اس لیے رکے ہوئے تھے کہ وہ قریش کے مخالف تھے۔ ان کے نزدیک اسلام لانا بمنزلہ عہد شکنی کے تھا۔

(۲) بہت سے قبائل قریش کے مقابلہ میں کمزور تھے۔ اسلام قبول کرنے سے اس وجہ سے رکے ہوئے تھے کہ وہ لوگ قریش کے غصہ کا

مرکز بن جائیں گے۔

(۳) بہت سے قبائل کی رائے تھی کہ مکہ پر وہی قابض ہوگا۔ جس کے ساتھ تائید ایزدی ہو۔ وہ اس بات کے منتظر تھے کہ آیا مسلمان مکہ پر قابض ہوتے ہیں یا کہ نہیں۔

مختلف قبائل میں بیسیوں بوڑھے ایسے موجود تھے۔ جنھوں نے ابرہہ کے چالیس ہزار لشکر جرار کو دست ایزدی سے تباہ ہوتے دیکھا تھا۔ اس وجہ سے ان کا قوی ایمان تھا کہ اگر مسلمان مکہ پر قابض ہو گئے تو یہ سچے ہوں گے۔ اگر یہ لوگ قریش کے ہاتھ سے نیست و نابود ہو گئے۔ تو قریش حق پر ہوں گے۔

اسلام میں داخل ہونے کی وجہ کوئی جبر نہ تھا۔ لوگوں نے اپنی مرضی سے اسلام کو قبول کیا۔ سارے واقعات فتح میں ایک شخص کے بھی اس طرح مسلمان کرنے کی شہادت نہیں ملتی میور معترف ہے۔

''گو شہر (مکہ) نے خوشی سے آپ کی حکومت کو قبول کر لیا مگر تمام باشندوں نے اب تک نیا مذہب قبول نہ کیا تھا۔ اور نہ آپ کا پیغمبر ہونا تسلیم کیا تھا۔ شاید آپ وہی راہ اختیار کرنا چاہتے تھے جو مدینہ میں اختیار کی تھی۔ اور ان کی تبدیلی مذہب میں جبر کو دخل دیئے بغیر تدریج کو کام میں لانا چاہتے تھے۔''

فتح مکہ کا ذکر سابقہ کتب میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آخری وصیت میں بشارت

''اور کہا خداوند سینا سے آیا اور طلوع ہوا۔ شعیر سے ان کے لیے وہ جلوہ گر ہوا۔ فاران کے پہاڑ سے اور وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آتا ہے۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت ہے۔ (استثناء: ۲)

سینا سے آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہے۔ جو سینا پر ہوا۔ اور شعیر سے طلوع ہونا۔ حضرت عیسیٰؑ کا ظہور ہے جن پر سلسلہ انبیاء بنی اسرائیل ختم ہوا۔

اس کے بعد کی تمام پیش گوئی رسول کریم صلعم سے متعلق ہے۔

(۱) خداوند فاران کی چوٹیوں پر جلوہ گر ہوا۔

عرب کے قدیم جغرافیہ نگار اور بعض مسیحی علماء کی تحقیقات سے یہ ثابت ہے کہ ''فاران'' مکہ معظمہ کے پہاڑوں کا نام ہے۔

چنانچہ تورات سامری کا ترجمہ جسے ارکیونن نے ۱۸۵۱ء میں شائع کیا۔ اس میں پیدائش ۲۱:۲۱ کے ترجمہ میں فاران کو حجاز میں بتایا ہے۔ ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں۔ **وسکن ہویة فاران (الحجاز) واخذت له امهٔ امرءة من ارض مصر (تکوین ۲۱:۲۱)**

''اسماعیل بیابان فاران واقع حجاز میں سکونت پذیر ہوا اور اس کی ماں نے اس کے لیے مصر سے ایک عورت لی''۔

اس ترجمہ سے ظاہر ہے کہ فاران حجاز میں ہے۔

جبقوق نبی نے اسی پیش گوئی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ ''خدا جنوب سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا''۔ حبقوق ۳:۳۔

یہاں صاف طور پر فاران کا جنوب میں ہونا بیان کیا گیا ہے اور حجاز شام کے جنوب میں ہے۔

(۲) دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آمد۔

دس ہزار قدوسیوں کی معیت نہ صرف فاران کے جائے وقوع کے متعلق فیصلہ کر دیتی ہے۔ بلکہ پیشگوئی کے اصل مصداق کی ناقابل تردید شہادت ہے۔ دنیا کی تاریخ میں دس ہزار قدوسی صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ثابت ہیں۔

اس کے داہنے ہاتھ پر آتشی شریعت ہوگی۔

یہ پیشگوئی کا آخری حصہ ہے۔ عبرانی عربی دونوں زبانوں میں یمین (دہنے ہاتھ) کا محاورہ برکت بندگی، حکومت، طاقت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت ہوگی۔ یعنی اسے مذہبی جنگ کرنے پڑیں گے۔[1]

اتھروید منتر ۳

اس منتر کا ترجمہ پنڈت کھیم کرن نے یوں کیا ہے۔

اس نے اس ہوشیار آدمی کو سو دینار، دس تسبیحیں، تین سو گھوڑے دس ہزار گایاں دی ہیں۔

پنڈت راجہ رام صاحب پروفیسر ڈی اے وی کالج کا ترجمہ یہ ہے۔

اس نے مامح رشی کو سو دینار دس مالائیں۔ تین سو گھوڑے اور دس ہزار گایاں دیں ان تراجم کے اندر ذیل کی باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) اس منتر میں کس رشی کا ذکر ہے۔

[1] مکمل بحث کے لیے کتاب میثاق النبیین حصہ اول مصنفہ عبدالحق ودیارتھی ص ۱۷۴ تا ۱۸۲ ملاحظہ کریں۔

(۲) اس کا نام مامح ہے۔

(۳) سوطلائی دینار دس ہار تین سو گھوڑے اور دس ہزار گایاں اس مامح رشی کو عطا ہوئے۔

ا۔ اس منتر میں رشی کا نام مامح بتایا گیا ہے۔ ہندوستان کے کسی رشی کا نام مامح نہیں اور نہ کوئی اور پیغمبر دنیا میں اس نام کا گزرا ہے۔ لفظی تحقیق کی بناء پر اس لفظ کا اصل مح ہے۔ جس کے معنی بزرگی دینا نہایت اعلیٰ ہونا' عزت دیا گیا۔ تعریف کیا گیا۔ خوش ہونا۔ اور بلند ہونا ہیں۔ اس منتر میں محمدؐ کا قریبی تلفظ مامح جو محمدؐ کے ہی معنی رکھتا ہے۔ دیا گیا ہے۔

(ب) سو خالص دینار عطا کیے جانا۔ یہ وہ صحابہ ہیں۔ جو رسول کریم کو مکہ معظمہ کی پُر مصائب زندگی میں ملے۔ مہاجرین حبشہ کی تعداد بھی تقریباً سو تھی۔

(ج) دس ہار دیئے جانا۔ یہ وہ عشرہ مبشرہ ہیں۔ جن کی مالی۔ جانی قربانیاں اس قدر بے نظیر تھیں کہ اسی زندگی میں ان کے اوج اقبال پر فائز المرام ہونے کی خوشخبری دے دی گئی۔ انہی کی نسبت وید نے بتایا کہ وہ جنت کے دس گلدستے ہیں۔

(د) تین سو گھوڑے دیئے جانا' جنگ بدر کے جان فروشوں کی تعداد بیان کی گئی ہے۔

(ہ) دس ہزار گائیں دیا جانا' فتح مکہ کے وقت رسول کریمؐ کے ہمراہیوں کی تعداد بیان کی گئی ہے۔ اس منتر میں قدوسیوں کو گائے سے تشبیہ دی ہے۔ کیونکہ وید میں گائے کو رعب اور ہلاکت اور رحم اور محبت کا مظہر قرار دیا گیا ہے۔

یہ دو متضاد صفات صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں ہی اکمل اور احسن طور پر پائی جاتی ہیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ.

یعنی محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے ساتھی کافروں کے مقابلہ میں قوی اور آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ہیں۔

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ.

یعنی مومنوں کے ساتھ عاجز اور کافروں پر غالب ہیں۔

دنیا کی تاریخ میں یہ ساری خوبیاں اور نشانات صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانح حیات میں ہی ملتی ہیں۔ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ جب ترتیب سے ان انعامات کے ملنے کا ذکر وید منتر میں ہے۔ اسی ترتیب سے یہ انعامات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملے پہلے سو سابقون الاولون ملے۔ پھر دس عشرہ مبشرہ کی گنتی پوری ہوئی۔ اس کے بعد جنگ بدر کا واقعہ پیش آیا آخر پر دس ہزار قدوسی ملے۔ کوئی شخص آپ کے سوا دنیا کے کسی اور رشی اور پیغمبر میں یہ باتیں ایک جگہ نہیں دکھا سکتا۔[1]

حضرت سلیمان کی بشارت

حضرت سلیمان علیہ السلام غزل الغزلات باب ۵ آیت ۱۵ میں فرماتے ہیں۔ (طبری الفاظ بخط عربی)

دودی صح وی ادوم دا نمول مز بابا

مطلب میرا دوست روشن چہرہ اور سرخ رنگ ہے دس ہزار میں ممتاز ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ حضور کا چہرہ مبارک روشن تھا۔ ۲۔ آپ کا رنگ سرخ تھا۔ شامی لوگوں کی طرح بالکل سفید نہ تھا۔ آپ اپنے دس ہزار قدوسیوں میں فتح مکہ کے وقت نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔

حضرت سلیمان نے آپ کا حلیہ مبارک بیان کر کے اس کے ساتھ دس ہزار میں ممتاز ہونا بتایا ہے جو خوبی دنیا کی تاریخ میں صرف ایک ہی شخص کو نصیب ہوتی ہے اور وہ وہی حضرت سلیمان کے محمد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کی وصیت میں فتح مکہ کے وقت دس ہزار قدوسی موجود تھے۔[2]

---

[1] میثاق النبیین حصہ اول مصنفہ عبدالحق ودیارتھی ص ۵۷ تا ۶۴
[2] میثاق النبیین حصہ اول مصنفہ مولوی عبدالحق ودیارتھی ص ۲۱۶

غزوہ حنین شوال ۸ھ

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِينَ (توبہ ۹:۲۵)

اور حنین کے دن جب تمہاری کثرت تمھیں اچھی لگی۔ پھر وہ تمھارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔

حنین

محل وقوع

حنین کے محل وقوع کے متعلق اختلاف ہے۔ مولانا شبلی سیرۃ النبی حصہ اول میں زرقانی کے حوالہ سے حنین کو مکہ اور طائف کے درمیان، عرب کے مشہور بازار ذوالمجاز کے پاس ایک وادی کا نام بتاتے ہیں۔[1]

محمد حمید اللہ صاحب استاد قانون بین الممالک جامعہ عثمانیہ اپنے کتابچہ ''عہد نبوی کے میدان جنگ''[2] میں اپنی مکمل تحقیق کے بعد لکھتے ہیں ''حنین غالباً اوطاس کی ایک وادی کا نام ہے''۔ پھر اوطاس کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔ ''اس نام کا پہاڑ یا وادی نہ تو مکہ اور طائف کے بیچ میں کہیں واقع ہے۔ نہ طائف کے آس پاس کسی جگہ۔ البتہ خدا بخشے۔ سلطان عبدالحمید خاں ثانی کو انھوں نے حجاز ریلوے بنوائی تو انجینئروں سے ایک نقشہ بھی تیار کرایا۔ اسی نقشے میں اوطاس طائف کے شمال مشرق میں کوئی تیس چالیس میل پر اب تک بھی مشہور ہونا بتایا گیا ہے''۔

جنگ کے وجوہ

جب مکہ فتح ہوگیا۔ تو تمام قبائل نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا نبی مان کر اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ لیکن ہوازن اور ثقیف کے قبائل نے سوچا کہ اگر ہم مسلمانوں کو شکست دے دیں۔ تو اہل مکہ کے جس قدر باغات و جاگیرات طائف میں ہیں۔ وہ بلا دغدغہ ہمارے ہو جائیں گے۔[3]

دوم: ان کا خیال تھا کہ مسلمان فتح مکہ کے بعد ان پر ہلہ بول کر ان کی ریاست اور امتیاز کو ختم کر دیں گے۔ چنانچہ بنو ہوازن کے رئیس مالک بن عوف نے ثقیف اور ہوازن کی تمام شاخوں کو جنگ پر آمادہ کیا۔ تاہم کعب اور کلاب الگ رہے۔ قبیلہ جشم کے کہنہ مشق درید بن الصمۃ کو بھی بحیثیت مشیر کے ساتھ لے لیا گیا۔ اس کی عمر اس وقت سو برس سے زیادہ ہو چکی تھی۔ اس کو پلنگ پر اٹھا کر میدان کارزار میں لائے۔ اس نے پوچھا یہ کون سا مقام ہے۔ لوگوں نے کہا ''اوطاس'' بولا۔ ''ہاں! یہ مقام جنگ کے لیے موزون ہے۔ اس کی زمین نہ اس قدر نرم ہے کہ پاؤں دھنس جائیں اور نہ اتنی سخت''۔

اس نے بچوں کے رونے کی آواز سنی۔ تو پوچھا کہ ''یہ بچوں کے رونے کی آوازیں کیسی آ رہی ہیں''۔ لوگوں نے جواب دیا۔ ''بچوں اور عورتوں کو اس لیے ساتھ لائے ہیں کہ کوئی شخص جنگ سے منہ نہ موڑے''۔ درید نے جواب دیا۔ ''میدان جنگ میں صرف تیغ و سنان کام آتے ہیں۔ بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی۔ تو عورتوں کی وجہ سے بے حد ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پھر پوچھا کہ ''کعب اور کلاب بھی لڑائی میں شریک ہوئے ہیں یا کہ نہیں''۔ جب اس کو یہ بتایا گیا کہ ان قبائل کا کوئی آدمی بھی شریک جنگ نہیں ہے تو کہا ''اگر آج کا دن عزت و شرف کا دن ہوتا۔ تو کعب و کلاب غیر حاضر نہ ہوتے''۔ اس کی یہ رائے بھی تھی کہ میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام میں لشکر جمع کیے جائیں۔ لیکن مالک بن عوف

[1] سیرۃ النبی حصہ اول ص ۵۳۰ [2] ص ۵۰ [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۶۳

نے اس رائے کو بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔[1]

جنگ کی تیاری

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے تصدیق کے لیے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو بھیجا۔ انھوں نے دشمن کی فوج میں کئی دن تک رہ کر حالات معلوم کیے۔ پھر مکہ واپس آئے۔ تو آپ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ آپ نے مجبوراً مقابلہ کی تیاری شروع کی۔ عبداللہ بن ربیعہ سے تیس ہزار درہم قرض[2] لیے۔ صفوان بن امیہ سے اسلحہ جنگ مستعار مانگے۔ اس نے ایک سو زرہیں پیش کیں۔ اور ساتھ ہی بقدر کفایت ہتھیار بھی مہیا کیے۔[3] عتاب بن امیہ کو مکہ کا گورنر مقرر فرمایا۔

شوال ۸ھ میں اسلامی لشکر جس کی تعداد ۱۲ ہزار تھی۔ پورے ساز و سامان کے ساتھ حنین کی طرف بڑھا۔ اپنی تعداد اور اسلحہ کی وجہ سے بعض صحابہ کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے۔ "آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ کو یہ الفاظ ناپسند نہ آئے۔ اب اللہ تعالیٰ یہ دکھانا چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی فتوحات محض اس کی نصرت اور فضل سے تھیں۔ آغاز جنگ میں مسلمانوں کو وہ نظارہ دیکھنا پڑا۔ جس کا ذکر عنوان باب میں نقل ہو چکا ہے۔ یعنی "حنین کے دن جب تمہاری کثرت تمھیں اچھی لگی۔ پھر وہ تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی۔ اور زمین باوجود اپنی فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے"۔

حنین کی لڑائی جبل اوطاس کے دروں اور پُر پیچ وادیوں کے قریب ہوئی تھی۔[4] دشمن لشکر اسلام کے آنے کی خبر سن کر پہاڑ کے دروں اور پیچیدہ گزرگاہوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جونہی مسلمان پیچیدہ گزرگاہوں میں ہو کر نشیب کی طرف اترے اچانک لشکر کفار نے کمین گاہوں سے نکل نکل کر تیر اندازی شروع کر دی۔ اس غیر متوقع حملے نے مسلمانوں کو سراسیمہ اور حواس باختہ کر دیا۔ دو ہزار طلقائے مکہ سب سے پہلے میدان چھوڑ کر بھاگے۔ ان کو دیکھ کر مسلمانوں میں بے ترتیبی اور پسپائی کی صورت پیدا ہو گئی۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس وقت مہاجرین‘ انصار اور اہل بیت میں سے حسب ذیل رفقاء موجود تھے۔

حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب۔ حضرت ابوسفیان بن حارث۔ حضرت جعفر بن ابی سفیان بن حارث۔ حضرت فضل بن عباس۔ حضرت ربیعہ بن حارث۔ حضرت اسامہ بن زید۔ حضرت ایمن بن ام ایمن۔

عارضی پسپائی کے مختلف اسباب تھے۔ مقدمتہ الجیش میں جو حضرت خالد بن ولید کی افسری میں تھا۔ زیادہ تر فتح مکہ کے نومسلم نوجوان تھے۔ وہ نخوت اور غرور میں اسلحہ حرب پہن کر بھی نہیں آئے تھے۔[5]

لشکر میں دو ہزار ایسے لوگ تھے جن کے دلوں میں اسلام راسخ نہیں ہوا تھا۔ جب ان کے پاؤں اکھڑے تو راسخ فی الاسلام مسلمانوں میں بھی بے ترتیبی پیدا ہو گئی۔

کفار نے میدان کارزار میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور تیر انداز کمین گاہوں میں چھپ گئے تھے۔ جب اسلامی لشکر میدان جنگ میں اترا۔ تو تیر اندازوں نے اچانک تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی اور مقدمتہ الجیش ابتری میں پیچھے ہٹا۔ تو تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔

اس جنگ میں کچھ لوگ محض اس غرض سے شریک ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو عین جنگ میں دھوکہ دیں۔ اگر موقع ملے تو حضور کو قتل کر دیں۔

رسول کریمؐ کی ثابت قدمی

تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ اسلامی لشکر میں بدنظمی اور افراتفری پھیل چکی تھی خدا کا نبی ایک کوہ ہمت بنا ہوا دشمن کے سامنے کھڑا جلال

---

1. طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۵۵ تا ۱۶۵۷۔ 2. مسند احمد ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۶ 3. زاد المعاد حصہ دوم ذکر غزوہ حنین۔
4. ابن ہشام ص ۸۴۰ مابعد 5. بخاری باب الجہاد

نبوت کے لہجہ میں فرما رہا تھا۔

''میں خدا کا بندہ ہوں اور اس کا رسول ہوں''۔[1]

بخاری کی دوسری روایت ہے۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب.

میں نبی ہوں۔ یہ جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

آپ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو۔ انھوں نے نعرہ مارا۔

یا معشر الانصار اے انصار کے گروہ!

یا اصحاب الشجرۃ اے درخت (کے نیچے بیعت کرنے) والو۔

جونہی یہ پکار اسلامی لشکر نے سنی دفعتہً آواز کی طرف پلٹ آئے۔ ایسا سخت حملہ کیا کہ لڑائی کا رنگ ہی بدل گیا۔ بنو ہوازن کے میدان جنگ میں بہت سے آدمی مارے گئے۔ باقی بھاگ نکلے۔ ثقیف کی ایک شاخ بنو مالک نے تھوڑی دیر میدان کارزار گرم رکھا آخر اپنے ستر آدمیوں کو میدان جنگ میں چھوڑ کر فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ان کا علم بردار عثمان بن عبداللہ بھی مارا گیا۔

شکست خوردہ فوج کا کچھ حصہ اوطاس میں پناہ گزین ہو گیا اور کچھ حصہ طائف میں محصور ہو گیا۔ جس کے ساتھ سپہ سالار لشکر مالک بن عوف بھی تھا۔

اوطاس

درید بن الصمۃ کئی ہزار کی جمعیت لے کر اوطاس آیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابو عامر اشعری کو تھوڑی سی فوج دے کر بھیجا۔ محصورین نے مقابلہ کیا۔ درید کے بیٹے نے حضرت ابو عامر اشعری کو شہید کر دیا۔ اور اسلامی جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کیا اور جھنڈا اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

حضرت ربیعہ اور درید کی لڑائی

درید ایک اونٹ پر ہودج میں سوار تھا۔ حضرت ربیعہ اس کی طرف بڑھے۔ درید نے ربیعہ سے ان کا مقصد پوچھا۔ تو انھوں نے فرمایا۔ ''میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں''۔ اس کے ساتھ ہی تلوار کا وار کیا۔ لیکن خالی گیا۔ درید نے ربیعہ سے کہا۔ ''تیری ماں نے تجھ کو اچھے ہتھیار نہیں دیئے''۔ پھر کہا۔ میرے محمل سے تلوار نکال لو۔ اس سے کام لو اور جب اپنی ماں کے پاس جانا تو کہنا۔ میں نے درید کو قتل کیا ہے''۔

حضرت ربیعہ نے یہ واقعہ اپنی والدہ محترمہ سے بیان کیا۔ تو انھوں نے کہا۔ خدا کی قسم درید نے تیری تین ماؤں کو آزاد کیا تھا۔[2]

محاصرہ طائف

طائف تقریباً تین ہزار فٹ کی بلندی پر ایک سطح مرتفع ہے مکہ سے وہاں پہنچنے کے تین راستے ہیں۔ قریب ترین راستہ جو عرفات سے گزر کر جبل کراء کے دامن میں پہنچتا ہے اور پھر ایک پہاڑی کی دشوار چڑھائی کے بعد طائف پہنچا دیتا ہے۔

دوسرا راستہ جو جعرانہ سے گزرتا ہے۔ اونٹوں کے ذریعے طے ہوتا ہے۔ تیسرا راستہ اب وادی نعمان اور مسیل سے گزر کر موٹر میں طے ہوتا ہے۔[3]

حنین کی بقیہ شکست خوردہ فوج طائف میں جا کر محصور ہو گئی۔ سال بھر کا رسد کا سامان جمع کیا۔ چاروں طرف منجنیق اور تیر انداز متعین کیے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود طائف کی طرف بڑھے۔ حضرت خالد بن ولید کو مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے روانہ کر دیا گیا تھا۔ غرض

[1] صحیح بخاری جلد دوم ص ۶۲۱ غزوۂ طائف۔ [2] طبری جلد ۲ صفحہ ۶۶۶ [3] عہد نبوی کے میدان جنگ از محمد حمید اللہ تلخیص صفحہ ۵۱

محاصرہ ہوا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منجنیق۔ دبابۂ عرادے اور اسی طرح قلعہ شکن آلات استعمال فرمائے۔[1] پھر معاشی دباؤ ڈالنے کے لیے بیرون قلعہ ان کے باغات کو تباہ کرنے کی دھمکی دی۔[2] لیکن اہل طائف کی درخواست پر باغوں کی مزید قطع و برید روک دی گئی۔

آپ نے ایک تدبیر اختیار کی وہ یہ کہ ایک اعلان کروایا کہ دشمن کے ملک سے جو غلام بھاگ کر آئے گا۔ اور اسلام قبول کرلے گا۔ وہ آزاد سمجھا جائے گا۔ اس اعلان کا بہت فائدہ ہوا۔[3]

ایک اور انتظام کیا وہ یہ کہ فصیل کے اطراف میں کانٹے بکھیر دیئے گئے۔[4]

ایک انتظام یہ کیا کہ محاصرے کے لیے منجنیق اور دبابوں وغیرہ کے بنانے اور چلانے کی تربیت حاصل کرنے کے لیے چند کاری گروں کو جرش نامی مقام پر روانہ فرمایا۔[5]

اہل طائف نے دبابوں پر لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں اور شدت سے تیروں کی بوچھاڑ کی۔ چنانچہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ بیس دن تک محاصرہ جاری رہا۔ لیکن شہر فتح نہ ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوفل بن معاویہ کو بلا کر مشورہ لیا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے جواب دیا۔ لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر کوشش جاری رہی تو پکڑی جائے گی۔ لیکن چھوڑ دی گئی۔ تو بھی کوئی نقصان نہیں۔

رسول کریمؐ نے حکم دیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ چلتے وقت یہ دعا کی۔ اللھم اھد ثقیفاً وائت بھم. اے خدا ثقیف کو ہدایت کر۔ اور ان کو میرے پاس لے آ۔

خدا تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی۔ تھوڑی دیر بعد یہ لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس سے اندازہ کرو کہ آپ کے دل میں بنی نوع انسان کے لیے کیسے مشفقانہ خیالات تھے کہ اس دشمن کے لیے بھی ہدایت کی دعا کرتے ہیں۔ جنھوں نے ایک عرصہ پہلے پتھر مار کر لہولہان کر دیا تھا۔ جو لوگ اسلام بزور شمشیر پھیلانے کا الزام لگاتے ہیں۔ ان کے لیے یہ کافی تسلی بخش جواب ہے کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگوں سے غرض تلوار کے زور سے اسلام کو پھیلانا تھا۔ تو اس کے کیا معنی کہ جو لوگ چند روز محاصرہ کو طول دینے سے مطیع و منقاد ہو سکتے ہیں۔ ان کو یونہی چھوڑ دیا جائے۔

تقسیم غنائم

محاصرہ چھوڑ کر آپ جعرانہ تشریف لائے۔ وہاں حضرت مسعود بن عمرو غفاری کی حفاظت میں بے شمار مال غنیمت پڑا ہوا تھا۔

چھ ہزار اسیران جنگ۔ چوبیس ہزار اونٹ۔ چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔[6]

مال غنیمت کے پانچ حصے کیے گئے۔ چار حصے حسب قاعدہ فوج میں تقسیم کیے گئے۔ خمس بیت المال اور غرباء و مساکین کے لیے رکھا گیا۔

رضاعی بہن کا احترام

اسیروں میں حضرت شیما بنت حارث (حضرت حلیمہ کی صاحبزادی) بھی تھیں۔ لوگوں نے جب اسے گرفتار کیا۔ تو اس نے کہا۔ "تعلموا واللہ انی لاخت صاحبکم من الرضاعة" جانتے نہیں ہو کہ میں تمھارے سردار کی رضاعی بہن ہوں۔ لوگوں کو یقین نہ آیا تو انھیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ تو حضرت شیما نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی۔ ایک دفعہ بچپن میں آپ نے کاٹا تھا۔ اس کا نشان تھا۔ فرط محبت سے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بیٹھنے کے لیے ردائے مبارک بچھا دی۔ اور فرمایا۔ "اے بہن تم میرے ہاں رہنا چاہو تو تمہارا گھر ہے اور واپس جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے"۔[7]

حضرت شیما نے گھر واپس جانا چاہا۔ تو چند شتر اور بکریاں عنایت فرمائیں اور عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا وہ اسی روز مسلمان ہو گئی تھیں۔

1. ابن ہشام صفحہ ۸۷۲ 2. ابن ہشام صفحہ ۸۷۳ 3. ابن ہشام ۸۷۴ 4. واقدی ۲۰۸ ب
5. ابن ہشام صفحہ ۸۶۹ 6. طبقات ابن سعد 7. طبقات ابن سعد۔ واصابہ

روساء مکہ کی دلجوئی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کے اکثر روساء جنھوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا۔ جن کو قرآن مجید نے مولفتہ القلوب کہا ہے۔ ان کو فیاضانہ انعامات دیئے جن کی تفصیل یہ ہے۔

ابوسفیان مع اولاد	۳۰۰ اونٹ اور ۱۲۰ اوقیہ چاندی
حکیم بن حزام	۲۰۰ اونٹ
نضیر بن حارث بن کلاہ ثقفی	۱۰۰ اونٹ
قیس بن عدی	۱۰۰ اونٹ
سہیل بن عمرو	۱۰۰ اونٹ
حویطب بن عبدالعزی	۱۰۰ اونٹ

ان کے علاوہ تین غیر ملکی جدید الاسلام روساء کو بھی انعامات دیئے گئے۔

اقرع بن حابس	۱۰۰ اونٹ
عیینہ بن حصن فزاری	۱۰۰ اونٹ
مالک بن عوف نصری	۱۰۰ اونٹ[۱]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدید الاسلام روساء مکہ پر یہ فیاضانہ داد و دہش انصار نے دیکھی۔ تو ان کو گوارا نہ ہوسکی ان میں سے بعض نے کہا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو انعامات دیئے ہیں۔ اور ہم کو محروم رکھا ہے۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ بعض کی زبان سے یہ کلمات نکلے کہ مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے۔

یہ اطلاع حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پہنچی۔ آپ نے سعد سے کہا کہ "آپ انصار کو اس باغیچہ میں جمع کیجئے۔ میں ابھی آتا ہوں۔ جب انصار اکٹھے ہوئے تو آپ نے ان سے خطاب کیا۔ کہ تم نے ایسا کہا ہے؟ انصار نے عرض کیا کہ "ہمارے ذمہ دار لوگوں میں سے کسی نے نہیں کہا۔ نوخیز نوجوانوں نے یہ فقرے کہے تھے۔[۲]

اس تصدیق کے بعد آپ نے خطبہ دیا۔ کیا سچ نہیں۔ کہ تم پہلے گمراہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ تم کو ہدایت کی' تم منتشر اور پراگندہ تھے' خدا نے...... میرے ذریعہ تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ تم کو دولت مند کیا ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ "خدا اور اس کے رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے"۔[۳]

آپ نے فرمایا کہ اے انصار تم مجھے یہ بھی کہہ سکتے ہو۔ اور سچ کہنے والے ہو گے کہ تم ہمارے پاس اس حالت میں آئے۔ جب تمھاری قوم نے تم کو جھٹلایا۔ ہم نے تمھاری تصدیق کی۔ جب کوئی بھی تمہاری مدد کرنے والا نہ تھا۔ ہم نے تمھاری نصرت کی اور تم اکیلے گھر سے نکالے گئے تھے۔ ہم نے تم کو پناہ دی۔

مدد سے بھری ہوئی آواز میں ڈوب کر فرمایا۔ "اے انصار! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ لوگ اپنے گھروں کو اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔

قسم ہے اس ذات کی۔ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر لوگ ایک راستہ پر چلیں اور انصار اور راستہ پر چلیں تو میں اس رستہ پر چلوں گا۔ جس پر انصار چلیں'۔ یہ پر خلوص تقریر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کی کیفیت بتاتی ہے کہ دنیا کا مال ومتاع آپ کی نگاہ میں کیا وقعت رکھتا تھا۔

---

[۱] سیرۃ النبی حصہ اوّل ص ۵۴۳ [۲] صحیح بخاری باب غزوہ طائف [۳] ایضاً

انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ ”ہم کو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درکار ہیں۔ ان کا یہ حال تھا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہو گئیں۔

چھ ہزار اسیروں کی رہائی

اس کے بعد قبیلہ ثقیف کا ایک وفد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اسیران جنگ رہا کر دیئے جائیں۔ آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہؓ اسی قبیلہ کی تھیں۔ رئیس قبیلہ زہیر بن صُرَد نے کھڑے ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کر کے تقریر کی۔ ”ان اسیروں میں بعض عورتیں آپ کی پھوپھیاں ہیں۔ بعض آپ کی خالائیں۔ خدا کی قسم! اگر سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں۔ اور آپ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں“۔ آپ نے فرمایا کہ ”خاندان عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہے۔ وہ آزاد ہے۔ لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو“۔ نماز ظہر کے بعد ان لوگوں نے یہ درخواست پیش کی۔ آپ نے فرمایا۔ ”مجھ کو صرف اپنے خاندان کے حصہ پر اختیار ہے لیکن میں تمام مسلمانوں سے اسیروں کی رہائی کی سفارش کرتا ہوں“۔ تمام مسلمان بول اٹھے۔ ”ہمارا حصہ بھی حاضر ہے“۔ اس طرح چھ ہزار اسیر ایک لمحہ میں آزاد ہو گئے۔[1]

مالک بن عوف کا مسلمان ہونا

اس موقعہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالک بن عوف کے متعلق دریافت فرمایا وفد نے عرض کیا۔ ”مالک ابھی تک طائف میں بنو ثقیف کے ہاں پڑا ہے“۔ آپ نے فرمایا کہ ”مالک اگر خود اطاعت قبول کر کے آ جائے۔ تو اس کے تمام اہل و عیال اور تمام مال و اسباب کے علاوہ اسے ایک سو شتر اور عطا ہوں گے۔

مالک نے یہ خبر سنی تو فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسلام قبول کیا۔ حسب فرمان اپنے زن و بچہ اور ایک سو شتر لے کر چلا گیا۔

مکہ کا پہلا امیر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعرانہ سے مکہ جاتے ہوئے عمرہ کی نیت کی۔ مکہ میں داخل ہوئے۔ عمرہ کے ارکان سے فارغ ہوئے۔ مہاجرین اور انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت عتاب بن اسید کو مکہ کا عامل مقرر کیا۔ ان کی عمر بیس برس سے کچھ زیادہ تھی۔ معاذ بن جبل کو بغرض تعلیم قرآن اور احکام دین ان کے پاس چھوڑا۔ عتاب بن اسید کو مکہ کا امیر اور عامل اس لیے مقرر کیا کہ ان کو دینی واقفیت حاصل کرنے کا بہت ہی شوق تھا۔ ایک درم روز عتاب کے لیے وظیفہ مقرر کیا تا کہ وہ کسی کے دست نگر نہ رہیں۔

ذی قعدہ ۸ ہجری کو اپنے صحابہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ تو طائف کے ایک سردار حضرت عروہ بن مسعود جو محاصرہ کے ایام میں طائف کے اندر نہ تھے۔ محاصرہ اٹھ جانے کے بعد طائف میں آئے۔ جب ان کو یہ خبر ملی کہ آپ مدینہ کی طرف چلے گئے ہیں۔ تو وہ آپ کے پیچھے روانہ ہو پڑے۔ مدینہ میں داخل ہونے سے قبل ہی راستہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہوئے اور آپ سے عرض کی کہ اجازت دیجئے کہ میں واپس جا کر اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیری قوم کو غرور ہے۔ مسلمان ان کو فتح نہیں کر سکے۔ وہ تیری بات نہیں سنیں گے بلکہ خوف ہے کہ تجھے قتل کر دیں گے۔

حضرت عروہ نے عرض کی کہ میری قوم مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔ اس وجہ سے میری بات کو رد نہیں کریں گے۔ ان کے اس اصرار پر آپ نے تبلیغ اسلام کی اجازت دے دی۔ وہ طائف میں آئے۔ ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر اہل طائف کو اسلام کی طرف بلایا۔ سنگ دلوں نے ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ اور وہ شہید ہو گئے۔ آخری وقت یہ وصیت کی کہ مجھے ان شہداء کے پاس دفن کرنا جو یہاں ایام محاصرہ

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۷۶

میں شہید ہو کر دفن ہوئے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب عروہ کی شہادت کا حال سنا تو فرمایا کہ ''عروہ اپنی قوم میں ایسا ہی تھا۔ جیسا کہ صاحب یٰسین اپنی قوم میں''۔

متفرق واقعات

اسی سال آپ کے صاحبزادے ابراہیمؑ حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ تقریباً سترہ اٹھارہ ماہ کی عمر میں فوت ہو گئے۔

اسی سال آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے انتقال کیا۔

اسی سال کے آخری ایام میں آپ کے لیے لکڑی کا منبر بنایا گیا۔ جس پر بیٹھ کر آپؐ خطبہ فرمایا کرتے تھے۔

اسی سال منذر بن ساوی حاکم بحرین کو جو آپؐ کا خط دیکھتے ہی مسلمان ہو گیا تھا۔ ایک حکم نامہ بھیجا۔ جس کی رو سے وہ یہودیوں اور مجوسیوں سے جزیہ وصول کرنے لگا۔

اسی سال شاعر اسلام کعب بن زہیر (وحشی قاتل حضرت حمزہؓ) ابولہب کے ''بیٹے عتبہ اور معتب۔ سہیل بن عمرو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ رسول کریمؐ ان کے ایمان لانے پر بہت خوش ہوئے۔

غزوہ فتح مکہ اور غزوہ حنین کے بعد کے سرایا اور واقعات

غزوہ فتح مکہ اور غزوہ حنین کے بعد تمام عرب پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا اور اسلام کے احکام نافذ کرنے کا وقت آ گیا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے معاشی استحکام کی طرف توجہ دی۔ ۹ھ کا ہلال محرم طلوع ہوتے ہی آپ نے صدقات و زکوٰۃ کی وصولی کے لیے مختلف قبائل کی طرف عمال روانہ فرمائے۔ جن کی فہرست حسب ذیل ہے۔

عمال کے نام	قبائل کے نام جن سے وصول کی گئی
۱۔ عیینہ بن حصن	بنو تمیم
۲۔ یزید بن الحصین	اسلم اور غفار
۳۔ عباد بن بشیر اشہلی	سلیم اور مزینہ
۴۔ رافع بن مکیث	جہینہ
۵۔ عمرو بن العاص	بنو فزارہ
۶۔ ضحاک بن سفیان	بنو کلاب
۷۔ بشیر بن سفیان	بنو کعب
۸۔ ابن اللبیعہ ازدی	بنو ذبیان
۹۔ مہاجر بن امیہ	شہر صنعاء
۱۰۔ زیاد بن بسید	حضرت موت
۱۱۔ عدی بن حاتم	طے اور بنو اسد
۱۲۔ مالک بن نویرہ	بنو حنظلہ
۱۳۔ زبرقان بن بدر	بنو سعد (کی ایک شاخ)
۱۴۔ قیس بن عاصم	بنو سعد (کی دوسری شاخ)
۱۵۔ علاء بن الحضرمی	علاقہ بحرین
۱۶۔ علی بن ابی طالب[1]	علاقہ نجران (زکوٰۃ اور خیر وصول کرنے کے لیے)

اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے بعد قبائل کس طرح جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ فوجی دستے جو مختلف سمتوں میں روانہ کیے گئے تھے۔ ان کا مقصد محض امن عام قائم کرنا مقصود تھا۔ باوجود تمام عرب مطیع ہو جانے کے پھر بعض جگہ امن عام کا مسئلہ پیدا ہو جاتا تھا۔

۱۔ سریہ بنو تمیم

(محرم ۹ھ) عیینہ بن حصن فزاری کی قیادت میں پچاس سواروں کا ایک دستہ بنو تمیم کی طرف بھیجا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ بنو تمیم نے قبائل کو بھڑکا کر جزیہ کی ادائیگی سے روک دیا تھا۔

اسلامی دستہ رات کو سفر کرتا اور دن کو چھپتے ہوئے آگے بڑھتا۔ یہاں تک صحرا میں بنو تمیم پر حملہ کر دیا۔ وہ لوگ بھاگ گئے۔ ان کے گیارہ آدمی اور اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار ہوئے اور ان کو رملہ بنت حارث کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔ اس اثناء میں دس روساء کا ایک وفد آن پہنچا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو معاف کر دیا اور قیدیوں کو رہا کر دیا۔

[1] ان عمال کی روانگی یکبارنہیں ہوئی تھی بلکہ وقتہ وقتہ کے بعد عمال کو قبائل کی طرف بھیجا گیا۔

۲۔ سریہ قطبہ بن عامر

مکہ کے شمال میں قربہ کے قریب تبالہ کے علاقہ میں قبیلہ خثعم کے فتنہ کو روکنے کے لیے بیس افراد کا ایک دستہ قطبہ بن عامر کی قیادت میں بھیجا۔ شدید مقابلہ کے بعد مال غنیمت ساتھ واپس مدینہ آئے۔

۳۔ سریہ بنو کلاب ربیع الاول ۹ھ

یہ سریہ ضحاک بن سفیان کی قیادت میں ایک دستہ بنو کلاب کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا لیکن انھوں نے انکار کر دیا ساتھ مزاحمت کی۔ مقابلہ ہوا۔ بنو کلاب کو شکست ہوئی۔ اور ان کا ایک آدمی قتل ہوا۔

۴۔ سریہ عبداللہ بن حذافہ ربیع الاول ۹ھ

حبشہ کے کچھ لوگ ساحل جدہ پر آ گئے اور اہل مکہ کے خلاف حملۂ ڈاکہ زنی کرنا چاہتے تھے۔ عبداللہ بن حذافہ القرطی کی قیادت میں تین سو آدمیوں کا دستہ روانہ کیا۔ اس سریہ کے جانے سے یہ لوگ منتشر ہو گئے۔

مہم سریہ بنو طے ربیع الاول ۹ھ (سریہ علی بن ابی طالب)

حضرت علیؓ کی قیادت میں ایک مہم قبیلہ طے کے ایک بت قلس (کلیسا) کو ڈھانے کے لیے بھیجی۔ مقابلے میں انھیں شکست ہوئی حاتم طائی کا بیٹا بھاگ گیا۔ اور ان کی بیٹی سفانہ گرفتار ہوئی۔ آپ کے سامنے اسے پیش کیا گیا آپ نے اسے اپنی چادر عنایت فرمائی۔ اور آل حاتم کو رہا کر دیا۔

رہائی کے بعد

سفانہ جب شام گئیں۔ تو اپنے بھائی عدی کو ساری کیفیت سنائی۔ عدی بہت متاثر ہوا اور بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر حجرہ مبارک کی طرف روانہ ہوئے۔ تو درمیان میں ایک بڑھیا نے اپنی حاجات بیان کرنا شروع کر دیں۔ جب بڑھیا سے فارغ ہوئے تو آپ عدی کو ساتھ لے کر حجرہ مبارک میں داخل ہوئے۔ اپنا سادہ بستر عدی کے لیے بچھایا اور فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔ عدی بہت اصرار کے بعد بستر پر بیٹھ گئے اور آپ سامنے زمین پر رونق افروز رہے۔

آپ نے فرمایا ''عدی! اسلام قبول کر لو کیونکہ اسلام قبول کرنے میں دین و دنیا کی فلاح ہے''۔

عدی نے کہا۔ میں تو مستقل دین عیسائیت پر ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمھارے دین سے تم سے زیادہ واقف ہوں۔ اس میں تحریف کی گئی ہے اور علماء نصاریٰ نے خود ساختہ عقائد دین عیسوی میں داخل کر دیے ہیں۔

آپ نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ عدی! تم اس دین کو اس وجہ سے قبول نہیں کرتے کہ سب لوگ کمزور نادار اور مفلس ہیں اور ان کے مقابل مشرک اور عیسائی قومیں متمول ہیں۔ بخدا ان مفلس لوگوں میں اس قدر مال آنے والا ہے کہ ایک متمول شخص کسی سائل کی تلاش میں نکلے گا۔ تو اس کو کوئی مال قبول کرنے والا نہ ملے گا۔

عدی! شاید تم اس دین میں اس وجہ سے شامل نہیں ہوتے کہ ہم لوگ تعداد میں قلیل ہیں اور ہمارے دشمن زیادہ ہیں۔ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ وہ وقت قریب آ رہا ہے۔ جب تو سن لے گا کہ اکیلی عورت قادسیہ سے چلے گی اور بیت اللہ کا حج کرے گی اور اسے کسی کا ڈر خوف نہ ہوگا۔

عدی! اس دین میں داخل ہونے سے شاید تم کو یہ امر بھی مانع ہے کہ مسلمانوں کے پاس حکومت اور سلطنت نہیں ہے۔ اے عدی! تو عنقریب سن لے گا کہ بابل کے قصور ابیض مسلمانوں کے ہاتھ پر مفتوح ہوں گے۔

عدی نے ان کلمات کو سن کر خیر البشرؐ کی غلامی کا جوا ''اپنی گردن پر رکھ لیا اور اپنی زندگی میں ہی ارض بابل کے محلات مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہوتے اور ایک بڑھیا کو قادسیہ سے مکہ تک حج کے لیے اکیلی آتے دیکھ لیا۔

غزوہ تبوک ۹ھ

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَيَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (توبہ ۹: ۱۱۷)

ترجمہ: اللہ نے نبیؐ پر اور ان مہاجرین اور انصار پر رحمت سے توجہ فرمائی۔ جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں اس کا ساتھ دیا۔ اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل پھر جاتے۔ پھران پر رحمت سے متوجہ ہوا بے شک وہ ان پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

مسلمانوں کی ہمدردی بت پرستوں اور آتش پرستوں کے خلاف اہل کتاب سے تھی۔ جب ایرانی فوجوں نے بعثت نبوی کے آٹھویں سال شام کا ملک فتح کر کے بیت المقدس پر قبضہ کیا۔ اور نصرانیوں سے صلیب چھین کر لے گئے۔ ساتھ ہی فلسطین کے تمام علاقہ کو فتح کر کے اسکندریہ تک پہنچ گئے۔ مشرکین مکہ نے ایرانیوں کی فتوحات پر بڑی خوشیاں منائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ. (روم ۳۰: ۱......۴)

یعنی رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد پھر غالب آئیں گے۔ نو سال کے اندر اندر چنانچہ ہجرت کے دوسرے سال رومیوں نے ایرانیوں پر فتح عظیم حاصل کی۔ تو مسلمان رومیوں کی عظیم کامیابی پر خوش ہوئے۔ لیکن جب ملک عرب میں چاروں طرف اسلام کا غلغلہ بلند ہوا۔ تو سلطنت روما نے اس ترقی کو حسد کی نظر سے دیکھا پہلی لڑائی موتہ کے مقام پر ہوئی۔ جس میں رومیوں کے لشکر جرار نے شکست کھائی۔ اس ہزیمت کا انتقام لینے کے لیے قیصر روم نے غسانی خاندان کو جو شام میں رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا۔ اس مہم پر متعین کیا۔

شام کے قبطی سوداگر مدینہ میں آئے۔ انھوں نے خبر دی[1] کہ قیصر نے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے لشکر گراں جمع کیا ہے اور فوج میں سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں۔ اس فوج میں لخم جذام اور غسان کے تمام عرب شامل ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیال فرمایا کہ حملہ آور فوج کی مدافعت دور سرحد پر ہونی چاہیے تاکہ اندرون ملک امن کی فضا مکدر نہ ہو۔ اس بناء پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوج کی تیاری کا حکم دے دیا۔ مگر کئی ایک موانع بھی تھے۔ سفر بڑا لمبا تھا۔ شدت کی گرمی تھی۔ فصل پکی ہوئی تھی۔ اور کاٹنے کا موسم تھا۔ اس وجہ سے یہ وقت سخت آزمائش کا تھا۔ مگر اسلامی مہم اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد جان نثاران اسلام پر اثر کیے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔

منافق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آتے عذر تراشتے اور مدینہ میں رہنے کی اجازت طلب کرتے آپ کی عادت تھی کہ جب آپ کے سامنے کوئی عذر کرتا تو آپ انکار نہ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ دوسروں کے حوصلے پست کرنے کے لیے کہتے۔ "لا تنفروا فی الحر"، گرمی میں نہ نکلو۔

سویلم ایک یہودی تھا۔ اس کے گھر منافق جمع ہوتے اور لوگوں کو لڑائی میں شمولیت سے روکنے کی تدابیر سوچتے۔

[1] مواہب لدنیہ مع زرقانی جلد ۳ صفحہ ۶۷

مالی اعانت

سفر لمبا تھا۔ مسلمان بے سروسامان تھے۔ یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امراء سے اپیل کی کہ غریب وفادار مجاہدین کی اعانت کریں۔ صحابہ میں سے حضرت عثمان غنیؓ نے ایک ہزار اونٹ ایک سو گھوڑے اور دس ہزار دینار چندہ میں دیے۔ ان کو مجھز جیش العسرۃ کا خطاب ملا۔[1]

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے چالیس ہزار درہم دیئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کا تمام اثاثہ لا کر چندہ میں دے دیا۔ اور کہا کہ اہل وعیال کو خدا کے سپرد کر آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے گھر کا نصف مال واسباب آپ کی خدمت میں پیش کیا۔

حضرت ابوعقیل انصاری نے دو سیر چھوہارے لا کر پیش کیے اور کہا: "رات بھر پانی نکال نکال کر ایک کھیت کو سیراب کر کے چار سیر چھوہارے مزدوری میں کمائے ہیں۔ ان میں سے دو سیر بیوی کے لیے چھوڑ آیا ہوں اور دو سیر آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ان چھوہاروں کو جملہ سازوسامان پر بکھیر دو۔

غرض تیس ہزار فوج تیار ہوئی۔ بہت سے مسلمان اس وجہ سے رہ گئے۔ سفر کا سامان نہیں رکھتے تھے۔ وہ آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اپنے شوق کا اظہار آنسوؤں سے کرتے۔ آپ کو ان پر رحم آتا تاہم ان کے لیے کچھ سامان نہ ہو سکا۔ انہی کی شان میں سورہ توبہ کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُمَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَايُنْفِقُوْنَ. (توبہ ۹:۹۲)

اور نہ ان لوگوں پر اعتراض ہے کہ جب وہ تیرے پاس آئے تاکہ تو ان کو سواری دے اور تو نے کہا کہ میرے پاس سواری کہاں ہے۔ جس پر تم کو سوار کر سکوں۔ تو وہ واپس چلے گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ افسوس! ان کے پاس خرچ نہیں ہے۔

رجب ۹ھ کو تیس ہزار کا لشکر جس میں دس ہزار گھوڑے تھے مدینہ سے تبوک کی طرف روانہ ہوا۔ تبوک ایک مشہور مقام ہے۔ جو مدینہ اور دمشق کے وسط میں نصف راہ پر مدینہ سے ۱۴ منزل پر ہے۔

رسول کریمؐ کا معمول تھا کہ جب آپ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو کسی کو شہر کا حاکم مقرر کر جاتے۔ اس موقع پر مدینہ میں سباع بن عرفطہ کو مدینہ کا گورنر بنایا اور حضرت علیؓ کو اہل بیت کی حفاظت اور ضروریات کے لیے مامور فرمایا۔

صحابہ کو آپؐ کے ساتھ کس قسم کی محبت تھی۔ اس کا اس واقعہ سے اظہار ہوتا ہے کہ ایک صحابی اپنے باغ میں ٹھنڈی چھاؤں میں دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے۔ معاً دل میں خیال آیا اور پکار اٹھے کہ خیر البشرؐ تو اس گرمی میں حالت سفر میں ہوں اور میں یہاں باغ میں آرام کروں۔ فوراً سواری لی اور ساتھ مل گئے۔

لشکر میں سواریوں کی بڑی قلت تھی۔ ۱۸ مجاہدین کے لیے ایک اونٹ مقرر تھا۔ رسد کے نہ ہونے کی وجہ سے درختوں کے پتے کھانے پڑتے تھے۔ جس سے ہونٹ متورم ہو گئے بعض جگہ پانی میسر نہیں آیا تو اونٹوں کو ذبح کر کے ان کی امعاء کا پانی استعمال کیا۔

راستہ میں حجر کا مقام تھا۔ جہاں قوم ثمود پر عذاب نازل ہوا تھا۔ آپ نے حکم فرمایا کہ کوئی شخص یہاں قیام نہ کرے۔ نہ پانی پیئے اور نہ کسی کام میں لائے۔

یہ مسلم قوم کو سبق دینا تھا کہ ظالموں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔

---

[1] مختلف مصادر میں غزوہ تبوک میں حضرت عثمان کی اعانت مختلف بیان کی گئی ہے۔

ابھی تبوک کے راستہ ہی میں تھے کہ حضرت علیؓ بھی پہنچ گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے آنے کی وجہ دریافت فرمائی۔ تو حضرت علیؓ نے کہا کہ منافق نکما ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ میں نے اس طعنہ کو برداشت نہ کیا۔ اس وجہ سے لشکر کے ساتھ آ ملا ہوں۔ تو آپ نے "الا ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسٰی الا انه لا نبی بعدی" علی تم اس پر خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لیے ویسے ہی ہو۔ جیسا کہ موسیٰؑ کے لیے ہارون تھے۔ گو میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ مدینہ واپس تشریف لے گئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بغیر جنگ کے واپس آنا

تبوک پہنچ کر آپ نے ڈیرہ ڈال دیا۔ رومیوں اور ان کے حلیفوں نے حالات کا جائزہ لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے جرار لشکر کو دیکھ کر اور اس واقعہ کو یاد کر کے جب موتہ کے مقام پر تین ہزار مسلمانوں نے ایک لاکھ فوج کا مقابلہ کیا تھا۔ غسان۔ جذام۔ لخم وغیرہ قبائل کے حوصلے پست ہو گئے اور قیصر روم نے حالت تذبذب میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کا کوئی فیصلہ نہ کیا۔ غرض آپ نے سرحد کو امن میں پایا۔ اگر آپ کا ارادہ تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان بنانا ہوتا تو آپ کو روم کی سرحد میں داخل ہونے سے کون روک سکتا تھا۔ آپ کے ساتھ رفقا بھی وہ تھے۔ جو زندگی سے موت کو محبوب سمجھتے تھے کیونکہ آپ کا مقصد صرف اپنے علاقہ کی سرحد کو محفوظ رکھنا تھا۔ ملک گیری کی ہوس آپ کے دل میں نہ تھی۔ اس وجہ سے آپ نے قرآن کریم کے اس حکم کی تعمیل کی کہ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑائی کرو۔ جو تمھارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ بیس دن قیام کر کے واپس تشریف لے آئے۔

اس اثناء میں ایلہ کے سردار نے جس کا نام یوحنا تھا۔ بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہو کر جزیہ دینا منظور کیا۔ ایک سفید خچر بھی نذرانہ کے طور پیش کی۔ جس کے صلہ میں آپ نے اس کو چادر عنایت کی۔[1] جربا اور اذرح کے عیسائی بھی آئے۔ انھوں نے بھی جزیہ ادا کرنے کا اقرار کیا اور آپ نے صلح نامہ لکھ دیا۔ دومتہ الجندل دمشق سے پانچ منزل ہے۔ وہاں کے سردار کا نام اکیدر تھا۔ جو قیصر کے زیر اثر تھا۔ آپ نے حضرت خالد بن ولید کو چار سو بیس سواروں کی جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ حضرت خالد نے اس کو گرفتار کر لیا اور اس شرط پر رہائی دی کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے۔ چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ آیا۔ آپ نے اس کو امان دی۔

---

[1] زرقانی بحوالہ ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۸۶

غزوہ تبوک کے بعد اہم واقعات

ا۔ مسجد ضرار کا انہدام

منافقین نے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لیے مسجد قبا کے مقابلہ پر وہیں ایک مسجد بنائی۔ جو لوگ ضعف یا کسی بیماری کی وجہ سے مسجد نبوی میں نہ پہنچ سکیں۔ تو یہاں آ کر نماز ادا کریں۔ اور ان کو اسلام کے خلاف برگشتہ کیا جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تبوک جانے لگے۔ تو منافقین نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم نے معذوروں کے لیے ایک مسجد تیار کی ہے۔ آپ وہاں ایک نماز پڑھا دیں تا کہ وہ بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت میں مہم پر جا رہا ہوں۔ جب مہم سے واپس لوٹے۔ تو مالکؓ اور معنؓ بن عدی کو حکم دیا کہ جا کر مسجد کو آگ لگا دیں۔ اسی مسجد کے بارہ میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى. وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ. لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ. فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ. (توبہ ۹:۱۰۸)

اور وہ جنھوں نے اس غرض سے مسجد بنائی کہ دکھ پہنچایا جائے اور کفر کیا جائے۔ اور مومنوں میں پھوٹ ڈالی جائے اور اس شخص کے لیے گھات جو پہلے سے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑ رہا ہے اور وہ یقیناً قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ سوائے بھلائی کے کچھ نہ تھا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اور اس میں کبھی کھڑا نہ ہونا۔ یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ پاک ہو جائیں۔ اور اللہ پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

۲۔ مخلّفین :۔ کعب بن مالک۔ مرارہ۔ ہلال کا واقعہ

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس لوٹے۔ تو منافق بہت پریشان ہوئے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عذر لنگ تراشے۔ آپ نے سب کو معاف فرما دیا لیکن یہ تین مخلص صحابی تھے۔ جو اپنی سستی و کاہلی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو اپنی سستی کا اعتراف کیا۔ اپنی اس صداقت کی وجہ سے ایک امتحان دینا پڑا۔

ان کا ذکر صحیح احادیث میں آتا ہے اور ایک طویل حدیث میں خود کعب نے بیان کیا ہے کہ وہ غزوہ تبوک میں ایک سے دوسرے دن پر ملتوی کرتے کرتے پیچھے رہ گئے تھے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس لوٹے۔ منافق تو جھوٹے عذر تراش کر معافی لیتے جاتے تھے۔ کعب اور ان کے دونوں ساتھیوں نے آپ سے سچ سچ کہہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک اللہ کا ان کے بارہ میں کوئی حکم نازل نہ ہو۔ مسلمان ان سے قطع تعلق کر لیں۔ پچاس دن تک ان تینوں کی یہی حالت رہی۔ کوئی شخص ان سے کلام نہ کرتا تھا۔

کعب کہتے ہیں کہ میں مسجد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے بھی آتا۔ مگر کوئی شخص مجھ سے کلام نہ کرتا تھا۔ انہی ایام میں جب ایک دن میں بازار میں جا رہا تھا۔ ملک غسان کے قاصد نے مجھے ایک رقعہ دیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تمھارے صاحب نے تمھارے ساتھ سختی کی ہے اور اہانت کا برتاؤ کیا ہے۔ تم ہمارے پاس چلے آؤ۔ تو ہم تم سے ہمدردی کریں گے۔

حضرت کعب کہتے ہیں میں نے سمجھا۔ یہ بھی ایک آزمائش ہے۔ میں اس قاصد کو لے کر تنور کی طرف چل دیا اور خط تنور میں جلا دیا اور

قاصد سے کہا۔ ''جاؤ کہہ دینا کہ آپ کی عنایات والتفات سے مجھے اپنے آقا کی بے التفاتی لاکھ درجہ بہتر وخوشتر ہے''۔

پچاس دن کے بعد رسول کریم پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا. حَتّٰىٓ اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. (توبہ ۹:۱۱۸)

اور ان تین پر جو پیچھے رکھے گئے تھے۔ یہاں تک کہ زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی۔ اور وہ اپنی جانوں سے بھی تنگ آ گئے اور یقین کر لیا کہ اللہ (کی سزا) سے سوائے اس کے کوئی پناہ نہیں۔ تب وہ رحمت سے ان پر پھر آیا تا کہ وہ بھی پھر آئیں۔ بے شک اللہ بہت رحمت سے پھر آنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (توبہ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تینوں کو بلایا اور بشارت دی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو صداقت سے کس قدر محبت تھی۔ اس کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کی پرواہ نہیں کی۔ اگر ایک طرف صحابہ کا گروہ اپنی جان نثاری، مال و جان کی قربانی میں اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتا۔ تو دوسری طرف اخلاق حمیدہ میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں۔ یہی وہ انقلاب عظیم ہے۔ جو آپ کی قوت قدسیہ سے رونما ہوا۔ ان کو خدا تعالیٰ نے وہ ارفع مقام عطا فرمایا جو دنیا کی کسی قوم کو نہیں ملا۔ (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ)

۳۔ حج اسلام اور اعلان برأت (زیر امارت حضرت ابوبکرؓ)

غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ذی قعدہ یا ذوالحج ۹ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو تین سو حاجیوں کا امیر مقرر کر کے حج کے لیے مکہ روانہ کیا۔ آپ کی روانگی کے بعد حضرت علیؓ کو روانہ کیا کہ سورہ توبہ کی پہلی چالیس آیات پڑھ کر سنائیں۔ جن میں ان مشرکین سے علیحدگی کا اعلان کیا گیا ہے۔ جو بار بار عہد شکنی کا ارتکاب کرتے تھے۔ مسلمانوں کو مشرکین سے سب سے بڑی مصیبت یہی پہنچتی تھی کہ ایک دن مسلمانوں سے عہد کر لیتے۔ اگلے دن جب مخالفین کا دباؤ پڑتا تو عہد شکنی کر دیتے۔ اس بدعہدی کے خاتمے کے لیے بحکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ نے جمرہ کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں میں تمام عہد والوں کا عہد ختم کر دیا۔ انھیں چار مہینے کی مہلت دی' اس طرح جن کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہ تھا انھیں بھی چار مہینے کی مہلت دی۔ البتہ جن مشرکین نے مسلمانوں سے عہد نبھانے میں کوئی کوتاہی نہ کی تھی اور نہ مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد کی تھی ان کا عہد ان کی طے کردہ مدت تک برقرار رکھا۔[1]

۹ھ پہلا موقع ہے کعبہ بتوں کی ناپاکی اور نجاست سے پاک ہو کر خالص توحید کا مرکز بنا۔

فتح مکہ کے بعد ملک عرب میں جنگوں کا خاتمہ ہو رہا تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ ملک میں ایک عالمگیر صلح و امن کی بنیاد رکھی جائے۔ اس وجہ سے تمام جمع شدہ قبائل میں اعلان کیا گیا۔

واقعات متفرقہ

۴۔ اصحمہ نجاشی شاہ حبشہ نے وفات پائی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی ام کلثومؓ کی وفات ہوئی۔ آپ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا اگر میرے پاس تیسری لڑکی ہوتی تو اس کی شادی بھی تم سے کر دیتا۔

۶۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے وفات پائی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی بعد میں وحی نازل ہوئی اور منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔

---

[1] تفصیل دیکھئے ابن جنس صفحہ ۲۹۹۔ زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۔

منافق اور ان کا انجام

اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ (توبہ ۹: ۶۶)

ترجمہ: اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کریں گے تو ایک گروہ کو عذاب دیں گے اس لیے کہ وہ مجرم ہیں۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی۔ تو نئے نرالے رنگ کے دشمن پیدا ہو گئے۔ جو اصطلاح اسلام میں منافق کہلاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو ظاہراً اسلام سے دشمنی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ پس پردہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن سعی کرتے رہتے تھے۔ ان کا رئیس عبداللہ بن ابی تھا۔ آپ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے اس شخص کا اتنا اثر و رسوخ تھا کہ مدینہ کے لوگ اسے اپنا بادشاہ بنانے کو تیار تھے۔ مگر آپ کی مدینہ تشریف آوری سے یہ نقشہ پلٹ گیا اور عبداللہ بن ابی بالکل ایک معمولی انسان کی حیثیت میں رہ گیا۔ اس نے ظاہراً اسلام قبول کر لیا۔ اور ۹ھ یعنی وفات تک مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر قسم کی کوشش کرتا رہا۔

غزوہ احد کے موقع پر تین سو آدمیوں کو الگ کر کے مدینہ واپس چلا آیا۔ بنونضیر نے جب شرارت کی آگ بھڑکائی۔ تو عبداللہ نے ان کو مدد دینے کا وعدہ کیا' گو وہ وعدہ پورا نہ کر سکا۔

غزوہ خندق میں جب تمام عرب اسلام کے پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے امڈ آئے تھے۔ تو عبداللہ اور اس کے رفقاء یہ کہہ کر اپنے گھروں کو چلے گئے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔

بنی مصطلق کی مہم میں انصار اور مہاجرین کے درمیان سنگ تفرقہ پھینکنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام و نامراد رہا۔ اسی مہم سے واپسی پر ام المومنین عائشہ صدیقہ طاہرہؓ پر افک باندھا۔ اور مسلمانوں کے جذبات کو بری طرح مجروح کیا۔

منافقین غزوہ تبوک میں یہ عذر کر کے شریک نہ ہوئے کہ گرمی بڑی سخت ہے۔ اصل منشا یہ تھا کہ جب مسلمان مدینہ سے مہم پر چلے جائیں گے۔ تو شرارت کا موقعہ مل جائے گا۔

ابو عامر کی سازش سے مدینہ میں مسجد بنائی تاکہ مسلمانوں کے درمیان افتراق پیدا کرنے کی مہم جاری رہے۔

غرض کہ اسلام کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ہر قسم کے منصوبے بنائے لیکن دنیا کی تاریخ میں صرف ایک ہی انسان نظر آتا ہے۔ جس نے اتنے شدید دشمن سے بھی محبت کا برتاؤ کیا۔ وہ ہے سیدالمرسلین خیر البشر النبی الامی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

آپ صرف رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی زندگی میں ہی محبت سے پیش نہیں آئے بلکہ جب وہ مرتا ہے۔ تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ کی درخواست پر اپنا کرتہ عنایت فرماتے ہیں کہ اس میں کفنایا جائے۔ دوسرے اس کے جنازہ کی نماز میں شامل ہوتے ہیں۔ رحمتہ للعالمین کا شفیق قلب دشمن کے لیے بھی کتنا رحم اور شفقت سے بھرا ہوا ہے۔

عبداللہ بن ابی کی وفات کے ساتھ منافقوں کا زور ٹوٹ گیا۔ بعض منافق تو رسول کریمؐ کے اس اسوہ حسنہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ وہ سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔ ہاں چند ایک شقی القلب باقی رہ گئے تھے۔ جن کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے نام لے لے کر مسجد سے نکال دیا۔ ان لوگوں کو قتل نہیں کیا۔ شہر سے خارج نہیں کیا۔ صرف مسلمانوں کو ان کی شرارت سے آگاہ کر دیا۔ صرف سزا کے طور پر ان سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی تھی۔

وفود کا سال

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا. فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا (النصر:۱۱۰)

جب اللہ کی مدد اور فتح آ گئی۔ اور تو نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھ لیا۔ تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور اس کی حفاظت مانگ وہ رجوع بر رحمت کرنے والا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں وقتاً فوقتاً دور دراز سے وفود آیا کرتے تھے۔ ان کی دو اغراض تھیں۔ بعض سفارتیں ملکی حیثیت رکھتی تھیں۔ جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ آپ سے بحیثیت فاتح کے معاہدہ کریں۔ لیکن اکثر اس غرض کے لیے آتی تھیں کہ اسلام کی صداقت سے مطلع ہو کر اس کو قبول کریں۔

ابن اسحاق نے صرف پندرہ وفود کا حال لکھا ہے۔

ابن سعد نے ستر وفود کا۔ لیکن مصنف سیرت شامی نے ایک سو چار وفود کا تذکرہ کیا ہے۔

حافظ ابن قیم اور قسطلانی نے نہایت تحقیق اور احتیاط کے ساتھ ان میں سے صرف ۳۴ وفود کا حال لکھا ہے۔

یہ وفود زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ۸ھ و ۹ھ اور ۱۰ھ میں آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام عرب مسلمانوں اور قریش کے انجام پر نظر رکھے ہوئے تھا کہ ان دونوں میں سے کون غالب آتا ہے۔ جب مکہ فتح ہو چکا۔ تو قریش کی طاقت ٹوٹ گئی۔ اب ہر قبیلہ نے چاہا کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جا کر کوئی فیصلہ کرے۔

۸ھ سے قبل بھی چند وفود بارگاہ نبوت میں پہنچے تھے۔ تسلسل بیان کے لیے ان کا تذکرہ کرنا بھی مناسب ہوگا۔

مزینہ ۵ھ

میں اس قبیلہ کے چار سو اشخاص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور اسلام لائے۔ حضرت نعمان بن مقرن جو فتح مکہ میں قبیلہ مزینہ کے علمبردار تھے۔ اسی قبیلہ سے تھے۔ اصفہان ان ہی نے فتح کیا تھا۔[1]

بنو تمیم

بنو تمیم کے وفود میں قبیلہ کے نام بڑے بڑے روساء مثلاً اقرع بن حابس، زبرقان، عمرو بن الاہتم، نعیم بن یزید سب شامل تھے۔ فخر و غرور کے نشہ میں مخمور مسجد نبوی میں پہنچے۔ تو آپ گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ آستانہ اقدس پر جا کر پکارا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر آؤ۔ آپ باہر تشریف لائے۔ بولے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اس لیے یہاں آئے ہیں کہ تم سے مفاخرہ کریں۔ آپ نے اجازت دی۔ عطارد بن حاجب جو مشہور خطیب تھا۔ اٹھا اور اپنی قوم کے مفاخرہ پر ایک پر زور تقریر کی۔

عطارد تقریر کر کے بیٹھ گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت بن قیس کو جواب دینے کے لیے اشارہ کیا۔ ان کی تقریر کا ماحصل یہ تھا۔

''اس کی تعریف جس نے زمین و آسمان بنائے۔ اس نے ہم کو بادشاہت دی اور اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا۔ جو سب سے زیادہ شریف النسب سب سے زیادہ راست گفتار سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا۔ وہ تمام عالم کا انتخاب تھا اس لیے خدا نے اس پر

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ ترجمہ نعمان بن مقرن و ابن سعد جز وفود صفحہ ۳۸۔

کتاب نازل کی۔ اس نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ تو سب سے پہلے مہاجرین اور ان کے بعد ہم (انصار) نے دعوت اسلام پر لبیک کہا۔ ہم لوگ انصار الٰہی اور وزرائے رسالت ہیں"۔

تقریروں کے بعد اشعار کی باری آئی۔ تو تمیم کے مشہور شاعر زبرقان بن بدر نے قصیدہ پڑھا۔

نحن الکرام فلاحی یعادلنا　　　　مناالملوک وفینا تنصب البیع

ہم شرفائے قوم ہیں کوئی قبیلہ ہمارا ہمسر نہیں ہوسکتا۔ ہم میں بادشاہ ہیں اور ہم کلیساؤں کے بانی ہیں۔

جب زبرقان اپنا قصیدہ ختم کر چکا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسان بن ثابت کی طرف دیکھا انھوں نے یہ قصیدہ پڑھا۔

ان الذوائب من فھرو اخوانھم　　　　قدبینوا سنة للناس یتبعوا

شرفائے قبیلہ فہر اور برادران فہر نے لوگوں کو وہ راستہ (ہدایت) بتا دیا ہے جس کی وہ پیروی کرتے ہیں۔

نظم ونثر کا مقابلہ ختم ہوا۔ تو سفارت نے اعتراف کیا کہ دربار رسالت کے خطیب اور شاعر دونوں ہمارے شاعر اور خطیب سے افضل ہیں۔ پھر سب دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

بنو سعد

بنو سعد نے ضمام بن ثعلبہ کو سفیر بنا کر بھیجا۔ صحیح بخاری میں متعدد موقعوں پر اس کا ذکر ہے۔ کتاب العلم کی روایت حسب ذیل ہے۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول کریمؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص ناقہ پر سوار آیا۔ اور صحن مسجد میں آ کر اترا۔ پھر حاضرین سے پوچھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس کا نام ہے؟ لوگوں نے آفتاب رسالت کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ گورے رنگ کے جو تکیہ لگائے بیٹھے ہیں"۔ قریب آ کر کہا۔ "اے عبدالمطلب کے بیٹے!" آپ نے فرمایا کہ "میں جواب دے چکا ہوں"۔ بولا میں تم سے کچھ باتیں دریافت کروں گا لیکن سختی سے اس پر ناراض نہ ہونا"۔ آپ نے فرمایا کہ "جو پوچھنا ہو پوچھو" بولا۔ "خدا کی قسم کھا کر کہو۔ کیا خدا تعالیٰ نے تم کو دنیا کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے"۔ آپ نے فرمایا۔ "ہاں"۔ پھر قسم دلا کر پوچھا۔ "کیا تم کو خدا نے پنج وقتہ نماز کا حکم دیا ہے؟"

اسی طرح زکوٰۃ' روزہ اور حج کی نسبت دریافت کیا۔ آپ برابر "ہاں ہاں" فرماتے جاتے تھے۔ جب سب احکام سن لیے تو کہا کہ "میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور مجھ کو میری قوم نے بھیجا ہے اور جو تم نے بتایا ہے۔ اس میں نہ زیادہ کروں گا نہ کم"۔ جب وہ جا چکا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ "اگر یہ سچ کہتا ہے تو اس نے فلاح پائی"۔

ضمام نے واپس جا کر اپنی قوم سے کہا کہ "لات وعزیٰ کوئی چیز نہیں"۔ قوم نے کہا۔ کیا کہتے ہو۔ کہیں تم کو جنون یا جذام نہ ہو جائے"۔ ضمام نے کہا۔ خدا کی قسم نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر۔ میں تو اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں"۔ ان کی اس مختصر تقریر سے تمام قبیلہ کے مرد وزن مسلمان ہو گئے۔[1]

وفد اشعریین

یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ اشعریہ کا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے آنے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تمھارے ہاں یمن کے لوگ آئے ہیں جو نہایت رقیق القلب ہیں۔

ایمان یمنیوں کا ہے اور حکومت یمنیوں کی۔ مسکنت بکریوں والوں میں۔ فخر اور غرور اونٹ والوں میں ہے۔ جو مشرق کی طرف رہتے ہیں۔

مسند احمد بن حنبل میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب اشاعرہ کا وفد آیا۔ تو یہ لوگ جوش مسرت سے رجز پڑھتے تھے۔

غداً نلقی الاحبّة　　　　محمداً وحزبه.

کل ہم اپنے دوستوں یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے رفقاء سے ملیں گے۔

[1] ابن ہشام۔

خدمت اقدس میں پہنچے۔ تو عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! ہم اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے مذہب کے متعلق کچھ احکام سیکھیں۔ اور ابتدائے کائنات کے کچھ حالات پوچھیں"۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ "پہلے خدا تھا اور کچھ نہ تھا۔ اس کا تخت پانی پر تھا۔"[1]

دوس ۷ھ

دوس عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس قبیلہ کے مشہور شاعر اور رئیس طفیل بن عمرو تھے۔ وہ ہجرت سے قبل مکہ گئے۔ قریش نے ان کو رسول کریمؐ کے پاس جانے سے منع کیا۔ اتفاقاً ایک دفعہ بیت اللہ میں گئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ سن کر بہت متاثر ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے اسلام کی حقیقت سے آگاہ کریں۔ آپ نے قرآن مجید کی آیات سنائیں اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اسلام کے قبول کرنے کے بعد جب وطن جانے لگے تو انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ کہ میری قوم بھی مسلمان ہو جائے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ خدایا طفیل کو ایک نشانی بنا دے۔

حضرت طفیلؓ گھر پہنچے۔ تو معمر باپ ملنے کے لیے آیا۔ حضرت طفیلؓ نے کہا۔ ابا جان! اب نہ میں تمہارا ہوں اور نہ آپ میرے ہیں۔ باپ نے کہا یہ کیوں؟ حضرت طفیلؓ نے جواب دیا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ باپ نے کہا بیٹا۔ جو تیرا دین ہے وہی میرا بھی ہے۔ حضرت طفیلؓ نے کہا کہ غسل کیجئے۔ پاک کپڑے پہنیے تاکہ میں اسلام کی تعلیم دوں۔ پھر ان کی زوجہ آئیں۔ اس سے بھی وہی گفتگو کی۔ اور وہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ اب حضرت طفیلؓ نے تبلیغ اسلام شروع کر دی لیکن قوم مسلمان نہ ہوئی۔

حضرت طفیلؓ پھر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی کہ میری قوم میں زنا کی کثرت ہے۔ اس وجہ سے وہ مسلمان نہیں ہوتے۔ حضورؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

اللھم اھد دوسا. اے خدا۔ دوس کو ہدایت دے۔

پھر طفیل سے ارشاد فرمایا کہ جا کر نرمی ملاطفت اور محبت سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ غرض دعائے نبوی کی برکت اور حضرت طفیل کی تبلیغ سے قبیلہ دوس مسلمان ہو گیا۔ وہ خاندان جس سے حضرت ابو ہریرہ کا تعلق تھا۔ ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے۔[2]

وفد بنو حرث بن کعب ۹ھ

یہ نجران کا ایک نہایت معزز خاندان تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو اشاعت اسلام کے لیے بھیجا۔ ان کی تبلیغ سے خلوص کے ساتھ اسلام لائے۔ حضرت خالد بن ولید نے آپ کو اطلاع بھیج دی۔ خود ان کی تعلیم کے لیے وہاں ٹھہر گئے۔ آپ نے لکھ بھیجا کہ تم واپس آ جاؤ۔ اور اس کے چند روسا بھی ساتھ لاؤ۔ اسی وفد میں قیس بن الحصین اور یزید بن عبدالمدان وغیرہ تھے۔ چونکہ یہ لوگ اکثر معرکوں میں قبائل عرب پر غالب رہے تھے۔ آپ نے پوچھا۔ کہ تمھارے غلبہ کے اسباب کیا ہیں۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہم ہمیشہ متحد اور متفق ہو کر لڑتے ہیں اور کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ سچ ہے۔ یہی وجہ ہے۔

آپ نے قیس کو رئیس مقرر کیا۔[3]

قبیلہ طے ۹ھ

یمن میں طے مشہور قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کے روساء زید الخیل اور عدی بن حاتم تھے۔

۹ھ میں زید الخیل چند معزز اشخاص کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ عرب کے جس شخص کی تعریف میرے سامنے ہوئی ہے۔ وہ دیکھنے کے وقت اس سے کم ہی نکلا ہے۔ ایک زید الخیل اس سے مستثنیٰ ہے۔ پھر ان کا نام زید الخیر رکھا۔ آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ سب صدق قلب سے مسلمان ہوئے۔[4]

---

1. صحیح بخاری باب بدء الخلق۔ 2. اصابہ اور زاد المعاد اور ابن اسد جزو ۹۔ رحمتہ للعالمین۔
3. اصابہ و زاد المعاد۔ 4. اصابہ و زاد المعاد۔

عدی بن حاتم کے اسلام لانے کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔

وفد ثقیف

طائف کے دو مشہور رئیس تھے۔ ایک عروہ بن مسعود تھے۔ جن کی نسبت اہل مکہ کہا کرتے تھے کہ کلام الٰہی اترتا۔ تو ان پر نازل ہوتا۔ حدیبیہ کی صلح بھی ان ہی کی سفارت سے انجام پائی تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب طائف کا محاصرہ اٹھا کر واپس چلے۔ تو مدینہ کے راستہ میں عروہ آپ کو جا ملے اور اسلام قبول کر کے واپس لوٹنے لگے۔ تو آپ سے اپنی قوم کو تبلیغ اسلام کی اجازت چاہی۔ آپ نے کہا کہ تیری قوم غرور کی وجہ سے اسلام قبول نہ کرے گی۔ عروہ نے کہا کہ میری قوم مجھ سے کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ محبت رکھتی ہے۔ میری بات ضرور مان جائے گی۔ اصرار کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔ عروہ نے واپس آ کر لوگوں کو اسلام کی ترغیب دی۔ لوگوں نے برا بھلا کہا۔ صبح کو جب اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ تو شوریدہ سروں نے ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ اس پر تیروں کی بارش برسائی۔ شہادت کی آغوش میں ابدی نیند سو گئے۔

صخر بن عیلہ رئیس احمس یہ سن کر کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ سواروں کی مدد لے کر چل کھڑا ہوا۔ اتفاق سے اس وقت پہنچا۔ جب رسول کریمؐ محاصرہ اٹھا کر چلے گئے تھے۔ صخر نے عہد کرلیا کہ جب تک اہل طائف آپ کی اطاعت قبول نہیں کریں گے۔ محاصرہ نہ چھوڑوں گا۔ آخر اہل طائف نے اطاعت قبول کر لی۔ صخر نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع کی تو آپ نے مسجد نبوی میں تمام لوگوں کو جمع کیا اور احمس کے لیے دس بار دعا فرمائی۔[1] باہم مشورہ کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ چند سفیر مقرر کر کے بارگاہ نبوت میں بھیجے جائیں۔

عبدیالیل امیر الوفد تھا۔ جب مدینہ پہنچے۔ تو حضرت مغیرہ بن شعبہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ یہ میری قوم کے لوگ ہیں۔ میں انھیں اپنے پاس اتارلوں اور ان کی تواضع کروں۔

قوم کی عزت کا سبق

آپ نے فرمایا۔ لا امنعک ان تکرم قومک. میں منع نہیں کرتا کہ تم اپنی قوم کی عزت کرو لیکن ایسی جگہ اتارو۔ جہاں قرآن مجید کی آیات ان کے کانوں میں پڑیں۔

ان کو مسجد نبوی میں اتارا گیا۔ نماز اور خطبہ کے وقت یہ لوگ موجود ہوتے تھے۔ گو خود شریک نہیں ہوتے تھے۔ مسلمانوں کی نماز میں محویت اور استغراق سے بہت متاثر ہوئے۔

بالآخر ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے کی آمادگی ظاہر کی۔ لیکن یہ شرائط پیش کیں۔

(۱) ہم کو ترک صلوٰۃ کی اجازت دی جائے۔ آپ نے جواب دیا۔ لاخیر فی دین لیس فیہ رکوع. جس دین میں نماز نہیں ہے۔ اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ پھر انھوں نے کہا ہمیں جہاد کے لیے نہ بلایا جائے اور نہ ہم سے زکوٰۃ لی جائے۔ آپ نے یہ شرطیں قبول فرما لیں۔ اور صحابہؓ سے فرمایا کہ اسلام کے اثر سے یہ خود ہی دونوں کام کرنے لگیں گے۔

(۲) زنا ہمارے لیے جائز رکھا جائے کیونکہ ہم میں سے اکثر لوگ وطن سے دور رہتے ہیں اس لیے زنا کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ زنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوْا الزِّنٰی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَسَآءَ سَبِیْلاً. (بنی اسرائیل ۳۲:۱۷) تم زنا کے قریب نہ جاؤ۔ یہ تو سخت بے حیائی اور برا طریق ہے۔

(۳) ہماری قوم کے کاروبار کا انحصار سود پر ہے۔ اس لیے سود خواری جائز رکھی جائے آپؐ نے فرمایا۔ یہ بھی جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُو اللّٰہَ وَذَرُوْامَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا (بقرہ ۲۷۸:۲) اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور سود میں سے جو لینا رہ گیا ہے۔ وہ بھی چھوڑ دو۔

---

[1] ابو داؤد باب اقطاع الارضین۔

(۴) یا رسول اللہ! شراب سے نہ روکا جائے۔ آپ نے فرمایا شراب حرام ہے دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (مائدہ ۵:۹۰) اے ایمان والو! شراب' جوا' انصاب' ازلام ناپاک ہیں۔ شیطان کے کام ہیں۔ ان سے بچو تاکہ فلاح پاؤ۔

بالآخر ان لوگوں نے کہا۔ اچھا! ہم آپ کی باتیں مان لیتے ہیں۔ لیکن ہمارے بت لات کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وہ منہدم کیا جائے گا۔ وہ حیران ہوئے۔ کہ کیا کوئی ان کے خدائے اعظم کو بھی توڑ سکتا ہے۔ بولے۔ اگر ہمارے معبود اعظم کو آپ کے ان ارادوں کا علم ہو جائے۔ تو وہ تمام شہر کو تباہ و برباد کر دے گا۔ حضرت عمرؓ نے غصہ میں کہا۔ لات صرف ایک پتھر ہے۔ ان لوگوں نے کہا۔ عمر! ہم تمھارے پاس نہیں آئے۔ یہ کہہ کر آپ سے کہا۔ اسے گرانے کی خود ذمہ داری لیں۔ کیونکہ ہم اسے ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ آپ نے فرمایا۔ میں گرا دینے والے بھیج دوں گا۔

ان میں سے ایک شخص عثمان بن ابو العاص تھے۔ وہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے لیکن سب سے زیادہ تیز فہم اور مائل تحقیق تھے۔ وہ قوم سے خفیہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے۔ قرآن مجید سیکھتے۔ کبھی حضرت ابوبکرؓ سے بھی مسائل اسلام سیکھتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کو ان کا امام مقرر کیا۔

وفد جب واپس چلا گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو طائف کے معبود اعظم لات کو توڑنے کے لیے بھیجا۔ مغیرہ نے طائف پہنچ کر صنم کدہ کو منہدم کرنا چاہا تو مستورات ننگے سر روتی ہوئی آئیں۔ آخر مغیرہ نے تمام لوگوں کے سامنے ان کے معبود اعظم لات کو زمین پر گرا دیا۔

وفد نجران

کتب احادیث میں جو جملہ روایات وفد نجران کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عیسائیانِ نجران کے وفد دو دفعہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تھے۔ اس لیے اسی ترتیب سے ذکر کیا جاتا ہے۔

ابوعبداللہ حاکم کی روایت یونس بن بکر سے ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل نجران کو دعوتِ اسلام کا نامہ مبارک بھیجا۔ جب اسقف نے اس خط کو پڑھا تو اس کے بدن پر لرزہ پڑ گیا۔ اس نے فوراً شرجیل بن دواعہ کو بلایا۔ یہ قبیلہ ہمدان سے تعلق رکھتا تھا۔ کوئی بڑا آدمی بھی اس کی رائے لیے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ اسقف نے اسے خط دیا اور رائے پوچھی شرجیل نے کہا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ اسماعیلی نسل سے ایک نبی آنے والا ہے ممکن ہے یہ ''وہی نبی'' ہو۔

''مذہب کے متعلق کیا رائے دے سکتا ہوں۔ کوئی دنیوی معاملہ ہوتا۔ تو اس پر رائے دے سکتا تھا''۔

اسقف نے ایک دوسرے شخص عبداللہ بن شرجیل کو جو قوم حمیر سے تھا بلایا اور اس کی رائے دریافت کی۔ اس نے بھی شرجیل کا سا جواب دیا۔

اسقف نے تیسرے شخص جبار بن قیس کو بلایا۔ یہ بنو الحارث بن کعب سے تعلق رکھتا تھا۔ اس سے رائے پوچھی۔ اس نے بھی ان دونوں سا جواب دیا۔ جب اسقف نے دیکھا کہ ان سے کوئی جواب نہیں ملا۔ تو اس نے حکم دیا کہ گھنٹے بجائے جائیں اور ٹاٹ کے پردے گرجے پر لٹکائے جائیں۔ جب کل علاقہ کے عیسائی اکٹھے ہو گئے۔ تو اسقف نے وہ تبلیغی خط پڑھ کر سنایا۔ رائے دریافت کی۔ مشورہ کے بعد یہ قرار داد ہوئی کہ شرجیل اور عبداللہ اور جبار کو بارگاہِ نبوت میں بھیجا جائے اور حالات معلوم کر کے آئیں۔

یہ لوگ مدینہ پہنچے اور چند روز رسول کریم کی خدمت میں رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت سے متعلق گفتگو کی۔ اس گفتگو پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ. الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ. فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا

وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ (آل عمران ۳: ۶۱)

بے شک عیسیٰ کی حالت اللہ کے نزدیک آدم کی حالت کی مانند ہے۔ اسے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اسے کہا ہو جا۔ پس وہ ہو جاتا ہے۔ حق تیرے رب سے ہے پس تو جھگڑا کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ پھر اگر کوئی اس کے بعد جو تیرے پاس علم آ چکا اس کے بارہ میں تجھ سے جھگڑا کرے تو کہو آؤ ہم اپنے بیٹوں اور تمھارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے لوگوں اور تمھارے لوگوں کو بلائیں پھر گڑ گڑا کر دعا کریں۔ پس جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں۔

ان آیات میں عیسائیوں کو مباہلہ کے لیے بلایا ہے۔ دعا کی قبولیت کے عیسائی بھی قائل تھے اور انجیل میں ہے کہ متقی کی دعا سنی جاتی ہے۔ چنانچہ عبرانیوں ۵:۷ میں جہاں مسیح کے صلیب کی موت سے بچنے کے لیے دعائیں کرنے کا ذکر ہے۔ بہت رو رو اور آنسو بہا بہا کے اس سے جو اس کو موت سے بچا سکتا تھا۔ دعائیں اور منتیں کیں' وہاں اس دعا کی قبولیت کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔ وسمع له من اجل تقویٰه یعنی اس کے تقویٰ کی وجہ سے اس کی دعا سنی گئی۔ عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ ساری دنیا گنہگار ہے اور ہم کفارہ پر ایمان لانے کی وجہ سے پاک باز ہیں۔ اس وجہ سے ضروری تھا' کہ اس پہلو سے بھی ان پر اتمام حجت کیا جاتا۔

ان آیات کے نزول پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنؓ حسینؓ اور حضرت فاطمۃ الزہرؓا[1] کو بلایا اور مباہلہ کے لیے نکلے۔ عیسائیوں کی جماعت میں سے ہی ایک نے رائے دی کہ مباہلہ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر یہ واقعی رسولؐ ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ غرض ان لوگوں نے جزیہ پر صلح کر لی۔ ایک معاہدہ جسے مغیرہ صحابی نے تحریر کیا تھا اور ابوسفیان بن حرب' غیلان بن عمرو۔ مالک بن عوف' اقرع بن حابس صحابہ کی شہادت اس پر ثبت ہے۔ انھیں عنایت فرمایا۔

> لنجران جوار الله و ذمة محمد النبى على انفسهم و ملتهم وارضهم و اموالهم و غائبهم و شاهدهم و عشيرتهم و تبعهم و ان لا يغيرو،لما كانوا عليه ولا يغير حق من حقوقهم ولا ملتهم...... ولا يغير كلما تحت ايديهم من قليل اوكثير و ليس عليهم ربية ولادم جاهلية ولا يحشرون ولا يعشرون ولا يطاء ارضهم الجيش الخ۔

اہل نجران کو خدا اور محمد رسول اللہؐ کی حفاظت حاصل ہے۔ جان اور مذہب زمین اور جائداد کے متعلق ان سب کو جو حاضر یا غائب ہیں۔ صاحب قبیلہ ہیں یا پیروی کرنے والے ہیں۔ ان کی حالت میں اور حقوق میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا اور جو کچھ کم یا زیادہ ان کے قبضہ میں ہے۔ اسے بدلا نہ جائے گا۔ پچھلے زمانہ کے شبہات یا قتل کے مقدمہ ان پر نہ چلائے جائیں گے۔ ان سے بیگار نہ لی جائے گی۔ ان کے علاقہ سے فوج عبور نہ کرے گی۔

یہ فرمان لے کر وفد نجران واپس چلا گیا۔ اسقف اور دیگر روساء نے ایک منزل آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ وفد نے وہ فرمان اسقف کو دیا۔ اسقف وہ فرمان پڑھتا جاتا تھا۔ اس کا چچیرا بھائی بشر بن معاویہ بھی غور سے سنتا جاتا تھا۔ اور وہ اونٹنی سے گر گیا۔ اس نے گرتے ہوئے کہا ''خرابی ہو اس شخص کی جس نے ہم کو اس قدر تکلیف میں ڈالا ہے''۔

اسقف نے کہا۔ دیکھ کیا کہتا ہے وہ تو رسولؐ ہے بشر نے جواب دیا۔ بخدا میں پھر ابھی اس کے قدموں میں جاتا ہوں'' یہ کہہ کر مدینہ کا رخ کیا۔

اسقف نے اس کے پیچھے اپنی ناقہ ڈالی۔ اور کہتا تھا کہ میری بات تو سنو لیکن بشر یہی کہتا جاتا تھا۔ ''نہیں نہیں۔ میں اب اس کی خدمت میں ہی جاؤں گا۔

بشر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ اور بالآخر درجہ شہادت پایا۔

جب یہ وفد نجران پہنچا۔ تو ایک راہب نے بھی جو سالہا سال سے گرجہ کے برج کے بالائی حصہ پر رہتا تھا۔ یہ داستان

---

[1] بعض روایات میں حضرت علیؓ کی موجودگی بھی درج ہے۔

سی۔ تو وہ بے ساختہ پکار اٹھا کہ ''مجھے اتار دو۔ ورنہ اوپر سے چھلانگ لگا دوں گا''۔

یہ راہب بھی چند تحائف لے کر مدینہ آیا۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ راہب نے کچھ عرصہ مدینہ میں اسلامی تعلیم کے حصول کے لیے قیام کیا۔ پھر آپ سے اجازت لے کر اور واپس آنے کا وعدہ کر کے نجران چلا گیا۔ مگر آپ کی زندگی تک واپس نہ گیا۔

(۲) اس سفارت کے کچھ عرصہ بعد اسقف ابو الحارث جو گرجا کا امام تھا اور اپنے مذہب کا مجتہد شمار ہوتا تھا۔ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ ایہم نامی علاقہ کا حاکم بھی تھا۔ جو سید کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اور عبد المسیح جو سارے علاقے کا امیر تھا۔ ۲۴ روساء اور بھی تھے۔ کل سفارت ۶۰ آدمیوں پر مشتمل تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مسجد میں اتارا۔ ان کو وہیں عبادت کی اجازت دی قیام کے دوران مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ ایک سوال رسول کریمؐ سے یہ کیا۔ ''کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی بھی عبادت کرنے لگیں۔ جیسا کہ عیسائی عیسیٰؑ کی عبادت کیا کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا۔ ''اللہ کی پناہ کہ میں اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت کا حکم دوں''۔ اس موقعہ پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا. اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. (آل عمران ۳: ۸۰)

کسی بشر کے لیے (شایان) نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں کو کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ لیکن (وہ کہے گا) تم ربانی ہو جاؤ۔ اس لیے کہ تم کتاب سکھاتے تھے اور اس لیے کہ تم درس دیتے تھے اور نہ یہ کہ وہ تم کو حکم دے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو خداوند بناؤ۔ کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا۔ اس کے بعد کہ تم مسلم ہو چکے ہو۔

جب واپس جانے لگے۔ پھر ایک معاہدہ لکھ کر دیا۔ مغیرہ صحابی نے لکھا اور ابوسفیانؓ بن حرب، غیلانؓ بن عمرو، مالکؓ عوف اور اقرع بن حابس کی گواہی اس پر ثبت ہے۔ اس فرمان کی پوری نقل ذیل میں دی جاتی ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. من محمد النبی الی الاسقف ابی الحارث و اساقفة نجران و کهنتهم و رهبانهم و اهل بیتهم و رفیقهم و ملتهم. سواطبتهم و علی کل ماتحت ایدیهم من قلیل او کثیر جوار اللّٰہ ورسوله لا یغیر سقف من سقفیة ولا راهب من رهبانیة ولا کاهن من کهانیة ولا یغیر حق من حقوقهم ولا سلطانهم ولا مما کانوا علیه علی ذالک جوار اللّٰہ و رسوله ابدا ما نصحوا واصلحوا علیهم غیر متقلبین لظالم ولا ظالمین کتاب المغیرة بن شعبة.[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ معاہدہ محمد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے ہے اسقف ابو الحارث کے لیے نجران کے دیگر اسقفوں کاہنوں راہبوں ان کے معتقدوں علاقوں اس مذہب والوں پولیس والوں کے متعلق اور ان کم یا زیادہ چیزوں کے متعلق جو ان کے ہاتھ میں ہیں۔ سب کو خدا اور اس کے رسول کی حفاظت حاصل ہوگی۔ گرجا کے کسی عہدہ دار کو بدلہ نہ جائے گا۔ نہ مدافعت کی جائے گی۔ ان کی موجودہ حالت میں تغیر نہ ہوگا بشرطیکہ رعایا کے خیر خواہ رہیں۔ نہ ظالم کا ساتھ دیں اور نہ خود ظلم کریں (مغیرہ بن شعبہ نے لکھا ہے)

ان کی درخواست پر ابو عبیدہ بن جراحؓ کو جزیہ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ آپ نے فرمایا یہ شخص میری امت کا امین ہے۔[1]

بنو اسد ۹ھ

یہ وہ قبیلہ ہے جو جنگوں میں قریش کے دوش بدوش تھا۔ طلیحہ بن خویلد جس نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں دعویٰ نبوت کیا تھا۔

[1] زاد المعاد۔

اسی قبیلہ سے تھا۔ ۹ھ میں دس آدمیوں کا ایک وفد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور از راہ نخوت کہا کہ آپ نے ہمارے پاس کوئی مہم نہیں بھیجی۔ بلکہ ہم از خود حاضر ہوئے ہیں اور اسلام قبول کیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ. (سورة حجرات ۴۹:۱۷)

تجھ پر احسان جتاتے ہیں کہ وہ اسلام لائے کہو مجھ پر اپنے اسلام کا احسان مت رکھو۔ بلکہ اللہ نے تم پر احسان کیا کہ تمھیں ایمان کی راہ دکھائی۔ اگر تم سچے ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کو کوئی دینی کام کر کے یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ میں نے فلاں کام کیا ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں۔ جن کو کسی دینی خدمت کی توفیق ملتی ہے۔ تو وہ بڑائی کے طور پر بیان کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ انھوں نے اپنے فریضہ کو ادا کیا ہوتا ہے۔

بنو فزارہ ۹ھ

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے۔ تو بنو فزارہ کا ایک وفد جس میں دس پندرہ آدمی تھے۔ عیینہ بن حصن اس قبیلے سے تھے۔ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔

کندہ ۱۰ھ

حضر موت (یمن) کے اضلاع میں ایک شہر تھا۔ یہاں کندی خاندان حکومت کرتا تھا۔ اس خاندان کے حاکم اشعث بن قیس تھے۔ ۱۰ھ میں اسی سواروں کے ساتھ ریشمی چادریں اوڑھے ہوئے آپ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے مسلمان پہلے ہو چکے تھے۔ معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر کہا۔ کیا تم اسلام قبول کر چکے ہو؟ جواب دیا "ہاں" آپ نے فرمایا۔ "پھر یہ حریر کیسا"۔

ان لوگوں نے فوراً اپنی چادریں اتار اتار کر پھینک دیں۔[1]

وفد عبدالقیس

قبیلہ عبدالقیس کا وفد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ "تم کس قوم سے ہو۔ عرض کی۔ "یارسول اللہ ہم خاندان ربیعہ سے ہیں"۔ فرمایا۔ مرحبًا لا خزایا ولا ندامی. پھر ان لوگوں نے کہا۔ "یا رسول اللہ ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے کافر آباد ہیں۔ ہم اشہر حرم کے سوا اور مہینوں میں نہیں آ سکتے اس لیے ایسی باتیں سمجھا دیجئے۔ جن پر ہمیشہ عمل کریں اور اپنے اہل وطن کو بھی ان کی تعلیم دیں"۔

آپ نے فرمایا کہ میں چار باتوں کے کرنے کا اور چار باتوں سے باز رہنے کا حکم دیتا ہوں۔

جن چیزوں کے کرنے کا حکم ہے وہ یہ ہیں۔

خدا کو ایک مانو۔ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ زکوٰۃ اور خمس دو۔

چار اور جن سے باز رہنے کا حکم دیا۔ وہ یہ ہیں۔

دُبَّا (تونبا) حنتم (لاکھی برتن) نقیر (شراب کے لیے لکڑی کا برتن) مزفت (قیر آلودہ برتن)

عرب میں چار قسم کے برتن تھے۔ جن میں شراب رکھ کر تیار کی جاتی تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کسی کو حرمت خمر کا حکم دیتے تو ساتھ ان ظروف کا استعمال بھی منع فرماتے۔ جن میں شراب رکھی جاتی تا کہ شراب نوشی کا مرض خبیثہ جڑھ سے اکھڑ جائے۔

---

[1] ابن ہشام وفد کندہ۔

اسی وفد کے ساتھ جارود بن العلا بھی آیا ہوا تھا۔ یہ عیسائی تھا۔ اس نے کہا۔ یا رسول اللہ میں اس وقت ایک مذہب رکھتا ہوں۔ اگر اس کو چھوڑ کر آپ کے دین میں آ جاؤں تو آپ ہمارے ضامن بنیں گے؟ فرمایا ''ہاں'' کیوں کہ جس مذہب کی طرف میں بلا رہا ہوں یہ اس سے بہتر ہے جس پر تم اب ہو۔

جارود اور اس کے دوسرے عیسائی رفقاء مسلمان ہو گئے تھے۔[1]

وفد بنو عامر ۹ھ

بنو عامر قبیلہ قیس غیلان کی شاخ تھا۔ ان کے تین روساء تھے۔ عامر بن طفیل اربد بن قیس خالد بن جعفر اور جبار بن سلمیٰ۔ عامر اور اربد صرف جاہ وحشمت کے خواہاں تھے۔ اور شر کی نیت سے آئے تھے۔ جبار اور قبیلہ کے لوگ خلوص نیت سے صداقت اسلام کے طالب تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بنو عامر نے آپ نے کہا۔ ''انت سیدنا'' حضور ہمارے آقا ہیں۔

آپ نے فرمایا ''السید اللّٰہ'' آقا خدا ہے۔

انھوں نے پھر عرض کی۔ ''حضور ہم سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر سخی ہیں'' آپ نے فرمایا۔ ''بات کرو تو اس کا لحاظ رہے کہ شیطان تم کو گمراہ نہ کر دے۔

عامر بن طفیل نے کہا۔ ''محمد! تین باتیں ہیں۔ اہل بادیہ پر تم حکومت کرو اور شہر پر میں۔ اگر یہ نہیں تو اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ منتخب کر دو۔ اگر یہ بھی منظور نہ ہوا۔ تو میں غطفان کو لے کر حملہ آور ہوں گا''۔

عامر نے اربد کو سمجھا دیا تھا کہ میں محمد کو ادھر ادھر کی باتوں میں مشغول رکھوں گا۔ ادھر تم ان کو قتل کر دینا''۔ عامر نے دیکھا کہ اربد بالکل بے حس بیٹھا ہوا ہے۔ دونوں اٹھ کر چلے گئے۔ رسول کریمؐ نے فرمایا۔ ''اے خدا! ان کے شر سے محفوظ رکھنا''۔ عامر کو طاعون ہو گیا۔ عربوں میں صاحب فراش ہونا شرم کی بات تھی۔ اس نے کہا کہ مجھے گھوڑے پر سوار کر دو۔ گھوڑے پر بٹھا دیا گیا۔ اور اسی پر مر گیا۔

جبار اور دوسرے لوگ مسلمان ہو کر واپس لوٹے تھے۔[2]

حمیرہ وغیرہ کے وفد

سلاطین حمیر خود نہیں آئے تھے بلکہ قاصد بھیجے کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔

بجیلہ کا وفد

بجیلہ کا وفد بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ ان کا مشہور مندر ذوالخلصہ تھا۔ یہ مندر یمن کا کعبہ کہلاتا تھا۔ اس کا بت خلصہ بھی توڑا گیا۔

وفد بنی حنیفہ

بنو حنیفہ کا وفد رسول کریمؐ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ اسی وفد میں مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ وہ مدینہ میں لوگوں کو یہ کہتا پھرتا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ اقرار کریں کہ ان کا جانشین مجھے بنایا جائے گا۔ تو میں بیعت کر لوں گا۔ آپ نے سنا۔ تو ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی۔ فرمایا میں تو اس چھڑی کے عوض بھی بیعت نہیں لینا چاہتا۔

آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے ہاتھ میں سونے کے کنگن ہیں۔ مجھے ناگوار معلوم ہوئے۔ میں نے پھونک ماری تو وہ اڑ گئے۔ آپ نے تعبیر کی کہ ان سے مراد مسیلمہ اور عنسی صاحب صنعا ہے۔

مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی دونوں نے دعویٰ نبوت کیا۔ دونوں کو خدا نے تباہ کر دیا۔

---

[1] زاد المعاد صفحہ ۴۸ ۔ [2] ابن اسحاق۔ زرقانی۔ اور عامر کی تقریر اور موت کا واقعہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

وفد نجیب

قبیلہ نجیب کے تیرہ شخص بارگاہ نبوت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے واپس لے جاؤ اور اپنے قبیلہ کے مساکین میں تقسیم کر دو۔ انھوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ مساکین کو دے کر جو بچا ہے۔ ہم وہی لے کر آئے ہیں۔

ان لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند مسائل دریافت کیے۔ حضور نے وہ لکھوا دیئے۔

یہ لوگ جلد واپس جانے کے لیے بے تاب تھے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ تم جانے کے لیے کیوں مضطرب ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ جو باتیں ہم نے رسول کریمؐ سے سیکھی ہیں اور جو انوار ہدایت حاصل کیے ہیں۔ ان سب کی اطلاع اپنی قوم کو دیں۔

آپ نے ان کو عطیات دیئے اور پوچھا کہ کوئی شخص تم میں سے باقی بھی ہے۔ انھوں نے کہا۔ ہاں ایک نوجوان ہے۔ وہ اسباب کے پاس چھوڑ آئے ہیں۔ وہ بلایا گیا۔ تو نوجوان نے کہا۔ یا رسول اللہ میں گھر سے صرف اس لیے آیا تھا کہ آپ میرے لیے دعا فرمائیں کہ خدا مجھے بخش دے۔ مجھ پر رحم کرے اور مجھے قانع بنائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔ ۱۰ھ کو جب آپ حج کے لیے گئے تو آپ نے اس کے قبیلہ کے لوگوں سے اس نوجوان کے متعلق دریافت فرمایا۔ لوگوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! وہ بہت متقی اور غنی القلب ہے۔ اگر دنیا بھر کی دولت اس کے سامنے رکھ دی جائے۔ تو وہ نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔[1]

وفد عذرہ

یہ وفد ماہ صفر ۹ھ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انیس اشخاص تھے۔ ان میں حمزہ بن نعمان بھی تھا۔ آپ نے پوچھا۔ تم کون ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم بنی عذرہ ہیں۔ اور ماں کی طرف سے قصی کے بھائی ہیں۔ آپ نے خوش آمدید کہی اور بشارت سنائی کہ عنقریب شام کا علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہو جائے گا اور ہرقل اپنے علاقہ سے بھاگ جائے گا۔ آپ نے ان کو عطیات دے کر رخصت کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ کاہنوں سے جا کر سوال نہ کیا کریں اور جو قربانیاں دیا کرتے ہیں۔ آئندہ نہ کریں صرف عیدالاضحیٰ کی قربانی باقی رہ گئی ہے۔ کچھ دن مدینہ منورہ میں رہے۔ پھر انعام واکرام سے مشرف ہو کر لوٹ گئے۔[2]

وفد خولان

وفد خولان ماہ شعبان ۱۰ھ میں بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا۔ یہ دس شخص تھے انھوں نے کہا کہ ہم اپنی پسماندہ قوم کی طرف سے وکیل ہو کر آئے ہیں۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ خدا ایک ہے۔ آپ اس کے رسول ہیں۔ خدا اور اس کے رسول کا ہم پر بہت احسان ہے۔ ہم محض زیارت کے لیے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ جو میری مدینہ میں زیارت کرتا ہے۔ وہ قیامت کے دن میرا ہمسایہ ہو گا۔

آپ نے عم انس کے متعلق دریافت فرمایا (یہ ایک بت کا نام ہے) انھوں نے جواب دیا کہ اسلام کی تعلیم نے ہمارے دلوں سے بت کی محبت مجو کر دی ہے۔ بعض بوڑھے اور بوڑھی عورتیں اس کی پوجا کر لیتی ہیں۔ واپس جا کر اس کو گرا دیں گے آپ نے فرمایا کہ کوئی واقعہ سناؤ۔

وفد نے عرض کی۔ ایک دفعہ ہم نے سو نر گاؤ جمع کیے۔ وہ سب بت کے نام پر قربان کر دیئے اور درندوں کے لیے چھوڑ دیئے گئے۔ حالانکہ ہمیں گوشت اور جانوروں کی بہت ضرورت تھی۔

انھوں نے کہا۔ چوپایوں اور زراعت میں عم انس کا برابر کا حصہ ہوتا ہے۔ کھیتی میں وسطی حصہ بت کا ہوتا ہے۔ کنارے کا خدا کا جب کھیتی ماری جائے۔ تو خدا کا حصہ بت کو دے دیا جاتا ہے۔ مگر بت کا حصہ خدا کے نام پر نہیں کرتے۔

رسول کریمؐ نے فرائض دین کی تعلیم دی۔ خصوصاً ان اخلاقی امور پر بہت زور دیا عہد کو پورا کرنا۔ امانت کا ادا کرنا۔ ہمسایہ سے اچھا

[1] زاد المعاد ص ۵۰۴ جلد اوّل [2] زاد المعاد صفحہ ۵۰۶

سلوک کرنا، کسی پر ظلم نہ کرنا، یہ فرمایا کہ ظلم قیامت کے دن تاریکی ہوگا۔[1]

وفد محارب

۱۰ھ میں وفد محارب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ دس شخص تھے۔ ایک دن آپ نے ظہر سے عصر تک کا پورا وقت انہی کو وعظ و نصیحت کے لیے دیا۔ ان میں سے ایک شخص کو غور سے دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہوا ہے۔ وہ شخص بولا۔ ہاں بازار عکاظ میں آپ لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتے تھے۔ تو مجھ سے بھی بات کی تھی میں نے بدترین کلام سے آپ کو جواب دیا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اس شخص نے کہا۔ میرے دوستوں میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بھی آپ کی مخالفت نہ کرنے والا تھا۔ وہ تو سب کفر کی حالت میں مر گئے ہیں۔ خدا نے مجھے زندگی دی اور دولت ایمان سے بہرہ ور ہوا ہوں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "سب کے دل خدا کے ہاتھ میں ہیں"۔

اس شخص نے گناہ کی معافی کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا۔ اسلام نے آپ کے ان تمام گناہوں کو مٹا دیا ہے۔ جو حالت کفر میں ہوئے تھے۔[2]

وفد غسان ۱۰ھ

قبیلہ غسان کے تین شخص بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ اسلام قبول کیا۔ اپنی قوم کو ہدایت دینے کے لیے واپس چلے گئے۔

وفد بنی عیش

یہ وفد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے چار ماہ پیشتر مسلمان ہو کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ وفد نے کہا۔ یا رسول اللہؐ ہم نے سنا ہے کہ حضور کا ارشاد ہے۔ **لا اسلام لمن لا هجرة له**. یعنی جس نے ہجرت نہیں کی۔ اس کا اسلام کامل نہیں۔ کیا ہم تمام مال و متاع فروخت کر کے خدمت عالی میں حاضر ہو جائیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ **اتقوا اللہ حیث کنتم فلن یلتکم من اعمالکم شیئا**. یعنی تم جہاں آباد ہو۔ وہیں خدا سے ڈرو۔ تمہارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہیں آئے گی۔[3]

وفد غامد

یہ وفد ۱۰ھ میں آیا۔ یہ دس شخص تھے۔ مدینہ سے باہر اترے۔ اپنے سامان کے پاس ایک لڑکے کو بٹھا آئے اور رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا کہ اسباب کے پاس کس کو چھوڑ آئے ہو۔ انھوں نے کہا۔ ایک لڑکے کو۔ آپؐ نے فرمایا وہ لڑکا سو گیا۔ ایک شخص آیا۔ خورجی چرا کر لے گیا۔ ایک شخص نے کہا۔ وہ خورجی تو میری تھی آپ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ وہ لڑکا چور کے پیچھے بھاگا ہے اور اس کو پکڑ لیا ہے۔ خورجی واپس لے آیا ہے۔

یہ لوگ جب واپس آئے۔ تو لڑکے سے معلوم ہوا کہ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے ویسے ہی ماجرا ہوا تھا۔ یہ لوگ اسی پر مسلمان ہو گئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی بن کعب کو اسلام سکھانے کے لیے مقرر کیا۔ جب وہ واپس جانے لگے۔ تو ان کو شرائع اسلام لکھوا کر دے دیئے گئے۔[4]

وفد سلامان ۱۰ھ

سترہ اشخاص کا وفد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہی میں حبیب بن عمرو تھا۔ انھوں نے سوال کیا کہ سب سے افضل عمل کیا ہے۔ آپ نے جواب فرمایا۔ "وقت پر نماز پڑھنا"۔

---

[1] زاد المعاد صفحہ ۵۰۸ [2] زاد المعاد ص ۵۰۹ [3] ایضاً [4] زاد المعاد ص ۵۱۲۔

وفد نے کہا۔ یا رسول اللہ ہمارے ہاں بارش نہیں ہوئی۔ دعا فرمایئے۔ آپ نے دعا کی۔ "اللهم اسقهم الغيث في دارهم". اے اللہ ان کے دیار کو بارش سے سیراب کر دے۔

حبیب نے کہا۔"یا رسول اللہ اپنے مبارک ہاتھوں کو اٹھا کر دعا فرمایئے۔" آپ مسکرائے اور دست مبارک اٹھا کر دعا فرمائی۔
جب وفد وطن واپس لوٹا۔ تو معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی روز بارش ہوئی۔ جس دن آپ نے دعا فرمائی تھی۔[1]

وفد نخع

دوسو اشخاص پر مشتمل وفد نصف محرم ۱۱ھ میں رسول کریمؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ وہ حضرت معاذ بن جبل کے ہاتھ پر بیعت کر کے آئے تھے۔ ان کو مہمان خانہ میں ٹھہرایا گیا۔

ایک دن زرارہ بن عمرو نے عرض کی۔ یا رسول اللہ راستہ میں میں نے عجیب خواب دیکھے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ بیان کرو۔

زرارہ بن عمرو نے کہا۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک بکری نے بچہ دیا ہے۔ جو سفید اور سیاہ رنگ کا ابلق ہے۔

آپ نے تعبیر کی کہ آپ کی بیوی کے ہاں فرزند پیدا ہو گا۔ زرارہ نے کہا۔ یا رسول اللہ ابلق رنگ ہونے سے کیا مراد ہے؟

آپ نے فرمایا۔ قریب آؤ پھر آہستہ سے پوچھا کیا تمھارے جسم پر برص کے داغ ہیں۔ جسے تم لوگوں سے چھپاتے رہے ہو۔

زرارہ نے کہا۔ بخدا آپ صحیح فرماتے ہیں۔

آپ نے فرمایا بچہ پر یہ اسی کا اثر ہے۔

زرارہ نے دوسرا خواب بیان کیا کہ میں نے نعمان بن منذر کو دیکھا ہے کہ گوشوارے بازو بند۔ خلخال پہنے ہوئے ہے آپ نے فرمایا۔ اس کی تاویل عرب ملک ہے۔ جو اب آسائش اور آرائش حاصل کر رہا ہے۔

زرارہ نے کہا۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک بڑھیا ہے۔ جس کے کچھ بال سفید کچھ سیاہ ہیں اور زمین سے نکلی ہے۔

آپ نے تعبیر کی یہ دنیا ہے جس قدر باقی رہ گئی ہے۔

زرارہ نے چوتھی خواب بیان کی کہ میں نے دیکھا ہے۔ ایک آگ زمین سے نمودار ہوئی ہے۔ میرے اور میرے بیٹے کے درمیان آ گئی ہے۔ اور وہ آگ کہہ رہی ہے۔ جھلسو جھلسو بینا ہو۔ نابینا ہو۔ لوگو اپنی غذا اپنا کنبہ اپنا مال مجھے کھانے کے لیے دو۔

آپ نے فرمایا۔ یہ ایک فتنہ ہے۔ جو آخری زمانہ میں ظاہر ہو گا۔

زرارہ نے عرض کیا۔ یہ فتنہ کیسا ہو گا۔

آپ نے فرمایا۔ لوگ اپنے امام و پیشوا کو قتل کریں گے۔ ان کے درمیان پھوٹ اور افتراق پڑ جائے گا۔ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو جائیں گے۔ بدکار اپنے آپ کو نکوکار اور متقی سمجھے گا اور مومن کا خون ارزاں ہو گا۔

اگر تیرا بیٹا مر گیا۔ تب تو اس فتنہ کو دیکھے گا۔ اگر تو مر گیا۔ تو تیرا بیٹا دیکھے گا۔

زرارہ نے کہا۔ یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ میں اس فساد کی آگ کو نہ دیکھ سکوں۔

رسول اللہ نے دعا فرمائی۔ زرارہ کا تو انتقال ہو گیا۔ اس کا بیٹا زندہ رہا۔ اس نے سیّدنا و امامنا حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث کی بیعت کو توڑ دیا تھا۔[2]

[1] زاد المعاد ص ۵۱۱ [2] زاد المعاد ص ۵۱۸

وفد حضر موت

حضر موت سے رئیسان قوم وائل اور اشعث ایک جمعیت کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے۔ یہ ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے۔آپ نے ان سے دریافت کیا۔تم اسلام قبول کرو گے؟ انھوں نے جواب دیا۔ کہ ہم اس غرض کے لیے آئے ہیں۔آپ نے فرمایا۔ پھر یہ ریشمی لباس اتار دو۔ چنانچہ وہ لباس اتار دیا گیا اور یہ لوگ دائرہ اسلام بطیب خاطر مسلمان ہوئے۔

عرب میں اسلام کا غلبہ

ہجرت کے نویں سال کے آخر اور دسویں سال میں جنگوں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔اور دین اسلام میں لوگ فوج درفوج داخل ہونے لگے۔ دو سال کے اندر اندر عرب کا کونہ کونہ نور اسلام سے چمکنے لگا۔توحید کی صدا بلند ہونے لگی۔کیا عجیب انقلاب ہے ایک وہ وقت تھا کہ ایک شخص حج کے ایام میں لولوء توحید ہاتھ میں لے کر لوگوں کے پیچھے گھومتا ہے لیکن مجنوں اور دیوانہ کہہ کر دھتکار دیا جاتا ہے اور کوئی بھی توحید کے جواہرات سے جھولی نہیں بھرتا۔لیکن آج ہر سمت سے لوگ توحید کے سُچّے موتیوں سے جھولیوں کو بھرنے کے لیے دیوانہ وار بارگاہ نبوت میں حاضر ہو رہے ہیں اور توحید کی دولت سے مالا مال ہو کر گھروں کو واپس جا رہے ہیں۔ دنیا اس قسم کے عظیم انقلابی انسان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر اور عاجز ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ.

حجۃ الوداع ۱۰ھ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (مائدہ)

آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا۔

ذی قعدہ ۱۰ھ میں اعلان ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔ اس اعلان کے بعد تمام اکناف عرب سے انبوہ درانبوہ لوگ مدینہ میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔

۲۶ ذی قعدہ کو آپ نے غسل فرمایا۔ چادر اور تہمد باندھی۔ نماز ظہر کے بعد مدینہ منورہ سے باہر نکلے اور تمام ازواج مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے۔ جو مدینہ کی میقات ہے۔ وہاں رات گزاری۔ دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا۔ اس کے بعد دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر قصواء پر سوار ہوئے اور احرام باندھا۔ یہیں سے **لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک والملک لا شریک لک** کا ترانہ بلند کیا۔ جب یہ مقدس اور پاکباز قافلہ احرام کے ساتھ مکہ کی طرف چل پڑا۔ تو راستہ میں ہر قبیلہ کے لوگ شامل ہوتے جاتے تھے۔[۱] جب کسی ٹیکری سے گزرتے۔ تو بلند آواز سے تکبیر فرماتے۔[۲]

سرف پہنچ کر غسل فرمایا۔ ذوالحجہ کی چار تاریخ اتوار کے روز مکہ معظمہ میں داخل ہوئے جب کعبہ پر نظر پڑی تو فرمایا کہ "اے خدا! اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے۔"

کعبۃ اللہ کا طواف کیا۔ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر صفا اور مروہ پر تشریف لے گئے۔ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے یہ الفاظ فرمائے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِ وَیُمِیْتُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَ هَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔[۳]

اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے لیے سلطنت ہے اور اس کے لیے حمد ہے۔ وہی زندہ رکھتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ وہ تمام چیزوں پر قادر ہے۔ کوئی معبود نہیں۔ مگر وہ اکیلا خدا اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندہ کی مدد فرمائی۔ اکیلے تمام قبائل کو شکست دی۔

صفا اور مروہ کی سعی اور طواف سے فارغ ہو کر جن لوگوں کے پاس قربانی کے جانور نہیں تھے انھیں احرام اتارنے کا حکم دیا چونکہ حضورؐ کے ساتھ قربانی کا جانور تھا۔ اس وجہ سے آپ نے احرام نہ اتارا۔ ذی الحج کی آٹھویں تاریخ کو آپ تمام حاجیوں کے ساتھ منیٰ میں ٹھہرے ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشاء۔ صبح کی نمازیں منیٰ میں ادا فرمائیں۔

قریش کا معمول تھا کہ جب حج کے لیے نکلتے۔ تو عرفات کی بجائے مزدلفہ میں ٹھہرتے۔ جو حرم کی حدود میں تھا۔ ان کا یہ خیال تھا کہ اگر قریش حرم کے سوا کسی اور مقام پر مناسک حج ادا کریں تو یہ ان کی شان کے منافی ہے۔ اسلام مساوات کا پیغام لے کر آیا تھا۔ خدا کا حکم تھا۔ "ثم افیضوا من حیث افاض الناس". آپ نویں ذی الحج کو طلوع آفتاب کے بعد وادی نمرہ میں آ کر ٹھہرے۔ دن ڈھلنے کے بعد یہاں سے روانہ ہو کر عرفات میں قیام فرمایا اور یہ اعلان فرمایا۔

---

۱ حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۵۳ ۲ "بیابان اور اس کی بستیاں۔ قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑ کی چوٹیوں سے للکاریں گے۔ یسعیاہ باب ۴۲ درس ۱۱۔ ۳ ابو داؤد

قِفُوْا عَلٰی مَشَاعِرِکُمْ فَاِنَّکُمْ عَلٰی اِرْثٍ مِنْ اِرْثِ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ.

اپنے مقدس مقامات پر ٹھہرے رہو کہ تم اپنے باپ ابراہیم کی وراثت پر ہو۔[1]

میدان عرفات میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کا اجتماع ہے۔ جن کے قلوب صافی سے توحید اور عشق الٰہی کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں۔ تکبیر و تہلیل۔ تمجید و تقدیس سے فضا عطر بیز ہے۔

دن ڈھلنے پر آپ ناقہ پر سوار ہو کر میدان عرفات میں آئے اور ناقہ پر ہی سے خطبہ پڑھا۔ لوگ شمع رسالت کے اردگرد تھے۔ جو کچھ فرماتے جاتے تھے۔ دوسرے لوگ بلند آواز سے دوہراتے جاتے تھے تاکہ سارے مجمع کو آپ کی بات پہنچ جائے۔

متن خطبہ حجۃ الوداع

۱۔ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے ہم اس کی حمد کرتے ہیں۔ اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ اسی سے معافی مانگتے ہیں۔ اسی کے پاس توبہ کرتے ہیں اور ہم اللہ ہی کے ہاں اپنے نفسوں کی برائیوں اور اپنے اعمال کی خرابیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے تو پھر کوئی اسے بھٹکا نہیں سکتا اور جسے اللہ ضلالت عطا کرے۔ تو پھر کوئی اس کو ہدایت پر نہیں لگا سکتا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔

۲۔ اللہ کے بندو! میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی تاکید اور اس کی اطاعت پر پرزور طور پر آمادہ کرتا ہوں اور میں ابتدا اسی سے کرنا چاہتا ہوں جو بھلائی ہے۔

۳۔ امابعد! لوگو! مجھ سے سنو میں تمھیں بتاتا ہوں کیونکہ اللہ جانتا ہے۔ شاید اس سال کے بعد میں اس جگہ تم سے نہ مل سکوں۔

۴۔ لوگو! تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری آبروئیں تمھارے لیے (ایک دوسرے پر) اپنے رب سے ملنے (قیامت) تک حرام ہیں ایسے ہی حرام و محترم جیسے تمھارے آج کے دن، آج کے مہینے اور اس مقام کی حرمت ہے ہاں کیا میں نے پہنچا دیا؟ اے اللہ تو گواہ رہنا۔

۵۔ جس کے پاس کوئی امانت ہو۔ تو وہ اس کو ادا کر دے۔ جس نے وہ اس کے پاس امانت رکھائی۔

۶۔ خبردار جاہلیت کا سود گرا دیا جاتا ہے۔ البتہ تمھارے لیے راس المال پر حق ہوگا۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ کوئی سود نہ رہنے پائے اور پہلا سود جس سے میں (اس کی) ابتداء کرتا ہوں۔ وہ میرے چچا عباس بن عبدالمطلب کا ہے۔

۷۔ خبردار جاہلیت کے خون گرا دیئے جاتے ہیں اور پہلا خون جس سے میں (اس کی) ابتداء کرتا ہوں وہ (میرے چچا زاد بھائی کے بیٹے) عامر بن ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کا ہے۔

۸۔ خبردار جاہلیت کے آثار اور عہدے گرا دیئے جاتے ہیں۔ بجز (خانہ کعبہ کی) رکھوالی اور (حجاج کو) پانی پلانے کے۔

۹۔ قتل عمد پر قصاص ہے۔ مشابہ عمد وہ ہے جس میں لٹھ اور پتھر سے موت واقع ہو۔ اس میں سو اونٹ بطور خون بہا ہیں۔ جو اس میں زیادتی کا مطالبہ کرے۔ تو وہ جاہلیت والا ہے۔

۱۰۔ لوگو! خدا نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اب کوئی کسی وارث کے حق کے لیے وصیت نہ کرے۔

۱۱۔ بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا ہے۔ جس پر حرام کاری ثابت ہو۔ اس کی سزا پتھر ہے۔ حساب و کتاب خدا کے ہاں ہوگا۔

۱۲۔ جو کوئی اپنا نسب بدلے گا۔ یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا۔ اس پر خدا کی لعنت۔

[1] ابو داؤد موضع الوقوف بعرفۃ۔

۱۳۔ قرض قابل ادائیگی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے۔ تحفے کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن ہے وہ تاوان ادا کرے۔

۱۴۔ لوگو! تمام مومن بھائی بھائی ہیں کسی شخص کے لیے اپنے بھائی کا مال حلال نہیں۔ بجز اس کے کہ وہ اس کی طبعی خوشی سے ہو۔

۱۵۔ عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی بغیر اجازت کسی کو دے۔

۱۶۔ لوگو! سال میں کبیسہ گری کفر میں ایک زیادتی ہے۔ جن لوگوں نے کفر کیا ہے۔ وہ اس کے باعث بہکائے جا رہے ہیں وہ اسے ایک سال حلال کر لیتے ہیں اور ایک سال حرام تا کہ اس تعداد کا تکملہ کر لیں جو خدا نے حرام کر رکھی ہے۔ اس طرح وہ خدا کی حرام کردہ چیز کو حلال کر لیتے ہیں اور حلال کردہ چیز کو حرام۔ حقیقت میں اب زمانہ چکر لگا کر پھر اسی شکل میں آ گیا ہے۔ جیسا کہ خدا کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے کے دن تھا۔ بے شک مہینوں کی تعداد اللہ کے پاس اللہ کی کتاب میں اس کے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے ہی کے دن بارہ مہینے لکھی ہے۔ ان میں سے چار حرام ہیں۔ تین پے در پے اور ایک تنہا ذوالقعدہ۔ ذوالحجہ محرم اور رجب جو جمادی الاخر اور شعبان کے بیچ میں ہے۔ کیا میں نے پہنچا دیا ہے۔ اے اللہ گواہ رہنا۔

۱۷۔ دیکھو کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ہی کشت و خون کرنے لگو۔

۱۸۔ لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ ہاں غلاموں کا خیال رکھو۔ انھیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔

۱۹۔ دیکھو! تمھارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں اسی طرح ان پر تمھارے حقوق واجب ہیں عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ بلائیں۔ جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کریں۔ کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے اس کی اجازت ہے کہ تم انھیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آ جائیں تو انھیں اچھی طرح کھلاؤ پہناؤ۔

۲۰۔ عورتوں سے بہتر سلوک کرو کیونکہ وہ تو تمہاری پابند ہیں اور خود اپنے لیے وہ کچھ نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انھیں خدا کے نام پر حاصل کیا اور اسی کے نام پر وہ تمھارے لیے حلال ہوئیں۔

۲۱۔ لوگو! شیطان اس سے تو مایوس ہو گیا ہے کہ اب تمہاری اس سرزمین میں اس کی پوجا ہو۔ لیکن وہ اس پر راضی ہے کہ اس کے سوا دیگر ایسی باتوں میں اس کی اطاعت کی جائے جن کو تم اپنے اعمال میں حقیر سمجھتے ہو۔ اس لیے اپنے دین کے متعلق اس (شیطان) سے محتاط رہو۔

۲۲۔ لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو پانچ وقت کی نماز ادا کرو مہینے بھر کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو۔ اپنے خدا کے گھر کا حج کرو اور اپنے اہل امر کی اطاعت کرو۔ تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

۲۳۔ اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمے دار ہوگا اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

۲۴۔ میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ جب تک تم اسے تھامے رہو گے میرے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

۲۵۔ لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک۔ تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے تم میں اللہ کے نزدیک سب سے مکرم وہ ہے۔ جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔ نہ کسی عجمی کو عربی پر فضیلت ہے نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر فضیلت ہے۔ بجز تقویٰ کے ہاں کیا میں نے (تم تک پیغام حق) پہنچا دیا ہے؟ اے اللہ! تو گواہ رہنا تو لوگوں نے کہا۔ ہاں! آپ نے فرمایا تو پھر (تم میں سے) حاضر کو چاہیے کہ وہ غائب تک یہ (پیغام) پہنچا دے اس لیے کہ اکثر اوقات جس کو بات پہنچائی جائے وہ (براہ راست) سننے والے سے زیادہ محفوظ کرنے والا ہے۔[1]

(مسند احمد بن حنبل (۵:۳۷، ۷۳)

تب آپ نے بلند آواز سے کہا۔ "اللھم ھل بلغت" کیا میں نے پیغام پہنچا دیا ہے لاکھوں انسانوں کی زبان سے جواباً یہ آواز بلند ہوئی۔ "اللھم نعم" بے شک آپ نے پیغام پہنچا دیا ہے۔

---

[1] دیگر حوالہ جات۔ کتب السیرۃ النبویۃ ہشام ۲:۶۰۳، تاریخ الیعقوبی ۲:۱۱۲، البیان والتبیین للجاحظ ۲:۲۴-۲۵، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ ... والرشاد ۱:۶۴۲۔ خطبہ جزواً جزواً مختلف کتب سے جمع کر کے شامل کتاب کیا ہے۔

یوم النحر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۶۳ اونٹ اپنے ہاتھ سے اور ۳۷ اونٹ حضرت علیؓ نے آپ کی طرف سے ذبح کیے۔ یہ قربانی منیٰ پر کی گئی۔ قربانی سے فارغ ہو کر آپؐ نے معمر بن عبداللہ کو بلایا اور سر کے بال منڈوائے۔ اپنے دست مبارک سے کچھ بال ابوطلحہ انصاری اور ان کی بیوی ام سلیم اور بعض ان لوگوں کو جو پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ عنایت فرمائے اور باقی ابوطلحہ نے تمام مسلمانوں میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیے۔ اس کے بعد بیت اللہ میں تشریف لائے۔ خانہ کعبہ کا طواف ادا کیا۔ طواف سے فارغ ہو کر چاہ زمزم کے پاس آئے۔

خاندان عبدالمطلب لوگوں کو پانی نکال نکال کر پلا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ''اے بنو عبدالمطلب! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجھ کو ایسا کرتے دیکھ کر اور لوگ بھی تمھارے ہاتھ سے ڈول چھین کر خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پئیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیتا۔''

حضرت عباسؓ نے پانی پیش کیا۔ آپؐ نے قبلہ رو ہو کر پانی کھڑے کھڑے نوش فرمایا۔ پھر یہاں سے منیٰ واپس تشریف لے گئے اور وہیں ظہر کی نماز ادا کی۔

۱۲ ذی الحج تک آپؐ نے منیٰ میں قیام فرمایا۔ ہر روز زوال کے بعد رمی الجمار کی غرض سے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آ جاتے۔

۱۳ ذی الحج کو دن ڈھلنے کے بعد آپؐ نے منیٰ سے نکل کر وادی محصب میں قیام کیا اور رات وہیں بسر کی۔ پچھلے پہر مکہ معظمہ تشریف لائے اور خانہ کعبہ کا آخری طواف کر کے وہیں صبح کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد لوگ اسی وقت اپنے اپنے مقامات کو روانہ ہو گئے۔ آپؐ مہاجرین اور انصار کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ راستہ میں غدیر خم آتا ہے۔ آپؐ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر تقریر فرمائی۔ جو یہ تھی:۔

''حمد و ثنا کے بعد اے لوگو! میں بھی بشر ہوں۔ ممکن ہے کہ مجھے جلد موت آ جائے۔ میں تمھارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک خدا کی کتاب۔ جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو۔ دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمھیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ (صحیح مسلم مناقب حضرت علیؓ)

بعض روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے۔

من کنت مولا ہ فعلی مولا ہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہٗ۔

جس کو میں محبوب ہوں۔ علیؓ بھی اس کو محبوب ہے۔ خدایا! جو علیؓ سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ۔ اور جو علیؓ سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔''

اس خطبہ کا پس منظر یہ تھا کہ حضرت علیؓ یمن بھیجے گئے۔ ان سے تقسیم غنیمت کے متعلق بعض ایسے افعال صادر ہوئے جن کو ان کے بعض رفقاء نے ناپسند کیا۔ بریدہ اسلمی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔ آپؐ نے ان کے شکوک کو رفع کرنے کے لیے حضرت علیؓ کے بارے میں تعریفی کلمات کہے۔

اس خطبہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو اس شرف کی مبارک باد دی اور حضرت بریدہؓ نے اپنی تمام عمر حضرت علیؓ کے دامن محبت کو نہیں چھوڑا۔ یہ بزرگ جنگ جمل میں شہید ہوئے۔

مدینہ کے قریب پہنچ کر ذوالحلیفہ میں رات بسر کی۔ صبح کے وقت کوکبہ نبوی مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ مدینہ پر نظر پڑی تو یہ الفاظ زبان پر جاری تھے۔

''اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اٰيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔''

خدا بزرگ و برتر ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اسی کی سلطنت ہے اسی کی حمد ہے۔ وہ ہر بات پر قادر ہے۔ ہم لوٹ رہے ہیں توبہ کرتے ہوئے۔ عبادت کرتے ہوئے اپنے رب کا سجدہ شکر بجا لاتے ہوئے۔ اس کی حمد و ستائش کرتے ہوئے۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام قبائل کو تنہا شکست دی۔

حجۃ الوداع کے متعلق یسعیاہ نبی کی کتاب میں پیشگوئی

یسعیاہ نبی کی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو مخاطب ہو کر فرمایا ہے۔ "اٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے۔ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا۔ (یسعیاہ ۶۰:۱ تا ۳)

"تیری روشنی آئی۔" یہ الفاظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد مبارک کو ظاہر کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی قرآن مجید میں نور کہا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ۔ (المائدہ) اسی طرح سورہ نور میں "مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ" میں نور سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

فتح مکہ سے قبل بیت اللہ تین سو ساٹھ بتوں سے بھرا پڑا تھا اور خدا کے گھر کے نور کو بتوں نے مکدر کر رکھا تھا تو خدا تعالیٰ یسعیاہ نبی کی کتاب میں بیت اللہ کو مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ وقت آ گیا ہے کہ خدا کا نور آئے اور بتوں کی تاریکی کو ختم کر کے تجھے دوبارہ روشنی عطا کرے۔ یہ پیشگوئی فتح مکہ کے موقع پر پوری ہوتی ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللہ کو بتوں سے پاک صاف کیا۔ ظلمت کو نور سے پاش پاش کیا اور بیت اللہ روشن ہو گیا جس کی روشنی اب تک تاریک دلوں کو منور کر رہی ہے۔

وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ)

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ (آل عمران ۳: ۱۴۴)

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہیں اس سے پہلے سب رسول مر چکے ہیں۔ پھر اگر وہ مر جائے یا قتل کیا جائے تو کیا تم الٹے پاؤں پر پھر جاؤ گے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے عقائد۔ عبادات، مکارم اخلاق حدود اصول تمدن و سیاست و اقتصاد وغیرہ کی عمارت پایہ تکمیل کو پہنچ گئی اور شرف انسانیت سے گری ہوئی قوم کے تزکیہ کا عظیم الشان کام درجہ کمال تک پہنچا چکے۔ رسالت کے تمام مقاصد پورے کر چکے۔ تو سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی۔ بحکم ربانی "فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ" زیادہ تر اوقات تسبیح وتہلیل میں بسر فرماتے۔ آپ عموماً ہر سال رمضان میں دس دن اعتکاف میں بیٹھتے تھے لیکن رمضان ۱۰ھ میں بیس دن اعتکاف میں بیٹھے سال میں ایک دفعہ رمضان میں آپ پورا قرآن جبرئیل کی زبانی سنتے لیکن وفات کے سال دو دفعہ سماعت کا شرف حاصل ہوا۔[1]

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے خطبہ میں یہ ارشاد فرما دیا تھا کہ "مجھے امید نہیں کہ آئندہ سال تم سے مل سکوں"۔

۱۱ھ ماہ صفر کے آخری ایام میں آپ بیمار ہوئے اس وقت آپ شام کی حدود کی طرف فوج کی تیاری کا حکم دے چکے اور اس لشکر کے قائد حضرت اسامہ بن زید کو مقرر کیا گیا حضرت زیدؓ اسی طرف کی مہم (جنگ موتہ) میں شہید ہوئے تھے باوجود علالت کے اگلے دن آپ نے خود عَلم حضرت اسامہ کو دیا۔ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ اس لشکر میں شامل تھے۔ یہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں مساوات کا سبق سکھانے کا موقع تھا۔ لشکر نے مدینہ کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ مگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری تشویش ناک صورت اختیار کر رہی تھی۔ اس لیے لشکر کی روانگی رک گئی۔

پانچ دن تک بیماری کی حالت میں از راہ عدل باری باری ہر بیوی کے حجرہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ جب مرض میں شدت ہوئی اور ضعف کی وجہ سے چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا۔ حضرت میمونہ کی باری تھی تمام ازواج مطہرات سے اجازت لی کہ حضرت عائشہ کے حجرہ میں ہی قیام فرمائیں۔ آخری ہفتہ آپؐ نے حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں گزارا۔

چلنے پھرنے کی سکت جب تک رہی آپ مسجد میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لے جاتے رہے آخری نماز مغرب کی پڑھائی۔ جب عشاء کا وقت آیا۔ تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی ہے لوگوں نے کہا۔ کہ نہیں آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔ آپ نے مخضب میں پانی بھروایا اور غسل فرمایا پھر اٹھنا چاہا تو بیہوشی طاری ہو گئی۔ افاقہ ہوا۔ تو پھر پوچھا کہ نماز ہو چکی ہے لوگوں نے وہی جواب دیا آپ نے پھر غسل کیا اور جب اٹھنا چاہا تو غش آ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد افاقہ ہوا۔ تو پھر دریافت فرمایا اور لوگوں نے وہی جواب دیا تیسری مرتبہ پھر غسل کیا پھر اٹھ کر مسجد جانے کا ارادہ کیا تو غشی طاری ہو گئی جب افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ابوبکر کو کہو کہ نماز پڑھائیں حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ ابوبکر رقیق القلب ہیں آپ حضرت عمرؓ کو امام فرما دیں آپ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر ہی امامت کریں گے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

ایک دن (دوشنبہ) نماز فجر کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آرام محسوس کیا آپ نے وہ پردہ اٹھایا جو حجرہ حضرت عائشہ اور مسجد کے درمیان پڑا ہوا تھا اس وقت حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے مسلمانوں کو بارگاہ الٰہی میں کھڑا دیکھ کر فرط مسرت سے مسکرا پڑے حضرت ابوبکر سمجھے کہ حضور خود نماز پڑھانا چاہتے ہیں۔ پیچھے ہٹنے کا قصد کیا۔ تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ نماز پڑھاتے رہو پھر آپ نے پردہ ڈال دیا۔[2]

---

[1] صحیح بخاری باب الاعتکاف و باب تالیف القرآن [2] بخاری و مسلم۔

یہ پیر کا دن تھا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ آپ کی طبیعت نسبتاً اچھی ہو گئی ہے۔ حضرت ابوبکر اپنے اہل میں سخ کو چلے گئے۔ لوگ بھی اپنے اپنے کاروبار پر چلے گئے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ضعف بڑھ گیا حضرت عائشہ نے آپ کو سہارا دے رکھا تھا۔ اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے ہاتھ میں آپ نے مسواک دیکھی اشارہ سے اسے طلب کیا اور خوب منہ صاف کیا۔

اب اپنے حقیقی مولا سے ملنے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ کرب اور اضطراب کی شدت بڑھ گئی۔ تو اس حالت میں آپ کی زبان مبارک سے لوگوں نے یہ الفاظ سنے۔ وَالصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (یعنی نماز قائم رکھنا اور غلاموں سے اچھا سلوک کرنا)

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری وصیت تھی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں ان الفاظ کو آپ نے کئی بار دہرایا۔[1]

پانی کا مخضب پاس تھا۔ اس میں ہاتھ بار بار ڈالتے اور اپنے چہرہ پر ملتے شدت کرب سے چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹا دیتے تھے۔ اتنے میں انگلی سے اشاروں اور زبان قدسی سے تین بار فرمایا بل الرفیق الاعلیٰ بل الرفیق الاعلی بل الرفیق الاعلی اس وقت ہاتھ لٹک گیا آنکھیں بند ہو گئیں روح جسد مطہر سے جدا ہو کر دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو عالم قدس میں پہنچ گئی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر مدینہ میں پھیل گئی۔ صحابہ دیوانہ وار مسجد میں جمع ہو گئے حضرت عمرؓ بھی آ موجود ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص کہے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔ میں اس کا سر تلوار کے ساتھ جسم سے جدا کر دوں گا۔ آپ نے خیال کیا کہ شاید کسی منافق نے تشویش پیدا کرنے کے لیے یہ خبر پھیلا دی ہے۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آئے اور سیدھے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہوئے۔ رخ انور سے کپڑا اٹھایا۔ تو دیکھا کہ آپ فوت ہو چکے ہیں۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا۔

حضرت ابوبکر مسجد میں آئے اور تمام لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔

امابعد. فمن کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قدمات و من کان منکم یعبد اللّٰہ فان اللّٰہ حی لایموت قال اللّٰہ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللّٰہ شیئا و سیجزی اللّٰہ الشاکرین.[2]

جو کوئی شخص تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا تھا۔ وہ تو وفات پا گئے ہیں اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا۔ تو اللہ زندہ ہے۔ کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ محمدؐ تو ایک رسول ہے۔ ان سے پہلے بھی رسول فوت ہو چکے ہیں کیا اگر وہ مر گئے۔ یا شہید ہو گئے تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے۔ اور جو کوئی ایسا کرے گا۔ وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ تو شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

جیش اسامہ کی جرف سے واپسی

جس دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہوئے تھے۔ اس صبح کو مسلمانوں کو آپ کی صحت کے عود کر آنے کا یقین ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے اسامہ جرف کی طرف گئے۔ جہاں لشکر کا پڑاؤ تھا تاکہ فوج کو کوچ کا حکم دیں۔ اتنے میں حضورؐ کے انتقال کی خبر پہنچ گئی۔ تو اسامہ سنتے ہی لشکر کو لے کر مدینہ لوٹ آئے اور فوج کا علم حضرت عائشہؓ کے دروازہ کے قریب نصب کر کے مسلمانوں کے فیصلہ کے انتظار میں سفر ملتوی کر دیا۔

ابھی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مسجد میں ہی تھے کہ ایک انصاری نے یہ خبر پہنچائی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہو کر خلیفہ کے انتخاب کی تجویز کر رہے ہیں۔ خبر سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ سقیفہ کی طرف گئے۔ وہاں سعد بن عبادہؓ کی تقریر پر تقریباً یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ سعد کو امیر منتخب کیا جائے چنانچہ ان تینوں حضرات کے پہنچنے پر ایک انصاری نے انصار کے مناقب بیان کیے۔ حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور تقریر کی۔

---

[1] بخاری عن انس۔ [2] صحیح بخاری۔

"ایها الناس! نحن المهاجرون اول الناس اسلاماً واکرمهم احساباً و اوسطهم دارًا و احسنهم و جوهاً واکثرهم ولادةً فی العرب وامسهم رحماً برسول اللّٰه اسلمنا قبلکم و قد منا فی القرآن علیکم فقال تبارک و تعالٰی والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان نحن المهاجرون وانتم الانصار اخواننا فی الدین و شرکاؤنا فی الغی وانصارنا علی العدو. اما ماذکرتم فیکم من خیر فانتم له اهل وانتم اجدرنا بالثناء من اهل الارض جمیعاً فاما العرب فلن تعرف هذاالامر الا بهذا الحی من قریش! فمنا الامراء ومنکم الوزراء."

اے لوگو! ہم مہاجر ہیں۔ سب سے پہلے اسلام لائے۔ ملک کے تمام باشندوں میں حسب ونسب کے لحاظ سے مقتدر! مولد مکہ معظمہ ہے۔ خوبیوں کے لحاظ سے افضل عرب کے تمام قبائل سے تعداد میں زیادہ قرابت کے لحاظ سے رسول کریم صلعم کے قریب تر۔ ہم نے آپ لوگوں سے پہلے اسلام قبول کیا۔ خدا تعالٰی نے السابقون الاولون کہا۔ ہم مہاجر ہیں اور انصار ہمارے دینی بھائی' جو مال غنیمت میں ہمارے ساتھ حصہ دار ہیں۔ جنگوں میں ہمارے مددگار۔ آپ نے اپنے جو محاسن بیان کیے۔ ہم ان کا انکار نہیں کرتے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ تم تمام اہل ارض سے افضل ہو۔ لیکن عرب کا کوئی قبیلہ قریش کے سُوا کسی کی امارت پر اتفاق نہیں کرسکتا۔ اس لیے امیر قریش میں سے ہوگا اور وزیر انصار میں سے۔

یہی بات درست تھی۔ ملک عرب میں کسی قبیلہ کو دوسرے قبیلہ پر بادشاہت اور امارت حاصل نہ ہوئی تھی۔ لیکن قریش کو عرب کے روحانی مرکز بیت اللہ کے متولی ہونے کی وجہ سے خاص عزت تھی۔ اس وجہ سے اگر تمام قبائل کسی ایک ہاتھ پر جمع ہو سکتے تھے تو وہ کوئی قریشی ہو سکتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی ژرف نگاہی نے اس امر کو دیکھ لیا تھا۔ یہی بات مجمع کے سامنے بیان کی۔

انصار کی طرف سے یہ بات بھی پیش ہوئی تھی کہ ایک امیر مہاجرین میں سے ہو اور ایک انصار میں سے۔ اس سے بھی رشتہ اتحاد ٹوٹتا تھا۔ آخر بہت سی بحث کے بعد انصار کو یہ بات سمجھ میں آ گئی۔ ایک انصاری اٹھا۔ اس نے تقریر کی کہ ہم نے محض حصول رضائے الٰہی کے لیے اپنی جانیں اور اپنے مال خدا کی راہ میں دیئے تھے۔ اب بھی رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھ کر کہتے ہیں کہ قریش میں سے امیر ہو۔ ہم جس طرح خدا کے رسول کے معاون و مددگار ہوئے تھے۔ اسی طرح اس کے جانشین کے مددگار ہوں گے۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''ان میں سے جسے مسلمان پسند کریں۔ اسے خلیفہ منتخب کر لیں۔'' حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے درخواست کی کہ ''آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے۔'' اور حضرت ابوبکرؓ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"الم یامرک النبی بان تصلی انت یا ابابکر المسلمین فانت خلیفة ونحن نبایعک فنبایع خیر من احب رسول اللّٰه منا جمیعًا."

کیا رسول اللہؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اے ابوبکر تم مسلمانوں کو نماز پڑھاؤ۔ پس آپ رسولؐ کے جانشین ہیں اور ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ ہم جس شخص کی بیعت کر رہے ہیں۔ وہ ہم سب سے رسول اللہؐ کو محبوب ترین تھا۔

روایات میں ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ اور ابوعبیدہؓ نے بیعت کی۔ پھر انصار نے صرف حضرت سعد بن عبادہؓ رہ گئے۔

یہ موقعہ بہت ہی نازک تھا۔ اگر انصار اپنے میں سے کسی کو امیر بنا لیتے۔ تو اسلام کا اتحاد پارہ پارہ ہو جاتا۔ اگر حضرت ابوبکرؓ اپنی فراست سے یہ معاملہ حل نہ کر لیتے۔ تو اسلام کو اندرونی تفرقہ کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک طرف اس مقدس انسان کا جسد اطہر پڑا ہوا ہے۔ جس کے لیے انھوں نے چوتھائی صدی اپنی جانوں' مالوں اور اولادوں کو قربان کر رکھا تھا اور اب جس کی ابدی جدائی نے دیوانہ کر دیا تھا۔ دوسری طرف قومی اتحاد کا سوال۔ ان بزرگوں نے اپنی خواہشات پر قومی اتحاد کو مقدم کیا۔ اور اسلام کی وہ خدمت سرانجام دی۔ جس کے لیے ہمیشہ ہر مسلمان ان کا مرہون منت رہے گا۔

تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزہ و اقارب حضرت علیؓ حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادوں قثم اور فضل، اسامہ بن زید اور شقران[1] نے انجام دی۔

انصار کے اصرار پر حضرت علیؓ نے اوس بن خولی انصاری جو اصحاب بدر میں تھے کو حجرہ میں بلا لیا تھا۔ وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے۔ حضرت علیؓ نے جسد اطہر کو سینہ سے لگا رکھا تھا حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے جسم مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے۔ اسامہ اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔

آپؐ کے جسد اطہر کو تین سوتی سفید کپڑوں میں جو سحول کے بنے ہوئے تھے۔ کفنایا گیا تھا۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ (صحیح بخاری و مسلم کتاب الجنائز)

تکفین سے فارغ ہونے کے بعد جسد مبارک کی آخری زیارت کرنے کے لیے پردہ ہٹا دیا گیا۔ محزون زائرین آخری دیدار کرنے کے لیے آنے لگے اور چشم پرنم کے ساتھ واپس لوٹتے گئے۔

جب نماز جنازہ پڑھنے کا وقت آیا تو لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے باری باری حجرہ کے اندر جاتے اور نماز جنازہ ادا کرتے۔ پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے نماز پڑھی لیکن کوئی امام نہ تھا۔

ترمذی کی روایت سے ظاہر ہے کہ نماز جنازہ ادا کرنے کی تجویز حضرت ابوبکرؓ نے پیش کی اور حضرت علیؓ نے اس سے اتفاق کیا۔

نماز جنازہ سے فارغ ہو کر ہر شخص غم و الم کی حالت میں خاموش کھڑا تھا۔ اس موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ نے تقریر کی۔

السلام علیك یا رسول اللّٰه و رحمة اللّٰه و برکاته' نشهد ان نبی اللّٰه و رسوله قد بلغ رسالة ربه و جاهد فی سبیله حتی اتم اللّٰه النصر لدینه۔ وانه و فی بوعده وامر الا نعبد الا اللّٰه وحده و لا شریك له۔[2]

اے اللہ کے رسول! تجھ پر اللہ کی سلامتی اور اس کی رحمت اور اس کی برکات نازل ہوں۔ ہم گواہ ہیں کہ اللہ کے نبی اور رسول نے اپنے پروردگار کی رسالت پہنچا دی۔ اس کی راہ میں اس وقت تک جہاد جاری رکھا کہ جب تک اللہ نے اپنے دین کی نصرت نہ فرما دی۔ ہم اس پر بھی گواہ ہیں کہ خدا کے رسول نے اللہ کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا۔ اسے پورا کیا۔ اس نے حکم دیا تھا کہ ہم خدائے وحدہ لاشریک کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

جب تدفین کا وقت آیا۔ تو مدفن کی تعیین پر گفتگو ہوئی۔ جس میں تین مختلف آراء تھیں۔

ا۔ مکہ معظمہ۔ ب۔ بیت المقدس۔ ج۔ مدینہ منورہ۔

مکہ معظمہ اور بیت المقدس میں دفن کرنے پر مسلمان رضا مند نہ ہو سکے۔

مدینہ منورہ میں آپ کا مدفن بنانے پر صحابہؓ نے اتفاق کر لیا۔ اس کے بعد مرقد کے لیے جگہ کی تعیین پر گفتگو ہوئی۔ اس میں بھی مختلف آراء تھیں۔

ا۔ مسجد نبوی میں منبر کی جگہ جہاں آپؐ خطبہ فرماتے تھے۔

ب۔ مصلیٰ کی جگہ جہاں آپؐ امامت صلوٰۃ کے لیے قیام فرماتے تھے۔

یہ دونوں رائیں۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی روایت کی وجہ سے مسترد کر دی گئیں کہ آپؐ نے مرض کے آخری لمحات میں زبان مبارک سے یہ الفاظ فرمائے تھے۔

قاتل اللّٰه قومًا اتخذو قبور انبیاهم مساجد۔

---

[1] شقران حضور کے خدمت گار غلام ہیں۔

[2] حیات محمد مصنفہ محمد حسین ہیکل ص ۶۸۴ اردو ایڈیشن

خدا ایسی قوم کو ہلاک کرے۔ جنھوں نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا اس آخری اختلاف کو بھی حضرت ابوبکرؓ نے دور فرمایا۔

آپ نے فرمایا۔

سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول ما قبض نبیٌ الا دُفِنَ حیث یقبض."[1]

میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ نبی جس جگہ پر وفات پاتا ہے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔

آخر حجرہ عائشہ میں اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا۔ مدینہ میں حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت ابوطلحہؓ قبر کھودنے کے ماہر تھے۔ ابوعبیدہ اہل مکہ کے دستور کے مطابق صندوقی قبر کھودتے تھے اور حضرت ابوطلحہؓ مدینہ کے رواج کے مطابق بغلی قبر۔ اس پر بھی اختلاف رائے ہوا کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ دونوں صاحبوں کی طرف آدمی بھیجا جائے۔ جو پہلے آ جائے۔ صحابہؓ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے دونوں صاحبوں کی طرف آدمی بھیجے۔ حضرت ابوعبیدہؓ گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت ابوطلحہؓ آئے۔ انھوں نے مدینہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوڑھنے کی سرخ رنگ کی چادر کو قبر میں بچھا دیا گیا۔

جسم اطہر کو حضرت علیؓ۔ فضل بن عباسؓ۔ اسامہ بن زیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے قبر میں اتارا۔

---

[1] حیاتِ محمدؐ مصنفہ محمد حسین ہیکل اردو ایڈیشن ص ۶۸۳

متروکات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متروکات سے متعلق عمرو بن حویرثؓ کی جو ام المومنین جویریہؓ کے بھائی تھے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے۔

ماترک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عند موته درهما ولا دینارا ولا عبداً ولا امة ولا شیئًا الا بغلته البیضاء وسلاحه، و ارضاً جعلها صدقة.[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا۔ نہ درہم نہ دینار نہ غلام نہ لونڈی اور نہ کچھ اور صرف اپنا سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جو عام مسلمانوں میں صدقہ کر گئے۔

ابو داؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔

ما ترک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و آله وسلم دینارا ولا درهما ولا بعیرا ولا شاة.

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم نہ اونٹ نہ بکری۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "میرے وارث اشرفی بانٹ کر نہیں پائیں گے۔"

حضرت عائشہؓ کو وفات کے وقت دینار خیرات کر دینے کا حکم دے دیا تھا۔

عمرو بن حویرث کی حدیث سے یہ ظاہر ہے کہ کچھ زمین، سواری کے جانور اور ہتھیار تھے ان کے متعلق بھی عام اعلان فرما چکے تھے۔

نحن معشر الانبیاء ولا نورث ماترکناه صدقة.

ہم انبیاء کی جماعت اپنے کسی عزیز و قرابت دار کو اپنے متروکہ کا وارث نہیں بناتے ہمارا ترکہ امت کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ خیبر اور فدک کی زمین کے متعلق صحابہ میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت عباسؓ۔ حضرت فاطمہؓ اور اکثر ازواج مطہرات مدعی تھیں۔

کہ آپ کے متروکات کو بطور وراثت تقسیم ہونا چاہیے۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور دیگر اکابر صحابہ اس موقف پر تھے کہ وہ آپ کا ترکہ بطور وراثت تقسیم نہیں ہوگا۔ یہ وقف عام ہے اور آپ خود اپنی زندگی میں جس طرح زمین کی آمدنی صرف کرتے تھے۔ اس میں تغیر نہیں ہوگا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی میں تینوں جائیدادوں کی آمدنی مختلف مدوں میں صرف کیا کرتے تھے۔ مدینہ میں بنونضیر کی جائیداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لیے وقف تھی۔ فدک کی جائیداد کی آمدنی مسافروں کے لیے اور خیبر کی آمدنی کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا دو حصے عام مسلمانوں کے لیے تھے۔ ایک حصہ ازواج مطہرات کو سالانہ اخراجات کے لیے ملتا تھا۔

اسلحہ

جہاد کی ضرورت کے لیے خانہ مبارک میں حسب ذیل اسلحہ تھا۔

۸ تلواریں تھیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔ ماثور۔ عضب۔ ذوالفقار۔ قلعی۔ بتار۔ حتف۔ مخذم۔ قضیب۔

سات زرہیں تھیں۔ ذات الفضول۔ ذات الوشاح۔ ذات الحواشی۔ سعدیہ۔ فضہ۔ تبرا۔ خرنق۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الوصایا۔

یہ زرہیں سب لوہے کی تھیں۔

چھ کمانیں تھیں۔ زوراء۔ روحاء۔ صفراء۔ بیضاء۔ کتوم۔ شداد۔

ایک ترکش تھا۔ جس کو کافور کہتے تھے۔

ایک ڈھال تھی۔ جس کا نام زلوق تھا۔

پانچ برچھیاں تھیں۔

لوہے کے دو مغفر تھے۔ موشح اور سبوغ۔

تین جبے تھے۔ جن کو آپ لڑائی میں پہنتے تھے۔

ایک سیاہ علم تھا۔ جس کا نام عقاب تھا اور بھی زرد اور سفید علم تھے۔

جانور

تیہ۔ دُلدل۔ یہ وہ خچر ہے جس کا ذکر حضرت عمرو بن حویرثؓ کی روایت میں ہے۔ یہ خچر مقوقس مصری نے آپ کو تحفۃً بھیجی تھی۔

احادیث کے استقراء سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دُلدل کے علاوہ اور بھی سواری کے جانور آپ کی ملک میں آئے تھے۔ اس سے عمرو بن حویرث کی روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ عمرو صرف اس بات کا مدعی ہے کہ وفات کے وقت یہی سرمایہ تھا۔ ممکن ہے۔ دوسرے سواری کے جانور حسب عادت ہبہ یا خیرات کر دیئے ہوں۔

روایات صحیحہ سے یہ ظاہر ہے کہ حسب ذیل سواری کے جانور آپ کی ملک میں آئے۔

نحیف۔ عفیر۔ عضبا (قصواء) صحیح بخاری میں ہے کہ رئیس ایلہ نے بھی ایک سفید خچر غزوہ تبوک کے موقع پر تحفہ میں بھیجی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ نے زمامِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عام اعلان کے تحت آپ کا تمام ترکہ بیت المال میں داخل فرما دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسباب و دواب کی ایک بڑی فہرست طبری میں درج ہے۔ وہ پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ اس کی سند واقدی سے آگے نہیں بڑھتی۔

آثار متبرکہ

ان متروکات کے علاوہ آپ کے عقیدت مندوں کے پاس اور بھی بعض یادگاریں تھیں۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ نے صحابہ کو موئے مبارک عطا فرمائے تھے۔ زیادہ تر حضرت ابوطلحہ انصاری کے ہاتھ آئے تھے۔

حضرت انسؓ بن مالک کے پاس موئے مبارک کے علاوہ نعلین مبارک اور ایک لکڑی کا ٹوٹا ہوا پیالہ تھا۔ جو چاندی کے تاروں کے ساتھ جوڑ دیا گیا تھا۔ حضرت علیؓ کے پاس ذوالفقار تھی۔ ان کے بعد ان کے خاندان میں یادگار رہی۔

حضرت عائشہؓ کے پاس آپ کے وہ کپڑے تھے جن میں آپ نے وفات پائی۔

خاتم اور عصائے مبارک پہلے حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ کے قبضہ میں آئے لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد میں دونوں چیزیں ضائع ہو گئیں۔ خاتم تو آپ کے ہاتھ سے کنویں میں گر گئی اور عصائے مبارک کو جہاہ غفاری نے توڑ دیا تھا۔

مسکن مبارک

آپ کا ایک مکان مکہ میں موجود تھا۔ جو والد کی طرف سے ملا تھا جس پر عقیل نے قبضہ کر لیا تھا اور اسے فروخت کر دیا تھا۔ (صحیح بخاری فتح مکہ)

جب مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی۔ تو اسی کی اطراف میں ازواج مطہرات کے لیے چھوٹے چھوٹے حجرے بنا دیئے گئے تھے۔ جن میں نہ صحن تھا نہ دالان۔ ہر حجرہ کی وسعت چھ سات ہاتھ تھی۔ دیواریں مٹی کی تھیں چھت کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی تھی۔ بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو ہاتھ سے چھو سکتا تھا۔ حجرہ کے دروازوں پر پردہ ہوتا تھا۔[1]

ان حجروں کے علاوہ ایک بالا خانہ بھی تھا۔

حضرت عمرؓ کے عہد تک یہ تمام حجرے اپنے حال پر قائم رہے۔ حضرت عثمانؓ نے بعض حجرے توڑ کر مسجد نبوی میں داخل کر دیئے اور ۸۸ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو مدینہ کے والی تھے۔ تمام حجرے بجز حجرہ عائشہؓ مدفن نبوی کے توڑ کر مسجد نبوی میں داخل کر دیئے تھے۔

دایہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو والد کی طرف سے ایک حبشیہ کنیز ام ایمن ترکہ میں ملی تھیں' آپ ان کو ماں کہہ کر پکارتے تھے۔ جب آپ نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کی۔ تو آزاد کر کے حضرت زیدؓ سے شادی کر دی۔ ان ہی کے بطن سے حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے تھے۔

خدام خاص

(ا) حضرت عبداللہ بن مسعود۔ جلوت اور خلوت میں ساتھ رہتے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں جاتے۔ تو خواب گاہ' وضو اور مسواک وغیرہ کا اہتمام کرتے۔ جب کسی مجلس میں جا کر بیٹھتے۔ تو نعلین مبارک اتار کر پاس رکھ لیتے۔ جب اٹھتے۔ تو سامنے لا کر رکھ دیتے۔ راہ میں آگے آگے عصا لے کر چلتے۔

حضرت بلالؓ

حبشی نژاد غلام تھے۔ جب ایمان لائے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ گھریلو انتظام انہی کے سپرد تھا۔

حضرت انس بن مالک

جب آپ مدینہ تشریف لائے تو ان کو ان کی والدہ آپ کی خدمت میں لائیں اور عرض کی کہ "یا رسول اللہ یہ میرا بیٹا ہے۔ آپ کے پاس خدمت گزاری کے لیے چھوڑتی ہوں۔"

حضرت انسؓ نے دس برس تک آپ کی خدمت کی۔

---

[1] پوری تفصیل ادب المفرد بخاری باب التطاول فی البنیان میں ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گھریلو زندگی

ازواج مطہرات

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلاً (الاحزاب ۳۳:۲۸)

اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تمہارا مقصد دنیا کی زندگی اور اس کی زینت ہے۔ تو آؤ میں تمھیں سامان دوں۔ اور اچھی طرح رخصت کر دوں۔

ازواج مطہرات کے مختصر حالات زندگی لکھنے سے قبل اس شبہ کا ازالہ ضروری ہے جو مستشرقین ایک سے زیادہ بیویوں کے متعلق ظاہر کرتے ہیں۔

دنیا کے تمام مذاہب ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی تائید میں ہیں اور ان کے بڑے بڑے مقدس انسانوں کی زندگی میں ایک سے زائد عورتوں سے شادی کرنے کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

ہندو مذہب

(۱) مہاراجہ دسرت کی تین بیویاں تھیں۔ پٹ رانی کوشلیا والدہ رام چندر جی۔ رانی سمترا والدہ لچھمن جی۔ رانی کیکئی والدہ بھرت جی۔ (۲) سری کرشن جی کی سینکڑوں بیویاں تھیں۔ (۳) راجا پانڈو کی دو بیویاں تھیں کنتی۔ والدہ یدھشٹر و بھیم سنین دارجن۔ مادری' والدہ نکل و سہدیو (۴) راجا شنتن کی دو بیویاں تھیں۔ گنگا والدہ بھیکم۔ سیتہ دتی والدہ چترانگدو۔ (۵) بچترا ریج کی دو بیویاں اور ایک لونڈی تھی۔ امبکا' والدہ دھرتراشٹ پسر بیاس جی۔ امبالکا' والدہ پانڈو پسر بیاس جی۔ لونڈی' والدہ بدر پسر بیاس جی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کی بزرگی کا اعتراف نصف دنیا سے زیادہ کو ہے' ان کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں۔

(۱) سیدہ ہاجرہ۔ کتاب پیدائش $\frac{۱۶}{۴}$ والدہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

(۲) سیدہ سارہ۔ کتاب پیدائش $\frac{۱۸}{۱۵}$ والدہ اسحاق علیہ السلام

(۳) قتورہ خاتون۔ کتاب پیدائش $\frac{۲۵}{۱}$ والدہ زمران۔ یقسان۔ مدان۔ مدیان۔ اسباق۔ سوخ۔

حضرت یعقوب کی چار بیویاں تھیں۔

(۱) لیاہ کتاب پیدائش $\frac{۲۹}{۳۲}$ والدہ روبن سمعون لاوی۔ یہودہ۔ اشکار۔ زبلون۔

(۲) زلفہ کتاب پیدائش $\frac{۲۹}{۳۴}$ والدہ جد۔ اشر۔

(۳) راخل کتاب پیدائش $\frac{۲۹}{۲۸}$ والدہ یوسف علیہ السلام و بن یامین۔

(۴) بلہہ کتاب پیدائش $\frac{۲۹}{۲۹}$ والدہ دان ونفتال۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں۔

(۱) سفورہ خاتون کتاب خروج $\frac{۲}{۲۱}$ والدہ جیرسوم۔ الیعزر۔

(۲) حیشر (۳) ایک اور بیوی جس کے باپ کا نام قینی تھا۔ قاضیوں $\frac{۴}{۱۶}$

(۴) ایک اور بیوی جس کے باپ کا نام حباب تھا۔ قاضیون ۴/۱۶

تورات میں تعدد ازدواج کا جواز

جب تو لڑائی کے لیے اپنے دشمنوں پر خروج کرے اور خداوند تیرا خدا ان کو تیرے ہاتھوں سے گرفتار کرے اور تو انھیں اسیر کر لائے اور ان اسیروں میں خوبصورت عورت دیکھے اور تیرا جی اسے چاہے کہ تو اسے اپنی جورو بنائے تو تو اسے اپنے گھر میں لا۔ اس کا سر منڈا اور ناخن کٹوا۔ تو وہ اپنا اسیری کا لباس اتارے اور تیرے گھر میں رہے اور ایک مہینہ بھر اپنے باپ اور اپنی ماں کے سوگ میں بیٹھے۔ بعد اس کے تو اس کے ساتھ خلوت کر اور اس کا خصم بن اور وہ تیری جورو بنے۔ (کتاب استثناء ۲۱:۱۰۔۱۳)

حضرت داؤد کی ۹ بیویوں اور دس حرموں کا ذکر بائیبل میں صراحت سے ملتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کی ایک ہزار عورتیں تھیں۔

سات سو جوروئیں اور ۳۰۰ حرمیں تھیں۔ سلاطین ۱۱/۳

وحدت ازدواج کو مسیحی اصول نہیں کہا جا سکتا کیونکہ چند صدی پیشتر مسیحی ممالک میں تعدد ازدواج کا رواج رہا ہے اور نہ صرف عوام الناس میں بلکہ پادریوں میں بھی اس کا رواج تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی آ کر تعدد ازدواج کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔

جسٹینین قیصر روم نے وحدت زوج کو ملکی قانون بنایا تھا۔ پھر یہ قانون مذہبی رنگ اختیار کر گیا۔

رسول کریمؐ کی زندگی کے چار حصے

شادی کے لحاظ سے آپ کی عمر کو چار حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا حصہ وہ ہے۔ جب آپ نے تجرد کی زندگی بسر کی۔ یہ پچیس سال کی عمر تک ہے۔ دوسرا حصہ وہ ہے۔ جب آپ نے ایک بیوی سے شادی کی۔ یہ پچیس سال سے پچپن سال کی عمر تک ہے۔ تیسرا حصہ وہ ہے۔ جب آپ نے کئی ازواج سے شادی کی۔ یہ پچپن سال سے ساٹھ سال تک ہے اور آخری حصہ ساٹھ سال سے لے کر وفات تک ہے۔ اس حصہ عمر میں آپ نے کوئی شادی نہیں کی۔

مجردانہ زندگی

پہلے پچیس سال مجردانہ زندگی کے ہیں۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے۔ جب جذبات حیوانیہ میں اشتعال ہوتا ہے۔ ان پر قابو اور حکمرانی کرنا مشکل ترین کام ہوتا ہے۔ خصوصاً گرم ممالک میں جہاں بلوغت کی عمر جلد آ جاتی ہے۔ یہی وہ عمر کا دور ہے۔ جب آپ کی عفیف اور پاک زندگی کی وجہ سے قوم کی طرف سے ''الامین'' کا خطاب ملا تھا۔ یہ خطاب ظاہر کرتا ہے کہ جہاں آپ میں دوسرے تمام اخلاق حمیدہ اکمل طور پر پائے جاتے تھے۔ وہاں آپ عفت اور پاکیزگی کے وصف سے بھی احسن طور پر متصف تھے۔ سر ولیم میور جو مخالفانہ نقطہ نگاہ سے آپ کی زندگی کے حالات لکھتا ہے۔ وہ بھی لکھتا ہے کہ تمام راوی اس بات پر متفق ہیں کہ ''جوانی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیا پاکیزگی اور نیک چلنی کی صفات سے جو مکہ میں شاذ و نادر ہی پائی جاتی تھیں متصف تھے۔''

عمر کا یہ حصہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ اپنے جذبات حیوانیہ پر حاکم تھے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس وقت عرب سوسائٹی کی عام حالت ایسی تھی کہ بدکاری ان کا دن رات کا مشغلہ تھا۔ کوئی شخص بھی اس گناہ پر مطعون نہ ہوتا تھا بلکہ مرد اور عورت کے ناجائز تعلقات پر اشعار میں اعلانیہ فخر کیا جاتا تھا۔

ایک بیوی سے نکاح کی حالت

آپ کی عمر پچیس سال کی تھی۔ جب آپ نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کی جن کی عمر چالیس سال کی تھی۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات تک

آپ نے کوئی شادی نہیں کی۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا چونکہ وہ نابالغ تھیں اور جب تک وہ بالغ نہ ہوں آپ کو مجرد ہی رہنا تھا۔ اس لیے ایک معمر بی بی حضرت سودا نام سے آپ نے شادی کی۔ جو ایک مخلص صحابی کی بیوہ تھیں۔ جنھوں نے قریش مکہ کی ایذاؤں سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ یہ معمر بی بی تین سال مکہ میں اور دو سال مدینہ میں آپ کے گھر میں رہیں۔ حضرت عائشہؓ کا رخصتانہ ہجرت کے دوسرے سال ہوا۔

عرب میں ایک آدمی کے لیے تین چار شادیاں کرنا معمولی بات تھی۔ تعدد ازدواج صرف امراء تک ہی محدود نہ تھی بلکہ غرباء میں بھی رواج تھا۔

ایک تو وجہ یہ تھی کہ عرب میں اکثر خانہ جنگی رہتی تھی۔ جس کی وجہ سے مردوں کی تعداد بہت کم ہوگئی تھی۔

دوسرے عورتیں محنت مزدوری کر کے خاوند کی مزدوری بڑھانے کا موجب ہوتی تھیں اس وجہ سے اگر مرد کو دوسری شادی کرنے کی خواہش ہوتی تو کوئی امر مانع نہیں تھا۔

ایک دفعہ قریش نے خود یہ پیش کش کی تھی کہ آپ کو سردار بنانے کو تیار ہیں۔ مال و دولت سے گھر بھر دینے کو تیار ہیں۔ عرب کی حسین سے حسین عورت سے شادی کرانے کو تیار ہیں لیکن آپ توحید کی منادی سے رک جائیں لیکن آپ نے انکار کر دیا۔

آپ کے وہ صحابہ جنھوں نے آپ کے لیے اپنی جائیدادیں۔ گھر بار رشتے دار چھوڑ دیئے تھے کیا وہ آپ کی خواہش کے مطابق اپنی لڑکی کی شادی آپ سے کرنے کو تیار نہ تھے؟ دراصل جب تک آپ کو متعدد شادیاں کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اس وقت تک اس بات کو صحیح سمجھتے تھے کہ ایک مرد کا ایک شادی کرنا ہی اصل قانون ہے۔

متعدد شادیاں

متعدد شادیاں آپ نے زندگی کے تیسرے دور میں کی ہیں یہ دور پچپن سے ساٹھ سال تک کا ہے۔ جو شخص پچیس سال تک عفیفانہ زندگی بسر کرتا ہے۔ پھر ایک شادی کر کے دوسری شادی کی طرف مائل تک نہیں ہوتا۔ جب کہ لوگ حسین سے حسین عورت سے شادی کرانے کی پیش کش کرتے ہیں۔ وہ پچپن سال کے بعد جب کہ بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو چکے ہوتے ہیں۔ اپنی خواہش کے مطابق کیونکر متعدد شادیاں کرے گا۔

جب ہم واقعات پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ متعدد شادیوں کا زمانہ اور اقوام عرب کے ساتھ جنگ کرنے کا زمانہ ایک ہی ہے۔ یعنی ۲ھ سے لے کر ۸ھ کا زمانہ۔ جب اقوام عرب سے لڑائیوں کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے تو آپ کوئی شادی نہیں کرتے پھر یہ وہ زمانہ ہے جب کہ دشمن مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کو ہستی سے نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے۔ کبھی ایک قبیلہ کی طرف سے یہ خبر ملتی ہے کہ وہ حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ کبھی دوسرے قبیلہ کی طرف سے یہ خبر سنائی دیتی ہے کہ وہ مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ مسلمان دن رات مسلح ہو کر شہر کا پہرہ دیتے رہتے ہیں۔ کبھی تنگ آ کر آپ سے کہتے ہیں۔ ''اے اللہ کے رسولؐ ہم دن رات زرہ لگائے اور ہتھیار پہنے تھک گئے ہیں۔ تو آپ جواب دیتے ہیں کہ یہ زمانہ ختم ہو جائے گا''

آپ کو دن رات یہی فکر لگی رہتی ہے کہ کس طرح مٹھی بھر مسلمانوں کی حفاظت کا سامان کیا جائے۔ پھر آپ کو صرف بیرونی دشمنوں کا ہی خطرہ نہیں ہے بلکہ شہر کے اندر یہود اور منافق بھی مسلمانوں کو ہر وقت گزند پہنچانے کے منصوبے تیار کرتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں تو ایک عیاش بھی رنگ رلیاں اور عیش و عشرت بھول جاتا ہے۔ چہ جائیکہ ایک مسلمہ پاک باز انسان اپنے حیوانی جذبات کا غلام بن کر رنگ رلیوں میں مصروف ہو جائے۔

جب آپ کے دن ان تفکرات اور خدشات میں گزرتے ہیں تو کیا آپ رات کے وقت عیش و طرب کی محفل جما سکتے ہیں؟ اسی زمانہ کی شہادت ہے کہ آپ رات کو تہجد کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو لمبے قیام سے پاؤں متورم ہو جاتے ہیں۔ اب غور کا مقام ہے کہ آپ کب عیش و عشرت میں اپنے ہاتھ رنگتے ہیں۔ دن تو مسلمانوں کو پند و نصائح۔ نماز پڑھانے اور دشمنوں سے بچاؤ کی تدابیر سوچنے میں گزر جاتا ہے۔

جب لڑائی کا موقعہ آتا ہے۔ تو آپ بنفس نفیس مزدوروں کی طرح کام کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

رات بارگاہ الٰہی میں قیام کے ساتھ گزر جاتی ہے۔ ان حالات کے اندر کوئی شخص آپ کے متعلق عیش وعشرت کا وہم بھی دل میں نہیں لاسکتا۔ ہاں وہی شخص جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہو دل میں بغض وعناد کی آگ ہو۔ کان حقیقت پسندی سے ناآشنا ہوں۔

پس بڑھاپے میں آپ کا متعدد شادیاں کرنا اور صرف جنگ کے زمانہ تک کرنا صاف بتاتا ہے کہ تعداد ازدواج کا جنگ سے ضرور تعلق ہے۔ اب ظاہر ہے کہ لڑائی میں مرد مارے جاتے ہیں۔ عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ ضروری ہے کہ عورتوں کی خبر گیری اور اخلاق حسنہ کے زیور سے پیراستہ رکھنے کے لیے متعدد شادیاں کی جائیں۔

پس ایک تو آپ نے بیواؤں پر رحم اور خبر گیری کے لیے نکاح پر نکاح کیے۔ باسورتھ سمتھ ایک عیسائی مصنف نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

''یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے نکاحوں کی جہاں دیگر وجوہات ہوسکتی ہیں۔ یہ معقول وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ نے یہ نکاح ان بیبیوں پر رحم کھا کر کیے جو بے کس اور بے یارو مددگار رہ گئی تھیں۔ یہ عورتیں قریباً سب کی سب بیوہ ہی تھیں اور ان کے حسن و دولت کا کوئی شہرہ نہ تھا بلکہ بات اس کے بالکل برعکس تھی۔

دوسرے تجرد کی زندگی سے طرح طرح کی اخلاقی کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جذبہ شہوانی ایک فطری جذبہ ہے۔ اس کو زائل نہیں کیا جا سکتا۔ جذبات کو روکنا صحت کے لیے مضر ہے ان حالات خاصہ میں تعداد ازدواج کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

جنگ عظیم کے بعد یورپ میں یہی صورت حال پیدا ہوگئی تھی۔ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوگئی۔ تو تعداد ازدواج کے اصول کو نہ ماننے کی وجہ سے عیسائی ممالک میں بدکاری کی کثرت ہوگئی اور لوگ قسم قسم کی خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ افسوس اس امر پر ہے کہ یورپ کے فلاسفروں کی نظر میں ایک مرد کی دو بیویوں کا ہونا سب سے بڑا جرم ہے لیکن عورتیں جذبہ حیوانی کی تسکین یا معاشی تنگی کی وجہ سے اپنے جوہر عفت کو بیچیں اور لاکھوں کی تعداد میں بدکاری کی وجہ سے بچے پیدا ہوں۔ جن کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہ ہو تو اس پر ان معترضین کا دل نہیں کڑھتا۔

چوتھا زمانہ

یہ دور ساٹھ سال سے وفات تک کا زمانہ ہے۔ جب ملک عرب میں جنگ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ عیش وعشرت کے لیے مناسب وقت تھا لیکن آپ نے اس دور میں کسی عورت سے شادی نہیں کی۔ اگر آپ کسی نفسانی خواہشات کے تحت شادیاں کرتے ہوتے۔ تو اب نفس امارہ کی شہوانی ہوس کی تسکین کے لیے موزوں ترین وقت تھا۔ ملک کے بادشاہ تھے۔ دشمن کی طاقت کا عصا ٹوٹ چکا تھا لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا کیونکہ تعداد ازدواج کی ضرورت ختم ہو چکی تھی۔

آپ کی سادہ زندگی

آپ کی سادہ اور فقیرانہ زندگی بھی اس بات پر شاہد ہے کہ آپ کو عیش وعشرت اور رنگ رلیوں سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ لباس سادہ موٹا پیوند لگا ہوتا اور ضروریات کے لیے نہایت ہی مختصر سامان رکھتے۔ گھر میں کئی کئی دن تک کھانا نہیں پکتا۔ کھجوروں پر ہی وقت گزرتا رہتا۔

اگر آپ دولت کے خواہاں ہوتے۔ تو بیت المال سے جس قدر چاہتے لے سکتے تھے۔ عیاشی اور سادگی اور دنیا سے بے رغبتی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔

بیویوں کو سامان زینت دینے سے انکار

دنیا میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ عیاش آدمی اپنی بیوی کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کو تیار رہتا ہے۔ خاص طور پر سامان زینت کی ضرورت کو۔ لیکن اس کے برعکس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ نمونہ ہے کہ جب مدینہ میں مال غنیمت آنا شروع ہوتا ہے۔ تو رسول کریم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ ہم بھی بحصہ رسدی مال سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں۔ آپؐ کی خدمت میں درخواست کرتی ہیں۔ تو خدا کا نبی خدا سے وحی پا کر یہ کہتا ہے۔ ''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تمہارا مقصد دنیا کی زندگی اور اس کی زینت ہے تو آؤ میں تمھیں سامان دوں اور اچھی طرح رخصت کر دوں۔ (احزاب)

کیا شہواتِ نفسانی کا بندہ یہ بات کہہ سکتا ہے کہ اگر سامان زینت چاہتی ہو تو گھر سے نکل جاؤ۔

تعدد ازدواج کی غرض

متعدد نکاحوں کی غرض قرآن مجید یہ بیان کرتا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ۔ (۳۳:۳۴)

اور اگر تمہاری غرض اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بڑا اجر رکھا ہے۔ اور یاد کرو۔ وہ جو اللہ کی آیات اور دانائی کی باتوں سے تمھارے گھروں میں پڑھا جاتا ہے۔

ان آیات کریمہ میں ازواج مطہرات کے آپ کی زوجیت میں آنے کی غرض کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی باتیں پھیلائیں۔ کیا مقدس غرض ہے جب کہ عام لوگ شادی صرف سکون قلب کے لیے کرتے ہیں۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غرض اس سے بہت بلند ہے اور وہ یہ ہے عورتوں سے متعلقہ مسائل جن کو آپ بھی کھول کر عورتوں سے بیان نہیں کر سکتے تھے وہ ازواج مطہرات دوسروں کو سکھائیں۔

متعدد نکاحوں کی ضرورت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عالمگیر تعلیم لے کر آئے تھے۔ اس عالمگیر تعلیم میں ان تمام ضروریات کا پورا کرنے کا سامان موجود ہونا چاہیے تھا بعض اوقات مرد کو ایسی ضرورتیں پیش آ جاتی ہیں جس کی وجہ سے اسے نکاح ثانی کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً بیوی بانجھ ہو یا عورت کسی بیماری میں مبتلا ہو جائے تو مرد کو دوسری شادی کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

ملکی مصلحت

بعض اوقات ملکی مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہوتا تھا۔ مثلاً جب حضرت جویریہؓ سے شادی کی تو مسلمانوں نے اس قبیلہ کے تمام اسیروں کو آزاد کر دیا اور وہ لوگ جو عداوت اور بغض کی جس آگ میں جل رہے تھے۔ اس رشتہ نے اس آگ کو بجھا دیا۔ دشمنی دوستی میں ڈھل گئی۔ اسی طرح بعض اور شادیوں سے بھی خاطر خواہ نتائج نکلے۔

مطلقہ عورتوں کی عزت افزائی

ہر معاشرہ میں مطلقہ عورتوں کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطلقہ عورت سے بھی شادی کر کے اس کی عزت افزائی کی ہے اور اپنے عملی نمونہ سے واضح کر دیا کہ اگر کوئی عورت کسی خاص مجبوری کی وجہ سے خلع لے لیتی ہے۔ یا مرد طلاق دے دیتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے نام پر کوئی داغ نہیں آنا چاہیے۔

غیر قوموں کی عورتوں سے شادی کرنا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں قریشی عورتیں بھی تھیں۔ غیر قریشی بھی۔ حضرت صفیہ بنی اسرائیل میں سے تھیں۔ مگر پھر بھی عرب کی تھیں لیکن آپ نے غیر قوم کی عورت سے شادی کر کے عملی نمونہ سے بتا دیا کہ آپؐ دوسری قوموں کی بھی ویسے ہی عزت کرتے ہیں جیسا کہ اپنی قوم عرب کی اور اپنی قوم کو سبق دیا کہ اگر وہ غیر قوم سے شادی کریں۔ تو ان سے ویسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے جیسا کہ اپنی قوم کی عورت سے کرتے ہیں۔

مساوات بین الرجال والنساء کے حامی یہ عذر پیش کریں گے کہ پھر ایک عورت کو بھی کئی شادیاں کرنے کی اجازت دینی چاہیے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ ہر مولود کے والدین کی تشخیص ضروری ہے تا کہ بچے کی تربیت کی ذمہ داری جائز شخص پر ہو سکے۔ اگر ایک عورت کو کئی مردوں کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ تو مولود کے باپ کی تشخیص مشکل ہو جائے گی۔
علاوہ بریں ایک عورت کے کئی خاوند ہوں تو وہ امراض خبیثہ مخصوصہ نساء میں مبتلا ہو جائے گی۔

ازواج مطہرات

حضرت خدیجہؓ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے پہلی شادی حضرت خدیجہؓ سے ہوئی تھی۔ آپ کی عمر پچیس سال تھی۔ اور حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال سوائے ابراہیم کے آپ کی ساری اولاد انہی کے بطن سے ہوئی۔ ہجرت سے تین سال پیشتر حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا تھا۔

حضرت عائشہؓ

حضرت خدیجہؓ کی وفات آپ کے لیے بڑا صدمہ تھا۔ ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنی لڑکی حضرت عائشہ کا نکاح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ حضرت عائشہؓ کی عمر کم تھی اس لیے وہ اپنے والد کے گھر میں ہی رہیں۔ ہجرت کے کوئی سات یا آٹھ ماہ بعد مدینہ میں پہنچ کر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر آئیں۔ آپؐ کی ازواج میں سے صرف حضرت عائشہؓ ہی کنواری تھیں۔

حضرت سودہؓ

حضرت عائشہؓ سے نکاح ہونے کے بعد آپ نے حضرت سودہؓ سے مکہ میں ہی نکاح کر لیا۔ سودہؓ معمر بی بی تھیں۔ وہ اور ان کا خاوند سکران بن عمرو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے واپسی پر سکران وفات پا گئے۔ حضرت سودہؓ کو معاشی تنگی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وجہ سے انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کی درخواست کی۔ آپ نے اسے منظور کر لیا اور شادی کر لی۔

حضرت حفصہؓ

حضرت حفصہؓ کے خاوند خنیس بن حذافہ جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے تو حضرت عمرؓ نے پہلے حضرت ابوبکرؓ سے پھر حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ وہ ان کی بیوہ صاحبزادی سے شادی کر لیں۔ لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۳ھ میں ان سے شادی کر لی۔

زینب بنت خزیمہؓ

۳ھ میں عبداللہ بن جحش جنگ احد میں شہید ہوئے۔ ان کی بیوی زینب بنت خزیمہ بیوہ رہ گئیں۔ اور آپ نے ان سے شادی کر لی۔

ام سلمہؓ

۴ھ میں ابوسلمہ وفات پا گئے۔ آپ نے ان کی بیوہ ام سلمہؓ سے اسی سال شادی کر لی۔

زینب بنت امیم

زینب بنت امیم رشتہ میں آپ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ آپ نے خود نکاح حضرت زیدؓ سے کرایا تھا۔ وہ ایک آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت زینب اعلیٰ خاندان قریش میں سے تھیں۔ اس بناء پر حضرت زید اور حضرت زینب کا آپس میں نباہ نہ ہو سکا۔ آخر کار انھوں نے طلاق دے دی اور ۵ ہجری میں آپ نے نکاح کر لیا۔

آنحضرتؐ کے زینب سے نکاح کی وجوہات

زید کے طلاق دینے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے حکم سے نکاح کیا تھا۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک یہ کہ زید منہ بولے بیٹے تھے۔ عرب کے رواج کے مطابق منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے شادی کرنا ناجائز تھا۔ عرب کی اس رسم کو ختم کرنے کے لیے خدا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت زید کی مطلقہ بیوی سے شادی کا حکم دیا۔ تاکہ آپ عملی نمونہ سے اس رسم کو ختم کر دیں۔

دوسری وجہ یہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مطلقہ عورتوں کی عزت افزائی کے طور پر نکاح کیا تھا کیونکہ مطلقہ عورت کے نام پر عموماً داغ سا لگ جاتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوائے حضرت عائشہؓ کے تمام بیبیاں بیوہ تھیں۔ اس لیے آپ کو یہ حکم ہوا کہ ایک مطلقہ عورت سے نکاح کر کے امت کے لیے نمونہ قائم کریں۔

جھوٹے قصے

اس نکاح کے متعلق بلاتحقیق قصے لکھے گئے ہیں۔ جس کو مستشرقین نے خوب اچھالا ہے کہ زید نے طلاق اس لیے دی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ حضرت زینب سے نکاح کا تھا۔ بعض نے یہ لغو تفصیلات بڑھائی ہیں کہ رسول کریمؐ حضرت زید کی غیر حاضری میں ان کے گھر گئے۔ وہاں حضرت زینبؓ کے حسن و جمال کو دیکھ کر نکاح کا ارادہ کر لیا۔ تو حضرت زیدؓ نے آپ کے اس ارادے کو بھانپ کر طلاق دے دی۔ نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات۔

اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشاء خود نکاح کرنے کا تھا تو آپ حضرت زیدؓ کو طلاق دینے سے کیوں روکتے۔ اگر یہ کہا جائے کہ لوگوں کے خوف سے تو اتق اللہ کی ہدایت کس طرح موزوں تھی۔ نعوذ باللہ خود تو خلاف تقوی کام کریں اور مرید کو تقوی کی تلقین کریں۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو حضرت زیدؓ ایک لحہ کے لیے بھی آپ کی بیعت میں نہیں رہ سکتے تھے۔

یہ بات اور بھی زیادہ لغو ہے کہ آپ نے زینب کو دیکھ لیا تھا۔ حضرت زینبؓ آپ کی رشتہ دار تھیں۔ حضرت زیدؓ سے نکاح کرنے سے قبل ایک دفعہ نہیں بلکہ ہزاروں دفعہ دیکھا ہوگا۔ زینبؓ اور ان کا بھائی خود بھی چاہتے تھے کہ آپ شادی کر لیں۔ آپ نے انکار کر دیا اور حضرت زیدؓ سے شادی کر دی۔ کنوارہ پن میں تو نہ ہی فریفتہ ہوئے اور نہ ہی نکاح کرنا قبول کیا۔ حضرت زیدؓ سے شادی ہو چکنے کے بعد حسن و جمال آنکھوں کو بھا گیا اور نکاح کرنے کا بھی ارادہ کر لیا۔ یہ تمام مفتریات ہیں۔ اسے مطلقہ ہونے کی حالت میں اپنے نکاح میں لانا سوائے کسی مجبوری کے نہیں ہوسکتا۔ وہ وجوہات اوپر بیان ہو چکی ہیں۔

حضرت جویریہؓ

حضرت جویریہ حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ جو قبیلہ بنی مصطلق کا رئیس تھا۔ حضرت جویریہ کا پہلا خاوند مسافع بن صفوان غزوہ مصطلق میں قتل ہوا۔ اس لڑائی میں کثرت سے لونڈیاں اور غلام مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ ان میں حضرت جویریہ بھی تھیں۔ حضرت جویریہ ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے حصہ میں آئیں۔

حضرت جویریہ ۱۹ اوقیہ سونا کی شرط پر مکاتبہ بن گئیں۔ یہ رقم حضرت جویریہ کی استطاعت سے باہر تھی۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور کہا۔ ''یا رسول اللہ! میں ایک کلمہ گو مسلمان عورت اور حارث کی بیٹی جویریہ ہوں۔ جو اپنی قوم کا رئیس ہے۔ مجھ پر جو مصیبتیں آئی ہیں۔ وہ آپ سے مخفی نہیں ہیں۔ میں ثابت کے حصے میں آئی ہوں۔ ۱۹ اوقیہ سونے پر ان سے عہد کتابت کیا ہے۔ آپ کی خدمت میں استعانت کے لیے آئی ہوں۔'' آپ نے فرمایا۔

''ایک بہتر صورت پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں زرفدیہ ادا کر دیتا ہوں آپ مجھ سے عقد کرنا منظور کر لیں۔''

وہ راضی ہوگئیں۔ آپ نے ثابت کو بلایا۔ ان کو رقم ادا کی اور حضرت جویریہؓ سے شادی کر لی۔

جب مسلمانوں کو علم ہوا کہ آپ نے بنو مصطلق سے رشتہ مصاہرت جوڑ لیا ہے۔ تو انھوں نے بنی مصطلق کے تمام لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کر دیا۔ ایک روایت میں تعداد سات سو بتائی گئی ہے۔

بعض مورخین یہ لکھتے ہیں کہ حضرت جویریہ کے والد خود اپنی بیٹی کا فدیہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مع اپنے دو بیٹوں کے مشرف باسلام ہوا۔ خود حارث نے جویریہ کا نکاح آپ سے کر دیا۔[1]

ام حبیبہؓ

رملہ نام اور ام حبیبہ کنیت تھی۔ عبید اللہ بن جحش سے نکاح کیا۔ دونوں مشرف باسلام ہوئے۔ حبش کی طرف ہجرت کی۔ وہاں جا کر عبید اللہ بن جحش نے نصرانیت قبول کی اور ام حبیبہ اسلام پر قائم رہیں۔ اختلاف مذہب کی بناء پر عبید اللہ بن جحش نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن امیہ الضمری کو نجاشی کے پاس نکاح کی غرض سے بھیجا چنانچہ نجاشی نے نکاح پڑھایا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا۔ جب نکاح کی تمام رسومات ادا ہوگئیں تو نجاشی نے ان کو شرجیل کے ساتھ آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ ام حبیبہؓ نے ۲۲ھ میں وفات پائی اور مدینہ میں دفن ہوئیں۔

حضرت میمونہؓ

میمونہ نام باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا۔ پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر کے نکاح میں تھیں۔ مسعود نے طلاق دی۔ تو ابو رہم بن عبدالعزیٰ نے نکاح کیا ابو رہم کی وفات کے بعد رسول کریمؐ کے نکاح میں آئیں۔

مقام سرف میں نکاح ہوا اور مقام سرف پر ہی ان کا انتقال ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ ۵۱ ہجری میں وفات پائی۔

حضرت صفیہؓ

زرقانی نے لکھا ہے کہ مال غنیمت کا جو بہترین حصہ بادشاہ کے حصہ میں آتا تھا۔ اس کو صفیہ کہتے تھے۔ چونکہ صفیہ غزوہ خیبر میں اسی طریق کے موافق آپ کے نکاح میں آئی تھیں۔ اس لیے صفیہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اصلی نام زینب تھا۔ باپ کا نام حی بن اخطب ماں کا نام ضرہ تھا۔

حضرت صفیہ کی پہلی شادی سلام بن مشکم القرصی کے ساتھ ہوئی۔ اس نے طلاق دے دی۔ تو کنانہ بن ابی الحقیق کے عقد میں آئیں۔ جنگ خیبر میں ان کے شوہر، باپ اور بھائی کام آئے اور خود بھی اسیر ہو کر مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ جب خیبر کے قیدی جمع کیے گئے تو دحیہ کلبی نے آپ سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ تو آپ نے انتخاب کرنے کی اجازت دے دی۔ حضرت دحیہ کلبی نے حضرت صفیہ کو منتخب کیا۔ ایک صحابی نے جا کر عرض کی کہ آپ نے رئیسہ بنونضیر و قریظہ کو دحیہ کو عنایت کر دیا ہے۔ وہ تو آپ کے قابل ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ دحیہ لونڈی کو لے کر حاضر خدمت ہو۔ وہ صفیہ کو لے کر آئے۔ تو آپ نے دوسری لونڈی دے دی اور صفیہ کو آزاد کر کے خود شادی کر لی۔ مخالفین نے اس واقعہ کو نہایت ہی بدنما پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

حضرت صفیہ کا واقعہ حضرت انسؓ سے مختلف روایات میں منقول ہے۔ اور وہ بھی باہم مختلف ہے۔ بخاری کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ جب قلعہ خیبر فتح ہوا۔ تو لوگوں نے آپ کے سامنے حضرت صفیہ کے حسن کا ذکر کیا۔ آپ نے ان کو اپنے لیے پسند کر لیا۔

دوسری یہی روایت اس طریقہ سے منقول ہے کہ جب لڑائی کے بعد قیدی جمع کیے گئے تو حضرت دحیہ کلبی نے آپ سے درخواست کی کہ قیدیوں میں سے ایک لونڈی ان کو عنایت کی جائے۔ آپ نے ان سے کہا کہ انتخاب کر لیں۔ تو انھوں نے صفیہ کو چن لیا لیکن لوگوں کو اعتراض

---

[1] سیرت خیر البشر مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ص ۱۶۸۔

ہوا تو ایک صحابی نے آ کر آپ سے کہا۔

یا رسول اللہ! آپ نے صفیہ کو وحیہ کے حوالہ کیا ہے۔ وہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ ہے اور آپ کے سوا اور کوئی لائق نہیں۔[1]

اس کے بعد آپ نے حضرت صفیہ کو آزاد کر دیا اور ان سے نکاح کر لیا۔

ابو داؤد میں یہ دونوں روایتیں ہیں اور دونوں حضرت انسؓ سے مروی ہیں۔ ابو داؤد کی شرح میں مازری کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ''چونکہ وہ عالی مرتبہ اور رئیس یہود کی صاحبزادی تھیں اس لیے ان کا کسی اور کے پاس جانا ان کی توہین تھی۔''

حضرت صفیہؓ سے شادی کرنے کی وجہ ہی یہی تھی کہ وہ ایک عالی مرتبہ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ باپ اور شوہر دونوں قتل ہو چکے تھے۔ اس لیے پاس خاطر کے لیے آپ نے ان سے شادی کر لی۔

مسند احمد بن حنبل کی روایت ہے کہ آپ نے ان کو اختیار دیا کہ وہ آزاد ہو کر اپنے گھر چلی جائیں۔ یا آپ کے نکاح میں آنا قبول کریں۔ انھوں نے دوسری صورت قبول کر لی۔

تراحم اور حسن خلق کے علاوہ سیاسی حیثیت سے بھی یہ اقدام نہایت موزوں تھا۔ حضرت صفیہ کا انتقال رمضان ۵۰ھ میں ہوا (الاستیعاب)

ماریہ قبطیہ

۷ھ میں شاہ مصر نے ماریہ قبطیہ کو آپ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تھا۔ آپ نے ان کو اپنے حرم میں داخل کیا اور ان کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں یہ غلط خیال ہے کہ آپ نے حضرت ماریہ قبطیہ کو لونڈی کی حیثیت میں رکھا آپ کی زندگی خود اس بات کی تردید کرتی ہے کہ آپ نے کسی کو کبھی بحیثیت غلام کے اپنے پاس رکھا ہو بلکہ سب کو آزاد کر دیا تھا۔

لونڈیوں کے بارہ میں تو آپ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے پاس لونڈی ہو۔ پھر وہ اسے اچھی تربیت دے اور آزاد کر کے اس کا نکاح کر دے۔ وہ دوہرے اجر کا مستحق ہے جب آپ دوسروں کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ لونڈی کو آزاد کر کے یا خود نکاح کریں۔ یا کسی سے نکاح کر دیں تو خود کس طرح اس کے خلاف کر سکتے تھے۔ حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ جنگ میں قیدی بن کر آئیں۔ آپ نے پہلے ان کو آزاد کیا۔ پھر شادی کی۔ صحابہ کا عمل بھی یہی تھا۔

جب قرآن مجید میں آپ کو یہ حکم ہوا کہ آپ اپنی ازواج کو پردہ کا حکم دیں' یہ حکم صاف الفاظ میں بیبیوں کے لیے تھا۔ لونڈیوں کے لیے نہ تھا۔ لیکن یہ ثابت ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہ بھی پردہ کیا کرتی تھیں۔

قرآن شریف میں یہ حکم نازل ہوا کہ مسلمان رسولؐ کی ازواج سے شادی نہ کریں تو آپ کی وفات کے بعد دوسری ازواج کی طرح ماریہ قبطیہ نے بھی شادی نہ کی۔ آپ کی وفات کے بعد دوسری بیبیوں کی طرح ماریہ قبطیہ کو بھی نفع دیا جاتا تھا۔

پس یہ تمام تاریخی واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ ماریہ قبطیہ کو آپ نے اپنی ازواج میں شامل کیا تھا لونڈی نہ تھیں۔

حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ بنت خزیمہ آپ کی زندگی میں فوت ہوئیں۔

ازواج مطہرات کے مصارف کا انتظام

ازواج مطہرات کے مصارف کا انتظام یہ تھا کہ بنو نضیر کے نخلستان میں ان کا حصہ مقرر کر دیا گیا تھا۔ وہ فروخت کر دیا جاتا جو سال بھر کے اخراجات کے لیے کافی ہوتا تھا جب خیبر فتح ہوا تو ہر بیوی کے لیے ۸ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو سالانہ مقرر کیا گیا۔

ازواج مطہرات کی سادہ زندگی

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کا انتظام بہت ہی سادہ تھا۔ کئی کئی دن تک چولھے میں آگ

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۵۴۶ باب فضل عتق الامتہ ثم التزوج بہا۔

نہیں جلتی تھی۔ جب مال و زر کثرت کے ساتھ مدینہ میں آنے لگا۔ تو ازواج مطہرات نے بھی آپ سے مزید نفقہ اور زخارف دنیوی کا مطالبہ کیا۔ تو آپؐ نے ان سے ایلاء کر لیا۔

حسن سلوک

آپ کو ازواج مطہرات سے بہت محبت تھی۔ کبھی بھی ان سے ترش روئی اور کرخت لہجہ سے پیش نہیں آئے ان کی ہر طرح خاطر داری فرماتے اور ان کی نازک مزاجیاں برداشت کرتے تھے۔ آپ کے حسن سلوک کا ہی کرشمہ تھا کہ جب ابوسفیان مدینہ تجدید معاہدہ کے لیے جاتے ہیں۔ تو پہلے اپنی بیٹی ام حبیبہ کے پاس گئے۔ تو ابوسفیان نے آپؐ کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ تو بیٹی نے بڑھ کر بستر کو لپیٹ کر ایک طرف کر دیا اور ابوسفیان سے کہا کہ وہ اس بستر پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہے۔

حجتہ الوداع کے موقعہ پر آپؐ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔

''اے لوگو! تمھارے کچھ حقوق بیویوں پر ہیں۔ اور ایسے ہی ان کے حقوق تم پر ہیں وہ تمھارے ہاتھوں میں اللہ کی امانتیں ہیں۔ ان کے ساتھ بہت ہی مہربانی کا سلوک کرو۔'' (مسلم)

پھر ایک دفعہ فرمایا تھا۔

''عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے میں میری نصیحت قبول کرو۔'' (بخاری)

پھر فرمایا۔

تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیویوں سے بہترین سلوک کرتا ہے۔'' (مشکوٰۃ)

آپ کا معمول یہ تھا کہ ہر روز ازواج مطہرات کے گھروں میں تشریف لے جاتے۔ ہر ایک کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہرتے۔ جب ان کا گھر آتا جن کی باری ہوتی۔ تو آپ وہاں قیام فرماتے۔

اولاد

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی تعداد میں اختلاف ہے۔ متفق علیہ روایت یہ ہے کہ آپ کے چھ بچے تھے۔

قاسم۔ ابراہیم۔ زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ فاطمہ۔

ابن اسحاق نے دو اور صاحبزادوں کا ذکر کیا ہے۔ طاہر۔ طیب اس بناء پر لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد برابر ہو جاتی ہے۔

آپ کی اولاد کے بارہ میں تمام اقوال جمع کیے جائیں۔ تو ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے بارہ بچے تھے۔ جن میں آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں۔ قاسم اور ابراہیم پر تمام راویوں کا اتفاق ہے۔

حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے اور بقیہ اولاد حضرت خدیجہؓ سے تھی۔

حضرت قاسم

آپ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ مجاہد کے نزدیک یہ صرف سات دن زندہ رہے۔ ابن سعد کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو سال تک زندہ رہے اور ابن فارس نے تحریر کیا ہے کہ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابو القاسم ان ہی کے نام پر ہے۔ عام روایت ہے کہ قبل از بعثت وفات پائی۔

حضرت زینبؓ

لڑکیوں میں سے سب سے بڑی لڑکی تھی۔ بعثت سے دس برس پہلے جب کہ آپ کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔ پیدا ہوئیں۔

حضرت زینب کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع لقیط سے ہوئی غزوہ بدر میں ابو العاص گرفتار ہو گئے۔ تو جب رہا کیے گئے۔ تو ان سے وعدہ لیا گیا کہ وہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں گے۔ ابو العاص نے مکہ جا کر اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ حضرت زینبؓ کو مدینہ روانہ کیا۔ جب ذی طویٰ میں پہنچے تو چند کفار نے تعاقب کیا۔ ہبار بن اسود نے حضرت زینبؓ کو اونٹ سے گرا دیا۔ وہ حاملہ تھیں۔ حمل ساقط ہو گیا۔

کنانہ نے تیر نکال لیے۔ اتنے میں ابو سفیان روساء قریش کے ساتھ آیا۔ اور کہا "اب تیر ترکش میں ڈال لو۔ ہم نے آپ سے کچھ گفتگو کرنی ہے۔" کنانہ نے تیر ترکش میں ڈال لیے تو ابو سفیان نے کہا۔ "محمدؐ کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں۔ تم کو معلوم ہیں۔ اب اگر تم مدینہ ان کی لڑکی لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے ہم کو زینب کے روکنے کی ضرورت نہیں جب شور و ہنگامہ کم ہو گا۔ تو چوری چھپے لے جانا۔" کنانہ نے یہ رائے تسلیم کر لی۔ چند روز کے بعد حضرت زینب کو رات کے وقت لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت زید بن حارثہ بطن یا جج میں موجود تھے۔ جنھیں آپ نے پہلے سے بھیج دیا تھا۔ کنانہ نے زینب کو ان کے حوالے کر دیا۔ وہ ان کو لے کر روانہ ہو گئے۔

جمادی الاولیٰ ۶ھ میں ابو العاص دوبارہ ایک سریہ میں گرفتار ہوئے۔ حضرت زینب نے ان کو پناہ دی۔ جب ابو العاص واپس مکہ آئے۔ لوگوں کی امانتیں واپس کیں اور اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ تو حضرت زینبؓ دوبارہ ان کے نکاح میں آ گئیں۔

۸ھ میں حضرت زینب نے انتقال کیا۔

حضرت زینب نے دو اولاد چھوڑیں۔ امامہ اور علی۔ علی بچپن میں ہی فوت ہو گئے لیکن عام روایت ہے کہ سن رشد کو پہنچے۔

ابن عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کی جنگ میں شہادت پائی۔

حضرت فاطمہ کے انتقال کے بعد حضرت امامہ کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی۔ جب حضرت علیؓ نے شہادت پائی تو ان کی شادی حضرت مغیرہ سے ہوئی۔

حضرت رقیہ

حضرت زینبؓ کے بعد ۳۳ سال قبل نبوت میں پیدا ہوئیں۔ پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے شادی ہوئی۔ یہ شادی قبل از نبوت ہوئی۔ آپؐ کی دوسری صاحبزادی ام کلثوم کی شادی بھی ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوئی تھی۔ جب رسول کریمؐ نے دعویٰ نبوت کیا تو ابولہب نے دونوں بیٹوں سے طلاق دلوا دی۔ آپؐ نے حضرت رقیہ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی۔

نکاح کے بعد حضرت عثمانؓ نے بمع اپنی زوجہ کے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہیں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام عبداللہ تھا۔ صرف ۶ سال زندہ رہا۔ جب حضرت عثمانؓ حبشہ سے مکہ کو واپس آئے تو وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ رقیہ وہاں بیمار ہوئیں۔ غزوہ بدر کا زمانہ تھا۔ عین اسی دن جس روز حضرت زید بن حارثہ نے مدینہ آ کر فتح کی خوشخبری سنائی۔ وفات پائی۔ حضرت رسول کریمؐ غزوہ بدر کی وجہ سے ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

حضرت ام کلثومؓ

حضرت رقیہ کے انتقال کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ام کلثوم کے ساتھ نکاح کر لیا۔ جب حضرت حفصہ بیوہ ہوئیں۔ تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت عثمانؓ نے تامل کیا۔ دوسری روایات میں ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا۔ تو آپؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا۔ ''میں تم کو عثمانؓ سے بہتر شخص بتاتا ہوں اور عثمانؓ کے لیے تم سے بہتر شخص۔ تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کر دو اور میں اپنی لڑکی کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیتا ہوں۔'' اور نکاح کے بعد ام کلثوم ۶ برس تک زندہ رہیں۔ شعبان ۹ھ میں فوت ہوئیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت فاطمہؓ

نام فاطمہؓ الزہرا لقب۔ سن ولادت میں اختلاف ہے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے پیدا ہوئیں۔ بعض روایات میں ہے۔ نبوت سے تقریباً ایک سال قبل پیدا ہوئیں۔ ایک روایت میں ہے اھ بعثت میں پیدا ہوئیں۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ تمام اولاد دعویٰ نبوت سے قبل پیدا ہوئی۔

ہجرت کے بعد ۲ھ میں جب حضرت فاطمہؓ کی عمر پندرہ سال ساڑھے پانچ ماہ ہوئی تو رسول کریمؐ نے حضرت علیؓ سے شادی کر دی۔
جہیز میں ایک پلنگ اور ایک بستر دیا۔ اصابہ میں لکھا ہے کہ آپؐ نے ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشک بھی دی۔
حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔
حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں۔ حسنؓ۔ حسینؓ۔ محسنؓ۔ ام کلثومؓ۔ زینبؓ۔ محسن نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔
حضرت فاطمہؓ نے رمضان ۱۱ھ میں رسول کریمؐ کی وفات کے ۶ ماہ بعد وفات پائی۔

حضرت ابراہیم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری اولاد ہے۔ ذی الحجہ ۸ھ میں ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے ابورافع کی بی بی سلمٰی نے دایہ گیری کی خدمت انجام دی۔ ساتویں دن عقیقہ ہوا۔

آپؐ نے بال کے برابر چاندی خیرات کی۔ دودھ پلانے کے لیے ام بردہ خولہ بنت زید الانصاری کے حوالہ کیا۔ اس کے معاوضہ میں کھجور کے چند درخت دیئے۔

ام بردہ حوالی مدینہ میں رہتی تھیں۔ آپ وہاں جاتے۔ حضرت ابراہیم کو گود میں لیتے اور چومتے تھے۔ حضرت ابراہیم نے ام بردہ ہی کے یہاں انتقال کیا۔ جب آپ کو خبر ہوئی حضرت عبدالرحمان بن عوف کے ساتھ تشریف لائے۔ نزع کی حالت تھی۔ گود میں اٹھایا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

جب حضرت ابراہیم فوت ہوئے تو اتفاق سے اسی دن سورج میں گہن لگ گیا۔ مشہور ہو گیا کہ یہ ان کی موت کا اثر ہے۔ آپ کو معلوم ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ ''چاند اور سورج خدا کی نشانیاں ہیں کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں لگتا۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔ عثمان بن مظعون کے پہلو میں دفن ہوئے۔ قبر میں فضل بن عباس اور اسامہ نے اتارا۔ حضرت ابراہیم کی عمر کے متعلق اختلاف ہے۔ ابو داؤد اور بیہقی کی روایت کے موافق دو ماہ دس دن کی عمر پائی۔ اس روایت کی بناء پر ۹ھ میں انتقال ہوا۔ واقدی کے نزدیک ماہ ربیع الاول ۱۰ھ میں وفات پائی۔ بعض مورخین نے مدت عمرؑ ایک برس دس ماہ چھ دن لکھی ہے۔ لیکن حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ ابراہیم ۱۷ یا ۱۸ ماہ تک زندہ رہے۔

شمائل

حلیہ مبارک

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ اقدس بیان کرنے سے پیشتر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کمال خلق کی طرح کمال خلقت میں بھی خدا تعالیٰ نے کسی مخلوق کو آپ کے مثل پیدا نہیں کیا اور نہ کرے گا۔

لم یخلق الرحمان مثل محمدً
ابداً و علمی انه لا یخلق

یعنی اللہ نے مثل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کبھی پیدا نہیں کیا اور مجھے علم ہے کہ وہ نہ پیدا کرے گا۔

روئے مبارک

آپ کا چہرہ نہ کتابی تھا نہ بالکل ہی گول بلکہ قدرتی گولائی کی طرف مائل تھا اور ہلکا یعنی بہت پر گوشت نہ تھا۔
اسی روئے مبارک کو حضرت عبداللہ بن سلامؓ دیکھتے ہی پکار اٹھے۔ وجهه لیس بوجه کذاب. یعنی آپ کا چہرہ کسی دروغ گو کا چہرہ نہیں ہوسکتا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔
حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے بڑھ کر خوب رو اور خوش خو تھے۔
حضرت جابر بن سمرہ سے کسی نے پوچھا۔ آپ کا چہرہ تلوار سا چمکتا تھا؟ بولے نہیں ماہ خورشید کی طرح[1]
یہی صحابی روایت کرتے ہیں کہ ایک رات کو جب مطلق ابر نہ تھا اور چاند نکلا تھا۔ میں کبھی آپ کو دیکھتا تھا۔ کبھی چاند کو دیکھتا تھا۔ تو آپ مجھے چاند سے زیادہ خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔[2]

چشم مبارک

آپ کی آنکھیں بڑی بڑی کشادہ سیاہ سرگیں اور پلکیں دراز تھیں۔ جس میں خفیف سی جھلک سرخی کی تھی۔

ابرو مبارک

آپ کی بھوئیں باریک خوبصورت اور دراز تھیں اور درمیان اس قدر متصل تھیں کہ دور سے ملی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ دونوں بھوؤں کے درمیانی حصہ میں غضب کی چمک پائی جاتی تھی۔

بینی مبارک

آپ کی ناک ستواں اور لمبی تھی۔

پیشانی مبارک

آپ کی پیشانی فراخ تھی اور چراغ کی طرح چمکتی تھی۔ حسان بن ثابتؓ ایک قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

---

[1] مشکوۃ باب صفۃ النبیؐ بحوالہ مسلم۔ [2] مشکوۃ باب صفت النبیؐ بحوالہ ترمذی۔

متی یبدفی اللیل البهیم جبینه، هلج مثل مصباح الدجی المتوقد[1]

جب اندھیری رات میں آپ کی پیشانی ظاہر ہوتی تو تاریکی کے روشن چراغ کی مانند چمکتی ہے۔

گوش مبارک

آپ کے ہر دو گوش مبارک کامل و تام تھے۔

دہان مبارک

منہ مبارک کشادہ۔ رخسار ہموار دانت کسی قدر کھلے کھلے تھے۔ جب آپ ہنستے تھے تو ان کی چمک بجلی کو مات کرتی تھی۔

ہونٹ مبارک

آپ کے ہونٹ خوبصورت اور دلکش تھے۔

سر مبارک

سر مبارک بڑا تھا۔

گردن مبارک

آپ کی گردن دوسرے لوگوں کی گردنوں سے زیادہ حسین تھی۔ نہ لمبی تھی اور نہ چھوٹی۔

دست مبارک

کف دست اور بازو پُر گوشت تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی ریشم کو آپ کے کفِ دست سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ (صحیح بخاری)

سینہ مبارک

آپ کا سینہ کشادہ تھا۔ کسی حصہ کا گوشت دوسرے حصوں کے گوشت سے زیادہ نمایاں نہ تھا بلکہ ہموار اور چکنا تھا۔ سینہ مبارک میں ناف تک بالوں کی ہلکی تحریر تھی۔

شکم مبارک

آپ کا شکم اور سینہ ہموار اور برابر تھے۔ نہ تو شکم سینہ سے اور نہ سینہ شکم سے بلند تھا۔ حضرت ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شکم مبارک کو دیکھا۔ گویا کاغذ ہیں۔ ایک دوسرے پر رکھے ہوئے ہیں اور تہہ کیے ہوئے ہیں۔[2]

پشت مبارک

آپ کی پشت چوڑی صاف و سفید تھی کہ گویا پگھلائی ہوئی چاندی ہے۔[3] (خصائص کبریٰ)

شانے مبارک

شانے پُر گوشت اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں۔ شانوں پر بال تھے۔

---

[1] زرقانی علی المواہب جز رابع ص ۹۱ [2] خصائص کبریٰ بحوالہ ابن سعد وطبرانی جز اوّل۔

[3] خصائص کبریٰ۔

پنڈلی مبارک

آپ کی ران اور پنڈلی پُر گوشت تھیں۔

پائے مبارک

پاؤں پر گوشت اور خوبصورت تھے۔ ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں۔ پاؤں کے تلوے بیچ سے ذرا خالی تھے۔ نیچے سے پانی نکل جاتا تھا۔

قد مبارک

آپ کا قد نہ بہت دراز تھا اور نہ کوتاہ۔ بلکہ میانہ مائل بہ درازی تھا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت دراز قد نہ تھے اور مائل بہ درازی ہونے کے سبب اوسط قد سے زیادہ تھے۔ مگر جب لوگوں کے ساتھ ہوتے۔ تو سب سے بلند معلوم ہوتے۔

رنگ مبارک

آپ کا رنگ سفید تھا۔ لیکن نہ سانولہ نہ بہت سفید بلکہ ایسا سفید جس میں کسی رنگ مثلاً زرد و سرخ کی آمیزش نہ ہو۔ بعض لوگوں نے آپ کا رنگ مائل بسرخی تحریر کیا ہے اور روایت مذکورہ بالا سے مطابقت یوں کی ہے کہ جو حصہ جسم مثلاً ہاتھ پاؤں گردن کان وغیرہ کھلے رہتے تھے۔ وہ مائل بہ سرخی تھے اور اندر کا جسم نہایت گورا تھا۔

موئے مبارک

سر کے بال نہ بہت پیچیدہ تھے۔ نہ بالکل سیدھے۔ ریش مبارک گھنی تھی۔

سر کے بال اکثر شانے تک لٹکے رہتے تھے۔ فتح مکہ میں لوگوں نے دیکھا تو شانوں پر چار گیسو پڑے ہیں۔

مہر نبوت

شانوں کے درمیان میں کبوتر کے انڈے کے برابر خاتم نبوت تھی۔ یہ بظاہر سرخ ابھرا ہوا گوشت سا تھا۔

رفتار

رفتار بہت تیز تھی چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ڈھلوان زمین پر اتر رہے ہیں۔

گفتگو خندہ تبسم

گفتگو نہایت شیریں اور دلآویز ہوتی تھی۔ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرتے۔ ایک بات کو تین تین بار دہراتے تھے۔ جس بات پر زور دینا ہوتا اس کا اعادہ فرماتے تاکہ سننے والوں کو یاد رہ جائے۔

بے ضرورت گفتگو نہ فرماتے۔ ہاتھ سے اشارہ کرتے تو پورا ہاتھ اٹھاتے کسی بات پر تعجب کا اظہار کرتے تو ہتھیلی کا رخ پلٹ دیتے۔ تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے۔

ہنستے بہت کم تھے۔ ہنسی آتی تو مسکرا دیتے تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ کبھی کبھی جب آپ کو زیادہ ہنسی آتی تو نواجذ (ڈاڑھ کے دانت) نظر آنے لگتے۔

لباس

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام طور پر لباس چادر، قمیص اور تہمد استعمال فرماتے تھے۔ یمن کی دھاریدار چادریں سب سے زیادہ

پسند فرماتے۔ بعض اوقات آپ نے اونی جبہ شامیہ بھی پہنا۔ جس کی آستینیں اس قدر تنگ تھیں کہ وضو کے وقت ہاتھ آستینوں سے نکالنے پڑتے تھے۔ کبھی جبہ کسروانی بھی پہن لیتے تھے۔ جس کی جیب اور دونوں چاکوں پر دیبا کی سنجاف تھی۔

سفید لباس پسند فرماتے تھے۔ سرخ ناپسند' پاجامہ کبھی استعمال نہیں کیا لیکن امام احمد نے روایت کی ہے کہ آپ نے منا کے بازار میں پاجامہ خریدا تھا۔ حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ اس سے قیاس ہوسکتا ہے کہ استعمال بھی فرمایا ہوگا۔

عمامہ کا شملہ کبھی دوش مبارک پر کبھی دونوں شانوں کے بیچ میں پڑا رہتا تھا۔ کبھی تحت الحنک کے طور پر لپیٹ لیتے تھے۔ یعنی دستار مبارک کا ایک پیچ بائیں جانب سے ٹھوڑی مبارک کے نیچے سے گزار کر سر مبارک پر لپیٹ لیتے۔ عمامہ کے نیچے ایک ٹوپی ہوتی تھی۔ عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔

نعلین

نعلین مبارک اس طرز کے تھے۔ جس کو ہمارے ملک میں چپلی کہتے ہیں۔ یہ صرف ایک تلا ہوتا تھا۔ جس میں تسمے لگے ہوتے تھے۔ ایک تسمہ انگوٹھے اور متصل کی انگلی کے بیچ میں دوسرا انگشت میانہ اور بنصر کے بیچ میں ہوا کرتا تھا۔

موزوں کی عادت نہ تھی لیکن نجاشی نے جو سیاہ موزے بھیجے تھے۔ آپ نے استعمال فرمائے۔ وہ چرمی تھے۔

کمبل

جب انتقال ہوا۔ تو حضرت عائشہؓ نے کمبل جس میں پیوند لگے ہوئے تھے اور گاڑھے کی ایک تہمد نکال کر دکھائی۔ ان ہی کپڑوں میں انتقال فرمایا تھا۔

انگوٹھی

بادشاہوں کی طرف خطوط لکھے۔ تو ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ جس میں اوپر تلے تین سطور میں محمد رسول اللہ تحریر کیا ہوا تھا۔ داہنے ہاتھ کی انگلی میں پہنتے تھے۔ اوپر اللہ درمیان میں رسول اور نیچے محمد تھا۔

خود و زرہ

جنگوں میں خود اور زرہ استعمال فرماتے تھے۔

غذا اور طریقہ طعام

سرکہ' شہد' حلوا' روغن زیتون' کدو' حیس[1] آپ کو کھانے میں مرغوب تھے لیکن قناعت کی وجہ سے لذیذ اور پرتکلف کھانے کبھی استعمال نہیں کیے۔

گوشت

آپ نے گوشت کی اقسام میں سے دنبہ۔ مرغ۔ بٹیر۔ اونٹ۔ بکری۔ بھیڑ۔ گورخر۔ خرگوش۔ مچھلی کا گوشت کھایا۔ وست کا گوشت بہت پسند فرماتے تھے۔

پانی' دودھ' شربت

ٹھنڈا پانی بہت پسند فرماتے۔ دودھ کبھی خالص نوش فرماتے کبھی اس میں پانی ملا کر۔ کشمش۔ کھجور' انگور پانی میں بھگو دیا جاتا۔ کچھ دیر کے بعد وہ پیتے تھے۔

جو سالن سامنے آ جاتا۔ اسی میں سے کھاتے۔ ادھر ادھر ہاتھ نہ بڑھاتے۔ تکیہ پر ٹیک لگا کر کھانا کبھی تناول نہیں فرمایا۔ میز یا خوان پر

[1] عرب میں ایک کھانا ہوتا تھا۔ یہ گھی میں پنیر اور کھجور ڈال کر پکایا جاتا۔

کبھی کھانا نہیں کھایا۔

خوشبو

خوشبو آپ کو بہت پسند تھی۔ اگر کوئی خوشبو ہدیہ کے طور پر بھیجتا۔ تو رد نہ فرماتے تھے۔

نفاست پسندی

آپ نہایت نفاست پسند تھے۔ ایک شخص کو میلے کچیلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑے دھولیا کرے۔
بعض اوقات مسلمان مسجد میں آتے۔ تو عین نماز میں دیواروں پر سامنے زمین پر تھوک دیتے آپ ناپسند فرماتے۔ اگر کوئی تھوک کا دھبہ دیکھتے تو درخت کی ٹہنی سے کھرچ دیتے تھے۔

بدبو دار چیزوں مثلاً پیاز' لہسن اور مولی وغیرہ سے نفرت تھی۔ آپ صحابہؓ کو فرمایا کرتے تھے کہ مسجد میں آتے وقت ان چیزوں کو نہ کھایا کریں۔

سواری کا شوق

گھوڑے کی سواری بہت پسند فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ گھوڑوں کی سواری کے اونٹ' خچر' گدھے کی بھی سواری فرمائی۔[1]

---

[1] سیرت النبیؐ حصہ دوم۔ سیرت رسول عربی مصنفہ محمد نور بخش توکلی۔ نبوت کا ظہور اتم المعروف بہ نبی کامل مصنفہ خواجہ کمال الدین سے استفادہ کیا ہے۔

اخلاق نبوی

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ. (القلم ۶۸:۴) اور تو یقیناً بلند اخلاق رکھتا ہے۔

معلم اخلاق

اخلاق خلق کی جمع ہے۔ عربی زبان میں خَلَق (خ بفتح) کا لفظ ظاہری بناوٹ اور صورت پر بولا جاتا ہے جو انسان کو واہب الصور کی طرف سے عطا ہوئی۔ جو حقیقت انسانیہ حقیقت حیوانیہ سے امتیاز کرتی ہے اور خُلُق (خ بضمہ) صورت باطنی کے وصف پر بولا جاتا ہے۔ گویا یہ انسان کی اندرونی بناوٹ ہے۔ اخلاق اللہ تعالیٰ کی صفات کا ظل اور پرتو ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی صفات کے مظہر اتم ہیں اور اس مقام ارفع پر قائم تھے۔ جہاں کسی شخص کا گزر نہیں ہوسکتا اور نہ ہوا ہے اسی مقام کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی (النجم) پھر نزدیک ہوا یعنی اللہ تعالیٰ سے پھر نیچے کی طرف آیا یعنی مخلوق کی طرف تبلیغ احکام کے لیے نزول کیا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوپر کی طرف صعود کیا تو انتہائی درجہ قرب تام کو پہنچ گئے آپ میں اور خدا میں کوئی پردہ نہ رہا۔ آپ اپنے صعود میں اتم اور اکمل ہیں اور کمالات انتہا تک پہنچ گئے ہیں۔ قاب قوسین وہ انتہائی ارفع مقام ہے جہاں صفات الٰہی صاحب قرب کے وجود میں بتمام تر صفائی منعکس ہو جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (آپ عظیم خلق پر قائم ہیں) عظیم کے لفظ کے ساتھ جس چیز کی تعریف کی جائے وہ عرب کے محاورہ میں اس چیز کے انتہائے کمال کی طرف اشارہ ہوتا ہے پہلے انبیاء علیہم السلام نے بھی خلق عظیم پر فائز ہونے کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الوہیت کا مظہر اتم قرار دیا ہے۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ایک سچی اور سُچّی تصویر تھے۔ جب علماء اور صوفیاء نے اخلاق کو صفات الٰہی کا عملی اور پرتو قرار دیا ہے اس لیے جس شخص کو اللہ تعالیٰ کا انتہائی قرب نصیب ہوگا۔ وہی شخص سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہوگا۔ جو شخص اللہ کی صفات کا کامل اور اتم مظہر ہے۔ وہی خلق عظیم کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ کہہ کر آپ کے بلند ترین مقام کو بھی ظاہر کر دیا ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ آپ ان اخلاق حسنہ کے مالک ہیں۔ کوئی شخص بھی ان مجموعہ اخلاق کا وارث نہیں ہوسکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کی تصویر حضرت عائشہ کے ان الفاظ میں کھلی کھینچی ملے کَانَ خُلُقُهٗ الۡقُرۡاٰن یعنی آپکا خلق قرآن مجید ہے۔

خدا کی کتاب (قرآن) میں از سرتاپا شروع سے آخر تک خدا اور اس کی صفات کا تذکرہ پایا جاتا اور باقی ماندہ موضوعات اور بیانات اس صفات خداوندی کی تائید میں مندرج ہوئے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کے الفاظ (کان خلقه القرآن) کا بھی یہی مفہوم نکلتا ہے۔ کہ آپ کے اخلاق صفات الٰہی کے مظہر اتم ہیں۔ اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام دنیا کے لیے اسوہ حسنہ ہیں۔ دنیا کا کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو دنیا کے مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے اشخاص کے لیے نمونہ ہو۔ جس شخص نے مختلف حوادث زندگی کا تجربہ نہیں کیا وہ دوسروں کے لیے عملی نمونہ نہیں بن سکتا۔ ہر اخلاقی صفت کے اظہار کرنے سے مخصوص حالات کی ضرورت ہوتی ہے اور جب تک کوئی ان حالات سے دوچار نہ ہوا ہو وہ شخص ان صفات سے متصف ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ آپ کی زندگی میں ہر قسم کے حالات رونما ہوئے اس لیے آپ کو مختلف صفات اور اخلاق کے اعتبار کا موقع ملا اس لیے آپ کی زندگی ہر شخص کے لیے نمونہ ہے ہے۔ یتیم تاجر' ہمسایہ' بیٹا' خاوند' مہاجر' فاتح' قاضی' مقنن جنگ آزما سپہ سالار اور مدبر ملک بادشاہ' مرشد' ہادی' غرض کہ تمام حالات مختلفہ میں آپ کی زندگی ہر قسم کے لوگوں کے لیے کامل اسوہ ہے۔ اس لحاظ سے آپ تاریخ عالم میں فرد فرید ہیں دنیا کا کوئی آدمی بھی اپنے مذہب کے بانی کو اس حیثیت سے پیش نہیں کرسکتا کہ اس کی زندگی تمام لوگوں کے لیے اسوہ

حسنہ بن سکتی ہو۔ اگر کسی شخص کی زندگی میں شان عالمگیریت نہیں پائی جاتی وہ عالمگیر اسوہ کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے آپ کی زندگی تمام انبیاء علیہم السلام سے ممتاز نظر آتی ہے اور آپ ان تمام اخلاق فاضلہ کے جامع ہیں جو انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں۔

صدق

انسان کا دل اور اس کی زبان باہم ایک دوسرے سے مطابق اور ہم آہنگ ہوں تو اس کا نام صدق یا سچائی ہے۔ صدق صفات الٰہی میں سے ایک بڑی صفت اور سب نیکیوں کی جڑ ہے اس وجہ قرآن اور حدیث میں اس پر بہت زور دیا گیا ہے۔

قرآن کی رو سے اہمیت

ارشاد الٰہی ہے۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا (نساء) اللہ سے کون بات میں زیادہ سچا ہے۔

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا (نساء ۴:۱۲۲)

اللہ نے وعدہ سچ کیا اور اللہ سے کون بات میں زیادہ سچا ہے۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا (ال عمران ۳:۹۵)

کہہ (اے پیغمبر) اللہ نے سچ فرمایا تو ابراہیم حنیف کے دین کی پیروی کرو۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ. (زمر ۳۹:۳۳)

اور جو سچائی کو لے کر آیا اور اس سچائی کو تسلیم کیا وہی پرہیزگار ہے۔

وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (احزاب ۳۳:۲۲)

اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے۔

وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (یٰسٓ ۳۶:۵۲)

اور پیغمبروں نے سچ کہا۔

وَاذْكُرْ فِی الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (مریم ۱۹:۴۱)

اور کتاب میں ابراہیم کا حال بیان کر۔ وہ بڑے سچے اور نبی تھے۔

وَاذْكُرْ فِی الْكِتَابِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (مریم ۱۹:۵۶)

اور کتاب میں ادریس کا حال بیان کر کہ وہ بڑے سچے اور نبی تھے۔

يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ (یوسف ۱۲:۴۶)

یوسف اے بڑے سچے۔

وَاذْكُرْ فِی الْكِتَابِ اِسْمَاعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (مریم ۱۹:۵۵)

اور کتاب میں اسماعیل کا ذکر کر بے شبہ وہ وعدہ کا سچا اور رسول اور نبی تھا۔

حضرت مریم کے متعلق آتا ہے وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ (مائدہ ۵:۷۵) اور ان ـــــ کی ماں بڑی سچی تھی۔

هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (مائدہ ۵:۱۱۹)

یہ دن ہے کہ سچے بندوں کو ان کا سچ کام آئے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (توبہ ۹:۱۱۹)

اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ. (نساء ۴:۱۳)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ انصاف پر قائم ہونے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو۔ گو (معاملہ) تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور قریبیوں کے خلاف ہو۔

مذکورہ قرآنی آیات سے یہ واضح ہوتا ہے۔ ۱۔ صدق اللہ کی صفت ہے۔ ۲۔ رسولوں کا وصف ہے۔ ۳۔ اولیائے کرام کا وصف ہے اور سچائی ہی قیامت کے دن کام آئے گی۔

حدیث کی رو سے صدق کی اہمیت

عن عبداللّٰہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم قال ان الصدق یھدی الی البر وان البر یھدی الی الجنة وان الرجل لیصدق حتی یکون صدیقا و ان الکذب یھدی الی الفجورو ان الفجور یھدی الی النار و ان الرجل لیکذب حتی یکتب عند اللّٰہ کذابا (بخاری باب قول اللّٰہ تعالٰی...... عن الکذب)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سچ بولنا نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نیکی بہشت کی طرف رہنمائی کرتی ہے آدمی سچ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ خدا کے نزدیک صدیق ہو جاتا ہے اور جھوٹ بولنا بدکاری کی طرف لے جاتا ہے اور بدکاری دوزخ کی طرف لے جاتی ہے آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ خدا کے نزدیک کذاب لکھا جاتا ہے۔

عن ابی ھریرہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ایة المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعدا خلف واذا ائتمن خان (بخاری باب قول اللّٰہ تعالٰی...... عن الکذب)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے جب وعدہ کرتا ہے تو پورا نہیں کرتا اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔

عن صفوان بن سلیم انہ قال قیل لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ایکون المومن جبانا قال نعم فقیل لہ ایکون المومن بخیلاً قال نعم فقیل لہ ایکون المومن کذاباً قال لا (موطا امام مالك باب فی الصدق و الکذب)

حضرت صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ کیا مسلمان بزدل ہوسکتا ہے؟ فرمایا ہاں پھر اس شخص نے پوچھا کہ مسلمان بخیل ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں لیکن جب اس شخص نے پوچھا کیا مسلمان جھوٹا ہوسکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔

عن ام معبد قالت سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول اللھم طھر لسانی من الکذب (بیھقی بحوالہ مشکوٰة)

حضرت ام سعید سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعا کرتے سنا کہ میرے اللہ! میری زبان کو جھوٹ سے پاک رکھ۔

عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثلاثة لایکلمھم اللّٰہ یوم القیامة ولا یزکیھم قال ابو معاویة ولا ینظر الیھم ولھم عذاب الیم شیخ زان وملك کذاب و عائل مستکبر (مسلم باب بیان غلظ تحریم)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخص ہیں جن کے ساتھ خداوند کریم قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا (حضرت ابو معاویہ کہتے ہیں) نہ ان کی طرف دیکھے گا اور ان کے لیے سخت عذاب ہے ایک پیر فرتوت زانی دوسرا بادشاہ جھوٹ بولنے والا اور فقیر متکبر۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی سارے عرب میں مشہور تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے دعویٰ نبوت کیا تو کفار میں جو لوگ

آپ سے واقف تھے۔ انھوں نے آپ کو کاذب یقین نہیں کیا بلکہ آپ کو مجنون ساحر اور شاعر کہا (نعوذ باللہ)

آپ کے شدید دشمن ابو جہل کا اعتراف تاریخ کے صفحات میں موجود ہے جب اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ اس پیغام کو جھوٹا کہتے ہیں جو آپ لائے (جامع ترمذی تفسیر انعام)

ایک روز روساء قریش بیٹھے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف مشورہ کرنے لگے تو نضر بن حارث نے جو قریش میں سب سے زیادہ جہان دیدہ تھا کہا کہ محمد تمھارے سامنے بچہ جوان ہوا وہ تم میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ صادق القول اور امین تھا اور جب وہ بوڑھا ہو گیا اور تمھارے پاس پیغام لایا تو تم اسے ساحر کاہن شاعر مجنوں کہتے ہو۔ خدا کی قسم وہ ساحر نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ اپنے خاندان کو اسلام کی دعوت دو تو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا یا معشر القریش جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر جرار آ رہا ہے تو تم یقین کر لو گے؟" سب نے کہا ہاں کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔

قیصر روم نے اپنے دربار میں ابو سفیان سے پوچھا کہ تمھارے ہاں ایک رسول نے دعویٰ نبوت کیا ہے اس دعویٰ سے پہلے کبھی تم نے اس کو دروغ گو بھی پایا ابو سفیان نے کہا نہیں۔

اقسام صدق

حضرت امام غزالی نے احیاء العلوم میں سچائی کی چھ اقسام بیان کی ہیں اور قرآن اور حدیث سے ہر ایک کے معنی بتائے ہیں۔ ۱۔ بات کی سچائی۔ ۲۔ ارادہ اور نیت میں سچائی۔ ۳۔ عزم میں سچائی۔ ۴۔ عزم کو پورا کرنے میں سچائی۔ ۵۔ عمل میں سچائی۔ ۶۔ دینداری کے مقامات اور مراتب میں سچائی۔ اگر صدق کے تمام پہلوؤں پر غور کیا جائے اور اس کے معنی میں وسعت دیں۔ تو صدق کو تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ زبان کی سچائی۔ دل کی سچائی اور عمل کی سچائی۔

۲۔ ایفائے عہد

ایفائے عہد

کسی سے جو وعدہ کیا جائے کسی سے معاہدہ کیا جائے اس کو پورا کرنے کا نام ایفائے عہد ہے۔ یہ خُلق معاشرتی زندگی کے لیے پرسکون اور پرامن بنانے کے لیے بہت ضروری ہے۔

تاریخ بتاتی ہے جب ایک قوم دنیوی ترقی کے معراج پر پہنچ جاتی ہے تو پھر اسے امانت اور عہد کی کوئی پرواہ نہیں رہتی اس لیے کہ وہ طاقت ور ہے جو چاہے کر سکتی ہے حقیقت ہے کہ امانت اور عہد کے عدم ایفاء سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا رعب جاتا رہتا ہے۔ رعب کے بغیر کوئی مادی قوت کچھ کام نہیں آتی۔ اسی طرح تمدن کی بنیاد پابندی معاہدہ پر ہے قوموں کے عدم ایفائے عہد کی وجہ سے دنیا میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

اہمیت از روئے قرآن کریم

ارشاد الٰہی ہے۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَ مٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (المومنون ۲۳ :۸)

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں۔

اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً (بنی اسرائیل ۱۷ :۳۴)

اور عہد کو پورا کرو کیونکہ ہر عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ ۵ :۱) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اقراروں (عہدوں) کو پورا کرو۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا. (النحل ۱۶ :۹۱)

اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب تم عہد کر لو۔ قسموں کو پکا ہونے کے بعد مت توڑو۔

اللہ تعالیٰ خود اپنی نسبت یہ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (ال عمران) بے شبہ خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

اہمیت از روئے حدیث

عن ابن عباس انه قال ولا خطر قوم بالعهد الا سلط عليهم العدو (موطا امام محمد باب السير)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب کسی قوم کو وعدہ خلافی کی عادت ہو جائے تو اس پر دشمن کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔

عن ابی جری الهجمی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا تواعد اخاک موعداً فتخلفه (مسلم)

حضرت ابوجری الہجمی سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے ساتھ ایسا وعدہ نہ کر جسے تو پورا نہ کرے۔

عن انس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لکل غادر لواء یوم القیامة یعرف بها (بخاری)

حضرت انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک نشان (جھنڈا) ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔

عن ابی سعید عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال لکل غادر لواءٌ یوم القیامة یرفع له بقدر غدر ولا غادر اعظم غدرا من امیر عامة (مسلم)

حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک وعدہ شکن کے لیے قیامت کے دن ایک نشان (جھنڈا) ہوگا جو اس کی وعدہ شکنی کی مقدار کے مطابق بلند کیا جائے گا اور یاد رکھو کہ سب سے بڑا وعدہ شکن وہ شخص ہے جو قوم کا سردار ہو کر وعدہ شکنی کرے۔

عن ابن عباس عن النبی صلی اللّٰہ علیهوسلم قال لا تمار اخاک ولا تماحه و لا تعده موعِدَةً فتخلفه (ترمذی)

حضرت ابن عباس حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اپنے بھائی سے جھگڑا مت کرو اور نہ اس سے ٹھٹھا کرو اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کرو جس کو پورا نہ کرسکو۔

فرمایا لا دین لمن لا عهدله (احمد۔طبرانی۔ابن حبان) جس میں عہد نہیں اس میں دین نہیں۔

اسوہ حسنہ

جب ہرقل قیصر روم نے ابوسفیان سے پوچھا ''کیا وہ مدعی نبوت عہد شکنی کرتا ہے'' تو ابوسفیان نے جواب دیا نہیں۔

ابو رافع ایک قبطی غلام ہے جو مکہ میں رہا کرتا تھا ان کا بیان ہے کہ قریش نے مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سفیر بنا کر بھیجا جب میں آپ کے پاس گیا اور آپ کا نورانی چہرہ دیکھا تو اسلام کی صداقت میرے دل میں جاگزین ہوگئی۔ میں نے آپ سے عرض کیا ''یا رسول اللہ! میں کبھی قریش کے پاس نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں عہد شکنی نہیں کرتا اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روکتا ہوں۔ تم اب واپس لوٹ جاؤ۔ اگر وہاں بھی تمہارے قلب میں صداقت اسلام رہی تو واپس آ جانا ابو رافع کا قول ہے کہ میں چلا گیا۔ پھر آپ کے پاس حاضر ہو کر ایمان لایا۔'' (ابو داؤد)

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا۔ وہ اہل مکہ کے مطالبہ پر واپس کر دیا جائے گا۔ عین اس وقت جب کہ معاہدہ کی شرائط زیر تحریر تھیں تو ابو جندل بیڑیوں میں جکڑا ہوا آپ کے پاس پہنچ گیا۔ صحابہ ابو جندل کی اس بے بسی اور مظلومیت کی حالت دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ لیکن حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو جندل کو صبر سے تکالیف برداشت کرنے کی تلقین کی۔ اور فرمایا بدعہدی نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کوئی راستہ کھول دے گا۔ (صحیح بخاری)

غزوہ بدر کے موقع پر حذیفہ بن الیمان اور ابوجمیل دو صحابی مکہ سے آ رہے تھے۔ راستہ میں کفار نے ان کو روک لیا کہ محمد کے پاس جا رہے ہیں۔ انھوں نے انکار کیا آخر اس شرط پر رہائی دی کہ وہ جنگ میں شریک نہ ہوں گے۔ جب وہ آپ کے پاس آئے۔ تو ماجرا سنایا آپ نے فرمایا تم دونوں واپس جاؤ ہم بہر حال وعدہ وفا کریں گے ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔ (صحیح مسلم باب الوفا بالعہد)

صفوان بن امیہ آپ کے شدید دشمن تھے۔ فتح مکہ ہوا تو وہ بھاگ کر یمن چلا گیا عمیر بن وہب نے حاضر خدمت ہو کر ماجرا سنایا آپ نے امان کے طور پر عمامہ دیا عمیر عمامہ لے کر صفوان کے پاس گیا اور کہا کہ بھاگنے کی ضرورت نہیں تم کو امان ہے جب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ تو عرض کی کیا آپ نے مجھے امان دی ہے آپ نے فرمایا ہاں یہ سچ ہے۔

۳۔ انصاف پسندی (عدل)

عدل کے لغوی معنی ہیں سیدھا کرنا' برابر کرنا' توازن قائم رکھنا' افراط اور تفریط سے بچنا۔

امام سید شریف عدل کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں "عدل افراط اور تفریط کے درمیان ایک نقطہ مساوات ہے جو اطراف کو برابر رکھتا ہے اور حق پر آ کر رک جاتا ہے۔

امام راغب اصفہانی مفردات میں یہ معنی کرتے ہیں۔ کسی بوجھ کو اس طرح تقسیم کر دیا جائے ان دو میں سے کسی میں ذرا بھی کمی بیشی نہ ہو اس کو عربی میں عدل کہتے ہیں۔ داتا گنج بخش کشف المحجوب میں عدل کے یہ معنی لکھتے ہیں۔

"کسی چیز کو اس کے صحیح موقع اور محل میں رکھنا۔ اس کی ضد ظلم ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو اس جگہ رکھنا جو اس کے لائق نہ ہو۔"

عدل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جب یہ صفت اللہ کی طرف منسوب ہو گی تو اس کے معنی یہ ہوں گے۔ اللہ کا فیصلہ حق ہوتا ہے۔ وہ حق بات کہتا ہے اور وہ وہی کرتا ہے جو حق ہوتا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَاللّٰهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ (مومن ۴۰:۲۰) اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ (احزاب ۳۳:۴) اور اللہ حق بات کہتا ہے۔ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (انعام ۶:۱۱۵) اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے ساتھ پوری ہو گی۔

عدل و انصاف کی اہمیت از روئے قرآن

ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (النحل ۱۶:۹۰) اللہ تمہیں عدل و احسان اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور زیادتی سے روکتا ہے اور وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

> يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا (النساء ۴:۱۳۵)
>
> اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ انصاف پر قائم ہونے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو گو معاملہ تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور قریبیوں کے خلاف ہو۔ اگر کوئی امیر ہو یا غریب تو اللہ دونوں کا (تمہاری نسبت) زیادہ خیر خواہ ہے۔ سو تم خواہش کی پیروی نہ کرو تاکہ عدل کر سکو۔
>
> دوسری جگہ یوں فرمایا:۔
>
> لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ ۵:۸)
>
> اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اللہ اس سے خبر دار ہے جو تم کرتے ہو۔

کسی قوم کی دشمنی کی وجہ سے عدل و انصاف پر قائم رہنا بہت مشکل کام ہے۔ خاص طور پر اس وقت جہاں اپنی ذات پر اثر پڑتا ہو۔ بعض اوقات انسان ایک امیر آدمی کے لحاظ سے انصاف اور شہادت حقہ کو چھوڑ دیتا ہے۔

تاکہ اسے خوش کرے۔ خاص طور پر اس وقت جب ایک حکمران جابر ہو۔ اس کے ہاتھ میں جور و ستم کا عصا ہو۔ تو اس وقت انصاف

کے ترازو کو قائم رکھنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ منصف ایک غریب پر رحم کھا کر حق و انصاف کے تقاضوں کا خون کر دیتا ہے۔ فرمایا منصف دونوں کی پرواہ نہ کرے۔ اللہ کا حق زیادہ ہے کہ خدا کی خاطر انصاف کیا جائے۔ عدل کی صفت سے انسان اسی وقت متصف ہوتا ہے جب انسان اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرے اس کے سامنے صرف خدا کی رضا ہو۔

عدل زندگی کے ہر شعبہ میں ضروری ہے۔ معاشرتی زندگی کے لیے بھی۔ ارشاد الٰہی ہے۔ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (نساء ۴:۳) اگر تمھیں خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی یا جس کے تمھارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے۔

عورتوں کی طرح یتامی کے حقوق کی حفاظت کے لیے عدل و انصاف کی ضرورت ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ (نساء ۴:۱۲۷) یہ کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف پر قائم رہو۔

زندگی کے معاشی معاملات میں حق و انصاف کا قائم رکھنا قوموں کی ترقی اور معاشرتی امن کے لیے بہت ضروری ہے ارشاد الٰہی ہے وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ (انعام ۶:۱۵۳) اور ماپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔

عدالتی معاملات میں عدل و انصاف کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ اس انصاف سے حکومتیں مستحکم ہوتی ہیں۔ اسی کو ترک کرنے سے حکومتیں زوال پذیر ہوتی ہیں۔ تحریری دستاویز کے متعلق حکم ہے وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ (بقرہ ۲:۲۸۱) اور تمھارے درمیان لکھنے والا عدل کے ساتھ لکھے۔

فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْلَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ (بقرہ ۲ : ۲۸۱)
پھر اگر وہ شخص جس پر حق ہے کم عقل یا ضعیف ہو یا لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ لکھوائے۔

قومی دولت میں برابر کی شرکت

معاشی عدل اس بات کا متقاضی ہے کہ ملک کے ہر فرد کو قومی دولت سے برابر کا استفادہ کرنے کا موقع میسر ہو اور ایسے اصول وضع کر دیئے جائیں جن کی وجہ سے دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو سکے۔

اسلام نے دنیا و مافیہا کی ہر چیز کو اللہ کی امانت قرار دیا ہے اس امانت کو انسان کے سپرد کر دیا ہے تاکہ وہ اس سے اللہ کے قانون کے تحت فائدہ اٹھائے۔ ارشاد الٰہی ہے وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ. اور ہم نے تمھیں زمین پر آباد کیا اور اس میں تمھارے لیے معیشت کے سامان رکھ دیئے ہیں وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. آسمانوں اور زمینوں کے خزانے اللہ کے لیے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان خزانوں سے ہر شخص کو فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے ارشاد الٰہی ہے فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ ۶۲:۱۰) جب نماز ختم ہو جائے تو خدا کے فضل (رزق) کی تلاش میں زمین پر پھیل جاؤ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اِجْعَلُوْا فِيْ طَلَبِ الدُّنْيَا فَاِنَّ كُلًّا مُّيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهٗ (بخاری مسلم) دنیا کی طلب اپنی صلاحیت کے مطابق کرو اس لیے کہ جس کے لیے آدمی پیدا کیا گیا ہے وہ ضرور اسے ملے گا۔

ایک طرف اسلام نے معاشرہ کے تمام افراد کو روزی حاصل کرنے کے یکساں مواقع دیئے ہیں تاکہ اقتصادی عدل و انصاف قائم رہے۔ دوسری طرف ناجائز ذرائع سے دولت کمانے پر پابندی عائد کی ہے تاکہ دولت کے وسائل پر محدود چند افراد کی اجارہ داری نہ ہو جائے ارشاد الٰہی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ.
اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔
اس آیت میں لفظ باطل سے تمام ناجائز طریقوں سے دولت کمانے سے منع فرمایا ہے۔

عدالتی نظام میں فیصلہ حقہ کے لیے گواہی بہت ضروری ہے۔ اس کے متعلق ارشاد الٰہی ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (مائدہ ۵:۸) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے لیے کھڑے ہونے والے انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ۔

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (انعام ۶:۱۵۱) جب تم بات کہو تو عدل کرو اگر چہ قریبی ہو۔

شہادت یا فیصلہ اس وقت بہت مشکل ہوتا ہے جب ایک فریق اپنا عزیز ہو۔ یا کوئی فریق دشمن اور مخالف ہو تو اس وقت فیصلہ کرتے ہوئے منصفوں کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں۔ اسلام نے ہر حالت میں حق و انصاف کے ترازو کو قائم رکھنے کے لیے بہت زور دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے وحی الٰہی یہ کہلواتی ہے۔ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (اے یہودیو اور عیسائیو!) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف سے فیصلہ کروں۔

اس طرح یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں یہ حکم ہوا۔

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (مائدہ ۵:۴۲)

اگر تو فیصلہ کرے تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر۔

دو شخصوں یا دو گروہوں میں مصالحت کرانا ایک عدالتی معاملہ ہے۔ اس لیے ان میں بھی عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدٰهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْءَ إِلٰى أَمْرِ اللّٰهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوْا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الحجرات ۴۹:۹)

اور اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو۔ پس اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پس اگر وہ رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل و انصاف سے صلح کرا دو اور انصاف کرو کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

ان تمام تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے جو عدل کا حکم دیا ہے وہ زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔

اہمیت از روئے حدیث

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے دن جن سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا ان میں سے ایک عادل حکمران ہے (بخاری کتاب المحاربین باب فضل من ترک الفواحش)

فرمایا "اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب امام عادل اور سب سے مبغوض ظالم حکمران ہے (مشکوٰۃ)

فرمایا "جو امام اپنی رعایا پر انصاف سے حکومت کرتا ہے اس کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔" (مسند احمد)

فرمایا "حاکم عادل کی دعا قبول ہوتی ہے اور وہ جنتی ہے (ترمذی)

فرمایا "انصاف کرنے والے کے لیے دو اجر ہیں ایک اجر انصاف کرنے کا دوسرا فرض منصبی کی ادائیگی کا۔"

اسوہ حسنہ

آپ انصاف کے اس ارفع مقام پر قائم تھے کہ دشمن اور دوست میں کوئی فرق نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ خاندان مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے۔ حضرت اسامہ بن زید کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سفارش کے لیے بھیجا آپ نے غضب آلود ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اس کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے اور امراء سے درگزر کرتے تھے (صحیح بخاری) اپنی وفات سے چند روز پہلے آپ نے اعلان فرمایا کہ اگر آپ کے ذمہ کسی کا کچھ آتا ہے تو طلب کرے سبھی جماعت خاموش رہی ایک شخص چند درہم کا متقاضی ہوا فوراً وہ رقم ادا کر دی گئی (ابن اسحاق)

ایک مرتبہ آپؐ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک جماعت آپ کے گرد تھی ایک شخص نے اپنے بدن کا سارا بوجھ آپ پر ڈال دیا آپ نے پتلی سی چھڑی سے اسے ہٹا دیا لیکن چھڑی کی نوک سے اس کے چہرے پر خفیف سی خراش آ گئی آپ نے فوراً اس سے فرمایا مجھ سے انتقام لے سکتے ہیں اس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے بطیب خاطر آپ کو معاف کیا (ابو داؤد)

۴۔ ایثار

ایثار سخاوت کا آخری درجہ ہے۔ اس کے معنی ہیں دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھنا خود بھوکا رہے دوسروں کو کھلائے خود تکالیف میں رہے اور دوسروں کو آرام پہنچائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی مجسم ایثار تھی۔ صحابہ کرام میں انصار کا سب سے بڑا یہی وصف تھا۔ جب مکہ کے مسلمان تہی دامن مدینہ پہنچے۔ تو انصار اہل مدینہ نے جو ایثار دکھایا وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ مہاجرین کے سامنے ہر چیز رکھ دی اور نصف نصف تقسیم کرنے پر رضا مند ہو گئے یہاں تک بعض انصار میں سے جن کی دو بیویاں تھیں۔ ایک کو طلاق کی پیشکش کر دی۔ اس ایثار کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہے۔

اہمیت از روئے قرآن

ارشاد الٰہی ہے۔

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر ۵۹:۹)

اور وہ اپنے آپ پر انھیں مقدم رکھتے ہیں گو انھیں تنگی ہو اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچ جائے تو وہی کامیاب ہوں گے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا (الدھر ۷۶:۸)

اور اس کی محبت کی وجہ سے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (الدھر ۷۶:۹)

ہم تمھیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں ہم نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔

اہمیت از روئے حدیث

آپ کو اپنے بچوں سے بے حد محبت تھی جب کبھی حضرت فاطمہؓ آپ سے ملنے آتی تھیں تو آپ فرطِ محبت سے کھڑے ہو جاتے تھے۔ پیشانی پر بوسہ دیتے تھے تاہم حضرت فاطمہؓ کی عسرت اور تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہیں تھی۔ خود چکی پیستیں اور خود ہی پانی کی مشک بھر لاتیں۔ ایک دن بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں لیکن اپنی تکلیف بیان کرنے کی جرأت و ہمت نہ ہوئی۔ چنانچہ حضرت علی نے یہ حال عرض کی اور درخواست کی کہ فلاں غزوہ سے جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیز مل جائے۔

آپ نے فرمایا اصحاب صفہ کے لیے کوئی تسلی بخش انتظام نہیں ہو سکا جب تک اس طرف سے اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک میں کسی طرف توجہ نہیں کر سکتا (ابو داؤد)

ایک دفعہ حضرت علی نے کسی امر کے متعلق درخواست کی فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم کو دوں اور اہل صفہ کو اس حال پر چھوڑ دوں کہ وہ بھوکے رہیں۔ (مسند احمد)

ایک روایت ہے کہ حضرت زبیر کی دو صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہؓ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنے افلاس کی شکایت کی اور عرض کی کہ غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک دو ہم کو مل جائیں۔ آپ نے فرمایا بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے ہیں (ابو داؤد)

یہ ہے وہ ایثار جس سے آپ متصف ہیں۔ آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور آپ کے داماد اور چچیرے بھائی حضرت علی اور حضرت زبیر کی صاحبزادیاں آپ کے سامنے اپنی عسرت بیان کرتی ہیں لیکن آپ پہلے دوسرے مسلمانوں کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنے عزیزوں کو کوئی چیز

دینے کو تیار نہیں جب تک پہلے دیگر ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کر لیا نہیں جاتا۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے ایک چادر آپ کو تحفۃً پیش کی اور آپ نے قبول فرما لیا۔ آپ کو اس چادر کی اشد ضرورت تھی آپ نے اتار کر اس کو دے دی۔ لوگوں نے ملامت کی اور کہا تم جانتے ہو کہ حضور کو چادر کی ضرورت تھی۔ آپ نے کبھی سائل کے سوال کو رد نہیں کیا۔ پھر تم نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے جواب دیا ہاں میں یہ دونوں باتیں جانتا ہوں۔ لیکن میں نے حصول برکت کی غرض سے کیا ہے میں وصیت کر جاؤں گا۔ کہ مرنے کے بعد اس چادر کا مجھ کو کفن دیا جائے اور اس میں دفن کیا جائے۔ (بخاری)

ایک صحابی نے شادی کی سامان ولیمہ کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ وہ صحابی گئے اور جا کر لے آئے حالانکہ گھر میں اس ذخیرہ کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا (مسند احمد جلد ۴)

ایک دفعہ ایک غفاری آ کر مہمان ہوا رات کو کھانے کے لیے صرف بکری کا دودھ تھا۔ وہ آپ نے مہمان کو دے دیا اور آپ تمام رات فاقہ میں بسر کی۔ حالانکہ اس سے پہلی شب میں بھی آپ فاقہ میں تھے (مسند احمد)

۵۔ مہمان نوازی

مہمان نوازی جود وسخا یا جذبہ اخوت وشفقت اور اعلیٰ ظرفی کا اظہار ہے۔

یہ صفت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ مہمان نوازی میں کافر و مومن میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کا ذکر فرمایا ہے ارشاد الٰہی ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ (الذریت ۵۱: ۲۴۔۲۷)

کیا تیرے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر نہیں آئی۔ جب اس پر داخل ہوئے کہا سلام اس نے جواب میں کہا سلام یہ اجنبی لوگ ہیں پس وہ اپنے گھر والوں کی طرف چپکے سے گیا اور موٹا بچھڑا لایا تو اسے ان کے نزدیک کیا کہا کیا تم نہیں کھاتے۔

حضرت لوط نے اپنی قوم سے جنھوں نے مہمانوں سے توہین آمیز سلوک کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ کہا۔ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ (حجر ۱۵: ۶۸، ۶۹) کہا یہ میرے مہمان ہیں۔ (ان سے توہین آمیز سلوک کر کے) مجھے رسوا نہ کرو۔ خدا سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔

اہمیت از روئے حدیث

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من کان یومن باللّٰہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ جائزتہ قال وما جائزتہ یا رسول اللّٰہ قال یوم ولیلۃ والضیافۃ ثلاثۃ ایام فما بعد ذالک فھو صدقۃ علیہ ولا یحل لہ ان یثوی عندہ حتی یحرجہ. (بخاری باب اکرام الضیف)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ مدت تکلف میں مہمان کی خاص تعظیم کرے جب پوچھا گیا کہ مدت تکلف کتنی ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایک دن اور ایک رات اور فرمایا کہ مہمانی تین دن تک ہے اس کے بعد مہمانی نہیں صدقہ ہے اور مہمان کو چاہیے کہ میزبان کے پاس اتنا عرصہ نہ ٹھہرے کہ وہ تنگ آ جائے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان من السنۃ ان یخرج الرجل مع ضیفہ الی باب الدار.

(ابن ماجہ باب الضیافت)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فطرت سلیمہ کی رو سے آدمی کو چاہیے کہ اپنے مہمان کے ساتھ گھر کے دروازے تک جائے۔

مہمان کو رخصت کرنے کے لیے اس کے ساتھ گھر کے دروازے تک جانا چاہیے کیونکہ اس سے مہمان کی عزت افزائی ہے۔

حضرت ابوالاحص الجشمی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا اگر میں کسی آدمی کے پاس جاؤں اور وہ میری مہمان نوازی نہ کرے تو پھر اگر وہ شخص میرے پاس آئے تو کیا میں اس کی مہمان نوازی کروں یا بدلہ لوں آپ نے فرمایا نہیں بلکہ مہمان نوازی کرو (ترمذی)

فرمایا ''جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے قرابت کے تعلقات کو جوڑے رکھے (بخاری کتاب الادب باب اکرام الضیف و خدمته اياه بنفسه وقوله تعالٰی ضیف ابراهیم المکرمین)

ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا۔ آپ نے بکری کا دودھ پلایا...... وہ سارے کا سارا پی گیا آپ نے دوسری بکری کا دودھ پلایا وہ بھی پی گیا غرض سات بکریوں کا دودھ پلایا۔ جب تک وہ سیر نہ ہوا آپ پلاتے گئے (صحیح مسلم)

اصحاب صفہ میں حضرت ابو ہریرہ اپنے فاقہ کی داستان بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں شدت گرسنگی کی حالت میں ایک گزرگاہ پر بیٹھ گیا۔ حضرت ابوبکر گزرے تو میں نے ان سے ایک قرآن مجید کی آیت پوچھی جس میں بھوکوں کے کھانے کی تعلیم تھی۔ لیکن وہ گزر گئے میری بھوک کی حالت کی طرف توجہ نہ کی حضرت عمر کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ انھوں نے بھی توجہ نہ دی۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ہوا۔ آپ دیکھ کر مسکرائے اور کہا میرے ساتھ ساتھ چلتے آؤ آپ گھر پہنچ گئے۔ تو دودھ کا پیالہ نظر آیا آپ نے کہا کہ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ میں ان کو بلا لایا تو آپ نے وہ دودھ سب میں تقسیم فرما دیا (ترمذی)

مقداد کا بیان ہے کہ میں اور میرے دو رفیق اس قدر تنگ دست تھے کہ بھوک سے بینائی جاتی رہی ہم نے لوگوں سے گزارہ کی درخواست کی لیکن کسی نے منظور نہیں کی۔ آخر ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ گھر لے آئے اور تین بکریوں کو دکھا کر فرمایا کہ ان کا دودھ پیا کرو چنانچہ ہم میں سے ہر ایک شخص دودھ دوہ کر اپنا اپنا حصہ پی لیا کرتا تھا۔

۶۔ جود و کرم

یہ خلق سخاوت، وسعت قلبی۔ بنی نوع انسان سے ہمدردی اور شفقت اور پیار اور انفاق فی سبیل اللہ کا اظہار ہے۔ آپ اس وصف سے بدرجہ اتم متصف تھے۔

اہمیت از روئے قرآن مجید

ارشاد الٰہی ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (بقرہ۲:۳) جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ (الضحیٰ ۹۳:۱۰) اور سوالی کو نہ ڈانٹ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ (البقرہ۲:۲۶۷) اے لوگو جو ایمان لائے ہو ان اچھی چیزوں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو۔

وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ (بقرہ ۲:۱۷۷)

لیکن بڑا نیک وہ ہے کہ جو اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور نبیوں پر ایمان لائے اور اس کی محبت کے لیے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں کو اور غلاموں کو آزاد کرنے میں مال دے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔

مَنْ ذَالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا (البقرہ: ۲۴۵)

کوئی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے۔

مَنْ ذَالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗٓ اَجْرٌ کَرِیْمٌ (الحدید ۵۷: ۱۱)

کوئی شخص ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس شخص کے لیے بڑھاتا چلا جائے اور اس کو بہت اچھا بدلہ دیا جائے گا۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ (البقرہ ۲: ۲۷۴)

جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن خرچ کرتے ہیں پوشیدہ طور پر یا علانیہ طور پر تو ان کے لیے ان کے رب کے پاس اس کا بدلہ ہے۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ (الروم ۳۰ : ۳۸)

سو قریبی کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو بھی۔

مذکورہ تمام آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عطیہ خداوندی میں سے اپنے ضرورت مند بھائی بندوں کے لیے خرچ کرنا ایک بہت بڑی نیکی ہے اور ضرورت مند انسانوں کی ضرورت کو پورا کرنا گویا خدا کو قرض دینا ہے اس کا بدلہ اللہ ہی دے گا۔

اہمیت از روئے حدیث

عن جابر قال ما سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن شیءٍ قَطُّ فقال لا۔ (بخاری باب حسن الخلق)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ چیز مانگی گئی ہو اور آپ نے فرمایا ہو کہ نہیں۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خصلتان لا تجمعان فی مومن البخل وسوء الخلق (ترمذی باب فی البخل)

حضرت سعید خدری سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن میں دو خصلتیں جمع نہیں ہو سکتیں ایک بخل اور دوسری بدخلقی۔

عن انس قال کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول اللھم انی اعوذبک مِنَ البخل (بخاری)

حضرت انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اے میرے خدا میں بخل سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

عن عبداللّٰہ بن حبشی ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سُئِل فای الصدقۃ افضل قال جھدالمقل (نسائی باب جھد المقل)

حضرت عبداللہ بن حبشی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نادار کا صدقہ جو وہ کوشش کر کے دے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کس صدقے کا اجر سب سے زیادہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ صدقہ جو تو تندرستی کی حالت میں کرے جب کہ تجھے مال جمع کرنے کی حرص ہو فقر سے ڈرتا ہو۔
اور تونگری کی امید یہ نہیں کہ جب جان لبوں پر آجائے تو کہے کہ یہ چیز فلاں شخص کے لیے اور یہ فلاں شخص کے لیے کیوں کہ اس وقت تو یہ چیزیں خود دوسروں کی ہو جاتی ہیں۔ (بخاری باب ای الصدقۃ افضل)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے رمضان کے مہینے میں بہت ہی سخی ہو جاتے تھے۔

عن انس قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احسن الناس و اجود الناس و اشجع الناس. (بخاری)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔

اسوہ حسنہ

ایک شخص نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر سوال کیا آپ نے فرمایا کہ میرے پاس اس وقت کچھ نہیں تم میرے نام پر قرض لے لو۔ میں پھر اسے اتار دوں گا۔ حضرت عمر نے کہا کہ خدا نے آپ کو یہ تکلیف نہیں دی کہ طاقت سے بڑھ کر کام کریں۔ آپ خاموش رہے کہ ایک انصاری نے پاس سے کہہ دیا یا رسول اللہ! خوب داد و دہش کیجئے رب العرش مالک ہے عسرت کا کیا ڈر ہے آپ ہنس پڑے روئے مبارک پر خوشی و انبساط کی لہر دوڑ گئی اور فرمایا ہاں مجھے بھی یہی حکم ملا ہے (شفا ص ۵۰ بحوالہ شمائل ترمذی)

ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ دور تک آپ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے۔ اس نے درخواست کی آپ نے سب کی سب دے دیں۔ اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا کہ اسلام قبول کر لو۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے فیاض ہیں کہ مفلس ہو جانے کی پرواہ نہیں کرتے (صحیح مسلم)

ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر خلاف معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پھر فوراً نکل آئے لوگوں کو تعجب ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ کو نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں ہے گمان ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے سونا گھر میں پڑا رہ جائے اس لیے اس کو خیرات کر دیا ہے (بخاری یفکر الرجل الشی فی الصلوۃ)

غزوہ حنین میں جو کچھ ملا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو خیرات فرما کر واپس آ رہے تھے راہ میں بدوؤں کو خبر ہوئی کہ ادھر سے آپ کا گزر ہونے والا ہے آس پاس سے دوڑ دوڑ کر آئے اور لپٹ گئے کہ ہمیں عنایت ہو۔ آپ بھیڑ سے گھبرا کر ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو گئے انھوں نے چادر تھام لی۔ بالآخر اس کشاکش میں چادر اتر کر ان کے ہاتھ میں رہ گئی۔ آپ نے فرمایا۔ میری چادر دے دو۔ خدا کی قسم ان جنگلی درختوں کے برابر بھی میرے پاس ہوتے تو میں سب تم کو دے دیتا اور پھر مجھ کو بخیل پاتے نہ دروغ گو نہ نامرد (بخاری)

عن انس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان لایدخر شیا لغد (ترمذی)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز نہ اٹھا رکھتے تھے۔

۷۔ شرم و حیا

شرم و حیا انسان کا فطری وصف ہے۔ جس سے بہت سی اخلاقی خوبیاں جنم لیتی ہیں۔ مثلاً عفت، پاکبازی، مروت، چشم پوشی اسی وصف کا اثر ہیں۔ معاشرتی زندگی کی روح ہے۔ اسی سے معاشرتی اقدار زندہ رہتی ہیں۔

اہمیت از روئے قرآن مجید

ارشاد الٰہی ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (انعام)

اور بے شرمی کی باتیں کھلی ہوں یا پوشیدہ ان کے پاس نہ پھٹکو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدین کے سفر میں دو لڑکیوں سے واسطہ پڑا جب کہ آپ نے ان کے مویشیوں کو پانی پلانے میں مدد کی۔ تو انھوں نے اپنے والد صاحب سے اس نوجوان کا ذکر کیا۔ تو والد صاحب نے ان میں سے ایک کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بلانے کے لیے بھیجا۔ قرآن مجید میں آتا ہے فَجَاءَتْهُ اِحْدٰهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ (قصص ۲۸:۲۵) ان دو لڑکیوں میں سے ایک شرماتی ان کے پاس آئی۔

اس آیت میں شرم و حیا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس لڑکی کی تعریف کی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس وصف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تعریف فرمائی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ (الاحزاب ۳۳:۵۳) تمہاری اس بات سے رسول کو ایذا پہنچتی ہے تو تم سے وہ شرماتے ہیں۔

یہ وصف اللہ کی طرف بھی منسوب ہوا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا (بقرہ ۲:۲۶) اللہ کسی مثال کے بیان کرنے میں ذرا بھی شرم محسوس نہیں کرتا چاہے وہ مثال مچھر کی ہو یا اس سے بڑھ کر کسی اور حقیر چیز کی ہو۔

اہمیت از روئے حدیث

عن عمران بن حصین قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الحیاء لایاتی الابخیر (ترمذی)

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حیا یقیناً بھلائی (خیر) کا موجب ہوتی ہے۔

عن عبداللّٰه بن عمر ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم مرعلی رجل من الانصار وهُوَ یعظ اخاه فی الحیاء۔ قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم دعه فان الحیاء من الایمان (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار میں سے ایک شخص کے پاس سے گزرے وہ اپنے بھائی کو حیاء کرنے کی نصیحت کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اسے کچھ نہ کہو بے شک حیا ایمان کا جزو ہے۔

عن انس قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان لکل دین خلقا و خلق الاسلام الحیاء (ابن ماجه باب الحیاء)

حضرت انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک دین کا ایک خاص وصف ہے اور اسلام کا خاص وصف حیا ہے۔

عن ابی بکرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الحیاء من الایمان۔ والایمان فی الجنة والبذاء من

الجفاء والجفاء فی النار (ابن ماجه باب الحیاء)

حضرت ابو بکرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حیا ایمان کا حصہ ہے اور ایمان جنت میں لے جاتا ہے اور بے حیائی بدکاری ہے اور بدکاری دوزخ میں لے جاتی ہے۔

عن ابن مسعود قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان مما ادرک الناس من کلام النبوۃ الاولٰی اذا لم تستحی فاصنع ماشئت (بخاری)

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے کلام سے لوگوں تک یہ بات پہنچی ہے کہ اگر تو حیا نہیں کرتا تو پھر جو چاہتا ہے کر۔

صحابہ کہتے ہیں کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اشد حیاء من العذراء فی خدرھا (بخاری کتاب الادب باب حیا)

اسوہ حسنہ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برہنگی کو کبھی نہیں دیکھا۔

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ پردہ نشین لڑکی سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حیا تھی۔ جب آپ کسی بات کو دیکھتے جسے ناپسند فرماتے تو ہم یہ بات آپ کے چہرے سے معلوم کر لیتے۔

۸۔ عفو و درگزر

عفو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اسی صفت کی بدولت کائنات آباد ہے اگر اللہ تعالیٰ ہر گناہ کے بدلے انسان کی گرفت کرتا۔ تو کوئی انسان بچ نہ سکتا لغزشوں کے باوجود انسان کا قائم رہنا اللہ تعالیٰ کی صفت عفو اور غفاری کا اظہار ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے وَهُوَ الَّذِیْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْ عَنِ السَّيِّاٰتِ (شوریٰ ۴۲:۲۵) اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں کو معاف کرتا ہے۔

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ۔ (شوریٰ ۴۲:۳۴)

(اگر خدا چاہے) تو گنہگاروں کو ہلاک کردے بسبب جو انھوں نے (گناہ) کیے اور بہتوں کو معاف کردے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت کو لفظ غافر (دو جگہ) (پانچ دفعہ) غفار اور (اتنے ہی دفعہ) عفو اور (ستر سے زیادہ) غفور سے ظاہر کیا۔ اس صفت کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بھی یہ تعلیم دی ہے کہ وہ بھی اس صفت پر عمل کریں تاکہ معاشرہ میں امن قائم ہو اور باہمی محبت بڑھے۔

اہمیت از روئے قرآن مجید

ارشاد الٰہی ہے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ واصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ.

پس ان کو معاف کر اور درگزر سے کام لے اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اَوْتَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا (نساء ۴:۱۴۹)

یا کسی کی برائی کو معاف کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے۔

یہ آیت گنہگاروں سے درگزر کرنے کی تعلیم دیتی ہے تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے قصوروں اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (نور ۲۴:۲۲)

اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ خدا تم کو معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

ایک اور جگہ مومن کی یہ صفت بیان کی ہے۔

وَاِذَا مَاغَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (شوریٰ ۴۲:۳۷)

اور جب غصہ آئے تو وہ معاف کرتے ہیں۔

خُذِالْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (الاعراف ۷:۱۹۹)

(اے پیغمبر) تو درگزر کر اور (لوگوں کو) نیک کام کرنے کا حکم دے اور جاہلوں سے اعراض کر۔

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (بقرہ ۲:۱۰۹)

پس معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم صادر فرما دے۔

قُلْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ (جاثیہ ۴۵: ۱۴،۱۵)

ایمان والوں سے کہہ دے کہ ان کو جو اللہ کے جزا و سزا کے واقعات پر یقین نہیں رکھتے معاف کر دیا کریں تا کہ لوگوں کو ان کے کاموں کا بدلہ ملے۔ جس نے اچھا کام کیا اس نے اپنے لیے کیا اور جس نے برا کیا اس نے اپنے لیے برا کیا۔ پھر تم اپنے پروردگار کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے۔ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ اور برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے اس پر بھی جو کوئی معاف کر دے اور صلح کرے تو اس کا اجر اللہ کے پاس ہے بے شک اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (الشوریٰ ۴۲: ۴۰)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (ال عمران ۳: ۱۳۴)

جو خوش حالی اور تنگ دستی میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو پی جانے والے ہیں اور لوگوں کے قصوروں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اس آیت میں متقیوں کے دو وصف بیان کیے گئے ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ اور لوگوں کے قصوروں کو معاف کرنا۔

اہمیت از روئے حدیث

عن ابی هريرة قال قال رسول الله مازاد الله عبداً بعفو الاعزا (مسلم باب استحباب العفو)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی کا قصور معاف کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے۔

عن عائشة قالت لم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم فاحشاً ولا مُتَفَحِّشًا ولا سَخَابًا فِي الْاَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ لٰكِنْ يَعْفُوْا فَيَصْفَحُ (ترمذی)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالطبع نہ فحش گو تھے نہ تکلف سے فحش کہنے والے تھے اور نہ بازاروں میں چیختے چلاتے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ کرتے تھے بلکہ معاف کرتے اور درگزر فرماتے تھے۔

عن ابی هريرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عَلَيه وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسٰى ابْن عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يارَبِّ مَنْ اَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدِكَ قَالَ مَنْ اذا قَدَرَ غَفَرَ (بيهقى بحواله مشكوة)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند کریم سے سوال کیا کہ اے میرے پروردگار تیرے نزدیک سب سے عزیز آدمی کون ہے خداوند کریم نے جواب دیا کہ وہ شخص جو انتقام پر قادر ہو اور معاف کر دے۔

عَنْ اَبِي عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ قَالَ الصَّبْرُ عِنْدَ الْغَضَبِ وَالْعَفْوُ عِنْدَ الْغَضَبِ وَالْعَفْوُ عِنْدَ الْاَسَاءِ فَاِذَا فَعَلُوْا عَصَمَهُمُ اللّٰهُ وَخَضَعَ لَهُمْ عَدُوُّهُمْ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ قَرِيْبٌ (بخاری)

حضرت ابن عباس قولہ تعالیٰ (اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کہ یہ اس طرح ہے کہ غصے کے وقت صبر کیا جائے اور برائی کو معاف کیا جائے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں خدا ان کا نگہبان ہوتا ہے اور ان کے دشمن کو نیچا دکھاتا ہے اور اسے ایسا بنا دیتا ہے گویا وہ نہایت قریبی دوست ہے۔

اسوہ حسنہ

جنگ احد میں آپ کے دانت مبارک شہید ہو گئے روئے مبارک زخمی ہو گیا۔ آپ گر گئے بعض صحابہ نے فرمایا یا رسول اللہ! ان لوگوں پر

جنھوں نے خدا کے رسول کو ستایا اور دکھ دیا ہے بددعا کیجیے فرمایا مجھے لعنت کرنے کے لیے نہیں بھیجا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا ہے آپ نے دعا فرمائی۔

اے خدا! میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ نہیں جانتے۔ کس قدر دل میں رحمت اور عفو کا جوش ہے۔ کہ دشمن ایذا دینے پر تلا ہوا ہے اور آپ اپنے دشمنوں کے لیے دعا ہدایت و مغفرت کر رہے ہیں۔

حضورؐ کی بے نظیر مثال عفو کی فتح مکہ کے دن تھی وہ دشمن جس نے آپ کو ہر قسم کی تکلیف دی۔ معاشرتی مقاطعہ کر کے شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔ قتل کے منصوبے بنائے۔ شہر سے نکال دیا جب وہ مغلوب ہو کر سامنے آتے ہیں تو سرتاپائے حلم وعفو انسان لاتثریب علیکم الیوم کہہ کر تمام خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔

جس زمانہ میں آپ فتح مکہ کے لیے تیاریاں کر رہے تھے اس بات کا خاص خیال فرما رہے تھے کہ قریش کو ہمارے ارادہ کی خبر نہ ہو حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کو اطلاع دینے کے لیے ایک عورت کو خط دے دیا جب آپ کو خبر ہوئی تو حضرت علی اور حضرت زبیر کو عورت کو پکڑ کر واپس لانے کے لیے بھیجا۔ آپ نے حاطب کو بلا کر دریافت فرمایا۔ تو انھوں نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا اگر کوئی اور بادشاہ یا حکمران ہوتا تو فوجی راز کو فاش کرنے کے جرم میں ان کو قتل کر دیتا لیکن آپ نے اس لیے معاف فرما دیا کہ یہ بدری صحابی ہے عورت جو اس جرم میں شریک تھی اس سے بھی کسی قسم کا تعرض نہ کیا (صحیح بخاری فتح مکہ)

آپ کی محبوب ترین زوجہ حضرت عائشہؓ پر منافقین نے تہمت لگائی خود خدا تعالیٰ نے واقعہ افک کی تکذیب کی۔ عبداللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین کو اس بنا پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ اس کو تہمت لگانے کا اقرار نہ تھا اور ثبوت کے لیے شرعی شہادت موجود نہ تھی۔ اگر دنیا کا کوئی اور بادشاہ ہوتا تو وہ عبداللہ بن ابی سلول کو اس کے کیفر کردار تک پہنچاتا۔

نبوت کے دسویں سال جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل طائف کو دعوت اسلام دینے کے لیے گئے مگر بجائے رو براہ ہونے کے انھوں نے سنگ باری سے استقبال کیا۔ اور نعلین مبارک خون سے بھر گئیں۔ جب آپ واپس ہوئے تو راستہ میں فرشتہ نے آ کر کہا۔ یا محمدؐ! اگر آپ حکم دیں تو اس پہاڑ کو ان پر الٹ دوں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں ان کی ہلاکت نہیں چاہتا بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے بندے پیدا کرے گا جو صرف خدا کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ (صحیح بخاری)

حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ غزوہ ذات الرقاع میں ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ واپس آتے ہوئے ایک گھنے جنگل میں دوپہر کاٹی۔ آپ ایک درخت کے نیچے سو گئے۔ اور تلوار ایک درخت سے لٹکا دی۔ اسی اثنا میں آپ نے آواز دی۔ تمام صحابہ اکٹھے ہو گئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بدو سامنے کھڑا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا۔ اس نے آ کر میری تلوار کھینچ لی اور میں بیدار ہوا تو یہ تلوار سونتے میرے سرہانے کھڑا تھا۔ کہنے لگا۔ ''تجھ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔ اللہ یہ سن کر اس نے تلوار نیام میں کر لی۔ آپ نے اس کو سزا نہ دی۔ اس اعرابی کا نام غورث بن حارث تھا۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد)

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ عفو کرنے سے رعب و وقار ختم ہو جاتا ہے۔ غلط بات ہے غصے سے عارضی طور پر رعب ماتحتوں پر بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن پائیدار عزت کسی کے دل میں نہیں بیٹھتی۔ اسی لیے آپ نے فرمایا۔ وَمَازَادَ اللّٰہُ رجلاً بعفوالا عزا. اور اللہ تعالیٰ اس شخص کو جو درگزر سے کام لیتا ہے۔ انھیں عزت میں بڑھاتا ہے۔ (ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی التواضع)

وحشی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہ کو جنگ احد میں قتل کیا۔ فتح مکہ کے بعد وہ طائف بھاگ گیا۔ آخر طائف نے بھی سر اطاعت خم کیا۔ وحشی کے لیے یہ بھی جائے امن نہ رہا۔ لیکن اس نے سنا تھا کہ رسول کریمؐ سفراء سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتے۔ ناچار خود بارگاہ رحمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا۔ آپ نے صرف اس قدر فرمایا کہ میرے سامنے نہ آیا کرنا۔ تم کو دیکھ کر چچا کی یاد آتی ہے۔ (صحیح بخاری قتل حمزہ)

ہندہ زوجہ ابوسفیان جس نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا۔ فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئی۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہچان نہ سکے اور بیعت کر کے سند امان حاصل کر لی۔ پھر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی۔ آپ نے ہندہ کو پہچان لیا لیکن حضرت حمزہ کے واقعہ کا

ذکر نہ کیا۔

ہبار بن الاسود وہ شخص تھا۔ جس نے آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو اونٹ سے گرایا تھا۔ جس سے ان کو سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہوگیا۔ اس کے علاوہ اس کے اور بھی بہت جرائم تھے۔ اس بناء پر فتح مکہ کے دن ہبار اشتہاری مجرموں میں داخل تھا۔ وہ ایران بھاگ جانا چاہتا تھا۔ آخر پیکر عفو کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ یا رسول اللہ میں ایران بھاگ جانا چاہتا تھا۔ لیکن پھر آپ کے احسانات اور حلم اور عفو یاد آئے مجھے اپنے قصور کا اعتراف ہے۔ اب اسلام سے مشرف ہونے آیا ہوں۔ دفعتہً آپ نے اس کو معاف فرما دیا۔

کفار مکہ نے آپ اور آپ کے رفقاء کو تین سال شعب ابی طالب میں محصور رکھا۔ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہ سکتا تھا۔ بچے بھوک سے بلبلاتے تھے لیکن ان کے سنگ دلوں میں جذبہ رحم مفقود ہو چکا تھا لیکن رحمت عالم نے اس کے معاوضہ میں قریش کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا۔ وہاں کا سردار ثمامہ بن اثال مسلمان ہوگیا تھا۔ کفار نے تبدیل مذہب پر طعنہ دیا۔ انھوں نے کہا۔ خدا کی قسم رسول اللہ کی اجازت کے بغیر ایک دانہ بھی مکہ نہیں جانے دوں گا۔ اس بندش سے مکہ میں اناج کا قحط پڑ گیا۔ آخر گھبرا کر قریش آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے کہلا بھیجا کہ بندش اٹھا لو۔ چنانچہ بدستور غلہ مکہ جانے لگا۔

۹۔ رحم

رحم اللہ کی صفت ہے جو رحمان اور رحیم سے مشتق ہے۔ اس خلق سے شفقت، عفو اور احسان جیسے اخلاق متفرع ہوتے ہیں۔ رحم انسان کے بنیادی اخلاق میں سے ہے۔ اسی صفت سے معاشرہ قائم و دائم ہے۔

اہمیت از روئے قرآن

ارشاد الٰہی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح ۴۸:۲۹)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور لوگ اس کے ساتھ ہیں کافروں کے حق میں سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا (مومن: ۴۰:۷)

اے ہمارے پروردگار تو نے اپنی رحمت اور علم میں ہر چیز کو سما لیا ہے۔

هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (حشر ۵۹:۲۲)

وہی رحم والا مہربان ہے۔

وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (مومنون ۲۳:۱۰۹)

اور تو سب رحم کرنے والوں میں سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسی وصف کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متصف قرار دیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (توبہ ۹:۱۲۸)

لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں تمھاری تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں مومنوں پر بہت شفیق اور رحیم ہیں۔

اہمیت از روئے حدیث

حدیث میں ہے کہ ''خدا نے رحمت کے سو ٹکڑے کیے جن میں سے ننانوے ٹکڑے اپنے پاس رکھ لیے اور زمین پر صرف ایک ٹکڑا اتارا اور اسی ایک ٹکڑے کی بناء پر لوگ ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں یہاں تک کہ گھوڑا اس خوف سے اپنے بچے پر پاؤں نہیں رکھتا کہ کہیں اس کو صدمہ نہ پہنچ جائے (بخاری کتاب الادب)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مَنْ شَقِیٍّ (ترمذی باب رحمت الناس)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس شخص کے دل سے رحم ہٹایا جاتا ہے وہ یقیناً بد بخت ہوتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بن عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا اَهْلَ الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ (ابو داؤد باب في الرحمت)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رحم کرنے والوں پر خدائے رحیم رحم کرتا ہے زمین کے رہنے والوں پر رحم کرو تا کہ آسمان پر رہنے والا تم پر رحم کرے۔

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرَّحَمَاءَ (نسائی باب الامر بالاحتساب)

حضرت اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان بندوں پر رحم کرتا ہے جو اوروں پر رحم کرتے ہیں۔ فرمایا۔

لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ (بخاری باب رحمة الناس)

جو شخص بندوں پر رحم نہیں کرتا خدا اس پر رحم نہیں کرتا۔

اس حدیث میں تمام مخلوق پر رحم کھانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبہ رحمت کا دائرہ بہت وسیع تھا۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسنؓ کا بوسہ لیا اقرع بن حابس جو ایک درشت خو بدو تھے پاس بیٹھے ہوئے تھے بولے کہ میرے دس بچے ہیں۔ میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ آپؐ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ''جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

ایک اور بدو نے آپ سے کہا کہ لوگ بچوں کو چومتے ہیں لیکن ہم لوگ نہیں چومتے ارشاد ہوا کہ ''خدا نے جب تمہارے دل سے رحم کو نکال لیا تو میرا کیا زور ہے۔'' (بخاری کتاب الادب باب رحمة الولد وتقبیله و معانقته)

حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک زانو پر مجھ کو اور دوسرے زانو پر امام حسن کو بٹھا لیتے تھے پھر دونوں زانوں کو ملا کر کہتے تھے کہ خداوندا! ان دونوں پر رحم کر کیونکہ میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں۔ (بخاری کتاب الادب باب وضع الصبی علی الفخذ)

۱۰۔ عزم و استقلال و استقامت

مصائب اور مشکلات کے دور میں حق و صداقت پر ڈٹے رہنے کا نام عزم استقلال و استقامت ہے۔ علم الاخلاق کے ماہرین شجاعت کا لازمہ سمجھتے ہیں کیونکہ استقامت و ثبات و استقلال کا نہ ہونا بزدلی کی دلیل ہے۔ یہ وصف ہی قوموں کی ترقی کا باعث ہے۔

اہمیت از روئے قرآن مجید

ارشاد الٰہی ہے۔

يَاۤأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (انفال ۸:۴۵)

اے مسلمانو! جب تم کافروں کے کسی گروہ سے مقابلہ کرو تو ثابت قدم رہا کرو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہے۔

يَاۤأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد ۴۷:۷)

اے مسلمانو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو ثابت رکھے گا۔

ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ (بقرہ ۲:۲۵۰)

جب وہ (طالوت کے پیروکار) جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابل ہوئے تو کہنے لگے کہ اے ہمارے رب ہم پر استقلال نازل فرما۔ ہمارے قدم جمائے رکھ اور ہمیں ان کافروں پر غالب کر۔

علامہ جلال الدین دوانی اخلاقی جلالی میں لکھتے ہیں کہ ثبات کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو آلام و مصائب سے مقابلہ کرنے کی قوت حاصل ہو جائے تاکہ رنج و غم بدن یا نفس میں اپنی مقدار سے زیادہ اثر نہ کریں۔

دکھوں اور مصیبتوں میں جس عزم اور استقلال کا نمونہ آپ نے دکھایا ہے۔ اس پر آج آپ کے دشمن سوانح نویس بھی عش عش کر اٹھتے ہیں۔

آپ کی زندگی کا ایک ایک کارنامہ آپ کے عزم و استقلال کا مظہر اتم ہے۔ عرب کے کفرستان میں ایک بے یار و مددگار شخص دعوت اسلام کی آواز بلند کرتا ہے۔ اپنے و بیگانے حق کی آواز کو دبا دینے کے لیے تل جاتے ہیں۔ لیکن زبردست مصیبت کی لہر بھی آپ کے پائے عزم و استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکی۔ روساء مکہ نے آپ کے سامنے حکومت کا تخت، زر و جواہر کا خزانہ اور حسین سے حسین بیوی کی پیش کش کی۔ لیکن آپ نے حقارت سے تمام پیش کشوں کو ٹھکرا دیا۔ پھر ایک وقت وہ بھی آیا جب آپ کے ہمدرد چچا نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا۔

یہ عزم اور استقلال کا آخری امتحان تھا۔ اس وقت آپ نے فرمایا۔ پیارے چچا۔ اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں۔ تب بھی توحید کی منادی سے باز نہ آؤں گا'' (ابن ہشام)

مکہ سے نکل کر طائف کا ارادہ کیا کہ شاید وہ لوگ آپ کی آواز پر کان دھریں گے لیکن وہاں بھی امید بر نہ آئی۔ انھوں نے پتھر مار مار کر زخموں سے چور اور نڈھال کر دیا لیکن ان بظاہر ناکامیوں نے ایک لحہ کے لیے بھی آپ کی آخری کامیابی کے یقین کو متزلزل نہ کیا۔ حج کے ایام میں بندے بندے کے پاس گئے اور پیغام حق پہنچایا۔

آخر ایک وقت وہ بھی آیا۔ جب قتل کا منصوبہ تیار کر کے دشمنوں نے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ تب بھی گھبرائے نہیں بلکہ اکیلے باہر نکلتے ہیں۔ اپنے ایک ساتھی کو ساتھ لے کر غار میں پناہ لیتے ہیں۔ جب دشمن برہنہ تلواروں کو لے کر غار کے منہ پر جا پہنچتا ہے۔ تب بھی اپنے ساتھی کو لا تحزن ان اللہ معنا کہہ کر مژدہ جانفزا سناتے ہیں۔ غرض نازک سے نازک حالات میں بھی آپ کے عزم اور استقلال میں ذرا بھر فرق نہ آیا۔

۱۱۔ شجاعت

شجاعت کے لغوی معنی ہیں بہادری لیکن علم الاخلاق کی اصطلاح میں قوت غضبی کو اعتدال کے ساتھ استعمال کرنے کا نام ہے۔ علامہ جلال الدین دوانی "اخلاق جلالی" میں لکھتے ہیں کہ شجاعت اس ملکہ کا نام ہے جس کے باعث قوت غضبی نفس ناطقہ کے مطیع ہو کر خوف اور ہلاکت کی جگہوں میں ثابت قدم رکھتی ہے۔

وصف شجاعت اللہ تعالیٰ کی صفات غالب' قاہر' عزیز' قادر' قوی اور مقتدر کا پرتو ہے۔ یہ وصف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ اس وصف کا اظہار میدان جنگ یا مصائب و آلام کے وقت ہوتا ہے۔

اہمیت از روئے قرآن مجید

ارشاد الٰہی ہے۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (بقرہ ۲: ۱۹۰)

جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کے راستہ میں ان سے جنگ کرو لیکن زیادتی نہ کرنا کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران ۳: ۱۳۹)

اے مسلمانو! ہمت نہ ہارو اور نہ تم غمگین ہو۔ تم ہی غالب رہو گے اگر تم کامل مومن ہو۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ (النساء ۴: ۱۰۴)

اے مسلمانو! دشمنوں کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو (ہمت نہ ہارو اور بزدلی سے کام نہ لو)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ (الانفال ۸: ۱۵)

اے ایمان والو جب تم کافروں سے میدان جنگ میں مقابل ہو تو تم پیٹھ نہ پھیرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا (انفال ۸: ۴۵)

اے ایمان والو! جب تم کسی دستہ سے مقابل ہو تو ثابت قدم رہو۔

ایک مومن کی تعریف بھی قرآن میں یہ بیان کی ہے کہ وہ کافروں کی قوت کو کبھی خاطر میں نہیں لاتا ارشاد الٰہی ہے۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (فتح ۴۸: ۲۹)

وہ کافروں پر زور آور ہیں۔

علم الاخلاق کی کتب میں لکھا ہے کہ اخلاق فاضلہ دراصل چار ہیں۔ حکمت' شجاعت' عفت اور عدالت۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شجاعت ایک نہایت اعلیٰ وصف ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی وجہ الکمال اس خلق سے متصف تھے۔ جس کی گواہی حالات واقعات دیتے ہیں۔

اسوۂ حسنہ

جب مکہ میں کفار آپ کو قتل کرنے کے منصوبے باندھ رہے تھے۔ تب بھی دن کو اور رات کی تاریکی میں باہر نکلتے تھے۔ تمام دوستوں کو

مکہ سے رخصت کر کے پھر خود ہجرت کی۔ جب غزوات پیش آئے۔ تو آپ نے سب سے بڑھ کر بہادری کا ثبوت دیا۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب بدر میں زور کارن پڑتا تو ہم لوگ آپ ہی کی آڑ میں پناہ لیتے تھے۔ آپ سب سے زیادہ شجاع تھے۔ مشرکین کی صف سے اس دن آپ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا۔ (مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۲۶)

جنگ احد میں جب ساری فوج دشمن کے نرغہ میں آ گئی تو آپ نے نہایت درجہ کی شجاعت سے آواز دے کر سب کو اکٹھا کیا۔

غزوہ حنین میں ہوازن کے تیر اندازوں کی تیر اندازی کی وجہ سے مسلمانوں کی کثیر التعداد فوج میدان سے بھاگ نکلی لیکن آپ مع چند جان نثاروں کے بدستور میدان کارزار میں ڈٹے رہے اور بلند آواز سے کہہ رہے تھے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ (صحیح بخاری غزوہ حنین) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جگہ سے ذرہ بھر بھی نہیں ہٹے۔

ڈاکہ کا خطرہ ہوا۔ تو سب سے پہلے گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر تمام خطروں کے مقامات میں گشت لگا آئے اور واپس آ کر لوگوں کو تسلی دی کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں۔ (صحیح بخاری)

کسی سفر میں اکیلے درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے کہ ایک دشمن تلوار لے کر آپ کے سر پر آن پہنچا اور جگا کر کہا اب کون تم کو میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے۔ آپ ذرا بھر بھی نہیں گھبرائے۔ نہایت ہی پُر رعب آواز سے کہا اللہ۔ دشمن کے ہاتھ سے تلوار نیچے گر پڑی۔ تب آپ نے اسی تلوار کو اٹھا کر اس سے کہا۔ اب تم کو میری تلوار کی کاٹ سے کون بچا سکتا ہے۔ تو اس نے عاجزی کا اظہار کیا۔ آپ اسے کچھ نہیں کہتے اور چھوڑ دیتے ہیں۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ خوبصورت تھے اور سب سے بڑھ کر سخی اور سب سے بڑھ کر شجاع اور دلیر تھے (بخاری و مسلم)

حضرت براء کہتے ہیں کہ جب لڑائی نہایت خون ریز اور سخت ہوتی تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ ڈھونڈا کرتے تھے اور ہم میں سے بڑا دلیر وہ شخص ہوتا تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں کھڑا ہوتا۔ (صحیح مسلم باب غزوۂ حنین)

۱۲۔ انکساری و تواضع

کبریائی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (جاثیہ ۴۵:۳۷)

آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے بڑائی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

بندوں کی شان نہیں کہ وہ اللہ کی صفت کبریائی میں شریک ہوں اور اظہار کبریائی کریں۔ بندوں کی شان یہی ہے وہ تواضع اور انکساری اختیار کریں اور یہی اللہ کو پسند ہے۔ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جس شخص نے تکبر اور کبریائی کا اظہار کیا وہ خدا کی گرفت میں آ گیا۔ نمرود فرعون کی ہلاکت کا ذکر اس ضمن میں قرآن میں آتا ہے کہ انھوں نے تکبر کا اظہار کیا۔

اہمیت از روئے قرآن مجید

ارشاد الٰہی ہے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ. (حجر ۱۵:۸۸)

اور اپنے بازو مومنوں کے لیے جھکا دے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (شعراء ۲۶:۲۱۵)

اور اپنا بازو جھکا رکھ ان مومنوں کے لیے جنھوں نے تیری پیروی کی ہے۔

عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا (الفرقان ۲۵:۶۳)

اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی و انکساری سے چلتے ہیں۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (لقمان ۳۱:۱۸)

اور لوگوں کے لیے تکبر سے اپنا گال مت پھولا اور زمین میں اتراتے ہوئے مت چلو اللہ تعالیٰ ہر اترانے والے تکبر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اہمیت از روئے حدیث

عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاكَ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ (مسلم)

حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا اے بہترین مخلوق تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں یہ وصف حضرت ابراہیم کا ہے۔

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِي كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدَ اللّٰهِ وَرَسُوْلَهٗ (بخاری و مسلم)

حضرت عمر سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگو! میری مدح میں مبالغہ نہ کرنا جس طرح

نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی مدح میں مبالغہ کیا میں تو خدا کا ایک بندہ ہوں اور اس لیے تم مجھے خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَازَادَ اللّٰهُ عَبْداً بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ (مسلم باب استحباب العفو والتواضع)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور کسی کا قصور معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ عزت بڑھاتا ہے اور اگر کوئی شخص خداوند تعالیٰ کی رضا کے لیے تواضع اختیار کرے تو خدا اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔

عَنْ عَیَّاضِ بْنِ حَمَارٍ الْجَاشِعِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰی اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰی لَا یَفْخَرُ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ (ابن ماجه باب البراة من الكبر)

حضرت عیاض بن حمار جاشعی سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی کہ تم تواضع کرو حتیٰ کہ کوئی آدمی کسی آدمی سے فخر نہ کرے۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ وہ (رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منبر پر کھڑے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اے لوگو! فروتنی اختیار کرو کیونکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو شخص صرف خدا کے لیے فروتنی اختیار کرتا ہے خدا اس کو بلند کرتا ہے اور وہ شخص اپنے نفس میں حقیر ہے مگر لوگوں کی آنکھوں میں وقیع ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے خدا اس کو نیست کرتا ہے تو وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر اور اپنی آنکھ میں بزرگ ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہ تھا لیکن جب آپ کو آتا دیکھتے تو تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہوتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے ناخوش ہوتے ہیں۔ (ترمذی)

اسوہ حسنہ

باوجود صاحب اقتدار ہونے کے مریضوں کی عیادت فرماتے جنازوں میں شریک ہوتے' غلاموں کی دعوت قبول فرماتے اور اپنی کفش کو مرمت خود ہی کر لیتے۔ کپڑوں پر پیوند خود ہی لگا لیتے اور گھر میں ازواج کے ساتھ مل کر فرائض خانگی ادا کر دیتے (شمائل ترمذی)

ایک دفعہ ایک شخص کو صحابہ آپ کے پاس لائے وہ خوفزدہ ہو گیا آپ نے فرمایا خوف مت کرو میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جوتی کو خود پیوند لگاتے اور اپنا کپڑا خود سیتے اپنے گھر میں ویسا ہی کام کاج کرتے جیسا تم میں ہر ایک شخص اپنے گھروں میں کام کاج کرتا ہے پھر انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے کپڑوں کی جوئیں آپ چنتے اور اپنی بکری کا دودھ خود دوہتے اور اپنا کام آپ کرتے۔ (ترمذی)

۱۳۔ رفق و لطف (رقیق القلبی)

رفق و لطف اللہ تعالیٰ کی صفت لطیف کا پرتو ہے۔ امام راغب لطیف کے مختلف معنوں میں سے ایک معنی یہ بتاتے ہیں وہ اپنے بندوں کی راہنمائی میں نرمی فرماتا ہے (لفظ لطف)

امام بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں نقل کرتے ہیں "خدا کا نام لطیف ہے اس لیے ہے کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ بھلائی اور آسانی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی آیتوں میں اپنے کو لطیف فرمایا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ (یوسف ۱۲:۱۰۰) بے شک میرا رب لطف کرنے والا ہے جس بات کا چاہے بے شک وہی جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ رفق و لطف کا اظہار اس طرح فرماتا ہے اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ (شوریٰ ۱۹:۴۲) اللہ اپنے بندوں پر لطف کرنے والا ہے جس کو چاہتا رزق دیتا ہے۔ وہی قوت والا اور غالب ہے۔

اہمیت از روئے قرآن

ارشاد الٰہی ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ (توبہ ۹:۱۱۴)

بے شک ابراہیم نرم دل و بردبار ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس خلق کی مدح میں قرآن مجید میں آیا ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ (ھود ۱۱:۷۵)

بے شک ابراہیم بردبار نرم دل حق کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (ال عمران ۳:۱۵۹)

تو اللہ کی رحمت کے سبب سے ان کے لیے نرم دل ہوئے اور تُند مزاج اور دل کے سخت ہوتے تو یہ لوگ تمھارے پاس سے دوڑ گئے ہوتے۔

اہمیت از روئے حدیث

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ کو رفق و نرمی کی حقیقت سمجھاتے ہوئے فرمایا اِنّ الرفق لا یکون فی شیء اِلاَّ زانه ولا ینزع من شیءٍ اِلاَّ شانه (صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب فی فضل الرفق) نرمی جس چیز میں ہو اس کو زینت دیتی ہے وہ جس سے الگ کر لی جاتی ہے تو اس کو بدنما کر دیتی ہے۔

عَنْ جَرِیْرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ یُحْرَمُ الرِّفْقَ یُحْرَمُ الْخَیْرَ (مسلم کتاب البر والصلة باب فی فضل الرفق وابن ماجه باب الرفق)

حضرت جریر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جو شخص نرمی سے محروم کیا گیا وہ ہر ایک نیکی سے محروم کیا گیا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَنْ یُحَرَّمُ عَلَی النَّارِ وَبِمَنْ

تُحَرَّمُ عَلَيْهِ النَّارُ عَلٰى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں وہ شخص نہ بتاؤں جو دوزخ کی آگ پر حرام ہے اور جس پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔ ہر آہستہ رو اور نرم مزاج اور نرم خوئی کے ساتھ ہمنشینی کرنے والے پر آتش دوزخ حرام ہے۔

مالک بن حویرث فرماتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيْمًا رَقِيْقًا (بخاری)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحم المزاج اور نرم طبیعت تھے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نرم خو ہے اور نرم خوئی کو پسند کرتا ہے اور نرم خوئی پر جو کچھ دیتا ہے وہ سختی پر اس کے علاوہ کسی اور چیز پر نہیں دیتا (صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب فی فضل الرفق)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرِيْدُ اللّٰهُ بِاَهْلِ الْبَيْتِ رِفْقًا اِلَّا نَفَعَهُمْ وَلَا يُحَرِّمُهُمْ اِيَّاهُ اِلَّا ضَرَّهُمْ (بیهقی بحواله مشکوة)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی گھر کے آدمیوں کو نرمی دیتا ہے تو ان کو نفع پہنچاتا ہے اور جب ان کو نرمی سے محروم رکھتا ہے تو ان کو ضرر نقصان پہنچاتا ہے۔

ایک صحابی سے ایک دفعہ روزہ میں ایک شرعی غلطی ہوگئی۔ انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے چلو۔ ان سب نے معاملہ کی اہمیت کے ڈر سے ساتھ چلنے سے انکار کیا تو انھوں نے اکیلے ہی خدمت نبوی میں حاضر ہو کر حقیقت حال عرض کی آپ نے فرمایا کہ ایک غلام کی گردن آزاد کرو۔ وہ اپنی گردن پر ہاتھ رکھ کر بولے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گردن کے سوا میری کوئی ملکیت نہیں فرمایا۔ لگا تار دو مہینے روزے رکھو۔'' گذارش کی کہ ''یا رسول اللہ روزہ ہی میں تو یہ حرکت ہوئی پھر روزہ رکھوں۔ فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ عرض کی کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے کہ ہم نے بھوک میں رات گزاری ہے۔'' فرمایا ''کہ صدقہ کے فلاں محصل کے پاس جاؤ اور اس سے اتنے چھوہارے لے لو۔ اس سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا کر جو بچ جائے وہ خود کھاؤ'' وہ صحابی خوش وخرم اپنی قوم کے پاس آئے اور روداد بیان کر کے بولے میں نے تمھارے پاس تنگی اور بری رائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کشادگی اور اچھی رائے پائی (سنن ابی داؤد باب فی الظہار)

اسوہ حسنہ

حضرت عائشہ ام المومنین فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ جب احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی جاتی تو اس کو سزا دیتے (بخاری کتاب الادب باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یسروا ولا تعسروا)

ایک بار یہودیوں کی ایک جماعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ ''السام علیکم'' یعنی تم کو موت آئے۔ حضرت عائشہ سمجھ گئیں اور انھوں نے جواب میں کہا و علیکم السام واللعنۃ یعنی تم کو موت آئے اور تم پر لعنت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ عائشہؓ ٹھہر جاؤ خدا تمام کاموں میں نرمی کو پسند کرتا ہے بولیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! انھوں نے جو کچھ کہا کیا آپ نے نہیں سنا فرمایا میں نے بھی تو کہہ دیا کہ علیکم یعنی تم پر۔ (بخاری کتاب الادب باب الرفق فی الامر کلہ)

۱۴۔ زہد و قناعت و استغناء

مذکورہ سہ الفاظ کے معنی ایک ہی ہیں یعنی بے نیازی، سیر چشمی، بے نیازی اللہ تعالیٰ کی صفت غنی کا پرتو ہے اور انسان کی بے نیازی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام دنیا سے بے نیاز ہو جائے اور سورۃ فاتحہ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں) میں اسی صفت بے نیازی کی تعلیم دی ہے۔ اس صفت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدرجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔

قرآن مجید میں اپنے بندوں کو یہی ہدایت دی ہے کہ وہ خدا کے سامنے ہی اپنی حاجات پیش کریں اور غیروں کے مال و منال کی طرف لالچ اور حرص کی نگاہ سے مت دیکھیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖ (طٰہٰ ۲۰: ۱۳۱) اور اپنی آنکھوں کو طمع کے ساتھ ان چیزوں کی طرف مت دیکھئے جو ہم نے ان میں سے طرح طرح کے لوگوں کو سامان دیا۔

اس مضمون کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ (نساء ۴: ۳۲) اور جس چیز میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی۔ تو اس کی ہوس مت کرو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کسی کی دولت کی طرف حرص کی نگاہ سے دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کسی کی دولت کی طرف لالچ و حرص کی نگاہ سے دیکھنے سے ایک قسم کا شرک لازم آتا ہے۔ اس نکتہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَۃِ الْعُرُوْضِ وَلٰکِنَّ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ (بخاری باب الغنیٰ غنی النفس) دولت مندی مال و اسباب کی کثرت کا نام نہیں بلکہ دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے خدا کی رضا کو تسلیم کیا اور بقدر حاجت روزی دیا گیا اور جو کچھ خدا کی طرف سے ملا اس پر خدا نے اسے قانع کر دیا تو اس نے فلاح پائی۔ (مسلم)

اسوہ حسنہ

رسول کریم ﷺ کے گھر متواتر دو دو ماہ تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی حضرت عائشہ نے یہ واقعہ بیان کیا۔ تو عروہ بن زبیر نے پوچھا کہ آخر کس چیز پر گزارہ فرماتے تھے بولیں پانی اور کھجور البتہ کبھی کبھی ہمسائے والے بکری کا دودھ بھیج دیتے تو پی لیتے تھے (بخاری)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی (شمائل)

ایک بار چند انصاریوں نے آپ سے مال کا سوال کیا اور آپ نے ان کا سوال پورا کیا، لیکن وہ اس پر راضی نہیں ہوئے اور پھر سوال کیا، آپ نے پھر ان کا سوال پورا کیا، جب دیتے دیتے تمام ختم ہو چکا تو فرمایا کہ میرے پاس جو کچھ مال ہوگا میں تم سے بچا کر جمع نہ کروں گا جو شخص خود داری چاہتا ہے خدا اس کو خوددار بناتا ہے اور جو شخص بے نیازی حاصل کرنا چاہتا ہے خدا اس کو بے نیاز کر دیتا ہے۔

(ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ باب الاستعفاف)

حکیم بن حزام نے رسول کریم ﷺ سے بار بار مال کا سوال کیا اور آپ نے ہر بار ان کا سوال پورا کیا لیکن آخر میں فرمایا کہ اے حکیم یہ مال نہایت مرغوب چیز ہے جو شخص اس کو کھلے دل سے لیتا ہے، خدا اس میں برکت دیتا ہے اور جو شخص اس کو حرص کے ساتھ لیتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی اور اس شخص کے مثل ہوتا ہے جو کھاتا ہے لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا ان پر اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ انھوں نے اس کے بعد کسی کا عطیہ ....قبول نہیں کیا۔ (ترمذی کتاب الزہد)

۱۵۔ امانت و دیانت داری

امانت کا لفظ جامع ہے ان تمام امانتوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ نے یا معاشرے نے یا افراد نے کسی شخص کو سپرد کی ہوں۔ آپس کے لین دین کے معاملات میں جو اخلاقی جوہر مرکزی حیثیت رکھتا ہے وہ امانت اور دیانت ہے۔ یہی وہ خُلق ہے جس کی وجہ سے معاشرتی امن قائم ہے۔

اہمیت از روئے قرآن مجید

ارشاد الٰہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ (مومنون ۲۳:۸)

اور جو اپنی امانتوں اور وعدہ کا پاس رکھتے ہیں۔

فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ (بقرہ ۲:۲۸۳)

پس جو امین بنایا گیا ہے اس کو چاہیے کہ اپنی امانت ادا کر دے اور چاہیے کہ اپنے پروردگار سے ڈرے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (انفال ۸:۲۷)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو حالانکہ تم جانتے ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (نساء ۴:۵۸)

بے شک تم کو اللہ حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے حوالہ کر دو۔

قرآن مجید میں انبیاء کی ایک صفت امین بیان کی ہے انھوں نے اپنی اور اپنی امتوں کو یہ کہا اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ (شعراء ۲۶:۱۷۸) میں تمھارے لیے امانت دار ہوں اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے جو پیغام مجھے دیا ہے میں نے بے کم و کاست تم تک پہنچا دیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بعثت سے قبل اہل عرب سے امین کا لقب پایا اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو لڑکیوں کے جانوروں کو بغیر کسی مزدوری کے پانی پلایا تھا۔ تو انھوں نے اپنے باپ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہی تعریف کی يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِىُّ الْاَمِيْنُ (قصص ۲۸:۲۹) اے میرے باپ اس کو نوکر رکھ لیجیے سب سے اچھا نوکر جس کو آپ رکھنا چاہیں وہ ہے جو مضبوط اور امین ہو۔

گویا بہتر نوکر کی یہ صفت ہونی چاہیے کہ وہ امانت دار ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو امانت سے متصف کیا ہے اور اس کا نام ''الامین'' رکھا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ. (شعراء ۲۶:۹۳)

اہمیت از روئے حدیث

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ (مشکوۃ)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بہت کم ایسا خطبہ سنایا جس میں یہ نہ فرمایا ہو۔ جو امانت دار نہیں اس کا ایمان نہیں جس نے عہد کا پاس نہیں کیا اس کا دین نہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ وَاِنْ صَامَ وَ صَلّٰی وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَ اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ (صحیحین)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا منافق میں تین علامتیں ہیں اگرچہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور اپنے تئیں مسلمان سمجھے جب بات کہے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے خلاف کرے جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ قِیْلَ وَکَیْفَ اِضَاعَتُهَا قَالَ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَهْلِهٖ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرنا چاہیے کسی نے عرض کیا اس کے ضائع کرنے کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا جب حکومت نالائق کو سپرد کی جائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَدِّ الْاَمَانَةَ اِلٰی مَنِ ائْتَمَنَکَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَکَ (ابوداؤد ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو تیرے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کر اور جس نے تیری خیانت کی تو اس کی خیانت نہ کر۔

ایک دفعہ ایک صحابی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا جس سے مشورہ چاہا جائے اس کو امانت سپرد کی جاتی ہے (ادب المفرد بخاری باب المستشار موتمن)

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس سے مشورہ لیا جائے اس کو چاہیے کہ رائے ایمانداری سے دے۔

ایک اور حدیث ہے آپ نے فرمایا اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ یعنی مجالس امانت کے ساتھ ہیں۔

اس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ایک جگہ کی بات دوسری جگہ پہنچا کر فتنہ کا سبب نہ بننا چاہیے۔

کسی کا راز بھی افشا کرنا امانت کے خلاف ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص کسی سے بات کرے وہ احتیاطاً ادھر ادھر اس غرض سے دیکھے کہ کوئی سنتا نہ ہو۔ تو وہ بات بھی امانت ہو جاتی ہے۔ (ابوداؤد کتاب الادب)

اسوہ حسنہ

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف جانے لگے تو حضرت علیؓ کو بلایا اور ان کو اہل مکہ کی امانتیں دیں اور کہا کہ میرے پلنگ پر سو جاؤ صبح کو سب کی امانتیں واپس کر دینا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر لاکھوں آدمیوں سے یہ اقرار لیا کہ جو امانت (احکام الٰہی) اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی تھی کیا میں نے اس کو پہنچا دیا ہے۔ تو سب لوگوں نے یہ اقرار کیا کہ ہاں آپ نے خدا کی امانت (رسالت پیغام الٰہی) ہم تک پہنچا دی ہے۔ اہل مکہ بھی آپ کو امین کے لقب سے پکارتے تھے۔

١٦۔ شکر

شکر کے لغوی معنی یہ ہیں کہ جانور میں تھوڑا سا چارہ ملنے پر بھی تر و تازگی پوری موجود ہو۔ دودھ زیادہ دے۔
اسلامی اصطلاح میں شکر سے مراد یہ ہے کہ کسی کی نیکی پر دل' زبان اور عمل سے پورا پورا اجر دیا جائے۔
عربی زبان میں شکر کے مقابل پر کفر کا لفظ ہے۔ جس کے لغوی معنی ڈھانپنا اور چھپانا ہیں لیکن عام مفہوم میں کسی کی نیکی یا نعمت کی ناشکری پر بولا جاتا ہے۔ کفران نعمت کا لفظ اردو میں عام مستعمل ہوتا ہے قرآن مجید نے بھی شکر کے مقابلے میں کفر کا لفظ استعال کیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَاشْكُرُوْلِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ تم میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

شکر کی اقسام

شکر کی دو اقسام ہیں۔ اللہ کا شکر۔ ٢۔ بندوں کا شکر۔
قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (فرقان ٢٥:٦١' ٦٢)
بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور اجالا کرنے والا چاند اور اس نے رات اور دن بنائے جو یکے بعد دیگرے آتے ہیں یہ سب نعمتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جو یاد کرنا یا شکر کرنا جانیں۔
وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔
(نحل ١٦:٧٨)
اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے باہر نکالا۔ جب کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو۔
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ (بقرہ ٢:١٧٢)
اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمھیں پاک چیزیں بطور رزق کے دی ہیں انھیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔

٢۔ بندوں کا شکر

انسان مدنی الطبع ہے اس کو ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت ہے اس باہمی تعاون سے ہی معاشرہ صحیح خطوط پر چل سکتا ہے اس وجہ سے اس دنیا میں ہر انسان کی گردن کسی نہ کسی دوسرے انسان کے احسان کے جوا کے نیچے ہے اس لیے اس پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنے محسن کے احسانات کا شکر ادا کرے۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَنْ لَّا یَشْكُرِ النَّاسَ لَا یَشْكُرِ اللّٰهَ (ترمذی) جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکر ادا نہیں کرتا۔
حضرت عمرؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ حضور! ہم کون سا مال جمع کریں؟ آپ نے فرمایا ذکر کرنے والی زبانیں اور شکر کرنے والا دل۔ (احیاء العلوم الغزالی کتاب الشکر ص ٢٠)

شکر کے طریقے

اظہار شکر کے تین طریقے ہیں۔ قلبی۔ قولی۔ عملی۔

قلبی شکر کا یہ مطلب ہے کہ محسن کی محبت انسان کے دل میں ہو قولی شکر سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے محسن کی نعمت کا زبان سے اقرار اور اس کی تعریف کرے۔ ایک حدیث ہے کہ جس نے اللہ کی ثناء کی اس نے شکر ادا کیا اور جس نے نعمت کو چھپایا اس نے کفر کیا۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ تو اپنے پروردگار کی نعمتوں کا ذکر کر۔

عملی شکر سے مراد یہ ہے کہ محسن نے جو نعمتیں انسان کو دی ہیں وہ اسی کی ہدایت اور رضا کے لیے استعمال کرے اللہ تعالیٰ نے انسان کو آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ دیئے ہیں تو وہ ان اعضاء کو غلط رنگ میں استعمال نہ کرے اگر کسی کو دولت سے نوازا ہے تو وہ اپنی دولت کو احکام الٰہی کے مطابق خرچ کرے۔

علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے شکر کو پانچ قواعد پر مبنی قرار دیا ہے۔

۱۔ محسن کے لیے فروتنی و انکساری۔
۲۔ محسن سے محبت کرنا۔
۳۔ نعمت کا اعتراف کرنا۔
۴۔ نعمت کی بناء پر محسن کی تعریف کرنا۔
۵۔ اس نعمت کو محسن کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا۔

یہ پانچ باتیں شکر کی بنیاد ہیں اگر ان میں سے ایک بھی ضائع ہو جائے تو شکر کے قواعد میں سے ایک قاعدہ ضائع ہو گیا۔

اسوہ حسنہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ موجود ہے کہ آپ ہر لحظہ اور ہر آن خدا تعالیٰ کی تعریف کرتے رہتے تھے۔ رات کو عبادت الٰہی میں اتنا لمبا قیام کرتے کہ آپ کے پاؤں متورم ہو جاتے حضرت عائشہ فرماتی ہیں اس حالت کو دیکھ کر ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ! آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے پھر آپ اتنی محنت اور مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

۱۷۔ احسان

احسان حسن سے مشتق ہے' جس کے معنی خوبی اور رعنائی کے ہیں۔ اسلام میں لفظ احسان حقوق اللہ اور حقوق العباد کو نہایت ہی خوبصورتی اور رعنائی کے ساتھ ادا کرنے پر بولا گیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احسان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (مسلم) احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھتا ہے' اگر تو نہیں اسے دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اس حدیث میں عبادت کے معنی میں احسان کو استعمال کیا گیا۔ اسلام میں عبادت صرف نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج کے ادا کرنے کا نام ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے کامل فرمانبرداری کرنے کا نام ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ۔ (النساء ۴:۱۲۵) اس سے زیادہ خوبصورت دین کس کا ہوگا جس نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا اور وہی محسن ہے۔

اس آیت میں اسلام کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے والے کو محسن کہا گیا ہے۔

جب یہ لفظ انسانوں کے لیے استعمال ہوگا تو اس سے مراد ہر وہ نیکی ہے جو شرعاً بنی نوع انسان سے کی جاتی ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:

۱. اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى (نحل ۱۶:۹۰)

اللہ انصاف کا اور احسان کرنے کا اور قریبی رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

۲. وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (قصص ۲۸:۷۷)

اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی دوسروں کے ساتھ احسان کر۔

۳. اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (توبہ ۹: ۲۰)

بے شک خدا احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

۴. اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ (بقرہ ۲:۲۲۹)

طلاق دو دفعہ ہے پھر پسندیدہ طور سے رکھنا یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کرنا ہے۔

احادیث شریفہ میں احسان کی توصیف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات بے شمار ہیں' چند ایک حدیثیں رقم کی جاتی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے پر احسان کرنا فرض کیا ہے۔ اگر تمھیں کسی کو (شرعی حکم کے سبب سے) جان سے مارنا بھی پڑے تو اس کو بھی اچھائی کے ساتھ مارو۔ کسی جانور کو ذبح کرنا چاہو تو بھی اچھائی اور خوبی کے ساتھ ذبح کرو۔ چھری کو خوب تیز کر لیا کرو اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔ (صحیح مسلم کتاب الصید والذبائح)

۲۔ ایسے نہ بنو کہ خود تمہاری گرہ میں عقل نہ ہو' صرف دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرو کہتے ہو کہ اگر لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے اور اگر وہ ظلم کریں تو ہم بھی کریں گے۔ بلکہ اپنے آپ کو اس پر مطمئن کر لو کہ اگر دوسرے احسان کریں۔ تو تم احسان کرو گے ہی اور اگر وہ برائی بھی کریں تو تم ظلم نہ کرو۔'' (جامع ترمذی باب ماجاء فی الاحسان والعفو)

حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص جو نیکی کا کوئی کام نہیں کرتا تھا لوگوں کو قرض دیتا تھا اور جب اس کو کوئی مقروض تنگ دست نظر آتا تھا

تو اپنے ملازموں سے کہتا تھا کہ اس سے درگزر کرو شاید خدا ہم سے بھی درگزر کرے چنانچہ خدا نے اس کے صلہ میں اس سے درگزر کیا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ تم سے پہلے ایک شخص تھا۔ جس سے موت کے بعد فرشتوں نے سوال کیا کہ تم نے نیکی کا کوئی کام کیا ہے اس نے کہا۔ کوئی نہیں۔ فرشتوں نے کہا ذرا یاد کرو اس نے کہا کہ میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اگر مقروض فراخ دست ہوتا تو قرض کے لینے میں آسانی کرتا تھا اور اگر تنگ دست ہوتا تھا تو اس کو مہلت دیتا تھا یا یہ کہ فراخ دست مقروض کو مہلت دیتا تھا اور تنگ دست کا قرض چھوڑ دیتا تھا۔

احسان کے تقاضے

بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جب کسی پر احسان کرتے ہیں تو بعد میں اس کو جتاتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو سخت ناپسندیدگی سے دیکھا ہے۔ اسلام کا یہ منشاء ہے کہ انسان دوسروں کے ساتھ نیکی محض رضاء الٰہی کے لیے کرے۔

ا۔ احسان جتانا نہیں چاہیے

قرآن مجید میں آتا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ (بقرہ ۲:۲۶۴)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر باطل نہ کرو۔ اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتا سو اس کی مثال اس صاف چٹان کی سی ہے۔ جس پر مٹی ہو پھر اس پر زور کا مینہ برسے اور اسے بالکل صاف کر کے چھوڑ دے اس میں سے کچھ بھی نہ پا سکیں گے جو کمایا تھا اور اللہ کافر لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا۔

اس آیت میں احسان کے تین تقاضے بیان کیے ہیں۔

ا۔ احسان جتانا نہیں چاہیے۔ ۲۔ تکلیف نہیں دینی چاہیے۔ ۳۔ احسان دکھاوے کے لیے نہیں ہونا چاہیے' بلکہ اس سے مقصود محض رضا الٰہی ہو۔

۲۔ زیادہ معاوضہ کی نیت سے احسان نہیں کرنا چاہیے

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (المدثر ۷۴:۶) اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ دوسرے وقت زیادہ معاوضہ چاہو۔

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ احسان زیادہ معاوضہ کی نیت سے نہیں کرنا چاہیے بلکہ نیکی اور بھلائی خلوص نیت اور رضا الٰہی کے واسطے ہو۔

۳۔ بلا درخواست احسان کرنا چاہیے

قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰىٓ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰىٓ (طٰهٰ ۲۰:۳۶:۳۷)

اور یقیناً ہم نے تجھ پر ایک بار (پہلے بھی) احسان کیا۔ جب ہم نے تیری ماں کی طرف وحی کی جو (اب) وحی کی جاتی ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس پر اس کی خواہش اور درخواست کے بغیر احسان کیا گیا ہے۔ اس میں بنی نوع انسان کو یہ تعلیم دی ہے۔ احسان بلا درخواست ہی کرنا چاہیے۔

۴۔ احسان صرف اپنوں اور دوستوں پر نہیں ہونا چاہیے بلکہ بے مروت اور دشمنوں کے ساتھ بھی ہونا چاہیے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میں ایک شخص کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ میری مہمانی نہیں کرتا' جب وہ میرے پاس آئے تو میں بھی اس کی کج خلقی کا بدلہ یہی دوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں' تم اس کی مہمانی کرو۔'' (جامع ترمذی)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا ایک نمونہ ہے کہ فتح مکہ کے دن ان تمام مخالفین کو معاف کر دیا جن کے ظلم وستم سے بے کس و بے بس اور نہتے مسلمانوں کا خون زمین پر گرا۔ اس سے بڑھ کر احسان کرنے کی مثال دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اسلام نے اگر احسان کرنے والوں پر کچھ اخلاقی پابندیاں عائد کی ہیں جن کا پورا کرنا ضروری ہے تو دوسری طرف ان لوگوں پر بھی کچھ پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ جن پر احسان کیا جاتا ہے۔

ا۔ احسان یاد رکھنے کا حکم

قرآن مجید میں آتا ہے۔

يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِيۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ وَاِيَّايَ فَارۡهَبُوۡنِ (البقرہ ۲: ۴۰)

اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمھیں عطا کی اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمھارے عہد کو پورا کروں گا اور مجھ سے ہی ڈرو۔

۲۔ محسن کا احسان ماننا

قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَرَاوَدَتۡهُ الَّتِيۡ هُوَ فِيۡ بَيۡتِهَا عَنۡ نَّفۡسِهٖ وَغَلَّقَتِ الۡاَبۡوَابَ وَقَالَتۡ هَيۡتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيۡٓ اَحۡسَنَ مَثۡوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ (یوسف ۱۲: ۲۳)

اور (حضرت یوسف علیہ السلام) جس کے گھر میں تھا اس نے اسے اپنے ارادہ سے پھیرنا چاہا اور دروازے بند کر لیے اور کہا ادھر آ ؤ اس نے کہا اللہ کی پناہ چاہتا ہوں وہ (تیرا خاوند) میرا مربی اور محسن ہے اس نے مجھے کیسے اچھی طرح رکھا۔ ایسا حق فراموش کامیاب نہیں ہوتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کا احسان مانتے ہوئے فرمایا کہ ابوبکرؓ کے احسان کا بدلہ اللہ ہی قیامت کو دے گا۔

۳۔ احسان کا بدلہ احسان

احسان کا یہ تقاضا ہے کہ اگر کوئی احسان کرے تو اس کے ساتھ بھی نیکی کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ (الرحمن ۵۵: ۶۰)

احسان کا بدلہ احسان ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت تھی کہ اگر کسی سے قرضہ لیتے تو واپسی کے وقت اس کی اصل رقم سے کچھ زیادہ دیتے۔ اگر کوئی آپ کو ہدیہ دیتا تو اس سے بہتر تحفہ دیتے۔

۱۸۔ صبر

صبر کے لغوی معنی ہیں روکنا۔ جب کسی جانور کو باندھ کر مارا جائے تو عرب کہتے ہیں۔ قتل صَبْرًا اصطلاح میں صبر کو اس لیے صبر کہا جاتا ہے کہ انسان دل کو گریہ وزاری سے زبان کو شکوہ گلہ سے اور جوارح کو بے قراری اور اضطراب سے روک لیتا ہے۔ محقق دوانی لکھتے ہیں کہ صبر کے معنی ہیں خواہشات سے مقابلہ کرنا تاکہ ان کو رفع کر کے لذات قبیحہ کے استعمال سے باز رہے۔ امام راغب مفردات میں لکھتے ہیں کہ صبر اصل میں تنگی کے اندر روک رکھنے کا نام ہے اور پھر اپنے آپ کو روک رکھنے کا نام ہے اس چیز پر جس کو عقل اور شریعت چاہتی ہے۔

قرآن مجید میں نوے مقامات پر صبر کا ذکر ہوا ہے۔

اہمیت از روئے قرآن

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (بقرہ ۲ : ۴۵)

صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔

اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا (آل عمران ۳ : ۲۰۰)

صبر رکھو اور آپس میں صبر کی تعلیم دو۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (احقاف ۴۶: ۳۵)

صبر کیجئے جیسا کہ صاحب عزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے جلدی نہ کیجئے۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (ال عمران ۳ : ۱۴۶)

اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَاتَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (النحل ۱۶ :۱۲۷)

اگر تم (انھیں) بدلہ دو تو اتنا ہی دو جتنی تمھیں تکلیف دی گئی اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھا ہے اور صبر کر اور تیرا صبر اللہ کی مدد سے ہی ہے اور ان پر افسوس نہ کر اور اس کی وجہ سے تنگ نہ ہو۔ جو وہ تدبیریں کرتے ہیں اللہ ان کے ساتھ ہے جو تقوی اختیار کرتے ہیں اور وہ جو احسان کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں بدلہ لینے کا اصول بتایا گیا ہے۔ دوم یہ تعلیم دی گئی ہے اگر کوئی تکلیف اور ایذا دیتا ہے تو خدا کی رضا کے لیے صبر سے کام لیا جائے تو اللہ اس کا بدلہ دے گا۔

ارشاد الٰہی ہے۔

لَاتَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِيْمٍ (حٰمٓ السجدہ ۴۱ :۳۴)

اور نیکی اور بدی برابر نہیں (بدی) کو بہت اچھے طریقے سے دور کر پھر تو دیکھے گا کہ وہ شخص کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی ہے گویا وہ دل سوز (گہرا اور دلی) دوست ہے اور یہ (وصف) انہی کو دیا جاتا ہے۔ جو صبر کرتے ہیں اور یہ ان کو بھی دیا جاتا

ہے جو بڑے نصیب والے ہیں۔

اس آیت کریم میں عمرانی زندگی کو بہتر بنانے کا سنہری اصول بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی کے ہاتھ سے کسی کو دکھ پہنچے۔ تو اس کا یہ کام نہیں کہ بدی کا بدلہ بدی پہنچائیں بلکہ بدی کو نیکی سے دور کرنے کی کوشش کریں۔ نتیجہ یہ نکلے گا بدترین دشمن بھی بہترین دوست بن جائے گا۔

اہمیت از روئے حدیث

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَلصَّبْرُ رِدَائِیْ صبر میرا لباس ہے۔

حضرت امام بخاری کتاب الادب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔

اَلصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ یعنی صبر اور سیر چشمی۔

فرمایا اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ یعنی صبر کشائش کی چابی ہے۔

فرمایا اَلنَّصْرُ مَعَ الصَّبْرِ یعنی فتح صبر کے ساتھ ہے۔

صبر کی اقسام

صبر کی تین اقسام ہیں ا۔ طاعت الٰہی پر صبر۔ ۲۔ معصیت الٰہی سے صبر۔ ۳۔ امتحان الٰہی پر صبر۔

طاعت الٰہی پر صبر سے مراد یہ ہے کہ طاعت الٰہی پر دوام اختیار کیا جائے۔

معصیت الٰہی سے صبر مراد یہ ہے اپنے نفس کو احکام ربانی کے توڑنے سے روکا جائے۔

امتحان الٰہی پر صبر سے مراد یہ ہے کہ تنگی مصیبت اور لڑائیوں میں اپنے جوارح کو جزع وفزع سے روکا جائے۔

صبر کی تین حالتیں ہیں۔

ا۔ صبر باللہ۔ ۲۔ صبر للہ۔ ۳۔ صبر مع اللہ۔

صبر باللہ سے مراد یہ ہے کہ صبر رضا الٰہی اور تقرب الٰہی کے لیے ہو نہ کہ شہرت حاصل کرنے اور قوت نفس کا اظہار کرنے کے لیے۔

صبر مع اللہ سے یہ مراد ہے کہ انسان اپنے نفس کو احکام الٰہی کا مکمل طور پر مطیع ومنقاد بنا دے۔

اسوہ حسنہ

ان سہ اقسام میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی نوع انسان کے لیے کامل طور پر اُسوہ حسنہ ہیں۔

آپ کی تمام زندگی اطاعت الٰہی میں گزری ہے۔ آپ کا اٹھنا آپ کا بیٹھنا' آپ کا چلنا' آپ کا کھانا' آپ کا پینا' آپ کا جنگ کرنا' آپ کا دشمن سے صلح کرنا' آپ کا نماز پڑھنا' آپ کا اپنی ازواج مطہرات کے پاس جانا' آپ کا دوستوں سے ملنا' ان کی تعلیم وتربیت کرنا اور آپ کا اہل خسران کو ڈرانا' آپ کا کلمۃ الحق کی سربلندی میں سعی وکوشش کرنا غرض کہ زندگی کے ہر شعبہ پر اطاعت الٰہی حاوی تھی۔

آپ کی حیات طیبہ معصیت الٰہی سے صبر پر ایک روشن شمع ہے۔ جو گنہگاروں کے لیے ہدایت کا موجب ہے کفار نے استہزا و تمسخر کے ساتھ ایذاؤں اور تکالیف کے ساتھ ہر قسم کا طمع دے کر معاشرتی مقاطع کر کے اپنے گھر سے جلاوطن کر کے اور جنگوں کی آگ جلا کر بھی چاہا کہ آپ کا قدم معصیت الٰہی کی دلدل میں پھنسے لیکن جتنی ان کی کوشش معصیت الٰہی کی طرف لانے کی ہوئی اتنا ہی تیزی سے آپ کا قدم خدا کے قرب کی طرف بڑھتا چلا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس مقدس نبی کی ذات مظہر اتم الوہیت اور آئینہ نما خدا بن گئی۔ آپ جس کی نورانی شعاعیں ہزار ہا دلوں کو منور کر رہی ہیں اور بے شمار سینوں کو گناہوں کی غلاظتوں سے پاک کر کے نور تحریم تک پہنچا رہی ہیں۔

مصائب وآلام رنج ومحن میں صبر جمیل کا نمونہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات ہے اس قسم کا نمونہ "پہلوں میں ملے

گا اور نہ پچھلوں میں آپ کی سوانح حیات کا ایک ایک حرف پڑھ جاؤ۔ تم کو معلوم ہو جائے گا۔ اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے سینہ پر کوئی ایسی مصیبت نہ ہوگی جو آپ کی راہ میں حائل نہ ہوئی ہوگی۔ آپ پیدا بھی نہ ہوئے تھے والد کا انتقال ہو گیا بچپن میں ہی سر سے ماں کا سایہ عاطفت اٹھ گیا۔ دو برس کے بعد دادا کی نگاہ شفقت سے محروم ہو گئے اس کے بعد آپ کے چچا ابو طالب نے آغوش محبت میں جگہ دی۔ نبوت کے بعد جب آپ قریش کے جور وستم کے گرداب میں پھنسے ہوئے تھے اور ابو طالب کفار کے جور و جفا کے مقابل سپر کا کام دے رہے تھے وہ بھی فوت ہو گئے۔ ام المومنین حضرت خدیجہ مصائب ونوائب' ہموم وغموم میں آپ کا تنہا مونس تھیں موت کے پنجہ نے ان کو بھی آپ سے علیحدہ کر دیا آپ کی تمام اولاد سوائے حضرت فاطمہ کے آپ کی آنکھوں کے سامنے فوت ہوئی۔ آپ کے چچا حضرت حمزہ نے جنگ احد میں جام شہادت نوش کیا اور ان کی لاش کو مثلہ کیا گیا حضرت جعفر ابن عم جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ آپ کے پروردہ خاص حضرت زید بھی اس جنگ میں کام آئے لیکن کبھی بھی زبان پر شکوہ گلہ اور بے صبری کے الفاظ نہ جاری ہوئے۔

دعوت نبوت کے بعد کی زندگی میں تحقیر و استہزا سب وشتم اور ایذا رسانی کے تمام طریقے برتے گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غلاظت گرائی گئی۔ راستہ میں گڑھے کھودے گئے جب نماز تہجد کے لیے نکلیں گے تو گڑھے میں گر جائیں۔ راستہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ نماز کی حالت میں گردن میں چادر ڈال کر دم زندگی کو روکا گیا۔ سجدہ کی حالت میں اونٹوں کی اوجھری پشت مبارک پر رکھی گئی پتھر مار مار کر ساقین کو لہولہان کیا گیا شعب ابی طالب میں معاونین کے ساتھ محصور کیا گیا دانہ خورد ونوش کا داخلہ بند کیا گیا۔ قتل کا منصوبہ باندھا گیا جب خدا کے اذن سے ہجرت کر کے مدینہ آئے۔ تو خونی جنگوں کا سلسلہ جاری کر دیا گیا۔ یہودیوں اور منافقوں سے ساز باز کر کے صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے لیے منصوبے بنائے گئے ان خطرناک حالات میں بھی آپ کے قلب و ذہن پر صبر وشکیب کی مہر ثبت تھی۔

۱۹۔ احصان (عفت و پاک دامنی)

احصان' حصن سے بنا ہے جس کے معنی قلعہ یا محفوظ مقام کے ہیں۔ اسلامی خلق کی اصطلاح میں یہ وصف مرد اور عورت کی قوت شہوت سے تعلق رکھتا ہے۔ محصن یا محصنہ اس مرد یا عورت کو کہا جاتا ہے جو بدکاری اور اس کے مقدمات سے اجتناب کر کے پاک بازی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ عفت اور احصان اخلاقی اوصاف کی روح ہے۔ اس لیے اسلام نے اس وصف کے اختیار کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ یہی وہ وصف ہے جس پر معاشرہ کی اساس ہے۔

اہمیت از روئے قرآن مجید

ارشاد الٰہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ (المومنون ۲۳:۵)

اور وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا (نور ۲۴:۳۳)

چاہئے کہ وہ لوگ جن کو نکاح کا موقع میسر نہیں آتا وہ اپنے آپ کو بدکاری سے بچائے رکھیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (معارج ۷۰:۲۹)

اور اپنی شہوت کی جگہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ (احزاب ۳۳:۳۵)

اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔

ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے عفت کے لیے قرآن مجید کی اصطلاح حفظ فرج بھی ہے یعنی اپنی شرم گاہ کی حفاظت۔

حضرت مریم کے اس وصف کی تعریف کی گئی ہے۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (تحریم)

اور عمران کی بیٹی مریم نے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا۔

ایک اور مقام پر ہے۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا (انبیاء ۲۱:۹۱)

اور اس نے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی۔

حضرت یحییٰؑ کی تعریف میں فرمایا گیا۔

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (ال عمران)

اور وہ سردار ہوگا وہ اپنی قوت شہوانی پر ضبط رکھے گا اور صالح نبی ہوگا۔

اس وصف کی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کی تعریف کی گئی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے۔

أُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُ وْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ (لنور ۲۴: ۲۶)

یہ لوگ تہمت سے پاک ہیں ان کے لیے بخشش اور عمدہ رزق ہے۔

قرآن مجید میں احصان اور عفت کے بالمقابل لفظ فاحشہ اور زنا ہے۔

قرآن نے ان سے بچنے کی بہت تاکید کی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۲)

اور زنا کے قریب نہ بھٹکو بے شک یہ بڑی برائی اور برا رستہ ہے۔

اہمیت از روئے حدیث

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ''زانی جس وقت زنا کرتا ہے شرابی جس وقت شراب پیتا ہے چور جس وقت چوری کرتا ہے اور لوٹنے والا جس وقت سب کی آنکھوں کے سامنے لوٹتا ہے تو وہ مسلمان نہیں رہتا (بخاری کتاب الحدود و باب الزنا و شرب الخمر)''

قَالَ عَلَیْهِ الصلوۃ والسلام مَا مِنْ قَوْمٍ یَظْھَرُ فِیْھِمُ الزِّنَا اِلَّا اُخِذُوْا بِالسَّنَةِ وَمَامِنْ قَوْمٍ یَظْھَرُ فِیْھِمُ الرُّشَا اِلَّا اُخِذُوْا بِالرُّعْبِ (مشکوۃ)

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جس قوم میں زنا ظاہر ہوتا ہے وہ قحط کے عذاب میں پکڑے جاتے ہیں اور جس قوم میں رشوت ظاہر ہوتی ہے تو وہ خوف کے ساتھ پکڑے جاتے ہیں اور ان کے دلوں پر رعب چھا جاتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا اے خدا کے رسول! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے فرمایا یہ کہ تم کسی کو خدا کا شریک بناؤ۔ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا۔ بولے۔ اس کے بعد؟ فرمایا یہ کہ اپنے لڑکے کو اس خوف سے قتل کر ڈالو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گا بولے اس کے بعد فرمایا یہ کہ اپنے پڑوسی کی بی بی کے ساتھ زنا کرو چنانچہ خداوند نے اس کی تصدیق کے لیے یہ آیت نازل کی ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ (فرقان ۲۵: ۶۸)

اور جو خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ کسی جان کو قتل کرتے ہو مگر اس کو جس کو نے حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا کا ارتکاب کرتے ہیں۔

پاک دامن رہنے کے لیے پانچ علاج

ا۔ غض بصر

یعنی اپنی نظر کو نامحرم پر ڈالنے سے بچانا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (النور ۲۴: ۳۰)

مومنوں کو کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔ اللہ اس سے باخبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (النور ۲۴: ۳۱)

اور مومن عورتوں کو کہہ دے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔

۲۔ پردہ

قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (۲۴:۳۱)
اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو عادتاً کھلا رہتا ہے اور چاہیے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال رکھیں۔

۳۔ نکاح

ارشاد الٰہی ہے۔
(ا) وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (النساء ۴:۲۵)
جو شخص تم میں سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرے تو تمہاری ان مومن لونڈیوں سے نکاح کرے جن کے تمھارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے۔
(ب) وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (النور ۲۴:۳۲)
اور جو تم میں سے مجرد ہیں ان کے نکاح کر دو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو صلاحیت رکھتے ہیں اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ فراخی والا علم والا ہے۔
اگر نکاح نہ ہو تو حدیث میں آتا ہے کہ مرد روزے رکھیں کیونکہ روزہ شہوانی جذبات کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

۴۔ کسی کے گھر جانا ہو تو اجازت سے پہلے پردہ اٹھا کر اس کے اندر جھانکنا نہیں چاہیے (ترمذی کتاب الاستیذان باب الاستیذان قبالۃ البیت)

۵۔ عورت تیز خوشبو لگا کر باہر نہ نکلے۔ (ابوداؤد کتاب الترجل باب فی المرأۃ تُطَیّبُ للخروج)

بعض مذاہب نے پاک دامنی کا علاج رہبانیت (ترک دنیا) قرار دیا ہے۔ یہ علاج غیر فطری ہے۔ اسلام نے رہبانیت سے منع فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:
وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَاكَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَارَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (حدید ۵۷:۲۷)
بعض مذاہب نے رہبانیت کا طریقہ خود ایجاد کیا ہے ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا مگر اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے (نکالی) پر اس کی وہ نگہداشت نہ کر سکے جو اس کی نگہداشت کا حق ہے۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ: یعنی اسلام میں ترک دنیا ناجائز ہے۔

اسوہ حسنہ

عرب میں اسلام سے پہلے لونڈیوں سے عصمت فروشی کا کام لیا جاتا تھا۔ لوگ ان کی کمائی کھاتے تھے۔ مشہور منافق عبداللہ بن ابی اپنی لونڈی سے جبراً زنا کرواتا اور اس کی کمائی کھاتا۔ فاحشہ عورتیں جب گھر سے باہر نکلتیں تو بناؤ سنگار سے نکلتی تھیں شراب کی محفلوں میں مردوں کو شراب پلاتیں گریبان کھولا رکھتیں اپنے گھروں پر نشانی کے طور پر جھنڈیاں لگاتی تھیں۔ غرض کہ بعثت نبوی سے قبل زنا کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ آپ کی ذات وہ مقدس ذات ہے جس نے زنا کی تمام رسوم کو ختم کر دیا اور اس برائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

۲۰۔ اعتدال

امت مسلمہ کو امت وسطاً (درمیانی امت) کہا گیا ہے جس میں یہی سر ہے کہ امت مسلمہ کا راستہ افراط اور تفریط سے پاک ہے قرآن مجید نے مسلمانوں کو نماز میں دعا ہی یہ سکھائی ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا صراط مستقیم وہی راستہ ہوتا ہے جو افراط اور تفریط کے درمیان ہو۔ پھر اس کے بعد غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر اللہ کا غضب ہوا اور نہ ان لوگوں کا راستہ جو گمراہ ہوئے مفسرین کہتے ہیں المغضوب سے مراد یہود ہیں اور الضالین سے مراد عیسائی' عیسائی اور یہودی دونوں نے افراط و تفریط کا راستہ اختیار کیا۔ سورۃ فاتحہ میں صراط مستقیم کی دعا کے بعد یہ بھی دعا سکھائی کہ اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں کے راستہ پر نہ چلائے۔ جنھوں نے افراط اور تفریط کا راستہ اختیار کیا۔

اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال پسندی کی تعلیم دی ہے ارشاد الٰہی ہے۔

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ (لقمان: ۱۹)

اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۲۹)

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھ اور نہ اسے بالکل کھلا چھوڑ دے کہ ملامت زدہ اور عاجز ہو کر رہ جائے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان ۲۵: ۶۷)

اور جو لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ما احسن القصد فی الغنی وما احسن القصد فی الفقر وما احسن القصد فی العبادۃ یعنی دولت مندی میں اعتدال کتنا اچھا ہے محتاجی میں درمیانگی کتنی اچھی ہے اور عبادت میں میانہ روی کتنی اچھی ہے (بروایت کنز العمال جلد دوم ص ۷ حیدر آباد دکن)

عبادت سے بڑھ کر اسلام میں کوئی نیکی کا کام نہیں ہے۔ آپ نے اس میں بھی میانہ روی اور اعتدال کی تعلیم دی۔ حضرت عثمان بن مظعون کا واقعہ کتب احادیث میں بیان ہوا ہے کہ انھوں نے جب راتیں عبادت اور دن روزوں میں بسر کرنا شروع کیے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منع فرمایا اور اعتدال کی تعلیم دی اور فرمایا تمھارے ذمہ اور بھی حقوق ہیں۔

۲۱۔ توکل

لفظ توکل کی وضاحت

وکلت امری الی فلان کے معنی ہیں۔ میں اپنا معاملہ دوسرے کی طرف لے گیا اور اس بارے میں اعتماد کیا۔ توکل کا استعمال دو طرح پر ہے ایک صلہ لام کے ساتھ توکلتُ لِفلانٍ کے معنی ہیں توکلت لہ یعنی اس کی خاطر میں اس کا متولی ہو گیا۔ صلہ علی کے ساتھ یعنی توکلت علیہ کے معنی ہیں۔ اعتمدت علیہ اس پر میں نے اعتماد کیا (امام راغب)

اہمیت از روئے قرآن مجید

ارشاد الٰہی ہے۔

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران ۱۵۹:۳)

جب تو ارادہ کرے پھر خدا پر بھروسہ کر بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اللہ پر توکل کرنے کے کیا معنی ہیں۔ لفظی معنی اعتماد کرنا ہے۔ خدا پر اعتماد کرنے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمیں کچھ نہیں کرنا چاہیے اور کام کو خدا پر چھوڑ دینا چاہیے۔ آج کل کے متصوفین نے ترکِ عمل اور اسباب سے بے پروائی کا نام توکل رکھا ہے حالانکہ قرآن مجید کی روشنی میں توکل اسباب سے کام لینے کا نام ہے۔ سورہ آل عمران میں جہاں دو گروہوں (بنو حارثہ اور بنو سلمہ) کا ذکر ہے کہ انھوں نے جنگ سے واپس ہو جانے کا ارادہ کیا۔ خدا نے ان کو اس ارادہ پر عمل کرنے سے بچا لیا اور فرمایا وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (۱۲۲:۳) یعنی اللہ پر ہی مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ تو معلوم ہوا کہ جنگ کرنا ہی توکل تھا اور جنگ نہ کرنا اور واپس چلے جانا خلاف توکل تھا۔ پس قرآن مجید کے اس استعمال نے واضح کر دیا کہ توکل اسباب سے پورا کام لینے کا نام ہے۔ اور حقیقت میں وہ شخص متوکل علی اللہ نہیں کہلا سکتا۔ جو اسباب کو کام میں نہیں لاتا بلکہ حقیقت میں توکل یہ ہے کہ اسباب و علل کتنے ہی کمزور نظر کیوں نہ آئیں۔ تو بھی ان سے کام لیا جائے اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دیا جائے۔ پس خدا پر توکل کرنے کے یہ معنی ہوئے کہ اسباب کو پورا عمل میں لایا جائے۔ پھر نتیجہ خدا پر چھوڑ دیا جائے۔ یہ توکل انسان کی ہمت کو بڑھانے والی چیز ہے۔ یہی وہ توکل ہے جس پر صحابہ کرامؓ نے عمل کیا اور کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

احادیث سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ اونٹ کو خدا کے توکل پر کھلا چھوڑ دوں۔ تو آپ نے فرمایا اِعْقِلْهَا وَ تَوَكَّلْ اس کے گھٹنے کو رسی سے باندھ دو اور توکل کرو۔ یعنی اسباب کو کام میں لاؤ۔ پھر نتیجہ خدا پر چھوڑ دو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ آپ کو خدا کی ذات پر مکمل توکل اور اعتماد تھا مکی زندگی میں جب مصائب و آلام کے سیاہ بادل منڈلا رہے تھے۔ اس وقت بھی آپ کے دل میں کسی قسم کی مایوسی و ناامیدی پیدا نہیں ہوئی۔ جب مونس و غم خوار چچا ابو طالب کفار کے دباؤ کی وجہ سے سمجھانے لگتے ہیں۔ تو آپؐ فرماتے ہیں کہ خدا مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا۔ (ابن ہشام)

مکہ میں ایک دکھیا صحابی سے فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم عنقریب وہ وقت آتا ہے۔ جب یہ دین مرتبہ کمال کو پہنچ جائے گا اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہیں رہے گا۔ (صحیح بخاری جلد اوّل)

آپ پہلے یہ پڑھ چکے ہیں کہ ہجرت کی رات میں مکہ کے قسی القلب نوجوان ہاتھوں میں تلواریں لیے ہوئے خون آشام ارادوں کے ساتھ آپؐ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں۔ آپؐ خدا کے اذن پر اعتماد کر کے نا مساعد حالات کی موجودگی میں گھر سے باہر نکلتے ہیں اور سیدھے

حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر جاتے ہیں اور ان کو ساتھ لے کر اونٹنیوں پر سوار ہو کر غار ثور میں پناہ لیتے ہیں۔ کفار اپنی ناکامی و نامرادی کی آگ میں جل کر آپ کے تعاقب میں نشان قدم کو دیکھتے ہوئے اسی غار کے منہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کفار کے پاؤں دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں۔ ''یا رسول اللہ! دشمن اس قدر قریب آ گیا ہے کہ اگر ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں گے۔ تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔''

لیکن اس غم و مصیبت کی گھڑی میں بھی پر اعتماد اور پُرسکون آواز میں فرماتے ہیں۔ ''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔'' غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے۔

غار ثور میں تین دن کے قیام کے بعد مدینہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ تو سراقہ بن جعشم سو اونٹ بطور انعام حاصل کرنے کی خاطر آپ کا تعاقب کرتا ہے۔ وہ بہت قریب پہنچ جاتا ہے۔ حضرت ابو بکر بار بار اضطراب کی حالت میں مڑ مڑ کر دیکھتے ہیں۔ لیکن آپ نے ایک بار بھی مڑ کر نہیں دیکھا بلکہ آپ سکینت ربانی کے سایہ میں تلاوت قرآن مجید کرتے ہوئے جا رہے ہیں۔

اُحد اور حنین کے غزوات میں جب مسلمان میدانِ جنگ کو قلیل عرصے کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ اس وقت بھی آپ توکل کے اس ارفع مقام پر کھڑے تھے۔ جہاں یاس و ناامیدی خوف و بیم اضطراب و بے قراری کی ہوا تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

غزوہ نجد سے واپسی میں آپ نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا۔ جہاں درختوں کے جھنڈ تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ صحابہ درختوں کے سایہ میں ادھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ آپ بھی ایک درخت کے نیچے تلوار لٹکا کر استراحت فرما تھے۔ چپکے سے ایک بدو آ نکلا۔ تلوار کو اتار کر آپ کے سینہ پر سوار ہو گیا اور کہا ''اے محمد! اب مجھ سے کون تم کو بچا سکتا ہے۔'' آپ نہایت ہی اطمینان سے کہتے ہیں۔ ''اللہ''

یہ توکل علی اللہ کا ایک رخ ہے۔ دوسرا رخ بھی اس سے کم دلکش نہیں۔ آپ نے کبھی بھی ایک دن کی آمدنی دوسرے دن کے لیے اٹھا کر نہیں رکھی۔ جو بچ جاتا۔ شام تک مستحقین میں بانٹ دیا جاتا تھا۔ ترمذی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یدخر لغد'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز اٹھا کر نہیں رکھتے تھے۔

نزع کی حالت میں جب انسان دنیا و مافیہا کو فراموش کر دیتا ہے۔ اس حالت میں آپ کو یاد آیا کہ چند اشرفیاں گھر میں پڑی ہوئی ہیں۔ فوراً حضرت عائشہؓ سے فرماتے ہیں۔ ''عائشہؓ! کیا محمدؐ خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا۔ جاؤ پہلے ان کو خیرات کرو۔'' سبحان اللہ! اس نازک موقع پر بھی سید المرسلین۔ و خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توکل کے ارفع مقام کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

۲۲۔ خوش کلامی

خوش کلامی سے مقصد یہ ہے کہ باہم ایک انسان دوسرے انسان سے کلام کرنے میں ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھے تاکہ آپس میں تعلقات خوشگوار پیدا ہوں۔ معاشرتی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے خوش کلامی بہت ضروری ہے۔ خوش کلامی ہی پیار و محبت کے جذبات پیدا کرتی ہے اور بدکلامی ہی باہمی عداوت اور نفرت کا سبب بنتی ہے۔

اہمیت از روئے قرآن مجید

ارشاد الٰہی ہے۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (القرآن) اورلوگوں سے اچھی بات کہو۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۵۳)

اے پیغمبر! میرے بندوں سے کہہ دے کہ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو۔ بے شک شیطان ان کے درمیان جھگڑا پیدا کرتا ہے بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

بدکلامی اور حقارت آمیز الفاظ استعمال کرنے سے سختی سے روکا گیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ (حجرات ۴۹: ۱۱)

اور اپنے لوگوں کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کے نام دھرو۔ ایمان کے بعد برا نام کیا ہی برا ہے۔

اہمیت از روئے حدیث

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ لِیَصْمُتْ (بخاری باب من کان جارہ)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے ورنہ چپ رہے۔

قَالَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْکَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ (بخاری باب طیب الکلام)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھی بات بمنزلہ صدقہ کے ہے۔

عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوْا النَّارَ وَلَوْ بِشَقِّ تَمْرَةٍ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فَبِکَلِمَةٍ طَیِّبَةٍ (بخاری باب طیب الکلام)

حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ کر کے دوزخ کی آگ سے بچو اگرچہ وہ صدقہ کھجور کے ایک ٹکڑے کا ہو اور اگر اتنا بھی نہ ہو سکے تو اچھی بات کہہ دو۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاالْاِسْلَامُ قَالَ طَیِّبُ الْکَلَامِ (مسند امام احمد)

حضرت عمرو بن عبسہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا خوش کلامی۔

۲۳۔ ستائش سے نفرت

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (ال عمران ۳:۱۸۸)

''مت خیال کرو کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں۔ اپنے اعمال پر اور چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی باتوں کے متعلق تعریف کریں۔ جو ان سے سرزد نہیں ہوئیں کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

قدیم مذہبی اور علمی تفوق اور شرف نے یہود اور نصاریٰ کو خودنمائی اور ستائش خویش کا عادی بنا دیا تھا' اور اپنے آپ کو خدا کا محبوب اور فرزند خیال کرنے لگے۔ اسی خیال نے ان کو الٰہی صداقتوں کو قبول کرنے سے محروم رکھا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ ۵:۱۸) یہود اور نصاریٰ نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور پیارے ہیں۔

اپنی تعریف سے آپ کو دلی نفرت تھی اور کبھی گوارہ نہ کرتے تھے کہ کوئی شخص آپ کی شان میں ستائش آمیز کلمات کہے کیونکہ شرک کی طرف پہلا قدم انبیاء و صلحا کی مبالغہ آمیز تعظیم و ستائش ہے۔ اس وجہ سے آپ نے فرمایا۔ ''میری اس قدر مبالغہ آمیز تعریف نہ کیا کرو جس قدر نصاریٰ ابن مریم کی کرتے ہیں۔ میں تو خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔'' (صحیح بخاری)

قیس بن سعد کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حیرہ گیا۔ وہاں لوگوں کو دیکھا کہ رئیس شہر کے دربار میں جاتے ہیں۔ تو اس کو سجدہ بجا لاتے ہیں۔ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا اور عرض کی کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ اس کے زیادہ سزا وار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میری قبر پر گزرو گے تو سجدہ کرو گے؟ کہا نہیں فرمایا تو زندگی میں بھی سجدہ نہیں کرنا چاہیے۔ (ابو داؤد)

ایک دفعہ اسود بن صریع نے آپ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ میں نے خدا اور اس کے رسول کی شان میں چند اشعار تحریر کیے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ''بے شک خدا کو ساری تعریفیں سزا وار ہیں۔'' اسود نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا اسی اثناء میں کوئی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسود کو خاموش کرا دیا۔ جب وہ چلا گیا تو انھوں نے پھر شروع کیا۔ وہ شخص پھر وارد ہوا۔ آپ نے پھر اسود کو خاموش کرا دیا غرض کہ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ اسود نے کہا۔ حضورؐ یہ کون شخص ہے۔ جس کی وجہ سے آپ نے اتنی مرتبہ خاموش کرا دیا آپ نے جواب دیا یہ وہ شخص ہے جو بیہودہ بات سننی پسند نہیں کرتا۔ (بخاری)

ایک شخص بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ دوران گفتگو میں انھوں نے کہا۔ ''جو خدا چاہے اور جو آپ چاہیں۔'' آپ نے فرمایا۔ ''تم نے خدا کا شریک اور ہمسر ٹھہرایا کہ جو خدا تنہا چاہے۔'' (ادب المفرد امام بخاری)

ایک دفعہ آپ وضو کر رہے تھے۔ تو صحابہ جو پانی بدن سے گرتا تھا۔ اس کو چلو میں لے کر بدن پر مل لیتے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم یہ کیوں کر رہے ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ خدا اور اس کے رسول کی محبت میں۔ ارشاد ہوا۔ اگر کوئی اس بات کی خوشی حاصل کرنا چاہے کہ وہ خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ تو اس کو چاہیے کہ جب باتیں کرے سچ بولے۔ جب امین بنایا جائے۔ امانت ادا کرے اور کسی کا پڑوسی ہے۔ تو ہمسائیگی کو اچھی طرح نباہے (مشکوۃ)

۲۴۔ خوش معاملگی

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ کسی سے مستعار لیا۔ جب آپ نے واپس کیا تو اس سے اچھا اونٹ اس کو دیا اور کہا "اچھے لوگ وہ ہیں جو خوبی کے ساتھ اپنا قرض ادا کرتے ہیں۔ (ترمذی)

ایک دفعہ ایک بدو نے جس کے آپ مقروض تھے۔ تقاضا کیا۔ بدو بالطبع درشت اور بد مزاج ہوتے ہیں۔ اس نے سخت الفاظ میں اپنا قرض طلب کیا۔ صحابہؓ نے اسے سرزنش کی۔ اور کہا تم جانتے ہو کہ کس شخص سے گفتگو کر رہے ہو۔ اس نے کہا۔ "ہاں جانتا ہوں۔ لیکن میں نے طلب رقم کے علاوہ اور کوئی بات تو نہیں کی ہے۔" اس پر آپ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ "تمھیں اس کی طرفداری کرنی چاہیے۔ کیونکہ وہ حق پر ہے۔" (ابن ماجہ)

ایک بدوی اونٹ کا گوشت فروخت کر رہا تھا۔ آپ نے اس خیال سے کہ گھر میں تھوڑی سی کھجوریں رکھی ہیں۔ ان کے مبادلہ میں گوشت کا ایک ٹکڑا طے فرما لیا۔ جب گھر میں جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کھجوریں خرچ ہو چکی ہیں۔ آپ نے باہر آ کر اس بدو سے معذرت فرمائی۔ وہ پکار اٹھا۔ "تم بے ایمان ہو۔" صحابہؓ نے اس سے کہا۔ کیا تم کو جنون ہو گیا ہے۔ رسول کریمؐ اور بے ایمانی۔ آپ نے انھیں روکا اور فرمایا۔ "کہنے دو اسے حق ہے۔" آپ نے دوبارہ معذرت فرمائی۔ اس نے پھر انھیں الفاظ کا اعادہ کیا۔ صحابہؓ نے اسے خاموش کرنا چاہا لیکن آپ نے فرمایا "اسے جو جی میں آئے کہنے دو۔ وہ حق پر ہے۔" تب آپ نے اس سے فرمایا "اچھا تم فلاں خاتون کے پاس چلے جاؤ۔ وہ تم کو مقررہ کھجوریں دے دیں گی۔" چنانچہ وہ گیا اور کھجوریں لے کر واپس لوٹا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہیں تشریف فرما تھے۔ آپؐ کی خوش معاملگی نے اتنا متاثر کیا۔ وہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور پکار اٹھا۔ "اے محمدؐ! جزاک اللہ احسن الجزاء۔ تم نے پوری قیمت دی اور بہتر معاوضہ"۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ کے نواح میں خیمہ زن تھا۔ ان کے پاس ایک لال رنگ کا اونٹ تھا۔ آپ ادھر سے گزرے اور اس اونٹ کی قیمت دریافت کی۔ لوگوں نے قیمت بتائی۔ آپ نے اسے منظور فرما لیا۔ جب آپ اونٹ سمیت کچھ دور نکل گئے۔ تو ان لوگوں کو خیال آیا کہ مشتری اجنبی ہے۔ قیمت لیے بغیر اونٹ دینا قرین مصلحت نہیں ہے۔ قافلہ میں ایک عورت تھی۔ اس نے کہا۔ واللہ ہم نے اس سے پہلے کبھی ایسا منور چہرہ نہیں دیکھا۔ کوئی غم کی بات نہیں ہے۔" شام کے وقت آپ نے اس اونٹ کی قیمت کی کھجوریں مالک کے پاس بھیج دیں۔ (دار قطنی)

جنگ حنین کے موقعہ پر آپ کچھ اسلحہ خریدنا چاہتے تھے۔ صفوان کے پاس جو اس وقت غیر مسلم تھا۔ اس وقت بہت اسلحہ موجود تھا۔ آپ نے کچھ زرہیں عاریتاً لینی چاہیں۔ اس نے کہا۔ اے محمدؐ! کیا تم مجھے ٹھگنا چاہتے ہو۔ میری زرہیں استعمال کرو اور خراب کر کے مجھے واپس کر دو۔ مفت ہی کام نکالنا چاہتے ہو۔" آپ نے فرمایا۔ "میں قرض نہیں لیتا۔ مستعار لیتا ہوں اور اگر کوئی زرہ خراب ہو گئی تو اس کی قیمت ادا کر دوں گا۔" غرضیکہ آپ نے چالیس زرہیں لے لیں۔ جنگ کے خاتمہ پر چند زرہیں گم ہو گئیں۔ آپ نے صفوان سے کہا۔ چند زرہیں گم ہو گئی ہیں۔ ان کی قیمت ادا کر دوں گا لیکن اس نے کہا۔ یا رسول اللہ! اب قیمت دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ اب میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ (ابو داؤد)

جب کوئی جنازہ لایا جاتا۔ تو آپ نماز جنازہ پڑھنے سے قبل تحقیق فرما لیتے۔ آیا متوفی یا متوفیہ مقروض تو نہیں ہے۔ اگر مقروض ہوتا تو آپ صحابہؓ کو نماز ادا کرنے کا حکم دیتے۔

۲۵۔ شائستگی

ایک دفعہ کوئی شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے کے لیے آیا۔ صحابہؓ نے اطلاع کی۔ آپ نے فرمایا۔ ''اگرچہ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ تاہم آنے دو۔'' جب وہ آپ کے سامنے آیا۔ تو آپ نے اس کے ساتھ بہت عمدہ سلوک فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اس بات سے متعجب ہوئیں۔ آپ نے ان کے استعجاب کو دیکھ کر فرمایا۔ ''خدا کی نظر میں وہ شخص بدترین خلائق ہے جو انسانوں کے ساتھ اس قدر درشت مزاجی سے پیش آئے کہ وہ اس سے نفرت کرنے لگیں۔ (ابو داؤد)

ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اس اثناء میں آپ کی رضاعی والدہ کا خاوند آپ سے ملنے آیا۔ آپ نے اپنی چادر کندھے سے اتار کر اس کا ایک کونہ اس کے لیے بچھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا سالا آیا۔ آپ کھڑے ہو گئے اور اسے اپنی جگہ پر بٹھا دیا۔ (ابو داؤد)

ایک مرتبہ آپ کچھ گوشت مساکین میں تقسیم فرما رہے تھے۔ اس دوران میں ایک عورت آپ سے ملنے آئی۔ آپ فوراً گوشت چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور حتی الوسع اس کی مدارات فرمائی۔

جب وہ چلی گئی۔ تو لوگوں نے پوچھا۔ یہ کون تھی۔ آپ نے فرمایا۔ ''میری رضاعی ماں تھی۔'' (ابو داؤد)

۲۶۔ ذکر

ذکر کے معنی ہیں حِفظُ الشَّیٔ یعنی کسی چیز کا یاد رکھنا۔ یہ دوطرح پر ہے۔ دل سے اورزبان سے اور ان میں سے ہر ایک کی دو اقسام ہیں۔ ایک بھولنے کے بعد کسی چیز کا ذکر دوسرے ہمیشہ اس کو یاد رکھنا (مفردات امام راغب) ذکر کا معنی ثناء بھی ہیں یعنی تعریف کرنا اور شرف بھی یعنی بزرگی دینا۔

قرآن مجید میں ذکر کا استعمال

قرآن مجید میں لفظ ذکر کئی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

۱۔ یاد کرنا

فَاذْكُرُوْنِیۡٓ اَذْكُرْكُمْ تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد رکھوں گا۔

۲۔ قرآن مجید کے معنی میں

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ اَنْزَلْنٰهُ برکت والا ذکر (قرآن مجید) جو ہم نے نازل کیا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ. بے شک ہم ہی نے ذکر (قرآن مجید) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

۳۔ رسول کریمؐ کی ذات کے لیے

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ذکر رسول اتارا ہے۔

۴۔ یاد دہانی کے طور پر

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ یہ تو بس دنیا والوں کے لیے یاد دہانی ہے۔

۵۔ نماز کے معنی میں

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ) جب تم امن میں ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اس نے تمھیں سکھایا جو تم نہیں جانتے۔ اس آیت میں فَاذْكُرُوا اللّٰهَ سے مراد نماز ہے کیونکہ ذکر اللہ کی بہترین صورت نماز ہے۔

۶۔ نماز جمعہ کے لیے

قرآن مجید میں نماز کے علاوہ نماز جمعہ کے لیے بھی لفظ استعمال کیا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ (الجمعہ ۶۲:۹) اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف جلدی آ جاؤ۔

ذکر الٰہی کی اہمیت

اہمیت از روئے قرآن

قرآن مجید میں آتا ہے۔

۱۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (البقرہ ۱۵۲) تم یاد کرو میں تمھیں یاد رکھوں گا اور میرا ہی شکر ادا کرو پس نافرمانی نہ کرو۔

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا (الاحزاب: ۴۱:۳۳) اے ایمان والو اللہ کو بہت یاد کرو۔

۳۔ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران: ۱۹۱:۳) جو کھڑے ہو کر بیٹھ کر اور لیٹ کر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اے ہمارے رب تو نے باطل (بے سود) نہیں پیدا کیا تو پاک ہے پس تو ہمیں اگ کے عذاب سے بچا۔

۴۔ منافقین کی مذمت میں ارشاد الٰہی ہے۔ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا وہ اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

۵۔ اہل ایمان کی صفت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ وہ مرد اور عورتیں مومن ہیں جو اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں۔

۶۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (مزمل ۸:۷۳) اپنے رب کا نام لیتے رہو اور سب سے تعلقات منقطع کر کے اسی طرف متوجہ رہو۔

۷۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ اے ایمان والو! تم کو تمھارے مال اور تمھاری اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارہ پانے والے ہیں۔

۸۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (جمعہ ۱۰:۶۲) اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ فلاح پاؤ۔

ذکر الٰہی بہت بڑی عبادت ہے

ذکر الٰہی کے بغیر اسلام کی جملہ عبادات بے کیف اور بے روح ہو جاتی ہیں اس لیے ذکر الٰہی کو عبادت کی روح قرار دیا ہے اور دعا عبادات کا مغز ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (العنکبوت ۴۵:۲۹) یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد سب سے بڑی ہے۔

اہمیت از روئے حدیث

حدیث میں بھی ذکر کی اہمیت کو پوری شرح وسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں تذکرہ کرتا ہوں۔ اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اگر میری طرف چل کر آتا ہے تو اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ (بخاری و مسلم)

۲۔ دوسرا مضمون یہ ہے جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک اس کے ہونٹ میری یاد میں حرکت کرتے رہتے ہیں (میری توجہ خاص اس پر رہتی ہے)

۳۔ ابو نعیم سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اس حال میں تجھے موت آئے کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے (یعنی تیری زبان پر اللہ کا ذکر جاری و ساری ہو) ہو (جامع صغیر)

۴۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ احکام شریعت تو بہت ہیں مجھے ایک چیز کوئی ایسی بتا دیجئے جسے میں اپنا دستور بنا لوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ کے ذکر سے تو ہر وقت رطب اللسان رہے۔ (ترمذی)

۵۔ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ دنیا میں نرم نرم بستروں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے حق تعالیٰ جنت کے اعلیٰ درجوں میں ان کو پہنچا دیتا ہے (اخرجہ ابن حبان)

۶۔ ایک اور ارشاد نبوی ہے کہ مفرد لوگ بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ مفرد کون ہیں؟ فرمایا اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے ولی عورتیں۔ (مسلم)

۷۔ فرمایا جب تم جنت کے باغوں کے پاس سے گزرو تو خوب چرو۔ کسی نے پوچھا جنت کے باغ کیا ہیں فرمایا ذکر کے حلقے۔

۸۔ ابو الدرداء سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال میں بہترین چیز ہے اور تمھارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پاکیزہ اور تمھارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور سونے چاندی کو (اللہ کے راستے پر خرچ کرنے سے بھی بہتر اور (جہاد میں) تم دشمنوں کو قتل کرو اور وہ تم کو قتل کریں اس سے بھی بڑی ہوئی۔ صحابہؓ نے کہا ضرور بتایئے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کا ذکر کرو (اخرجہ احمد و ترمذی)

۹۔ ابو سعید سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ سے سوال کیا گیا کہ کون سے بندے اللہ کے نزدیک قیامت کے روز درجہ میں افضل ہوں گے؟ فرمایا: اگرچہ وہ کفار اور مشرکین پر تلوار چلائے اور وہ ٹوٹ جائے اور خون میں رنگی جائے ذکر کرنے والوں کو اس سے بلند درجہ ہوگا۔ (ترمذی، بیہقی)

۱۰۔ ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے کہ ذکر کرنے والا زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ۔ (بخاری)

۱۱۔ ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ جناب رسولؐ نے فرمایا کہ اگر ایک شخص کے پاس بہت سے روپے ہوں اور ان کو تقسیم کر رہا ہو اور دوسرا اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تو ذکر کرنے والا افضل ہے (الطبرانی)

۱۲۔ ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جناب رسولؐ نے فرمایا تو صبح کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر مجھے یاد کر لیا کر میں درمیانہ حصہ میں تیری کفالت کروں گا۔ (اخرجہ احمد)

ذکر کی تین اقسام

۱۔ قلبی ذکر

اللہ تعالیٰ دلوں کے راز جانتا ہے۔ جب انسان اپنے دل میں خدا کو یاد کرتا ہے تو اللہ اس کو سنتا ہے۔ قلبی ذکر کا مفہوم یہ ہے کہ دل پوری توجہ سے اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ ارشاد خداوندی ہے۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً اپنے رب کو دل میں گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے یاد کرو۔

۲۔ عملی ذکر

اللہ کی نعمتوں اور اس کے احسانات کو یاد کرنا' اس کا شکر بجا لانا نیز عملی زندگی احکام خداوندی کے تحت گزارنا اور اطاعت گزار ہونا عملی ذکر کہلاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اور تم پر اللہ کے جو احسانات ہیں انھیں یاد کرو۔

۳۔ قولی ذکر

اللہ کو اپنی زبان سے یاد کرنا۔ اس کی کئی صورتیں اور طریقے ہیں۔

i۔ نماز

ذکر کی افضل ترین شکل نماز ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہؐ رات کو اتنی دیر تک کھڑے ہو کر عبادت کیا کرتے تھے کہ آپ کے پائے مبارک متورم ہو

جاتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ کے لیے اللہ نے جنت لکھ دی ہے۔ پھر آپ اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں؟ تو حضورؐ نے فرمایا: ''کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔''

آپ کی عبادت کا تذکرہ قرآن مجید میں اس طرح آتا ہے۔

يَاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلاً نِّصْفَهٗۤ اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً اَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً (المزمل ۷۳: ۱۔۴) اے کپڑے اوڑھنے والے رات کو قیام کر سوائے تھوڑے (حصے) کے (یعنی) اس کا آدھا یا اس سے کچھ کم کر یا اس پر بڑھا دے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْلَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلاً طَوِيْلاً (الدھر ۷۶: ۲۶) اور رات کو اللہ کے سامنے سجدہ کر اور رات کا طویل حصہ اس کا ذکر کرتے ہوئے گزارو۔

۷۔ اعمال صالح کا بجا لانا

قرآن مجید نے ایمان کو اعمال صالح کے ساتھ لازم قرار دیا ہے اگر ایک شخص ایمان باللہ کے ساتھ ایمان صالح بجانہیں لاتا۔ تو وہ ایمان باللہ کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔ اس طرح ایک شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے پھر اس کا ذکر بھی کرتا ہے تو ذکر الٰہی کا تقاضہ ہے کہ ذاکر اعمال صالح بجالائے۔ ذکر الٰہی اور اعمال صالح کا بجالانا لازم ملزوم ہیں' اگر ایک شخص ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے لیکن اعمال صالح بجانہیں لاتا تو اس ذکر الٰہی کا کوئی فائدہ نہیں۔

۲۷۔ تقویٰ

تقویٰ کا مفہوم

تقویٰ کا مادہ وقی ہے جس کے لغوی معنی ہیں کسی کی حفاظت کرنا' اذیت سے بچانا اور کسی امر کو درست کرنا اور اسی سے تقویٰ ہے جس کے معنی میں اللہ کا خوف اور اسی کی اطاعت شامل ہے۔

تقویٰ کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ یہ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جس کے مطابق ہر کام میں صرف خدا کے حکم کو ہی پیش نظر رکھا جائے۔ جس سے نیکی کے کام کی طرف شدید رغبت اور برائی کی طرف شدید نفرت پیدا ہوتی ہے۔ یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس سے یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر آن حاضر و ناظر ہے۔ جس کی وجہ سے دل میں خیر و شر کی تمیز پیدا ہوتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ تقویٰ کے بارے میں حضرت کعب الاحبارؓ سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ آپ کبھی خار دار جھاڑیوں کے درمیان سے گزرے ہیں؟ تو حضرت عمر نے فرمایا ہاں! پوچھا کیسے؟ فرمایا دامن کو سمیٹ کر تو حضرت کعبؓ نے کہا۔ یہی تقویٰ ہے کہ انسان دنیا میں گناہوں کے درمیان اپنا دامن سمیٹ کر گزرے تا کہ اس کا دامن گناہوں سے آلودہ نہ ہو جائے۔ اس تعریف کے مطابق تقویٰ گناہوں سے بچنے اور احتیاط کرنے کا نام ہے۔ تقویٰ کے لیے قرآن میں ایک اور لفظ آیا ہے۔ جو خشیۃ ہے۔ اس کے معنی بھی ڈرنے اور خوف کھانے کے ہیں۔

تقوے کا مرکز

تقویٰ کا مرکز دل ہے۔ قرآن حکیم میں تقویٰ کے ساتھ قلب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ تقویٰ کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ اور جو اللہ کی شعائر (نشانیوں) کی تعظیم کرتا ہے تو یہ صرف دلوں کے تقویٰ سے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کا اصل تعلق دل سے ہے۔

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (حجرات ۴۹:۳) ''بے شک جو لوگ رسولؐ کے سامنے پست آواز سے بات کرتے ہیں۔ وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے واسطے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

تقویٰ کی یہ حقیقت کہ وہ دل کی خاص کیفیت کا نام ہے۔ ایک حدیث سے بالکل واضح ہو جاتی ہے جس میں حضور علیہ السلام نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا تقویٰ یہاں ہے۔

تقویٰ کی اہمیت

تقویٰ دین اسلام کی بنیاد ہے۔ دین اسلام کے کسی عقیدے اور عمل کا تذکرہ تقویٰ کے بغیر نہیں کیا گیا۔ گویا خوف خدا کا جذبہ ہر عقیدہ و عمل کا متحرک ہے۔ اس کے بغیر نہ تو فکر میں صحت پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی عمل میں درستی پیدا ہوتی ہے۔

ا۔ ایمان اور تقویٰ لازم و ملزوم ہیں

ارشاد الٰہی ہے۔ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران ۳:۱۰۲) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔

۲۔عزت وفضیلت کا معیار

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت وشرافت کا معیار نسلی اور خاندانی برتری نہیں بلکہ تقوے ہے ارشاد الٰہی ہے کہ: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات ۴۹:۱۳) تم میں سب سے زیادہ بزرگ وہ ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔حضورؐ نے فرمایا۔ لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِتَقْوٰی "عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔"

۳۔عبادت الٰہی کی غرض و غایت تقویٰ ہے

تمام اسلامی عبادات کی غرض و غایت تقویٰ کا حصول ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ:۲۱) اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔جس نے تمھیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

حج کا مقصد بھی تقویٰ کا حصول ہے فرمان الٰہی ہے۔ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج) جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے۔تحقیق یہ (کام) دلوں کا تقویٰ ہے۔

رمضان کے روزوں کا پورا سلسلہ صرف تقویٰ کے حصول کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ارشاد خداوندی ہے۔ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. روزے تم پر فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلی اقوام پر فرض کیے گئے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

۴۔خدا کی محبت کا ذریعہ

فرمان الٰہی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (توبہ) بیشک اللہ متقیوں سے محبت کرتا ہے۔

اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (انفال ۸:۳۴) تقویٰ والے ہی خدا کے دوست ہیں۔

۵۔نظام اخلاق کی بنیاد

اسلامی نظام اخلاق کی بنیاد ہی تقویٰ اور پرہیز گاری پر ہے۔عدل و انصاف کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ) عدل کرو۔ یہ تقویٰ کے قریب ہے۔صبر کے متعلق آتا ہے۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (آل عمران) اور اگر صبر اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ بڑی ہمت کی بات ہے۔عفو و درگزر کے بارے میں فرمان الٰہی ہے۔ وَاَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (البقرہ) اور اگر تم معاف کر دو تو یہ بات تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

۶۔معیت الٰہی کا ذریعہ

متقی اللہ کی معیت کے شرف اور اس کی نصرت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ (التوبہ ۹:۳۶) جان لو کہ بے شک اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے۔

۷۔قبول اعمال کا معیار

ایک کام مختلف اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھ کر انجام دیا جاتا ہے۔ اللہ انہی کاموں کو قبول کرتا ہے جن کی بنیاد تقویٰ اور پرہیز گاری پر ہے۔ارشادِ ربانی ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ اللہ تو تقویٰ والوں ہی سے قبول کرتا ہے (المائدہ ۵:۲۷)

آدم کے دونوں بیٹوں قابیل اور ہابیل نے قربانی کی۔لیکن قابیل کی قربانی ٹھکرا دی گئی اور ہابیل کی قربانی قبول کر لی گئی۔اس لیے اللہ تعالیٰ اسی عمل کو قبول کرتا ہے جس کا حقیقی محرک محض خدا کا تقویٰ ہے۔

۸۔ اچھا انجام

دنیا چند روزہ ہے۔ مال و دولت۔ جاہ و منصب سب عارضی چیزیں ہیں۔ ہمیشہ قائم رہنے والی چیز اچھائی اور نیکی ہے۔ یہ دائمی چیز تقویٰ اور پرہیز گاری سے حاصل ہوتی ہے۔ دراصل انسان کی حقیقی کامیابی اور کامرانی یہی ہے کہ وہ نیکی اور اچھائی کا سرمایہ لے کر اس دنیا سے جائے ارشادِ الٰہی ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (الاعراف ۷:۱۲۸) اور اچھا انجام تقویٰ والوں کے ہے۔ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ (ھود ۱۱:۴۹) بے شک انجام متقیوں کے لیے ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى (طٰہٰ ۲۰:۱۳۲) اور انجام تقویٰ کے لیے ہے۔

۹۔ تقویٰ بہترین زادِ راہ ہے

جب کوئی شخص سفر پر نکلتا ہے تو اپنے ساتھ زاد راہ لیتا ہے۔ انسان اس دنیا میں ایک اہم سفر پر گامزن ہے۔ اس کا یہ سفر موت ختم کرے گی اس سفر کے لیے بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے اس پیہم سفر میں اور کوئی زاد راہ مفید نہیں۔ یہ زادِ راہ اس سفر کی کامیابی کی کلید ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (بقرہ ۲:۱۹۷) سب سے اچھا زادِ راہ تقویٰ ہے۔

۱۰۔ بہترین لباس

قرآن مجید نے تقویٰ کو بہترین لباس قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوا۔ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ (اعراف ۷:۲۶) اور تقویٰ کا لباس سب سے اچھا ہے۔

لباس کا یہ کام ہوتا ہے کہ انسان کو گرمی و سردی سے بچاتا ہے اور اس کی جسمانی عریانی کا ستر ہے اور انسان کی خوبصورتی کا ذریعہ ہے۔ تقویٰ کو انہی وجوہ کی بنا پر لباس سے تشبیہ دی ہے کہ وہ انسان کو گناہوں سے بچاتا ہے۔ انسان کی اخلاقی عریانی کا پردہ ہے۔ جب انسان تقویٰ کا لباس پہن لیتا ہے تو تمام اخلاقی عیوب چھپ جاتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص تقویٰ کی باریک راہوں پر گامزن ہوتا ہے تو اس کا اخلاقی حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ خشوع و خضوع

''تقویٰ سے عبادت میں خشوع و خضوع اور دل میں خوف پیدا ہوتا ہے۔'' (البقرہ)

۱۲۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا نقطہ آغاز

تقویٰ تمام نبیوںؑ کی دعوت کا نقطہ آغاز رہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو پہلے دن جو کام سپرد ہوا وہ یہی تھا کہ قوم فرعون کو تقویٰ کی دعوت دو ارشاد خداوندی ہے۔ وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا يَتَّقُوْنَ (الشعراء ۲۶:۱۰،۱۱) جب تیرے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ ظالم قوم کے پاس جائے (فرعون کی قوم) کیا وہ تقویٰ اختیار نہیں کریں گے؟

حضرت نوح کی دعوت کا ذکر ان الفاظ میں ہوا۔ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ میں تمھارے لیے ایک رسول امین ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

تقویٰ کے متعلق ارشادات نبویؐ اور اکابرین اسلام

فرمایا۔ میں تمھیں تقویٰ کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو جو بہترین تلقین کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اسے آخرت کے لیے آمادہ کرے اور تقویٰ کا حکم دے (طبری) فرمایا ''تقویٰ ہر نیکی کی ابتداء ہے۔ پھر فرمایا تقویٰ زندگی کے ہر شعبے کو حسن و جمال بخشتا ہے۔'' ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں سفر پر جا رہا ہوں آپ میرے لیے دعا فرمائیے۔ حضور نے اس وقت فرمایا۔ ''اللہ تمھیں تقویٰ کا زادِ راہ دے۔''

حدیث قدسی ہے: ''میں اس بات کا سزاوار ہوں کہ مجھ سے تقویٰ رکھا جائے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور اس کے لیے میرے پاس مغفرت ہے۔'' (اربعین)

حضرت ابو ذر غفاریؓ کے استفسار پر رسول اکرمؐ نے فرمایا: میں تمھیں تقویٰ کی تلقین کرتا ہوں کیونکہ یہ ہر چیز کی ابتداء ہے۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: ''تقویٰ سے دل میں خوف خدا پیدا ہوتا ہے۔ حدیث بخاری و مسلم میں ہے کہ ''تقویٰ سے انسان حقوق و فرائض سے آگاہ ہوتا ہے اور حلال و حرام کی تمیز ہوتی ہے۔'' جن چیزوں کا حلال یا حرام ہونا شریعت سے معلوم نہیں۔ متقی ایسی مشکوک اشیاء سے بھی کنارہ کش رہتا ہے۔ فرمایا: ''تقویٰ آبرو ہے اور خدا کی خوشنودی اور بلندی درجات کا موجب ہے۔''

حضرت ابوبکر اکثر فرمایا کرتے دنیا کی تاریکیوں میں تقویٰ چراغ راہ کا کام دیتا ہے۔

معروف قرنی کا قول ہے کہ زندگی دریا ہے آخرت اس کا ساحل تقویٰ اس کی کشتی۔

تقویٰ کے مراتب

تقویٰ کے تین مراتب ہیں۔

۱۔ ادنیٰ ۲۔ اوسط ۳۔ اعلیٰ۔

۱۔ ادنیٰ

ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ انسان صرف عذاب جہنم کے بچنے کے لیے برائیوں سے اجتناب کرتا ہے۔ یہ نفس امارہ کی حالت ہے یہ حالت حیوانی کا نام ہے گویا اس پر حیوانیت غالب ہے اور نفس بدی کا حکم کرتا رہتا ہے۔

۲۔ اوسط

اوسط درجہ کا تقویٰ یہ ہے کہ انسان کبائر سے پوری طرح اجتناب کرے اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرے۔ یہ نفس لوامہ کی حالت ہے اس حالت میں اگر کبھی ارتکاب معصیت ہو جائے تو نفس ملامت کرتا ہے اور معصیت پر راضی نہیں ہوتا۔

۳۔ اعلیٰ

اعلیٰ درجہ کا تقویٰ یہ ہے کہ انسان مکمل طور پر صفات الٰہیہ کا مظہر بن جائے۔ نیکیوں کی طرف اس کی روح خود بخود مائل رہے اور برائیوں سے اس قدر نفرت ہو کہ اس کی طرف طبیعت کا میلان بالکل ختم ہو جائے۔ یہ نفس مطمئنہ کی حالت ہے یہ کامل اصلاح کا بلند مقام ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر چلتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ يَآيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (البلد ۹۰: ۲۷، ۲۸) اے اطمینان پانے والی جان! اپنے رب کی طرف لوٹ آ تو اس سے راضی ہو وہ تجھ سے راضی۔

حصول تقویٰ کے ذرائع

تقویٰ تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ اسلام نے حصول تقویٰ پر بہت زور دیا ہے اس کے ساتھ حصول تقویٰ کے ذرائع کی بھی نشان دہی کی ہے وہ ذرائع حسب ذیل ہیں۔

i- خدا پر ایمان

تقویٰ کے حصول کے لیے اللہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ایمان باللہ کے دو حصے ہیں ایک نظری دوسرا عملی۔ نظری سے مراد یہ ہے کہ ایک انسان یہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کا خالق مالک اور معبود ہے عملی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو تعلیم دی ہے اس پر پوری طاقت سے عمل کرے۔ اگر ایک شخص محض خدا کی ہستی پر ایمان لے آتا ہے لیکن اس کے بتائے ہوئے رستوں پر گامزن نہیں ہوتا۔ تو وہ تقویٰ کے لباس

سے عاری رہے گا۔ اس طرح ایک شخص محض اپنی عقل سے ہی نیک کام بجالاتا ہے اور خدا کی ہستی کا منکر ہے تو وہ بھی تقویٰ کی راہوں پر نہیں چل سکتا۔ تقویٰ کے حصول کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان نظری اور عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی ہستی کو تسلیم کرے ایمان باللہ کا مقصد ہی تقویٰ ہے۔ اگر ایک شخص اللہ پر ایمان لانے کا دعویٰ دار ہے لیکن وہ تقویٰ کی راہ پر نہیں چلتا تو وہ صحیح معنوں میں ۔۔ اللہ پر ایمان نہیں لاتا۔

ii- عبادت الٰہی

امام راغب نے عبادت کے معنی انتہائی درجہ تذلل اور انکساری کے کیے ہیں لسان العرب میں عبادت کے معنی اطاعت کے ہیں۔ اسلام میں عبادت چند الفاظ اور حرکات وسکنات کا نام نہیں بلکہ لفظ عبادت اپنے اندر وسیع مفہوم لیے ہوئے ہے اللہ تعالیٰ ہمارے چند تعریفی کلمات کا محتاج نہیں وہ غنی اور صمد ہے اسلام میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عنایت کردہ استعدادوں اور طاقتوں کو اس کی تعلیمات کے مطابق خرچ کرے۔ اس وجہ سے قرآن مجید نے انسان کی تخلیق کا مقصد ہی عبادت قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذریات ۵۱:۵۶) میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ ۲:۲۱) اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں پیدا کیا اور انھیں بھی جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی ہو۔

اس آیت میں یہ واضح کیا گیا ہے عبادت کی غرض وغایت ہی تقویٰ کا حصول ہے۔ گویا تقویٰ عبادت کے ذریعے ہی حاصل ہوتا ہے۔

iii- دعا

دعا' عبادت کا ہی لازمہ ہے۔ لیکن دعا کی ایک الگ سرخی دے کر تقویٰ کے حصول کا ذریعہ بتایا ہے۔ جب ایک انسان اپنی حاجت روائی کے لیے اپنے خالق کے سامنے حاضر ہوتا ہے تو اس کی روح پانی کی طرح اس کے آستانہ پر بہہ جاتی ہے۔ اپنے اندر انکساری اور عاجزی کے جذبات پیدا کرتا ہے اور تمام دنیاوی وسائل سے کٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کے دامن کو پکڑ لیتا ہے تو یہ حالت انسان کو تقویٰ کی راہ پر چلا دیتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن ۴۰:۶۰) مجھ سے ہی دعا کرو میں اس کو قبول کروں۔ رسول کریمؐ کا طرز عمل بھی یہی بتاتا ہے آپ رمضان کے مہینے میں عبادت اور دعا پر بہت زور دیتے تھے۔

iv- حب رسولؐ

حب رسول تقویٰ کی باریک راہوں پر گامزن کرنے کا بہترین ذریعہ ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کسی شخص کے دل میں رسول کریمؐ کے ساتھ حقیقی عشق اور محبت ہوگی۔ تو وہ شخص شیطان سے کوسوں دور ہو جائے گا اور اس سے کوئی ایسا عمل سرزد میں ہوگا جو حب رسول کے منافی ہو۔ اس لیے رسول کریمؐ نے فرمایا کہ کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک حضورؐ انسان کے ماں باپ اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ پیارے نہ ہوں۔

v- صادقین کی صحبت

قرآن مجید نے تقویٰ کے حصول کا ذریعہ صادقین کی صحبت قرار دیا ہے۔ علم نفسیات کے تمام ماہرین کا اس بات پر یقین ہے کہ صحبت انسان کے کردار پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پارسا لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ کہ صادقوں کی محبت اختیار کرو۔

vi- حلال وحرام کی تمیز

تقویٰ کے حصول کے لیے اکل حلال (حلال کھانا) بہت ضروری ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اکل حلال کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البقرہ ۲:۱۹۸) اے لوگو! اس سے جو

زمین میں سے حلال اور پاکیزہ کھاؤ اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

غذاؤں کا اثر اخلاق اور روحانیت پر پڑتا ہے اس لیے اس آیت میں حلال طیب چیزیں کھانے کی تعلیم دی۔ جو مال باطل طریق پر حاصل کیا جائے وہ حلال نہیں ہوسکتا اس لیے ارشاد الٰہی ہے لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ تم ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔

اس آیت میں طیب کھانے کی تعلیم دی ہے بعض اوقات ایک چیز حلال تو ہوتی ہے لیکن طیب نہیں۔ وہ اس طرح دودھ حلال ہے بعض اوقات ڈاکٹر مریض کو دودھ پینے سے منع کر دیتا ہے۔ گو دودھ حلال ہے لیکن مریض کے لیے طیب نہیں کیونکہ ماکولات کا اثر انسان کی صحت اور روحانیت پر پڑتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے کھانے کے لیے حلال کے ساتھ طیب بھی شرط لگا دی۔

حرام خوری ترک کرنے اور حلال کھانے سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن وقاص نے رسول اکرمؐ سے دریافت کیا کہ میں کس طرح مستجاب الدعوات (جس کی دعائیں قبول ہوں) بنوں اپ نے فرمایا صاف ستھرا کھاؤ۔ مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے۔ آج سائنس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ماکولات (کھانوں) کا اثر انسان کے اخلاق پر پڑتا ہے۔ ہمارے سامنے یورپ کی مثال ہے ان میں شراب خوری اور سور کا گوشت کھانے کی وجہ سے دیوثی پائی جاتی ہے۔

vii- محاسبہ کا خوف

انسان دو طریقوں سے نیکی کی طرف رغبت اور بدی سے دوری اختیار کرتا ہے ایک محبت سے دوم خوف اور محاسبہ سے جب انسان کے دل میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت پیدا ہو جائے تو پھر ایسا کام نہیں کر سکتا جو محبت کے تقاضوں کے خلاف ہو۔ اس طرح بعض طبائع خوف اور محاسبہ کی وجہ سے بدی سے دور رہتی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح کیا ہے کہ انسان ایک دن مرنے کے بعد خدا کے سامنے پیش ہو گا اور اپنے اعمال کا حساب دے گا۔ تو محاسبہ کے تصور سے بدی سے دور رہتا ہے۔ گویا قیامت پر ایمان انسان کو تقویٰ کی راہوں پر چلا دیتا ہے۔

۲۸۔ عدم تشدد

حضرت معاذ بن جبل ایک محلہ میں امامت کراتے اور نماز فجر میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے۔ ایک شخص نے شکایت کی معاذ بن جبل نماز فجر میں لمبی لمبی سورتیں پڑھتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر رہتا ہوں ابو مسعود کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی اس قدر غضب ناک نہیں دیکھا جس قدر اس موقع پر دیکھا۔ آپ نے لوگوں کو مخاطب ہو کر فرمایا ''بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو لوگوں کو متنفر کر دیتے ہیں۔ جو شخص تم میں سے نماز پڑھائے مختصر پڑھائے کیونکہ نماز میں بوڑھے کمزور کام والے سبھی طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

ایک دفعہ ایک شخص نے آ کر عرض کی کہ مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے۔ آپ حد کا حکم دیں۔ آپ خاموش رہے اور نماز کا وقت آ گیا۔ نماز کے بعد انھوں نے پھر آ کر وہی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا۔ ''کیا تم نے نماز نہیں پڑھی۔'' انھوں نے جواب دیا۔ ''ہاں پڑھ لی ہے ارشاد فرمایا تو خدا نے تمہارا گناہ معاف کر دیا ہے۔'' (بخاری)

حد و قصاص میں نہایت احتیاط فرماتے اور جہاں تک ممکن ہوتا درگزر کرنا چاہتے۔ ماعز اسلمی ایک صحابی تھے۔ انھوں نے زنا کیا لیکن فوراً مسجد میں آ گئے اور کہا۔ یا رسول اللہ میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے ایک طرف منہ پھیر لیا۔ وہ دوسری طرف آئے اور کہا۔ یا رسول اللہ میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے اعراض کیا۔ وہ صحابی بار بار ایک طرف سے دوسری طرف آتے اور آپ بار بار منہ پھیر لیتے تھے۔ بالآخر آپ نے فرمایا کیا تم کو جنوں تو نہیں ہے؟ بولے نہیں۔ پھر پوچھا کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے۔ بولے ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے ہاتھ لگایا ہو گا۔ انھوں نے جواب دیا۔ نہیں بلکہ مجامعت کی ہے۔ آخر مجبور ہو کر آپ نے سنگسار[1] کیے جانے کا حکم دیا۔ (بخاری)

ایک دفعہ قبیلہ غامد کی ایک عورت بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئی اور کہا۔ یا رسول اللہ! میں نے بدکاری کی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ واپس جاؤ۔ دوسرے دن پھر آئی اور بولی کہ کیا آپ مجھ کو ماعز کی طرح چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم۔ مجھ کو حمل رہ گیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا واپس جاؤ۔ وہ چلی گئی تیسرے دن پھر واپس آئی۔ آپ نے فرمایا کہ وضع حمل تک انتظار کرو۔ جب بچہ پیدا ہوا تو بچہ کو گود میں لیے ہوئے آئی۔ آپ نے فرمایا کہ دودھ پینے کی مدت تک انتظار کرو۔ جب دودھ چھوٹ جائے تب آنا جب رضاعت کا زمانہ گزر گیا تو پھر حاضر ہوئی۔ اب آپ نے مجبوراً سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے پتھراؤ کیا۔ ایک شخص کا پتھر اس کے چہرے پر لگا اور خون کی چھینٹیں اڑ کر ان کے چہرے پر آئیں۔ انھوں نے گالی دی۔ آپ نے فرمایا زبان روکو۔ خدا کی قسم اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ جبراً محصول لینے والا بھی اگر یہ توبہ کرتا تو بخش دیا جاتا۔ (ابو داؤد)

ایک دن ایک صحابی نے عرض کی ہم لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کے ملک میں رہتے ہیں کیا ان کے برتنوں میں کھانا کھا لیا کریں تو فرمایا اور برتن ہاتھ آئیں تو ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ۔ ورنہ ان کو دھو کر کھا سکتے ہو۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۲۳)

ایک دفعہ ایک صحابی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میں برباد ہو گیا۔ روزہ میں اپنی بیوی سے مجامعت کر لی ہے آپ نے فرمایا۔ ایک غلام آزاد کر سکتے ہو۔ اس نے کہا۔ نہیں۔ فرمایا۔ دو مہینے تک متصل روزے رکھ سکتے ہو۔ جواب دیا نہیں۔ فرمایا۔ ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلا سکتے ہو۔ کہا۔ اس کی بھی طاقت نہیں۔ آپ نے ذرا تامل فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص نے کھجوروں کی ایک ٹوکری ہدیہ پیش کی۔ آپ نے فرمایا۔ سائل کہاں ہے۔ سائل نے جواب دیا۔ رسول اللہ میں یہاں ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ ان کھجوروں کو خیرات کے طور پر غرباء میں تقسیم کر دو۔ سائل نے کہا۔ مدینہ میں مجھ سے زیادہ غریب کون ہو گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور فرمایا جاؤ گھر ہی والوں کو کھلا دو۔ (بخاری)

[1] سنگساری کے متعلق جتنی احادیث ہیں یہ کوڑے مارنے والی آیت سے قبل کی ہیں۔ آپ نے موسوی شریعت پر عمل کرتے ہوئے سنگساری کی حد نافذ کی۔

۲۹۔ خدمت خلق

مخلوق خدا کی بے لوث' بغیر لالچ اور بلا معاوضہ خدمت کو خدمت خلق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

خدمت خلق بہت بڑی نیکی اور عبادت ہے' جذبہ خدمت خلق ہی درحقیقت کسی قوم کی کامرانی و کامیابی کا ضامن ہے۔ یہ نہ ہو تو قوم تباہ و برباد ہو جائے جب کسی قوم کے افراد میں نفسانفسی کا عالم ہو اور وہ اپنا اپنا راگ اور اپنی اپنی ڈفلی کے اصول پر عمل کرنے لگیں۔ انھیں اپنے رشتہ داروں کی فکر نہ ہو' پڑوسیوں کا خیال نہ ہو۔ بیمار کی تیمارداری ان کے لیے ضروری نہ ہو۔ وہ آپس کے دکھ سکھ میں شریک نہ ہوں اور جب ان کی اپنی تجوریاں پُر ہوں اور غریب فاقوں سے دم توڑ رہے ہوں۔ ان کے تن پر کپڑے نہ ہوں۔ تو ایسی قوم ہرگز ترقی نہیں کر سکتی۔ ترقی تو کجا ایسی قوم کا زندہ رہنا ہی مشکل ہے۔ جس قوم نے اس جذبہ کو اپنا لیا۔ وہی کامیابی و کامرانی کے رستہ پر گامزن ہوتی ہے۔

خدمت خلق کوئی آسان کام نہیں۔ یہ ایثار اور قربانی کی طالب ہے۔ چنانچہ یہ جذبہ صرف اسی شخص میں ابھر سکتا ہے جو ایثار' قربانی' مساوات' ہمدردی' احسان اور صبر جیسی صفات عالیہ سے متصف ہو۔ بد اخلاق تن آسان لالچی اور مطلب پرست انسان سے خدمت خلق کی توقع رکھنا عبث ہے۔

خُلق کی تعریف میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ خلق درحقیقت انسانوں کے باہمی تعلقات میں اچھائی برتنے کا نام ہے۔ خُلق کی اسی حقیقت کی بناء پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خُلق کو برتنے کے لیے انسانوں میں باہمی تعلقات اور وابستگی کتنی ضروری ہے۔ اس کے بغیر اخلاق یا حقوق العباد بے معنی چیز ہو کر رہ جاتے ہیں اگر انسان معاشرہ سے کٹ کر رہبانیت یا تجرد کی زندگی بسر کرے اور اسے مخلوق خدا سے کوئی سروکار نہ ہو تو خواہ وہ کتنا ہی عبادت گزار کیوں نہ ہو حقوق العباد جیسے اہم فریضہ سے محروم رہتا ہے اور اگر ہم یہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ وہ منشاء ربانی کو پس پشت ڈال کر ایک بڑے جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ مسلمان پر حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی بجا آوری ضروری قرار دی گئی ہے۔ حقوق اللہ کی ادائیگی معاشرہ سے تنہائی اور علیحدگی میں بھی ایک حد تک ہو سکتی ہے (حقیقت تو یہ ہے کہ تنہائی میں حقوق اللہ کی ادائیگی بھی کماحقہ نہیں ہو سکتی۔ نماز باجماعت اور حج جیسے فرائض معاشرہ میں رہ کر ہی ادا کیے جا سکتے ہیں) لیکن حقوق العباد کی ادائیگی معاشرہ میں رہ کر ہی کی جا سکتی ہے جو حضرات اس دنیا کو ترک کر کے رہبانیت اختیار کر لیتے ہیں پہاڑوں' جنگلوں اور ویرانوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ وہ معاشرہ کی مشکلات کو حل کرنے میں مدد نہیں دیتے بلکہ مشکلات میں مزید اضافہ کا سبب بنتے ہیں۔ نہ وہ غریبوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ نہ یتیموں' ناداروں اور بیواؤں کی سرپرستی کر سکتے ہیں نہ لوگوں کو گمراہی اور ضلالت سے بچا سکتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ تبلیغ و دعوت پند و موعظت' تعلیم و تربیت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جہاد جیسے فرائض سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ اخلاقی عبادتوں کے یہی بہترین مواقع ہیں۔ چونکہ خدمت خلق کا فریضہ معاشرہ میں ہی رہ کر ادا کیا جا سکتا ہے اس لیے یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ حقوق العباد اور خدمت خلق لازم و ملزوم ہیں جن کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام معاشرہ میں زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتا ہے اور رہبانہ زندگی کا سختی سے مخالف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اخلاق اور حقوق العباد کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے حقوق اللہ کی کوتاہی کو تو شاید معاف کر دیا جائے لیکن حقوق العباد کی تقصیر اسلام کے نزدیک قطعی طور پر ناقابل معافی ہے۔ یہی نہیں بلکہ حقوق العباد کی کوتاہی لازمی طور حقوق اللہ پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لیے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مظلوم کے گناہ ظالم کے حساب میں شامل کر رے گا اور ظالم کی نیکیاں مظلوم کے حساب میں۔

چونکہ خدمت خلق اور حقوق العباد میں چولی دامن کا تعلق ہے اس لیے اسلام نے خدمت خلق کو بھی ایک مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔

اہمیت از روئے قرآن مجید

قرآن پاک میں خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ (البقرہ ۲:۱۷۷) اور وہ خدا کی محبت کے سبب اپنا مال رشتہ داروں کو یتیموں کو محتاجوں کو مانگنے والوں کو دے اور گردنیں چھڑانے میں صرف کر دے۔

ایک اور مقام پر نیک لوگوں کا وصف خدمت خلق کو ٹھہرایا ہے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا (الدھر ۷۶:۸) وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لیے مسکین، یتیم اور اسیر (قیدی) کو کھانا کھلاتے ہیں حالانکہ ان کو کھانے کی خود بھی ضرورت اور خواہش ہوتی ہے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر ۵۹:۹) وہ اپنے پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اور خود ضرورت مند ہی کیوں نہ ہوں۔

مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ اور کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے اور یہ صدقہ اس کے لیے دو چند کر دیا جائے گا اور اس کے لیے اجر ہے پسندیدہ۔

سورہ بقرہ میں راہ خدا میں مال خرچ کرنے والوں کو خوشخبری دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (البقرہ ۲:۲۶۱) مثال ان لوگوں کی جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ میں سے اگیں سات بالیں اور ہر بالی میں ہوں سو سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اہمیت از روئے حدیث

خدمت خلق خدا کو کس قدر محبوب ہے۔ اس کا اندازہ حسب ذیل حدیث قدسی سے لگایا جا سکتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے خدمت خلق کو خود اپنی خدمت سے تعبیر کیا ہے۔ اس لیے کہ مخلوق خدا ہی کی پیدا کی ہوئی ہے۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے ایک بندے سے فرمائے گا۔ ''اے میرے بندے! میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہ پلایا۔ میں بیمار تھا تو نے میری تیمار داری نہ کی۔ میں حاجت مند تھا تو نے میری حاجت روائی نہ کی۔ وہ بندہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار تجھے بھوک پیاس کی حاجت، اللہ فرمائے گا میرا فلاں بندہ بھوکا تھا تو نے اسے کھانا نہ کھلایا تو گویا مجھے کھانا نہ کھلایا۔ میرا فلاں بندہ پیاسا تھا تو نے اسے پانی نہ پلایا تو گویا مجھے پانی نہ پلایا۔ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی تیمار داری نہ کی تو گویا میری تیمار داری نہ کی میرا فلاں بندہ محتاج تھا تو نے اس کی حاجت روائی نہ کی تو گویا میری حاجت روائی نہ کی۔ تب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا اور وہ اسے کھینچتے ہوئے دوزخ میں لے جائیں گے۔ (بخاری)

حضور اکرمؐ سے متعدد احادیث مروی ہیں جن میں آپ نے خدمت خلق کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ چند احادیث درج ہیں۔

''مجھے رمضان بھر کے روزے رکھنے اور اس مہینہ مسجد حرام میں بیٹھ کر اعتراف کرنے سے یہ زیادہ عزیز ہے کہ اپنے بھائی کو بوقت ضرورت امداد کروں'' (کنز العمال)

''جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت پورا کرنے میں لگا رہے گا تو خدا اس کی ضرورت کو پورا کرے گا جو کسی مسلمان کی تنگی کو دور کرے گا تو خدا اس کے بدلہ میں اس کی تنگی کو دور فرمائے گا۔'' (ابو داؤد)

''جو کوئی دنیا میں کسی مسلمان کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیفوں میں سے کسی تکلیف کو دور کرے گا اور جو کسی تنگ دست پر آسانی کرے گا اور اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر آسانی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی مدد

میں رہتا ہے۔ جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔'' (ابو داؤد)

ایک حدیث میں خدمت خلق کو صدقہ کی ذیل میں شمار کیا گیا ہے۔

''تمہارا اپنے بھائی سے ملتے وقت مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات کہنا اور بری بات سے روکنا بھی صدقہ ہے۔ کسی بھٹکے ہوئے کو راہ دکھا دینا بھی صدقہ ہے۔ کسی اندھے کو راستہ دکھانا بھی صدقہ ہے اپنے ڈول سے دوسرے بھائی کے ڈول میں پانی انڈیل دینا بھی صدقہ ہے۔''

حضرت انسؓ خدمت خلق کے بارے میں رسول کریمؐ کی ایک حدیث بیان فرماتے ہیں۔'' کہ رسول اللہؐ نے فرمایا مخلوق خدا کا کنبہ ہے بہترین شخص مخلوق میں سے وہ ہے جو خدا کے کنبہ کے ساتھ احسان کی روش اختیار کرے۔ (مشکوٰۃ)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا ''جو مسلمان اپنے بھائی کی مدد نہ کرے اس موقع پر جہاں کہ اس کی بے حرمتی کی جاتی ہو یا اس کی آبرو ریزی کی جاتی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد اس موقع پر بھی نہ کرے گا۔ جہاں کہ وہ اس کی مدد کو پسند کرتا ہو (یعنی دنیا اور آخرت میں) اور جو مسلمان اپنے بھائی کی ایسے موقع پر مدد کرے جہاں اس کی بے حرمتی کی جاتی ہو یا آبرو ریزی کی جاتی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد اس موقع پر کرے گا جہاں کہ وہ اس کی مدد پسند کرتا ہو۔'' (ابو داؤد)

اگر انسان میں کسی کی خدمت کی طاقت نہ ہو یا وہ کسی بناء پر خود کوئی خدمت انجام نہ دے سکتا ہو تو اس کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ سفارش ہی کر دیا کرے چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔'' اگر انسان کسی مجبوری سے حاجت مند کی حاجت روائی نہ کر سکے تو اسے چاہیے کہ کسی اور شخص سے سفارش کرے۔'' (بخاری)

ان احادیث سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ خدمت خلق بھی درحقیقت عبادت ہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ خدا کی عطا کردہ نعمتوں کا عملی شکریہ بھی یہی ہے کہ انسان مخلوق خدا کی خدمت کرے اور ان کی مشکلات کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

جذبہ خدمت خلق ابھارنے کے دو اصول

ا۔ جذبہ ایثار

جذبہ خدمت خلق کو ابھارنے کے لیے اخلاقی خوبیوں میں سے جو خوبی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ایثار ہے۔ انسان خواہ دوسری تمام اخلاقی خوبیوں کا حامل ہو اگر وہ ایثار و قربانی جیسی خوبیوں سے عاری ہے تو وہ خدمت خلق بخوبی نہیں بجا لا سکتا کیونکہ خدمت خلق میں آدمی کو بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے بہت سی قربانیاں دینی پڑتی ہیں' خود اپنی ضرورتوں اور خواہشوں سے دست بردار ہونا پڑتا ہے اور مال و دولت کے صرف کے علاوہ وقت بھی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس حقیقت کی بناء پر اسلام نے انسان کو ایثار جیسی صفت کو اپنانے پر زور دیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (ال عمران ۳:۹۲) یعنی تم نیکی ہرگز ہرگز نہیں پا سکتے جب تک تم اپنی محبوب چیز خرچ نہ کرو۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ بندہ اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جس کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے (بخاری و مسلم)

۲۔ جذبہ اخوت

جذبہ خدمت کو ابھارنے کے لیے ایثار کے علاوہ یہ بھی غایت درجہ ضروری ہے کہ مسلمانوں میں باہمی احساس اخوت بھی موجود ہو۔ وہ یہ سمجھیں کہ مسلمان خواہ وہ کسی ملک کی نسل اور کسی رنگ سے تعلق رکھتے ہوں وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک ہی ملت سے ہیں۔

اس احساس کو مسلمانوں کے دلوں میں جاگزین کرنے کے لیے رسول اکرمؐ نے بارہا زرین اقوال سے نوازا اور اس کا عملی ثبوت بھی پیش کیا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ مومن بھائی بھائی ہیں۔

رسول کریمؐ نے فرمایا: اِنَّ الْعِبَادَ کُلُّھُمْ اِخْوَۃٌ تمام بندے بھائی بھائی ہیں پھر فرمایا۔ کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

''تم مسلمانوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کرنے' محبت کرنے اور شفقت کرنے میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے اور اس کے ایک عضو میں بھی تکلیف ہو تو بدن کے سارے اعضاء بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں'' (مسلم)

یہ احساس اخوت ہی تو ہے جو مسلمانوں کو باہمی مدد کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اگر یہ احساس نہ ہو تو ہرگز وہ دوسرے مسلمان کی خدمت کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے۔ مسلمانوں کے ابتدائی دور میں اسی احساس کی بناء پر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی مدد کے لیے بے قرار نظر آتا تھا اور معاشرہ میں کوئی شخص بھی اپنے آپ کو بے کس و بے یار و مددگار نہ سمجھتا تھا۔

حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریمؐ کے ہاتھ پر ان تین چیزوں کی بیعت کی۔ نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا۔

یہاں اس حقیقت کو واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ خدمت خلق صرف مسلمانوں کے ساتھ ہی وابستہ نہیں۔ اس لیے کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ لہٰذا ہر شخص کی خدمت ضروری ہے خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتا ہو۔

اسوہ حسنہ

تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرمؐ خلفائے راشدہ اور دیگر صحابہ خدمت خلق کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ اس قسم کے بے شمار واقعات تاریخوں میں درج ہیں جن میں سے صرف چند واقعات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ مدینہ کی لونڈیاں اپنے کام کاج کرانے کے لیے حضور اکرمؐ کو اپنے ساتھ لے جاتی تھیں اور آپ بخوشی ان کے کام کر دیتے تھے۔

۲۔ ۹ھ میں طائف کے وفد کو مسجد نبوی میں اتارا اور خود ہی ان کی خدمت فرمائی یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے سفر طائف کے دوران پتھراؤ کر کے آپ کو لہولہان کر دیا۔

۳۔ حضرت فاطمہؓ سے آپ کو بہت محبت تھی۔ حضرت فاطمہؓ کی تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں خادمہ نہ تھی۔ خود چکی پیستیں۔ خود ہی پانی کی مشک بھر لاتیں۔ ایک دن رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ خود تو پاس حیا سے عرض نہ کر سکیں۔ حضرت علیؓ نے ان کی طرف سے یہ حال عرض کیا اور درخواست کی کہ فلاں جنگ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیز مل جائے تو آپ نے ارشاد فرمایا ابھی اصحاب صفہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہو جائے میں کسی اور طرف توجہ نہیں دے سکتا۔

۴۔ مدینہ میں ایک پاگل بڑھیا تھی۔ ایک دن وہ آئی اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کچھ کہنے لگی آپ نے فرمایا ''اے خاتون! تو جس کوچہ میں جانا چاہے میں تیرے ساتھ چلوں گا آپ اس کے ساتھ چل دیئے۔

۵۔ ایک صحابی نے شادی کی۔ سامان ولیمہ کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ عائشہ کے پاس جاؤ اور آٹے کی بوری مانگ لاؤ وہ گئے اور جا کے لے آئے حالانکہ آپ کے گھر میں اس آٹے کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔ (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۵۸)

۶۔ ایک دفعہ ایک صحابی آیا رات کو کھانے کے لیے صرف بکری کا دودھ تھا۔ وہ آپ نے اس کے نذر کر دیا اور رات ــــ فاقہ سے گزری۔ اس سے پہلی شب بھی فاقہ میں گزاری تھی۔ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۶۷)

آپ حضرت خبابؓ کے گھر روزانہ بکریوں کا دودھ دوہنے کے لیے تشریف لے جاتے کیونکہ حضرت خبابؓ کے گھر میں کوئی دودھ دوہنے والا نہ تھا۔

۷۔ ایک بار حضورؐ نے دیکھا کہ ایک بڑھیا سر پر بوجھ اٹھائے ہوئے ہے مگر اس سے چلا نہیں جاتا۔ آپ نے بڑھ کر اس کی گٹھڑی اپنے سر پر رکھ لی اور منزل مقصود تک اس کو چھوڑ آئے۔

اخلاق شنیعہ

خلق کا باب اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اخلاق شنیعہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ اختصار کے ساتھ ان اخلاق کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے جن سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا۔

جو افعال صفات الٰہیہ کی مقتضیات کے خلاف ہوں وہ رذائل اخلاق کہلاتے ہیں۔ اگر اخلاق فاضلہ معاشرہ کی بہبود اور بھلائی کے ضامن ہیں تو اخلاق سیئہ معاشرہ کے بگاڑ اور فساد کا موجب ہیں۔ اسلام نے ہر دو اخلاق پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

ا۔ کذب

امر واقع کے خلاف کسی قول یا فعل کو کذب کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں کذب سے اجتناب کی بہت تاکید کی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

۱. وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج : ۳۰)

اور ہر جھوٹی بات سے بچو۔

۲. اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (النور ۲۴:۷)

اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو۔

لعنت کے معنی ہیں اللہ کی رحمت سے محروم اور عذاب الٰہی کا مستحق۔ اس آیت کریمہ میں کاذب کو لعنتی قرار دیا ہے۔ یعنی کاذب اللہ کی رحمت سے محروم ہے اور عذاب الٰہی کا مستحق۔

۳. اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ (زمر ۳۹:۳)

بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو راہ نہیں دکھاتا جو جھوٹا ناشکر گزار ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

۱۔ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف اور جھوٹ بولتے بولتے آدمی خدا کے ہاں جھوٹا لکھا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الادب باب قولہ تعالیٰ وکونوا مع الصادقین)

۲۔ جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے اس پر افسوس اس پر افسوس۔ (سنن ابی داؤد کتاب الادب باب التشدید فی الکذب)

۲۔ وعدہ خلافی

وعدہ خلافی بھی دراصل ایک جھوٹ ہی ہے۔ یعنی ایک شخص کسی سے وعدہ کرے اور نیت یہ ہو کہ وہ پورا نہ کرے گا تو یہ جھوٹ ہی ہے۔

۱. اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل ۱۷:۳۴)

بے شک وعدہ کی باز پرس ہوگی۔

۲. فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (التوبہ ۹:۷۷)

سو اس نے انھیں بدلہ دیا کہ ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اس دن تک کہ وہ اس سے ملیں اس لیے کہ انھوں نے اللہ سے اس کے خلاف کیا جو اس سے وعدہ کیا تھا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

صحیحین میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بولے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے خلاف کرے جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔

۳۔ خیانت

اللہ اور بندوں کے حقوق کو باحسن طریق ادا نہ کرنا خیانت ہے۔ اگر کسی کے پاس کوئی امانت رکھی گئی ہے اس میں بے جا تصرف کرنا اورطلب پر واپس نہ کرنا یا واپس کرنے سے انکار کر دینا یہ بھی خیانت ہے۔ اسلام نے خیانت کو نہایت ہی مذموم فعل قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

۱. يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْآ اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (انفال ۸:۲۷)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں خیانت کرو اور تم جانتے ہو کہ خیانت کرنے سے معاشرہ میں کیا بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

اللہ اور رسولؐ سے خیانت کرنے سے مراد اسلامی حقوق کو ادا نہ کرنا ہے۔

۲. وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (آل عمران ۳ : ۱۶۱)

جو کوئی خیانت کرے جو کچھ کسی نے خیانت کی ہے قیامت کے دن وہ لائے گا پھر ہر شخص کو جو اس نے کمایا پورا دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

۳. يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ (مومن ۴۰:۱۹)

اللہ آنکھوں کی خیانت کاری کو جانتا ہے اور جو سینے چھپائے ہوتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین علامتیں ہیں۔ ان میں سے ایک علامت یہ ہے کہ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو وہ اس میں خیانت کرتا ہے۔ (صحیحین)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن بری باتوں سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک خیانت بھی ہے فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی! مجھے خیانت سے بچائے رکھنا۔ تو یہ بہت برا اندرونی ساتھی ہے (ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ منذری باب الترغیب فی انجاز الوعد)

ابن مسعود سے موقوفاً روایت ہے کہ انھوں نے کہا خدا کی راہ میں شہید ہونا ہر گناہ کا کفارہ ہے لیکن امانت کا' قیامت کے دن بندہ کو لایا جائے گا۔ اگرچہ وہ خدا کی راہ میں شہید ہی ہوا ہو اور کہا جائے گا کہ تم امانت لاؤ اور ادا کرو اور وہ کہے گا اے اللہ! اب کیسے لاؤں۔ دنیا تو ختم ہو چکی ہے۔ کہا جائے گا اس کو دوزخ کے طبقہ ہاویہ میں لے جاؤ وہاں امانت کی چیز مثال بن کر اصل صورت میں سامنے آئے گی تو وہ اس کو دیکھ کر پہچان لے گا اور اس کے پیچھے گرے گا۔ یہاں تک کہ اس کو پکڑے گا اور اس کو اپنے کندھوں پر لاد کر لے چلے گا۔ جب دوزخ سے نکلنا چاہے گا۔ تو وہ بوجھ اس کے کندھے سے گر پڑے گا اور وہ پھر اس کے پیچھے ہمیشہ ہمیشہ گرتا چلا جائے گا پھر انھوں نے فرمایا۔ نماز امانت ہے' وضو امانت ہے' تول بھی امانت ہے' ناپ بھی امانت ہے اور بہت سی چیزیں گنا کر فرمایا اور ان سب سے زیادہ سخت معاملہ امانت کی چیزوں کا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے یہ حدیث حضرت براء بن عازب صحابی کو سنائی انھوں نے تصدیق کی اور فرمایا کیا تم نے قرآن کی یہ آیت نہیں سنی۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (نساء) یعنی بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو ادا کر دیا کرو۔

(مسند احمد بیہقی منذری باب الترغیب فی انجاز الوعد)

۴۔ کبر (غرور)

دوسروں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور باقیوں کو کم تر اور حقیر جاننے کا نام کبر ہے۔ غرور بدترین اخلاقی مرض ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام رذائل اخلاق کی اساس ہی کبر ہے۔ یہی وہ مرض ہے جس کی وجہ سے شیطان راندہ درگاہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ (اعراف ۷: ۱۳)

پھر اس حالت سے اتر جا تیرے لیے یہ زیبا نہیں کہ تو اس پر تکبر کرے سو نکل جا تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

۱. وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (لقمان ۳۱:۱۸)

تو غرور میں لوگوں سے بے رخی نہ کر اور نہ زمین میں اکڑتا ہوا چل اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اترانے والے اور شیخی خورہ ہیں۔

۲. وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا. (بنی اسرائیل ۱۷:۳۷)

اور زمین میں اکڑتا ہوا نہ چل کیوں کہ نہ تو زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

۱. اِنَّ الْعُجْبَ لَيَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ.

یقیناً غرور نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو۔

۲۔ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (ابو داؤد کتاب اللباس باب ما جاء فی الکبر)

۳۔ دوزخ اور جنت میں باہم دلیل بازی ہوئی۔ دوزخ نے کہا مجھ میں جبار اور متکبر لوگ داخل ہوئے ہیں اور جنت نے کہا کہ مجھ میں کمزور اور مسکین لوگ۔ (مسلم صفات المنافقین واحکام باب النار یدخلھا الجبارون)

۴۔ کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو کمزور ہے اور لوگ اس کو کمزور سمجھیں۔ کیا میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے؟ ہر اکھڑ، بدخو، متکبر شخص۔ (بخاری کتاب الادب باب الکبر)

عمرو بن شعیب سے اور وہ اپنے باپ اور وہ دادے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا متکبر میدان حشر میں اس طرح لائے جائیں گے جیسے چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں ہوتی ہیں۔ آدمیوں کی صورت میں۔ ان پر ہر طرف سے ذلت چھائی ہوگی۔ دوزخ کے قید خانے کی طرف ہانکے جائیں گے۔ جس کا نام بُولس ہے ان پر دوزخ کی آگ چڑھتی چلی آئے گی اور دوزخیوں کے زخموں کا دھون یعنی لہو اور پیپ جو زخموں سے بہے گی انھیں پلایا جائے گا۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ذریعہ نجات ہیں اور تین چیزیں ذریعہ ہلاکت۔ لیکن نجات والی۔ پس خدا سے ڈرنا ہے پوشیدہ اور ظاہر اور خوشی اور غصے دونوں حالتوں میں حق ... کہنا اور تونگری اور فقر میں میانہ روی اختیار کرنا اور جو ہلاک کرنے والی ہیں ان میں سے ایک خواہش نفسانی کا تابع ہونا دوسرے بخل کی اطاعت کرنا۔ تیسرے اپنے نفس سے خوش ہونا اور اس پر اترانا (مشکوٰۃ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوزانو بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ ایک بدو بھی اس وقت موجود تھا اس نے کہا۔ بیٹھنے کا یہ کیا طریقہ ہے فرمایا خدا نے مجھ کو شریف بندہ بنایا ہے متکبر اور سرکش نہیں بنایا (ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب الاکل متکیا)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَقُوْلُ سُبْحَانَهُ الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِيْ مَنْ نَازَعَنِيْ وَاحِدًا مِنْهُمَا اَلْقَيْتُهُ فِي النَّارِ. (ابن ماجه باب البراء ة من الكبر)

حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کبریا میری چادر ہے اور عظمت میرا تہہ بند جو شخص ان میں سے ایک چیز مجھ سے چھینے (یعنی تکبر کرے) میں اس کو دوزخ میں داخل کروں گا۔

تکبر کا علاج ذکر الٰہی اور خدمت خلق ہے۔

۵۔ حسد

کسی آدمی کے فضل اور کمالات کو دیکھ کر رنجیدہ خاطر ہونا' پھر اس کے کمالات کی تباہی کا آرزومند ہونا حسد کہلاتا ہے۔
یہ بھی ان اخلاقی امراض میں سے ایک مرض ہے جس کی آگ کی تپش سے انسان کی عقل اور دل کی تمام استعدادیں بھسم ہو جاتی ہیں۔
قرآن مجید میں آتا ہے۔

۱۔ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ (النساء ۴:۵۴)

وہ لوگوں سے اس بات پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا۔

۲۔ وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ لَوْیَرُدُّوْنَکُمْ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِھِمْ مِّنْ بَعْدِ مَاتَبَیَّنَ لَھُمُ الْحَقُّ. (بقرہ ۲:۱۰۹)

اہل کتاب میں سے بہت سے چاہتے ہیں کہ تمھارے ایمان کے بعد تمھیں کافر بنا دیں اپنے حسد کی وجہ سے اس کے بعد کہ ان پر حق کھل گیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حاسد کے شر سے بچنے کے لیے دعا سکھائی ہے۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (فلق ۱۱۳:۵) میں تیری پناہ چاہتا ہوں حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

۱۔ بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ نہ لوگوں کے عیوب کو ٹٹولو۔ نہ بے سود خبروں کی تجسس کرو۔ نہ باہم حسد کرو۔ نہ ایک دوسرے سے روگردانی کرو۔ نہ باہم بغض رکھو بلکہ اے خدا کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔
(بخاری کتاب الادب باب ماینہی عن التحاسد والتدابر)

۲۔ اے لوگو! پہلی امتوں کا مرض تمہاری طرف آہستہ آہستہ آ رہا ہے' اور وہ ایک حسد اور بغض ہے۔ یہ مرض بالوں کو نہیں بلکہ دین کو مونڈنے والا ہے۔ (ترمذی)

۳۔ اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (ابو داؤد کتاب الادب باب فی الحسد)

تم لوگ حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حضرت زبیر سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پہلی امتوں کا مرض تمہاری طرف سرایت کرتا جاتا ہے اور وہ ایک تو حسد ہے اور دوسرے دشمنی اور ان میں سے ہر ایک مونڈنے والی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔ (ترمذی)

۶۔ خودستائی

خودستائی سے مراد اپنے نفس سے غیر معمولی محبت ہے۔ اس مرض کے دو نقصان ہیں۔ ایک نقصان تو یہ ہے کہ خود بین اور خود نما شخص دوسروں کو حقیر جاننا شروع کر دیتا ہے۔ دوسرا نقص یہ ہے کہ تمام خوبیوں اور کمالات کا اپنے نفس کو مصدر اور منبع تصور کرتا ہے اور خدا کی ذات سے بھروسہ ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خودستائی اور خودنمائی کو برا سمجھا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

۱۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّھُمْ بِمَفَازَۃٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (ال عمران ۳:۱۸۸)

ہرگز خیال نہ کرو کہ جو لوگ اس پر خوش ہوتے ہیں جو انھوں نے کی اور پسند کرتے ہیں کہ اس کے لیے ان کی تعریف کی جائے جو انھوں نے نہیں کیا یہ ہرگز خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۲. فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (النجم ۵۳:۳۲)

سو اپنے نفسوں کو پاک نہ ٹھہراؤ اللہ خوب جانتا ہے جو تقوی اختیار کرتا ہے۔

۳۔ جنگ حنین میں اسلامی فوج اپنی کثرت پر اترانے لگی تو آغاز جنگ میں سوائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چند صحابہ کے تمام اسلامی فوج میدان جنگ سے منہ پھیر گئی۔ بعد ازاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر منتشر فوج جمع ہوئی اور دشمن کو شکست دی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا (توبہ ۹:۲۵)

اور حنین کے دن جب تمہاری کثرت تعداد نے تم میں خودستائی پیدا کر دی تھی تو عددی کثرت تمھارے کچھ کام نہ آئی۔

۴. وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ (انفال ۸:۴۷)

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھاوے کے لیے نکلے۔

۵. لَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ (حدید ۵۷:۲۳)

خدا نے جو دیا ہے اس پر مت اتراؤ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسروں کی تعریف کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس طرح انسان میں خودستائی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص کسی کی مبالغہ آمیز طریقہ پر تعریف کر رہا تھا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے اس کو ہلاک کر دیا ہے۔ ایک بار آپ کے سامنے کسی کا ذکر آیا تو ایک شخص نے اس کی تعریف کی آپ نے فرمایا کہ ''تم نے اس کی گردن کاٹ لی۔ اگر کسی کی تعریف ہی کرنا ہے تو یہ کہو کہ میں اس کو ایسا سمجھتا ہوں۔'' (بخاری کتاب الادب باب ما یکرہ من التمادح)

۷۔ غیبت

کسی شخص کی عدم موجودگی میں ایسی بات کرنا جس سے اس کی پردہ دری یا تحقیر ہوتی ہو۔ قرآن اور حدیث میں اس فعل کو مذموم قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (الحجرات ۴۹:۱۲)

ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا نہ کہو کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے تو تم اس سے کراہت کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ تعالیٰ رجوع برحمت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ شب معراج کو میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبرائیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیلؑ نے جواب دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزت و آبرو لیتے تھے۔ (ابو داؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو! تمھیں معلوم ہے کہ غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا اپنے بھائی کو ایسی بات سے یاد کرنا جو اسے اچھی نہ لگے۔ کسی نے عرض کیا اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں کہتا ہوں تو پھر آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا۔ اگر اس میں وہ بات پائی جاتی ہے جو تو کہتا ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ بات اس میں نہیں جو تو کہتا ہے تو تو نے اس پر بہتان طرازی کی۔ (مسلم)

حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ غیبت زنا سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ

آدمی زنا کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ زانی توبہ کرتا ہے تو خدا اس کو بخش دیتا ہے اور غیبت کرنے والے کو نہیں بخشتا جب تک وہ شخص نہ بخشے اور حضرت انس کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ زانی توبہ کرتا ہے اور غیبت کرنے والے کے لیے توبہ نہیں۔ (مشکوٰۃ)

آپ نے فرمایا "اے لوگو! جو زبان سے تو ایمان لائے ہو۔ لیکن ایمان تمھارے دلوں کے اندر جاگزیں نہیں ہوا۔ نہ مسلمانوں کی غیبت کرو نہ ان کے عیوب کی تلاش میں رہو کیونکہ جو شخص ان کے عیوب کی تلاش کرے گا۔ خدا تعالیٰ بھی اس کے عیوب کی تلاش کرے گا اور خدا جس کے عیب کی تلاش کرے گا خود اس کے گھر کے اندر ہی اس کو رسوا کر دے گا۔ (ابو داؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ)

۸۔ تمسخر

تمسخر کے معنی ہیں ٹھٹھا مخول کرنا یعنی کسی آدمی کو دوسروں کی نظروں میں گرانے کے لیے نشانہ تضحیک بنا لینے کا نام تمسخر ہے۔

تمسخر سے اپنی بڑائی اور دوسرے کی حقارت کا پہلو نکلتا ہے۔ تمسخر سے باہمی عداوتیں جنم لیتی ہیں جس سے معاشرہ میں جذبہ اخوت سرد پڑتا ہے اور فساد اور بگاڑ پرورش پاتا ہے اس لیے اسلام نے اس بدخلقی کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ (الحجرات ۴۹: ۱۱)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم میں سے کوئی قوم دوسری قوم سے تمسخر نہ کرے ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہو۔

۹۔ بدظنی

کسی دوسرے شخص کے متعلق جھوٹا وہم کرنا یا اس کی طرف اَن ہونی بات منسوب کر دینے کا نام بدظنی ہے۔ اس سے باہمی نفرت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدظنی سے باز رہنے کی تاکید کی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات ۴۹: ۱۲)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بہت بدگمانی سے بچا کرو بے شک بعض بدگمانی گناہ ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ (بخاری و مسلم)

اسلام نے صرف بدگمانی سے ہی نہیں روکا بلکہ بدگمانی پیدا کرنے والے کے مواقع سے باز رہنے کی تلقین کی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے رات کو آپ کی ایک بیوی ملنے کو آئیں۔ آپ ان کو پہنچانے کے لیے چلے راستہ میں دو انصاری ملے اور آپ کو کسی عورت کے ساتھ دیکھ کر اپنے آپ کو بے موقع سمجھے اور واپس جانے لگے۔ آپ نے فوراً ان کو بلایا اور فرمایا یہ میری بیوی فلاں ہے۔ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! اگر مجھے کسی کے ساتھ بدگمانی بھی کرنی ہوتی تو آپ کے ساتھ کرتا آپ نے فرمایا۔ شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑ جاتا ہے۔ (صحیح مسلم باب انه يستحب لمن رى خالياً بامراة يقول هذه فلانة)

۱۰۔ بخل

کسی انسان کا ضرورت کے مطابق اپنی جان، اہل و عیال، رشتے دار یا معاشرہ کے مستحقین پر خرچ نہ کرنے کا نام بخل ہے۔ اس عادت سے بے شمار بدخلقیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بے مروتی، تنگ نظری، حرص، دنائت قسم کی بدخلقیاں بخل کے بطن سے ہی جنم لیتی ہیں اور معاشرہ میں فساد پیدا کر دیتی ہیں۔ بخل کے علاج کے لیے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اور صدقات ادا کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ اس عادت کو نہایت ہی ناپسندیدہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

۱. وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَابَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (آل عمران ۳: ۱۸۰)

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت دی ہے اور پھر وہ بخل کرتے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ یہ بخیلی ان کے لیے بہتر ہے بلکہ یہ ان کے لیے انتہائی بُری ہے جو کچھ وہ جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔

۲. اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ (حدید ۵۷: ۲۴)

یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بخل کی ترغیب دیتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

۱۔ سچے مومنوں میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتیں۔ ۱۔ بخل۔ ۲۔ بدخلقی۔ (ترمذی)

۲۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

اے خدایا! میں بخل، سستی، کبرسنی، قبر کے عذاب، زندگی اور موت کی آزمائش سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سخی اللہ کے قریب ہے جنت سے قریب ہے لوگوں سے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے اور بخیل اللہ سے دور ہے جنت سے دور ہے لوگوں سے دور ہے اور دوزخ کے قریب ہے اور سخی جاہل خدا کو بخیل عابد سے بہت پیارا ہے۔ (ترمذی بال السخا)

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دھوکا دینے والا اور بخیل اور احسان جتانے والا تینوں جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ (ابو داؤد، ترمذی باب فی البخل)

حدیث میں آیا ہے کہ ہر صبح کو دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور ان میں ایک کہتا ہے اے خدا! خرچ کرنے والے کو زیادہ مال عطا کر دوسرا کہتا ہے اے خدا بخیل کو ہلاکت و بربادی عطا کر۔ (بخاری باب فی قولہ تعالیٰ فاما من اعطی)

۱۱۔ بہتان

بہتان یہ ہے کہ جان بوجھ کر کسی کی طرف ناکردہ گناہ منسوب کر دیا جائے۔ قرآن مجید اور حدیث میں اس فعل کی بہت مذمت بیان ہوئی ہے قرآن مجید میں آتا ہے۔

۱. وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا (نساء ۴: ۱۱۲)

اور جو کوئی گناہ کرلے پھر وہ اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے یقیناً وہ اپنے اوپر بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ لیتا ہے۔

۲. اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (نور ۲۴: ۲۳)

جو لوگ پاکدامن بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جو کوئی اپنے غلام پر تہمت لگائے حالانکہ اس نے وہ گناہ نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس مالک کی پیٹھ پر کوڑے مارے گا۔ (سنن ابی داؤد کتاب الادب)

بہتان بھی ایک قسم کا جھوٹ ہے مگر کذب بیانی سے سنگین اس لیے اس کی سزا بھی بہت سخت تجویز کی گئی ہے۔

۱۲۔ چغل خوری

چغل خوری دو آدمیوں کے درمیان پھوٹ اور جھگڑا ڈالنے کے لیے جھوٹی سچی باتیں بیان کرنے کا نام ہے۔ یہ فعل معاشرہ میں فساد اور ایک دوسرے سے نفرت پیدا کرنے کا موجب ہے۔ اس وجہ سے قرآن مجید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چغل خور کی بہت مذمت کی ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ (قلم ۶۸: ۱۱)

عیب لگانے والا چغلیاں لگانے والا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَافَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ. (حجرات ۴۹: ۶)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اگر کوئی فاسق تمھارے پاس خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی قوم کو نادانی سے دکھ پہنچاؤ پھر اس پر جو تم نے کیا پشیمان ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمھیں بتاؤں کہ سب سے برے لوگ کون ہیں؟ آپ نے خود ہی بتایا۔

۱. اَلْمَشَّاؤُن بِالنَمِيْمَةِ الْمُفْسِدُوْنَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ. (مسند احمد جلد ۶ ص ۴۵۹ عن اسماء بنت یزید)

جو چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں اور دوستوں کے آپس کے تعلقات میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔

۲. عَنْ حُذَيْفَةَ قال سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ (بخاری)

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔

۳۔ عبدالرحمان بن غنم اور اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کے بہترین بندے وہ ہوتے ہیں کہ جب ان کو دیکھا جائے تو خدا یاد آ جائے اور خدا کے برے بندے وہ ہوتے ہیں جو چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں اور دوستوں میں جدائی ڈلواتے اور پاک لوگوں پر تہمت لگاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ)

۱۳۔ ظلم

ظلم کے معنی ہیں۔ وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ. یعنی ظلم کسی چیز کو غیر مناسب جگہ پر رکھنے کا نام ہے۔ اسی وجہ سے قرآن میں ظلم شرک کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان ۳۱: ۱۳) یعنی شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

یہاں صرف ایک بندے کا دوسرے پر زیادتی کرنا مراد ہے۔ یہ لفظ بغی اور عدوان کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَاوَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ. وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ. اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (شوری ۴۲: ۴۰......۴۲)

اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ پر ہے وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا' اور جو کوئی اپنے (اوپر) بدلہ لیتا ہے تو ان لوگوں پر (الزام کا) رستہ نہیں۔ الزام انہی لوگوں پر ہے جو ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتی کرتے پھرتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لیے دردناک دُکھ ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ حدیث قدسی بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! میں نے اپنے لیے اور تمھارے لیے آپس میں ظلم کو حرام کیا ہے' تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ (صحیح مسلم باب تحریم الظلم)

دوسری حدیث ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ظلم سے بچو کہ ظلم قیامت کے دن ظلمات بن جائے گا۔ (صحیح مسلم باب تحریم الظلم)

ایک اور حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ظالم کو خدا مہلت دیتا ہے' پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا۔ (صحیح مسلم باب تحریم الظلم)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے بھائی پر کسی طرح کا ظلم کیا ہو یعنی اس کی آبروریزی کی ہو۔ یا مال وغیرہ چھین لیا ہو۔ تو آج اس سے اس ظلم کو معاف کرائے اس سے پہلے کہ دینار و درہم کچھ پاس نہ ہوں گے اور اگر اس کے پاس عمل نیک ہوں گے۔ تو بقدر ظلم اس سے لے لیے جائیں گے۔ اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ لے کر اس پر لاد دیئے جائیں گے۔ (بخاری ابواب المظالم)

براء بن عازب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو سات باتوں کا حکم دیا اور سات باتوں سے روکا ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ مظلوم کی مدد کی جائے (صحیح بخاری ابواب المظالم)

۱۴۔ منافقت (دورُخا پن)

منافقت صرف زبان سے اقرار کرنے اور خلوص قلب سے کسی سے وابستگی پیدا نہ کرنے کا نام ہے۔ اسلام نے دورخاپن کو نہایت ہی برے الفاظ سے بیان کیا ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ. (البقرہ ۲: ۱۴)

اور جب یہ لوگ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اور جب علیحدگی میں اپنے سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور ان سے تو ہم محض مذاق کر رہے تھے۔

ان لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا (النساء ۴: ۱۴۵)

بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے حصے میں ہوں گے اور تم وہاں کسی کو بھی ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

۱. مَنْ كَانَ ذَاوَجْهَيْنِ فِى الدُّنْيَا كَانَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ. (دارمی)

دنیا میں جس کے دورُخ ہوں گے قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔

۲. تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِىْ يَاْتِىْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ (بخاری کتاب الادب باب ماقیل فی ذی الوجھین)

قیامت کے دن تم دورُخ میں سب لوگوں سے بدتر حالت میں اس کو پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے پاس تو ایک منہ سے جاتا ہے اور دوسرے لوگوں کے پاس دوسرے منہ سے جاتا ہے۔

۳. عَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ وَجْهَانِ فِى الدُّنْيَا كَانَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ (ابوداؤد باب فی ذی وجھین)

۱۵۔ خوشامد

کسی آدمی کو محض خوش کرنے کے لیے اس کی جھوٹی تعریف کرنا خوشامد کہلاتا ہے۔ اسلام میں یہ فعل نہایت مذموم ہے۔ حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ کسی کی سچی تعریف بھی اس کے منہ پر نہیں کرنی چاہیے مبادا کہ اس کے دل میں تکبر اور خودستائی کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (آل عمران ۳: ۱۸۸)

تم مت خیال کرو کہ جو لوگ اس پر خوش ہوتے ہیں جو انھوں نے کیا اور اس پر تعریف کیے جانے کو پسند کرتے ہیں جو انھوں نے نہیں کیا یہ ہرگز خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عثمانؓ کے منہ پر ان کی تعریف کی تو حضرت مقدادؓ نے اس کے منہ پر خاک پھینک دی اور فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خوشامد اور تعریف کرنے والوں سے ملو تو ان کے منہ میں خاک جھونک دو۔

(صحیح مسلم وابو داؤد کراھیۃ التمادح)

ایک دفعہ آپؐ مسجد میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے آپؐ نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہے تو اس نے اس کی بڑی تعریفیں شروع کیں۔ آپؐ نے فرمایا "اس کو سنا کر مت کہو کہ اس کو برباد ہی کر دو۔" (ادب المفرد)

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ مَدَحَ رَجُلٌ رَجُلاً عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیْحَکَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِکَ ثَلاثًا ثُمَّ قَالَ اِنْ کَانَ اَحَدُکُمْ مَادِحًا اَخَاہُ فَلْیَقُلْ اَحْسَبُہٗ وَلَا یُزَکِّیْ عَلَی اللّٰہِ اَحَدًا. (ابن ماجه باب المدح)

حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں ایک شخص نے دوسرے شخص کی تعریف کی اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اپنے ممدوح کی گردن کاٹی ہے اور تین دفعہ اس بات کو دہرایا اور فرمایا کہ جب تم سے کسی کی کوئی تعریف کرے تو چاہیے کہ صرف اتنا کہے کہ میں فلاں شخص کو ایسا سمجھتا ہوں۔ اس کی نیکی پر قطعی حکم لگانا خدا پر حکم لگانا ہے جو درست نہیں۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَدَحَ الْفَاسِقَ غَضِبَ الرَّبُّ تَعَالٰی وَالْعَرْشُ لَہٗ اِھْتَزَّ (بیهقی بحواله مشکوة)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس وقت فاسق کی تعریف کی جاتی ہے اللہ کو غصہ آتا ہے اور عرش کانپ جاتا ہے۔

۱۶۔ فحش گوئی

فحش گوئی سے مراد ہر وہ کلام ہے جو تہذیب و شائستگی سے گری ہوئی ہو۔ قرآن مجید میں فحش گوئی کو رفث کہا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے۔

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ (بقرہ ۲:۱۹۷)

یعنی حج کے ایام میں نہ فحش گوئی کرو نہ گناہ کی بات اور نہ لڑائی کی۔

دوسری جگہ آتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (۲۴:۱۹)

جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی باتیں ان لوگوں میں پھیلیں جو ایمان لائے ہیں ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابو ذرؓ نے ایک غلام کو ماں کی گالی دی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں جاہلیت کا اثر باقی ہے۔ (بخاری کتاب الادب باب ما ینہی من السباب واللعن)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِیِّ مومن. طنز و تشنیع نہیں کرتا۔ لعنت نہیں بھیجتا۔ بدزبانی اور فحش کلامی نہیں کرتا۔ (ترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء فی اللعنة)

فرمایا سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس کے ساتھ لڑنا کفر (بخاری کتاب الادب باب ماینھی من السباب واللعن)

بدکلامی سے بچنے کے مصالح

۱۔فحش گوئی میں لوگ عموماً تعدی اور زیادتی کرتے ہیں ایک شخص ایک گالی دیتا ہے تو دوسرا دو گالیاں دے دیتا ہے۔ اس سے ایک فساد برپا ہو جاتا ہے نوبت قتل و غارت تک جا پہنچتی ہے۔۲۔فحش گو معاشرتی اور عمرانی زندگی کے ثمرات سے محروم ہو جاتا ہے لوگ اس قسم کے لوگوں سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔۳۔ بدکلامی تہذیب اور شائستگی کے خلاف ہے ایک دفعہ حضرت ابو ذر نے اپنے غلام کو گالی دی تو آپ نے فرمایا کہ تم میں جاہلیت پائی جاتی ہے۔۴۔ بدکلامی لوگوں کے دلوں کو اذیت دینے کا سبب بنتی ہے اس لیے احترا اور اجتناب کرنا چاہیے آپ نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

۱۷۔ ریاء کاری

ریاء کے معنی دکھاوا اور نمائش کے ہیں' لیکن اصطلاح میں ان انسانی اعمال پر بولا جاتا ہے جن کے ساتھ خلوص نیت شامل نہ ہو۔ اسلام میں تمام اعمال کا دار و مدار حسن نیت پر ہے۔

۱. وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ. (انفال ۸: ۴۷)

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھاوے کے لیے اپنے گھروں سے نکلے۔

۲. يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (بقرہ ۲: ۲۶۴)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور تکلیف دے کر باطل نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتا۔

قرآن مجید نے منافق کی نشانی دکھاوا بیان کی ہے چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے۔

۳. اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (نساء ۴: ۱۴۲)

منافق اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور وہ ان کو دھوکا بازی کی سزا دے گا اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت ہی کم۔

۴. فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ (ماعون: ۱۰۷: ۴......۶)

پس ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہو جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو دکھاوا کرتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لیے مسیح دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے؟ صحابہ نے کہا ہاں فرمایئے۔ آپ نے فرمایا۔ شرک خفی اور یہ کہ آدمی نماز کے لیے کھڑا ہو اور اس کو زیب و زینت کے ساتھ ادا کرے اس لیے کہ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ اس کو دوسرا شخص دیکھتا ہے۔ (ابن ماجہ باب الریاء والسمعۃ)

ایک بدو نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص مال غنیمت کے لیے ایک شخص شہرت کے لیے اور ایک شخص اظہار شجاعت کے لیے تو ان میں کس کا جہاد خدا کی راہ میں ہے۔ فرمایا۔ اس شخص کا جو اس لیے لڑتا ہے کہ خدا کا کلمہ بلند ہو۔کسی نیک کام میں ریاکاری کی آمیزش کے بدنتائج کا ذکر کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک شخص کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا۔ جس نے شہادت حاصل کی یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا اور خدا اس پر اپنے احسانات جتا کر پوچھے گا کہ تم نے ان سے کیا کام

لیا؟ وہ کہے گا۔ کہ میں تیری راہ میں لڑا اور شہید ہوا اور خدا کہے گا کہ جھوٹ کہتے ہو۔ تم صرف اس لیے لڑے کہ تم کو بہادر کہا جائے۔ اس کے بعد اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر وہ شخص لایا جائے گا۔ جس نے علم حاصل کیا لوگوں کو علم سکھایا اور قرآن پڑھا اس سے بھی اسی طرح کا سوال کیا جائے گا اور وہ جواب میں کہے گا کہ میں نے علم سیکھا اور علم سکھایا اور تیرے لیے قرآن پڑھا۔ ارشاد ہوگا کہ جھوٹ کہتے ہو۔ تم نے علم اس لیے حاصل کیا کہ عالم کہے جاؤ۔ قرآن اس لیے پڑھا کہ قاری کہے جاؤ۔ پھر اسی طرح گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے بعد ایک دولت مند شخص لایا جائے گا اس سے بھی اسی طرح سوال کیا جائے گا وہ کہے گا کہ مال خرچ کرنے کے جو طریقے تجھ کو پسند تھے میں نے سب میں اپنا مال صرف کیا۔ ارشاد ہوگا جھوٹ بولتے ہو۔ تم نے یہ سب صرف اس لیے کیا کہ لوگ تم کو فیاض کہیں پھر اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ **(مسلم باب من قاتل للریاء والسمعة استحق النار)**

۱۸۔ حرص وطمع

اپنے مال اور دولت کو ناجائز طریقہ سے بڑھانے کے لیے ہر وقت تگ و دو کرتے رہنے کا نام حرص ہے۔ اس سے انسان کے اندر دنائیت، بخل، تنگ ظرفی جیسے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن مجید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرص اور طمع سے منع فرمایا۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

۱۔ **وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (نساء ۴:۱۲۸)**

دلوں میں بخل ہوتا ہے اور اگر تم احسان کرو اور تقویٰ کرو تو اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔

۲۔ **وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (تغابن ۶۴:۱۶)**

اور خرچ کرو یہ تمھارے نفسوں کے لیے بہتر ہے اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچ جائے تو وہی کامیاب ہیں۔

۳۔ **وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (حشر ۵۹:۹)**

وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں گو انھیں تنگی ہی ہو اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچ جائے۔ تو وہی کامیاب ہوں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ حرص وطمع سے بچو کہ اسی نے تم سے پہلوں کو تباہ و برباد کیا، اسی نے ان کو آمادہ کیا کہ خون بہائیں اور حرام کو حلال سمجھیں۔ (صحیح مسلم باب تحریم الظلم)

آپ نے فرمایا۔ ایمان اور حرص ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ (نسائی)

عن انس قال رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْرِمُ ابْنُ اٰدَمَ وَيَشِبُّ فِيْهِ اثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ (بخاری و مسلم)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انسان بوڑھا ہوتا جاتا ہے اور دو چیزیں یعنی مال کی حرص اور عمر کی حرص اس میں زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰى ثَالِثًا وَلَا يَمْلَاُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ. (بخاری و مسلم)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر ابن ادم کے لیے مال کے بھرے ہوئے دو میدان بھی ہوں تو وہ تیسرے کی بھی خواہش کرے گا اور انسان کے پیٹ کو تو قبر کی مٹی ہی بھرتی ہے اور جو شخص توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

۱۹۔ غیظ و غضب

جذبات بہیمیہ میں اشتعال کا نام غیظ و غضب ہے۔ چونکہ اس اشتعال سے ظلم و تعدی کے راستے کھلتے ہیں اس وجہ سے قرآن اور حدیث نے جذبات پر قابو رکھنے کی تعلیم دی ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ (آل عمران ۳: ۱۳۴)

یعنی سچے مسلمان وہ ہیں جو غصے کو دبا جاتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے۔

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ (شوری ۴۲:۳۷)

اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کو دبا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم باب من یملک نفسہ عند الغضب)

ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی۔ یا رسول اللہ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا۔ غصہ نہ کیا کرو۔ اس کو یہ معمولی بات معلوم ہوئی تو اس نے دوبارہ سہ بارہ عرض کی۔ آپ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ "غصہ نہ کیا کرو۔" (صحیح بخاری و مسند احمد و ابن حبان وطبرانی باب الترہیب من الغضب)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ جُرْعَةِ غَیْظٍ یَکْظِمُهَا اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ (مشکوۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی کے غصے کے گھونٹ سے جسے وہ صرف خدا کی خوشنودی اور رضامندی کے لیے پیتا ہے کوئی چیز بہتر اور افضل نہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ لَیُفْسِدُ الْاِیْمَانَ کَمَا یُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ (مشکوۃ)

فرمایا غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّیْطَانِ اِنَّ الشَّیْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَاِنَّمَا تُطْفَی النَّارُ بِالْمَاءِ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَوَضَّأْ (ابو داؤد)

فرمایا غصہ شیطان سے پیدا ہوا ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے تو جب تم میں سے کسی کو غصہ آ جائے تو اسے وضو کر لینا چاہیے (ابو داؤد)

۲۰۔ عیب لگانا

قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ (۴۹:۱۱)

ایک دوسرے کے خلاف عیب نہ لگاؤ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ عَیَّرَ اَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ یَمُتْ حَتّٰی یَعْمَلَهٗ (ترمذی)

جو شخص اپنے کسی بھائی پر گناہ کا عیب لگائے تو جب تک وہ خود اس گناہ میں مبتلا نہ ہوگا نہیں مرے گا۔

روحانی حالت

قلبی اخلاق

اخلاق کا تیسرا اہم حصہ روحانی حالت ہے۔ جو قلبی اخلاق سے موسوم ہوتے ہیں۔ اسلام کے نزدیک اخلاق صرف ظاہری اعمال سے ہی نہیں تعلق رکھتے بلکہ دل کی پاکیزگی ہی ضابطہ اخلاق کی اساس ہے کیونکہ اعمال کا سرچشمہ دل ہے۔

قرآن مجید میں ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ. (الانعام ۶ : ۱۵۱)

اور بے حیائی کی باتوں کے قریب مت جاؤ جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو چھپی ہوئی ہوں۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اخلاق کا تعلق صرف ظاہری اعمال سے ہی نہیں بلکہ ان اعمال سے بھی ہے۔ جن کا مرتکب دل ہوتا ہے۔ گو ان کو معلوم کرنے کا طریقہ لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہستی ہے جو دلوں کے بھیدوں کو جانتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ انسان کے دل میں کیا کیا خیالات موجزن ہیں اور وہ کیا کیا برائیاں اپنے دل کے پردوں میں چھپائے ہوئے ہے۔

دوسری جگہ اس مضمون کو اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (بقرہ ۲ : ۲۸۴)

اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ اللہ اس کا تم سے حساب لے گا۔

دوسری جگہ آتا ہے۔

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ (البقرہ ۲:۲۲۵)

اور اللہ تعالیٰ مواخذہ کرے گا جو تمھارے دلوں نے کمایا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ (بخاری)

یعنی اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

اگر ایک انسان عمدہ کام کرتا ہے لیکن اس کی نیت خراب ہے تو وہ اس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل مواخذہ ہے۔ یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ کسی عمل کی اچھائی یا برائی کا فتویٰ دل کے خیال پر مبنی ہے۔ اگر خیال اچھا ہے اور عمل بھی اچھا ہے تو اس عمل پر اجر مرتب ہوگا۔ اگر خیال برا ہے خواہ عمل اچھا ہی ہو تو اس پر اجر مرتب نہیں ہوگا بلکہ وہ عمل قابل مواخذہ ہوگا۔

ایک اور حدیث ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (بخاری و مسلم)

جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ خبردار وہ دل ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی (الاعلیٰ ۸۷:۱۴)

جس نے نفس و دل کو پاک کیا وہ کامیاب ہوگیا۔

اسی مضمون کو دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا (شمس ۹۱:۹) یقیناً بامراد ہوا وہ شخص جس نے اپنے دل کو پاک کیا۔

جو لوگ دل کی پاکیزگی کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا (شمس ۹۱:۱۰) یقیناً ناکام ہو گئے وہ لوگ جنھوں نے اپنے دل کو گناہوں کی میل سے ناپاک کیا۔

اگر کسی کے دل میں ایک لحہ برا خیال آتا ہے لیکن وہ اس کو دبا جاتا ہے اور مجاہدہ اور خدا خوفی سے اس برے خیال سے دل کو پاک کر لیتا ہے تو وہ خیال قابل مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ قابل تعریف ہوگا اور وہ شخص اجر کا مستحق ہوگا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً (بخاری) اگر کسی شخص کے دل میں برا خیال پیدا ہوتا ہے اور اس خیال کو عملی جامہ نہیں پہناتا بلکہ دل میں ہی دبا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک پوری نیکی لکھ دے گا۔

برے خیالات اس وقت قابل مواخذہ ہوتے ہیں جب انسان ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے کا راستہ تلاش کرتا رہتا ہے گو وہ برا خیال عمل کے لباس میں ظاہر نہ بھی ہوا ہو لیکن اللہ کے نزدیک وہ برا خیال بداخلاقی میں شمار ہوگا۔

جہاں اسلام نے دل کی پاکیزگی کو ہی ضابطہ اخلاق کی عمارت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ وہاں اسلام نے روحانی حالت درست کرنے اور دل کی پاکیزگی کو حاصل کرنے کے اصول بھی بیان کیے ہیں جن پر عمل کر کے ایک انسان دل کی پاکیزگی حاصل کر لیتا ہے۔ ان اصولوں پر عمل کیے بغیر کوئی انسان بھی حقیقی پاکیزگی حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ ہر چیز کے لیے ایک صراط مستقیم ہوتا ہے۔ تزکیہ قلب انہی اصولوں پر موقوف ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے آپ کو ایک تیرہ و تار کوٹھڑی میں بند کر لیتا ہے تو وہ آفتاب کی روشنی اور تازہ ہوا سے متمتع نہیں ہوسکتا۔ آفتاب کی روشنی اور تازہ ہوا سے متمتع ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ تاریک کوٹھڑی سے باہر آئے۔ اسی لیے طہارت قلب حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان الٰہی اصولوں پر عمل کرے۔ وہ اصول حسب ذیل ہیں۔

پہلا اصول۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کے شرک سے اجتناب کیا جائے اور ہر کام میں اسی کو مقدم سمجھا جائے اور اسی کی رضا مقصود ہو۔ اللہ تعالیٰ کی صفات حسنہ میں اپنے آپ کو رنگ لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ جو انسان غیر اللہ کا سہارا ڈھونڈتا ہے۔ وہ کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو تمثیل کے رنگ میں قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكَافِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلَالٍ (الرعد ۱۳: ۱۴)

یعنی دعا کرنے کے لائق صرف خدا ہی ہے جو لوگ اس کے غیروں کو پکارتے ہیں وہ ان کو کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی پانی کی طرف اپنا ہاتھ پھیلائے تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے لیکن پانی اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو خدا کے علاوہ غیر کو پکارتے ہیں وہ ان کو کسی قسم کا نفع نہیں پہنچا سکتے۔

دوسرا اصول۔ اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال اور احسان پر اطلاع

انسان بالطبع حسین چیز کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے اس کے مشاہدہ سے محبت پیدا ہوتی ہے اس طبعی جذبہ کے تحت یہ ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات حسنہ پر اطلاع حاصل کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت انسان کے دل میں پیدا ہو جائے اللہ تعالیٰ کی محبت تمام غیر اللہ کے

بندھنوں اور زنجیروں کو کاٹ کر اس سے کامل اتصال پیدا کر دیتی ہے۔ انسان کو حقیقی پاکیزگی اللہ تعالیٰ سے کامل اتصال سے حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی بہت سی صفات حسنہ بیان کی ہیں تا کہ اس کا حسن انسان کے دل کو اس کی طرف مائل کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے احسان پر اطلاع پانے سے بھی انسان منزل حقیقی تک پہنچ سکتا ہے کیونکہ محبت کی محرک دو چیزیں ہیں۔ حسن یا احسان۔ اللہ تعالیٰ نے احسانی صفات قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں' جن کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں ہے۔ سورہ فاتحہ کے آغاز میں چار احسانی صفات بیان کی ہیں۔ ربوبیت' رحمانیت' رحیمیت اور مالکیت' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے احسانات بار بار جتائے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْ هَا (النحل ۱۶:۱۸) یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم ہرگز شمار نہیں کر سکو گے۔

تیسرا اصول دعا

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن ۴۰:۶۰) تم دعا کرو میں قبول کروں گا۔ روحانی انعامات حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ دعا ہے اور دعا اس وقت کارگر ثابت ہوتی ہے جب انسان اپنی زندگی اور اپنی تمام قوتوں کو اللہ کے راستہ میں وقف کر دیتا ہے اور قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام ۶:۶۲) کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔ یعنی انسان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ کی رضا کے لیے وقف ہو۔

اسلامی نقطۂ نگاہ سے دعا کرنا اپنے اوپر ایک موت وارد کرنا ہوتا ہے۔ جب انسان کی ارضی خواہشات اللہ کی محبت کی آگ سے بھسم ہو جاتی ہیں اور انسان کی روح آستانہ الوہیت پر پانی کی طرح بہہ نکلتی ہے۔ جب انسان پر یہ حالت وارد ہو جاتی ہے تو وہ اس وقت حفاظت کی مستحکم چٹان پر کھڑا ہوتا ہے اور شیطان اس آدمی کو گناہوں کے راستے پر چلانے سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے۔

چوتھا اصول توبہ استغفار

توبہ لغت عرب میں رجوع کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں خدا کا نام تواب ہے یعنی بہت رجوع کرنے والا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب انسان اپنے کردہ گناہوں سے دست بردار ہو کر کامل صدق و وفا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کے دست استعانت کو پکڑ کر اپنے فضل و کرم کی چادر میں لپیٹ لیتا ہے۔

توبہ کے لیے تین شرائط ہیں۔

۱۔ اقلاع

یعنی توبہ کرنے والا اپنے دل سے خیالات فاسدہ کو دور کر دے' کیونکہ خیالاتِ فاسدہ ہی افعال بد کا محرک ہوتے ہیں۔ عمل سے پہلے تصور جنم لیتا ہے' وہ تصور عمل کے لیے راستہ ہموار کرتا ہے۔ جب ایک انسان اپنے دل کو خیالاتِ فاسدہ سے پاک کر لے گا تو اس سے افعال ردیہ سرزد نہیں ہوں گے۔

۲۔ ندم

یعنی اپنے کیے پر حقیقی پشیمانی اور ندامت اختیار کرنا۔ جب انسان اپنے کیے پر حقیقی پشیمانی اور ندامت اختیار کرتا ہے تو پھر اس سے مزید خصائل ردیہ سرزد نہیں ہوتے کیونکہ ندامت روح کے لیے ایسی ضرب ہے جو ہمیشہ انسان کو افعال فاسدہ سے آگاہ رکھتی ہے اور لغزشوں سے بچاتی ہے۔

۳۔ عزم

یعنی آئندہ کے لیے مصمم ارادہ کر لینا کہ پھر ان افعال ردیہ اور خصائل فاسدہ کی طرف رجوع نہیں کرے گا جو اس سے پہلے سرزد ہو چکے ہیں۔ جب بندہ اس عزم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف قدم بڑھائے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اسے سچی توبہ کی توفیق عطا کر دے گا۔

۴۔ استغفار

استغفار غفر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کہ اللہ سے یہ درخواست کرنا کہ بشریت کی کمزوری ظاہر نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں استغفار کے معنی استمداد اور استعانت کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں استغفار اور توبہ کرنے کے متعلق بہت تاکید کی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد ۴۷:۱۹) یعنی خدا سے درخواست کر کہ وہ تجھے بشریت کی کمزوری سے محفوظ رکھے۔ اسی طرح مومن مرد اور مومن عورتوں کو بھی محفوظ رکھے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ (ھود ۱۱:۳) یعنی تم اپنے رب سے استغفار کرو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ استغفار اور توبہ دو ایسی شمعیں ہیں جن کی روشنی سے انسان اللہ تعالیٰ کے قرب کی راہوں پر آسانی سے چل سکتا ہے۔

پانچواں اصول۔ مجاہدہ

قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت ۲۹:۶۹) وہ لوگ جو نروان اور نجات حاصل کرنے کے لیے پوری پوری کوشش کرتے ہیں ہم ان کو جادۂ صواب پر چلا کر نروان اور نجات کے وارث کر دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سعی بلیغ کے بغیر کوئی چیز بھی حاصل نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ تزکیہ نفس حاصل ہو جائے۔ یہ قانونِ قدرت کے ہی خلاف ہے۔

چھٹا اصول۔ استقامت

استقامت یہ ہے کہ اگر انسان ہر قسم کے مصائب اور تکالیف میں گھر جائے' کوئی بھی مونس و معاون نہ ہو۔ اس حالت میں بھی اس کی زبان اور اس کے جوارح سے کسی قسم کی بے چینی و اضطراب ظاہر نہ ہو' بلکہ مصائب کے کڑوے گھونٹ آب شیریں سمجھ کر پی جائے۔ اس کے چہرے پر انبساط اور بشاشت کی ہی لہریں دوڑیں۔ اس کا قدم اللہ تعالیٰ کے لیے اور بھی تیزی سے اٹھے۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (حٰم سجدہ ۴۱: ۳۰، ۳۱)

یعنی وہ لوگ جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر استقامت اختیار کی یعنی ہر قسم کی تکلیف اور آزمائش کے وقت ثابت قدم رہے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور مت غمگین ہو' جنت اور دائمی خوشی کی بشارت پاؤ جس کا تمھیں وعدہ دیا گیا ہے ہم دنیا اور آخرت کی زندگی میں تمھارے دوست ہیں۔

پس طہارت قلبی حاصل کرنے کے لیے استقامت نہایت ضروری امر ہے۔

ساتواں اصول۔ راست بازوں کی صحبت

قرآن مجید میں آتا ہے۔ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (توبہ ۹:۱۱۹) یعنی ان لوگوں کی صحبت اور معیت اختیار کرو جو اپنے قول اور فعل میں صادق ہیں۔ انسان بالطبع نمونہ کا محتاج ہے۔ جب انسان نیک اور راست بازوں کی صحبت اختیار کرے گا تو لازماً اپنی زندگی صادقین کی زندگی میں ڈھالے گا۔

آٹھواں اصول۔ اکل حلال و طیب

خوراک کا انسان کے اخلاق پر نہایت ہی گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس وجہ سے قرآن مجید نے حلال طیب' مکروہ اور حرام کے متعلق احکام بیان کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کے کھانے سے منع فرمایا جو انسان کی روحانی زندگی کے لیے پیغام موت ہیں۔ مثلاً اسلام نے

سور کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ جانور نجاست خور اور حد درجہ کا دیوث اور بے غیرت ہے۔ تمام یونانی طبیبوں نے یہ رائے ظاہری کی ہے۔ اس جانور کا گوشت حیاء کو کم کرتا ہے دیوثی کو بڑھاتا ہے۔ اس رائے کی صداقت کا مشاہدہ اور تجربہ کرنا ہو تو یورپ کی اقوام کو دیکھ لو کہ کس طرح ان میں حیا کی کمی اور دیوثی پائی جاتی ہے۔

اسی طرح اسلام نے مردار کھانے سے منع فرمایا ہے۔ مردار کا کھانا صرف طبی نقطہ نگاہ سے مضر نہیں بلکہ روحانی اور اخلاقی لحاظ سے بھی بہت مضر ہے۔ اگر اس حکم کی صداقت دیکھنی ہو تو اپنے ملک کے ان لوگوں کو دیکھئے جو مردار خوار ہیں' وہ اخلاق کے لحاظ سے کتنے گرے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید میں حلال اور طیب کھانے کے متعلق ارشاد الٰہی ہے۔

يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (مومنون ۲۳:۵۱) اے رسولو! پاک اشیاء کھاؤ اور نیک اعمال بجالاؤ۔ قرآن مجید کا طرزِ استدلال یہ ہے کہ نبیوں کو مخاطب کیا جاتا ہے اور مراد سب متبع ہوتے ہیں سب۔ اس آیت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ حلال اور طیب اشیاء کھاؤ اس کے بعد نیک اعمال کے بجالانے کا حکم ہے۔ طیب کھانے اور نیک اعمال کو اکٹھا بیان کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ طیب کھانے کے نتیجہ میں نیک اور اچھے اعمال بجالانے کی توفیق ملتی ہے۔

حالات ثلاثہ (طبعی' اخلاقی اور روحانی) کا باہمی تعلق

جب ایک انسان اپنی طبعی حالتوں کو بالارادہ اور شعور وعقل کے تحت تعدیل' موقع شناسی اور صحیح محل پر استعمال کرتا ہے تو وہ طبعی حالتیں اخلاق فاضلہ کا رنگ اختیار کر لیتی ہیں۔ جب اخلاقی حالتیں فنافی اللہ اور انقطاع الی اللہ کا رنگ اختیار کر لیتی ہیں تو وہ روحانی حالتیں بن جاتی ہیں۔ یہ تینوں حالتیں اخلاق فاضلہ کے مختلف مدارج ہیں۔ اسلام نے تینوں مدارج کا ذکر قرآن مجید میں کیا ہے۔ اسلام کا یہ وہ عظیم کارنامہ ہے کہ کسی مذہب' کسی مفکر' کسی مصلح نے بھی اسلام سے بہتر اور منظم طور پر ضابطہ اخلاق پیش نہیں کیا۔

نوٹ: موضوع آداب کا بیان سیرت سید البشر حصہ دوم میں کر دیا گیا ہے اس وجہ سے یہ موضوع حصہ اوّل سے تکرار کے پیش نظر قلمزد کر دیا گیا ہے۔

رسول کریم ﷺ کے خصائص و امتیازات

ا۔ عالمگیر بعثت

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا ۲۸:۳۴) (ہم نے تجھے سب لوگوں کے لیے (رسول بنا کر) بھیجا ہے)

دنیا میں رسول کریمؐ کی بعثت سے قبل جتنے بھی انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں وہ ایک قوم کی طرف آتے رہے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے متعلق تورات میں آتا ہے۔ "موسیٰؑ نے ایک بوٹے سے آگ کے شعلے نکلتے دیکھے اور دیکھا کہ وہ بوٹا جل نہیں جاتا وہ دیکھنے کو آگے بڑھے تب خدا نے بوٹے کے اندر سے پکارا۔" (کتاب خروج باب سوم آیت ۶)

میں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں ہیں یقیناً دیکھی جو خراج کے محصول کے سبب سے ہے سنی اور میں دکھوں کو جانتا ہوں۔ (آیت ۷)

اب دیکھ بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی ہے اور میں نے وہ ظلم جو مصری ان پر کرتے ہیں دیکھا ہے۔ (آیت ۹)

پس اب تو جا میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں مصر سے نکال لے۔ (آیت ۱۰)

مندرجہ بالا تورات کی آیات (۷ تا ۱۰) موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کی غرض و غایت بتاتی ہیں کہ وہ بنی اسرائیل کی رہائی اور ان کو ارض موعودہ کی جانب لے جانے کے سوا دوسری اقوام سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے۔

کتاب استثناء میں ہے۔ "موسیٰ نے ہم کو ایک شریعت عطا فرمائی جو کہ یعقوب کی جماعت کی میراث ہے۔" (میراث ۳۲ درس ۴)

اس فقرے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت تورات صرف بنی اسرائیل کے لیے ہی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق انجیل ظاہر کرتی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی طرف آئے۔ انجیل متی میں ایک کنعانی عورت کا قصہ موجود ہے یہ عورت اسرائیلی نہیں تھی وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس اس لیے آئی کہ وہ اپنی معجزانہ طاقت سے اس کی بیمار بیٹی کو صحت مند کر دیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس نہیں جاؤں گا۔ (۱۵:۲۶) یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت صرف بنی اسرائیل کی طرف تھی۔

انجیل متی میں ذکر ہے کہ جب مسیح علیہ السلام نے اپنے بارہ شاگردوں کو تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا تو کہا "غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔" (۵:۱۰) یہ حوالہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دائرہ تبلیغ صرف بنی اسرائیل تک محدود تھا بدھ مذہب کی تاریخ پر غور کریں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ انھوں نے ہندوستانی کے سوا کبھی اپنے عروج کے زمانہ میں کسی قوم تک اپنے مذہب کی تعلیم کو نہیں پہنچایا اور کسی غیر مذہب کے پیروکار کو داخل مذہب نہیں کیا۔

ہندومت کو لیجیے تو معلوم ہو جائے گا کہ وید کی تعلیم و قراءت کا کام صرف برہمن کے ساتھ مخصوص تھا۔ اگر وید کی تعلیم تمام لوگوں کے لیے مخصوص ہوتی تو صرف برہمن کے لیے کیوں قرات وید مخصوص کر دی جاتی۔

شریعت موسوی کا امام کبھی کسی غیر اسرائیلی کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ روما کے کلیسا نے مسیحی برکات کا چشمہ کبھی کسی غیر یورپین کو نہیں تسلیم کیا اور ایشیائی نسل کا کوئی شخص کبھی پوپ نہیں بنایا گیا۔ ہندو قوم میں کبھی کوئی نصرانی یہودی یا مغربی نسل کا شخص رشی بلکہ کسی مندر کا پجاری نہیں بنایا گیا۔ ان امور کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل کے تمام انبیاء علیہم السلام صرف اپنی اپنی قوم کی طرف آتے رہے۔

مختلف اقوام کے مسلمہ انبیاء علیہم السلام نے کسی دوسرے نبی کے متعلق نہیں بتایا کہ وہ صادق تھا۔ یا کاذب کیونکہ جب کسی ایسی قوم کو دعوت دی جائے جو کسی نبی کی پیروکار ہو تو لازمی طور پر اس قوم کے نبی کی صداقت زیر بحث آئے گی۔ تمام مذاہب کی مذہبی کتب کا مطالعہ کریں تو کسی کتاب میں بھی کسی نبی کے متعلق یہ ذکر نہیں آئے گا کہ وہ صادق تھا یا کاذب۔

قرآن مجید کی رو سے

جب ہم قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں تو بھی یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل جتنے انبیاء علیہم السلام آئے وہ سب اپنی اپنی قوم کی طرف آئے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق آتا ہے۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ (اعراف: ۵۹) بے شک نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا (اعراف ۶۵) قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا (اعراف: ۷۳) ''قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔'' لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ (اعراف: ۸۰) ''جب (حضرت) لوط کو اس کی قوم کی طرف بھیجا'' تو اس نے اپنی قوم سے کہا) وَاِلٰی مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ''مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو نبی بنا کر بھیجا۔'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے خلعت نبوت عطا کیا۔ تو حکم دیا کہ وہ فرعون کے پاس جائے۔ اور اپنی قوم بنی اسرائیل کو اس کی غلامی سے نجات دلائے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ (اعراف: ۱۰۵) ''(اے فرعون) بنی اسرائیل کو میرے پاس بھیج دے۔''

دوسری جگہ آتا ہے۔ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (ابراہیم: ۵) ''اپنی قوم کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکال۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ ''وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے۔''

غرض کہ قرآن مجید نے بھی اس بات کی شہادت دی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قوم کی طرف آئے ان کا پیغام صرف اپنی قوم کے لیے تھا۔ جب قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے۔ تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اپنے اندر عالمگیریت کا رنگ رکھتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا ۳۴:۲۸) ''ہم نے تجھے سب لوگوں کے لیے بھیجا ہے۔''

فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف ۷:۱۵۸) کہہ اے لوگو! میں سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

فرمایا۔ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ''تا کہ وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام جہانوں کے لیے نذیر (ڈرانے والا) ہو۔''

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی یہ دعویٰ فرمایا ہے۔ فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِيَآءِ بِسِتٍّ (مسلم جلد اول ترمذی ج ا باب الغنمة) ''کہ چھ باتوں کی وجہ سے مجھے دوسرے تمام انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے ان میں سے آپ نے ایک یہ فرمائی۔ كَانَ النَّبِیُّ يُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ كَآفَّةً ''مجھ سے پہلے نبی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے لیکن میں تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہوں۔''

پھر فرمایا۔ اِلَی الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ ''میں گورے اور کالے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔''

مصلحت الٰہی کا تقاضا یوں ہوا کہ جس وقت نسل انسانی مختلف ملکوں میں علیحدہ علیحدہ رہ رہی تھی اور قوموں کے میل جول کے ذرائع اور وسائل محدود تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی ہدایت و اصلاح کے لیے ایک ایک نبی مبعوث فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی انسانوں کی تنگ نظری و تنگ ظرفی کی وجہ سے یہ خیال ہر قوم میں پیدا ہو گیا کہ وہی خدا کی محبوب قوم ہے اور اس کی نعمتوں اور فضیلتوں کی مستحق ہے ہر قوم اپنے سوا دوسری قوم کو نیچ سمجھنے لگی۔ جب قوموں کے باہمی میل جول کے وسائل کی محدودیت ختم ہو گئی تو انبیاء علیہم السلام کے آخر میں خدا نے ایک ایسا رسول بھیجا جس کی بعثت تمام قوموں کی طرف تھی۔ تا کہ تمام دنیا کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرے ان میں لونی' لسانی' مذہبی اور علاقائی تعصب ختم کرے سو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پیغام دیا۔ ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔'' (النساء)

دنیا کی تمام مذہبی کتب کا مطالعہ کیجئے اور تاریخ عالم کا مطالعہ کر لیجئے صرف ایک ہی نبی ہے جس کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کی بعثت ساری دنیا کی طرف ہے وہ ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۲۔ تاریخیت

(الف)۔ مکمل سوانح حیات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل جتنے انبیاء علیہم السلام اور مصلحین ہو گزرے ہیں۔ ان کی زندگی کے حالات ہم تک صحیح ذرائع سے نہیں پہنچے حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت اسحاق، حضرت اسماعیل، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ وغیرہ علیہم السلام اجمعین بلاشبہ سب نبی تھے۔ مسلمان ان پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کی اور دیگر تمام قرآن مجید میں مذکورہ انبیاء علیہم السلام اور مصلحین کی زندگی کے مکمل حالات میسر نہیں۔ انسانی تاریخ میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی ہستی ہیں، جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان کیسا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے پہلے کی زندگی کیسی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کہاں ملی۔ خلعت نبوت حاصل کرنے کے بعد کس طرح شب و روز گزرے۔ کس طرح اسلام کی دعوت لوگوں تک پہنچائی۔ مخالفتوں اور عداوتوں کا مقابلہ کس طرح کیا۔ کن کن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر لبیک کہا اور کن کن لوگوں نے استہزا، عناد اور عداوت سے دعوت کو رد کیا۔ مکہ میں کس طرح اپنے صحابہ کی تربیت کی۔ مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کیوں گئے۔ لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کس طرح لڑائیاں لڑی گئیں۔ کس طرح کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ اس طرح زندگی کا کوئی پہلو نہیں جو صفحہ قرطاس پر تحریر نہ آ چکا ہو۔ یہی وجہ ہے ہم بغیر کسی تعصب کے پورے علم اور یقین کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ تمام انبیاء اور پیشوایان مذاہب میں سے صرف محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ایسی ہے جن کی زندگی کا لمحہ لمحہ محفوظ و مصئون ہے۔

تدوین سیرت کی مختصر تاریخ

یہ ایک تاریخی اور مسلمہ حقیقت ہے کہ تدوین سیرت کا کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ ایک تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان اور آپ کی ذات سے متعلق اہل مکہ اور اردگرد کے قبائل کے ماہر انساب خوب جانتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوئ نبوت کیا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے دو گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک جان نثار مومنین، دوم عدوان اسلام، دونوں کی آنکھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر مرکوز تھیں۔ ایمان لانے والے تو آپ کے اقوال اور افعال کی پیروی کرنے کے لیے آپ کی ذات پر توجہ مرکوز رکھتے تھے۔ مخالفین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور افعال میں کوئی عیب معلوم کرنے کی جستجو میں رہتے تھے تاکہ لوگوں کو آپ کے خلاف برانگیختہ کریں۔ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مخالفین کی نظریں کوئی معمولی سے معمولی عیب تلاش کرنے میں ناکام رہیں جس کا اعتراف مخالفین کی شہادتوں سے واضح ہے اور وہ شہادتیں تاریخ میں موجود ہیں۔ آخرکار وہی مخالفین رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روشن چہرے کو دیکھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی صحابہ کی تعداد بڑھنا شروع ہو گئی تھی جو بھی صحابی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا تھا۔ اس کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور افعال کا ذخیرہ جمع ہونا شروع ہو جاتا تھا۔ اس طرح کم و بیش تمام صحابہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی تاریخ کے وارث بنتے چلے گئے۔ آپ کی زندگی کے واقعات کو اپنے ذہنوں میں نقش کرتے رہے۔ بلکہ صحابہ کی یہ عادت بھی تھی کہ وہ دوسرے صحابہ سے معلومات حاصل کرتے رہتے تھے کیونکہ کوئی صحابی ہر وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں ہر وقت نہیں رہ سکتا تھا۔ جلوت میں ہوتے تو جان نثاروں کا ایک طائفہ آپ کی صحبت میں موجود ہے اور خلوت میں ہوتے تو ازواج مطہرات آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی تاریخ کی محافظ ہیں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ کے اقوال اور افعال کو صحابہ نے صرف اپنے ذہنوں میں ہی محفوظ نہیں کیا بلکہ احاطہ تحریر میں بھی لاتے رہے۔ اس کا ذکر "حفاظت سنت" کے عنوان کے تحت لایا جائے گا۔ اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی آپ کے اقوال اور افعال صحابہ کرام نے اپنے اذہان اور تحریری دفتر میں محفوظ کر لیے تھے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عرب تاریخی اہم واقعات، نثری اور شعری مواد کو اپنے اذہان میں ہی محفوظ رکھنے کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ ان میں لکھنے کا رواج بہت کم تھا۔ ہزاروں اشعار ایک عرب کے ذہن میں محفوظ ہوتے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و عادات جاننے والے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے اور صحابہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت جاننے کا شوق بھی بڑھتا چلا گیا تو صحابہ سیرت سے متعلق معلومات بڑھانے کے لیے لمبے لمبے سفر کرتے۔ اس طرح رفتہ رفتہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے متعلق معلومات کا ذخیرہ صحابہ کے پاس وسیع ہونے لگا اور بعض صحابہ نے احاطۂ تحریر میں لانا شروع کر دیا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مواد منتشر تھا۔ صحابہ کے بعد دوسری نسل تابعین نے سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتشر مواد کو مزید اکٹھا کرنے کی طرف توجہ دی بلکہ سیرت کے موضوعات میں تخصیص پیدا کر دی۔ کوئی تابعی جنگوں کے متعلق معلومات حاصل کر کے لکھ لیتا۔ کوئی سیرت کے دیگر پہلوؤں کو قلمبند کر لیتا۔ اس طرح ایک تابعی کئی کئی صحابہ سے سیرت سے متعلق معلومات اکٹھی کر کے احاطہ تحریر میں لے آتا۔ اس طرح منتشر صحابہ سے معلومات کا ذخیرہ تابعین کی وراثت میں آنا شروع ہو گیا اور تابعین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، نصائح اور سیرت کے مختلف پہلوؤں کی اشاعت کی۔ تیسری نسل یعنی تبع تابعین کو تابعین سے معلومات حاصل کرنے کی زیادہ سہولتیں حاصل تھیں۔ تابعین نے دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے صحابہ سے لمبے سفر کر کے معلومات حاصل کیں۔ تبع تابعین نے ایک تابعی سے سینکڑوں صحابہ سے حاصل شدہ معلومات کو ایک جگہ سے حاصل کر لیا۔ اس طرح معلومات کے منتشر ذخائر مخصوص مراکز میں سمٹنے شروع ہو گئے اور تبع تابعین کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور افعال سے واقفیت حاصل کرنا آسان ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سیرت سے متعلق تحریری ذخیرہ بھی بڑھتا چلا گیا۔

مذکورہ بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرام کا ذخیرہ معلومات کس طرح مرحلہ بہ مرحلہ تبع تابعین کے پاس پہنچا۔ ہر نسل کو معلومات پہنچانے کا تسلسل قائم رہا۔ صحابہ کرام کا ذخیرہ معلومات تبع تابعین کے مراکز میں جمع ہو گیا۔ جب چوتھی نسل شروع ہوئی تو جمع شدہ ذخیرہ معلومات کتابی شکل میں شائع ہونا شروع ہو گیا۔

تابعین اور تبع تابعین میں سے جن لوگوں نے سیرت اور مغازی پر کتب لکھیں اور جن کا ذکر بعد میں لکھی گئی کتب میں ملتا ہے۔ ان میں سے چند مشہور لوگوں کے نام ذیل میں دیے جاتے ہیں۔

۱۔ عروہ بن الزبیر م ۹۴ھ
۲۔ ابان بن عثمان بن عفان م ۱۰۵ھ
۳۔ شعبی م ۱۰۹ھ
۴۔ وہب بن منبہ م ۱۱۴ھ
۵۔ عاصم بن عمر بن قتادہ م ۱۲۱ھ
۶۔ شرجیل بن سعد م ۱۲۳ھ
۷۔ ابن شہاب الزہری م ۱۲۴ھ
۸۔ یعقوب بن عتبہ ثقفی م ۱۲۸ھ
۹۔ عبداللہ بن ابی بکر بن حزم م ۱۳۵ھ
۱۰۔ موسیٰ بن عقبہ م ۱۴۱ھ
۱۱۔ ہشام بن عروہ بن الزبیر م ۱۴۶ھ
۱۲۔ محمد بن اسحاق م ۱۵۰ھ
۱۳۔ معمر بن راشد م ۱۵۲ھ
۱۴۔ عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز م ۱۶۲ھ
۱۵۔ محمد بن صالح بن دینار م ۱۶۸ھ
۱۶۔ ابومعشر نجیح المدنی م ۱۷۰ھ
۱۷۔ عبداللہ بن جعفر مخزومی م ۱۷۰ھ
۱۸۔ عبدالملک بن محمد انصاری م ۱۷۶ھ

۱۹۔	زیاد بن عبداللہ البکائی م ۱۷۳ھ	۲۰۔	سلمہ بن الفضل م ۱۹۱ھ
۲۱۔	یحییٰ بن سعید بن ابان م ۱۹۴ھ	۲۲۔	ولید بن مسلم القرشی م ۱۹۵ھ
۲۳۔	یونس بن بکیر م ۱۹۹ھ	۲۴۔	محمد بن عمر الواقدی م ۲۰۷ھ
۲۵۔	یعقوب بن ابراہیم زہری م ۲۰۸ھ	۲۶۔	عبدالملک بن ہشام م ۲۱۳/۱۸ھ
۲۷۔	علی بن محمد المدائنی م ۲۲۵ھ	۲۸۔	محمد بن سعید ۲۳۰ھ
۲۹۔	ابراہیم بن اسحاق م ۲۸۵ھ	۳۰۔	ابوبکر احمد البغدادی م ۲۷۷ھ

سیرت کی تدوین کا کام تیسری صدی کے آخر تک پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا اور ضخیم کتب منصۂ شہود پر آنے لگیں اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ دور حاضر میں موضوعات کے اعتبار سے بہت ہی وسیع ہو گیا ہے۔ آغاز میں سیرت کا موضوع صرف مغازی تک تھا۔ آہستہ آہستہ اس میں وسعت ہوتی چلی گئی اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو بھی سیرت کا حصہ قرار دے دیا ہے۔ اس دور میں سیرت رسول پر ایک اہم موضوع کا خصوصی اضافہ ہوا ہے وہ ہے کتب سابقہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق پیشگوئیاں۔ پہلے ادوار میں اس موضوع کو نہ تو سیرت کا موضوع بنایا گیا تھا نہ مکمل طور پر بحث ہوئی تھی۔ علماء سابقہ نے توریت اور انجیل سے چند پیشگوئیوں کا ضرور ذکر کیا ہے۔ بالاستیعاب تمام مذاہب کی کتب پر نظر نہیں دوڑائی گئی تھی۔

سیرت پر چند اہم تصانیف

۱۔ تاریخ الرسل والملوک مصنفہ محمد بن جریر طبری م ۳۱۰ھ

۲۔ البدایۃ والنہایۃ مصنفہ حافظ ابن کثیر (اسماعیل بن عمر م ۷۷۴ھ)

۳۔ تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس مصنفہ حسین بن محمد دیار بکری م ۹۶۶ھ

۴۔ الطبقات الکبیر (طبقات ابن سعد) مصنفہ محمد ابن سعد م ۲۳۰ھ

یہ کتاب صحابہ کرام اور تابعین کے حالات پر مشتمل ہے لیکن اس کتاب کے آغاز میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت بیان ہوئی ہے۔

۵۔ کتاب المغازی مولفہ موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ)

۶۔ سیرت مؤلفہ محمد بن اسحاق (م ۱۵۰ھ)

۷۔ کتاب المغازی مولفہ محمد بن عمر الواقدی (م ۲۰۷ھ)

۸۔ سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولفہ عبدالملک بن ہشام م ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ

۹۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ مولفہ قاضی بن موسیٰ م ۵۴۴ھ

۱۰۔ اکتفا فی مغازی المصطفیٰ والثلاثۃ الخلفاء مولفہ سلیمان بن سالم الکلاعی م ۶۳۴ھ

۱۱۔ عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر مولفہ محمد بن یحییٰ ابن سید الناس م ۷۳۴ھ

۱۲۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد مولفہ حافظ ابن القیم الجوزیہ م ۷۵۱ھ

۱۳۔ السیرۃ النبوۃ مولفہ حافظ اسماعیل بن عمر المعروف ابن کثیر م ۷۷۴ھ یہ کتاب البدایۃ والنہایۃ کا ہی ایک حصہ ہے جو علیحدہ مستقل نام ''السیرۃ النبوۃ'' سے چار حصوں میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۴۔ الخصائص الکبریٰ مولفہ امام جلال الدین السیوطی م ۹۱۱ھ

۱۵۔ المواہب اللدنیہ مولفہ احمد بن ابی بکر القسطلانی م ۹۲۳ھ

۱۶۔ انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون مولفہ علی بن برہان حلبی م ۱۰۴۴ھ یہ کتاب ''السیرۃ الحلبیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

اردو کی چند مشہور کتب کا ذکر کر دینا بھی مناسب ہے۔

(۱) سیرت النبی مولفہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی۔ (۲) رحمت للعالمین مصنفہ قاضی محمد سلیمان منصوری۔ (۳) سیرت المصطفی مولفہ محمد ادریس کاندھلوی۔ (۴) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی۔ (۵) عہد نبوی کے میدان جنگ۔ (۶) عہد نبوی کا نظام حکمرانی ڈاکٹر حمید اللہ۔ (۷) انسان کامل ڈاکٹر خالد علوی۔ (۸) حیات محمد محمد حسین ہیکل (عربی سے ترجمہ ہوا ہے)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر دنیا کی ہر زبان میں تفصیلاً کام ہوا ہے جس کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ سال ۱۹۷۴ء ۱۹۷۸ء میں حکومت پاکستان نے بین الاقوامی نمائش کتب سیرت منعقد کرائی جس میں صرف چودھویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتب سیرت کی تعداد چار ہزار سے تجاوز کر گئی تھی۔

(ب) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت، اقوال اور زندگی گزارنے کے طریقے محفوظ ہیں۔ یہ وہ خصوصیت ہے کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام اور پیشوایان مذہب میں یکتا ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور اقوال بھی محفوظ ہیں۔ جس سے انسان زندگی کے ہر شعبہ میں راہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ پیدائش سے لے کر وفات تک جتنے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی دیکھے آپ کے اقوال سنے آپ کی تقاریر سنیں ایک ایک فعل اور ایک ایک بات صفحہ قرطاس پر محفوظ ہے آپ کی سنت کی حفاظت کا سلسلہ حضور کی زندگی میں شروع ہو گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی آپ کے اقوال لکھنے شروع کر دیئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہؓ کے گھر تشہیر اور اشاعت سنت و حدیث کے لیے درس گاہیں بن گئے تھے۔ اکناف عالم سے لوگ مکہ اور مدینہ کا رخ کرتے اور صحابہ سے اقوال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آگاہی حاصل کرتے۔ اس کے بعد وہ اپنے وطن واپس چلے جاتے کچھ عرصہ تک لوگ احادیث کو صفحہ قرطاس پر احاطۂ تحریر میں لاتے رہے پھر یہ منتشر علم منضبط علم کی شکل اختیار کر گیا۔ کتب احادیث لکھی جانے لگیں۔ بعض مصنفین نے اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راویوں کے ناموں کے تحت جمع کیے اور بعض نے مضامین کے تحت اقوال کو ترتیب دی۔

تدوین حدیث کا ارتقاء

یہ اعتراض بالکل بے معنی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کی تدوین کا کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد شروع ہوا تھا۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کی تدوین اور اشاعت کا کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ ایک تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو یہ نصیحت فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور افعال ــ لوگوں تک پہنچاؤ۔ دوم صحابہ کرام قرآن مجید کے علاوہ سنت اور حدیث کو بھی شریعت کی حیثیت دیتے تھے۔ اس وجہ سے اس کی حفاظت لازمی تھی۔ سوم احادیث کو ضبط تحریر میں لانے کا رواج رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ جس پر متعدد احادیث صحیحہ دلالت کرتی ہیں۔ حضرت امام بخاری نے کتاب العلم میں ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ فتح مکہ کے سال بنوخزاعہ نے ایک مقتول کے عوض بنولیث کا ایک آدمی حرم میں قتل کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ خبر پا کر سوار ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ میں جنگ و قتال سے روک دیا ہے اور یہاں اپنے رسول اور مومنوں کو غالب کیا ہے۔ یہاں لڑائی مجھ سے پہلے نہ کسی کے لیے حلال تھی اور نہ آئندہ ہو گی۔ یہ دن کی چند گھڑیوں کے لیے مجھ پر حلال کی گئی ہے جو اس وقت گزر رہی ہے نہ یہاں کا کانٹا توڑا جائے نہ ٹہنی کاٹی جائے۔ الا یہ کہ کوئی حاجت مند گری پڑی لکڑی چن لے مقتول کے وارث کے لیے دو راستے ہیں یا تو اسے دیت دی جائے یا قصاص۔

تقریر کے اختتام پر اہل یمن میں سے ابوشاہ نام کے ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ میرے لیے یہ خطبہ لکھوا دیا جائے آپ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اکتبوا لابی شاہ ابوشاہ کولکھ کر دے دو۔

اسی طرح تاریخی لحاظ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہم عصر بادشاہوں اور امراء کو تبلیغی خطوط لکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عمال اور سپہ سالاروں کے لیے بھی ہدایات تحریر کراتے تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کرنے کے بعد مدینہ تشریف لائے تو مدنی ریاست کا نظم ونسق چلانے کے لیے میثاق مدینہ کے نام سے ایک دستور وضع کیا جو تحریر میں تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے ابتدائی دور میں مردم شماری کرائی۔ صحیح بخاری میں ہے اُكْتُبُوالِي من تلفظ بِالْإِسْلَامِ مِنَ النَّاسِ (مجھے ان لوگوں کے نام لکھ دو جنھوں نے اسلام کا اقرار کیا ہے۔ فَكَتَبْنَا لَهُ الفاوخمسين مائة رجل (کتاب ۵۶ باب ۱۸۱ حدیث ۱) ہم نے پندرہ سو آدمیوں کے نام لکھ دیئے۔ ترمذی میں حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی کہ وہ جو کچھ حضور سے سنتا ہے۔ اس کو بھول جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اِسْتَعِنْ بِيَمِينِكَ اَوْ مَا بِيَدِهِ الخط (ترمذی ۱۲:۲۹) اپنے ہاتھ کی مدد لینی چاہیے اور ہاتھ سے لکھنے کی طرف اشارہ کیا ایک اور روایت حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنتا تھا لکھ لیتا تھا تاکہ میں اس کو یاد رکھ سکوں۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ کی ایک اور روایت ہے کہ مجھ سے زیادہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو کوئی محفوظ نہیں رکھتا۔ سوائے عبداللہ بن عمرو کے کیونکہ وہ لکھ لیا کرتا تھا اور میں نہیں لکھتا تھا۔ (بخاری ۳۹:۳)

الغرض تاریخ اس بات پر شاہد ناطق ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وسنت کی ترویج اور تدوین کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا اور وفات کے بعد سلطنت اسلامیہ میں مختلف مراکز قائم ہو گئے تھے۔ جہاں اکابر صحابہ اقوال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اشاعت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اہم مراکز یہ تھے مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، مصر، یمن۔

صحابہ کے حدیث کے کتابی نسخے

۱۔ حضرت ابوہریرہ کا کتابی نسخہ: محدثین لکھتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ کی حدیثوں اور روایات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے ایک ذریعہ سے نہیں مختلف ذرائع سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ اپنی یادداشت کے لیے اپنی روایت کردہ حدیثوں کو کتابی شکل میں لے آتے تھے حافظ ابن عبد البر نے جامع میں ان کی اسی کتاب کے واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے مشہور صحابی عمرو بن امیہ ضمری کے صاحبزادے حسن بیان کرتے ہیں۔ میں نے ابوہریرہؓ کے سامنے ایک حدیث بیان کی انھوں نے انکار کر دیا۔ میں نے عرض کیا کہ اس حدیث کو میں نے آپ سے ہی سنا ہے انہوں نے فرمایا اگر تم نے مجھ سے حدیث سنی ہے تو پھر وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی۔ پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے کمرہ میں لے گئے اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثوں کی بہت سی کتابیں دکھائیں اس ذخیرہ میں وہ حدیث بھی پائی گئی حضرت ابوہریرہ نے اس کے بعد فرمایا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں نے اگر کوئی حدیث تم سے بیان کی تھی تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہے۔

حافظ ابن حجر نے بھی دوسری سند سے فتح الباری میں اس روایت کو درج کیا ہے اس سے صرف یہی نہیں معلوم ہوتا کہ ابوہریرہ کے پاس چند حدیثیں لکھی ہوئی تھیں بلکہ جو کچھ وہ روایت کرتے تھے کتابی شکل میں موجود تھا جب یہ معلوم ہوا کہ ان کی مرویات کی تعداد پانچ ہزار سے اوپر ہے تو کیا یہ بات واضح نہ ہو گئی کہ تمام مرویات حضرت ابوہریرہ کے پاس کتابی شکل میں موجود تھیں پھر ان کے شاگردوں نے اسی کتابی نسخہ سے مزید نسخے تیار کیے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کا صحیفہ صادقہ: حضرت عبداللہ بن عمرو کی مرویات کی تعداد حضرت ابوہریرہ سے زیادہ تھی جس کا اقرار حضرت ابوہریرہ نے خود کیا ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثوں کا بیان کرنے والا مجھ سے زیادہ کوئی نہیں البتہ عبداللہ بن عمرو بن العاص اس سے مستثنیٰ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے۔ محدثین میں

ان کی یہ کتاب ''صحیفہ صادقہ'' کے نام سے مشہور ہے اور اکثر کتابوں میں اس کا تذکرہ آتا ہے۔ یہ نسخہ ان کے خاندان میں ایک عرصے تک محفوظ رہا۔ چنانچہ ان کے پوتے عمرو بن شعیب، اسی کو ہاتھ میں رکھ کر روایت کرتے اور درس دیا کرتے تھے اور امام احمد بن حنبل نے اس صحیفہ کو اپنی مسند میں شامل کر کے محفوظ کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس تصنیف کا ذکر ابن منظور نے (لسان العرب مادہ ظہم) بھی کیا ہے (طبقات ابن سعد جلد چہارم حصہ دوم ص ۱۱)

۳۔ حضرت انس بن مالک کا تحریری نسخہ: ان کی حدیثوں کی تعداد ایک ہزار دو سو چھیاسی ہے دارمی میں ان سے یہ روایت منقول ہے کہ وہ اپنی اولاد سے جن کی بڑی تعداد تھی۔ فرمایا کرتے تھے یَابُنَیَّ قَیِّدُوا ھٰذَا الْعِلْمَ میرے بچو اس علم حدیث کو قلم بند کر لیا کرو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کی حدیثوں کا مجموعہ یقیناً لکھا جا چکا تھا۔ دارمی کی یہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ رَاَیْتُ اَبَانَ یَکْتُبُ عِنْدَ اَنَسٍ میں نے ابان کو دیکھا کہ حضرت انس کے پاس بیٹھے لکھ رہے تھے۔ مستدرک میں سعید بن ہلال کا بیان ہے ''جب ہم حضرت انس سے زیادہ پوچھ گچھ کرتے تو وہ اپنے پاس سے ایک چونگہ نکالتے اور فرماتے یہ ہیں وہ حدیثیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنیں اور ان کو لکھا اور لکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کر چکا ہوں۔ حضرت انسؓ نے نہ صرف حدیثوں کو کتابی شکل دی بلکہ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کر کے صحت کی توثیق بھی کروائی۔

۴۔ صحیفہ جابر بن عبداللہ: حضرت جابر بن عبداللہ کی مرویات کی تعداد جیسا کہ ابن جوزی نے تلقیح میں لکھا ہے ایک ہزار پانچ سو چھ ہے حضرت جابر کا مسجد نبوی میں حلقہ درس تھا۔ صحیح مسلم میں ان کی روایت درج ہے کہ حج کے متعلق انھوں نے ایک کتاب جمع کی اور ان کے شاگرد وہب بن منبہ ان کی حدیثوں کو قلمبند کیا کرتے تھے۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا تحریری نسخہ: حضرت عبداللہ بن عباس کی مرویات کی تعداد دو ہزار چھ سو ساٹھ ہے۔ مشہور آزاد کردہ غلام عکرمہ سے امام ترمذی نے اپنی کتاب ''العلل'' میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس کے پاس طائف کے کچھ لوگ آئے وہ ان کی کتابوں کو نقل کرنا چاہتے تھے چنانچہ ابن عباسؓ ان کو پڑھ کر املا کراتے گئے۔ دارمی، ابن سعد وغیرہ نے ان کے ایک شاگرد سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ ابن عباس جو املاء کراتے تھے اسے وہ لکھتے جاتے تھے۔ بعض وقت اثناء درس میں کاغذ ختم ہو جاتا تو وہ اپنے لباس پر ہتھیلی پر لکھ لیتے تھے۔ پھر گھر جا کر اس کو نقل کر لیتے۔

ابن سعد میں روایت ہے کہ ابن عباس کی وفات کے بعد جو انھوں نے علم چھوڑا وہ ایک بار شتر تھا۔ یہ کوئی وجہ نہیں کہ اس شتر بار میں حدیث کا تحریری مجموعہ نہ ہو۔

۶۔ عبداللہ بن عمر: ان کی حدیثوں کی تعداد ایک ہزار چھ سو تیس ہے، ان کے شاگرد خاص نافع کے متعلق دارمی میں یہ روایت ہے بلکہ طبقات ابن سعد میں بھی روایت ہے کہ سلیمان بن موسیٰ کا بیان ہے کہ انھوں نے ابن عمر کے موالی نافع کو دیکھا کہ لوگ ان کے ساتھ بیٹھ کر لکھ رہے ہیں۔ گویا ابن عمر کا علم خود ان کے شاگرد کے ذریعے قلمبند ہو چکا تھا۔

۷۔ وائل بن حجر کا تحریری نسخہ: وائل بن حجر حضر موت کے شہزادوں میں سے تھے۔ مدینہ آ کر مسلمان ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحیفہ لکھوا کر ان کے حوالے کیا جس میں نماز، روزہ، شراب و سود وغیرہ کے احکام تھے۔

۸۔ سمرہ بن جندب: ابن حجر نے تہذیب میں سمرہ بن جندب مشہور صحابی کے بیٹے سلیمان بن سمرہ کے متعلق لکھا ہے کہ رَوٰی عَنْ اَبِیْہِ نُسْخَةً کَبِیْرَةً (تہذیب جلد ۴ ص ۱۹۸) اپنے والد سے وہ ایک بڑا نسخہ روایت کرتے تھے۔

۹۔ سعد بن عبادہ کا صحیفہ: ترمذی نے کتاب الاحکام میں لکھا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کے پاس ایک صحیفہ تھا جس کے حوالے سے ان کے صاحبزادے بعض روایتیں بیان کیا کرتے تھے۔

۱۰۔ حضرت علی کا نسخہ: بخاری، ترمذی اور صحاح کی دوسری کتابوں میں حضرت علی کے ایک صحیفہ کا ذکر کیا جاتا ہے جسے وہ اپنی تلوار کے نیام میں رکھا کرتے تھے۔

۱۱۔ حضرت عبداللہ بن اوفیٰ " جو حدیثیں لکھا کرتے تھے معلوم ہوتا ہے وہ خط و کتابت کے ذریعے لوگوں تک پہنچاتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری سے ظاہر ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری باب لاتمنو القاء العدو، باب اذلم یقاتل اول النھار، باب الصبر عند القتال)

حضرت ابوبکر: حضرت ابوبکر نے بھی پانچ سو حدیثیں لکھی تھیں۔ پھر خود ہی آپ نے یہ سوچ کر جلا دیں کہ کہیں سہو سے کوئی غلط لفظ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو گیا ہو۔ چنانچہ الذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں قاسم بن محمد کی روایت سے تحریر شدہ احادیث کے جلانے کا واقعہ درج کیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱/۵ مطبوعہ دائرہ المعارف حیدر آباد دکن)

عہد تابعین کے تحریری نسخے

مختلف مراکز میں صحابہ کرام کے ذریعے اقوال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذخیرہ جمع ہو گیا جیسا کہ مذکورہ بالا صحابہ کرام کے صحائف سے ظاہر ہے کہ اقوال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احاطہ تحریر میں لایا جا چکا تھا۔ ان درس گاہوں سے ہزاروں محدث پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے اپنے علاقوں میں جا کر سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اشاعت کی۔

چند محدثین (تابعین) کے صحائف حسب ذیل ہیں۔

۱۔ صحیفہ ہمام بن منبہ

ہمام بن منبہ کا تعلق یمن سے تھا۔ حضرت ابوہریرہ کے شاگرد تھے۔ ہمام نے حضرت ابوہریرہ کی کچھ مرویات کو ایک صحیفہ میں جمع کر رکھا تھا تاریخ حدیث میں صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس میں کوئی ڈیڑھ سو کے لگ بھگ احادیث تھیں تقریباً تمام احادیث صحاح میں موجود ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے اس صحیفہ کی تمام احادیث کو روایت کیا ہے۔

صحیفہ بشیر بن نہیک

مشہور محدث تابعی ہیں انھوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کردہ احادیث لکھی ہیں۔ بصرہ کے قاریوں میں شمار ہوتا ہے۔ دارمی اور ابن سعد روایت کرتے ہیں کہ بشیر بن نہیک نے کہا کہ میں نے حضرت ابوہریرہ کی خدمت میں وہ کتاب لے کر حاضر ہوا جو میں نے ان سے لکھی تھی۔ میں نے وہ کتاب ان کے سامنے پڑھی اور عرض کیا یہ احادیث میں نے آپ سے سنی ہیں؟ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا۔ ہاں (طبقات ابن سعد ۷۔۲۲۳)

صحیفہ ابن الزناد

نام عبداللہ بن ذکوان تھا اہل مدینہ کے فقہاء میں شمار ہوتے تھے انھوں نے حضرت انس، سعید بن المسیب، ابان بن عثمان، خارجہ بن زید، عروہ بن زبیر اور اعرج سے حدیث روایت کی ہے اور حدیث لکھی۔ مدینہ کے مشہور فقہاء سبعہ ان کے شیوخ میں سے ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۷۴)

صحیفہ ابن عجلان

محمد بن عجلان مشہور تابعی تھے۔ نہایت ہی ثقہ راوی ہیں۔ ان کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا جس میں حضرت ابوہریرہ کی مرویات کو جمع کر رکھا تھا۔

زہری کے صحیفے

امام زہری نے بہت سے صحابہ کی مرویات کو قلمبند کیا تھا۔ صحابہ میں سے زہری نے حضرت انس بن مالک سہل بن سعد، رافع بن خدیج سے اکتساب علم کیا۔ امام مالک نے موطا میں حضرت انس بن مالک سہل بن سعد، رافع بن خدیج کی چند احادیث زہری کے توسط سے نقل کی ہیں۔

زہری رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو حاصل کرنے کے لیے اس دور کے جلیل القدر علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام لیث بن سعد کہتے ہیں ''میں نے کوئی ایسا عالم نہیں دیکھا جس میں زہری سے زیادہ جامعیت ہو۔ (حلیۃ الاولیاء ۳، ۳۶۱) لیث کہتے ہیں زہری خود فرمایا کرتے تھے ''حصول علم کی خاطر میری طرح کسی نے صبر نہ کیا ہوگا۔ نہ میری طرح کسی نے علم کی اشاعت کی ہوگی (حلیۃ الاولیاء ۳......۳۶۶) زہری کہتے ہیں میں نے ایک حدیث کی طلب میں تین روز تک سعید بن المسیب کے پیچھے پھرتا رہا۔ (حلیۃ الاولیاء ۳......۳۶۲) زہری کہتے ہیں میں ثعلبہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مجھ سے فرمانے لگے محسوس ہوتا ہے کہ تجھے علم سے بہت محبت ہے۔ میں نے عرض کیا۔ ہاں۔ وہ فرمانے لگے اس بزرگ سے علم حاصل کرو یعنی سعید بن المسیب سے چنانچہ میں سات برس تک ان کی خدمت میں رہا پھر وہ عروہ بن زبیر کے پاس چلا گیا۔ (حلیۃ الاولیا ۳......۳۶۶) بلاشبہ زہری پہلے شخص ہیں جنھوں نے حدیث کو اس کثرت سے لکھا کہ ان کے صحیفوں کی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔ طالبان کا ان کے پاس ہجوم رہتا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے۔ زہری سے علم حاصل کرو ان سے زیادہ سنت رسول کا کوئی عالم باقی نہیں رہا۔

(البدایہ والنہایہ ا......۳۴۳)

عروہ بن زبیر کے صحیفے

علماء تاریخ، حدیث کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ عروہ بن زبیر کے پاس بہت سی کتابیں تھیں جس میں احادیث نبوی اور صحابہ کرام کے فتاویٰ جمع کر رکھے تھے بلکہ واقدی کے مطابق تو عروہ بن زبیر پہلے شخص ہیں جنھوں نے سیرت و مغازی کی کتاب تصنیف کی۔

(الباعث الحثیث ص ۱۸۷)

ان کے پاس یہ صحیفے واقعہ حرہ تک موجود رہے حرہ کے روز انھوں نے اپنے یہ صحیفے جلا دیئے تھے ان صحیفوں کو جلا دینے کا انھیں عمر بھر افسوس رہا۔ ان کے صاحبزادے ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ عروہ بن زبیر اکثر کہا کرتے تھے۔ ان صحیفوں کا میرے پاس موجود ہونا میرے اہل و عیال سے زیادہ محبوب تھا۔ (طبقات ابن سعد ۵......۱۷۹)

ابوقلابہ کے صحیفے

ابوقلابہ عبداللہ بن زبید بصرہ کے رہنے والے تھے مشہور تابعی ہیں۔ انھوں نے حضرت انس کے علاوہ دیگر اصحاب حضرت ابوہریرہ، ثابت بن ضحاک، نعمان بن بشیر وغیرہ سے حدیث روایت کی ہے انھوں نے احادیث کو کئی صحیفوں میں مدون کر رکھا تھا اور احادیث کی کتابت کے لیے اہتمام کیا کرتے تھے وہ قضاء کے مسائل میں ماہر تھے ان کو بصرہ کا قاضی بنانے کی کوشش کی لیکن انکار کر دیا۔ ابوقلابہ نے اپنی وفات سے پہلے وصیت کی کہ اگر ایوب سختیانی زندہ ہوں تو ان کی کتابیں ایوب کے حوالے کر دی جائیں ورنہ جلا دی جائیں۔ (طبقات ابن سعد ۷:۱۸۵) چنانچہ ان کے تمام صحیفے ایوب کے حوالے کر دیئے گئے۔

صحیفہ سلیمان یشکری

سلیمان بن قیس یشکری بصری حضرت جابر بن عبداللہ کی صحبت میں رہے اور ان کی احادیث کو صحیفہ کی صورت میں مدون کیا۔ ممکن ہے کہ سلیمان نے یہ صحیفہ حضرت جابر کے صحیفے سے نقل کیا ہو ترمذی نے اس صحیفے کے بارے میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے سلیمان یشکری نے جابر بن عبداللہ کی احادیث کو ایک صحیفہ میں مدون کر رکھا تھا۔

صحیفہ ابی الزبیر مکی

ابوالزبیر مکی نے حضرت جابر بن عبداللہ سے حدیث سنی۔ ابوالزبیر محمد بن سلیم مکی حضرت جابر بن عبداللہ کے مشہور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں طالبین حدیث میں ان کا صحیفہ مشہور تھا اور بہت سے حفاظ نے اس صحیفے کو روایت کیا ہے۔ لیث بن سعد شہادت دیتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ گیا تو ابوالزبیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے مجھے دو کتابیں دیں۔ میں نے ان کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور اپنے دل میں کہا کہ کیا بہتر ہو اگر میں

دوبارہ ان سے پوچھ لوں کہ انھوں نے یہ تمام احادیث حضرت جابر سے سنی ہیں؟ چنانچہ ابوالزبیر نے کہا ان میں سے کچھ احادیث تو میں نے حضرت جابر سے سنی ہیں اور کچھ احادیث میرے پاس روایت کی گئی ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۹......۴۴۲)

صحیفہ عامر شعبی

ابوعمر عامر بن شرجیل شعبی ان چار علماء میں شمار ہوتے ہیں جو اپنے زمانے میں مرجع خلائق تھے۔ انھوں نے حضرت علیؓ سے حدیث سنی۔ حضرت علیؓ کے تلامذہ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر عبداللہ بن عمرو، عبداللہ بن زبیر جابر بن عبداللہ براء بن عازب انس بن مالک لقمان بن بشیر، سمرہ بن جندب اور دیگر بہت سے صحابہ سے حدیث روایت کی۔ روایات میں آتا ہے کہ جب شعبی نے وفات پائی تو ان کے ترکہ میں ایک کتاب ملی جو فرائض اور جراحات کے مسائل پر مشتمل تھی۔

صحیفہ خلاص بن عمرو

ابن سعد کہتے ہیں کہ خلاص بن عمرو قدیم الاسلام اور کثیرالحدیث ہیں انھوں نے حضرت علی اور عمار بن یاسر سے حدیث نقل کی ہے۔ ان کے پاس ایک صحیفہ تھا۔ جس میں وہ حدیث روایت کیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ۷......۱۴۹)

نیز امام بخاری کے قول کے مطابق خلاص بن عمرو نے حضرت ابوہریرہ اور ابورافع سے بھی حدیث روایت کی ہے۔

(مسند الامام احمد حدیث رقم ۲۵۱۶)

حسن بصری کے صحیفے

تاریخ تدوین میں حسن بصری کے صحیفے بہت شہرت رکھتے تھے۔ حسن بصری نے سمرہ بن جندب کے علاوہ ابوہریرہ ابن عمر، ابن عباس اور دیگر صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ حسن بصری بہت بڑے عالم سنت بلند پایہ فقیہ اور کثیرالعلم تابعی تھے۔ حسن بصری حدیث لکھا بھی کرتے تھے اور اپنے تلامذہ کو لکھوایا بھی کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی مرویات میں مدون کر رکھا تھا۔ ان کی وفات کے بعد کافی عرصہ تک ان صاحبزادے کے پاس موجود رہے حمید کہتے ہیں کہ حسن بصری کا تمام علم ایک صحیفہ میں جمع تھا۔

صحیفہ بہز بن حکیم

امام نووی سعید ابن الصلاح کہتے ہیں کہ بہز بن حکیم کے پاس معاویہ بن حیدہ قشیری کی مرویات کا خاصا بڑا اور نفیس نسخہ تھا۔ بہز بن حکیم کے دادا معاویہ بن حیدہ صحابی تھے اصحاب سنن نے بہز بن حکیم کی بعض مرویات کو نقل کیا ہے امام بخاری نے اپنی صحیح میں بہز بن حکیم کی دو روایت نقل کی ہیں۔

تبع التابعین کا دور

تابعین کے دور میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام ذخیرہ مختلف مراکز میں متفرق مسودات، کی شکل میں جمع ہو گیا۔ ان کی اشاعت ایک کتاب کی شکل میں نہ ہو سکتی تھی۔ تبع التابعین نے حدیث صحیح اور قابل اعتماد ہونے کی طرف توجہ دی اور یہ ضروری قرار دیا گیا کہ معتبر سلسلہ رواۃ سے حدیث کو کسی مشہور صحابی تک پہنچایا جائے اور ان تمام راویوں کے نام درجہ بدرجہ ظاہر کیے جائیں۔ جن کے واسطہ سے حدیث اس بیان کرنے والے تک پہنچی تھی لہٰذا تبع التابعین کی کتب میں پورا سلسلہ راویوں کا دیا جاتا تھا۔ اس دور میں سب سے پہلے جس محدث نے حدیث کی کتاب لکھی وہ امام عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریج جو ابن جریج (م ۱۵۰ھ) کے نام سے مشہور ہیں بعض کے نزدیک ربیع بن صبیح (م ۱۶۰ھ) نے سب سے پہلے حدیث کی کتاب لکھی ایک اور روایت کے مطابق سعید بن عروبہ (م ۱۵۶ھ) نے یہ تمام محدثین دوسری صدی کے نصف کے قریب قریب فوت ہوئے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احادیث کا لکھا جانا دوسری صدی کے نصف سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔ ان محدثین کے علاوہ جنھوں نے علم حدیث کی خدمت کی وہ حسب ذیل ہیں۔

مدینہ میں محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) امام مالک بن انس (م ۱۷۹ھ) کوفہ میں سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) شام میں اوزاعی (م ۱۵۶ھ) یمن میں معمر (م ۱۵۳ھ) خراسان میں عبداللہ بن المبارک (م ۱۸۱ھ) مصر میں لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ)

سنت نبوی کی حفاظت کا سنہری دور

اس دور میں علم حدیث کی تدوین پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی۔ اس دور میں دو قسم کے مجموعے مرتب ہوئے ایک مسند اور دوسرا جامع یا مصنف، مسند وہ مجموعے ہیں جن میں صحابی کے نام کے تحت احادیث لکھی گئیں جس پر حدیث کی سند کا دار و مدار تھا۔ اس قسم کی تصنیفات میں سب سے زیادہ مشہور کتاب مسند احمد بن حنبل ہے۔

جامع یا مصنف میں مضامین کے لحاظ سے احادیث کو ترتیب دیا گیا۔ ساتھ ساتھ ان میں تنقیدی پہلو بھی پایا جاتا ہے اہل سنت والجماعت کے نزدیک چھ معتبر جامع ہیں۔ ا۔ صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ) صحیح مسلم امام مسلم بن الحجاج القشیری نیشاپوری (م ۲۶۱ھ) سنن ابی داؤد (م ۲۷۵ھ) جامع ترمذی ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ) سنن ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ ابن ماجہ (م ۲۸۳ھ) ...... (م ۳۰۳)

مسلمانوں کے تمام مکتبہ فکر نے حفاظت سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنا اپنا کردار ادا کیا ہے۔ فرقہ شیعہ کے جید علماء نے بھی گراں بہا خدمات سرانجام دی ہیں۔ شیعہ فرقہ کی حسب ذیل اہم کتب احادیث ہیں۔

۱۔ الصحیح الکافی ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق ...... (م ۳۲۸ھ)
۲۔ من لایحضرہ الفقیہ ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی المعروف شیخ صدوق (م ۳۸۱ھ)
۳۔ تہذیب الاحکام ابوجعفر محمد بن الحسن بن علی طوسی (م ۴۶۰ھ) بعض کے نزدیک ۴۵۸ھ میں وفات پائی۔
۴۔ الاستبصار فیما اختلف من الاخبار ابوجعفر محمد بن حسن طوسی کی تالیف ہے۔

نتیجہ:

مذکورہ بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ پانچ ادوار، ا۔ عہد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲۔ دور صحابہ ۳۔ دور تابعین ۴۔ دور تبع تابعین ۵۔ دور صحاح ستہ وغیرہ پانچ ایسی کڑیاں ہیں ہر کڑی کا دوسری کڑی کے ساتھ اور دوسری کڑی کا تیسری کڑی کے ساتھ اور تیسری کڑی کا چوتھی کڑی کے ساتھ اور چوتھی کڑی کا پانچویں کڑی کے ساتھ ایک ایسا مضبوط تعلق اور رشتہ ہے اور ہر مرحلہ اپنے بعد کے آنے والے مرحلوں کے لیے سنت کی حفاظت کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ آخرکار پوری چھان پھٹک کے ساتھ سنت رسول کی حفاظت پر کتب احادیث منصۂ شہود پر آ گئیں۔ سنت کی حفاظت کی خصوصیت صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختص ہے۔ یہ حفاظت اپنے اندر تاریخ کا عظیم الشان کارنامہ لیے ہوئے ہے۔

(ج) علم اسماء الرجال

حفاظت سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خود ایک علمی اور تاریخی حیثیت مسلم ہے اس علم کے بطن سے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن معرض وجود میں آیا۔ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ یہ وہ علم ہے جس میں حدیث اور سیرت وغیرہ کے راویوں کے حالات زندگی کو تنقیدی زاویوں سے پرکھ کر ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے تاکہ جب کوئی روایت سامنے آئے تو دیکھ لیا جائے کہ کس پایہ کے راوی اس روایت کو بیان کر رہے ہیں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتنا وسیع اور اہم علم ہے۔ یہ کام تابعین کی زندگی میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ تیسری صدی ہجری میں علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ) نے کتاب العلل میں، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) نے کتاب العلل فی معرفۃ الرجال میں امام بخاری (م ۲۵۶ھ) نے تاریخ میں امام مسلم (م ۲۶۱ھ) نے مقدمہ صحیح مسلم میں، امام ترمذی (م ۲۷۹ھ) نے کتاب العلل میں رجال پر کام کیا۔ چوتھی صدی ہجری میں امام نسائی (م ۳۰۳ھ) نے کتاب الضعفاء والمتروکین، محمد بن احمد بن حماد الدولابی (م ۳۱۰ھ) نے کتاب الاسماء والکنی تصنیف کی۔ ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم

(م ۳۲۷ھ) نے کتاب الجرح والتعدیل لکھی۔ امام محمد بن حبان بستی (م ۳۵۴) نے کتاب الثقات اور کتاب المجروحین تالیف کی ہیں۔ ابو احمد علی بن عدی بن علی قطان نے الکامل فی ضعفاء الرجال لکھی۔ دارقطنی (م ۳۸۵ھ) نے اپنی تالیف کتاب العلل میں مفید معلومات بہم پہنچائیں۔ اس طرح پانچویں صدی میں ابو یوسف بن عمر بن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) نے الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق الاصبہانی (م ۴۳۰ھ) نے معرکۃ الراء کتاب معرفۃ الصحابہ لکھی۔ چھٹی صدی میں عبدالغنی مقدسی (م ۶۰۰ھ) نے الکمال فی اسماء الرجال لکھی۔ ساتویں صدی ہجری میں امام نووی (۶۷۶ھ) نے کتاب تہذیب الاسماء اللغات تالیف کی۔ ابن الاثیر (م ۶۳۴ھ) نے اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ لکھی۔ آٹھویں صدی میں حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے سیر اعلام النبلا اور تذکرۃ الحفاظ اور ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر (۷۷۴ھ) نے البدایۃ والنہایۃ میں اس موضوع پر قیمتی مواد جمع کیا ہے۔ نویں صدی ہجری میں حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ، تہذیب التہذیب اور تقریب التہذیب لکھیں۔ جرمن کے مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگ نے ابن حجر کی کتاب اصابہ فی معرفۃ الصحابہ کی تصحیح کی اور دیباچہ میں لکھا نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری ہے نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔

گیارھویں صدی ہجری میں محمد المحی نے ''خلاصۃ الاثر فی اعیان القرآن الحادی عشر تالیف کی اور بارھویں صدی ہجری میں ابوالفضل محمد خلیل بن علی المرادی (م ۱۲۰۶ھ) نے سلک الدار فی اعیان القرآن الثانی عشر لکھی۔

اہل تشیع کی کتب رجال

رجال البرقی، (ابوجعفر احمد بن محمد خالد (م ۲۷۴ھ یا ۲۸۰ھ) ۲۔ رجال الکشی (ابوعمر بن محمد بن عمر الکشی م ۳۲۸ھ) ۳۔ رجال طوسی (ابوجعفر طوسی م ۴۶۰ھ) ۴۔ فہرست الشیخ طوسی۔ ۵۔ رجال النجاشی (احمد بن عباس النجاشی الاسدی م ۴۵۰ھ)

(د) موعود اقوام عالم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی واحد اور یکتا شخصیت ہیں جس کا ذکر پہلی کتب سماوی میں پایا جاتا ہے۔ اس تاریخی موضوع پر علماء کرام نے بہت کچھ لکھا ہے۔ بہترین کتاب عبدالحق ودیارتھی مرحوم کی تصنیف میثاق النبیین ہے۔ راقم نے بھی اختصار کے ساتھ ''مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ'' میں ذکر کیا ہے۔ پھر اسی موضوع کو تکرار کے ساتھ ''سیرت سیدالبشر'' حصہ دوم کے پہلے باب میں کیا ہے۔

قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کا وعدہ تمام انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا ہے اور ہر نبی کے ذریعہ سے اس کی امت سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ تمھارے پاس ایک ایسا نبی آئے گا۔ جو پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرے گا۔ اس پر ایمان لانا ہوگا۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی صرف ایک نبی اور رسول ہیں جنھوں نے جہاں اپنے اوپر ایمان لانا اصول دین میں داخل کیا وہاں تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا جزو ایمان قرار دیا ارشاد الٰہی ہے۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ ''تمام ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کے رسولوں پر۔'' لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ''ہم رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی کا انکار کر دیں۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ان پر کتب نازل ہوئیں ان پر بھی ایمان لانا ضروری قرار دیا فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ''اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا۔''

اس کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی ایک ایسی ذات ہے جس نے یہ اعلان کیا کہ دنیا کی تمام اقوام کی طرف ہدایت کے لیے نبی بھیجے گئے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ''کوئی قوم ایسی نہیں جس نے کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔'' دوسری جگہ آتا ہے۔ لِكُلِّ اُمَّةٍ هَادٍ ''ہر امت کے لیے (کی ہدایت کے لیے) ہادی آئے۔''

پس جس طرح دنیا میں اور کوئی رسول نہیں کہ جس کے متعلق پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء علیہم السلام نے پیش گوئیاں کی ہوں اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا اور کوئی نبی نہیں جس نے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا اصول دین ٹھہرایا ہو۔ نیز وہ سب پیش گوئیوں کا مصداق اور سب کی صداقت گواہ ہو۔

تورات میں پیش گوئی

تورات کی کتاب استثناء باب ۱۸ آیات ۱۷ تا ۲۲ ملاحظہ کیجئے۔ ''میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے کہوں گا وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔'' لیکن وہ میرا نام لے کر کہے گا سنے گا۔ تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔ (استثناء باب ۱۸ آیات ۱۷ تا ۱۹)

یہ تورات کی پیش گوئی ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی پر چسپاں نہیں ہوسکتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو یہ بتا رہے ہیں کہ ان کے بھائیوں میں سے ایک نبی آئے گا۔ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل تھے۔ بنی اسرائیل حضرت اسحاق سے ہیں جبکہ بنی اسماعیل حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیل دونوں بھائی تھے۔

دوسری بات اس بشارت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ جو نبی برپا ہوگا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مانند ہوگا۔ وہ نبی ایک مستقبل شریعت لانے کے اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مانند ہوگا یہ خصوصیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی کیونکہ آپ سے پہلے بنی اسرائیل میں جو نبی آئے۔ وہ ایک مستقل شریعت کے حامل نہ تھے۔ بلکہ شریعت موسوی کے پیروکار تھے لیکن وقت کے تقاضوں کے ساتھ شریعت موسوی میں خدا سے حکم پا کر اضافے کرتے رہے۔ دوم بعض احکام وقتی طور پر منسوخ کرتے رہے دراصل ان کا سلسلہ موسوی سلسلہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایسی ذات ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ایک مستقل شریعت کے حامل تھے۔ سوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے جس نے مثیل موسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ جیسا کہ پیش گوئی کے الفاظ ہیں۔ ''ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا'' قرآن مجید میں آتا ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلاً شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلاً (المزمل) ''یعنی ہم نے تمہاری طرف ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ جیسا کہ فرعون کی طرف بھیجا۔''

پیشگوئی کے الفاظ ''تجھ سا'' اور قرآن کا لفظ کَمَا ''کی طرح'' پر غور کیجئے۔ تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ تورات کی پیش گوئی کے مصداق صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

دس ہزار قدسیوں والی پیش گوئی

خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔'' (استثناء ۳۳:۲)

سینا سے آنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہے۔ جو سینا سے نکلا۔ سعیر سے جس کے پاس بیت لحم اور ناصرہ ہے حضرت مسیح ظہور ہوئے۔

وہ کون سا فاران ہے جس میں سے خدا ظاہر ہوا جہاں سے حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد رسول نکلا۔ اس پر روشن شریعت نازل ہوئی۔

وہ کون سا دین ہے جو فاران سے نکلا تمام دنیا میں پھیل گیا وہ مکہ کی وادی غیر ذی زرع ہے۔ جہاں ایک امی نبی پر خدا کی آخری مقدس شریعت نازل ہوئی اور تمام دنیا میں پھیل گئی دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آنے والا ایک ہی انسان دنیا کی تاریخ میں ہے۔ یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دس ہزار مقدس انسانوں کے ساتھ فاتحانہ شان میں مکہ میں داخل ہوا۔

جناب یسعیاہ کی بشارت

قرآن مجید میں جس نبی کا نام الیسع ہے۔ بائبل عبری میں اس کا نام یسعیاہ ہے عبری نام کا ترجمہ ہے۔ (خداوند کی نجات)

دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح جناب یسعیاہ نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بشارت دی جس میں ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ ''عرب کی بابت الہامی کلام عرب کے صحرا میں تم رات کو کاٹو گے اے ددانیو کے قافلو پانی کے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو روٹی لے کر ہجرت کرنے والے کے ملنے کے لیے نکلو کیونکہ وے تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھینچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔ کیونکہ خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا ہنوز ایک برس ہاں مزدور کے سے ایک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیر اندازوں کے جو باقی بچے قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا'' (یسعیاہ ۲۱: ۱۳۔۱۷)

اول لفظ عرب پھر بھاگنے والا کا ذکر تاریخ عالم میں ایک ہی شخص بھاگنے والا ہے جس کا بھاگنا تاریخ میں ایک عظیم الشان واقع ہو گیا ہے وہ ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی ننگی تلوار کے سامنے سے بھاگنے والا ہے جبکہ کفار نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ دوم ہجرت کے ایک سال بعد کفار مکہ کو جنگ بدر میں شکست ہوئی اور ان کے سردار مارے گئے۔

انجیل یوحنا میں پیشگوئی

اب وہ پیشگوئی جو انجیل یوحنا میں مسلسل باب ۱۴ سے ۱۶ تک منقول ہے درج کی جاتی ہے۔

''اور میں باپ سے درخواست کروں گا۔ تو وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے۔ یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے۔ نہ جانتی ہے تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمھارے ساتھ رہتا ہے اور تمھارے اندر ہے۔ (۱۴: ۱۶۔۱۷)

میں نے یہ باتیں تمہارا ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔ وہی تمھیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمھیں یاد دلائے گا۔ (۱۴: ۲۵، ۲۶) ''اس کے بعد میں تم سے بہت باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔'' (۱۴: ۳۰) ''لیکن جب وہ مددگار آئے جس کو میں تمھارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے۔ تو وہ میری گواہی دے گا۔'' (۱۵: ۲۶)

''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لیے سود مند ہے کیونکہ میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔ (۱۶: ۷)

''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا۔ تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ وہ میرا جلال ظاہر کریگا۔ اس لیے مجھ ہی سے حاصل کر کے تمھیں خبریں دے گا۔ جو کچھ باپ کا ہے۔ وہ سب میرا ہے اس لیے میں نے کہا کہ وہ مجھ سے ہی حاصل کرتا ہے اور تمھیں خبر دے گا۔'' (۱۶: ۱۲۔۱۵)

مرقس انجیل میں: ''کیا تم نے یہ نوشتہ نہیں پڑھا کہ وہ پتھر جسے معماروں نے رد کیا وہ کونے کا سرا ہوا۔ یہ خدا کی طرف سے ہوا۔ اور ہماری نظروں میں عجیب ہے۔'' (مرقس ۱۲: ۱۰، ۱۱)

''جو اس پتھر پر گرے گا چور ہو جائے گا۔ پر جس پر وہ گریگا۔ اس سے پیس ڈالے گا۔'' (متی ۲۱: ۴۴، ۲۵)

''پھر وہ کیا ہے؟ جو لکھا ہے کہ وہ پتھر جسے راج گیروں نے رد کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔ ہر ایک جو اس پتھر پر گرے گا چور ہو گا۔ اور جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔'' (لوقا ۲۰: ۱۷، ۱۸)

اناجیل کی تمام آیات پر غور کیجئے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایک آنے والے نبی کی چند خصوصیات بیان کی جا رہی ہیں۔ ۱۔ دنیا کا سردار ہو گا۔ ۲۔ ابد تک رہے گا۔ ۳۔ سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا۔ ۴۔ وہ کونے کا پتھر ہو گا۔ ۵۔ جو اس پتھر پر گرے گا۔ چور ہو جائے گا۔

یہ تمام خصوصیات سوائے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی میں نہیں پائی جاتیں۔ قرآن مجید میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "سردار" خاتم النبیین کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ دوسری خصوصیت بیان ہوئی ہے۔ "وہ ابد تک رہے گا۔" ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود اور ان کی شریعت ابد تک رہے گی۔ کبھی منسوخ نہیں ہوگی۔ ۳۔ "سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا" اس فقرہ میں یہ بیان کیا گیا ہے جو وہ شریعت اور احکام لائے گا۔ وہ زندگی کے تمام شعبوں کے لیے راہنمائی کا سبب ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ هُدًى لِلنَّاسِ "کہ قرآن مجید لوگوں کی ہدایت ہے۔ یعنی قرآن مجید وہ مجموعہ احکامات ہے۔ جن پر انسان چل کر منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔" ۴۔ وہ کونے کا پتھر ہے۔" اس فقرہ میں اس تمثیل کا ذکر ہے۔ جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپ کو نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ قرار دیا ہے۔ کونے کا پتھر میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوگا۔ اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ۵۔ "جو اس پتھر پر گرے گا وہ چور ہو جائے گا" اس پیشگوئی میں یہ بیان کیا گیا ہے وہ شخص خدا کے دشمنوں پر غالب آ جائے گا۔ دشمن ابتر اور ناکام و نامراد رہیں گے۔ یہ پیش گوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے پوری ہوتی ہے۔ آپ ہی کی وہ ذات ہے۔ جس سے سچائی کے دشمنوں نے آپ کا مقابلہ کیا۔ آپ کو نیست و نابود کرنے کے منصوبے بنائے۔ لیکن ناکام و نامراد رہے۔ آخرکار فتح مکہ کے بعد تمام مخالف آپ کے سامنے اپنے کیے پر نادم کھڑے تھے۔ رحم کے خواستگار تھے۔

ابن جریر میں حضرت علی سے یہ روایت ہے۔ لَمْ يَبْعَثِ اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيًّا اٰدَمَ فَمِنْ بَعْدِهٖ اِلَّا اَخَذَهٗ عَلَيْهِ الْعَهْدَ فِىْ مُحَمَّدٍ "یعنی حضرت آدم سے لے کر آخر تک اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا۔ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق عہد نہ کیا ہو۔"[1]

(ھ) کامیاب ترین شخصیت

تاریخ عالم میں انبیاء علیہم السلام کے حالات زندگی کا مطالعہ کریں خواہ دیگر مصلحین اور قائدین کا جنھوں نے اپنی اپنی قوم میں ایک انقلاب اور تبدیلی لانے کی کوشش کی۔ کوئی نبی یا کوئی مصلح یا قائد اتنا کامیاب دکھائی نہیں دیتا جتنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامیابی کے حصول میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے جہاد کر کے فلسطین میں داخل ہونے کو کہا لیکن بنی اسرائیل نے جنگ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا۔ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ "سو تو جا اور تیرا رب اور دونوں لڑو ہم یہاں ہی بیٹھیں گے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کل بارہ حواری تھے۔ وہ بھی مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ گئے اور ان میں سے ایک بہشت کی کنجیوں کا وارث ملعون کہہ کر اپنے مخلص رب سے انکار کر جاتا ہے اور تیس روپے پر اپنے راست باز استاد کو پکڑوا دیتا ہے۔

لیکن جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کے ماننے والوں نے آپ کے لیے اور آپ کے پیغام کی اشاعت کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ آپ کا دفاع اپنے خون سے کیا۔ آخرکار اپنے مصاحبین کے تعاون سے مکہ میں فاتحانہ رنگ میں داخل ہوئے جہاں سے بے کسی کی حالت میں نکالے گئے تھے۔ پھر وہ بھی وقت آیا کہ تمام عرب آپ کے زیرنگین تھا۔ آپ کے جان نثار ساتھی بڑی بڑی قوتوں سے ٹکرانے لگے اور بڑی بڑی طاقتوں کی قوت کو پامال کرنے لگے۔

اسی طرح حضورؐ زندگی کے تمام شعبوں میں کامیاب ترین نظر آتے ہیں۔ روحانی شعبہ کی اصلاح میں کامیاب ہوئے۔ عربوں کو شرک کی دلدل سے نکال کر ایک خدا پر ایمان پیدا کیا۔ اخلاقی حالت پست تھی۔ وہ اخلاقی پستی میں گرے ہوئے اعلیٰ اخلاق کے مالک بن گئے۔ عرب ایک منتشر قوم تھی۔ ان میں اتحاد پیدا کر کے ایک باوقار اور ترقی یافتہ قوم بنا دیا اور وہ قانون اور ضوابط کے ماتحت زندگی گزارنے لگے۔ گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عربوں میں وہ انقلاب پیدا کیا۔ جس کی نظیر نہ آسمان نے دیکھی اور نہ زمین نے۔

---

[1] علماء نے اس موضوع پر بہت تحقیق کی ہے۔ تمام مذاہب کی کتب میں پائی جانے والی پیش گوئیاں طوالت کے خوف سے درج نہیں کی جا سکتیں۔ اس موضوع پر کامل اور بہترین کتاب میثاق النبیین مصنفہ عبدالحق ودیارتھی کی ہے۔ یہ کتاب اتنی تحقیق سے لکھی گئی ہے سینکڑوں سال تک اس میں کوئی مورخ اضافہ نہ کر سکے گا۔ افسوس یہ کتاب دست یاب نہیں ہے کسی ادارہ کو اس کا کوئی نسخہ مل جائے تو اس کو شائع کر دے۔ تو یہ دین کی خدمت ہوگی اور اس کا اجر خدا سے بھی پائے گا۔

چنانچہ انسائیکلو پیڈیا آف بری ٹینکا میں لفظ قرآن کی بحث کے نیچے یہ اعتراف کیا ہے کہ ''دنیا میں تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔''

سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں رقمطراز ہے۔ ''حضرت محمدؐ پیدا ہوئے اور سارا عرب ایک جدید اور روحانی مذہب کے رنگ میں رنگا گیا۔''

''اہل مدینہ ایک مدت سے یہودی صداقت کا غلغلہ سنتے چلے آتے تھے مگر وہ بھی خواب غفلت سے اس وقت بیدار ہوئے جب پیغمبر عربی کی روح افزا صدا ان کے کانوں میں گونجی جس سے یکا یک ان میں ایک نئی اور سرگرم زندگی پیدا ہوگئی۔ (میور)

''دنیا میں ایسی پراگندہ اور منتشر قوم کوئی نہ تھی کہ یکا یک ایک معجزہ ظاہر ہوا۔ ان میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا۔ جس نے اپنی شخصیت اور دعوی نبوت سے ناممکن کو ممکن کر دکھایا یعنی پشتوں کے دشمنوں کو گلے ملا دیا۔'' (انز اینڈ اولس آف سپاٹ)

لامارٹائن فرانس کے شہرہ آفاق مفکر ہیں انھوں نے اپنی کتاب Histoire De La Turquie میں لکھا ہے ''فلاسفر، مقرر، پیغمبر، قانون ساز، جرنیل، فاتح بیس دنیاوی اور ایک روحانی سلطنت کا بانی ہے یہ ہے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انسانی عظمت کو ناپنے والے جملہ معیاروں پر غور کرنے کے بعد ہم سوال کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ان سے بڑھ کر عظیم ہو سکتا ہے۔''

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک تاریخی انسان ہیں۔ آپ کی ہی وہ شخصیت ہے جس کا ذکر پہلی کتب میں بھی پایا جاتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کی تاریخ صفحہ قرطاس پر موجود ہے۔ یوم ولادت سے لے کر تادم وفات ایک ایک لمحہ ایک ایک واقعہ تحریر میں محفوظ ہے۔ اس لیے یہ کہنا بجا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کی تمام تاریخی شخصیتوں سے زیادہ تاریخی وقعت رکھتے ہیں۔ اسی خصوصیت اور امتیاز کی وجہ سے تمام انبیاء علیہم السلام پر برتری اور فضیلت رکھتے ہیں۔

۳۔ جامعیت

تِبۡیَانًا لِّكُلِّ شَیۡءٍ. (النحل ۱۶ : ۸۹)

جامعیت دراصل کاملیت کی ایک شکل ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کامل نبی ہیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمیع صفات کاملہ کے جامع ہیں۔ اسی طرح جب یہ کہا جاتا ہے کہ دین اسلام اکمل دین ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام اپنے اندر زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق کامل ہدایت اور تعلیم لیے ہوئے ہے۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ خاتم النبیین ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپ ایک ایسا دین لے کر آئے جس کے بعد کسی اور دین کی ضرورت نہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡكِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ (الانعام ۶:۳۸) ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی یعنی اس کتاب (قرآن) سے کوئی دینی اور مادی ضرورت باہر نہیں رہی بلکہ جمیع ضروریات انسانیہ اور معارف دینیہ پر مشتمل ہے۔ پھر ایک اور جگہ فرمایا۔ نَزَّلۡنَا عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّكُلِّ شَیۡءٍ (النحل ۱۶:۸۹) ہم نے یہ کتاب (قرآن) ہم نے تجھ پر اتاری ہے جو ہر چیز کو کھول کر بیان کر دینے والی ہے۔ یعنی جمیع علوم فریدہ کی جامع ہے اور تمام اصول دین اس میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ کتاب ھدی للناس کہلاتی ہے۔

پھر فرمایا۔ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِیۡهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ (البینہ ۹۸:۲،۳) اللہ کی طرف سے رسول جو پاک صحیفے پڑھتا ہے جس میں قائم رہنے والی کتابیں ہیں یعنی قرآن مجید میں پہلی کتب سماوی کی وہ تعلیم موجود ہے جو قائم اور دائم رکھنے کے لائق تھی۔ جامعیت کے دو پہلو ہیں۔ (۱) سیرت رسول۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ میں جامعیت یعنی انسانوں کے ہر طبقہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں نمونہ پایا جاتا ہے۔ آپ یتامیٰ کے لیے بھی نمونہ ہیں۔ غرباء کے لیے بھی۔ دولت کے لیے بھی۔ محکوموں کے لیے بھی۔ حاکموں اور بادشاہوں کے لیے بھی۔ سربراہ خاندان اور متاہل لوگوں کے لیے بھی۔ مجردوں کے لیے بھی سپہ سالاروں کے لیے بھی۔ معلمین کے لیے بھی، منصفین کے لیے بھی، تاجروں کے لیے بھی، ہمسایوں کے لیے بھی، دشمنوں کے لیے بھی اور دوستوں کے لیے بھی غرض کہ انسانوں کے ہر طبقہ کے لیے کامل نمونہ ہیں۔ اس کے علاوہ جامعیت کا دوسرا پہلو قرآنی تعلیمات ہے۔ قرآن مجید وہ اکمل کتاب ہے۔ جس میں زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق تعلیم پائی جاتی ہے۔ خواہ تعلق روحانی زندگی سے ہو یا مادی زندگی سے۔ تمام اصول اور قوانین اس کتاب میں بیان کر دیے گئے ہیں۔

اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات کے قریب مسلمانوں کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنی سنت۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن یعنی آپ کا خلق قرآن ہی ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر عمل قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق ہے۔ گویا قرآن مجید متن ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کردار اس کی تفسیر ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی گہرائی اور گیرائی یہاں تک تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوٹے سے چھوٹے امور تک آگاہ کر دیا یعنی طہارت، کھانے پینے، مجلس، گفتگو، ملاقات، چلنے پھرنے، سفر، سونے اور لباس پہننے کے آداب سکھا دیئے۔

اگر قرآن مجید میں تمام کتب سماوی کی تعلیمات کا خلاصہ اور عطر موجود ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ تمام انبیاء علیہم السلام کے مختلف اوصاف کا مجموعہ تھی۔ اسی لیے کسی شاعر نے کہا ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

۴۔ عملیت

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ (الصف ۶۱:۲) تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے۔

اسلام دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ قرآن اور سنت (عملی نمونہ) اگر قرآنی تعلیمات کے پیچھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی نمونہ نہ ہوتا تو قرآنی تعلیمات محض مواعیظ اور نصائح کا مجموعہ ہی ہوتا۔ لوگ اس سے کماحقہ فائدہ نہ اٹھا سکتے۔ مواعیظ اور نصائح اس وقت لوگوں کے لیے روشنی کا باعث بنتی ہیں جب ان مواعیظ اور نصائح کو لوگوں کے سامنے عملی نمونہ کی شکل میں پیش کیا جائے۔
دنیا میں بے شمار مواعیظ پر کتب دست یاب ہیں لیکن ان کے پیچھے کسی واعظ کا عملی نمونہ موجود نہیں ہے۔ سنسکرت میں ایک کتاب پنچ تنتر (پرندوں سے نصیحت) ہے۔ اس کتاب میں ملکی انتظام اور حسن مدنیت کا ذکر پرندوں، حیوانوں کی زبانی ہوا ہے۔ اپنے دور میں یہ کتاب راجکماروں کے نصاب تعلیم میں شامل تھی۔ جس میں نہایت ہی عمدگی کے ساتھ راجکماروں کو خصوصاً اور عوام کو عموماً نصائح دی گئی ہیں۔ یہ کتاب حکمت آموز ہے۔ اسی طرح دیگر مذاہب کی کتب بھی ہیں۔ نظری تعلیم کے ساتھ عملی تعلیم موجود نہیں۔ اگر نصائح کے ساتھ عملی نمونہ موجود نہ ہو تو نصائح اور مواعیظ موثر نہیں ہوتیں۔ تاریخ میں صرف ایک ہی دین ہے وہ ہے دین اسلام، جس میں نظری تعلیم کے ساتھ عملی نمونہ بھی موجود ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بھی تعلیم دی اس پر عمل بھی کیا اور وہی عمل (سنت) تواتر کے ساتھ ہر دور کی نسل تک منتقل ہوتا جا رہا ہے۔

نظری تعلیمات کے عملی نمونہ

یہ موضوع اپنے اندر وسیع دفاتر لیے ہوئے ہے جس کا بیان انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اس موضوع پر ہزاروں کتب لکھی جا چکی ہیں۔ جن میں اسلام کی نظری تعلیمات کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عملی نمونے پر تفصیلاً بحث ہے جہاں اختصار کے ساتھ اسلام کی نظری تعلیمات پر آپ کا عملی نمونہ تحریر کیا جاتا ہے۔
ہر نبی کی تعلیم کا محور اللہ تعالیٰ کی توحید ہوتا ہے۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا مرکزی نقطہ توحید تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرک کی تاریک شب میں توحید کا چراغ روشن کیا تو چاروں طرف سے اس چراغ کی روشنی کو بجھانے کے لیے مخالفت کی آندھیاں چل پڑیں اور مختلف تدابیر اختیار کی گئیں۔ ایک تدبیر یہ اختیار کی کہ ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب کے پاس بھیجا جائے کہ وہ جا کر کہے کہ اپنے بھتیجے کو بتوں کی مذمت کرنے سے منع کرے۔ چنانچہ وفد نے ابوطالب سے کہا کہ آپ اپنے بھتیجے کو بتوں کی مذمت کرنے سے منع کریں اب اگر وہ باز نہ آیا تو پھر تمام قبائل سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ چنانچہ ابوطالب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا کر وفد کا ایک ایک لفظ کہہ سنایا اور کہا کہ ہم اس قابل نہیں کہ ہم قوم کا مقابلہ کر سکیں اس وجہ سے مجھے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ابوطالب کے دل پر قوم کی دھمکی کا بہت اثر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے چچا! اگر آپ قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو بے شک میری معاونت سے دست کش ہو جائیں پھر فرمایا۔
یاعم واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک ھذا الامر حتی یظھر اللہ او اھلک فیہ ماترکتہٗ یعنی اے میرے چچا اگر کفار مکہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیں اور کہیں کہ اس کے عوض میں اس امر (پیغام توحید) کو چھوڑ دوں مجھے منظور نہ ہوگا۔ اگر مجھے اس راہ میں ہلاکت نظر آئے تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ کفار کی اس تہدید کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تو پھر مادی ترغیبات دیں۔ دولت بادشاہت اور حسین سے حسین عورت بطور بیوی دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن ان مادی ترغیبات کا بھی کوئی اثر نہ ہوا اور آپ پیغام

توحید کی اشاعت پر دن رات کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جسمانی اور ذہنی اذیتیں بھی اٹھانی پڑیں۔ یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی عزم عقیدہ توحید پر۔ حتیٰ کہ ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کے موقعہ پر توحید کے گھر بیت اللہ سے بتوں کو صاف کیا اور پیغام توحید کو عملی رنگ میں جامہ پہنایا۔

انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا دوسرا اہم پہلو عبادت الٰہی ہوتا ہے۔ خدا کے حکم سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختیار کیا اور عملی رنگ میں پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ سب سے پہلے مکہ میں مصائب کے آندھیوں میں بھی عبادت الٰہی میں مشغول رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی تو قباء میں قیام کے دوران سب سے پہلے یہ کام کیا کہ مسلمانوں کی عبادت کے لیے مسجد تعمیر کی۔ جب مدینہ میں گئے تو عبادت کے لیے مسجد کی بنیاد رکھی اور پنجگانہ نمازیں امامت کے ساتھ ادا کیں۔ صرف فرض نمازیں ہی ادا نہیں کیں بلکہ پانچ نمازوں کے ساتھ سنتیں اور نوافل بھی ادا کیے۔ ان پانچ نمازوں کے علاوہ نماز تہجد، نماز تراویح، نماز وتر، نماز چاشت، نماز تحیۃ المسجد، صلوۃ التسبیح، صلوٰۃ الاوابین نماز استخارہ، نماز حاجت، نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز استسقاء، نماز جنازہ، نماز کسوف وخسوف ادا کیں۔ یہاں تک عین میدان جنگ میں نماز سے غافل نہیں ہوئے۔

تہجد کی نماز میں لمبے قیام کی وجہ سے پاؤں متورم ہو جاتے تھے۔ جب حضرت عائشہ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہوئے ہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں اپنے آپ کو اس مشقت میں ڈالتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ یہ تھا آپ کا عملی نمونہ نمازوں میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اپنے پیروکاروں کو نماز ادا کرنے کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہوئے۔

دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی روزہ کو عبادت میں شامل نہ کیا۔ خدا کے حکم کے مطابق ماہ رمضان کو روزوں کا مہینہ قرار دیا۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفلی روزے بھی رکھا کرتے تھے چنانچہ عرفہ کا روزہ، محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ، ہر مہینے کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کا روزہ مسنون ہے۔ علاوہ ازیں شوال کا مہینے میں عید کے بعد چھ دن روزے رکھنا دوشنبے اور پنجشنبے کا روزہ، ذی الحجہ کے پہلے عشرے کے آٹھ دن کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ کو عبادت کا لازمی جزو قرار دیا اور اس کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ زکوٰۃ فرائض میں شامل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے جو کم سے کم بیان کی۔ وہ مقدار کبھی بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع نہ ہوئی بلکہ جو کچھ آتا اس کو خرچ کر دیتے۔ ایک شخص نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس اس وقت کچھ نہیں تم میرے نام پر قرض لے لو۔ میں اسے اتار دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا خدا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تکلیف نہیں دی کہ طاقت سے بڑھ کر کام کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے ایک انصاری نے پاس سے کہہ دیا یارسول اللہ! خوب داد و دہش کیجئے رب العرش مالک ہے عسرت کا کیا ڈر ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس پڑے روئے مبارک پر خوشی وانبساط کی لہر دوڑ گئی اور فرمایا ہاں مجھے بھی یہی حکم ملا ہے۔ (شفاء ص ۵۷ بحوالہ شمائل ترمذی)

ایک بار عصر کی نماز پڑھ کر خلاف معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے پھر فوراً نکل آئے۔ لوگوں کو تعجب ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ کو نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں ہے گمان ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے سونا گھر میں پڑا رہ جائے اس لیے اس کو خیرات کر دیا۔ (بخاری یفکر الرجل الشی فی الصلوٰۃ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل کے لیے کوئی چیز نہ اٹھا رکھتے تھے۔ (ترمذی)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ انا قاسم و خازن واللہ یعطی میں تو تقسیم کرنے والا اور خزانچی ہوں۔ اصل دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک راستہ سے گزر رہا تھا۔ راہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابوذر! اگر اُحد کا پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو میں پسند نہیں کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے۔ البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لیے رکھ لوں۔

بحرین سے ایک دفعہ خراج سے لدے ہوئے اونٹ آئے فرمایا کہ مسجد کے صحن میں ڈال دیا جائے اور اس پر نگاہ نہ ڈالی۔ صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے، نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا جب ختم ہو گیا تو دامن جھاڑ کر گھر تشریف لے گئے۔

ایک دفعہ فدک سے چار اونٹوں پر غلہ آیا۔ کچھ قرض تھا وہ ادا کر دیا گیا کچھ لوگوں کو دے دیا گیا۔ حضرت بلالؓ سے دریافت فرمایا کہ کوئی بچ تو نہیں گیا۔ عرض کی اب کوئی لینے والا نہیں اس لیے کچھ بچ گیا ہے۔ فرمایا جب تک دنیا کا یہ مال باقی ہے میں گھر نہیں جا سکتا چنانچہ رات مسجد میں ہی بسر کی۔ صبح کو حضرت بلالؓ نے آ کر خوش خبری سنائی کہ یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کا شکر ادا کیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داد و دہش کا دفتر اتنا وسیع ہے وہ سمیٹا ہی نہیں جا سکتا۔ چنانچہ مذکورہ چند واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حج

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبادات میں حج کو صاحب استطاعت اشخاص پر فرض کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود حج کیا اور لوگوں کو مناسک حج سکھائے۔ آج بھی وہی سنت رائج ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی نمونہ صرف عبادات میں ہی نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں یعنی عمرانیات، سیاسیات، اقتصادیات اور اخلاقیات میں قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق آپ کا عملی نمونہ موجود ہے۔ عمرانیات، سیاسیات اور اقتصادیات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عملی نمونہ کی روشنی میں باب ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بعض اہم پہلو'' مفصل بحث ہو چکی ہے۔ یہاں صرف چند اخلاق پر آپ کا عملی نمونہ بیان کیا جاتا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں اگر بیان نہ کروں تو قارئین کی روحانی تشنگی دور نہیں ہوگی۔ ویسے اس کتاب میں ''اخلاق نبوی'' کے باب میں مفصل بحث کی جا چکی ہے۔

ایثار

ایثار ایک اہم خلق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خلق کے مجسم عملی نمونہ تھے۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے ایک چادر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تحفتہً پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس چادر کی ضرورت تھی۔ ایک شخص نے چادر لینے کے لیے سوال کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتار کر اس کو دے دی۔ لوگوں نے ملامت کی اور کہا تم نہیں جانتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چادر کی ضرورت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی سائل کے سوال کو رد نہیں کیا پھر تم نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے جواب دیا ہاں میں یہ دونوں باتیں جانتا ہوں لیکن میں نے حصول برکت کی غرض سے کہا تھا میں وصیت کر جاؤں گا کہ مرنے کے بعد اس چادر کا مجھ کو کفن دیا جائے اور اس میں دفن کیا جائے۔ (بخاری)

حضرت فاطمہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت محبت تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے آتی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرط محبت سے کھڑے ہو جاتے تھے اور پیشانی پر بوسہ دیتے تھے۔ تاہم حضرت فاطمہؓ کی عسرت اور تنگ دستی کا یہ حال تھا کہ گھر میں کوئی خادمہ نہیں تھی۔ خود چکی پیستیں اور خود ہی پانی کی مشک بھر کر لاتیں۔ ایک دن بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں لیکن اپنی تکلیف بیان کرنے کی جرأت و ہمت نہ ہوئی۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے یہ حال بیان کیا اور درخواست کی کہ فلاں غزوہ سے جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک کنیز مل جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اصحاب صفہ کے لیے کوئی تسلی بخش انتظام نہیں ہو سکا۔ جب تک اس طرف سے اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک میں کسی طرف توجہ نہیں کر سکتا۔ (ابوداؤد)

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے کسی امر کے متعلق درخواست کی فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم کو دوں اور اہل صفہ کو اس حال پر چھوڑ دوں کہ وہ بھوکے رہیں۔ (مسند)

ایک روایت ہے کہ حضرت زبیر کی دو صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے افلاس

کی شکایت کی اور عرض کی کہ غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں ان میں سے ایک دو ہم کو مل جائیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے ہیں۔ (ابوداؤد)

یہ ہے وہ ایثار جس سے آپ متصف تھے آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ اور آپ کے داماد اور چچیرے بھائی حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کی صاحبزادیاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی عسرت بیان کرتی ہیں لیکن آپ پہلے دوسرے مسلمانوں کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنے عزیزوں کو کوئی چیز دینے کو تیار نہیں جب تک پہلے دوسرے ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کر لیا نہیں جاتا۔

عفو اور درگزر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عفو کی بے نظیر مثال فتح مکہ کے دن تھی۔ وہ دشمن جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر قسم کی تکلیف دی۔ معاشرتی مقاطعہ کر کے شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔ قتل کے منصوبے بنائے، شہر سے نکال دیا، آپ کے ساتھیوں کو شہید کیا۔ حتیٰ کہ جب ہجرت کر کے مدینہ چلے جاتے ہیں پھر بھی جنگوں کا سلسلہ جاری رکھا لیکن جب فتح مکہ کے دن مغلوب ہو کر سامنے آتے ہیں تو سراپا حلم وعفو انسان لاتثریب علیکم الیوم کہہ کر تمام خطاؤں کو معاف کر دیتے ہیں۔

شجاعت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام زندگی شجاعت کا مرقع ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی وجہ الکمال اس خلق سے متصف تھے۔ غزوہ حنین میں ہوازن کے تیر اندازوں کی تیر اندازی کی وجہ سے مسلمانوں کی کثیر التعداد فوج میدان سے بھاگ نکلی لیکن آپ مع چند جان نثاروں کے بدستور میدان کارزار میں ڈٹے رہے اور بلند آواز سے کہہ رہے تھے۔ ”میں خدا کا رسول ہوں خدا کا نبی ہوں اور عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔“ آپ ہی ہدف تیر اعدا تھے۔ لیکن پائے استقلال میں ذرا بھر لغزش نہ آئی۔

اسی طرح جنگ احد میں جب ساری فوج دشمن کے نرغہ میں آ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مصیبت کی گھڑی میں بھی اپنی جگہ پر قائم رہے اور فوج کو آواز دے کر اکٹھا کیا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم سب سے زیادہ بہادر تھے ایک مرتبہ خبر مشہور ہو گئی کہ دشمن مدینہ کی دیواروں تک پہنچ گیا ہے اہل مدینہ نے مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر تمام خطروں کے مقامات میں گشت لگا آئے۔ واپس آ کر لوگوں کو تسلی دی کہ کوئی خطرے کی بات نہیں۔ (بخاری)

غزوہ نجد سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا۔ جہاں دشمنوں کے جھنڈ تھے دوپہر کا وقت تھا۔ صحابہ درختوں کے سایہ میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک درخت کے نیچے تلوار لٹکا کر استراحت فرما تھے۔ چپکے سے ایک بدو آ نکلا۔ تلوار اتار کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے پر سوار ہو گیا اور کہا ”اے محمد! اب مجھ سے کون تم کو بچا سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطمینان سے کہتے ہیں! اللہ۔ یہ ہے شجاعت کی تابندہ مثال، دشمن کی گرفت میں ہیں لیکن بہادری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ اسی دلیری کا یہ اثر ہوا کہ دشمن کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کو اپنی گرفت میں لے لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔ اب بتاؤ تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے تو اس نے عاجزی کا اظہار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کچھ نہ کہا اور چھوڑ دیا۔

زہد و قناعت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ فرزند آدم کو ان چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں رہنے کو مکان، تن ڈھانکنے کے لیے ایک کپڑا اور پیٹ بھرنے کے لیے روکھی سوکھی روٹی اور پانی۔ (ترمذی)

آپ نے صرف زہد و قناعت کی تعلیم ہی نہیں دی بلکہ آپ اس وصف سے علیٰ وجہ الکمال متصف بھی تھے۔ آپ ایک سلطنت کے

سربراہ ہیں۔ مال و دولت سے لدے ہوئے اونٹ مدینہ آتے ہیں۔ضرورت سے زیادہ ازواج مطہرات کو نفقہ نہیں دیتے۔اس نفقہ میں سے بھی ضرورت مندوں کو دے دیتے۔ دو دو ماہ تک گھر میں آگ نہیں جلتی۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے حجرات کچی دیواروں اور کھجور کے پتوں اور اونٹوں کے بالوں سے تعمیر کیے ہوئے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود صاحب اقتدار ہونے کے مریضوں کی عیادت فرماتے۔ جنازوں میں شریک ہوتے۔ غلاموں کی دعوت قبول فرما لیتے۔ اپنی کفش کی مرمت خود ہی کر لیتے۔ کپڑوں پر پیوند خود ہی لگا لیتے اور گھر میں ازواج کے ساتھ مل کر فرائض خانگی ادا کر دیتے۔ (ترمذی)

ایک دفعہ ایک شخص کو صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے وہ خوف زدہ ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خوف مت کرو میں بادشاہ نہیں ہوں بلکہ قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے سامنے اپنے گھر سے نکلے وہ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عجمیوں کی طرح میری تعظیم کے لیے کھڑے مت ہو۔ (ابن ماجہ)

یہ ایک لمبا موضوع ہے صرف نمونہ کے لیے چند اخلاق کا عملی نمونہ پیش کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہیں۔ یہی وہ برتری اور فضیلت ہے جو کسی مذہب کو حاصل نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محبت کا پیغام دیا لیکن تاریخ میں آپ کی محبت کا عملی نمونہ نہیں ملتا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلانے کے لیے شجاعت کی تعلیم دی لیکن نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی سے دلیری کی مثالیں ملتی ہیں۔ نہ ان کی قوم بنی اسرائیل کی تاریخ سے۔ لہٰذا نظری تعلیمات کے ساتھ عملی نمونہ صرف اسلام میں پایا جاتا ہے۔

۵۔ کاملیت

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (المائدہ ۵:۳)

(دلیل اوّل تکمیل دین)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل جتنے بھی انبیاء علیہم السلام آئے۔ وہ اپنی اپنی قوم کے لیے مخصوص شریعت لائے۔ جو برائیاں اس قوم میں تھیں ان کو دور کرنے کے لیے احکام لائے۔ کوئی قوم غلام تھی اس کی غلامی کی زنجیروں کو کاٹنے کے لیے نبی بھیجا گیا۔ کسی قوم میں ہم جنس مباشرت کا مرض تھی۔ اس مرض کو دور کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ کسی قوم میں معاشی اور اقتصادی برائیاں تھیں۔ لیکن دین کے اصولوں کو پس پشت ڈال رکھا تھا۔ اس کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا۔ غرض کہ تاریخ دنیا کی ہر قوم کی برائیوں پر روشنی ڈالتی ہے اور قرآن مجید نے بھی ہر قوم کی برائیوں کا ذکر کیا ہے۔ تمام نبی اپنی اس قوم کی برائی کی اصلاح کے لیے آتے رہے۔

دوم ذہنی طور پر انسان اس قابل نہیں تھا کہ وہ شریعت کی باریکیوں کو سمجھ سکے۔ سوم اقوام عالم کا ایک دوسرے سے میل ملاپ بھی نہیں تھا۔

جب دنیا مجموعی طور پر ہر قسم کی برائیوں سے بھر گئی۔ خدا کی محبت جوش میں آئی تو اصلاح عالم کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا۔ اس وقت دنیا ذہنی بلوغت کی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ وہ شرعی احکام کی باریکیوں کو سمجھ سکے۔ اور تمام ممالک کے راستے ایک دوسرے کے لیے کھل گئے تھے۔ معمورہ دنیا کے تمام ممالک میں لوگوں کا باہمی ملاپ شروع ہو چکا تھا۔ لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل کرنا شروع کیا تقریباً تئیس سال تک ضرورت کے مطابق وحی نازل ہوتی رہی۔ عرفات کے میدان میں حجۃ الوداع کے موقع پر آیت تکمیل دین نازل ہوئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ ۵:۳) ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور اسلام کو بطور دین میں نے پسند کیا ہے۔''

قرآن مجید کے نظریہ کے مطابق اسلام کی عمارت عہد بعہد دنیا کی عمر کے ساتھ مختلف انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں مکمل ہوتی رہی یہاں تک کہ یہ عمارت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پایہ تکمیل تک پہنچ گئی۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ ''میری اور دوسرے انبیاء کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی لوگ اس کے اندر جاتے اور اس کو دیکھ کر حیران رہ جاتے لیکن دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے۔ تو میں وہ آخری اینٹ ہوں۔'' (صحیح بخاری ومسلم وترمذی باب خاتم النبیین)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کو عمارت کے ساتھ تشبیہ دے کر یہ بلیغ اشارہ فرمایا ہے کہ ہر نبی کا وجود ایک ایک اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس دین کی تکمیل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود اقدس آخری اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ پر جو کتاب نازل ہوئی اس میں زندگی کے تمام مسائل کا حل بیان کر دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ مَافَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ''ہم نے کتاب (قرآن مجید) میں بیان کرنے سے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔''

دوسری جگہ آتا ہے۔ فِیْهَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ (البینہ ۹۰:۳) ''اس میں قائم رکھنے والی کتابیں ہیں یعنی اس میں تمام کامل صداقتیں اور علوم اولین وآخرین درج ہیں۔''

دوسری جگہ فرمایا۔ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ ''یعنی ہم نے تم پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے۔ جو زندگی کے جملہ شعبہ

جات کو واضح کرنے والی ہے۔"

۱۔ روحانی شعبہ۔ ۲۔ اخلاقی شعبہ۔ ۳۔ عائلی شعبہ۔ معاشرتی شعبہ۔ ۵۔ معاشی شعبہ۔ ۶۔ سیاسی شعبہ۔ ۷۔ قانونی شعبہ۔

متذکرۃ الصدر عنوانات پر اس کتاب کے ابواب اخلاق نبوی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بعض اہم پہلو میں بحث کی گئی ہے۔ دوم انہی موضوعات پر سیرت سید البشر کے حصہ دوم میں تفصیلاً بحث ہے۔

قرآن مجید نے وہ تمام امور جن پر زندگی کا دار و مدار ہے بحث کی ہے۔ زندگی کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں۔ جس کی قرآن مجید راہنمائی نہ کرتا ہو۔

دلیل ثانی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامل نمونہ

انسان بالطبع نمونہ کا محتاج ہے اور انسان بغیر نمونہ کے کوئی کام نہیں کر سکتا انسان کے لیے وہی ہستی نمونہ بن سکتی ہے۔ جو اپنی ذات میں اکمل ہو اور اس کی زندگی ہر عیب سے مبرا ہو۔ اگر کوئی ذات اکمل اور افضل نہیں اور ہر قسم کے گناہوں کے دھبوں سے پاک صاف نہیں وہ انسانوں کے لیے قابل تقلید نہیں ہو سکتا۔ اس مسلمہ اصول کے بعد ہم اس دنیا میں کامل نمونہ کے طور پر صرف ایک ذات کو پیش کر سکتے ہیں اور وہ ذات صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ وہی ایک ایسی ذات ہے۔ جو تمام اوصاف کاملہ کی جامع ہے اور آپ کی ذات زندگی کے ہر قسم کے حالات سے دوچار ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ۳۳:۲۱) "تمھارے لیے اللہ کے رسول کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔"

جب ہم دنیا میں ایسے شخص کی تلاش کرتے ہیں جس پر زندگی کے ہر قسم کے حالات وارد ہوئے ہوں تو صرف ایک ہی ذات نظر آئے گی۔ وہ ذات مقدسہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اس معیار کے مطابق جب ہم وید کے چار رشیوں کو لیتے ہیں۔ تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ زندگی کے بے شمار حالات سے روشناس نہیں ہوئے ہندو بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ انھیں اپنے رشیوں کے حالات کا قطعاً کوئی علم نہیں اس طرح جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو زندگی کے بعض ایسے حالات نظر آتے ہیں جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوچار نہیں ہوئے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام غریب تو تھے۔ مگر امیری کی حالت ان پر نہیں آئی۔ اس طرح حضرت عیسیٰ رومیوں کے محکوم تو تھے مگر خود حاکم اور بادشاہ نہیں ہوئے اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کسی قوم سے جنگ نہیں لڑی۔ اسی طرح تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے شادی کی ہو۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام امیروں کے لیۓ بادشاہوں کے لیۓ سپہ سالاروں کے لیۓ شادی شدہ لوگوں کے لیے نمونہ نہیں بن سکتے اسی طرح اور بھی ایسے حالات ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام پر وارد نہیں ہوتے اس لیے وہ ان حالات کے لیے لوگوں کے لیے نمونہ نہیں بن سکتے۔ اسی طرح دنیا کے تمام پیشواؤں کی زندگیوں کا مطالعہ کر لیجئے تو ان کی زندگیاں کئی قسم کے حالات سے خالی ہوں گی۔ اس لیے وہ انسانوں کے لیے نمونہ نہیں بن سکتے جن پر وہ حالات وارد نہیں ہوئے ہیں۔

یتامیٰ کے لیے نمونہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتامیٰ کے لیے نمونہ ہیں کیونکہ آپ نے یتیمی کی حالت میں بھی زندگی کے دن گزارے۔

غرباء کے لیے نمونہ

غرباء کے لیے بھی کامل نمونہ ہیں۔ آپ غریب تھے اور غریب بھی ایسے کہ جس کا کوئی گزارہ نہ ہو۔ دادا فوت ہو چکے ہیں۔ چچا گو نہایت معزز ہے مگر جتنا معزز ہے۔ اتنا ہی غریب اور کثیر العیال بھی ہے۔ اپنا گزارہ بھی نہیں کر سکتا۔ آپ نے اپنے چچا کے ساتھ غربت کے دن بھی گزارے اور غربت کے بدنما دھبے اپنی ذات پر نہیں آنے دیئے۔ ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود مزدوری کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جب تمام عرب آپ کے زیر نگین آ جاتا ہے۔ تو اس وقت بھی فخر سے کہتے ہیں۔ لَقَدْ رَعَيْتُ لِاَهْلِ مَكَّةَ عَلٰى قَرَارِيْطَ" کہ میں ـــ چند قراریط (پیسوں) کے عوض مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اور سب غرباء اور مساکین کو تلقین کرتے ہیں کہ سب سے افضل کھانا وہ ہے جو

اپنے ہاتھ کی کمائی کا ہو فرمایا کہ حضرت داؤد نبی بھی اپنے ہاتھ کی محنت کی کمائی سے کھاتے تھے۔ پھر اپنی امت کو یہ دعا سکھاتے ہیں۔ "الٰہی مجھے سستی سے نکما رہنے سے اور بے کار رہنے سے بچا۔" پھر ایک غریب شخص کو بلا کر کہتے ہیں کہ یہ کلہاڑی لے اور جنگل میں جا اور لکڑیاں کاٹ کر پیٹھ پر لاد کر شہر لے جا اور بیچ خبردار کسی سے کچھ نہیں مانگنا۔"

دولت مندوں کے لیے نمونہ

ایک وقت وہ آیا کہ جب آپ دولت مند ہو گئے جیسا کہ قرآن مجید خود کہتا ہے۔ فَاَغْنٰی "یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنی کر دیا۔ آپ دنیا کے تمام دولت مندوں کے لیے کامل نمونہ اور اسوۂ حسنہ ہیں آپ فتح مکہ کے بعد اتنے امیر ہو گئے کہ ایک دن میں ہزاروں غلام لونڈیاں آزاد کر دیتے اونٹ' بھیڑ' بکریاں دینے پر آتے تو ایک ایک شخص کو سو سو اونٹ بخش دیتے اتنا خرچ کرتے کہ مکہ کے تجربہ کار معمر اور جہاندیدہ روساء کہتے ہیں کہ محمد تو اس طرح خرچ کرتا ہے کہ جس طرح اسے خزانہ میں کمی کا ڈر ہی نہیں۔ یہ خرچ تعیش اور اپنے آرام پر نہیں بلکہ دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے ہوتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دولت خدا کی امانت ہے جسے ملے وہ خود بھی بے شک اپنی ذات پر خرچ کرے اولاد پر خرچ کرے اپنے عزیز و اقارب پر خرچ کرے مگر اپنی قوم کے غرباء مساکین اور حاجت مندوں کی فلاح پر خرچ کرے قرضوں کے نیچے دبے ہوؤں کی مدد کرے۔

محکوموں کے لیے نمونہ

تیرہ سال مکہ والوں کے محکوم رہے لیکن صبر اور استقلال کے ساتھ دن گزارے لیکن جب ظلم کی انتہا ہو گئی تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ ہجرت کر لی۔

حاکموں اور بادشاہوں کے لیے نمونہ

محکومیت کے بعد ایک وقت ایسا آیا کہ جب آپ ایک سلطنت کے سربراہ بن گئے اور دنیا کے تمام سربراہ آپ کی ذات سے نمونہ حاصل کر سکتے ہیں۔ جب ایک حکومت کے سربراہ ہوئے۔ تو آپ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں کی خدمت کے لیے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ (:) "یعنی جسے اللہ تعالیٰ سردار بنا دے تو وہ سمجھے کہ وہ تمام قوم کا خادم ہے۔ سربراہ ہوتے ہوئے ایک عام انسان جیسی زندگی گزاری اور آپ کی زندگیوں میں کہیں ثروت اور عیش پسندوں کے نشان نظر نہیں آتے۔ حکومت کا خزانہ اپنے لیے نہیں بلکہ عوام کے آرام کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

متاہل لوگوں کے لیے نمونہ

سلطنت کے کاموں کی وجہ سے اپنے خانگی فرائض کو ضائع نہیں کرتے ہر بیوی کے گھر میں باری باری شب باش ہوتے اور ان سے بہترین سلوک کرتے۔ آپ فرماتے ہیں تم میں سے سب سے بہترین وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے اور میں تم میں سب سے اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہوں۔

مجردوں کے لیے نمونہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچیس سال تک کنوارے اور متجرد رہے مگر نہایت عفیف اور پاک دامن کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ تجرد کی زندگی میں دنیاوی کام کاج کے علاوہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔

سپہ سالاروں کے لیے نمونہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ اور معاملات جنگ کی کوئی باقاعدہ تعلیم و تربیت حاصل نہیں کی تھی لیکن جب آپ کو میدان جنگ میں اپنی فوج کی قیادت کرنا پڑی۔ تو آپ نے ایک ماہر جنگ سپہ سالار کی بھرپور صلاحیتوں کا ثبوت فراہم کیا۔ آپ نے جنگ کے دوران

لوٹ مار، قتل و غارت کی بدرسوم کا خاتمہ کیا۔ غلبہ کی شکل میں انسان دوستی کا ثبوت دیا۔ جنگ کو توسیع مملکت کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ امن قائم کرنے اور استحصالی قوتوں کو زیر کرنے کا ذریعہ بنایا۔

معلمین کے لیے نمونہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلم انسانیت ہیں۔ خود فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ''مجھے معلم بنا کر بھیجا ہے۔'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے پتہ چلتا ہے۔ آپ ہمیشہ علم اور معلم کی قدر کرتے تھے۔ آپ نے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کو لازمی قرار دیا آپ کے طریقہ تعلیم میں محبت، اخوت، مساوات اور ہمدردی کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

منصفین کے لیے کامل نمونہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات منصفین اور ججوں کے لیے نمونہ ہے۔ زندگی کے کسی موڑ پر بھی آپ نے انصاف کے دامن کو نہیں چھوڑا بلکہ فرمایا۔ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (الشوریٰ) ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ''اللہ کی حدیں (قانون) بلاتمیز دور ونزدیک پر جاری کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی پیروی نہ کرو۔''

والدین کے لیے نمونہ

آپ صاحب اولاد تھے۔ آپ نے بچوں کی تربیت اور نگرانی فرمائی شفقت اور محبت سے پیش آتے اور ان کی صحت جسمانی و روحانی کا خیال رکھا وہ ایک ایسا تفصیلی پروگرام ہے اگر اس پر عمل کیا جائے تو اولاد نہیں بگڑتی اور نہ جادۂ صواب سے ہٹتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ''ایک آدمی کا اپنی اولاد کو ادب دینا ایک صاع خیرات کرنے سے بہتر ہے۔'' اپنی اولاد سے بہت محبت اور شفقت سے پیش آتے۔

تاجروں کے لیے نمونہ

تجارت معیشت کا ایک اہم اور ضروری جزو ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کے لیے کامل نمونہ ہیں جو اس پیشے سے منسلک ہیں۔ آپ نے حضرت خدیجہ کے مال سے تجارت کی۔ آپ کی دیانت داری کو دیکھ کر ہی حضرت خدیجہؓ نے آپ سے شادی کر لی۔ آپ نے ناجائز ذرائع سے حصول دولت کی سخت مذمت کی۔ ارشاد الٰہی ہے۔ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ''اپنے مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔''

ہمسایوں کے لیے کامل نمونہ

ہمسایہ معاشرہ کا ایک اہم حصہ ہے۔ ہمسایہ کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ایک کامل نمونہ ہے فرمایا ''اگر تم کامل مومن بننا چاہتے ہو تو ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔''

رشتہ داروں کے لیے نمونہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات رشتے داروں کے لیے کامل نمونہ ہے آپ فرماتے ہیں لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ ''یعنی رشتے داروں سے تعلق توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

فرمایا۔ ''جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت پیدا ہو۔ تو اس کو صلہ رحمی کرنا چاہیے۔''

اولاد کے لیے نمونہ

گو آپ کی پیدائش سے قبل آپ کے والد ماجد وفات پا گئے۔ آپ کی عمر چھ سال کی تھی آپ کی والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ دو سال بعد دادا عبدالمطلب بھی وفات پا گئے البتہ آپ کے رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ رضاعی باپ حارث بن عبدالعزیٰ آپ کی بعثت کے بعد ایک

عرصہ تک بقید حیات رہے آپ نے ان کی خوب خدمت کی۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ''اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔''

دشمنوں کے لیے نمونہ

دنیا میں کوئی ہی ایسا شخص ہوگا جس کا کوئی دشمن یا مخالف نہ ہو۔ آپ ان لوگوں کے لیے بھی نمونہ ہیں۔ دشمنوں سے درگزر کرنے کی سب سے بڑی مثال فتح مکہ ہے جب آپ کے تمام دشمن آپ کے سامنے کھڑے ہیں۔ تو آپ ان کو معاف کر دیتے ہیں اور کسی قسم کی گرفت نہیں کرتے۔

دلیل ثالث۔ خاتم النبیین (نبوت کے تمام مدارج کے لحاظ سے کامل)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین کیوں قرار دیا اور سلسلہ نبوت کیوں مسدود کیا۔ قرآن مجید اور تاریخ عالم اس بات پر شاہد ہیں کہ ابتدائے افرینش سے سلسلہ نبوت جاری ہوا۔ زمانہ کی ضرورت کے مطابق احکام الٰہی نازل ہوتے رہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (البقرہ ۲:۲۱۲)

''اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھیجا خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے وران کے ساتھ کتاب (احکام الٰہی) اتاری لوگوں کی ان باتوں کا فیصلہ کریں جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے۔''

دوسری جگہ آتا ہے۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ''پھر ہم اپنے رسول پے در پے بھیجے۔'' ایک اور جگہ آتا ہے۔ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ''اور اس کے بعد ہم نے اپنے رسول بھیجے۔'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل جو سلسلہ انبیاء علیہم السلام جاری تھا۔ دراصل وہ احکام الٰہی کی تکمیل کا ایک ذریعے تھا اور شریعت محمدی کا ہی ایک حصہ تھا۔ جب انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی جو غرض تھی وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس اور مطہر ذات میں اپنے کمال کو پہنچ کر پوری ہوگئی۔ تب احکام الٰہی کی تکمیل ہوگئی۔ تو اس کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت بھی باقی نہ رہی۔

گویا انبیاء علیہم السلام صرف احکام الٰہی لانے کے لیے مامور تھے۔ جب احکام الٰہی پایہ تکمیل کو پہنچ گئے تو نبوت کی ضرورت خود بخود ختم ہو جاتی ہے چونکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر احکام الٰہی پایہ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں جیسا کہ تکمیل دین کے ذیلی عنوان میں بتایا جا چکا ہے اس لیے سلسلہ نبوت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوگیا۔ اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین کہا گیا ہے یعنی آپ پر کمالات نبوت ختم ہیں اور آپ مجمع جمیع کمالات انبیاء ہیں نبوت کا کوئی درجہ اور کوئی مقام ایسا نہیں جو کسی نبی کو ملا ہو لیکن آپ کو حاصل نہ ہوا ہو۔ اس لیے اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب ۳۳:۴۰) ''محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تشریح مختلف پرایوں میں کی ہے فرمایا۔ اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ (ترمذی کتاب الرویا) ''رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے۔ سو میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا نہ کوئی نبی۔''

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُوْا اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ وَاِنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُوْنَ الخ (بخاری کتاب الانبیاء باب ذکر عن بنی اسرائیل)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی اصلاح کی نگرانی انبیاء کرتے تھے۔ جب ایک نبی گزر جاتا تو اس کے پیچھے دوسرا نبی آجاتا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور خلیفے ہوں گے اور بہت زیادہ ہوں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَوَّلُ الْاَنْبِيَاءِ اٰدَمُ وَاٰخِرُهُمْ مُحَمَّدٌ (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۲۰) ''تمام انبیاء میں سے

پہلے آدم تھے اور سب سے آخر میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔"

پھر فرمایا اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ آخِرُ الْاُمَمِ (سنن ابن ماجه باب فتنة الدجال)۔

"میں آخر الانبیاء ہوں اور تم سب سے آخری امت ہو۔"

فرمایا۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاَبَاکُمْ وَاحِدٌ وَدِیْنَکُمْ وَاحِدٌ وَنَبِیَّکُمْ وَاحِدٌ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (کنز العمال)

"اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے تمہارا دین ایک ہے اور تمہارا نبی ایک ہے اور میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔"

قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ وہ ذیل کے اسباب ہیں جن کے پیدا ہونے سے اہل دنیا کو نبی کی ضرورت پڑتی تھی۔

ا۔ جب کہ خدا تعالیٰ کی کتاب دنیا سے بالکل مفقود اور ناپید ہو جائے۔ ۲۔ جب کہ خدا تعالیٰ کی کتاب محرف و مبدل ہو جائے۔ ۳۔ جب احکام الٰہی میں سے کوئی حکم کسی قوم یا زمانہ سے مخصوص ہونے کی وجہ سے قابل تنسیخ ہو۔ یا ابھی کوئی نیا حکم آنا ہو۔ ۴۔ جب کہ الگ الگ امتوں اور الگ ملکوں کے لیے علیحدہ علیحدہ نبی آ گئے ہوں اور ساری دنیا کے لیے ابھی کوئی نبی نہ آیا ہو۔ ۵۔ جب کہ شریعت مکمل نہ ہوئی ہو اور ابھی اس کی تکمیل ہونی ہو۔ ۶۔ جب کہ کتاب اللہ کے ساتھ ہمیشہ تک محفوظ رہنے کا خدا تعالیٰ کا وعدہ نہ ہوا ہو۔ ۷۔ نبی کا روحانی فیض بند ہو جائے۔

یہ ہیں وہ اسباب جن کی وجہ سے انبیاء کے آنے کی ضرورت رہتی تھی چونکہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ سب امور مکمل ہو چکے ان میں سے کسی ایک امر کی بھی کمی نہیں رہی۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

دلیل چہارم: محفوظ کتاب

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ کسی نبی کا صحیفہ محفوظ نہیں ہے۔ نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا۔ صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر ۹:۱۵) "یعنی ہم نے ہی ذکر (قرآن مجید) اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔" دوسری جگہ آتا ہے۔ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (القیٰمۃ ۷۵:۱۷) "یعنی اس کتاب کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔"

یہ دونوں آیات ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے قرآن مجید کی حفاظت دو طریقوں سے ہوئی ہے ایک زبانی یاد کرنے سے دوسری کتابت سے اور یہی دو طبعی اور قدرتی طریقے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی کثیر صحابہ کرام سارا قرآن مجید حفظ کر چکے تھے۔ مہاجرین میں سے مشہور حفاظ قراء خلفائے راشدین حضرت ابن مسعودؓ حضرت حذیفہؓ حضرت سالمؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبداللہ بن صائبؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت زید بن ثابت تھے۔

قرآن مجید کی کتابت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں مکمل ہو چکی تھی۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاتبین وحی میں سے کسی کو بلاتے اور لکھوا دیتے تھے۔ اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں قرآن مجید احاطہ تحریر میں آ گیا تھا۔ حضرت ابوبکر کے عہد میں حضرت زید بن ثابت نے کتابی صورت میں ایک مستند نسخہ مرتب کیا جس کو اسلامی دنیا میں نشر کر دیا گیا۔

غیر مسلموں کی شہادتیں

سر ولیم میور اپنی تصنیف لائف آف محمد کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔ "اس بات کی تسلی بخش اور قابل اطمینان اندرونی اور بیرونی شہادت موجود ہے کہ قرآن مجید اس وقت بھی ٹھیک اسی شکل و صورت میں محفوظ و مامون ہے۔ جس حالت میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس دنیا میں پیش کیا تھا۔ (دیباچہ لائف آف محمد ص ۲۵)

جرمن کے مشہور مستشرق نولڈ یکی نے لکھا ہے۔ ''یورپ کے جن جن مصنفین نے اب تک اس امر کی زبردست کوشش کی ہے۔ قرآن میں تحریف ثابت کریں وہ اپنی سعی اور جدوجہد میں حیرت انگیز طور پر ناکام ثابت ہوا ہے۔'' (انسائیکلو پیڈیا برٹینکا زیر لفظ قرآن)

پچھلی صدی کے آخری میں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی کے ایک انسٹی ٹیوٹ نے دنیائے اسلام کے مختلف حصوں سے ہر زمانے کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے قلمی اور مطبوعہ ۴۲ ہزار نسخے جمع کیے تھے۔ پچاس سال تک ان پر تحقیقی کام کیا گیا۔ آخر میں جو رپورٹ پیش کی گئی وہ یہ تھی کہ ان نسخوں میں کتابت کی غلطیوں کے سوا کوئی فرق نہیں ہے حالانکہ یہ پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی تک کے نسخے تھے اور دنیا کے ہر حصے سے فراہم کیے گئے تھے۔

قرآن صرف محفوظ کتاب ہی نہیں بلکہ معجزہ ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کے زیرعنوان ''علمی معجزہ (قرآن مجید)'' پر بحث ہو چکی ہے لہٰذا تکرار باعث طوالت ہے۔

دلیل پنجم: آپ کا وجود صفات الٰہیہ کے اظہار میں کامل

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم تھے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی قرآن میں تمام بیان کردہ صفات کا ظہور آپ کی ذات سے ہوا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے کلام اور افعال کو اللہ کا کلام اور افعال قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ مَارَمَيْتَ اِذْرَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (انفال) ''تو نے نہیں چلایا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہی چلایا جب کہ تو نے چلایا۔''

اس آیت کریمہ میں جنگ بدر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیر پھینکنے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ گویا رسول کا تیر پھینکنا اللہ کا تیر پھینکنا ہے۔

ایک جگہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو اللہ کا کلام قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ مَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم) ''نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتا مگر وہی کہتا ہے جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا کامل مظہر ہونے کی وہ خصوصیت ہے جس میں نہ پہلے کوئی شریک ہوا ہے اور نہ قیامت تک کوئی شخص اس خصوصیت میں شریک ہوگا۔

دلیل ششم: سراج منیر (نور ہدایت میں کامل)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کو سراج منیر قرار دیا ہے۔ یعنی آپ کا وجود روحانی اور مادی روشنی کے لیے کامل سرچشمہ ہدایت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (احزاب ۳۳:۴۵-۴۶) ''اے نبی ہم نے تجھے گواہ بنا کر بھیجا ہے اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا روشن ہونے والا سورج۔''

اس آیت کریمہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سراج منیر یعنی روشن سورج قرار دیا ہے یعنی روحانی عالم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراج منیر (روشن کرنے والا سورج) ہیں۔ اس تمثیل میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ جس طرح آفتاب عالمتاب کے طلوع ہونے کے بعد روشنیوں کی کوئی ضرورت نہیں رہتی اور تمام اجرام فلکی اسی سورج سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح روحانی عالم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراج منیر (روشن سورج) ہیں۔ ان کے طلوع یعنی بعثت کے بعد کسی ایسے وجود کی ضرورت نہیں رہی جس سے روشنی حاصل کی جا سکے۔

اب روشنی کا سرچشمہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ''اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو پس میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

اس آیت کریمہ نے سراج منیر والی آیت کی تشریح کر دی ہے۔ اب خدا کی محبت کی روشنی صرف اتباع رسول سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ خدا کی محبت حاصل کرنے کے تمام دروازے بند ہو گئے ہیں۔ سوائے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے۔ اسی کے اتباع

میں مقام ولایت حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسی کی اتباع اور اطاعت سے خدا کی محبت کی نعمت حاصل کی جا سکتی ہے۔ یہ وہ خصوصیت ہے۔ جواب کسی نبی میں نہیں پائی جاتی۔ اب جس نے بھی خدا کی محبت کی دولت حاصل کرنی ہے تو اس کو اتباع رسول کرنا ہوگی کیونکہ رسول اللہؐ ہی سراج منیر ہیں۔

دلیل ہفتم: خلق عظیم

قرآن مجید میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ آپ خلق عظیم کے مالک تھے۔ یعنی آپ کی ذات سے اخلاق فاضلہ کی عمارت پایہ تکمیل تک پہنچی۔ آپ فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ میں اس لیے بھیجا گیا ہوں تا کہ مکارم اخلاق کو مکمل کروں۔ خُلُق اور خَلَق ایک ہی مادہ سے ہیں۔ خَلَق کا لفظ ظاہری بناوٹ پر بولا جاتا ہے اور خُلُق اندرونی بناوٹ پر۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کی تصویر حضرت عائشہ نے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔ کَانَ خُلُقُہٗ الْقُرْاٰن یعنی آپ کا خلق قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید میں کوئی حکم ایسا نہیں ہے۔ جس کی تفسیر عملی طور پر آپ نے نہ فرما دی ہو۔ دیگر مذاہب میں خوش آئند نصائح کثرت سے ملتی ہیں لیکن ان مذاہب کے بانیوں نے خود عمل کر کے نہیں دکھایا کیونکہ ان کو اپنی زندگی میں خوش آئند نصائح پر عمل کرنے کا موقعہ نہیں ملا۔ جس نے حوادث زندگی کا تجربہ نہ کیا ہو۔ وہ دوسروں کے لیے عملی نمونہ نہیں بن سکتا۔ ہر صفت کے اظہار کے لیے مخصوص حالات کی ضرورت ہوتی ہے اور جب تک کوئی ان حالات سے دو چار نہ ہوا ہو۔ وہ شخص ان صفات سے متصف ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ہم آپ کے وجود کو تمام انبیاء علیہم السلام سے ممتاز دیکھتے ہیں' آپ ان تمام اخلاق فاضلہ کا جامع ہیں جو انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں۔ پھر وہ اخلاق اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم ۶۸:۴) آپ اعلیٰ درجہ کے اخلاق پر فائز ہیں۔

خلق عظیم پر فائز ہونا دراصل اللہ تعالیٰ کا کامل مظہر ہونے کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ جتنا ایک انسان خدا تعالیٰ کا مقرب ہوگا۔ اتنا ہی وہ زیادہ اللہ کے قریب ہوگا۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ اللہ کے مقرب بندے تھے۔ جس کی گواہی قرآن مجید نے دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (النجم ۷۔۹) ''اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند انتہائی مقامات پر ہے پھر قریب ہوا اور بہت قریب ہوا۔ سو وہ دو کمانوں کا وتر ہوا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قریب۔

یہ آیات رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب الٰہی پر دلالت کرتی ہیں۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے اتنے نزدیک ہیں۔ تو لازمی طور پر وہ اخلاق فاضلہ کے اس مقام پر فائز ہیں۔ جہاں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا اور شعبہ اخلاقیات کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا ہے۔

۶۔ نسل انسانی کی وحدت (عالمگیر اخوت)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل جو انبیاء علیہم السلام دنیا میں آئے۔ انھوں نے افراد کو اکٹھا کر کے ایک ایک قوم بنائی تھی۔ آپ نے قوموں کو اکٹھا کر کے نسل انسانی کی وحدت کی بنیاد رکھی اور اپنے دین کی بنیاد ٹھہرایا۔ یہ راز اتنا بلند تھا کہ بغیر خدا کے وحی کے اس کا انکشاف قلب انسانی پر نہ ہو سکتا تھا۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً (النساء :۱) ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ پھر ان دو سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا۔''

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (الحجرات آیت ۱۳) ''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ پھر مختلف قومیں اور خاندان بنائے تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کرو۔''

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (الحجر: ۱۰) ''وہ لوگ جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں بھائی بھائی ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

ارشاد ہے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَاَنَا اَشْھَدُ اِنَّ الْعِبَادَ کُلُّھُمْ اِخْوَۃٌ (اخرجہ احمدٗ ابو داؤد) ''اے ہمارے اور ہر چیز کے رب میں گواہی دیتا ہوں کہ انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ فرمایا۔ اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ (بیہقی کتاب الایمان) ''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔'' نسل انسانی کی وحدت کے خیال سے مشکل تر کام اس کا عمل میں لانا تھا کیونکہ لوگوں کے درمیان نسل رنگ' وطنیت اور زبان کی تفریق کی وجہ سے اختلاف اور بُعد کی خلیج حائل ہو چکی تھی۔ عربوں میں تو دوسری قوموں کے خلاف نسل' رنگ اور زبان کا ایسا تعصب تھا۔ جیسے آج کل مغربی اقوام میں ہے۔ عربوں کو اپنی زبان پر اتنا ناز تھا کہ غیر عرب کو عجمی کے نام سے پکارتے تھے۔ جس کے معنی گونگا اور ژولیدہ زبان کے ہیں۔ نسل کے لحاظ سے بھی وہ اپنے آپ کو دوسری قوموں سے بلند سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے آپ کے سامنے سب سے پہلے یہ کام تھا کہ عربوں کے نسل اور زبان کے تعصب کو دور کیا جائے۔

عملی وحدت کی پہلی بنیاد

لسانی اور ملکی تعصب کو ختم کرنے کے لیے سب سے پہلی بنیاد نماز تھی کہ پانچ وقت مسلمان موذن کی اذان پر مسجد میں اکٹھے ہوتے۔ غلام اور آقا' عرب اور غیر عرب' امیر اور غریب' غرض کہ سب ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوتے۔ دن میں پانچ دفعہ اس تعصب کو مٹانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسجد سے باہر بھی سب لوگ برابری کی حیثیت سے ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ تعصب کا مہلک جذبہ یہاں تک ختم ہوا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر جیسے جلیل القدر حضرت بلال کو جو حبشی تھے۔ سیدنا کے لفظ سے پکارتے تھے۔ حضرت اسامہ کو جو ایک آزاد کردہ غلام کے لڑکے تھے۔ لشکر کا سپہ سالار بنا دیا جاتا ہے۔ تمام صحابہ جو بڑے بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اطاعت کا جوا اپنی گردن پر رکھ لیتے ہیں۔

۷۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُصَدِّقْ (تصدیق کرنے والے) ہیں

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام کے مُصَدَّقْ (جس کی تصدیق کی گئی ہے) ہیں۔ یعنی تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ کی بعثت کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ اسی طرح تمام انبیاء علیہم السلام میں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ایسی ہے۔ جس نے پہلے انبیاء علیہم السلام کی سچائی تصدیق کی اور ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے تاکہ اتحاد بین الناس کی عمارت مکمل ہو سکے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ (آل عمران ۳:۸۱) ''پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہے۔ جو تمہارے پاس ہے۔'' یہ ایک ایسی امتیازی خصوصیت ہے۔ جو صرف رسول عربی فداہ امی وابی میں پائی جاتی ہے کیونکہ یہی ایک رسول ہے۔ جس نے اپنے سے پہلے دنیا کے تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر قرآن مجید میں بار بار ہے۔ ابتدائے قرآن میں ہی ہے۔ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (البقرہ ۲:۴) ''وہ ایمان لاتے ہیں۔ جو تجھ پر نازل کیا گیا اور اس پر جو تجھ سے پہلے اتارا گیا۔''

پھر فرمایا لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ ''ہم کسی رسول میں تفریق نہیں کرتے یعنی کسی ایک رسول پر ایمان لے آئیں اور کسی پر ایمان نہ لائیں۔

لہٰذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ایک ایسے رسول ہیں۔ جس نے تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی ہے اور ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے۔

۸۔ عطائے منصب شفاعت کبریٰ (حقیقی شفیع)

شفاعت شَفَعَ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ایک چیز کو ایسا بنانا کہ وہ جوڑے کا ایک بن جائے (تاج العروس) یا ایک چیز کو اس کے مشابہ سے ملا دینا (امام راغب) اور شفاعت کا مفہوم ہے کہ ایک شخص کو دوسرے شخص سے جو اس کا مددگار ہو ملا دینا بالخصوص جبکہ ایک شخص جو اعلیٰ منصب اور عزت کا مالک ہو اپنے آپ کو ادنیٰ حیثیت کے شخص سے ملا دے (امام راغب)

مسئلہ شفاعت عرب کے کفار میں بھی مسلّم تھا۔ یہود اور عیسائیوں میں بھی رائج تھا۔ کفار اور عیسائی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ شفیع اپنی بڑائی

اور اقتدار سے جسے چاہے گنہگار کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے اور شفیع ان سب کو جو اس کے ہو کر رہیں نعمائے اخری اور دنیوی عطا فرما سکتا ہے اس باطل عقیدہ کی وجہ سے خدا کی عبادت کی بجائے شفیع کی عبادت شروع ہو گئی اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کے متعلق فرمایا۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس ۱۰:۱۸) یہ لوگ اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ فائدہ کر سکتے ہیں۔ لوگ کہا کرتے ہیں یہ تو ہماری شفاعت اللہ کے پاس کرنے والے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر ۳۹:۳) اور جو لوگ اس (اللہ) کے سوائے ولی بناتے ہیں (کہتے ہیں کہ) ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے نزدیک کر دیں۔

عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنا شفیع بناتے ہیں پھر اس کو خدا کہتے ہیں اس سے مرادیں مانگتے ہیں اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اس کو اپنا کارساز جانتے ہیں۔

قرآن مجید نے کفار اور عیسائیوں کے اس عقیدہ کو باطل قرار دیا اور شفاعت کے لیے اذن کا اصول مقرر دیا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرہ ۲:۲۵۵) کون ہے وہ ایسا جو اللہ کے پاس اس کے کے بغیر شفاعت کرے۔

فرمایا۔ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ (النباء ۷۸:۳۸) جس دن روح اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے۔ وہ کوئی بات نہ کر سکیں گے سوائے اس کے جسے رحمان اجازت دے۔

اس آیت کے آخری الفاظ ہیں وَقَالَ صَوَابًا (۳۸) اور (شفیع) درست بات کہے گا۔

اسلام میں شفاعت کا مفہوم

شفاعت شریعت اسلامی میں ایک مسلمہ مسئلہ ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ بعض گناہ ایک انسان کے پاک لوگوں کے ساتھ تعلق کی وجہ سے معاف کرائے جائیں گے۔

اسلام کی اصل تعلیم یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے افعال کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ نہ ایک کی ذمہ داری کو دوسرا ادا کر سکتا ہے۔ شفاعت کا مسئلہ اس اصول کو باطل قرار نہیں دیتا اور اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جس کی سفارش چل گئی وہ بچ گیا۔

درحقیقت شفاعت اللہ تعالیٰ کی صفات رحمانیت اور غفوریت کی ایک عملی شکل ہے اور اللہ تعالیٰ ان صفات کے تحت اپنے عاجز بندوں کے گناہ معاف کرنا چاہتا ہے۔

قرآن مجید کی رو سے شفیع چار ہیں اللہ، فرشتے، انبیاء اور مومن اور حقیقی شفیع اللہ کی ذات ہے جو ارحم الراحمین ہے۔ انسانوں کے لیے اس قدر رحیم و کریم ہے کہ وہ ان عاصیوں کو بھی ایک دن مغفرت کی چادر میں لپیٹ لے گا۔ جنھوں نے کبھی بھی کوئی نیکی کا کام نہیں کیا۔ حدیث میں آتا ہے۔ شَفَعَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً عَنِ النَّارِ يَخْرُجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُ خَيْرًا قَطُّ یعنی اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فرشتوں نے بھی شفاعت کی۔ نبیوں نے بھی شفاعت کی۔ مومنوں نے بھی شفاعت کی اور سوائے ارحم الراحمین کے کوئی باقی نہیں رہا۔ پس وہ آگ میں سے ایک مٹھی بھرے گا اور ایسے لوگوں کو باہر نکالے گا۔ جنھوں نے کبھی بھلائی نہیں کی۔

یہاں تین شفاعتوں کا ذکر ہے ملائکہ۔ ۲۔ انبیاء۔ ۳۔ اور مومن۔

ملائکہ کی شفاعت

ملائکہ کی شفاعت یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں نیکی کی تحریک پیدا کرتے ہیں دوم اہل ارض کے لیے دعائیں بھی مانگتے ہیں ارشاد الٰہی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (المومن ۴۰:۷)

اور وہ جو عرش اٹھاتے ہیں اور جو کوئی اس کے اردگرد ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے لیے جو ایمان لائے استغفار کرتے ہیں ہمارے رب تو رحمت اور علم سے ہر چیز پر حاوی ہے سو انھیں بخش جو توبہ کرتے ہیں اور تیرے رستے کی پیروی کرتے ہیں اور انھیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

اس آیت کریم میں فرشتوں کی شفاعت کا ذکر ہے اور وہ خاص کر ہر مومنین کے لیے خدا سے حفاظت اور رحم کی التجا کریں گے۔

مومنوں کی شفاعت

مومنوں کی شفاعت اس نوعیت کی ہے کہ وہ مومنین جو تقوی اور قرب الٰہی کے بلند مقام پر کھڑے ہیں وہ اپنی مخلصانہ دعاؤں اور اپنے اسوہ حسنہ سے ان مومنین کی شفاعت کریں گے۔ جو ان سے کم درجہ پر ہیں۔ نمونہ سے شفاعت کرنے کا ذکر قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ آتا ہے۔ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا (النساء۴:۸۵) اور جو کوئی بھلی بات کی سفارش کرے اس کو اس سے حصہ ملے گا۔

یہاں لفظ شفاعت مستعمل ہوا ہے اس کے معنی ہیں کہ جب ایک شخص کوئی اچھا نمونہ پیش کرتا ہے جس کی پیروی دوسرے کرتے ہیں اور اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں تو اس کو اس کا ثواب ملتا ہے۔

اس آیت میں نیک راستہ دکھانے کو بھی شفاعت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے کیونکہ جو شخص بھی بتائے ہوئے نیک راستے پر گامزن ہوگا۔ تو راستہ بتانے والا عمل کرنے والے کے لیے شفیع ہوگا۔

انبیاء کی شفاعت

خدا کا فضل و رحم انبیاء علیہم السلام کے توسط سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ یہ انسانوں کے لیے شفاعت ہے۔ یہ نظریہ غلط ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شفاعت قیامت کے دن ہوگی اور صرف فوت شدگان کے لیے ہی محدود ہے نبی کی شفاعت اس روحانی انقلاب میں نظر آتی ہے کہ جب وہ گناہوں میں گری ہوئی قوم میں آتا ہے۔ تو اپنی دعاؤں اور قوت قدسیہ کے ذریعہ اس قوم میں حیات نو پیدا کر دیتا ہے ان کو روحانی اور مادی ترقی کی راہ پر ڈال دیتا ہے سو اس معیار کو آگے رکھ کر جب ہم موسیٰ علیہ السلام پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ بھی شفیع ثابت ہوتے ہیں کیونکہ بارہا انھوں نے اترتا ہوا عذاب دعا سے ٹال دیا۔ اس کی توریت گواہ ہے اس طرح بنی اسرائیل فرعون کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی اور اپنی ذلت کی انتہا تک پہنچی ہوئی تھی۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رات کی دعاؤں اور قوت قدسہ سے فرعون کی غلامی سے نجات دلائی اور فرعون کو دریا میں غرق کیا یہ تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شفاعت۔

حضرت محمد مصطفےؐ کی شفاعت کبریٰ

جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا عمل جو مادی، اخلاقی، علمی اور روحانی انقلاب برپا کرتا ہے۔ اتنا عظیم الشان تھا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی شفاعت آپ کی شفاعت کے مقابل پر ماند پڑ جاتی ہے آپ نے چند سالوں میں ہی ہر قسم کی برائیوں میں پھنسی ہوئی قوم کو نیکی کے راستہ پر چلا کر باخدا قوم بنا دیا۔ اس قوم نے رات کی تاریکیوں میں اٹھ کر استانہ الوہیت پر سر جھکا دیئے۔ منکرات کی ظلمت کے لباس کو اتار کر نیکیوں اور خیرات کا نورانی لباس پہن لیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے دلوں کو یک لخت ایسا مبدل کر دیا کہ وہ جہالت کے بعد معارف دینی سے مالا مال ہو گئے اور دنیا کی محبت سے ایسا دل اچاٹ ہوا۔ خدا کی خاطر اپنے گھروں، اپنے مالوں، اپنے عزیزوں اور اپنی جان کے آراموں کو چھوڑ دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں اور قوت قدسیہ سے ایک عظیم انقلاب برپا ہوا اور آپ کی دعاؤں اور آپ کی شفاعت کا ہی اثر تھا۔ کہ آپ نے غریب صحابہ کو تختوں کا مالک بنا دیا قیصر و کسریٰ کے تاج اور خزانے ان کے قدموں کے نیچے تھے۔ یہ شفاعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور اول کی ہے۔

دوسرے دور یعنی روز محشر میں شفاعت کا کیا نظارہ ہوگا۔ اس کا ذکر ایک حدیث میں ہے اور اس سے آپ کا شفاعت کبریٰ کا منصب

واضح ہو جائے گا۔

قرآن مجید کی رو سے انسان کی ترقی اس دنیا تک محدود نہیں بلکہ حیات بعدالموت تک جاری ہے۔ روز محشر وہ بڑا دن ہے جب اعمال کا حساب کتاب ہوگا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دن کی شفاعت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اس کو اس قدر فوقیت دی گئی ہے کسی دوسرے نبی کو یہ خصوصی حق حاصل نہیں۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے روایت درج کی ہے۔

''جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا۔ تب ان کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی کہ ہم اگر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی کو شفاعت کے لیے پیش کریں۔ تو خوب ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس جگہ سے نجات دے۔ تب لوگ آدمؑ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آدم ابوالبشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ پھر جنت میں ٹھہرایا۔ پھر فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے جملہ اسماء کی تعلیم آپ کو دی۔ لہٰذا آپ ہماری شفاعت کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہاں سے نجات (راحت) دے۔ وہ کہیں گے۔ نہیں میں نہیں کہہ سکتا پھر وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کر کے کہیں گے کہ تم نوحؑ کے پاس جاؤ۔ وہ پہلے رسول ہیں۔ تب لوگ نوحؑ کے پاس جائیں گے۔ نوحؑ کہیں گے۔ نہیں میں نہیں۔ وہ بھی اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کریں گے اور فرمائیں گے۔ تم ابراہیم کے پاس جاؤ۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیلؑ بنایا ہے۔ وہ کہیں گے نہیں میں نہیں وہ بھی اپنی خطا کو یاد کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کریں گے کہیں گے۔ موسیٰؑ کے پاس جاؤ۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی کی اور انھیں توریت بھی دی۔ وہ کہیں گے۔ نہیں میں نہیں۔ وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور حیا کا پھر کہیں گے کہ عیسیٰ روح اللہ کے پاس جاؤ۔ لوگ عیسیٰ روح اللہ کلمۃ اللہ کے پاس جائیں گے۔ وہ کہیں گے میں نہیں تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اگلا پچھلا سب کچھ معاف کر دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تب لوگ میرے پاس آئیں گے۔ تب میں اپنے رب سے اذن حاصل کروں گا۔ مجھے اذن دیا جائے گا۔ پھر جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھے دعا سکھائے گا۔ جو کچھ وہ چاہے گا۔ میری زبان سے کہلائے گا۔

تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

یا محمد ارفع راسک قُلْ تُسْمَعْ سَلْ تعطی اشفع تُسَمَع.

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سر اٹھاؤ۔ بولو تمہاری سنی جائے گی۔ مانگو تم کو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو۔ تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں سر اٹھاؤں گا اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا۔ وہ تحمید مجھے اللہ تعالیٰ ہی سکھلا دے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ پھر میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں اتنے لوگوں کو آگ سے نکالوں گا۔ اور جنت میں داخل کروں گا۔ (بحوالہ رحمتہ للعالمین حصہ سوم ص ۱۴۳، ۱۴۴)

یہی وہ منصب عالیہ اور مقام محمود ہے جس کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔ عَسٰی یَبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا جس طرح اس دنیا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا عمل مادی اور اخلاقی اور روحانی انقلاب پیدا کرنے میں عظیم الشان تھا اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی شفاعت آپ کی شفاعت کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کو قیامت کے دن اسی قدر اہمیت حاصل ہوگی کہ وہ لوگ جنھوں نے زندگی بھر نہ فرشتوں کی آواز نہ انبیاء کی آواز اور نہ صالح بندوں کی آواز پر کان دھرا۔ وہ سب لوگ آپ کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔

مذکورہ بحث سے شفاعت کا مفہوم یہی واضح ہوتا ہے کہ اصل غرض اللہ کا عاصیوں پر رحم کرنا مقصود ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک یا دوسرا سامان پیدا کیا ہے الغرض شفاعت صرف فرشتوں، مومنوں اور انبیاء علیہم السلام کی ان دعاؤں کا نام ہے جو بنی نوع انسانوں کی نجات اور

بخشش کے لیے کرتے ہیں اور یہی دعا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا میں کی اور صحابہ کی زندگی بدل دی اور ایک مادی' روحانی' علمی انقلاب برپا ہو گیا اور یہی دعا آپ اللہ کے اذن سے روز محشر اللہ کے حضور کریں گے۔

اسلام عیسائیوں والی شفاعت پیش نہیں کرتا کہ صلیب اور کفارہ پر ایمان لے آؤ۔ تو نجات پا جاؤ گے۔ خواہ زندگی کتنی ہی گناہوں سے بھری ہوئی ہو اس کے علاوہ کوئی شخص نجات حاصل نہیں کر سکتا۔

رحمۃ للعالمین

قرآن مجید میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمۃ للعالمین کا لقب دیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ مَآاَرْسَلْنٰکَ اِلاَّ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ (ہم نے تجھے دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے) جب ہم آپ کی زندگی پر نظر دوڑاتے ہیں تو ایک تاریخی حقیقت سامنے آ جاتی ہے کہ واقعی آپ کا وجود دنیا کے لیے رحمت تھا۔ آپ کی رحمۃ للعالمینی کے اتنے پہلو ہیں جن کا شمار نہیں اور نہ سب پر بحث ہو سکتی ہے چند پہلو زیر بحث لائے جاتے ہیں۔

مزکی کی حیثیت سے باعث رحمت

پہلے باب میں دنیا کی اخلاقی حالت پر بحث کرتے ہوئے لکھا تھا کہ زمین گناہ اور پاپ سے بھر گئی تھی۔ تقویٰ و طہارت پاکبازی' پارسائی' دیانت' امانت' عدل و انصاف' وضع داری' ایثار' عہد کی پاسداری اور خدمت خلق وغیرہ جیسے اخلاق فاضلہ ناپید ہو چکے تھے۔ دلوں سے نیکی کے سوتے خشک ہو چکے تھے۔ ہر قسم کی بدی کے چشمے پھوٹ پڑے تھے۔ دنیا کے چاروں اطراف میں گناہوں کی تاریک رات چھائی ہوئی تھی۔ مخلوق اپنے خالق کو بھول چکی تھی۔ بتوں کے سامنے سجدہ ریز تھی۔ نیکی اور بدی کے دو خداؤں یزداں اور اہرمن کی پوجا ہوتی تھی۔ کہیں سورج چاند ستارے آگ حجر اور شجر کی پرستش کی جاتی تھی۔ مشاہیر پرستی رائج تھی۔ سیل صاحب ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں عیسائیت کے متعلق لکھتے ہیں "گرجا کے پادریوں نے مذہب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔ امن' محبت اور نیکی مفقود تھی۔ اصل مذہب کو بھول گئے تھے اور اس کے متعلق اپنی خیال آرائیوں پر جھگڑتے تھے۔"

اس طرح عیسائیت نے اللہ کی توحید میں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کو شریک کر لیا۔ یہودی مذہب بھی توحید سے خالی تھا۔ حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا بنا لیا۔ جب ہندوستان پر نظر ڈالی جائے تو کوئی ایسی برائی نہ تھی۔ جو وہاں کے رہنے والوں میں نہ پائی جاتی تھی۔ قرآن مجید نے دنیا کی اس حالت کو ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ کے الفاظ سے تعبیر کیا۔ اس پر ظلمت دور میں آپ کی بعثت ہوئی۔ آپ نے ان گناہ گاروں کو اتنا پاک اور صاف کیا۔ جن کے دلوں سے خدا کی محبت کے چشمے جاری ہو گئے۔ گناہوں میں لذت لینے والے اب رات کی تاریکی میں استانہ الوہیت پر گرے ہوئے تھے۔ خدا سے ہم کلام تھے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری ان کی روح کی غذا تھی۔ لوگوں کو گناہوں کی آگ سے بچانا اور جنت کے رستے پر چلانا یہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں آتا ہے۔ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ. تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے اس نے تم کو بچا لیا۔

دوسری جگہ آتا ہے وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ان کو روح القدس سے مدد دی روح القدس کی مدد یہ ہے کہ مردہ دلوں کو زندہ کرنا اور گناہوں کی موت سے نجات دلانا اور پاکیزہ قوتیں عطا کرنا اور قرب الٰہی تک پہنچانا۔ اس مضمون کو ایک نئی تشبیہ سے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے فرمایا۔ وَاعْلَمُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحْىِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا. یعنی یہ بات جان لو کہ اللہ زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔

قرآن مجید کی اصطلاح میں حیات ارض سے مراد مردہ دلوں میں روحانی زندگی بخشنا اور موت الارض سے مراد دلوں سے نیکی کے سوتے خشک ہو جانا ہے۔

مذکورہ آیت یہ واضح کرتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل لوگوں کے دل مردہ ہو چکے تھے اور بعثت کے بعد وہی مردہ دل زندہ ہو گئے۔ جب تاریخ کے آئینہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی پر نظر دوڑائیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ چند سالوں میں

ہی آپ کی قوت قدسیہ سے ایک ایسا انقلاب آیا۔ عرب کے زمین و آسمان بدل گئے۔ وہ لوگ جو بدیوں کے نشہ میں لذت لیتے تھے۔ شراب خوری ان کی گھٹی میں رچی بسی ہوئی تھی۔ شاید اس زمانہ میں کوئی قوم ان سے زیادہ شراب کی دلدادہ نہ تھی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب سے ممانعت فرمائی تو مدینہ کی گلیوں میں شراب ناب اس طرح بہنے لگی جس طرح برسات میں بارش کا پانی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت قدسیہ نے ان کو قعر مذلت سے نکال کر طہارت اور پاکیزگی کے بلند مقام پر پہنچا دیا۔ اس اخلاقی انقلاب کی نشان دہی حضرت جعفر طیار کی اس تقریر سے ہوتی ہے جو انھوں نے نجاشی بادشاہ کے دربار میں کی۔ حضرت جعفر فرماتے ہیں ''اے بادشاہ ہم ایک جاہل قوم تھے جو بتوں کو پوجتے مردار کھاتے بے حیائی کا کام کرتے قریبیوں کے حقوق ادا نہ کرتے ہمسایوں سے برا سلوک کرتے اور ہم میں سے مضبوط کمزور کو کھا جاتا تھا۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول مبعوث کیا۔ جس کے نسب صدق امانت اور پرہیز گاری کو ہم خوب پہچانتے ہیں اس نے ہم بلایا کہ خدا کو ایک مانو۔ اس کی عبادت کرو پتھروں اور بتوں کی پرستش کو چھوڑ دو اور اس نے ہم کو حکم دیا کہ بات سچ کہو امانت کو ادا کرو۔ صلہ رحمی کرو ہمسایوں سے اچھا سلوک کرو۔ حرام باتوں اور خون ریزیوں سے بچو۔ اس نے ہم کو بے حیائی کے کاموں سے جھوٹ بولنے سے اور یتیم کا مال کھانے سے' عورتوں پر جھوٹے الزام لگانے سے روکا پس ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی پیروی کی اور اس کی باتوں کو مانا۔ اس پر ہماری قوم نے ہم پر ظلم شروع کیا اور ہم کو دکھ دیا کہ ہم اپنے دین کو ترک کر دیں اور بت پرستی کی طرف لوٹ آئیں۔ پس جب ان کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔

(سیرت خیر البشر مصنفہ محمد علی ص ۶۵۔ نیز سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۱۱۶)

یہ تقریر بعثت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کے عربوں کی حالت اور پھر آپ کی قوت قدسیہ سے جو پاکیزگی اور طہارت کا انقلاب آیا اس کی عکاسی کرتی ہے۔ حضرت جعفر طیار نے دونوں حالتوں (یعنی ایمان لانے سے پہلے اور ایمان لانے کے بعد) کا ذکر کر دیا ہے۔

کارلائل نے پاک بازی اور طہارت کا نقشہ حسب ذیل الفاظ میں کھینچا ہے ''فی الجملہ اوّل مخلوقات اور گنہ میں ڈوبی ہوئی قوم سید الاتقیاء ہوگئی۔ بدمعاشان زمانہ نوامیس الٰہی کے پاسبان بن گئے جماعتی قوانین کا احترام کرنے لگے۔ جن لوگوں کے افعال کا محرک محض یہ دنیائے دنی تھی اب ان کے سامنے حیات اور بعد الممات کا نقشہ ہر دم رہنے لگا۔ وہ کسی اعلیٰ اشرف اور روحانی زندگی کے منتظر ہو گئے جس کے حصول کے لیے ان سے افعال حسنہ سرزد ہونے لگے مقام غور ہے کہ کس قدر زبردست انقلاب چند سالوں میں پیدا ہو گیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا فرشتہ رحمت ان لوگوں کے دلوں میں پاکیزگی کی روح پھونک گیا۔ جو چند سال پہلے سراپا وحشت اور جہالت تھے وہ ملک جو چند سال میں پہلے اخلاق کے لحاظ سے ایک صحرا تھا۔ جہاں تمام قوانین دینی اور اخلاقی نہایت بے دردی کے ساتھ پامال ہو رہے تھے اب ایک گلزار بن گیا۔ (ماخوذ از نبی کامل مصنفہ خواجہ کمال الدین ص ۱۶۴' ۱۶۵)

اصلاح معاشرہ کے لحاظ سے باعث رحمت

جس طرح معاشرہ اخلاقی برائیوں سے تباہ ہو چکا تھا۔ اسی طرح دنیا کی تمام تہذیبیں معاشرتی لحاظ سے مختلف طبقات میں منقسم تھیں دو طبقے تو ہر تہذیب میں موجود تھے حکمران اور رعایا۔ یا مراعات یافتہ طبقہ اور غیر مراعات یافتہ طبقہ۔ غیر مراعات یافتہ طبقہ حقوق انسانی سے محروم تھا اور حیوانوں کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ آپ نے اخوت' مساوات' رواداری اور عدل و انصاف کا درس دیا یہ وہ معاشرتی اصول ہیں جن سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ حدیث نبوی میں مختلف الفاظ اور انداز میں ان اصولوں کی تشریح آتی ہے۔ آخر کار حجۃ الوداع کے موقع پر نہایت ہی موثر انداز میں فرمایا اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے (مسند احمد)

غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو نوید حریت سنائی اور غلامی کی زنجیروں کو توڑا۔ غلاموں کی آزادی کے لیے ایک فنڈ مقرر کر دیا مختلف گناہوں کے کفارہ کے طور پر غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا اسی طرح آپ معاشرہ کے تمام اعضاء کے لیے باعث رحمت تھے۔

خصوصاً بچیوں کیلیے جن کو پیدا ہوتے ہی دفن کر دیا جاتا تھا۔ اسی طرح معاشرہ میں عورت کو حقیر و ذلیل اور کمتر سمجھا جاتا تھا اور ان کے تمام معاشرتی حقوق بحال کیے۔ فرمایا۔ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (النساء۴:۱۹) اور عورتوں سے نیک سلوک کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ (صحیح مسلم، ابوداؤد) عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔

فرمایا۔ إِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ حَقًّا (طبری ابن ہشام) تمہارا عورتوں پر، عورتوں کا تم پر حق ہے۔

فرمایا خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهٖ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِيْ (ترمذی) تم میں وہ بہتر ہے جو اپنے اہل کے حق میں بہتر ہے اور میں اپنے اہل کے لیے بہت بہتر ہوں۔

پھر فرمایا أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهٖ (ترمذی) ایمان داروں میں کامل تر ایماندار وہ شخص ہے جو خلق میں بہت اچھا ہو اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ نرم ہو۔

اس حکیمانہ تعلیم کی وجہ سے عورت کو معاشرہ میں ایک بلند مقام مل گیا۔

چونکہ معاشرہ میں غلام بچی اور عورت بہت ہی مظلوم تھیں اس وجہ سے صرف ان کا ذکر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے معاشرہ کا کوئی ایسا فرد نہیں جس کے حقوق و فرائض متعین نہ کیے ہوں تاکہ تمام افراد اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر اپنے حقوق و فرائض کو ادا کریں۔ اس کے ساتھ یہ بھی تعلیم دی کہ انسانیت کی صفت میں سب انسان برابر ہیں۔ حج اور نماز میں اس کا عملی نظارہ ہے۔ ملکی انتظام میں قوم قریش پر غلام زادہ قائد مقرر کر کے دکھا دیا۔

معاشرہ میں ایک اور بھی بگاڑ اور فساد کا چشمہ تھا۔ وہ تھا مختلف مذاہب کا باہمی دست وگریبان ہونا۔ ہر مذہب اپنے آپ کو ہی سچا سمجھتا تھا اور اپنے بانی کو برحق اور دوسروں کو جھوٹا خیال کرتا تھا۔ آپ ہی وہ رسول ہیں جس نے خدا سے وحی پا کر یہ اعلان کیا کہ ہر امت میں ہدایت کے لیے رسول آتے رہے ہیں وہ سب سچے اور خدا کے پیغمبر تھے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ إِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ یعنی ہر امت میں نذیر یعنی ڈرانے والے آتے رہے ہیں۔

ایک اور جگہ آتا ہے لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہر قوم کے لیے ہادی آئے ہیں۔

اور دائرہ اسلام میں ہر داخل ہونے والے کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ سب انبیاء پر ایمان لائے اور ان کو سچا جانے۔

یہ وہ تعلیم ہے کہ آپ سے پہلے کسی نبی نے اپنے پیروکاروں کو نہیں دی۔ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ رسول ہیں جس نے یہ بتایا کہ کوئی قوم بھی خدا کے نعمائے روحانی سے محروم نہیں رہی۔ جب تمام رسولوں اور پیشواؤں کو سچا تسلیم کرلیا تو نسل انسانی میں ایک بین الاقوامی اتحاد کی بنیاد رکھ دی۔ آپ نے صرف اتحاد نسل انسانی کے لیے صرف دوسرے مذاہب کے بانیوں کو ہی سچا تسلیم کرنے کی تعلیم نہیں دی بلکہ مختلف اعتقادات میں بھی جو امور مشترک پائے جاتے ہیں ان کو بطور اساس صحیح قبول کر لیا جائے ارشاد الٰہی ہے۔ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ یعنی اس کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان امر مشترک ہے۔

آپ نے اس تعلیم کے ذریعہ معاشرہ میں مذہبی مناقشات اور اختلاف کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے اور اس کی جگہ امن اور اخوت کو رواج دیا ہے اور معاشرہ کو تمام مفاسد سے پاک کر دیا ہے۔ مفاہمت باہمی کا دروازہ کھول دیا ہے تنگ نظری تعصب اور منافرت کو کافور کر دیا ہے۔

گو باہمی محبت اور الفت کی ہر دور میں ضرورت ہوتی ہے لیکن ہمارے اس دور میں جتنی ضرورت ہے اس سے پہلے نہ تھی۔ اقوام عالم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے اصولوں کو اپنا کر دنیا کو امن کا گہوارہ بنا سکتے ہیں۔

مالیاتی نظام کی اصلاح کے لحاظ سے باعث رحمت

معاشرتی اصلاح نامکمل اور ناتمام رہ جاتی ہے اگر معاشرہ میں اقتصادی ناہمواری ہو اور مالیاتی نظام میں بگاڑ اور فساد ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرتی اصلاح کو ہر لحاظ سے مکمل کرنے کے لیے مالیاتی نظام کو درست کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت

سے قبل مالیاتی نظام متعدد فتن اور فسادات کا موجب تھا۔ ہر جگہ تمام وسائل دولت پر ایک مخصوص طبقہ قابض تھا۔ علم الاجتماع کے ماہرین کا یہی خیال ہے کہ قوموں کے زوال کا سبب مالیاتی نظام کا بگاڑ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے باطل مالیاتی نظام کی عمارت کو منہدم کر کے بنی نوع انسان کو ایک ایسا مالیاتی نظام دیا جس سے معاشرہ کا ہر فرد فیض یاب ہوتا ہے۔ اس پر تفصیلی بحث زیر عنوان' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت ماہر معاشیات میں ہوگی۔

اتباع رسولؐ موجب رحمت

مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ جو نعمت غیر مترقبہ ہے اگر دنیا کی تمام نعماء ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور نعمت مکالمہ ومخاطبہ دوسرے پلڑے میں رکھی جائے تو مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ کی نعمت کا پلڑا وزنی ہوگا۔ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا پرتو ہے۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سلسلہ انبیاء علیہم السلام کا آغاز کیا ہے۔ اس وقت سے اس صفت کا اظہار شروع ہو گیا تھا۔ قرآن مجید کی رو سے مکالمہ ومخاطبہ الٰہیہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو۔ وحی متلو کو وحی نبوت یا کتاب کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ یہ وحی اللہ تعالیٰ جبرائیل کی معرفت اپنے نبی پر بھیجتا ہے۔ اس وحی میں بنی نوع انسانوں کے لیے احکام الٰہی ہوتے ہیں۔ الٰہی احکام میں انسانوں کی کامیابی کا راز ہے۔ یہ وحی حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عرفات کے میدان میں حجتہ الوداع کے موقع پر مکمل ہوگئی یہ وحی قرآن مجید کی شکل میں محفوظ ہے۔ تاقیامت محفوظ رہے گی اس کے بعد وحی نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے وہ تمام احکام اور تعلیمات جو انسانوں کے لیے ضروری تھے وہ سب اس میں محفوظ ہیں۔ تاقیامت لوگوں کے لیے یہ کتاب ذریعہ ہدایت رہے گی۔ وحی نبوت کے مسدود ہونے کے بعد وحی ولایت کا سلسلہ جاری ہے۔ وحی اور انسان کا رشتہ ابدی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل دونوں قسم کی وحیوں کے چشمہ سے انبیاء اور صالحین فیض یاب ہوتے تھے۔ اس کا قرآن مجید سے واضح ثبوت ملتا ہے۔ وحی ولایت (وحی غیر متلو) کی نعمت سے حضرت موسیٰ کی والدہ' حضرت مریمؑ حضرت ابراہیم کی اہل بیت حضرت سارہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواری اور حضرت خضر یہ سب اولیاء فیض یاب تھے۔ اس طرح تمام انبیاء علیہم السلام وحی نبوت کے ساتھ وحی ولایت (وحی غیر متلو) کے عطر سے بھی معطر ہوتے اور وحی نبوت کے اسرار و رموز پر اسی وحی (وحی غیر متلو) سے مطلع ہوتے تھے اور وحی نبوت کی حقیقت سے آشکار ہوتے وحی نبوت کی تکمیل کے بعد وحی ولایت کا سلسلہ اب صرف امت محمدیہ میں جاری ہے وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی اطاعت اور پیروی کی بدولت اب وحی ولایت کی نعمت کے لیے ایک ہی رستہ ہے وہ ہے اتباع رسول۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اگر تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ یہ آیت نص صریح ہے کہ مکالمہ ومخاطبہ کی نعمت صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں ہے۔ دوسروں یعنی یہودیوں' عیسائیوں' آریوں' برہمنوں وغیرہ کو یہ الہام ہرگز نہیں ہوتا۔ اسی نعمت عظمیٰ کی وجہ سے آپ رحمۃ للعالمین کے لقب سے ملقب ہوئے۔

عمومی رحمت وشفقت

گو تمام نبی بنی نوع انسان کے لیے باعث رحمت تھے لیکن تمام انبیاء میں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اس خلق میں سب سے بلند اور ارفع ہے۔ قرآن مجید میں صرف آپ کے اس وصف کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (توبہ ۹:۱۲۸) یقیناً تمھارے پاس تمھیں میں سے ایک رسول آیا ہے تمہارا تکلیف پانا اس پر شاق گزرتا ہے وہ تمھارے لیے بھلائی کا خواہش مند ہے مومنوں پر مہربان رحم کرنے والا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ رحم وشفقت تمام شعبوں سے تعلقات رکھنے والے لوگوں کے ساتھ تھا۔

کفار اور مشرکین سے شفقت و پیار

مستشرقین کہتے ہیں کہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تک اسلام ضعیف تھا۔ اس وقت تک محبت اور لطف و آشتی کی تعلیم دیتے رہے جب اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا تو پالیسی بدل لی۔ چنانچہ چند ایسے واقعات اس زمانہ کے حسن سلوک کے بیان کیے جاتے ہیں۔ جب اسلام کو

پورا غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں ایک شب کو ایک کافر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مہمان ہوا۔ تو وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا۔ آپ نے کوئی تنغض ظاہر نہ فرمائی۔ اسی حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ وہ صبح کو مسلمان تھا اور صرف ایک بکری کے دودھ پر قانع ہو گیا۔ (جامع ترمذی ان المومن یاکل فی امعاء واحد)

حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کافرہ تھیں۔ مدینہ میں بیٹے کے ساتھ رہتی تھیں۔ جہالت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیتی تھیں۔ ابو ہریرہؓ نے آپ کی خدمت اقدس میں بیان کیا۔ آپ نے بجائے غیظ وغضب کے ان کی والدہ کے لیے دعا کی ہے (صحیح بخاری)

عبداللہ بن ابی سلول رئیس المنافقین سے ہمیشہ حسن سلوک سے پیش آتے حالانکہ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا۔ مخالفوں کو مسلمانوں کے مخفی رازوں کی خبر دیتا رہتا تھا۔ آپ اس کے تمام حالات سے واقف تھے۔ پھر بھی اس کو ہمیشہ دامن عفو میں پناہ دیتے رہے۔

یہود و نصاریٰ کے ساتھ نیک برتاؤ رحمت

ایک دفعہ ایک یہودی نے برسر بازار کہا۔ ''قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی ہے۔''

ایک صحابی سن رہے تھے۔ انھوں نے پوچھا کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برتر ہیں۔ یہودی نے کہا ہاں انھوں نے یہودی کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا وہ یہودی سیدھا آپ کے پاس آیا اور واقعہ عرض کیا۔ آپ نے صحابی پر اظہار ناراضی کیا۔ (بخاری)

ایک یہودی لڑکا بیمار ہوا۔ آپ اس کی عیادت کے لیے گئے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے باپ کی طرف دیکھا۔ گویا باپ کی رضامندی دریافت کی۔ باپ نے کہا جو آپ فرماتے ہیں۔ اس پر عمل کر۔ چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا۔ (صحیح بخاری)

ایک دفعہ سرراہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا۔ تو آپ کھڑے ہو گئے۔ (صحیح بخاری کتاب الجنائز)

ایک دفعہ چند یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو سلام علیکم کے بجائے السام علیکم (تم پر موت) کہا۔ حضرت عائشہؓ نے غصہ سے جواب دیا لیکن پیکر رحمت نے روکا اور فرمایا۔ ''عائشہ بدزبان نہ ہو نرمی کرو۔ اللہ ہر بات میں نرمی پسند کرتا ہے (صحیح مسلم)

نصاریٰ کا وفد نجران سے مدینہ آیا۔ آپ نے ان کی مہمانداری کی۔ مسجد نبوی میں ان کو جگہ دی۔ مسجد میں ہی اپنے طریق پر نماز پڑھنے کی اجازت دی جب مسلمانوں نے ان کو اس کام سے روکنا چاہا تو آپ نے منع فرمایا (زاد المعاد)

غریبوں سے شفقت

خلق عمیم میں امیر وغریب، شاہ وفقیر میں کوئی تمیز نہ تھی۔ تمام پر ابر شفقت یکساں برستا تھا۔

ایک دفعہ تقاضائے بشریت سے آپ کا فعل اس کے خلاف ہوا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے باز پرس ہوئی ایک دفعہ رسول کریمؐ چند اکابر قریش کو دعوت اسلام دے رہے تھے کہ اتفاق سے عبداللہ ابن ام مکتوم جو آنکھوں سے معذور تھے آ نکلے وہ بھی آپ سے باتیں کرنے لگے۔ روسائے قریش کو یہ برابری ناگوار گزری آپ نے اس امید سے شاید یہ رؤساء اسلام کی سعادت کو قبول کر لیں۔ ابن ام مکتوم کی طرف توجہ نہ دی لیکن خدا کو یہ امتیاز پسند نہ آیا اور آیت نازل ہوئی۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی اَنْ جَآءَہُ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰی (عبس ۸۰: ۱......۳)

(پیغمبر نے) تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا اس لیے کہ اس کے پاس ایک اندھا آیا ہے (اے پیغمبر) تجھے کیا خبر کہ شاید وہی پاکیزگی اختیار کرے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو لے کر حرم میں نماز پڑھنے جاتے تھے۔ کفار دیکھ کر استہزاء کہتے تھے۔

اَھٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنْ بَیْنِنَا۔

یہی وہ لوگ ہیں۔ جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے۔ آپ ان کے استہزاء کو بطیب خاطر برداشت کرتے

تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر دعا کیا کرتے تھے۔ ”خداوندا! مجھے مسکین زندہ رکھ' مسکین اٹھا اور مسکینوں ہی کے ساتھ میرا حشر کر۔“

حضرت عائشہ نے دریافت کیا۔ یہ کیوں۔ آپ نے فرمایا۔ اس لیے کہ یہ دولت مندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔“ پھر فرمایا۔ ”اے عائشہ کسی مسکین کو اپنے دروازے سے نامراد نہ پھیرو۔ گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اے عائشہ غریبوں سے محبت رکھ اور ان کو اپنے نزدیک کرو تو خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کرے گا۔ (مشکوٰۃ باب فضل الفقراء برروایت ترمذی)

عوالی میں ایک غریب عورت رہتی تھی۔ وہ بیمار ہوگئی۔ اس کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ خیال تھا کہ وہ آج کسی وقت مر جائے گی۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ جب وہ مر جائے تو اطلاع دینا۔ کچھ رات گئے وہ عورت فوت ہوگئی۔ جنازہ جب تیار ہوگیا۔ تو آپ آرام فرما رہے تھے۔ صحابہ نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ خیال کیا۔ رات کو نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ صبح ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا۔ صحابہ نے تمام واقعہ کہہ سنایا۔ آپ سن کر کھڑے ہوئے اور صحابہ کو ساتھ لے کر اس کی قبر پر دوبارہ نماز جنازہ ادا کی۔ (سنن نسائی کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ فی اللیل)

حضرت جریر روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رسول کریمؐ کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے ایک مسافر قبیلہ حاضر خدمت ہوا ان کی ظاہری حالت بہت خراب تھی۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ اضطراب میں آپ گھر کے اندر گئے۔ پھر باہر آئے۔ حضرت بلالؓ کو اذان کے لیے حکم دیا۔ نماز کے بعد آپ نے خطبہ دیا اور ان مفلسوں کی مدد کے لیے آمادہ کیا۔ (صحیح مسلم صدقات)

بچوں پر شفقت

بچوں سے بہت پیار کرتے۔ آپ کا معمول تھا۔ سفر سے تشریف لاتے۔ تو راستہ میں جو بچے ملتے۔ ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیتے۔ بچوں کو خود سلام کرتے۔

ایک دن خالد بن سعد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی۔ سرخ رنگ کا کرتہ جسم پر تھا۔ آپ نے فرمایا۔ سنہ سنہ حبشی زبان میں حسنہ کو سنہ کہتے ہیں۔

وہ لڑکی مہر نبوت سے کھیلنے لگی۔ خالد نے ڈانٹا۔ رسول کریمؐ نے روکا کہ کھیلنے دو۔ (بخاری جلد سوم)

ایک صحابی کا بیان ہے کہ بچپن میں انصار کے نخلستان میں چلا جاتا ڈھیلوں سے مار کر کھجوریں گراتا۔ لوگ مجھ کو پکڑ کر آپ کی خدمت اقدس میں لے آئے۔ آپ نے فرمایا۔ ڈھیلے کیوں مارتے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ کھجوریں کھانے کے لیے۔ آپ نے فرمایا کھجوریں جو زمین پر ٹپکتی ہیں۔ ان کو کھا لیا کرو۔ ڈھیلے نہ مارو۔ یہ کہہ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ (ابو داؤد)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ میں نماز شروع کرتا ہوں۔ دفعتہً صف سے کسی بچے کی رونے کی آواز آتی ہے تو نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو تکلیف ہوتی ہوگی۔ (بخاری کتاب الصلوۃ)

آپ کا معمول تھا کہ جب کوئی فصل کا نیا میوہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا۔ تو حاضرین میں سے سب سے کم عمر والے بچے کو عنایت فرماتے۔ (معجم صغیر طبرانی) بچوں کو چومتے اور ان سے پیار کرتے ایک دفعہ آپ اسی طرح پیار کر رہے تھے۔ باہر سے ایک بدو آیا۔ اس نے کہا۔ تم لوگ بچوں کو پیار کرتے ہو۔ میرے دس بچے ہیں۔ میں نے اب تک کسی سے پیار نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دل سے محبت چھین لے تو میں کیا کروں۔“ (صحیح بخاری کتاب الادب)

جابر بن سمرہ صحابی اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنے گھر کی طرف چلے تو میں بھی ساتھ ہو لیا۔ ادھر سے چند اور لڑکے بھی آپ کے پاس آ گئے۔ آپ نے سب سے پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔ (صحیح مسلم)

ہجرت کے موقعے پر جب آپ مدینہ میں داخل ہوئے۔ تو انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں خوشی سے گھروں سے نکل کر گیت گا رہی تھیں۔ جب آپ گزرے، تو فرمایا۔ ''اے لڑکیو! تم کسے پیار کرتی ہو سب نے کہا۔ ''ہاں یا رسول اللہ'' آپ نے فرمایا۔ ''میں بھی تمھیں پیار کرتا ہوں''

یہ شفقت اور پیار کی بارش صرف مسلمان بچوں پر ہی نہیں برستی تھی بلکہ مشرکین کے بچے بھی اسی طرح لطف اندوز ہوتے تھے۔

ایک دفعہ ایک غزوہ میں چند بچے مارے گئے۔ آپ کو خبر ہوئی تو آپ آزردہ ہوئے۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ مشرکین کے بچے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ ''مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں۔ خبر دار بچوں کو قتل نہ کرو۔ خبر دار بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان خدا کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔ (سند احمد بن حنبل جلد ۳)

غلاموں پر شفقت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تمھارے بھائی ہیں۔ جو خود کھاتے ہو۔ وہ ان کو کھلاؤ جو خود پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ''

آپ کی ملکیت میں جو غلام بھی آتا۔ آپ اس کو ہمیشہ آزاد کر دیتے تھے حضرت زید بن حارثہ غلام تھے۔ آپ نے ان کو آزاد کر دیا۔ ان کے باپ ان کو لینے آئے لیکن انھوں نے جانے سے انکار کر دیا۔

غلاموں کو لفظ ''غلام'' سے تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ اس وجہ سے آپ فرمایا کرتے تھے۔ میرا غلام میری لونڈی نہ کہا کرو بلکہ میرا بچہ اور میری بچی کہا کرو۔ غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہیں۔ بلکہ آقا کہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الموت میں بھی آخری یہ وصیت فرمائی تھی کہ ''غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرنا''

حضرت ابو ذرؓ کے پاس ایک عجمی غلام تھا۔ انھوں نے غلام کو برا بھلا کہا۔ غلام نے خدمت اقدس میں آکر شکایت کی۔ آپ نے ابوذرؓ کو بلا کر زجر فرمایا کہ تم میں اب تک جاہلیت باقی ہے۔ یہ غلام تمھارے بھائی ہیں۔ خدا نے تم کو ان پر فضیلت عطا کی ہے۔ اگر وہ تمھارے مزاج کے موافق نہ ہوں۔ تو ان کو بیچ ڈالو خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو۔ جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ۔ ان کو ان کی طاقت سے باہر کام نہ دو۔ خود بھی ان کے کام میں اعانت کر دو۔ (بخاری)

ایک شخص آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ عرض کی یا رسول اللہ! میں غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں۔ آپ خاموش رہے۔ اس نے پھر عرض کی۔ آپ پھر خاموش رہے۔ اس نے جب تیسری بار عرض کی آپ نے فرمایا۔ ہر روز ستر بار معاف کیا کرو۔

ایک دفعہ حضرت ابو مسعود انصاری اپنے غلام کو مار رہے تھے۔ آواز آئی۔ ابو مسعود! تم کو جس خدا نے اس غلام پر اختیار دیا ہے خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے۔ ابو مسعودؓ نے مڑ کر دیکھا۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے ابو مسعودؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! میں نے ابتغاء لمرضات اللہ اس غلام کو آزاد کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تم ایسا نہ کرتے۔ تو نار جہنم تم کو چھو لیتی۔

لوگ غلاموں کا بیاہ کر دیتے تھے۔ پھر جب چاہتے تھے۔ جبراً ان میں تفریق کر دیتے تھے۔ ایک شخص نے اپنی لونڈی سے اپنے غلام کی شادی کر دی۔ پھر دونوں میں تفریق کرنا چاہی۔ غلام نے خدمت اقدس میں آکر شکایت کی۔

آپ نے خطبہ دیا کہ ''لوگ غلاموں کا نکاح کر کے پھر تفریق کرانا چاہتے ہیں۔ نکاح و طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے۔'' (سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق)

مستورات کے ساتھ برتاؤ

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (نسا ۴:۱۹)

''عورتوں کے ساتھ اچھے طریقہ سے برتاؤ کرو''

انسانی سوسائٹی کی خوشی کا معیار اس کے گھروں کی مجموعی خوشی پر ہے۔ گھر انسانی تہذیب میں بنیاد کا کام دیتا ہے۔ اس لیے رسول کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرد اور عورت کے صحیح مرتبہ اور ان کے باہمی تعلقات پر پوری پوری روشنی ڈالی۔

آپ کی بعثت سے قبل عورت کو ایک غلام کا مرتبہ دیا جاتا تھا۔ جائیداد کا ایک حصہ سمجھی جاتی تھی۔ بچیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا۔ آپ نے عورت کو سوسائٹی میں ایک بلند مقام دیا۔

آپ فرماتے ہیں۔ عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد پر حاکم ہے (بخاری)

آپ نے ایک صحابی سے فرمایا۔

تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے اور تیری روح کا تجھ پر ایک حق ہے اور تیری بیوی کا تجھ پر ایک حق ہے۔ (بخاری)

بیوی کے ساتھ نیک سلوک بلند اخلاق کا معیار ٹھہرایا گیا۔

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ۔

تم میں سے بہتر وہ ہے۔ جو اپنی بیوی سے بہترین سلوک کرتا ہے میں تم سب لوگوں سے اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرتا ہوں۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ نے فرمایا۔

''اے لوگو! تمھارے کچھ حقوق بیویوں پر ہیں اور ایسے ہی ان کے حقوق تم پر ہیں۔ وہ تمھارے ہاتھ میں اللہ کی امانتیں ہیں۔ سو ان کے ساتھ بہت مہربانی کا سلوک کرو۔''

آپ کا عمل بھی آپ کے ارشادات کی عکاسی کرتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں چونکہ ہر وقت مردوں کا ہجوم رہتا تھا۔ عورتوں کو نصائح سننے کا کوئی موقع نہیں ملتا تھا۔ مستورات نے آ کر درخواست کی۔ تو آپ نے انؓ کے لیے ایک خاص دن مقرر کر دیا۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آپ منہ ڈھانک کر سوئے ہوئے تھے۔ عید کا دن تھا۔ لڑکیاں گا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ آئے تو ان کو ڈانٹا۔ آپ نے فرمایا۔ ''ان کو گانے دو۔ ان کی یہ عید کا دن ہے۔'' (مسلم کتاب العیدین)

انجشہ نام ایک حبشی غلام حدی خوان تھا۔ ایک دفعہ سفر میں ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ اونٹ تیز چلنے لگے تو آپ نے فرمایا۔

وَیْحَکَ یَا اَنْجَشَۃُ رُوَیْدَکَ بِالْقَوَارِیْرِ (بخاری)

انجشہ دیکھنا شیشوں کو آہستہ لے کر چل۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق مکہ میں حضرت زبیرؓ بن العوام کے نکاح میں آئیں۔ جب مدینہ میں آئیں۔ تو اس وقت حضرت زبیرؓ کی حالت بہت سقیم تھی۔ صرف ایک گھوڑا تھا۔ حضرت اسماء خود گھوڑے کے لیے جنگل سے گھاس لاتیں اور کھانا تیار کرتی تھیں۔ حضرت زبیر کو جو زمین رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی۔ وہ مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر تھی۔ وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر اٹھا کر لاتیں۔ ایک دن وہ گٹھلیاں لیے ہوئے آ رہی تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ لیا۔ آپ اونٹ پر سوار تھے۔ اونٹ کو بٹھایا اور اسماء کو سوار کیا۔ حضرت اسماء شرمائیں۔ آپ یہ دیکھ کر آگے بڑھ گئے۔

حضرت اسماء کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے ایک خادم بھیجا۔ جو گھوڑے کی خدمت کرتا تھا۔ اس طرح صدیق اکبر نے مجھے غلامی سے آزاد کر دیا (بخاری)

یتامیٰ و بیوگان پر شفقت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتامیٰ اور بیوگان پر ہمیشہ دست شفقت رکھتے اور صحابہ کو شفقت سے پیش آنے کی تلقین فرماتے تھے۔

ایک دفعہ فرمایا۔ ''میں اور یتیم کا متکفل خواہ یتیم اس کے رشتے داروں میں سے ہو یا اجنبیوں میں سے۔ بہشت میں یوں ہوں گے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق) آپ نے اپنی انگشت سبابہ وسطی کے درمیان کچھ کشادگی رکھ کر فرمایا تھا۔ جس سے مراد یہ تھا

کہ میں اور یتیم کا متکفل قریب قریب ہوں گے۔

حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص محض لوجہ اللہ کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ اس کے لیے ہر بال کے مقابلہ میں جس پر اس کا ہاتھ پھرتا ہے۔ نیکیاں ہیں۔ اور جو کسی یتیم لڑکے یا لڑکی کے ساتھ جو اس کی کفالت میں ہو۔ نیکی کرتا ہے میں اور وہ بہشت میں ان دو انگلیوں کی مانند ہوں گے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ احمد ترمذی باب الشفقۃ) (آپ نے سبابہ و وسطی کو اشارہ فرمایا)

حضرت اسماء بنت عمیس زوجہ حضرت جعفر طیار روایت کرتی ہیں۔ کہ جس دن حضرت جعفر غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔ میں اس دن چالیس کھالوں کی دباغت کر چکی تھی اور بچوں کو نہلا چکی تھی۔ اتنے میں رسول کریمؐ میرے گھر تشریف لائے اور فرمایا۔

جعفر کے بچے کہاں ہیں۔ میں نے ان کو حاضر خدمت کیا۔ آپ نے ان کو سینے سے لگا لیا۔ پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ رو پڑے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! شاید جعفر شہید ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں یہ سن کر میں چلانے لگی۔ عورتیں جمع ہو گئیں۔ فرمانے لگے اسماء! لغو نہ بول اور سینہ کوبی نہ کر۔ پھر آپ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے وہ بولیں ہائے چچا۔

آپ نے فرمایا کہ جعفر جیسے پر عورتوں کو رونا چاہیے۔ (طبقات اس سعد جز ثانی)

بیوگان اور مساکین کی خبر گیری کا ثواب یوں بیان فرمایا۔ ''بیوگان اور مساکین پر خرچ کرنے والا خدا کے راستہ میں خرچ کرنے والے کی مانند ہے۔'' (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین باب الشفقۃ)

حیوانات پر رحمت وشفقت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت وشفقت کی بارش صرف انسانوں پر ہی نہ ہوتی تھی بلکہ حیوانات پر بھی ہوتی تھی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیوانات پر ظلم کے جو طریقے عرب میں چلے آتے تھے۔ موقوف کرا دیئے۔ زندہ جانور کے بدن سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر پکایا جاتا تھا۔ اس کو منع فرمایا۔ جانوروں کو باہم لڑانا بھی ناجائز قرار دیا۔ عرب لوگ کسی جانور کو باندھ کر مشق تیراندازی کرتے تھے۔ اس سے منع فرمایا۔ جانور کی دم اور ایال کاٹنے سے منع کیا اور فرمایا کہ ''دم ان کا مورچھل ہے اور ایال ان کا لحاف ہے۔''

ایک دفعہ ایک گدھا راستہ میں نظر آیا۔ جس کا چہرہ داغا گیا تھا۔ فرمایا۔ ''جس نے اس کا چہرہ داغا ہے۔ اس پر خدا کی لعنت ہے۔'' اگر علامت یا بعض دیگر ضرورتوں کی وجہ سے اونٹوں اور بکریوں کو داغنا پڑتا۔ تو آپ ان اعضاء کو داغتے جو نازک نہیں ہوتے۔

پرندوں پر شفقت

ایک دفعہ آپ کسی سفر میں جا رہے تھے کہ لوگوں نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا۔ وہاں ایک پرندہ نے انڈا دیا ہوا تھا۔ ایک شخص نے وہ انڈا اٹھا لیا۔ پرندہ بے قرار ہو کر پَر مار رہا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کا انڈا چھین کر کس نے اس کو اذیت پہنچائی ہے۔'' اس شخص نے جواب دیا۔ ''یا رسول اللہ یہ حرکت مجھ سے ہوئی ہے۔'' آپ نے فرمایا وہیں رکھ دو۔ (ادب المفرد امام بخاری باب رحمۃ البہائم)

ایک صحابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ان کے ہاتھ میں چادر سے چھپے ہوئے کسی پرندے کے بچے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ ایک جھاڑی سے یہ بچے اٹھائے ہیں۔ ان بچوں کی ماں نے دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور بچوں کو وہیں رکھ آؤ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابو داؤد باب رحمۃ اللہ)

مہدی (ہدایت کے بلندترین مقام پر فائز ہونا)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک صفاتی نام مہدی بھی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی (الضحیٰ ۹۳:۷) اس (خدا) نے تجھے طالب ہدایت پایا پس اس نے (ہدایت کا) راستہ بتایا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حراء میں خدا کی یاد میں شب و روز گزارتے تھے کسی نایاب گوہر ہدایت کے متلاشی تھے۔ وہ نایاب

گوہر ہدایت ۱۷ رمضان کو جبرائیل کی معرفت اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ کی صورت میں ملا۔ یہ ہدایت کا سلسلہ تقریباً ۲۳ سال تک جاری رہا اور آپ کا سینہ نور ہدایت سے بھر گیا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ یعنی تمام نبیوں کو جو ہدائتیں ملی تھیں۔ ان سب کی اقتدا کر۔ یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ آپ کی ذات جامع ہدایات متفرقہ تھی اور ہدایت کے اس مقام پر فائز تھے جس پر سابقہ انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی اس مقام کو حاصل نہ کر سکا تھا یہ مقام ہدایت بلاواسطہ حاصل ہوا۔ کسی استاد کی صحبت سے حاصل نہیں ہوا اسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاص لقب مہدی ملا۔ اس خالص مہدویت کے نام کے لحاظ سے آپ کو بہت سے اسرار اور معارف اور کلم جامع بخشے گئے۔ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے اول درجہ کا معجزہ ہے۔ آپ کی اتباع سے متبعین ایمانی اور عملی قوئی کی تکمیل کر کے معرفت تامہ کے بلند مینار تک پہنچ گئے اور عارف کامل بن گئے اور خدا سے ہم کلامی کا شرف حاصل کیا۔ حقیقی مہدی وہی ذات ہوتی ہے۔ جس کی پیروی سے انسان ہدایت کے راستہ پر چل پڑے۔ یہ صفت بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کاملیت پر واضح دلیل ہے۔

خصوصیات نبویہ از احادیث مصطفویہ

صحیحین میں جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اُعْطِیْتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِیْ. نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیْرَةَ شَهْرٍ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا فَاَیُّمَا رَجُلٍ مِّنْ اُمَّتِیْ اَدْرَكَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْیُصَلِّ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْمَغَانِمُ وَلَا تَحِلُّ لِاَحَدٍ مِّنْ قَبْلِیْ وَاُعْطِیْتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّةً. صحیح مسلم کی روایت میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے۔ وَفُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتٍّ. اس حدیث میں اَعْطِیْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ نمبر ا پر اور نمبر ۲ میں نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ اور نمبر ۳ اَحَلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ نمبر ۴ پر جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا نمبر ۵ اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ كَافَّةً ہیں۔ نمبر ۶ پر خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ.

صحیحین کی ایک روایت حضرت ابو ہریرہ کی ہے۔ اس میں جوامع الکلم اور نصرت بالرعب کے بعد خزائن الارض کی مفاتح کا خواب میں حضورؐ کے سامنے رکھا جانا تحریر ہے۔

ان روایات میں حسب ذیل آٹھ امور بنتے ہیں۔

(۱) نصرت بالرعب۔ (۲) روئے زمین کا مسجد اور طہور ہونا (مغانم کا حلال ہونا (۴) عطائے منصب شفاعت (۵) بعثت عامہ (۶) جوامع الکلم کا عطا کیا جانا (۷) ختم نبوت (۸) خزائن الارض کی مفاتح کا خواب میں دیا جانا۔

نُصِرْتُ بالرعب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری رعب سے مدد فرمائی ہے۔ مذہبی اور روحانی لحاظ سے بھی آپ کے رعب کی یہ حالت تھی کہ کسی مخالف کو یہ جرأت نہ تھی کہ وہ آپ کا روحانی امور میں مقابلہ کر سکے یا مذہب کی برتری دلائل و براہین کی رو سے ثابت کرے۔

ظاہری لحاظ سے بھی آپ کو اللہ تعالیٰ نے کمال درجہ کا رعب بخشا ہوا تھا۔ بادشاہ آپ کی خدمت کرنا باعث افتخار سمجھتے تھے۔ جب بادشاہوں کو خطوط لکھے تو قیصر روم نے کہا۔

"مجھے یہ تو معلوم تھا کہ آخر الزمان ظاہر ہونے والا ہے۔ مگر مجھ کو یہ خبر نہ تھی کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ (اہل عرب میں سے) اگر میں اس کی خدمت میں پہنچ سکتا۔ تو بہت ہی پسند کرتا کہ اس کا دیدار مجھے نصیب ہوتا اور میں اپنے لیے باعث فخر سمجھتا کہ جناب مقدس کے پاؤں دھویا کروں اور اس کا ملک اس جگہ بھی پہنچ جائے گا۔ جو اس وقت میرے قبضے میں ہے۔" (مسلم)

جب ابو سفیان اور ان کے ساتھیوں نے قیصر روم کے منہ سے یہ الفاظ سنے تو دربار سے باہر آ کر استعجاب کی نظر سے کہا۔ اِنَّهٗ لَیَخَافُهٗ مَلِكُ بَنِی الْاَصْفَرِ. کہ آپ سے قیصر روم بھی خوف کھاتا ہے۔ اس کے بالمقابل جب کسریٰ شاہ ایران نے غصہ میں آ کر آپ کے گرفتار کرنے کے لیے گورنر یمن کے ذریعے دو سپاہی مدینہ بھجوائے۔ جب وہ بارگاہ نبوت میں پہنچے۔ تو آپ دو چار اصحاب کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے۔

جب انھوں نے کسریٰ کا حکم گرفتاری سنایا۔ اس وقت وہ دونوں سپاہی رعب سے بید کی طرح کانپ رہے تھے۔ آپ نے کہا کہ کل آنا اس کا جواب دے دیا جائے گا۔ جب وہ اگلے دن حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ وہ جسے تم خداوند کہتے ہو۔ وہ آج رات کو مارا گیا ہے اور میرے خدا نے اسی کے بیٹے کو اس پر مسلط کر دیا ہے۔ سو وہ آج رات اس کے ہاتھ سے قتل ہو گیا۔ یہی جواب ہے اور یہ بڑا معجزہ تھا تو اس کو دیکھ کر بہت لوگ ایمان لائے۔

حلت مغانم

حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع بن نون کی فتوحات میں جس قدر مال غنیمت حاصل ہوا تھا اس کو نذر آتش کر دیا گیا۔ تو رات میں جانوروں تک جلا دینے اور بستیوں میں آگ لگا دینے کا ذکر ملتا ہے لیکن آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے غنائم حلال کر دی گئیں۔

روئے زمین کا مسجد ہونا

تمام مذاہب کے عقیدہ کے برعکس امت مسلمہ کے لیے تمام زمین سجدہ گاہ ہے۔ جہاں عبادت کا وقت آئے عبادت کر لے۔

معجزات

معجزات النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

معجزہ کا مفہوم

معجزہ کے لیے قرآن کریم میں لفظ ''آیت'' مستعمل ہوا ہے۔ جس کے اصل معنی ایک ظاہر نشان یا علامت کے ہیں۔ جس کے ذریعے ایک چیز پہچانی جاتی ہے۔ (راغب)

اللہ تعالیٰ اہل دنیا کی نظر میں پیغام الٰہی کے من جانب اللہ ثابت کرنے کے لیے اپنی کلیم، علیم اور قدیر صفات کے تحت اپنے نشان قائم کرتا ہے۔ جو اپنے اندر ایسی ارفع شان رکھتا ہے کہ انسانی دل و دماغ اس کا مثل لانے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ اس کو اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں اور قرآن کریم کی زبان میں اسے آیت اللہ کہتے ہیں۔

معجزہ کسی سنت اللہ کے توڑنے کا نام نہیں بلکہ معجزہ خود ایک سنت اللہ ہے۔ جو وحی الٰہی کے منجانب اللہ ہونے پر ایک اقویٰ دلیل ہے۔

گویا معجزہ اور وحی الٰہی ملزوم ہیں۔

قانون قدرت اور سنت میں فرق

معجزہ پر لکھنے سے قبل قانون قدرت اور سنت اللہ میں فرق بیان کر دینا ضروری ہے۔ جس کے نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔

قانون قدرت تو وہ ہے۔ جو انسان غور و خوض کے ساتھ نظائر قدرت کے مشاہدات و تجربات کے بعد ایک قانون اخذ کرتا ہے۔ اس علم کا نام نیچرل فلاسفی یا اصطلاح عام میں سائنس ہے اور سنت اللہ وہ قوانین الٰہیہ ہیں۔ جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ انسان کا علم محدود اور ناقص ہے۔ خواہ کس قدر بھی تفکر و تدبر کے ساتھ مشاہدات اور تجربات کے بعد ایک قانون اخذ کرتا ہے اور ممکن ہے۔ وہ قانون بالکل صحیح ہو لیکن انسان حتمی فیصلہ نہیں کر سکتا کہ وہ اس کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہو گیا ہے عین ممکن ہے کہ اس میں بعض ایسے امور ہوں کہ جو اس کی نظر سے اوجھل رہ گئے ہوں۔ اس لیے سائنس کے مشاہدات اور تجربات پر اخذ کردہ قوانین کو حتمی نہیں کہا جا سکتا۔

جو قوانین خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرما دیئے ہیں۔ ان کے خلاف کوئی بات سنائے۔ تو وہ بالکل باطل ہو گی کیونکہ خدا کا علم کامل ہے اور اس کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی نظر سے کوئی پہلو رہ گیا ہو۔ اسی کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔

کہ اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں پائے گا۔

پس کوئی ایسا معجزہ نہیں مانا جا سکتا۔ جو سنت اللہ کے خلاف ہو مثلاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ. (الانبیاء ۲۱:۹۵)

یعنی وہ تمام قومیں جو ہلاک ہو چکی ہیں۔ ان کے متعلق یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں نہیں آئیں گی۔

فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ.

کہ جس پر موت وارد ہو جائے اللہ تعالیٰ اس نفس کو روک لیتا ہے۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ. (مومنون ۲۳:۹۹۔۱۰۰)

یعنی یہاں تک کہ جب ان میں سے ایک کو موت آتی ہے۔ کہتا ہے میرے رب مجھے لوٹاؤ تا کہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں اچھا عمل کروں ہرگز نہیں وہ ایک بات ہے۔ جسے وہ کہے گا۔ اور ان کے سامنے ایک روک ہے۔ اس دن تک جو وہ اٹھائے جائیں۔

جب ہمیں علم ہو گیا کہ خدا کی یہ سنت ہے کہ مردہ دوبارہ اس دنیا میں نہیں آ سکتا۔ تو ہم کسی نبی یا ولی کا اس قسم کا کوئی معجزہ نہیں مان سکتے کہ اس نے حقیقی مردہ کو زندہ کر دیا ہے اس طرح تو ایک مضحکہ خیز بات بن جاتی ہے کہ خدا خود ہی ایک قانون دنیا میں جاری و ساری کرتا ہے۔ پھر خود ہی اس کو توڑ دیتا ہے۔

خدا کے علم اور قدرت کا ایک زبردست اظہار ہوتا ہے جس کو دیکھ کر انسان کا ایمان اللہ تعالیٰ پر حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے۔ قرآن مجید کی زبان میں اس قسم کے واقعات کا نام بینات براہین یا آیات ہے۔ محدثین ان کو دلائل نبوت سے تعبیر کرتے ہیں اور متکلمین اور علماء ان کو معجزات کا نام دیتے ہیں۔ چونکہ واقعات انسانی دسترس سے باہر نظر آتے ہیں۔ مدمقابل کی درماندگی اور عجز کی وجہ سے ان واقعات کو علماء نے معجزات کہا ہے۔ معجزات کے بارے میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ کسی سنت الٰہی کے توڑنے کا نام نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا۔ تو آسمان پر جا وہاں سے کتاب لا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں چونکہ یہ مطالبہ سنت الٰہیہ کے خلاف تھا۔ اس وجہ سے آپ نے انکار کر دیا۔

معجزات کے کئی پہلو ہیں۔ اس باب میں چند قسم کے معجزات قلمبند کیے جاتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات پر انکار کے لیے پادریوں اور اسلام کے مخالفین نے ان چند باتوں سے استدلال کیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات سے مخالفین کے انکار کے وجوہات اور جوابات

اوّل:۔ معجزہ کا لفظ قرآن کریم میں محمدؐ صاحب کے حق میں نہیں آیا۔

جواب:۔ قرآن کریم میں تو یہ لفظ کسی نبی کے نشانات نبوت میں نہیں بولا گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کیسے بولا جاتا۔
قرآن نے معجزہ کے لیے لفظ آیت استعمال کیا ہے کیونکہ معجزہ کا لفظ کمزور اور ناقص ہے اور لفظ آیت اپنے اندر ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے اور معجزہ کا مفہوم بھی آیت کے مفہوم میں آ جاتا ہے۔

دوم:۔ دلیل انکار معجزات پر قرآن کریم میں آیا ہے۔

وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (بنی اسرائیل ۱۷۔۵۹)

اور ہمیں کسی چیز نے نہیں روکا کہ نشان بھیجتے رہیں مگر یہ ہوا کہ لوگ انھیں جھٹلاتے رہے۔

جواب:۔ ان الفاظ کا یہ مطلب نہیں کہ چونکہ پہلی امتوں کے نشانات کا انکار کیا یا رد کیا تھا۔ اس وجہ سے خدا اب نشانات نہیں بھیجے گا۔ اگر ان الفاظ کا یہ مطلب ہوتا تو خدا اپنے پیغامات بھی بھیجنے بند کر دیتا کیونکہ پہلی امتوں نے خدا کے پیغامات کو بھی رد کیا تھا۔

آیت کا لفظ نشان اور پیغام الٰہی دونوں پر یکساں استعمال ہوتا ہے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چیز خدا کے لیے ایک نئی وحی یا نشان بھیجنے سے مانع ہو سکتی تھی تو یہ کہ پہلی امتوں نے ان کو رد کیا۔ مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خدا نے دنیا کی ہدایت کے لیے نبی بھیجنے بند کر دیئے ہوں۔ اگر پہلی امتوں نے انکار کیا ہے تو یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ بعد کی آنے والی نسلوں کو نشانات اور پیغام الٰہی سے محروم رکھا جائے۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھی اعتراض ہے کہ اسے پہلے علم نہ تھا کہ لوگ تکذیب کر دیں گے۔ جب لوگوں کے معجزات کی تکذیب کرنے سے یہ سمجھ آ گیا کہ معجزات کا اظہار کرنا بے سود ہے۔ پھر اس نے ان کا دکھانا بند کر دیا۔

سوم:۔ معجزات صرف احادیث میں ہیں۔ احادیث دوسری صدی کے بعد لکھی گئیں۔ قابل اعتبار نہیں ہو سکتیں۔

جواب:۔ آیات و معجزات صرف حدیث میں ہی نہیں بلکہ قرآن مجید میں ان کا مفصل ذکر ہے۔ اگر حدیث میں ہی معجزات ہوتے تو بھی وہ نا قابل اعتبار نہیں ہو سکتے تھے۔

اوّل تو حدیثیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت لکھی جاتی تھیں۔ جن کا ثبوت حدیث کی کتب میں ملتا ہے۔

۱۔ کسی شخص نے جناب علیؓ سے پوچھا آپ کے پاس قرآن کے سوا کچھ اور وحی کی باتیں بھی ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں میرے پاس اس کاغذ میں چند احکام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لکھوائے ہوئے ہیں۔ جن میں جرمانوں کے حکم اور قیدی کے چھوڑانے کے متعلق چند حکم وغیرہ ہیں۔ (بخاری)

۲۔ کتاب الزکوٰۃ بخاری میں دیکھو جلد ا صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰۔

ابوبکرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین نے جو زکوٰۃ کے احکام لکھ دیئے۔ وہ سب رسول خدا کے لکھوائے ہوئے یا بتائے ہوئے تھے۔

۳۔ عبُداللہ بن عمر ہمیشہ حدیثوں کو لکھ رکھتے تھے۔ (بخاری)

اس کے علاوہ یہ بات تاریخی لحاظ سے ثابت ہے کہ رسول کریمؐ کی حدیثوں پر ایک زمانہ بھی نہیں آیا کہ لوگ ان کی درس و تدریس سے غافل ہوئے ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہی احادیث کے مراکز سلطنت کے مختلف شہروں میں قائم ہو گئے۔ طالب علم آتے اور جواہر پاروں سے جھولیاں بھر بھر کر اپنے وطنوں کو لوٹ جاتے اور پھر دوسروں کے لیے روحانی خزانوں کے منہ کھول دیتے اور ان کو مالا مال کرتے۔

آپ کے معجزات اور علامات نبوت جن کو قرآن کریم نے آیات اور برہان کے نام سے تعبیر فرمایا ہے۔ قانون قدرت میں مشہود اور قرآن میں موجود ہیں۔ جن کو عقل سلیم شناخت کر کے ان کے منجانب اللہ ہونے پر گواہی دیتی ہے۔

ا۔ علمی معجزہ (قرآن مجید)

علمی معجزہ یعنی بے مثل کلام الٰہی (قرآن مجید) کا دیا جانا یہ خدا کی صفت علم کا پرتو ہے۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے اور قرآن مجید خود ایک معجزہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔
قرآن مجید میں آتا ہے۔
"لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْكَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا.
(بنی اسرائیل ۱۷: ۸۹)
یعنی کہو اگر انسان اور جن اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل بنا لائیں۔ تو اس کی مانند نہ لاسکیں گے۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔
"اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ.
(ھود ۱۱: ۱۳)
کیا کہتے ہیں کہ اس نے خود جھوٹ بنا لیا ہے کہو۔ اس جیسی دس سورتیں بنا لاؤ اور اللہ کے سوائے جسے بلا سکو بلا لو۔ اگر تم سچے ہو۔
وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ. (البقرہ ۲: ۲۳)
اگر تم کو اس میں شک ہے۔ جو خدا نے اپنے بندے پر اتارا ہے۔ تو اس جیسی ایک سورۃ لے آؤ۔ اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو۔ اگر تم سچے ہو۔
مستشرقین کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ باسورتھ سمتھ لکھتے ہیں۔ یہ ایک ہی معجزہ تھا۔ جس کا محمدؐ کو دعویٰ تھا۔ وہ اس کو مستقل معجزہ کہتے تھے فی الحقیقت یہ ایک ہی معجزہ تھا۔ (لائف آف محمد ص ۲۹۰)
قرآن کریم کا اعجاز کئی اوصاف کے لحاظ سے ہے۔

ا۔ ہدایت کے لحاظ سے

خدا نے قرآن شریف کو هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ یعنی متقیوں کے لیے ہدایت ہے اور دوسری جگہ هُدًی لِّلنَّاسِ یعنی سب لوگوں کے لیے ہدایت کا موجب بیان فرمایا ہے۔
قرآن کریم ہدایت کے لحاظ سے ایک زبردست معجزہ ہے کیونکہ اس سے ایک عظیم الشان انقلاب وقوع میں آیا۔ جس کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ وہ قوم جو مختلف قسم کی گمراہیوں کے اتھاہ گہرائیوں میں پڑی ہوئی تھی جس کا مفصل ذکر پہلے باب میں ہو چکا ہے۔ جب قرآن مجید کا نزول شروع ہوا تو اس نور ہدایت سے افراد میں، خاندان میں، معاشرہ میں، قوم میں سارے ملک میں ایک تبدیلی رونما ہوگئی۔ یہ تبدیلی مادی، اخلاقی، علمی اور روحانی بیداری تھی۔
موسیو سیڈیو فرانسیسی لکھتا ہے۔ "اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں۔ انھوں نے قرآن کی تعلیم کو نہیں دیکھا۔ جس کے اثر سے

عربوں کی تمام بری اور معیوب عادتوں کی کایا پلٹ ہوگئی۔ (بحوالہ تاریخ القرآن مصنفہ مولانا عبدالقیوم ندوی ص ۷۱)

۲۔ مکمل ضابطہ حیات کے لحاظ سے

قرآن مجید ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں۔ جو اس دنیا کے انسانوں کے لیے ضروری ہو لیکن اس میں موجود نہ ہو۔ پھر یہ ایسی کتاب ہے کہ ہر زمانہ کے لوگوں کی راہنمائی کا کام دیتی ہے۔ کبھی ایسا زمانہ نہیں آئے گا کہ جب یہ کتاب لوگوں کی ہدایت سے قاصر ہو۔

ارشاد الٰہی ہے مَافَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (انعام ۶:۳۸) اس کتاب (قرآن مجید) سے کوئی دینی اور مادی ضرورت باہر نہیں رہی بلکہ جمیع حقائق اور ضروریات انسانیہ اور معارف دینیہ پر مشتمل ہے۔

پھر ایک اور جگہ فرمایا وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل ۱۶:۸۹) یعنی ہم نے یہ کتاب (قرآن) تجھ پر تمام علوم فریدیہ پر مشتمل نازل کی۔

پھر فرمایا يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینہ) (رسول) جو پاک صحیفے پڑھتا ہے جس میں قائم رہنے والی کتابیں ہیں یعنی قرآن مجید وہ پاک اوراق ہیں جن میں تمام آسمانی کتب کا لب لباب اور خلاصہ بھرا ہوا ہے آغاز قرآن میں ہی ارشاد الٰہی ہے۔ الٓمّٓ ذَالِكَ الْكِتَابُ لَارَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یہ وہ کتاب ہے جس کو علیم وخبیر ہستی نے نازل کیا۔ جس کا علم جہل اور نسیان سے پاک ہے۔ اس لیے یہ کتاب شک وشبہ سے بالاتر ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے اندر ایک طاقت رکھتا ہے۔ اس لیے یہ کتاب متقین کے لیے ایک مکمل ہدایت اور کامل ضابطہ ہے۔

علماء اور فلاسفہ کے نزدیک جب تک کسی کتاب کے علل اربعہ کامل نہ ہوں۔ وہ کتاب کامل نہیں کہلا سکتی اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات میں علل اربعہ کا ذکر کیا ہے وہ چار علل یہ ہیں۔ علت فاعلی، علت، مادی، علت صوری، علت غمائی۔

الم کا لفظ علت فاعلی کے کمال کی طرف اشارہ کر رہا ہے انا اللہ اعلم یعنی میں اللہ خوب جانتا ہوں۔ یہ لفظ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ کتاب عالم الغیب کی طرف سے نازل کی گئی ہے پس چونکہ علیم خدا اس کتاب کی علت فاعلی ہے اس لیے اس کتاب کا فاعل (خدا) ہر فاعل سے زبردست ہے اور کامل ہے۔ علت مادی کی طرف یہ فقرہ ذالک الکتاب اشارہ کر رہا ہے یعنی وہ کتاب ہے جس نے خدا کے علم سے خلعت وجود پہنا ہے خدا کا علم کامل ترین ہے لہٰذا یہ کتاب ہدایت کے لحاظ سے کامل ترین ہے۔

علت صوری کی طرف الفاظ لاریب فیہ اشارہ کر رہے ہیں۔ یعنی یہ کتاب ہر غلطی اور شک وشبہ سے پاک ہے اس میں شک وشبہ ہو کیسے سکتا ہے کہ یہ کتاب علیم وخبیر ہستی کی طرف سے نازل کی گئی ہے اس لیے وہ ہر عیب سے مبرا اور پاک ہے۔ علت غمائی کے کمال کی طرف الفاظ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ اشارہ کر رہے ہیں یعنی یہ وہ کتاب ہے جو ان لوگوں کے ہدایت کا موجب ہے جو اس کی تعلیم پر عمل پیرا ہیں۔ یہ کتاب ان کو منزل مقصود تک پہنچاتی ہے۔ دوسری جگہ اس کتاب کو ھدی للناس قرار دیا ہے۔ گویا اس کتاب کے نازل ہونے کی علت ہدایت ہے ہدایت کا مطلب ہے منزل مقصود تک پہنچانا۔

گویا مذکورہ آیات قرآن مجید کے مکمل ضابطہ ہونے پر واضح دلیل ہے۔ قرآن مجید کے مکمل ضابطہ حیات ہونے پر غیر مسلموں کی شہادتیں بھی موجود ہیں چنانچہ موسیو اوجین کلافل فرانسیسی لکھتا ہے۔

"قرآن مجید مذہبی قواعد اور احکام کا ہی مجموعہ نہیں ہے بلکہ اجتماعی (سوشیل) احکام کا بھی ہیں۔ جو انسان کی زندگی کے لیے ہر حالت میں مفید ہیں (بحوالہ تاریخ القرآن مصنفہ مولانا عبدالقیوم ندوی ص ۷۰)

ڈیون پورٹ لکھتا ہے۔

"قرآن مسلمانوں کا مشترکہ قانون ہے معاشرتی ملکی تجارتی فوجی عدالتی تعزیری سب ہی معاملات اس میں ہیں۔ باوجود اس کے یہ ایک مذہبی کتاب ہے اس نے ہر چیز کو باقاعدہ بنایا ہے۔ (بحوالہ تاریخ القرآن مصنفہ عبدالقیوم ندوی ص ۷۰)

۳۔ حسن کلام کے لحاظ سے معجزہ

معتزلہ سے جاحظ اور تمام اشاعرہ قرآن مجید کو حسن کلام اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ قرار دیتے ہیں حسن کلام کے ہمیشہ تین مختلف زاویوں سے پرکھا جاتا ہے۔

الف۔ کلام موزوں ہو اور جملوں کی ترتیب دلاویز ہو۔

ب۔ فلسفیانہ نگاہ اور علم کے اعتبار سے۔

ج۔ اخلاقی نقطہ نظر سے۔

ایک کلام بندش الفاظ اور جملوں ہی کی ترتیب کے لحاظ سے اعلیٰ کلام کہلاتا ہے مگر فلسفہ اور عقل کی میزان میں پورا نہیں آتا ایک اور کلام علم و عقل کے کانٹے پر درست معلوم ہوتا ہے مگر الفاظ ناموزوں جملے پراگندہ اور عبارت بے ربط اور فصاحت و بلاغت کے تمام اصولوں سے عاری ہے اگر حسن اتفاق سے کسی کلام میں یہ دونوں خوبیاں پائی جاتی ہیں بندش الفاظ درست ہوں اور علم وعقل کی میزان میں بھی پورا اترتا ہو مگر اس کا اثر انسان کے اخلاق پر اچھا نہ ہو۔ تو اخلاقی لحاظ سے وہ کلام غیر معیاری اور پست کہلاتا ہے۔ قرآن مجید کا اعجاز حسن کلام ہے اس کی ہر آیت میں یہ تینوں خوبیاں موجود ہیں اس کا کلام نہایت موزوں اور فصاحت و بلاغت سے پُر اس کا بیان پُر از صداقت اور اس کا اخلاقی معیار نہایت اعلیٰ ہے۔ مثال کے طور پر سورۃ فاتحہ کو ہی دیکھیں اس میں تینوں اوصاف پائے جاتے ہیں۔ اس کا اعتراف نہ صرف مسلمانوں کو ہی ہے بلکہ مستشرقین کو بھی ہے۔

''قرآن مجید اثر ڈالنے یقین دلانے کی طاقت فصاحت و بلاغت اور تراکیب و بندش الفاظ میں بے نظیر ہے اور دنیائے سائنس کے تمام شعبوں کی حیرت انگیز ترقی کا باعث۔'' (ہرش فیلڈ نیو ریسرچز ص ۵)

جارج سیل لکھتے ہیں۔

''قرآن کریم بے شبہ عربی زبان کی سب سے بہتر اور سب سے مستند کتاب ہے۔ کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا اور یہ مردوں کو زندہ کرنے سے بڑھا ہوا معجزہ ہے۔''

ڈاکٹر موریس فرانسیسی لکھتے ہیں۔

''قرآن کی سب سے بڑی تعریف اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوشی اسلوبی کے اعتبار سے قرآن کو تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت ہے۔'' (بحوالہ تاریخ القرآن مصنفہ مولانا عبدالقیوم ندوی ص ۹۹)

پاپولر انسائیکلوپیڈیا میں ہے۔

''قرآن کی زبان بلحاظ لفظ عرب نہایت فصیح ہے۔ اس کی خوبیوں نے اسے اب تک بے مثل اور بے نظیر ثابت کیا ہے۔''

۴۔ تحریف وتبدل سے محفوظ رہنے کے لحاظ سے معجزہ

قرآن مجید کے متعلق خدا کا وعدہ ہے۔

اِنَّانَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ. (حجر ۱۵:۹)

ہم نے ہی یہ نصیحت (قرآن) اتاری ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

دنیا کا کوئی مذہب نہیں۔ جس کی کتاب اپنے ہادی کی زبان میں بعینہٖ اس طرح شہرت پذیر ہو۔ یہ فخر قرآن مجید کو ہی حاصل ہے کہ وہ ویسے ہی محفوظ ہمارے ہاتھوں میں پہنچی ہے۔ جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تھی۔

سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد صفحہ ۴۸ میں بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

گویا ممکن ہے کہ محمدؐ نے قرآن خود ہی بنایا تھا۔ مگر جو قرآن ہمارے پاس آج موجود ہے یہ وہی ہے۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔

پھر لکھتے ہیں۔

ہم نہایت مضبوط قیاسات کی بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ ہر ایک آیت جو قرآن میں ہے۔ وہ اصلی ہے اور جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر محرف تصنیف ہے (ص ۵۶۲)

۵۔ جاذبہ اثر کے لحاظ سے معجزہ

قرآن کریم کے اعجاز کی ایک وجہ اس کی خارق عادت تاثیر ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ (قمر ۵۴:۴،۵)

اور یقیناً ان کو (قرآن کے ذریعہ سے) انھیں وہ باتیں پہنچ چکی ہیں۔ جن میں تنبیہ ہے یہ قرآن دل تک پہنچ جانے والی دانائی ہے۔ مگر ڈرانا کسی کام نہ آیا۔

کفار قرآن کی قوت تسخیر کی وجہ سے اس کو سحر اور جادو کہتے تھے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۔ (احقاف ۴۶:۷)

جب ان کافروں پر ہماری کھلی کھلی آیات پڑھی جاتی ہیں۔ تو وہ لوگ جو سچائی کے آنے کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

روساء کفار کہتے تھے کہ جب محمدؐ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنانے لگیں تو شور کرو تا کہ لوگ سن کر متاثر نہ ہوں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۔ (حمٓ السجدہ ۴۱:۲۶)

کفار نے کہا کہ اس قرآن کو سنا نہ کرو اور اس کے پڑھتے وقت شور وغل کرو۔ شاید تم جیت جاؤ۔

یہ آیات قرآن کی قوت تسخیر پر دلالت کرتی ہیں اور تاریخ اسلام بھی یہ ظاہر کرتی ہے کہ بڑے بڑے سرکش اور دشمن اسلام قرآن مجید کی آیات سن کر دائرہ اسلام میں داخل ہوتے۔

حضرت عمرؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ گھر سے مسلح ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام تمام کرنے کے لیے نکلتے ہیں۔ لیکن اپنی بہن کے گھر قرآن کی آیات سنتے ہیں تو تیغ بران ان کے ہاتھ سے گر پڑتی ہے اور ہمشیرہ کے گھر سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا جوا اپنی گردن پر رکھ کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو جاتے ہیں اور فاروق کے خطاب سے عزت پاتے ہیں۔

خالد بن عتبہ قرآن مجید سن پاتا ہے تو ششدر رہ جاتا ہے اور بے اختیار بول اٹھتا ہے۔

واللّٰہ ان لہ لحلاوۃ و ان علیہ لطراوۃ وان اسفلہ لمغدقٌ وان لاعلاہ مثمر وما یقول ھذا بشر۔

بخدا اس میں عجیب شرینی ہے۔ اس میں عجیب تروتازگی ہے اس کی جڑیں سیراب ہیں اور اس کی شاخیں پھل سے لدی ہوئی ہیں بشر تو ایسا کہہ نہیں سکتا۔

اسعد بن زرارہ مدینہ کا مشہور رئیس گھر سے مسلح ہو کر نکلتا ہے تا کہ اسلام کے مبلغ مصعب بن عمیر کو مدینہ سے باہر نکال دے۔ لیکن جب وہ قرآن کی آیات سن لیتا ہے۔ تو فوراً مصعب کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیتا ہے۔

ثمامہ بن اثال کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ مبغوض تھے۔ اسے صرف دو دن تک قرآن کریم سننے کا موقع ملتا ہے۔ تو قرآن کی تاثیر دل و دماغ پر چھا جاتی ہے تو خود بخود بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتا ہے اور اسلام لاتا ہے۔

چنانچہ جان ریسک جرمنی فلاسفر کہتے ہیں۔

"جب قرآن پیغمبرؐ کی زبان سے منکر سنتے تھے۔ تو بے تاب ہو کر سجدے میں گر پڑتے تھے اور مسلمان ہو جاتے تھے۔"

(بحوالہ تاریخ القرآن مصنفہ عبدالقیوم ندوی ص ۶۷)

مسٹر جے ٹی بٹانی لکھتے ہیں۔

''قرآن نے بے حد وشمار انسانوں کے اعتقاد اور چال چلن پر نمایاں اثر ڈالا ہے۔'' (ایضاً ص ۶۸)

''قرآن مجید کا طرز بیان عموماً دلکش اور اس میں روانی ہے اور بہت سے مقامات پر خصوصاً اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی عظمت و شان اور جلال کا ذکر ہے۔ اس کا طرز بیان اور بھی دلکش اور شاندار اور بلند پایہ ہے۔ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس قدر کامیاب ہوا اور اس نے اپنے سامعین کے قلوب کو اس قدر مسخر کیا کہ بعض مخالف یہ خیال کرنے پر مجبور تھے کہ یہ گویا کسی جادو یا سحر کا اثر ہے۔'' (Sale Preliminary)

۶۔ عدم اختلاف کے لحاظ معجزہ

قرآن کریم میں معنوی لحاظ سے کہیں ایک جگہ بھی کوئی اختلاف نہیں حالانکہ تیئس برس دکھ سکھ کے مختلف اوقات میں نازل ہوتا رہا۔ پھر سب کے سب باہم موافق۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا. (النساء ۴: ۸۲)

یعنی کیا یہ کافر قرآن مجید میں غور نہیں کرتے۔ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔

اگر غور کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ اختلافات چار طرح کے ہیں۔ اوّل جب ایک انسان کوئی بات کرتا ہے تو اس کے مخاطب مختلف قسم کے لوگ ہیں۔ جاہل ہیں۔ عالم ہیں۔ نادان ہیں۔ ذکی ہیں۔ تو ایسے مواقع پر خطیب سامعین کے عقل وفہم کے مطابق کلام کرے گا۔ مختلف موقعوں پر مختلف کلام کرے گا۔ لیکن قرآن مجید کے سامعین اور مخاطبین بھی کئی قسم کے تھے۔ ذکی تھے۔ عقلمند تھے۔ جاہل تھے۔ امی تھے لیکن مختلف قسم کے سامعین ہونے کے باوجود قرآن مجید میں کوئی اختلاف نہیں۔ دوم۔ ایک مقرر یا ایک مصنف اپنے ماحول کے مشاہدات' تجربات اور تحقیقات کے مطابق لکھتا ہے اور لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور اپنے استدلال میں انہی نظائر کو پیش کرتا ہے کچھ وقت گزر جانے کے بعد نئی تحقیقات سے نئے مشاہدات سامنے آتے ہیں جو پہلے مشاہدات کے منافی ہوتے ہیں اس طرح نئی تحقیق پرانی تحقیق کو باطل کر دیتی ہے۔ مثلاً ایک وقت تھا لوگ جانتے تھے کہ ہوا اپنا بوجھ اشیاء پر ڈالتی ہے اب تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ ہوا اپنا کوئی بوجھ نہیں ڈالتی۔ نئی تحقیق نے پرانی تحقیق کو باطل کر دیا ہے اور دونوں نظریات میں واضح اختلاف ہے۔ قرآن ایسی کتاب ہے۔ جن امور کا ذکر کیا گیا ہے۔ دنیا کی کوئی تحقیق بھی قرآنی امور کو باطل قرار نہیں دے سکی بلکہ قرآنی ہدایت سے اپنی سمت درست کی ہے۔ سوم۔ زمانہ کی تعداد سے بھی آدمی کے بیان میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے مثلاً ایک مقرر یا مصنف متواتر تیس سال تک تقریر کرتا رہے یا لکھتا رہے تو اس کے پہلے اور پچھلے لیکچروں یا تحریرات میں ضرور اختلاف آ جائے گا لیکن قرآن اس قسم کے اختلاف سے بری ہے اس کا طرز بیان شروع سے لے کر آخر تک ایک ہی ہے۔ چہارم۔ وجہ اختلاف یہ ہوا کرتی ہے کہ جب مذہب پر کچھ وقت گزرتا ہے تو مذہب والے اصل مذہب سے دور جا پڑتے ہیں۔ اصل مذہب کا پتہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کتاب میں بیرونی ملونی شامل ہو جاتی ہے تو کتاب اختلافات کا چشمہ بن جاتی ہے لیکن قرآن ایسی کتاب ہے سے مرور زمانہ سے نہ اس میں کوئی ملونی آئی ہے نہ اختلاف۔ ہر وقت ایک قوم خادم قرآن پیدا ہوتی ہے وہ غلط عقائد کو درست کر دیتی ہے باوجود اس قدر طویل زمانہ گزرنے کے قرآنی تعلیم میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔

۷۔ غیب کی خبروں کا اعلان کرنے کے لحاظ سے معجزہ

قرآن مجید نے غیب کی خبروں کا جس سچائی سے اظہار کیا ہے۔ وہ آپ اپنی مثال ہے۔ بہت سے کفار محض غیب کی خبروں کے پورا ہونے کی وجہ سے ایمان لے آئے۔

مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی گئی تھی۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ. (سورۃ القصص ۲۸:۸۵)

یعنی وہ خدا جس نے تجھ پر قرآن نازل کیا ہے اور اس کی اطاعت فرض کی وہ تجھے ضرور مکہ میں لوٹا کر لائے گا۔

اس خبر میں نہ صرف یہ بتایا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے ہجرت کرنی پڑے گی بلکہ یہ بھی خبر دی کہ ہجرت کے بعد آپؐ فاتحانہ طور پر مکہ میں داخل ہوں گے۔

جن حالات میں یہ پیشگوئی کی گئی تھی۔ کوئی کہہ سکتا تھا کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتحانہ انداز میں دوبارہ مکہ لوٹ کر آئیں گے۔ لڑائیوں میں مسلمانوں کی فتح کے متعلق قرآن مجید یہ بشارت دیتا ہے۔

اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ. (صافات ۳۷:۱۷۳)

ہمارا لشکر ہی برابر غالب آتا رہے گا۔

مسلمانوں کی لڑائیاں اس بات پر شہادت دیتی ہیں کہ کس طرح یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اس وجہ سے اس پر بحث تمحیص کرنا بے سود ہے۔ سلطنت روما نیز اہل ایمان کی کامیابی کی پیشگوئی قرآن مجید میں ہے۔

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ. (روم ۳۰:۲......۵)

یعنی میں اللہ کامل علم رکھنے والا ہوں۔ رومی مغلوب ہو گئے۔ قریب سرزمین میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد غالب آئیں گے چند سال کے اندر اندر پہلے اور پیچھے اللہ کا ہی حکم ہے اور اس دن مومن خوش ہوں گے۔ اللہ کی مدد سے وہ جس کی چاہتا ہے۔ مدد کرتا ہے اور وہ غالب رحم کرنے والا ہے۔

سلطنت روما کی مغلوبیت جس کا یہاں ذکر ہے۔ ایرانیوں کے ہاتھ سے وقوع میں آئی۔ دونوں سلطنتوں کے درمیان مقابلہ مدت سے چلا آتا تھا۔ چنانچہ ۶۰۲ء میں ایک عظیم الشان جنگ شروع ہوئی اور ۶۱۵ میں فتح ہوئی۔ اس عرصہ میں خسرو پرویز شہنشاہ ایران نے روما والوں کو شام' ایشیا' کوچک' دمشق' یروشلم اور مصر سے باہر نکال دیا۔ ایسے وقت میں یہ پیش گوئی کہ یہ مغلوب سلطنت آخر کار غالب آ جائے گی کسی انسان کی طاقت میں نہیں چنانچہ پیشگوئی کے مطابق ۶۳۴ء میں ہرقل نے نہ صرف اپنے علاقے واپس لیے بلکہ ایران کے اندر داخل ہو کر بڑے بڑے آتشکدوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ اسی سال جنگ بدر میں ۳۱۳ مسلمان جن کے پاس کوئی خاص اسلحہ نہیں تھا ایک ہزار قریش کی مسلح فوج پر غالب آئے۔

قرآن میں فرعون کی لاش کے متعلق پیشگوئی موجود ہے۔

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَةً وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ. (یونس ۱۰:۹۲)

سو آج ہم تیری لاش کو باہر نکال دیں گے تاکہ تو ان کے لیے جو تیرے پیچھے میں نشان ہو اور بہت سے لوگ ہمارے نشانوں سے بے خبر ہیں۔

یہ اس وقت خبر دی۔ جس کا اس زمانہ میں کسی کو علم تک بھی نہ تھا۔ نہ بائبل میں نہ اور کسی کتاب میں فرعون کی لاش کو دریا سے باہر پھینکنے کا ذکر ہے قرآن مجید نے صاف الفاظ میں لاش کے باہر پھینکے جانے کا ذکر کیا ہے۔ تاریخ نے اس پیشگوئی کی صداقت پر مہر ثبت کر دی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے مقابل پر جو فرعون تھا۔ اس کا نام تاریخ رعمیس ثانی بتاتی ہے اور انسائیکلو پیڈیا آف بری ٹیکا میں مضمون م کے تحت لکھا ہے کہ رعمیسس ثانی کی لاش آج تک ان لاشوں میں محفوظ ہے جو مصالح وغیرہ کے ذریعے رکھی جاتی ہیں۔ آج اس پیشگوئی کے پورا ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کی صداقت کے سامنے سرخم کرنا پڑتا ہے۔ یہ کلام صرف عالم الغیب ہستی کا ہو سکتا ہے۔

۸۔ بعض معتزلہ کے نزدیک قرآن مجید کا نظم کلام معجزہ ہے

اہل عرب کا کلام جس طرز اور اسلوب پر ہوا کرتا تھا۔ قرآن مجید نے اس کو ترک کر کے نظم و نثر کے درمیان ایک پسندیدہ اسلوب اختیار کیا۔ جس کے سامنے کفار دم نہ مار سکے۔

ڈاکٹر چارٹن لکھتے ہیں۔

''قرآن کا طرز تحریر دل آویز ہے۔ رواں ہے۔ مختصر اور جامع ہے۔ خدا کا ذکر شاندار طریقہ سے کرتا ہے۔''

کونٹ ہنری دی کاسٹری لکھتے ہیں۔

''قرآن کو دیکھ کر عقل حیرت میں ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل امی تھا۔'' (بحوالہ تاریخ القرآن مصنفہ مولانا عبدالقیوم ندوی ص ۷۰)

۹۔ حفظ کی سہولت کے لحاظ سے معجزہ

قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ. سہولت سے حفظ ہو جانے کے لحاظ سے بھی قرآن مجید ایک معجزہ ہے۔ دنیا میں بے شمار مذاہب ہیں۔ کسی نے بھی اپنے مذہب کی مقدس کتاب کو یاد نہیں کیا یہ خصوصیت قرآن مجید کو ہی حاصل ہے کہ وہ یاد کرنے والوں کو جلد اور آسانی سے یاد ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں میں ہزاروں ایسی مثالیں ملیں گی کہ دس سال کے بچے نے تمام قرآن حفظ کر لیا۔

۲۔ اقتداری معجزات

اقتداری معجزات بیان کرنے سے پہلے صوفیاء کرام کی وضع کردہ تین اصطلاحوں کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اقتداری معجزہ صفت لقاء سے منسلک ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اصطلاحات کسی علم کی زینت ہوتی ہیں جس شعبہ علم میں جتنی اصطلاحات زیادہ ہوں گی وہ علم اتنا ہی وسیع ہوگا۔ بعض لوگ ان اصطلاحوں کو غیر قرآنی کہہ کر رد کر دیتے ہیں حالانکہ صوفیاء کرام نے اپنی اصطلاحات کا سرچشمہ قرآن مجید کو ٹھہرایا ہوتا ہے وہیں سے استنباط کیا ہوتا ہے۔ جن علماء کی عقل ان معارف تک نہیں پہنچتی تو ان اصطلاحوں کو رد کر دیتے ہیں یہ کوتاہ علمی ہے۔

وہ تین اصطلاحات فنا' بقا اور لقا ہیں۔ صوفیاء کرام نے ان اصطلاحات کو اس آیت سے مستنبط کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ (بقرہ) یہ آیت سلوک اور سعادت تامہ کے تین ضروری درجوں فنا' بقا اور لقا کی طرف اشارہ کرتی ہے اسلم وجہہٗ للہ کا یہ فقرہ یہ تعلیم دے رہا ہے جب ایک انسان اپنی تمام طاقتوں اور استعدادوں کو خدا کی رضا کی خاطر اس کی راہ میں وقف کر دیتا ہے اور اپنی تمام غیر قرآنی خواہشات سے بکلی باز آ جاتا ہے۔ تو بلاشبہ اس پر ایک قسم کی موت وارد ہو جاتی ہے اسی موت کو اہل تصوف فنا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اس کے بعد وَهُوَ مُحْسِنٌ کا فقرہ مرتبہ بقا کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جب ایک انسان اپنے جذبات نفسانی پر موت وارد کر لیتا ہے اور خدا کی رضا کے لیے اپنے تمام اعضا اللہ کے راستہ میں وقف کر دیتا ہے۔ تو اس کے بعد اس کو ایک نئی زندگی ملتی ہے۔ جس کو بقا کا نام دیا جاتا ہے۔

پھر اس کے بعد یہ فقرات فله اجره عند ربه ولا خوف عليهم ولاهم يحزنون. یہ الفاظ اجر کے اثبات اور حزن کے سبب پر دلالت کرتے ہیں جب ایک شخص فنا کے مرتبہ کے بعد بقا کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے اور اس مرتبہ پر راسخ ہو جاتا ہے اس کے رگ و پے میں اللہ کی محبت جاگزین ہو جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مرتبہ لقا پر فائز کر دیتا ہے اس مرتبہ پر پہنچ کر سالک خدا کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے اور روح القدس اس کا قرین بن جاتا ہے اس مقام پر پہنچ کر ایک انسان سے بعض اوقات اقتداری معجزات ظہور میں آتے ہیں۔ جو بشریت کی طاقتوں سے بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور ایسی طاقت اور قدرت کا رنگ اپنے اندر رکھتے ہیں۔ بعض عقل کے پجاری اس قسم کے معجزات کو قانون قدرت کے خلاف قرار دے کر رد کر دیتے ہیں یا تاویل سے کام لیتے ہیں۔ یہ معجزات قانون قدرت کے خلاف نہیں بلکہ اس قسم کے معجزات کا ظہور خدا کی سنت میں شامل ہیں۔ وہ اپنی ہستی کو منانے کے لیے اپنے مقرب بندے کے ہاتھ پر اس قسم کے معجزات دکھاتا ہے۔

اقتداری معجزات

ا۔ جنگ بدر میں کنکر پھینکنا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنگ بدر میں کنکریاں پھینکنا ایک اقتداری معجزہ ہے جب آپ نے ایک مٹھی بھر کنکریاں دشمن کے لشکر پر پھینکیں اس مٹھی نے وہ خدائی قوت دکھلائی اور دشمن کی فوج پر ایک ایسا خارق عادت اثر پڑا کوئی بھی جنگجو ایسا نہ تھا۔ جس کی آنکھ پر اس کا اثر نہ پہنچا ہو۔ وہ سب اندھوں کی طرح سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ اس معجزہ کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى یعنی جب تو نے اس مٹھی کو پھینکا وہ تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا یعنی در پردہ الٰہی طاقت کام کر گئی۔ جو انسانی طاقت سے باہر تھا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنکریاں پھینکنے کا عمل اپنی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ کنکریاں رسول کریم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے پھینکیں تھیں۔ اللہ کا اپنی طرف منسوب کرنے میں یہی حکمت ہے اس مٹھی بھر کنکریوں میں الٰہی قوت پیدا ہوگئی جس نے دشمنوں میں سراسیمگی اور پریشانی کی حالت پیدا کر دی اور مٹھی بھر مسلمانوں کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ یہ وہ مٹھی بھر مسلمان ہیں جن کے پاس اسلحہ حرب بھی نہیں ہے۔ کفار کی ذلت آمیز شکست دراصل اللہ کی قدرت کا ظہور تھا۔ جو کنکریوں کے پھینکنے کی شکل میں رونما ہوئی۔

ب۔ معجزہ شق القمر

ابن اثیر واقعہ انشقاق قمر کے متعلق کہتے ہیں۔

ورد فی الاحادیث المتواترة بالا سانید الصحیحة.

یعنی اس کا ذکر متواتر احادیث میں اسناد صحیح کے ساتھ ہے۔

بخاری میں حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔ ایک ٹکڑہ پہاڑ کے اوپر تھا اور ایک نیچے تو آپ نے فرمایا۔ گواہ رہو۔ ابن عباسؓ کی روایت میں صرف پھٹنے کا ذکر ہے۔ انسؓ کی روایت میں ہے کہ اہل مکہ نے نشان طلب کیا تھا۔ تو آپ نے شق قمر کا معجزہ دکھایا اور ایک روایت میں ہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے حرا کو ان دونوں کے درمیان دیکھا اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر تھا...... اور ایک اس پہاڑ پر یعنی صفا اور مروہ پر طبرانی میں ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ چاند کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں کسوف لگا تو کفار نے کہا کہ محمدؐ نے چاند پر جادو کر دیا ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ (قمر ۱:۵۴) بیہقی کی روایت میں ہے کہ جب کفار نے شق قمر کو دیکھا تو کہا یہ ہم پر جادو کر دیا ہے۔ باہر سے آنے والوں سے دریافت کیا۔ تو باہر سے آنے والوں نے بھی اس کی گواہی دی۔

ان تمام روایات سے نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں انشقاق قمر دیکھا گیا اور قرآن مجید کی آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ. گھڑی قریب ہے اور چاند پھٹ گیا۔ بھی اس پر دال ہے کہ انشقاق قمر وقوع میں آیا۔

انشقاق قمر کا وقوع خلاف قانون قدرت نہیں

انشقاق قمر کا وقوع خلاف سنت اللہ نہیں۔ کسی قانون قدرت نے کوئی فیصلہ نہیں دیا کہ ان اجرام سماوی میں کوئی بڑے بڑے تغیرات نمودار نہیں ہوتے رہتے بلکہ قانون قدرت کی شہادت اس کے خلاف ہے۔ آخر زمین پر جو بڑے بڑے پہاڑ بنے۔ تو کیا یہ بغیر کسی تغیر عظیم کے ہی بن گئے اور خود سورج میں تغیر اور انقلاب آتے رہتے ہیں اور بعض وقت بڑے بڑے داغ نمودار ہو جاتے ہیں۔ تو یہ کون سی بعید بات ہے کہ کوئی عظیم الشان تغیر چاند کے اندر نمودار ہو اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوت اعجازی کے اظہار کے لیے یہ تغیر کفار کو بھی دکھا دیا ہو جو آپ سے نشان طلب کرتے تھے۔

شق قمر کے دوسرے معنی

شق قمر کے معجزہ کے نیچے یہ حقیقت مضمر ہے کہ وہ گھڑی قریب آ رہی ہے کہ جب روساء کفار کی قوت پاش پاش ہو جائے گی۔ جیسا کہ آیت کریمہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ سے ظاہر ہے یہاں الساعة سے مراد قیامت کبریٰ نہیں ہے بلکہ ساعة وسطیٰ مراد ہے یعنی قریش کی یا مخالفین اہل عرب کی ہلاکت کی گھڑی۔ جیسا کہ سورۃ قمر سے پچھلی سورت نجم کے آخر پر اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ سے مراد بھی ساعت وسطیٰ ہے۔ یعنی عرب قوم کی تباہی کی گھڑی ساعة سے یہ مراد قرآن مجید اور احادیث سے واضح ہے جیسا کہ اسی سورت قمر میں آیت بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ (القمر ۴۶:۵۴) (یعنی بلکہ (موعودہ) گھڑی ان کا وقت مقررہ ہے اور وہ گھڑی بہت مصیبت والی اور بہت تلخ ہے) میں لفظ الساعة سے مراد کفار کی تباہی کی گھڑی ہے کیونکہ حدیث بخاری میں آتا ہے کہ غزوہ بدر کے دن جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیمہ سے دعا کر کے باہر نکلے آپ پڑھ رہے تھے۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ. اور اسی لڑائی میں کفار کی جمعیت

نے شکست کھائی اور اپنے بڑے بڑے روساء کو میدان کارزار میں مقتولین میں چھوڑ گئے۔

حضرت عمرؓ۔ قتادہؓ۔ عکرمہؓ اور ابن عباسؓ سے یہی روایت ہے کہ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ یوم بدر کے متعلق ہے۔

ان روایات سے یہ ظاہر ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان آیات کو غزوہ بدر پر چسپاں کیا ہے۔ اس لیے الساعۃ سے مراد بھی یقیناً قریش کی ساعت وسطی یعنی ان کی ہلاکت و بردباری کی گھڑی ہے۔ نہ کہ قیامت کبریٰ۔

قمر سے مراد اہل عرب بڑے بڑے آدمی بھی مراد لیتے تھے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا رویاء ہے کہ ان کے حجرہ میں تین قمر (چاند) گرے ہیں۔ بعد کے واقعات نے یہ بتا دیا تھا۔ ان تین اقمار سے مراد حضرت رسول کریمؐ (فدا ابی وامی) حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے۔ جن کا مدفن حضرت عائشہؓ کا حجرہ مبارکہ ہے۔

پس اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ سے مراد کفار قریش کی تباہی کی گھڑی ہے۔ اس آیت کریمہ کے بعد کا مضمون بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے اور سورہ قمر سے پچھلی سورت نجم کا مضمون بھی اس امر پر دال ہے۔

نتیجہ

شق قمر سے خواہ چاند میں کوئی نمایاں تغیر مراد لے لیا جائے یا کفار کی تباہی و بربادی دونوں ہی اپنے اندر اقتداری اعجاز رکھتے ہیں۔

انبع الماء و تکثیر الطعام

ا۔ مشکیزہ سے پانی ابلنا

ایک دفعہ آپ سفر میں تھے۔ صبح کی نماز پڑھائی۔ تو ایک صحابی جماعت سے الگ ہو گئے۔ آپ نے باجماعت نماز نہ پڑھنے کی وجہ دریافت فرمائی۔ تو انھوں نے جنابت کا عذر کیا چونکہ پانی نہ تھا اس لیے آپ نے ان کو تیمم کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے چند صحابہؓ کو پانی کی تلاش میں روانہ فرمایا۔ وہ لوگ چلے تو ایک عورت ملی۔ جو اونٹ پر دو مشکیزوں میں پانی لاد کر لیے جا رہی تھی۔ ان لوگوں نے اس چشمہ کا پتہ پُوچھا۔ تو اس نے کہا۔ اس جگہ پانی نہیں۔ پھر ان لوگوں نے دریافت کیا کہ تمھارے قبیلہ اور چشمہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ اس نے کہا کہ ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہے۔ وہ لوگ اس کو بارگاہ نبوی میں لائے اور آپ نے ہاتھ سے مشکیزوں کو چھو دیا۔ آپ کے دست مبارک کی برکت سے اس پانی کی مقدار میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ چالیس آدمیوں نے اس سے خوب سیراب ہو کر پانی پیا اور اپنے اپنے تمام مشکیزے اور برتن بھر لیے۔ اس کے بعد آپ نے کھجور اور روٹی کے ٹکڑے جمع کرا کے اس عورت کو دیئے وہ گھر آئی تو بہت حیران تھی۔ اس نے اپنے اہل قبیلہ سے کہا کہ میں نے سب سے بڑے ساحر کو یا اس کے معتقدین کے خیال میں ایک نبی کو دیکھا ہے۔

آخر اس خاتون کے اثر سے یہ پورا قبیلہ مع اس عورت کے حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ (صحیح بخاری علامات النبوت)

۲۔ انگلیوں سے پانی جاری ہونا

ایک دن آپ مقام زورا میں تھے۔ عصر کا وقت آ گیا۔ تو صحابہؓ نے پانی کی تلاش کی لیکن صرف آپ کے لیے پانی ملا۔ جب آپ کی خدمت میں پانی کا برتن پیش کیا گیا۔ تو آپ نے اس پر اپنا ہاتھ ڈال دیا اور آپ کی انگلیوں سے پانی فوارہ کی طرح بہنے لگا۔ یہاں تک کہ تقریباً تین سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، باب معجزات)

۳۔ انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہنا

صلح حدیبیہ کے دن صحابہؓ پیاس سے بے تاب تھے۔ آپ کے سامنے صرف چمڑے کے ایک برتن میں پانی تھا۔ آپ نے اس سے وضو کرنا شروع کیا۔ تو تمام صحابہؓ آپ کی طرف تیزی سے لپکے۔ آپ نے اضطرابی اور بے چینی کی وجہ دریافت فرمائی۔ تو لوگوں نے کہا کہ ہماری ضرورت کے لیے صرف یہی پانی تھا۔ آپ نے اس کے اندر ہاتھ ڈال دیا اور آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی ابلنے لگا۔ چودہ پندرہ سو آدمی ساتھ تھے۔ سب نے اس سے وضو کیا اور پیاس بجھائی (صحیح بخاری باب معجزات)

۴۔ کلی سے پانی بڑھ جانا

دوسری روایت ہے کہ صحابہؓ اس دن اس کنویں پر ٹھہرے جس کا نام حدیبیہ تھا۔ اس کا تمام پانی خشک ہو گیا۔ آپ ـــ کو معلوم ہوا۔ تو کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ گئے اور تھوڑا سا پانی منہ میں لے کر اس میں کلی کر دی۔ تھوڑی دیر میں پانی اس قدر ابلا کہ تمام صحابہؓ اور تمام اونٹوں نے سیراب ہو کر پانی پیا۔

احادیث کی کتب میں اس قسم کے واقعات بے شمار ہیں۔ قارئین کتب احادیث کی طرف رجوع کریں۔

تکثیر طعام

تکثیر طعام سے مراد وہ معجزہ ہے کہ تھوڑا سا طعام بہتوں کے لیے کافی ہو جائے۔ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تھوڑی سی روٹی اور مچھلی سے کئی سو آدمیوں کو سیر کر دیا۔ یہ ان کا بڑا معجزہ سمجھا جاتا ہے لیکن آپ کے دست مبارک سے متعدد دفعہ اس قسم کے معجزات ظہور پذیر ہوئے۔

۱۔ ایک دفعہ حضرت ابوطلحہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے محسوس کیا کہ آپ بھوکے ہیں۔ گھر میں آئے۔ اور بی بی (ام سلیمؓ) سے کہا مجھ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضعیف آواز سے معلوم ہوا ہے کہ آپ بھوکے ہیں۔ کچھ گھر میں کھانے کو ہے؟ انھوں نے جو کی چند روٹیاں دوپٹے میں لپیٹ کر حضرت انسؓ کے ہاتھ آپؐ کی خدمت میں بھیج دیں۔ وہ روٹیاں لے کر آئے تو آپ صحابہ کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت انسؓ کو دیکھ کر کہا۔ کیا تمھیں ابوطلحہؓ نے کھانا دے کر روانہ کیا ہے۔ انھوں نے کہا۔ "ہاں۔" آپ تمام صحابہ کے ساتھ اٹھے اور حضرت ابوطلحہؓ کے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت انسؓ نے ان کو خبر دی تو انھوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ حضورؐ ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور ہمارے پاس کھانے کے لیے کوئی توشہ نہیں۔ آپ ابوطلحہؓ کے ساتھ آئے اور ام سلیم سے کہا جو کچھ تمھارے پاس ہے لے آؤ۔ انھوں نے وہی روٹیاں خدمت میں پیش کر دیں۔ جو حضرت انسؓ کے ہاتھ بھیجی تھیں۔ آپ کے حکم سے ان کو چورا چورا کیا گیا اور ام سلیمؓ نے گھی کا برتن اونڈیل دیا۔ جس نے سالن کا کام دیا لیکن ان ہی روٹیوں میں یہ برکت ہوئی کہ آپ دس دس آدمیوں کو بلا بلا کر کھلاتے تھے۔ وہ سیر سیر ہو کر جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ستر اسی آدمی اسودہ ہو گئے۔ (صحیح بخاری باب علامات النبوہ)

۲۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ان کے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے اور قرض ایک بھاری رقم چھوڑ گئے تھے۔ جب کھجور کی فصل آئی۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ حضورؐ چلیں تا کہ قرض خواہ حضور کو دیکھ کر مجھ سے رعایت کریں۔ فرمایا چلو۔ ہر قسم کی کھجوروں کی ڈھیریاں الگ الگ لگا دو۔ میں نے ارشاد کی تعمیل کی۔ اتنے میں آپ تشریف لے آئے۔ حضورؐ نے بڑے ڈھیر کو تین بار پھر پھر کر دیکھا اور اس کے بعد وہیں بیٹھ گئے۔ فرمایا۔ قرض خواہوں کو بلاؤ۔ وہ آ گئے تو ہر ایک کو ناپ ناپ کر حضورؐ نے کھجوریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ سب قرض خواہ نپٹ گئے اور وہ ڈھیر مجھے ویسے کا ویسا دکھائی دیتا تھا۔ اتنے پر ہی خوش تھا کہ ساری فصل قرض خواہ لے لیں اور مجھے گھر جانے کو ایک کھجور بھی نہ ملے۔ (صحیح بخاری)

۳۔ ایک بار ایک شخص نے آپ سے غلہ مانگا۔ آپ نے تھوڑے سے جو دے دیئے۔ اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ وہ کئی روز اپنے لیے اپنی زوجہ کے لیے اپنے مہمان کے لیے ان میں سے صرف کرتا رہا اور اس میں کمی نہ ہوئی تھی۔ ایک دن اس نے تولا۔ تو آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا اگر تم اس کو نہ تولتے تو ہمیشہ ایک حالت پر قائم رہتے۔

۴۔ ام مالکؓ کے گھر میں ایک کپی گھی کی تھی۔ وہ اس میں سے گھی ہدیۃً رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا کرتی تھی۔ اس کے بچے جب سالن مانگتے اور سالن نہ ہوتا۔ تو وہ اس کپی میں سے گھی نکال کر انھیں بھی دیا کرتی تھی۔ مدتوں یہی طریقہ جاری رہا ایک روز ام مالک نے اس کپی کو نچوڑ لیا۔ اس کے بعد اس میں سے گھی نہ نکلا۔ آپ کی خدمت میں آئیں۔ تو عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم اس کو نہ نچوڑ لیتیں تو اس میں سے ہمیشہ گھی نکلا کرتا۔ (صحیح مسلم باب معجزات النبی)

۵۔ ابن ابی شیبہ اور احمد اور طبرانی اور ابن سعد نے خباب کی بیٹی سے روایت کی ہے کہ ان کا والد جہاد پر چلا گیا۔ آپ ان کے گھر آتے اور بکری کا دودھ دوہ جاتے۔ گھر کا سب سے بڑا برتن دودھ سے بھر جاتا۔ جب خباب واپس آئے۔ انھوں نے دودھ دوہا تو اتنا ہی دودھ تھا۔ جتنا پہلے بکری دیا کرتی تھی۔

۶۔ سمرہ بن جندب کا بیان ہے کہ ہم لوگ دس دس آدمی صبح سے شام تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک پیالہ سے متصل

کھاتے رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس میں اس قدر تکثیر طعام کیونکر ہوتا جاتا ہے۔ آپ نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ ''وہاں'' سے۔ (ترمذی باب ماجاء فی آیات نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۷۔ حضرت دکین اور نعمان بن مقرن صحابی کہتے ہیں کہ ہم چار سو چودہ آدمی خدمت اقدس میں ایک ساتھ حاضر ہوئے۔ ہم سب نے کھانے کی درخواست کی آپ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ان کو کھانا کھلاؤ۔ انھوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ میرے پاس تو اسی قدر ہے۔ جو بال بچوں کو کافی ہو۔ آپ نے دوبارہ فرمایا۔ ''جاؤ ان کو کھلا دو۔ حضرت عمرؓ ہم کو لے کر چلے اور ایک جگہ پر بٹھا دیا اور جو کچھ کھجوریں تھیں۔ وہ سامنے لا کر رکھ دیں اور ان میں یہ برکت نظر آتی تھی کہ ہم سب سیر ہو گئے لیکن کھجوروں میں کمی نہیں آئی۔ (مسند احمد عن دکینؓ)

۸۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھ پر اسلام میں تین مصیبتیں سب سے سخت پڑیں۔ پہلی حضور کی وفات۔ دوسری حضرت عثمانؓ کی شہادت تیسری میرے توشہ دان کا جاتے رہنا۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ کیسا توشہ دان؟ انھوں نے جواب دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوہ میں تھے رسد ختم ہوگئی تھی۔ آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ ابو ہریرہ تمھارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ میں نے عرض کی کہ چند کھجوریں ہیں۔ ارشاد ہوا۔ وہ لے آؤ۔ میں لایا۔ تو آپ نے ان کو دستر خوان پر پھیلا دیا۔ اکیس کھجوریں تھیں۔ آپ ایک ایک کھجور لے کر اور اس پر خدا کا نام پڑھ کر رکھتے جاتے تھے۔ پھر آپ نے سب کو ملا دیا اور ارشاد ہوا کہ دس دس آدمی آ کر شریک ہوں۔ چنانچہ اس طرح لوگ آتے جاتے تھے اور پوری فوج سیر ہوگئی اور کچھ کھجوریں بچ گئیں میں نے درخواست کی۔ یا رسول اللہ! ان پر میرے لیے برکت کی دعا فرما دیں۔ آپ نے دعا کی۔ اور میں نے ان کو اپنے توشہ دان میں رکھ لیا ان کی برکت یہ تھی کہ جب میں ہاتھ ڈالتا تھا۔ اس میں سے کھجوریں نکل آتی تھیں۔ اس میں سے ۵۰ وسق خدا کی راہ میں خیرات کی۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ تک میں اس میں سے برابر کھاتا رہا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ہنگامہ میں وہ توشہ دان جاتا رہا۔
(مسند احمد۔ جامع ترمذی)

تکثیر طعام کے بے شمار معجزات کتب احادیث میں درج ہیں۔ قارئین ان کی طرف رجوع کریں۔

امراض کا دور ہونا

حضرت علی کی آنکھوں کا اچھا ہونا

غزوہ خیبر میں جب آپ نے عَلَم عطا فرمانے کے لیے حضرت علی کو طلب فرمایا تو معلوم ہوا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے حضرت علی کو بلایا گیا آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک لگایا اور دم کیا اس وقت آنکھیں درست ہوگئیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی آنکھیں کبھی خراب ہی نہیں ہوتیں (صحیح بخاری باب غزوہ مناقب علی)

تلوار کا زخم اچھا ہونا

غزوہ خیبر میں حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس پر تین مرتبہ دم کر دیا زخم مندمل ہوگیا اور درد جاتا رہا صرف نشان رہ گیا تھا (صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر

ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا درست ہونا

حضرت عبداللہ بن عتیک قلعہ میں داخل ہو کر جب ابو رافع یہودی کو قتل کر کے واپس لوٹنے لگے تو مکان کے زینہ سے گر پڑے جس سے ان کی ٹانگ پر سخت چوٹ آئی شروع میں تو چوٹ معلوم نہیں ہوئی۔ بعد میں یہ حالت ہوگئی جیسا کہ ابن اسحاق میں ہے کہ انھیں ان کے ساتھی اٹھا کر لائے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے ان کی ٹانگ پر دست مبارک پھیرا اور وہ فوراً اچھی ہوگئی اور یوں

معلوم ہونے لگا کہ پہلے کبھی چوٹ آئی ہی نہیں۔[1]

بعض اوقات آنکھوں کو جن کے ڈیلے لڑائی کے کسی صدمہ سے باہر جا پڑے تھے اپنے ہاتھ کی برکت سے پھر درست کرایا۔

فلسفی اور نیچری جو علت اور معلول کے پردوں میں ملفوف ہوتے ہیں علت اور معلول کے چکر سے باہر نہیں نکل پاتے اس قسم کے واقعات کو عقل کے خلاف قرار دے کر رد کر دیتے ہیں۔ وہ معذور ہیں وہ خلاف عقل اور بالائے از عقل کے درمیان امتیاز نہیں کر پاتے اس لیے وہ مجبور و معذور ہوتے ہیں یہ بات یاد رکھیں کہ اس قسم کے اقتداری معجزات کے ظہور کے وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندہ باصفا باوفا کو عارضی طور پر اپنی صفت قدرت میں شریک کر لیتا ہے اور اس کے ہاتھ پر اقتداری معجزہ رونما ہو جاتا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت کا ظہور ہوتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی ہستی نمایاں ہوتی ہے۔

ہجرت اپنے اندر اقتداری معجزہ لیے ہوئے ہے

جب کفار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بد ارادہ کی خبر دے دی اور مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کا حکم فرمایا پھر فتح کے ساتھ واپس کرنے کی بشارت دی۔ مخالفین نے مار ڈالنے کی نیت سے چاروں طرف سے آپ کے گھر کو گھیر لیا آپ نے اپنے ایک عزیز اور جان نثار چچیرے بھائی حضرت علی کو اپنے بستر پر لٹا کر خود دشمنوں کے درمیان سے حضرت ابوبکر کے گھر پہنچے یہ تھا اقتداری اعجاز دشمنوں نے مکان کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حفاظت کے ساتھ دشمنوں کی آنکھوں پر نیند کا پردہ ڈال کر ان کے درمیان سے نکال لیا جب حضرت ابوبکر کے ساتھ غار ثور میں پناہ گزیں ہوئے پھر اقتداری معجزہ رونما ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک کبوتر کا جوڑا بھیجا جس نے اس رات غار کے دروازہ پر آشیانہ بنا دیا اور انڈے بھی دے دیئے اور اسی طرح اذن الٰہی سے عنکبوت نے اس غار کے منہ پر جالا بن لیا۔ دشمن غار کے منہ پر جا پہنچا۔ پھر الٰہی قوت نے کام کیا۔ غار کو اندر سے دیکھ نہ پائے اور واپس لوٹ گئے کفار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑ کر لے جانے والے کے لیے انعام مقرر کر دیا۔ انعام کے حصول کے لالچ میں سراقہ کو کسی نے بتایا کہ فلاں راستہ پر سوار جا رہے ہیں ہو نہ ہو کہ وہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نہ ہوں۔ اس راستہ پر گھوڑا ڈال دیا۔ یہاں پھر اقتداری اعجاز رونما ہوتا ہے کہ اس کے گھوڑے کے چاروں سم زمین میں دھنس جاتے ہیں۔ وہ گر پڑا پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پناہ مانگ کر اور عفو تقصیر کرا کر واپس لوٹ آیا۔

اقتداری معجزات کی ایک لمبی فہرست ہے سب کو سپرد قلم کرنا باعث طوالت ہے اس لیے مذکورہ چند معجزات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

---

[1] بخاری باب قتل ابی رافع میں یہ واقعہ دو طرح بیان ہوا ہے یہاں تطبیق کر دی گئی ہے۔

۳۔ معجزہ عظیم انقلاب

ل۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل اہل عرب شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔ ہر قبیلے کا اپنا اپنا بت تھا۔ بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ بتوں کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ ہر قسم کی حاجت روائی کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مختلف کاموں کی انجام دہی مختلف بتوں کے سپرد کر رکھی ہے جیسا کہ جب ابو جہل مسلمانوں سے پہلی لڑائی لڑنے کے لیے نکلا تو کعبہ میں گیا اور بتوں سے فتح کی دعا مانگی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ان کی عبادت سے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر) ہم ان بتوں کی صرف اس وجہ سے عبادت کرتے ہیں کہ ہم کو خدا کے قریب کر دیں بتوں کے علاوہ سورج چاند ستارے اور کائنات کی دیگر اشیاء کی عبادت کا رواج تھا۔

جب خدا کی ہستی کا تصور ہی دلوں سے معدوم ہو چکا تھا۔ تو اخلاق کے زیور سے کب آراستہ رہ سکتے تھے۔ کوئی ایسی برائی نہ تھی۔ جو عربوں میں پائی نہ جاتی ہو قتل و غارت' غصب و نہب' زنا' قمار بازی' بادہ نوشی' چوری چکاری' ڈاکے جیسے اخلاق سیئہ ان کی گھٹی میں رچ بس گئے تھے۔ سب سے بڑا گناہ جو عرب میں پایا جاتا تھا وہ تھا بچیوں کو زندہ درگور کرنا۔ غلامی کا عام رواج تھا۔ عورتوں کو ایک ذلیل مخلوق سمجھا جاتا تھا۔

یہ تھی عرب کی حالت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت جب دنیا کے دیگر ممالک کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو وہاں بھی شرک بری طرح رائج تھا۔ عرب کے مشرق میں ایک طرف ہندوستان ہے۔ جس میں توہمات کے ایسے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے کہ مرد کی شرم گاہ جسے لنگ کہتے ہیں اور عورت کی شرم گاہ جسے بھگ کہتے ہیں پوجی جاتی تھی دوسری طرف ایران ہے جس میں آگ کی پرستش' سیاروں کی معبودیت اور نور و ظلمت دو خداؤں کی سلطنت پر اعتقاد تھا۔ شمال و مغرب اور عین وسط میں عیسائیت تثلیث پر ایمان رکھتی تھی حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کو خدائی درجہ دے رکھا تھا۔ یہود نے عزیر کو خدا کا بیٹا بنا رکھا۔ اس طرح تمام دنیا گناہوں کی دلدل میں پھنسی ہوئی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے حالات میں کھڑے ہوئے تھے اور کہا مجھے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے تمام عرب آپ کا دشمن بن گیا۔ گھر سے نکال دیا۔ آپ کو اور آپ کے ماننے والوں کو ہستی سے مٹا دینے کا عزم لیے ہوئے تھے۔ آخر وہی لوگوں کی نظروں میں کمزور شخص تیئس سال کے عرصہ تمام عرب پر غالب آ گیا اور آپ کی اتباع کی برکت سے بہی بگڑے ہوئے عرب باادب پھر بااخلاق ہوئے۔ پھر باخدا' دل خدا کے نور سے منور ہو گئے سینے خدا کی رضا کے لیے کھل گئے۔ وہ عرب جو گناہوں میں لذت محسوس کرتے تھے اب وہی عرب برائیوں سے نفرت کرنے لگے۔ خدا کی عبادت میں لذت اور سرور پانے لگے۔ ہر دم خدا کی یاد میں رہتے۔ دنیا میں رہتے ہوئے انقطاع عن الدنیا تھے۔ ہر لحظہ دل و دماغ متوجہ الی اللہ تھا۔ اس روحانی قرب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم کلامی کی نعمت سے متمتع تھے۔ یہ تھا وہ روحانی نقلاب جو آپ کی پیروی سے رونما ہوا۔ آج تک نہ زمین نے اس قسم کا انقلاب دیکھا ہے اور نہ دیکھے گی۔ نہ آسمان نے دیکھا۔

ب۔ دنیاوی برکات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت کثرت امت کا دعویٰ کیا۔ جب آپ کے ساتھ چند آدمی تھے وہ ایک حجرہ میں سما سکتے تھے۔ انگلیوں پر گنے جا سکتے جن کو چند آدمی ہلاک کر سکتے ان کا مقابلہ بڑے بڑے جابر لوگوں کے ساتھ تھا۔ اپنے ہی قبیلہ کے لوگ آپ کو قتل کر دینا چاہتے تھے پھر خدا کے اذن سے مکہ کو چھوڑا۔ مدینہ میں مقیم ہوئے پھر بھی دشمنوں نے تعاقب کیا۔ آخر کار دشمنوں نے ذلت آمیز شکستوں کا سامنا کیا۔ بظاہر آپ کمزور اور ناتواں شخصیت تھے۔ آپ اس کمزوری کے دور میں اپنی کامیابی و کامرانی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تیئس سال کے بعد

وہی کمزور اور ناتواں اور بے بس شخصیت تمام عرب پر غالب آ جاتی ہے۔ لوگ جوق در جوق' فوج در فوج دین الٰہی میں داخل ہو رہے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا. جب اللہ کی مدد پہنچی اور فتح اور تو نے لوگوں کو اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھ لیا۔

وہی منتشر قوم جو بیرونی دنیا میں ذلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اور حکمرانی کے آداب سے ناآشنا تھی۔ وہی قوم قیصر و کسریٰ کے تختوں کی وارث بنی۔ معمورہ ارض کا ربع ان کے قدموں کے نیچے تھا جس طرف رخ کرتے فتح ان کے قدم چومتی یہ انقلاب بھی اس سے پہلے کسی کی نظر سے نہیں گزرا اور نہ دیکھے گا۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا بری ٹانکا میں لفظ قرآن کی بحث کے نیچے یہ اعتراف کیا ہے "دنیا کی تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔"

کیا یہ معجزہ اب تک دنیا میں ظاہر ہوا عیسائی مذہب کا رب اور ان کا خدا کیا نظیر ہو سکتا ہے جو بقول عیسائیوں کے قوم سے مارا پیٹا گیا۔ موسیٰ کب نظیر ہو سکتا ہے جس نے خود بھی وہ ملک نہ دیکھا جس کی امید پر مصر سے قوم لے کر چلا تھا۔ وید کے ماننے والے کیا دکھائیں گے جن کے مقدس مکان دوسروں کے قبضوں میں نظر آتے ہیں زرتشتی کیا نظیر دکھائیں گے جن کو اپنے ملک میں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملی۔ اس طرح حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب کے ساتھ خدائی وعدہ کنعان کی ابدی وراثت کی بابت اور پارسیوں کے ہادیوں کی الہامی دعائیں بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں کیا دنیا میں کوئی بھی مصلح اور نبی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا گزرا ہے جس نے اپنے مولد اور مسکن میں نہایت ہی بے بسی میں زندگی گزاری ہو۔ پھر جان بچا کر ہجرت کی ہو۔ ہجرت کے بعد بھی دشمنوں نے آپ کو تباہ و برباد کرانے کا عزم کر رکھا ہو آخر کار دشمن پردہ فنا میں چلے گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامیابی کے آسمان پر چمکنے لگے۔ یہ وہ معجزہ جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملے گی۔

۴۔ اخباری معجزہ

اخبار غیب

مستقبل کے متعلق کسی انسان کو علم حاصل نہیں ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا.

کسی شخص کو بھی یہ پتہ نہیں کہ آنے والے کل کو وہ کیا کرے گا۔

علم غیب کا مالک صرف خدا تعالیٰ ہی ہے لیکن...... خدا تعالیٰ اپنے انبیاء پر علم غیب کا اس قدر حصہ ظاہر فرماتا رہا ہے۔ جس کی ضرورت ہوتا کہ نبی اور خدا کا تعلق ظاہر ہو جائے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ.

کہ وہ رسول کے علاوہ کسی کو غیب پر غلبہ نہیں دیتا۔

کتب احادیث میں بے شمار پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً پوری ہوتی رہیں۔ چند ایک درج کی جاتی ہیں۔

جہاد بحری کی اطلاع

انسؓ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام حرام کے گھر میں آرام فرمایا۔ جب بیدار ہوئے تو حضور ہنس رہے تھے۔ ام حرام نے وجہ دریافت کی۔ فرمایا مجھے میری امت کے وہ غازی دکھلائے گئے ہیں۔ جو سمندر میں جہاد کے لیے سفر کریں گے۔ وہ اپنے جہازوں پر ایسے بیٹھے ہوں گے۔ جیسے بادشاہ اپنے اپنے تخت پر بیٹھتے ہیں۔ ام حرام نے عرض کی کہ میرے لیے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شامل فرمائے حضور نے دعا کر دی اور پھر لیٹ گئے۔ پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے فرمایا۔ مجھے میری امت کے دوسرے غازی جہازوں پر سوار ہو کر جہاد کرنے والے دکھلائے گئے۔ ام حرام نے کہا۔ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل فرمائے۔ فرمایا نہیں تو پہلے لوگوں میں سے ہے۔

امیر معاویہ کے زمانہ میں جب عبادہ بن صامتؓ بحری جہاد پر گئے تو ام حرام بھی اپنے خادم کے ساتھ گئیں۔ غزوہ سے واپسی کے وقت ام حرام کے لیے سواری لائی گئی سوار ہونے لگیں تو جانور نے دلتی ماری اور ان کا وہیں انتقال ہو گیا۔ (بخاری کتاب الجہاد)

فتوحات ممالک کے متعلق پیشگوئی

بیہقی و ابونعیم نے براء بن عازب سے روایت کی ہے کہ خندق کھودتے ہوئے ایک بڑا پتھر نکل آیا۔ جس پر کدال کا اثر نہ ہوتا تھا۔ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی حضورؐ نے پتھر کو دیکھا۔ کدال کو ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ کہہ کر ضرب لگائی اور ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا۔ اس وقت حضور نے فرمایا۔ **اللّٰہ اکبر اعطیت مفاتیح الشام.** مجھے شام کے ملک کے خزانے عطا کیے گئے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے وہاں کے سرخ سرخ محلات کو ابھی دیکھا ہے۔ پھر دوسری ضرب لگائی اور ایک تہائی پتھر توڑ دیا۔ پھر فرمایا۔ **اللّٰہ اکبر اعطیت مفاتیح الفارس واللّٰہ انی لا بصر قصر المدائن الابیض.** مجھے ملک فارس کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں اور میں اس وقت مدائن کے سفید محل کو دیکھ رہا ہوں پھر تیسری ضرب لگائی اور سارا پتھر ٹوٹ گیا۔ اور فرمایا۔ **اللّٰہ اکبر انی اعطیت مفاتیح الیمن واللّٰہ انی لا بصر ابواب صنعاء من مکانی الساعۃ.** مجھے ملک یمن کی کنجیاں عطا کی گئیں خدا کی قسم یہاں سے اس وقت شہر صنعا کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔

یہ پیش گوئی اس وقت فرمائی جب مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لیے تمام عرب کی جمعیت مدینہ پر حملہ آور ہوئی تھی ایسے ضعف کی حالت میں اتنے طاقت ور ممالک کی فتوحات کی اطلاع دینا اللہ کے نبی ہی کا کام ہے۔

یہ پیش گوئی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حرف بحرف پوری ہوئی۔ چند ایک ایسی پیش گوئیوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جن کا اندراج کتب احادیث میں پہلے ہو چکا تھا اور وہ کتب شائع ہو کر لوگوں کے ہاتھوں پہنچ چکی تھیں۔ وہ پیش گوئیاں ظہور میں آئیں۔

سنن نسائی و بیہقی میں غزوہ ہند کی پیشگوئی پائی جاتی ہے۔

(۱) عن ابی ہریرۃ قال وعدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ الهند (بالفاظ بیهقی)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعدہ فرمایا کہ مسلمان ہندوستان میں لڑائی کریں گے۔

یہ حدیث امام نسائی نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔ امام نسائی ۳۱۵ء کو پیدا ہوئے اور ۴۰۳ء میں وفات پائی۔

ہند پر سب سے پہلے سلطان محمود نے ۳۹۳ء میں حملہ کیا۔ یعنی اشاعت سنن نسائی سے قریباً ایک صدی بعد۔

(۲) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

لا تقوم الساعة حتی تقاتلوا الترك صغار الا عین حمرا الوجوہ زلف الانوف کان وجوھهم المجان المطرقة۔

(صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام)

یعنی قیامت قائم نہ ہوگی جب تک تم ان ترکوں سے جنگ نہ کرلو گے۔ جو چھوٹی آنکھوں والے سرخ چہرے والے پست ناک والے ہوں گے۔ ان کے چہرے ڈھال جیسے چوڑے ہوں گے۔

یہ واقعہ ۶۵۶ھ کا ہے۔ جب ہلاکو خاں کے لشکر نے خراسان اور عراق کو تباہ کیا۔

(۳) مسند امام احمد اور صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ کی روایت ہے اور سنن ابی داؤد میں معاذ بن جبل کی روایت میں قسطنطنیہ کا ذکر موجود ہے۔ نیز آپ نے فرمایا ''تم بے شبہ قسطنطنیہ فتح کرو گے تو اس کا حاکم کتنا اچھا حاکم ہوگا اور وہ فتح کرنے والی کتنی اچھی فوج ہوگی۔ (مسند احمد عن ابی عبداللہ بن ابی یسر الخثعمی و حاکم و ابن ابی شیبہ)

امام احمد بن حنبل کا انتقال ۳۴۱ میں ہوا۔

محمد فاتح سلطان نے قسطنطنیہ کو ۸۵۵ء میں فتح کیا۔

اہل یورپ کی کثرت

آپؐ نے صحابہ کے سامنے یہ پیش گوئی کی تھی کہ قیامت جب آئے گی۔ تو رومی سب سے زیادہ ہوں گے۔ (صحیح مسلم کتاب الفتن)

عربوں کے محاورہ میں روم سے مراد اہل یورپ ہیں۔ آج اہل یورپ کی یہ کثرت ہے کہ وہ دنیا کے ہر گوشہ میں پائے جاتے ہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ (صحیح مسلم کتاب الفتن)

۵۔ معجزہ دعائے مقبولیت

منجملہ دیگر معجزات کے استجابت دعا بھی آپؐ کا زبردست معجزہ ہے۔ خدا اپنے نیک بندوں کی دعائیں سنتا ہے۔ حضرت آدمؑ ندامت کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں جھکے اور دعا کی۔ تو اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔ حضرت نوحؑ نے طوفانی عذاب کی دعا کی۔ جو خدا نے سمع قبول سے سنی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے نبوت اور برکت کی دعا کی۔ تو قبول ہوئی۔ اس طرح حضرت یونسؑ اور حضرت زکریاؑ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے خدا کے سامنے دعائیں کیں اور قبول ہوئیں۔

دعاؤں کی قبولیت نیک اور مقرب بندوں کی شناخت ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں جس کثرت سے پوری ہوئیں۔ ان کی مثال دنیا کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

مسند احمد بن حنبل میں حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ آپ جب کبھی کسی کے حق میں دعا فرماتے تھے تو وہ نہ صرف اسی کے بلکہ اس کی اولاد کے حق میں قبول ہوتی تھی۔"

یہاں چند ایک قبولیت دعا کی مثالیں دی جاتی ہیں۔

قتل سے مصئون رہنے کی دعا

(۱) طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے کہ حمزہ بن ثعلبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ میرے شہید ہونے کی دعا فرمائیں۔

حضور نے فرمایا۔

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحَرِّمُ دَمَ ابْنِ ثَعْلَبَةَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ."

الٰہی میں مشرکین پر ابن ثعلبہ کا خون حرام کرتا ہوں۔

یہ بزرگ جہاد میں شریک ہوئے بےخوف وخطر دشمنوں کی صفوں پر حملہ آور ہوتے۔ لیکن صحیح سلامت واپس آ جاتے۔

(۲) دعائے عفت

امام احمد نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ غرض کی۔ یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دی جائے۔ صحابہ سنتے ہی اسے دیکھنے اور جھڑکنے لگے حضورؐ نے فرمایا۔ قریب آؤ۔ اور بیٹھ جاؤ۔ وہ جوان قریب ہو کر بیٹھ گیا۔

حضورؐ نے فرمایا...... کیا تم اپنی ماں کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو۔ وہ بولا نہیں۔ فرمایا۔ ہاں کوئی شخص بھی اپنی ماں کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔ حضورؐ نے پوچھا۔ تم اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند کرتے ہو۔ وہ بولا نہیں فرمایا ہاں کوئی شخص بھی اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔ پھر حضورؐ نے پوچھا تم اپنی بہن کے لیے یہ چیز پسند کرتے ہو وہ بولا نہیں۔ فرمایا ہاں کوئی بھی اپنی بہن کے لیے ایسا پسند نہیں کرتا۔ پھر پوچھا تم اپنی پھوپھی کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو۔ وہ بولا نہیں فرمایا کوئی انسان بھی اپنی پھوپھی کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔ پھر پوچھا۔ تم اپنی خالہ کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو۔ وہ بولا نہیں فرمایا کوئی بشر بھی اپنی خالہ کے لیے اسے پسند نہیں کرتا۔ بعد ازاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست مبارک اس پر رکھا اور یہ الفاظ زبان سے کہے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهٗ وَطَهِّرْ قَلْبَهٗ وَاَحْصِنْ فَرْجَهٗ.

الٰہی اس کا گناہ معاف کیجئے۔ اس کا دل پاک کیجئے۔ اس کا ستر محفوظ رکھیے۔
اس دعا کے بعد اس نوجوان کے دل سے زنا کا تصور ہی ختم ہو گیا۔
(۳) صحیح بخاری و صحیح مسلم میں انسؓ سے روایت ہے کہ عہد نبوی میں قحط پڑا۔ انہی ایام میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کا خطبہ منبر پر بیان کر رہے تھے کہ ایک اعرابی اٹھا۔ اس نے کہا۔ یا رسول اللہ! مال تباہ ہو گیا ہے اور عیال بھوک سے نڈھال ہیں۔ ہمارے لیے دعا فرمائیں۔ آپ نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اس وقت آسمان پر کوئی بدلی نہ تھی۔ اللہ کی قسم ابھی آپ نے ہاتھ نیچے بھی نہ کیے تھے کہ پہاڑوں جیسے بادل جمع ہو گئے۔ پھر آپ ابھی منبر سے نہ اترے تھے کہ آپ کی ریش مبارک پر قطرات رحمت نظر آنے لگے۔
اسی روز سارا دن بارش ہوتی رہی۔ پھر اگلے دن اور اگلے دن غرض دوسرے جمعہ تک یہی حال رہا۔ پھر وہی اعرابی حضورؐ کے سامنے کھڑا ہوا۔ کہا اے اللہ کے رسولؐ اب تو مکانات گرنے لگے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اٹھایا اور کہا۔ اَللّٰھُمَّ حَوَالَيْنَا لَا عَلَيْنَا. الٰہی گرد و نواح میں برسے ہم پر نہ برسے پھر آپ جدھر کے بادلوں کی طرف اشارہ فرماتے۔ وہی پھٹ جاتے حتیٰ کہ مدینہ صاف نکھر آیا اور شہر سے باہر جل تھل کا منظر ہو گیا اور باہر سے بھی جتنے لوگ آتے سب نے بارش کا ہونا بتایا۔

(۴) قریش پر عذاب آنا اور اس کا دور ہونا

قریش نے جب اسلام کی سخت مخالفت کی تو خدا نے ان پر قحط کا عذاب نازل کیا۔ اہل مکہ سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ بالآخر انھوں نے رحمت عالم کی بارگاہ کی طرف رجوع کیا۔
بعض روساء قریش نے بارگاہ نبوت میں جا کر عرض کی۔ اے محمد تمھاری قوم برباد ہو گئی ہے۔ خدا سے دعا کرو کہ وہ اس مصیبت سے اس کو نجات دے آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ دعا قبول ہوئی اور اہل مکہ کو قحط کے عذاب سے نجات ملی۔ (صحیح بخاری تفسیر دخان وصلوۃ الاستقاء)

(۵) روسائے قریش کے حق میں بددعا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بعض روسائے قریش نے عین حالت نماز میں آپ کی گردن مبارک پر نجاست ڈال دی۔ حضرت فاطمہؓ نے آ کر یہ نجاست دور کی۔ اور آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا تو نام لے لے کر دعا مانگی کہ خداوندا! ان کو تو پکڑ۔ چنانچہ سب کے سب بدر کی لڑائی میں مارے گئے۔ (صحیح بخاری غزوہ بدر)

(۶) حضرت عمرؓ کا اسلام لانا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ ”اے خداوندا! ابوجہل و عمر جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ اس سے اسلام کو معزز کر۔“ ابن ماجہ اور حاکم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے حضرت عمرؓ کا نام لیا تھا۔ اس کو ابھی چند روز نہیں گزرے تھے کہ حضرت عمر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

(۷) مرض نسیان کا دور ہونا

ایک دفعہ حضرت علیؓ نے آ کر شکایت کی کہ یا رسول اللہ! قرآن یاد کرتا ہوں۔ تو بھول جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس طرح نماز پڑھ کر دعا مانگو حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح کیا۔ جس طرح آپ نے فرمایا۔ اس کے بعد بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ پہلے چار چار آیات یاد کرتا تھا۔ اب چالیس چالیس آیات کر لیتا ہوں۔ پہلے بات بھول جاتا تھا اور اب حرف حرف یاد رہتا ہے (جامع ترمذی ابواب الدعوات)

(۸) سلطنت کسریٰ کی تباہی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت اسلام کے لیے کسریٰ کو تبلیغی خط بھیجا۔ تو اس نے خط کو پھاڑ کر پھینک دیا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا۔ تو آپ نے اس کو بددعا دی کہ اس کے بھی پرزے پرزے اڑ جائیں۔ (بخاری کتاب الجہاد)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی

زندگی کے بعض اہم پہلو

رسول کریم ﷺ بحیثیت معمار ملت نو

دنیا میں جتنے بھی انبیاء علیہم السلام آئے ہیں سب نے اپنی اپنی ملت کی بنیاد ڈالی تھی۔ ملت سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے تھے۔ ہر نبی نے اپنی ملت کے سامنے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ منشور پیش کیا۔ اگر ملت محمدی سے قبل تمام ملل کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے۔ تو یہ بات بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ ہر نبی نے کم و بیش بنیادی طور پر ایک ہی قسم کا منشور پیش کیا۔ یعنی عقائدٗ عبادات اور معاملات اور اخلاق لیکن رسول کریمؐ نے ملت اسلامیہ کے سامنے جو منشور پیش کیا وہ ایک جامع اور مکمل منشور ہے اب اس میں نہ ترمیم ہو سکتی ہے۔ نہ اضافہ ہو سکتا ہے نہ منسوخ ہو سکتا ہے۔ یہی منشور معمار ملت اسلامیہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت پر دلالت کرتا ہے اور اسی منشور نے ملت اسلامیہ کو ترقی دی اور اب بھی اسی منشور میں امت محمدیہ کی ترقی کا راز مضمر ہے۔

منشور ملت نو

معمار ملت نو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعمیر ملت کے لیے جو منشور دیا تھا۔ اس کے چار جزو ہیں۔ اعتقاداتٗ عباداتٗ معاملات اور اخلاق۔

اعتقادات

معمار ملت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملت نو کے لیے حسب ذیل عقائد لازمی قرار دیئے ہیں۔ ان پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص ملت کا ممبر نہیں بن سکتا۔

ا۔ اللہ پر ایمان لانا

ملت کے ہر فرد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں تمام صفات حسنہ کا مالک ہے اور تمام عیوب سے پاک ہے۔ وہ بے نیاز ہے نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ بیٹا کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ وہ خبیر ہےٗ وہ علیم ہےٗ وہ قدیر ہےٗ وہ رحیم ہےٗ وہ رحمان ہےٗ وہ مالک یوم الدینٗ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی ۹۹ صفات بیان کی ہیں۔ جو نظام کائنات کی بہتری اور اس کے چلانے کے لیے ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات کائنات میں جلوہ گر ہیں۔ انہی کی وجہ سے دنیا کی رونق ہے۔

مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے وہ اللہ سے ہی محبت کریں اس کے شکر گزار بندے بنیں اسی کی عبادت کریں۔ اسی کا تقویٰ اختیار کریں اسی سے مدد مانگیں اسی پر توکل کریں۔ اسی کے قوانین کی پیروی کریں۔ اس کے کامل بندے بنیں اور اس کی صفات میں اپنے رب کو رنگیں کریں۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے انسان کا ہی فائدہ ہے اللہ پر ایمان لانے سے انسان کو اپنی عظمت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ مساواتٗ اخوتٗ اتحادٗ انسانوں سے ہمدردی اور شفقت کا سبق ملتا ہے۔

۲۔ رسولوں پر ایمان

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے محبت کرتے ہوئے انہی میں سے کسی ایک برگزیدہ شخص کو چن لیتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچاتا ہے وہ نبی اور رسول کہلاتے ہیں۔ دنیا کی ہر قوم کی طرف رسول آئے وہ قومی اور خاص علاقے کے لیے تھے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَافِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر: ۳۵:۲۴) ہر امت میں ڈرانے والا گزر چکا ہے دوسری جگہ آتا ہے وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (یونس ۱۰:۴۷) ہر امت کے

لیے رسول بھیجا گیا ہے۔

ملت اسلامیہ کے افراد کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ کسی نبی میں تفریق نہ کریں کہ وہ ایک کو مانتا ہے اور دوسرے کو نہیں بلا تفریق و تمیز تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری ہے خدا کی منشاء کے مطابق سب سے آخر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے۔ وہ ایک مکمل ضابطہ حیات لائے۔ جو قرآن کی شکل میں ملت اسلامیہ کو دیا۔ قرآن مجید میں بنی نوع انسان کی مادی اور روحانی ہدایت کا سامان موجود ہے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں۔ جس کی قرآن مجید آب یاری نہ کرتا ہو۔ فِیْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ یعنی اس قرآن مجید میں پہلی تمام تمام کتب کی تعلیم موجود ہے اور اس کے ساتھ تا ابد جو انسانوں کے لیے ضروری ہدایت تھی وہ بھی موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ملت نو کے معمار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی قرار دیا ہے ارشاد الٰہی ہے مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب: ۴۰) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھارے آدمیوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "میری مثال اور نبیوں کی مثال جو مجھ سے پہلے تھے ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑی ہوئی تھی لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے تھے۔ مگر کہتے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ لگائی تو فرمایا "میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں ہی نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں۔" (بخاری)

ختم نبوت میں اتحاد بین الناس کا فلسفہ مضمر ہے۔

۳۔ ملائکہ پر ایمان

ملت نو کا ہر فرد اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ خالق اور مخلوق کے درمیان پیغام رسانی کا فرض ادا کرنے کے لیے ایک نورانی مخلوق پیدا کی ہے وہ مخلوق خدا کے حکم سے دنیا کا نظام چلا رہی ہے قرآن مجید کی زبان میں ان کو ملائکہ کہا جاتا ہے ملائکہ ملک کی جمع ہے جس کے لغوی معنی قاصد اور رسول کے ہیں۔ اردو زبان میں ان نورانی ہستیوں کو فرشتے کہا جاتا ہے ان کا کام یہ ہے کہ کائنات کا نظام چلاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام پر وحی لانے کا کام بھی انہی کے سپرد تھا۔ جو فرشتہ انبیاء علیہم السلام پر وحی لاتا۔ اس کو جبرائیل کہا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی مدد اور نصرت کرتے تھے۔ مومنین کی مدد اور نصرت کرتے ہیں۔ مومنوں کے دشمنوں کو تباہ کرتے ہیں لوگوں کے اعمال لکھتے ہیں۔ جان قبض کرتے ہیں۔ قیامت کے دن خدا کے اذن سے لوگوں کی شفاعت کریں گے اعمال صالحہ کی تحریک پیدا کرتے ہیں۔ ان پر ایمان لانے سے انسان کے دل میں نیک اعمال کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ عزت نفس کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

۴۔ کتب آسمانی پر ایمان

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعلیم کے لیے رسولوں کو کتابیں دی ہیں ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے احکام اور بھلائی کی باتیں بیان کی ہیں اس لیے ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ سب آسمانی کتابوں پر ایمان لائے ارشاد الٰہی ہے وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (البقرہ ۲:۴) اور (پرہیز گار وہ ہیں) جو ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ پر نازل کی گئی اور ان کتابوں پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئیں۔

قرآن مجید کی رو سے ہر نبی کو کتاب (وحی نبوت) دی گئی لیکن قرآن مجید میں صرف چار کا نام ہے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور قرآن مجید رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا۔

تمام کتب سماوی میں بنیادی تعلیم مشترکہ ہے۔ جیسے اللہ کی توحید اور اس کی صفات کاملہ اللہ کی وحدانیت اور رسالت پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان، اعمال کی جزاء وسزا، نیکی کے اعمال بجا لانا اور بدی کے اعمال سے اجتناب، لوگوں سے بھلائی اور ہمدردی کرنا۔

دوسری کتب سے قرآن مجید کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ قرآن مجید لفظی اور معنوی لحاظ سے محفوظ کتاب ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ

اللہ تعالیٰ نے لیا ہوا ہے ارشاد الٰہی۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ بے شک ہم نے ہی ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ اس کے برعکس پہلی کتب محفوظ نہیں ہیں۔ قرآن مجید کو دوسری فضیلت یہ ہے کہ یہ کتاب آخری اور اکمل ترین کتاب ہے اس میں زندگی کے ہر شعبہ کی تعلیم موجود ہے۔ اب کوئی نئی کتاب نہیں آئے گی۔ ارشاد الٰہی ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ ۵:۳) آج میں نے تمھارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور تمھارے لیے دین اسلام پسند کر کے راضی ہوا ہوں۔

۵۔ آخرت پر ایمان

جن بنیادی عقائد پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے ایک آخرت کا عقیدہ ہے قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالیوم الاخرۃ کا ذکر کیا ہے مثلاً مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ جو اللہ اور آخری دن پر ایمان لایا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وہ اللہ اور آخری دن پر ایمان لاتے ہیں۔

آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس حقیقت کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد ایک اور زندگی اور ایک اور عالم آنے والا ہے وہاں انسان کو اس دنیا میں کیے ہوئے اس کے بھلے اور برے اعمال کی جزا و سزا ملے گی۔

اس عقیدہ پر ایمان لانے سے انسان کو با مقصد زندگی گزارنے کا شعور پیدا ہوتا ہے اور اس کو ہر وقت یہ احساس رہتا ہے کہ ایک دن وہ خدا کے سامنے پیش ہوگا اور اپنے اعمال کا احساب کتاب دے گا۔ ایمان بالاخرۃ کی وجہ سے انسان نیکیوں کی طرف راغب رہتا ہے اور برائیوں سے بچتا ہے اور بنی نوع انسان سے ہمدردی اور شفقت کرتا ہے اور با مقصد زندگی گزارتا ہے۔

عبادات

ملت محمدیہ کے منشور کی رو سے انسان کی پیدائش کی غرض و غایت خدا کی عبادت کرنا ہے ارشاد الٰہی ہے مَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ. میں نے جن وانس صرف اسی لیے پیدا کیے ہیں تا کہ وہ میری عبادت کریں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں لوگوں کو عبادت کا حکم دیا ہے ارشاد الٰہی ہے وَاعْبُدُوْهُ وَاشْکُرُوْا لَهٗ (العنکبوت: ۱۷) اسی کی عبادت کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔

ملت محمدیہ کے منشور کی رو سے عبادت صرف چند کلمات ادا کر دینا یا چند اعمال بجا لانا مراد نہیں ہے بلکہ عبادت سے مراد یہ ہے کہ انسان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک عمل خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی تعلیم کے مطابق ہو۔ اسلامی عبادت کے اس تصور سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ملت اسلامیہ کے منشور سے ہی دنیا میں بھلائی اور امن پیدا ہوتا ہے اور انسان کی بھلائی اور بہتری کا ضامن ہے۔ اسی منشور پر عمل کرنے سے انسان خوش حال زندگی بسر کر سکتا ہے اور اسلامی منشور نے عبادت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ الصلوۃ (نماز) صوم (روزہ) زکوٰۃ۔ حج۔

ا۔ الصلوۃ (نماز)

صلوۃ کے لغوی معنی دعا کے ہیں لیکن اسلام میں صلوۃ (نماز) سے مراد وہ عبادت ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے مخصوص ہیت کے ساتھ سکھائی اور جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے مواتر عمل کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے۔

دنیا میں جتنے بھی انبیاء علیہم السلام ہو گزرے ہیں سب نے اپنی اپنی امتوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن اور حدیث میں اس فریضہ کی بجا آوری پر بہت زور دیا گیا ہے ارشاد الٰہی ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ (البقرہ ۲:۲) متقیوں کے لیے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ (ترمذی) جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی وہ

کافر ہو گیا۔

حقیقی نماز وہ ہے جو پورے آداب و شرائط کے ساتھ ادا کی جائے اور دل میں خدا کی محبت کی آگ پیدا کرے کیونکہ محبت الٰہی کی آگ ہی انسان کو گناہوں سے پاک و صاف کرتی ہے اور خدا کے بڑے بڑے فضلوں کا وارث بناتی ہے معراج انسانیت تک پہنچاتی ہے اخلاق فاضلہ کے زیور سے آراستہ کرتی ہے اللہ تعالیٰ سے حقیقی تعلق پیدا کرتی ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کی بنیاد ہے اور اسلامی معاشرے کی روح ہے کیونکہ نماز اتحاد' مساوات' اخوت' ہمدردی' اطاعت امیر اور مرکز سے وابستگی کی تعلیم دیتی ہے اسی طرح وقت کی پابندی' ضبط نفس' فرض شناسی' اخلاق فاضلہ کا درس دیتی ہے۔

۲۔صوم (روزہ)

صوم کے لغوی معنی رکنا کے ہیں۔ لیکن شریعت اسلامی کی اصطلاح میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک ارادۃً کھانے پینے اور مباشرت سے رکے رہنے کا نام صوم (روزہ) ہے۔

روزہ ایک عالمگیر عبادت ہے۔ سب مذاہب میں بطور عبادت فرض ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ ۲:۱۸۳) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔ جس طرح ان لوگوں پر فرض کیے گئے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں لکھا ہے ''اس کے طریقے اور اغراض آب و ہوا' قوم و نسل' اور تہذیب و تمدن اور دوسری حالات کے پیش نظر سب کچھ مختلف ہیں لیکن کسی ایسے قابل ذکر مذہبی سلسلے کا نام لینا مشکل ہے جس میں روزہ سے کلیتہً انکار کیا گیا ہو اسے تسلیم نہ کیا گیا (انسائیکلو پیڈیا آف برٹینکا زیر مضمون روزہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ (روزہ ڈھال ہے) یعنی جس طرح ڈھال دشمن کے وار سے حفاظت کرتی ہے اسی طرح روزہ شیطان کے حملوں سے بچاتا ہے۔

اسلام میں روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے کا ہی نام نہیں بلکہ تمام برے افعال سے اجتناب کرنا بھی ضروری ہے جو صرف کھانے پینے سے تو رکتا ہے لیکن برے افعال سے پرہیز نہیں کرتا تو اس کا کوئی روزہ نہیں اس نے محض کھانا پینا ہی ترک کیا ہے اور روزہ کی روح کو پامال کیا ہے۔

روزہ انسانی ہمدردی مساوات' اتحاد' اخوت کا درس دیتا ہے۔ اسی طرح وقت کی پابندی' ضبط نفس' تعمیر سیرت اور اللہ کے تصور کو سامنے رکھنے کی تعلیم بھی دیتا ہے۔

۳۔ زکوٰۃ

زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں پھیلنا پھولنا بڑھنا اور پاک صاف ہونا۔ لیکن اسلامی اصطلاح میں زکوٰۃ سے مراد وہ مال ہے جو نصاب کے تحت امراء سے لیا جاتا ہے اور سورۃ توبہ کی رو سے تقسیم کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں نماز ادا کرنے کے ساتھ ساتھ آٹھ جگہوں پر زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم آیا ہے جس میں یہ حکمت ہے کہ انسان اس وقت تک صحیح تربیت یافتہ نہیں کہلا سکتا جب تک اللہ کے حضور جھکنے کے ساتھ ساتھ مخلوق الٰہی کی خدمت بجا نہیں لاتا کیونکہ یہ دونوں پہلو ہی تکمیل انسانیت کے لیے ضروری ہیں قرآن مجید میں آتا ہے وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

دوسری جگہ آتا ہے ''جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔''

قرآن مجید کی رو سے مصارف زکوٰۃ یہ ہیں۔ فقراء' مساکین' زکوٰۃ جمع کرنے والے کارندے۔ تالیف قلب' غلاموں کو آزاد کرانا۔ مقروض۔ اللہ کے راستے میں اور مسافروں پر زکوٰۃ خرچ کرنی چاہیے۔ زکوٰۃ صرف حلال اور پاکیزہ مال سے دی جانی چاہیے۔ حرام کی کمائی سے زکوٰۃ ادا نہیں کی جا سکتی۔ زکوٰۃ سے اقتصادی اور معاشرتی ترقی کی راہ کھلتی ہے۔ قوم ترقی کے راستے پر گامزن ہو پڑتی ہے غرباء کی ربوبیت ہوتی ہے۔ زکوٰۃ قوم کی اخلاقی حالت درست رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ ادا کرنے والے کا تزکیہ نفس ہوتا ہے اور ان کے دل میں

غرباء کی محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

زکوٰۃ سونا' چاندی' نقدی' خواہ سکوں کی شکل میں ہو یا نوٹ ہوں مال تجارت ہو اور ان جانوروں پر جو سال کا اکثر حصہ چر کر اپنا پیٹ بھرتے ہوں۔ زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ فرض ہے۔

حج

حج کے لفظی معنی زیارت کا قصد کرنا' کسی کے پاس بار بار جانا کے ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں حج کے معنی ہیں ضروری مناسک کی بجا آوری کے لیے بیت اللہ کا قصد کرنا۔ حج بعض شرائط کے ساتھ ہر مسلمان عاقل بالغ اور صاحب استطاعت پر فرض ہے ارشاد الٰہی ہے اور لوگوں پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے اس پر جو اس تک راہ پا سکے اور جس نے انکار کیا تو اللہ جہانوں سے بے نیاز ہے" (آل عمران ۳:۹۷)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے لہٰذا حج کرو۔"

حج کی حقیقت یہ ہے رسوم حج کی ادائیگی کے وقت انسان انقطاع نفس کر کے اللہ کی محبت کے اتھاہ سمندر میں غرق ہو جائے اور اللہ کی ذات سے ایسا رابطہ اور تعلق قائم کرے کہ انسان کی اپنی مرضی ہی نہ رہے بلکہ اس کی مرضی کے تحت آ جائے اور یہ ربط اور تعلق سخت ترین آزمائش میں بھی ٹوٹنے نہ پائے۔ جب حاجی میقات پر پہنچتا ہے تو دو ان سلی چادریں اوڑھتا ہے اور تلبیہ کہنا شروع کر دیتا ہے حج زکوٰۃ کی طرح حلال اور طیب کمائی سے ہوتا ہے۔

حج عشق الٰہی کا عملی اظہار ہے کہ انسان گھر بار چھوڑ کر دو ان سلی چادریں اوڑھ کر اللہ کے حضور جاتا ہے اور خدا کے حکم سے بعض حلال چیزیں بھی ایک وقت مقررہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ حج شفقت مخلوق کی تعلیم دیتا ہے حج سادہ زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔ حج حلال کمائی کی ترغیب دیتا ہے۔ حج مساوات کا درس دیتا ہے مسلمانوں میں اقتصادی ترقی کا ذریعہ ہے۔ سب سے بڑھ کر حج اتحاد ملی کا ذریعہ ہے۔

معاملات

معاشرے میں انسانوں کے باہمی تعلقات کے قواعد اور قوانین کا نام معاملات ہے۔ معمار ملت نو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرتی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے معاشرے کی تمام اکائیوں کے حقوق و فرائض متعین کیے ہیں۔ معاشرہ جن مختلف طبقات سے تشکیل پاتا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔ ۱۔ والدین ۲۔ اولاد ۳۔ زوجین۔ ۴۔ رشتے دار ۵۔ اساتذہ ۶۔ ہمسائے ۷۔ امراء ۸۔ غرباء ۹۔ بیوہ ۱۰۔ یتامیٰ ۱۱۔ حاکم ۱۲۔ رعایا۔

معمار اعظم ملت نو نے ان تمام اکائیوں کے حقوق و فرائض متعین کیے ہیں۔ تمام طبقات کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے لیے حقوق و فرائض کی حدود میں رہتے ہوئے زندگی بسر کریں۔ اگر کسی اکائی کا کوئی فرد اپنے حقوق و فرائض سے تجاوز کرتا ہے تو وہ سزا کا مستحق گردانا جاتا ہے۔

اخلاق

وہ اخلاق جو اسلام کی تعلیم کے مطابق ہوں وہ اخلاق فاضلہ ہوں گے جو اسلام کی تعلیم کے خلاف ہوں گے وہ اخلاق رذیلہ ہوں گے۔ دنیا کے تمام انبیاء علیہم السلام نے اخلاق حسنہ کی تعلیم دی اسی طرح مفکرین اور فلاسفہ نے اخلاقیات پر بہت زور دیا ہے۔ معمار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضابطہ اخلاق جس رنگ میں بیان کیا ہے اس کی مثال دیگر مذاہب میں نہیں ملتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی غرض ہی لوگوں کا تزکیہ نفوس تھا۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے یُزَکِّیْھِمْ وہ ان کو پاک کرے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرماتے ہیں۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ بے شک میں محاسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ پھر ملت کے افراد کو مخاطب ہو کر فرماتے ہیں "تم میں سے ایمان کے اعتبار سے مکمل مومن وہ ہے جو اخلاق میں تم سب سے اچھا ہے۔"

پھر فرمایا "تم میں سے نیک وہ ہے جو اخلاق میں تم سب سے اچھا ہے۔"

اخلاق فاضلہ

تقویٰ، ذکر، شکر، صبر، عفو، عدل، احسان، احصان (عفت پاک دامن) خدمت خلق، صدق، ایفائے عہد، امانت داری، دیانت داری، ایثار، جود وکرم، رواداری، تحمل و بردباری، توکل، انکساری و عاجزی، شجاعت و رحمت و شفقت، شرم و حیا زہد و قناعت، سادگی۔ ان اخلاق پر تفصیلی بحث رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کے باب میں ہوگی۔

پالیسیاں

معاشرتی اصول

ا۔ عظمت انسان

معاشرتی زندگی کا یہ وہ اصول ہے جو کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا۔ ہندوؤں نے ذات پات کے مسئلہ سے انسانوں کو عظمت کے لحاظ سے تقسیم کر دیا ہے شودر بقیہ تین ذاتوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ عیسائیت نے انسان کو پیدائشی گنہگار قرار دے کر ذلت کا طوق اس کی گردن میں پہنا دیا ہے۔ اسلام نے عظمت انسان کا تصور دیا ہے وہ دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتا۔ ارشاد الٰہی وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ اور ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی ہے۔

۲۔ مساوات

معاشرتی زندگی کا دوسرا اصول مساوات ہے جس نے ہندوؤں کے مسئلہ ذات پات کو جڑ سے کاٹ دیا ہے اس کا عملی نمونہ نماز اور حج میں ملتا ہے۔ نماز میں چھوٹے بڑے کی تمیز ختم ہو جاتی ہے سب امام کے پیچھے ایک ہی صف میں چھوٹے بڑے، امیر غریب اور کالے گورے کھڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح حج میں نسلی خاندانی اور علاقائی امتیاز مٹ جاتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا ''لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔

۳۔ اخوت

اسلام ہی وہ دین ہے جس نے وحدت نسل انسانی کی تعلیم دی ہے اسلام سے قبل انسانیت ملکی، قومی، لونی، لسانی، نسبی تعصبات اور تفریقات میں بٹی ہوئی تھی۔ ہر قوم دوسری قوم کو اپنا دشمن تصور کرتی تھی اور ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتی تھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آواز بلند کی کہ کل روئے زمین کے انسان ایک ہی اصل اور نسل سے ہیں ارشاد الٰہی ہے۔ ''سب لوگ ایک ہی گروہ کے ہیں۔ سو وہ اختلاف کرتے ہیں'' (یونس ۱۰:۱۹) دوسری جگہ آتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات ۴۹:۱۰) مومن بھائی بھائی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ الْعِبَادَ كُلُّهُمْ اِخْوَةٌ انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

۴۔ رواداری

معمار اعظم ملت نو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرتی زندگی کا ایک اصول رواداری مقرر کیا ہے ملت اسلامیہ کے ہر فرد پر لازمی ہے کہ وہ ہر مذہبی کتاب اور ہر پیغمبر کو برحق تسلیم کرے اور ایمان لائے اور ان کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہ کرے۔ ارشاد الٰہی ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ ۲:۲۸۵) ہم اس کے رسولوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔

۵۔ آزادی

انسان فطرتاً آزادی کا خواہش مند ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کی تاریخ میں پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے ہر قسم کی غلامی کی زنجیروں کو کاٹا ہے آزادی کا پیغام دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں "برے لوگ وہ ہیں جو انسانوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں"۔ (کنوز الحقائق) فرماتے "بہت برے وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کو فروخت کرتے ہیں" (بخاری)

۶۔ عدل و انصاف

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرتی زندگی کے لیے عدل و انصاف پر بہت زور دیا ہے فرماتے ہیں **اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی** (المائدہ ۸:۵) انصاف کرو۔ یہ تقویٰ کے قریب تر ہے۔

ایک مرتبہ قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ شہادتوں سے جرم ثابت ہوگیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ صحابہ نے حضرت اسامہؓ کو سفارش کے لیے بھیجا۔ جب حضرت اسامہ نے اپنے مدعا کا اظہار کیا تو آپ غصہ ہوکر بولے تم سے پہلی قومیں اسی لیے تباہ ہوئیں کہ ان کا بڑا آدمی قصور کرتا تھا تو اس سے درگزر کرتی تھیں لیکن اگر چھوٹے آدمی سے کوئی قصور سرزد ہو جاتا تھا تو اسے سزا دیتی تھیں۔ خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس جرم کی پاداش میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

حقوق انسانی کی فہرست

۱۔ جان کی حفاظت۔ ۲۔ مال کی حفاظت۔ ۳۔ عزت و آبرو کی حفاظت۔ ۴۔ آزادی سکونت۔ ۵۔ آزادی قلم۔ ۶۔ آزادی زبان و کلام۔ ۷۔ ملکیت کا حق۔ ۸۔ کسب کی آزادی۔ ۹۔ کسی کو غلام نہ بنایا جائے۔ ۱۰۔ ہجرت کا حق۔ ۱۱۔ پناہ لینے کا حق۔ ۱۲۔ تعلیم حاصل کرنے کا حق۔

سیاسی پالیسی

اسلام کا ایک اساسی عقیدہ یہ ہے کہ زمین اور اس میں جو کچھ ہے وہ خدا کی ملکیت ہے اور انسان کا کام یہ ہے کہ اس کو سب کے فائدے کے لیے استعمال کرے۔ یہ ایک طرح کی امانت ہے۔ جس کا تحفظ اور استعمال ٹھیک طور پر ہونا چاہیے۔ قرآن کے بموجب یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ سب باہمی مشاورت سے زمین کے ذرائع سے اس طرح مستفید ہوں کہ سب کی معاشی ضروریات پوری ہوں اور ساتھ ان کے باہمی تعلقات خواہ داخلی ہوں یا خارجی استوار رہیں قرآن کہتا ہے کہ معاشرہ میں استواری اور بہتر حالات پیدا کرنے اور قائم رکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کا انتظام صالحین یعنی ایسے اشخاص کے تفویض ہو۔ جن کا ذہن اور عمل صالح متوازن ہوں اور جو دوسروں میں بھی صالح و متوازن ذہن پیدا کرنے کا جذبہ اور صلاحیت رکھتے ہوں۔ حکومت کے متعلق قرآن مجید میں یہی اساسی ہدایات پائی جاتی ہیں۔ معاشرتی زندگی میں جیسے جیسے نئے حالات پیدا ہوں۔ باہمی مشاورت سے طے کیے جاتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے **وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَيْنَهُمْ** (الشوریٰ: ۳۸) آپس میں باہمی مشاورت کر کے حکومت کا کاروبار چلائیں۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ حکومت قانون کے تابع چلانی چاہیے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب کبھی حکومت قوانین سے الگ ہوگی ملک میں فساد برپا ہوگا۔ اس لیے ارشاد الٰہی ہے کہ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں تو ایسے ہی کافر ہیں۔ (المائدہ: ۴۴) دوسری جگہ آتا ہے وہی ظالم ہیں (المائدہ: ۴۵)

تیسرا اصول: حکومت صالح اشخاص کے سپرد کی جانی چاہیے ارشاد الٰہی ہے "بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ امانتیں اس کے اہل کے سپرد کرو۔"

اقتصادی پالیسی

قرآن مجید کی اقتصادی پالیسی یہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب خدا کی ملکیت ہے انسان کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی ضروریات کی تمام منفعت بخش اشیاء کو زمین سے حاصل کرے لیکن شرط یہ ہے کہ تمام پیداوار کو اس طرح تقسیم کیا جائے کہ اس سے تمام نوع انسانی

کی ضروریات پوری ہو جائیں۔ یعنی اس پیداوار سے صرف وہی لوگ استفادہ نہ کریں جنھوں نے اس کے حصول کے لیے محنت کی ہے۔ اس سے وہ بھی فائدہ حاصل کریں جو کسی نہ کسی وجہ سے محنت سے معذور ہیں۔ اسلام نے کسب دولت کے لیے ''ناجائز ذرائع سے منع فرمایا ہے۔ مثلاً رشوت' احتکار (اشیاء کو مہنگا بیچنے کے لیے ذخیرہ کر لینا)' اکتناز (دولت کو جمع کیے رکھنا) سود' قمار بازی' سٹہ وغیرہ۔

اسلام نے زکوٰۃ کو امراء سے لے کر غرباء مساکین معذوروں وغیرہ میں تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اسلام میں کمزوروں اور غریبوں کی سرپرستی مملکت کی ذمہ داری ہے قرآن کا اقتصادی نظام یہ ہے کہ ہر فردِ معاشرہ کو کم از کم بنیادی ضروریات زندگی لازماً بہم پہنچائی جائیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''ابن آدم کا پیدائشی حق یہ ہے کہ اس کے پاس رہنے کا مکان' سر ڈھانپنے کو کپڑا اور کھانے کو روٹی اور پینے کو پانی ہو۔'' حضورؐ کے ارشاد گرامی کا یہی مفہوم ہے کہ مملکت کا کوئی فرد بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہنے پائے۔

معمار اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانوں اور تمام رسولوں میں افضل ترین ہیں۔ یہ وہ رسول ہیں جن کے متعلق پہلے انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو آگاہ کر رکھا تھا۔ اور ان کی کتب میں وہ پیشگوئیاں موجود ہیں۔ آپ کی افضیلت واقعہ معراج سے ہوتی ہے کہ آپ اس مقام محمودہ تک پہنچ گئے تھے۔ جہاں کسی بشر اور کسی فرشتے کا گزر نہیں ہوسکتا اس وجہ سے آپ خاتم النبیین ٹھہرے۔

ملت نو کا مقام

ملت اسلامیہ بہترین امت ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا۔ اس وجہ سے آپ آخری امت ہیں۔ بہترین امت کا سرٹیفکیٹ اللہ کا عطا کردہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران: ۳:۱۱۰) تم سب سے اچھی امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیے ظاہر کی گئی ہے۔ تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں ملت اسلامیہ کو بہترین امت قرار دیا ہے پھر ایک پیغمبرانہ کام اس کے سپرد کیا ہے وہ ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام پہلے انبیاء علیہم السلام اسی کام کے لیے اس دنیا میں آئے تھے۔ اب وہ کام ملت اسلامیہ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔

رسول کریم ﷺ بحیثیت کامل نبی (کامل نمونہ)

انسان بالطبع نمونہ کا محتاج ہے اور بغیر نمونہ کے کوئی کام انسان نہیں کر سکتا۔ انسان کے لیے وہی ہستی نمونہ بن سکتی ہے جو اپنی ذات میں اکمل ہو اور اس کی زندگی ہر عیب سے مبرا ہو۔ اگر کوئی ذات اکمل اور افضل نہیں اور ہر قسم کے گناہوں کے دھبوں سے پاک صاف نہیں تو وہ انسانوں کے لیے قابل تقلید نہیں ہو سکتا۔

اس مسلمہ اصول کے بعد جب ہم اس دنیا میں کامل نمونہ کے لیے کسی ہستی کی تلاش کرتے ہیں تو ہم بغیر کسی شک وشبہ کے اور بغیر کسی ادنی تعامل کے تمام دنیا کے لیے کامل نمونہ کے طور پر صرف ایک ذات کو پیش کر سکتے ہیں اور وہ ذات صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ وہی ایک ایسی ذات ہے جو تمام اوصاف کاملہ کی جامع ہے اور آپ کی ذات زندگی کے ہر قسم کے حالات سے دو چار ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. تمھارے لیے اللہ کے رسول کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔

جب ہم دنیا میں ایسے شخص کی تلاش کرتے ہیں۔ جس پر زندگی کے ہر قسم کے حالات وارد ہوئے ہوں تو صرف ایک ہی ذات نظر آئے گی اور وہ ذات مقدسہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ اس معیار کے مطابق جب ہم وید کے چار رشیوں کو لیتے ہیں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ زندگی کے بے شمار حالات سے روشناس نہیں ہوئے۔ ہندو بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ انھیں اپنے رشیوں کے حالات کا قطعاً علم نہیں۔ اس طرح جب ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو زندگی کے بعض ایسے حالات نظر آتے ہیں جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو چار نہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام غریب تو تھے مگر امیری کی حالت ان پر نہیں آئی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام رومیوں کے محکوم تو تھے مگر خود حاکم اور بادشاہ نہیں ہوئے۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے کسی قوم سے جنگ نہیں لڑی۔ اسی طرح تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے شادی کی ہو پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام امیروں کے لیے بادشاہوں کے لیے سپہ سالاروں کے لیے شادی شدہ لوگوں کے لیے کب نمونہ بن سکتے ہیں۔ اسی طرح اور بھی ایسے حالات ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وارد نہیں۔ اس لیے وہ ان حالات کے لیے کیسے نمونہ بن سکتے ہیں۔

اسی طرح دنیا کے تمام پیشواؤں کی زندگیوں کا مطالعہ کر لیجیے تو ان کی زندگیاں کئی حالات سے خالی ہوں گی۔ اس لیے وہ ان انسانوں کے لیے نمونہ نہیں بن سکتے جن پر وہ حالات وارد ہوئے ہیں۔

مختلف افراد کے لیے نمونہ کی امثلہ

یتامیٰ کے لیے نمونہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت یتیمی میں پیدائش ہوئی ہے چھ سال کی عمر میں اپنی والدہ ماجدہ کی محبت سے محروم ہو گئے لیکن آپ یتیمی کی حالت میں نہایت راست باز کامل متادب تھے۔ سدھری ہوئی عادات کے مالک تھے۔ بچپن کے زمانے میں ہی کوئی ایسی خوبی نہ تھی جو آپ ... نہ پائی جاتی ہو دادا اور چچا نے پرورش کی۔ اپنی عمدہ عادات اور خصائل کی وجہ سے بزرگوں کی آنکھوں کا تارہ بن گئے انہی اعلیٰ عادات اور خصائل کی وجہ سے ہر شخص آپ سے محبت کرتا۔ آپ نہ آوارہ پھرتے تھے نہ ہی گالی گلوچ کی عادت تھی۔ پس آپ دنیا کے ہر یتیم کے لیے کامل نمونہ ہیں۔

غرباء کے لیے کامل نمونہ

آپ غریب تھے اور غریب بھی ایسے کہ جس کا کوئی گزارہ نہ ہو۔ دادا فوت ہو چکے ہیں، چچا گو نہایت معزز ہے مگر جتنا معزز ہے اتنا ہی غریب اور کثیر العیال بھی ہے، اپنا گزارا بھی نہیں کر سکتا۔ جب ہم آپ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں سبق ملتا ہے کہ کس طرح غربت کی جلن، سوزش اور تکالیف کو برداشت کر کے دور کرنا چاہیے۔ آپ کی زندگی کا دور غربت سنہرے حروف اور جلی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ ہر غریب کے لیے کامل نمونہ اور اسوۂ حسنہ ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ غریب خاندانی لوگ اس لیے غربت کا شکار ہیں، وہ محنت نہیں کرتے۔ اگر کوئی کام بھی ملتا ہے تو خاندانی وجاہت اور جھوٹی شان کی وجہ سے نہیں کرتے۔ غربت کی گہرائیوں میں گر جائیں گے لیکن مزدوری نہیں کریں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن مزدوری کرنے سے گریز نہیں کیا۔ جب تمام عرب آپ کے زیر نگیں آ جاتا ہے تو اس وقت بھی فخر سے کہتے ہیں لَقَدْ رَعَيْتُ لِاَهْلِ مَكَّةَ عَلٰى قَرَارِيْط ''کہ میں چند قراریط (پیسوں) کے عوض مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا'' اور سب غرباء اور مساکین کو تلقین کرتے ہیں کہ سب سے افضل کھانا وہ ہے جو اپنے ہاتھ کی کمائی کا ہو۔ فرمایا کہ حضرت داؤدؑ نبی بھی اپنے ہاتھ کی صنعت کی کمائی سے کھاتے تھے۔ پھر اپنی امت کو یہ دعا سکھاتے ہیں کہ

''الٰہی! مجھے سستی سے، نکما رہنے سے اور بے کار رہنے سے بچا۔'' (مشکوۃ باب الدعوات فی الاقوات فصل دوم)

پھر ایک غریب شخص کو بلا کر کہتے ہیں کہ یہ کلہاڑی لے اور جنگل میں جا اور لکڑیاں کاٹ کر پیٹھ پر لاد کر شہر لے جا اور بیچ۔ خبردار کسی سے کچھ نہ مانگنا۔

غربت کی وجہ سے کچھ عیب پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً سوال کرنا، چوری کرنا، حرص کرنا، خیانت کرنا، قرض لے کر ادا نہ کرنا وغیرہ۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود غربت کے ان تمام نقائص اور عیوب سے پاک تھے۔ آپ تو بچپن میں ہی امین اور صادق مشہور تھے۔

دولت مندوں کے لیے کامل نمونہ

ایک وہ وقت آیا کہ آپ دولت مند ہو گئے۔ جیسا کہ قرآن مجید خود کہتا ہے۔ فَاَغْنٰی یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنی کر دیا۔ آپ دنیا کے تمام دولت مندوں کے لیے کامل نمونہ اور اسوۂ حسنہ ہیں۔ آپ فتح مکہ کے بعد اتنے امیر ہو گئے کہ ایک دن میں ہزاروں غلام، لونڈیاں آزاد کر دیتے ہیں۔ اونٹ، بھیڑ اور بکریاں دینے پر آتے ہیں تو ایک ایک شخص کو سو سو اونٹ بخش دیتے ہیں۔ اتنا خرچ کرتے ہیں کہ مکہ کے تجربہ کار، معمر اور جہاندیدہ روساء کہتے ہیں کہ محمدؐ تو اس طرح خرچ کرتے ہیں جس طرح کہ اسے خزانہ میں کمی کا ڈر ہی نہیں۔

امیری کے دور میں بھی وہی سادگی جو غربت کی حالت میں تھی، اپنی بیویوں کو صاف الفاظ میں فرما دیتے ہیں کہ اگر تمہیں زیورات اور دنیوی آرام و آسائش پر روپیہ پیسہ خرچ کرنا ہے تو پھر میری مصاحبت کی توقع نہ رکھنا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ دولت خدا کی امانت ہے جسے ملے وہ خود بھی بے شک اپنی ذات پر خرچ کرے، اولاد پر خرچ کرے، اپنے عزیز و اقارب پر خرچ کرے۔ مگر اپنی قوم کے غرباء مساکین اور حاجت مندوں کی فلاح پر خرچ کرے، قرضوں کے نیچے دبے ہوؤں کی مدد کرے۔

وفات کے وقت فرماتے ہیں کہ میری جائیداد وارثوں میں تقسیم نہ ہو گی بلکہ وقف ہو گی۔ اگر دنیا کے سرمایہ دار رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو نمونہ بنا لیں۔ تو طبقاتی کشمکش ختم ہو جاتی ہے۔ مخلوق خدا میں اخوت پروان چڑھتی ہے۔ ہر شخص دوسرے کو محبت کی نگاہ سے دیکھے گا، اور تمام دنیا امن کا گہوارہ بن جائے گی۔

دنیا میں فساد اور لڑائی جھگڑا ملکیت کی عدم مساوات کا نتیجہ ہے۔ اقتصادی ناہمواریوں نے محروم طبقہ کو مراعات یافتہ طبقے کے خلاف کھڑا کر دیا ہے۔

محکوموں کے لیے کامل نمونہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرہ سال مکہ میں محکوم رہے محکوم بھی ان خونخوار ٗ ورشقی القلب لوگوں کے ٗ جن کے ظلم اور شقاوت کی داستانیں پڑھ کر انسان کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر ظلم کو ظلم سے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ جب ظلم زیادہ دیکھا تو صحابہؓ سے کہا یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ جب ان ظالموں کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو اللہ کے حکم سے خاموشی سے اپنی جنم بھومی کو چھوڑ کر مدینہ چلے آئے۔ صبر ٗ استقلال ٗ اس قدر بردباری اور اتنی امن پسندی کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

حاکموں اور بادشاہوں کے لیے کامل نمونہ

محکومیت کے بعد ایک وقت ایسا آیا کہ جب آپ ایک سلطنت کے سربراہ بن گئے اور دنیا کے تمام سربراہ آپ کی ذات سے نمونہ حاصل کر سکتے ہیں۔ سربراہ ہوئے تو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگوں کی خدمت کے لیے ہیں آپ فرماتے ہیں: سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ ''یعنی جسے اللہ تعالیٰ سردار بنا دے وہ سمجھے کہ وہ تمام قوم کا خادم ہے۔ عدالت اور انصاف کی یہ حالت ہے کہ قریش کی ایک عورت چوری کرتی ہے ٗ مجرمہ کو چھڑانے کے لیے آپ کا سب سے پیارا صحابی اسامہؓ سفارش کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ''اے اسامہ! کیا جس مجرم کے متعلق خدا کا قانون سزا تجویز کرتا ہے تو اس کے چھڑانے کی سفارش کرتا ہے۔''

پھر فرمایا ''اگر میری لخت جگر فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔''

ایک شخص رعب کی وجہ سے کانپتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک عرب کی ایک غریب بیوہ کا بیٹا ہوں ٗ جو غربت کی وجہ سے سوکھا ہوا باسی گوشت بھی استعمال کرلیا کرتی تھی۔ آپ ناپسند فرماتے تھے کہ قیصر وکسریٰ کی طرح آپ کے دربار میں کوئی شخص آپ کے سامنے کھڑا ہو۔

تمام مقدمات دیوانی اور فوجداری کا فیصلہ خود کرتے تھے۔ غریبوں ٗ لونڈیوں اور غلاموں کے کام خود کرتے ہیں ٗ سب تقریبات میں خود شامل ہوتے ہیں ٗ مرنے والوں کے جنازے خود پڑھاتے ہیں۔ رعایا میں سے ایک غریب درزی کدو گوشت پکا کر گھر پر بلاتا ہے تو اس کی دلجوئی کے لیے دعوت قبول فرماتے ہیں ٗ تیر اندازی کی مشق میں خود شریک ہوتے ہیں۔ اپنے سامنے فوجی گھڑ دوڑ کراتے ہیں ٗ نیزہ بازی کے مردانہ اور فوجی کرتب خود دیکھتے ہیں۔ رعایا میں سے کسی کو بیمار سنتے ہیں تو اس کے گھر بیمار پرسی کے لیے جاتے ہیں۔ اپنا جوتا خود گانٹھ لیتے ہیں۔ گھر جاتے ہیں تو کھانا تیار کرنے اور گھر کا کام کاج کرنے میں بیویوں کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ گھر پر کوئی دربان نہیں ٗ بوڑھے بچے ٗ عورتیں ٗ مرد ہر وقت آنے والوں کا ایک تانتا بندھا ہوا ہے۔ سب سے ملتے ہیں غرباء کی ہمیشہ اپنے گھر پر دعوتیں کرتے تھے۔ اپنے خادم حضرت انسؓ اور اپنے ساتھی حضرت ابو ہریرہ کو اکثر کہتے ہیں کہ جاؤ غرباء کو بلا لاؤ ٗ آج انھیں دودھ پلائیں ٗ آج حریرہ کھلائیں ٗ آج کھجوریں تحفہ میں آئی ہیں ان کی دعوت کریں۔ سلطنت کا سربراہ ہونے کے بعد بادشاہوں کی طرح عیش وعشرت میں مشغول نہیں ہو جاتے ہیں بلکہ عجز وانکساری کا مجسمہ بن جاتے ہیں ٗ عورتیں چلتے ہوئے روک لیتی ہیں ٗ اپنے دکھ درد بیان کرتی ہیں ٗ سادگی بھی وہی دور غربت والی ٗ کپڑے پیوند والے پہنتے ہیں۔

جنگیں ہوتی ہیں تو اکثر جنگوں میں خود شریک ہوتے ہیں اور فوج کو خود لڑواتے ہیں ٗ ایک ایک سپاہی کی ڈیوٹی خود لگاتے ہیں۔ لڑائی کے دوران اگر ہاتھ سے کام کرنے کا موقع آتا ہے تو اپنے جاں نثار سپاہیوں کے ساتھ مل کر کام میں شریک ہوتے ہیں قانون سے اپنے آپ کو بالا نہیں سمجھتے۔ قانون پر پہلے خود عمل کرتے ہیں پھر دوسروں کو پابندی کی تلقین کرتے ہیں ٗ اپنے ساتھیوں کی صحبت میں جاتے ہیں تو اپنے بیٹھنے کے لیے کوئی امتیازی اور مخصوص جگہ اختیار نہیں کرتے بلکہ ساتھیوں کے ساتھ مل جل کر بیٹھتے ہیں۔ باہر سے اگر کوئی ناواقف شخص آتا ہے تو اس کو دریافت کرنا پڑتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں۔

جب اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو دنیا کے بادشاہوں کی طرح مال و دولت ورثاء کے لیے چھوڑ نہیں جاتے ٗ بلکہ وفات کے وقت فرماتے ہیں۔ میری جائیداد ورثاء میں تقسیم نہ ہوگی بلکہ وقف ہوگی۔ میرے خلفاء کو چاہیے کہ میری بیویوں کو سال بھر کا خرچ دے کر اور میری جائیداد کے منتظموں کی تنخواہ ادا کر کے بقیہ روپیہ غرباء میں صدقہ دے دیا کریں۔

بادشاہوں میں یہ نقص ہوتا ہے کہ وہ سرکاری خزانے کو اپنا مال سمجھتے ہیں لیکن حضورؐ مقررہ حق کے علاوہ سرکاری خزانے میں سے زائد مال لینا حرام سمجھتے تھے۔ حق بھی صرف اتنا کہ جس سے گزر بسر ہو سکے اور اپنی بیویوں سے کہہ دیتے ہیں کہ اگر تمھیں دنیاوی مال و دولت کی ضرورت ہے تو آؤ تمھیں تمہاری حسب منشاء دولت دے کر اپنے گھر سے رخصت کر دوں۔ اگر میرے گھر میں رہنا ہے تو اپنے دلوں سے دنیاوی حرص و لالچ کے بت کو پاش پاش کرنا ہوگا۔

سربراہ خاندان اور متاہل لوگوں کے لیے کامل نمونہ

سلطنت کے کاموں کی وجہ سے اپنے خانگی فرائض کو ضائع نہیں کرتے۔ ایک وقت میں نو بیویاں ہیں' ہر گھر میں باری باری شب باش ہوتے ہیں۔ دن کو عصر کے بعد ہر گھر میں جا کر سلام کرتے' سودا سلف منگوانے کا بندوبست کرتے' آپ اپنی بیویوں سے محبت سے پیش آتے۔ کبھی کسی بیوی کو تھپڑ تک نہیں مارا' کبھی کسی کو جھڑکا تک نہیں۔ سب آپ سے خوش تھیں' گھر کے کام کاج میں بیویوں کا ہاتھ بٹاتے' اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر جاتے' ان سے ملتے' ان کے بچوں کو گلے سے لگاتے' پیار کرتے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے خاندان سے اس قدر محبت کرتے نہیں دیکھا جس قدر آپ کیا کرتے تھے۔

جب آپ نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی پیدائش کی خبر سنی تو خبر سنانے والے کو ایک غلام عطا کیا تھا۔ بچے کا عقیقہ کیا اور سر کے بالوں کے برابر چاندی بطور ہدیہ عطا کی تھی۔

آپ نے اپنی اولاد سے جس محبت اور شفقت کا اظہار کیا وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ایسا کرنا پیغمبری کے خلاف نہیں۔ یہ ایک فطری جذبہ ہے جو ہر شخص میں موجود ہے جو لوگ اس جذبہ کا اظہار نہیں کرتے وہ اپنی طبیعت پر جبر کرتے ہیں۔[1]

مجردوں کے لیے کامل نمونہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچیس سال تک کنوارے اور مجرد رہے مگر نہایت عفیف' نہایت پاک دامن کہ کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تجرد کی زندگی میں دنیاوی کام کاج کے علاوہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے' لوگوں کی فلاح اور بہبود کے لیے ہر دم کمربستہ رہتے' بیکسوں کے ملجا و ماویٰ تھے۔

سپہ سالاروں کے لیے کامل نمونہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ اور معاملات جنگ کی کوئی باقاعدہ تعلیم و تربیت حاصل نہیں کی تھی لیکن جب آپ کو میدان جنگ میں اپنی فوج کی قیادت کرنا پڑی تو آپؐ نے ایک ماہر جنگ سپہ سالار کی بھرپور صلاحیتوں کا ثبوت فراہم کیا۔ آج بھی آپؐ کی سپہ سالارانہ قیادت کے واقعات پڑھ کر بڑے بڑے نامور جرنیل حیرت کا مجسمہ بن جاتے ہیں کہ اتنی زبردست جنگی تدبیروں کا مالک بغیر کسی جنگی تربیت کے کیونکر ایسے معرکے سر کرتا رہا۔

یہ بات کتنی حیران کن ہے کہ آپ نے دس سالہ جنگی کارروائیوں کے نتیجہ میں دس لاکھ مربع میل کی وسیع مملکت قائم کی۔ مسلم شہداء اور دشمن مقتولین کی کل تعداد علی الترتیب ۲۵۵ اور ۷۵۹ ہے۔ اس طرح جنگی قیدیوں کی تعداد' چھ ہزار پانچسو چونسٹھ بنتی ہے۔ ان میں صرف دو قیدیوں کو ان کا جرم ثابت ہونے پر موت کی سزا دی گئی۔

قانون جنگ میں تبدیلی

دُنیا کی عام جنگیں کسی قانون کے تابع نہیں ہوتیں' جنگوں میں مخالفین کا خون بہانا جائز سمجھا جاتا ہے۔ فاتحین کے ہاتھوں عورتیں' بچے' بوڑھے محفوظ نہیں ہوتے' ہرے بھرے کھیتوں کو اجاڑ دیا جاتا ہے' شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جاتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس رسول کریم صلی

[1] تفصیل ملاحظہ فرمائیں عنوان ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت ماہر عمرانیات'' کا حصہ ''معاشرتی حقوق''

اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ نہ کسی بوڑھے کو قتل کیا جاتا' نہ عورت تہ تیغ کی جاتی' نہ کسی بچے پر تلوار اٹھائی جاتی' نہ کھیتوں کو اجاڑا جاتا' نہ درختوں کو گرایا جاتا' نہ زخمی کو قتل کیا جاتا' نہ کسی بھاگنے والے کو تعاقب کیا جاتا۔ جنگ بدر میں ستر کافر قیدی بنائے گئے تو قیدی خود کہتے ہیں کہ مسلمان خود پیدل چلتے اور ہمیں سوار کراتے' وہ خود بھوکے رہتے ہمیں کھانا کھلاتے۔

آپؐ کی جنگی پالیسی کا اساسی کلیہ یہ تھا کہ مخالف عناصر کا خون بہانے کے بجائے اس کو بے بس کر دیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ تعاون کرنے لگے یا مزاحمت چھوڑ دے۔ اسی لیے آپ نے کم سے کم خون بہا کر زیادہ سے زیادہ کامیابی حاصل کی۔ فتح مکہ ایک درخشندہ مثال ہے کہ جب مخالفین مکہ بے بس ہو کر آپؐ کے سامنے آتے ہیں تو کشادہ دلی سے ان کو معاف کر دیتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ ''آج تم پر کوئی گرفت نہیں' تم آزاد ہو۔'' یہ وہ مخالفین ہیں جن کے ہاتھوں بے پناہ مصائب جھیلے۔ آپ کے ساتھی شہید ہوئے اور ان کے ظلم وستم سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنی جنم بھومی چھوڑی اور مدینہ کو اپنا مسکن بنایا۔ ان ظالموں نے وہاں بھی آرام سے زندگی بسر کرنے کا موقعہ نہ دیا' بلکہ حملہ آور ہوتے رہے۔ آخر کار یہ ظالم مغلوب ہوئے۔ اس قسم کے ظالموں کو معاف کر دینا کوئی معمولی بات نہیں۔ یہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دل بنی نوع انسان کی محبت سے معمور ہو اور ان کو راہ راست پر چلانا مقصود ہو۔

معلّمین کے لیے کامل نمونہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلم انسانیت ہیں۔ فرماتے ہیں: اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا. مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ ہمیشہ علم اور علماء کی قدر کرتے تھے' مسلمانوں کو علم حاصل کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ آپ کی مشہور حدیث ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

پھر ایک دفعہ فرمایا: اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللحد. گہوارے سے لے کر قبر تک علم حاصل کرو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت معلم اس لحاظ سے منفرد ہیں کہ آپ نے تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کو لازمی قرار دیا' آپ صرف معلومات میں اضافے ہی کو تعلیم نہیں سمجھتے تھے بلکہ لوگوں کی اخلاقی اصلاح کو بھی جز و تعلیم قرار دیتے تھے۔

علم کا مقصد زندگی کو بہتر بنانا ہے۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے جب علم حاصل کرنے والا علم پر بھی عمل کرے۔ اگر علم کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتا تو اسے علم کا کوئی بھی فائدہ نہیں۔ حضورؐ نے عالم بے عمل کو چراغ کے فتیلہ سے تشبیہ دی ہے جو لوگوں کے لیے روشنی مہیا کرتا ہے لیکن خود جل کر رہ جاتا ہے۔ آپ دعاؤں میں بے فائدہ علم سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز سب سے شدید عذاب اس عالم کو ہوگا جس کے علم نے اسے کچھ کام نہیں دیا۔ اسی طرح علم کو جاہ طلبی میں استعمال کرنے والا بھی عذاب سے نہیں بچ سکے گا۔

آپ چند کلمات سکھا دینے کو ہی کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ غور وفکر اور تدبر کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ایک گھڑی غور وفکر کرنا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

آپ کے طریقہ تعلیم میں محبت' اخوت' مساوات' اور ہمدردی بنی نوع انسان کا پہلو بھی نمایاں ہے۔ آپ کی تعلیم کا ہی یہ معجزہ تھا کہ صدیوں کی لڑائیوں اور دشمنیوں کو اخوت میں بدل دیا' اونچ نیچ کا خاتمہ کر دیا اور ہمدردی کے جذبہ کو اجاگر کر دیا۔

منصفین کے لیے کامل نمونہ

یہ بات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی معاشرہ عدل وانصاف کے بغیر صحیح خطوط پر نہیں چل سکتا۔ اگر تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی کی جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہی سلطنتیں زوال پذیر ہوئیں جن میں عدل وانصاف کو پامال کیا گیا۔ بڑوں کے لیے اور قانون تھا اور ضعفاء کے لیے اور قانون۔ جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسند انصاف پر رونق افروز دیکھتے ہیں تو ان کے ہاتھ سے انصاف کا ترازو چھوٹتا ہوا نہیں نظر آتا ہے۔ بلکہ انصاف کے اس ارفع مقام پر کھڑے ہوتے ہیں' جن کے سامنے اپنا اور بیگانہ' طاقت ور اور کمزور

دوست اور دشمن سب برابر کھڑے نظر آتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

''کسی قوم سے تمھاری دشمنی تمھیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم انصاف نہ کرو' انصاف کرو' یہ بات تقویٰ کے قریب ہے۔''

ایک دفعہ بنی مخذومہ کی ایک عورت نے چوری کی تو قریش نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو سفارش کے لیے بھیجا کہ اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ آپؐ نے چوری سے متعلق سزا کی معافی کی سفارش سن کر ارشاد فرمایا:

''تم سے پہلے قومیں اسی سبب سے تباہ ہوئیں کہ ان کے چھوٹوں کو سزا دی جاتی تھی اور ان کے بڑوں کو معاف کر دیا جاتا تھا۔ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔''

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ ادا کروائے:

اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ. (الشوریٰ) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''اللہ کی حدیں (قانون) بلاتمیز دور و نزدیک پر جاری کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی پیروی نہ کرو۔''

تاجروں کے لیے نمونہ

تجارت معیشت کا اہم اور ضروری جزو ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کے لیے کامل نمونہ ہیں۔

تجارت اور اسوۂ رسولؐ

حضرت خدیجہ کو ایک دیانتدار تجارتی شریک کی ضرورت تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیانت اور امانت، کا بہت چرچا تھا۔ تو حضرت خدیجہ نے حضورؐ کو تجارت کا انتظام سنبھالنے کا پیغام بھیجا کہ جو معاوضہ دوسروں کو دیتی ہوں اس سے دوگنا معاوضہ آپ کو دوں گی۔ آپ نے اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ آپ حضرت خدیجہؓ کا سامان تجارت لے کر شام تشریف لے گئے۔ حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ بھی آپ کے ساتھ تھا۔ تجارت میں توقع سے کہیں زیادہ منافع ہوا۔ واپس پر میسرہ نے آپ کی امانت' حسن معاملہ اور تجارتی ذہانت کی بہت تعریف کی۔ حضرت خدیجہ آپ سے بہت متاثر ہوئیں اور انھوں نے حضورؐ کے پاس پیغام نکاح بھیجا چنانچہ آپ نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کر لی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناجائز ذرائع سے حصول دولت کی شدت بہت ممانعت کی۔

ہمسایوں کے لیے کامل نمونہ

ہمسایہ معاشرے کا ایک اہم حصہ ہے ہمسایہ کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں کامل نمونہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''اگر تم کامل مومن بننا چاہتے ہو تو ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔'' پھر فرمایا: ''اللہ کے نزدیک ساتھیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہے اور اللہ کے نزدیک پڑوسیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہو۔

ایک بار آپ کی مجلس میں ایک عورت کا ذکر آیا کہ وہ بڑی عبادت گزار اور پرہیز گار ہے' دن میں روزے رکھتی ہے اور رات کو تہجد ادا کرتی ہے لیکن پڑوسیوں کو تنگ کرتی ہے آپ نے فرمایا وہ دوزخی ہے اور ایک دوسری عورت کے بارے میں عرض کیا گیا کہ وہ صرف فرائض (عبادات) ادا کرتی ہے لیکن ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھتی ہے' حضورؐ نے فرمایا وہ جنتی ہے۔

دشمنوں کے لیے کامل نمونہ

دنیا میں کوئی ہی ایسا شخص ہوگا جس کا کوئی شخص یا مخالف نہ ہو' آپ کی ذات مبارک ان لوگوں کے لیے بھی اسوۂ حسنہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دعویٰ نبوت کیا۔ توحید کا پرچار' ایک خدا کی عبادت' اخوت' مساوات' رواداری اور حرمت انسانی کی تبلیغ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی تلقین کرنے کی وجہ سے مراعات یافتہ طبقہ دشمن بن گیا اور دشمنی یہاں تک بڑھی کہ آپ اور آپ کے صحابہؓ کو اپنا گھر بار

چھوڑ کر مدینہ میں جا کر پناہ لینی پڑی۔ دشمنوں نے گھر سے نکال دینے کو ہی کافی نہ سمجھا بلکہ یہ عزم کر لیا کہ آپ کو اور آپ کے اصحابؓ کو مدینہ سے بھی نیست و نابود کر کے دم لیں گے چنانچہ مدینہ پر بار بار حملہ آور ہوئے۔ حملوں میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر ایک وہ وقت آیا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس ہزار قدسیوں کو ساتھ لے کر مکہ میں فاتحانہ رنگ میں داخل ہوتے ہیں۔ دشمنوں اور مخالفین میں سے ایک ایک کی گردن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کے نیچے تھی' آپ نے عفو اور درگزر کا وہ نمونہ دکھایا کہ جس کی مثال انسانیت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ نہ صرف آپ نے اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا بلکہ ابوسفیان جو سب دشمنوں کا سرغنہ تھا۔ غزوہ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں کفار کا سپہ سالار تھا۔ اسے اس فتح کے موقع پر یہ اعزاز دیا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ بھی امن میں ہے۔

سب مخالفین کو یہ فرمایا: لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ آج تم پر کوئی گرفت نہیں' تم سب آزاد ہو۔

دوستوں کے لیے نمونہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس اپنے دوستوں اور صحابہؓ کے لیے ابر رحمت تھے۔ کسی دوست کو ذرا سی تکلیف پہنچتی تو آپ بیقرار اور مضطرب ہو جاتے۔ ان کی تکلیف کو رفع کے لیے بھی ہر ممکن کوشش کرتے۔ اس امر کی شہادت قرآن مجید میں ملتی ہے ارشاد الٰہی ہے: ''بلاشبہ تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے' جو خود تمھیں میں سے ہے۔ تمہارا نقصان اس پر گراں گزرتا ہے' وہ تمہاری فلاح چاہتا ہے ایمان والوں (دوستوں) کے لیے وہ شفیق اور مہربان ہے۔'' (توبہ ۹:۱۳۸)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقروض دوستوں کا قرض اپنے پاس سے ادا فرما دیتے تھے' دوستوں کو تحائف سے نوازتے' دعوتوں پر بلاتے' ان کی دعوتوں میں شریک ہوتے' ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے۔ یہی وجہ تھی کہ دوست بھی اپنی زندگیاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نچھاور کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دوستوں کے لیے بہت رحمدل' شفیق اور مہربان تھے۔

چند ایک پہلو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے سپرد قلم کیے گئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ آپ کی زندگی کے اتنے پہلو ہیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کامل نمونہ ہیں اور ہر قسم کے آدمی کے لیے کامل رہنما ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق فرمایا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. یعنی تمھارے لیے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

نبی کریم ﷺ بحیثیت ماہر معاشیات

دنیا کی اقتصادی حالت کا جائزہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشی حکمت بیان کرنے سے قبل دنیا کی اقتصادی حالت کا جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ نبی حضور کی معاشی حکمت عملی کے اصول نمایاں طور پر قاری کے سامنے آ جائیں یہ ایک مسلمہ اصول ہے جہاں بھی بادشاہت اور آمرانہ نظام ہو گا وہاں عوام کے اقتصادی حقوق پامال ہوں گے۔ قرون وسطیٰ کے آمرانہ نظام کے اقتصادی نظام میں چار برائیاں خاص طور پر نظر آتی ہیں۔ ا۔ حاکم طبقہ کے پاس بے پناہ دولت کا ہونا۔ ۲۔ رعایا پر بھاری ٹیکس۔ ۳۔ مزدوروں سے بغیر مزدوری ادا کیے جبراً کام لینا۔ ۴۔ سود خوری۔

حکمران طبقہ لامحدود اختیار ہونے کی بناء پر عوام کو مختلف طریقوں سے لوٹتا تھا۔ بھاری ٹیکس لگائے جاتے۔ نذرانے وصول کیے جاتے نئے نئے قوانین وضع کیے جاتے' جن سے کسانوں' تاجروں اور اہل حرفہ سے زیادہ سے زیادہ مال چھینا جاتا۔

بعض اوقات رعایا کو سرکاری ٹیکس ادا کرنے کی وجہ سے اپنی اولاد کو بیچنا پڑتا۔ ایران بعہد ساسانیاں کا مولف رقمطراز ہے کہ خراج اور ٹیکس کے لگانے اور وصول کرنے میں محصلین خیانت اور استحصال بالجبر کے مرتکب ہوتے تھے۔ چونکہ مالیات کی رقم سال بسال مختلف ہوتی رہتی تھی۔ یہ ممکن نہ تھا کہ سال کے شروع میں آمدنی اور خرچ کا تخمینہ ہو سکے۔ علاوہ اس کے ان چیزوں کے ضبط میں رکھنا بھی بہت مشکل تھا۔ بسا اوقات نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ادھر جنگ چھڑ گئی ادھر روپیہ ندارد ایسی حالت میں پھر غیر معمولی ٹیکسوں کا لگانا ضروری ہو جاتا تھا۔ (ایران بعہد ساسانیاں ص ۱۶۳)

خسرو دوم نے ۶۰۷ء۔ ۶۹۸ء میں طیسفون (مدائن) میں اپنے خزانہ کو نئی عمارت میں منتقل کیا' اس میں چھیالیس کروڑ اسی لاکھ مثقال سونا تھا۔ یعنی سینتیس کروڑ پچاس لاکھ فرانک طلائی (چار ارب اڑسٹھ روپے) حکومت کے تیرہویں سال کے بعد اس کے خزانہ میں اسی کروڑ مثقال وزن کا سونا تھا۔ (ایران بعہد ساسانیاں ص ۶۱۱)

کسانوں کی ابتر حالت کے متعلق یہی مصنف لکھتا ہے کہ ''کسانوں کی حالت بہت بدتر تھی وہ اپنی زمین کے ساتھ بندھے رہتے تھے اور ان سے ہر طرح کی بیگار اور خدمت لی جاتی تھی۔ مورخ مارسینوس لکھتا ہے کہ ''ان بیچارے کسانوں کے بڑے بڑے گروہ فوج کے پیچھے پیچھے کوچ کرتے تھے۔ گویا کہ ابدی غلامی ان کی تقدیر میں لکھی ہے اور کسی قسم کی تنخواہ یا اجرت سے ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی۔'' (ایران بعہد ساسانیاں ص ۴۲۴)

باقاعدہ ٹیکسوں کے علاوہ رعایا سے نذرانے لینے کا دستور تھا۔ جس کو آئین کہتے تھے۔ اسی آئین کے مطابق عہد نوروز اور مہرگان کے موقعوں پر لوگوں سے جبراً تحائف وصول کیے جاتے تھے۔ خزانہ شاہی کے ذرائع آمدنی میں سے ہمارا خیال ہے کہ سب سے اہم ذریعہ جاگیر ہائے خالصہ کی آمدنی اور وہ ذرائع تھے جو بادشاہ کے لیے حقوق خسروی کے طور پر مخصوص تھے۔ مثلاً فارنگیوں (علاقہ ارمینیا) کے سونے کی کانوں کی ساری آمدنی بادشاہ کی ذاتی آمدنی تھی۔ (ایران بعہد ساسانیاں)

قرون وسطیٰ کی حکومتوں میں تمام ممالک واضح طور پر علیحدہ طبقوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک طبقہ شاہی خاندان روساء اور جاگیرداروں کا تھا۔ انہی کے پاس تمام ذرائع پیداوار تھے۔ دوسرا طبقہ عوام کا تھا۔ جو ذرائع پیداوار سے محروم تھا۔

عرب کی اقتصادی حالت

عرب کا بیشتر حصہ بنجر اور بے آب وگیاہ ریگستان ہے۔ یہاں پیداوار کی کمی تھی۔ بعثت نبوی سے قبل عرب کی اقتصادی حالت خراب

تھی۔ آئے دن کی خانہ جنگیوں اور عام بدامنی نے اقتصادی حالت کو خراب تر بنا دیا تھا۔ باشندوں میں امراء اور متوسط اور غرباء سب قسم کے لوگ تھے لیکن غرباء کی کثرت تھی۔ امراء کی دولت اور غرباء کی ناداری کی کوئی حد نہ تھی۔ عربوں کے عام پیشے زراعت تجارت اور گلہ بانی تھی۔ مجموعی طور پر عرب میں عوام کی اقتصادی حالت دگرگوں تھی۔

مکہ میں قریش کی سیادت تھی۔ اس چھوٹی سی سلطنت کے ذرائع آمدن۔ ا۔ مال غنیمت۔ ۲۔ لاوارث مال۔ ۳۔ دوسرے ممالک سے جو تجارتی مال آتا اس پر ٹیکس۔ ۴۔ میلوں میں فروخت ہونے والے مالوں پر ایک خاص شرح کے مطابق ٹیکس تھے۔

روم

روم کے مقبوضہ علاقوں میں مصر دریائے نیل کی وجہ سے زیادہ خوش حال ملک تھا رومی حکومت کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ اس علاقے پر رومیوں نے حسب ذیل ٹیکس عائد کیے تھے۔

ا۔ زرعی ٹیکس

ایک ایکڑ زمین پر تقریباً ایک من تیس سیر یا ساڑھے تین من سے لے کر پانچ یا دس من تک ٹیکس تھا۔ زمین کی ملکیت حکومت کی خیال کی جاتی تھی اور حکومت اور کاشت کار کے درمیان براہ راست معاملہ ہوتا تھا۔ بادشاہ جب چاہتا زمین کے خراج کی شرح میں اضافہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ ہر سال اس کی شرح مقرر کی جاتی۔ (کتاب الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ صفحہ ۴۸، ۱۳۱، ۳۱۷)

یہ تو صرف غلے کا ٹیکس تھے۔ انگور، کھجور، انجیر زمینوں کے زیتون کے باغات پر اس کی شرح مختلف تھی۔ عام طور پر یہ دس درہم فی ایکڑ سے لے کر چالیس درہم فی ایکڑ تک ہوتی تھی۔

۲۔ دارالحکومت ٹیکس

مصر چونکہ رومیوں کے تمام علاقوں سے زیادہ زرخیز تصور کیا جاتا تھا۔ اس لیے زرعی ٹیکس کے علاوہ ایک خاص تعداد میں رومی حکومت کے دارالخلافہ اور مصری دارالحکومت اسکندریہ کی ترقی کے لیے یہاں کی زمین سے علیحدہ ٹیکس لیا جاتا تھا۔

۳۔ رفاہ عامہ اور بھلائی کے کاموں کے لیے علیحدہ ٹیکس لیا جاتا تھا۔

۴۔ حکومت کاشت کاروں کو بیج قرض دیتی تو سال کے آخر میں بیج کے ساتھ ساڑھے چار فی صد زائد لیتی تھی۔ (الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ صفحہ ۵۰)

۵۔ آب پاشی کا ٹیکس

یہ ٹیکس ایک درہم فی ایکڑ کے حساب سے لیا جاتا اس کے ساتھ ہی زمینوں کی جو پیائش وغیرہ کرائی جاتی۔ اس کے اخراجات بھی کاشت کاروں سے وصول کیے جاتے۔ (کتاب الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ صفحہ ۵۰)

۶۔ جزیہ یا حیثیت ٹیکس

ہر سال اس کی شرح مختلف ہوتی کسی سال سولہ درہم تو کسی سال بیس درہم فی کس کے حساب سے لیا جاتا تھا۔ اسکندریہ کے مسیحی اور رومی باشندے جو مصر میں مقیم تھے۔ اس سے مستثنیٰ تھے۔ حضرت عمرو بن العاص نے فتح اسکندریہ کے بعد حضرت عمر کو جو خط لکھا تھا۔ اس میں آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ انھوں نے اسکندریہ میں ایسے چالیس ہزار یہودی پائے جو جزیہ ادا کرتے تھے۔

۷۔ جائیداد ٹیکس

ہر شہری مکان پر سو درہم کے حساب سے لیا جاتا تھا۔ (صفحہ ۵۲)

۸۔ مویشی ٹیکس

تمام جانوروں مثلاً اونٹ، بھیڑ، بکری، گدھے وغیرہ پر ٹیکس لیا جاتا ان کی ملکیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اونٹ پر دس درہم لیا جاتا۔ (صفحہ ۵۲)

۹۔ تجارت ٹیکس

مصر میں داخل ہونے والے تمام تاجروں کے مال پر ان کے مال کی مالیت پر کم وبیش دس فیصد لیا جاتا تھا۔

۱۰۔ وراثت ٹیکس

وراثت ٹیکس کی شرح پانچ فیصد تھی اور غلام کو آزاد کرنے پر بھی ٹیکس تھا۔ بادشاہ کو تحفے دینے کا دستور تھا۔ نام تو اس کا تحفہ تھا لیکن ٹیکس کی طرح جبراً وصول کیا جاتا۔ ہر فرد مملکت کو چار درہم سالانہ کے حساب سے اس مد میں دینے پڑتے تھے۔ (کتاب الخراج فی الدولتہ الاسلامیہ ص ۵۲)

۱۱۔ فوجی ٹیکس

ہر تیس ایکڑ زمین کے پیچھے ایک فوجی کا لباس مہیا کرنا ہوتا تھا۔ (۵۲)

۱۲۔ خطاب ٹیکس

حکومت مختلف قسم کے عہدے اور خطاب ایک خاص رقم کی عوض عطا کرتی تھی۔ ان کے لیے کسی قسم کی لیاقت کی ضرورت نہیں تھی۔ (۵۲)

۱۳۔ بیگار ٹیکس

سب سے آخر میں بیگار ٹیکس تھا اور اس کے لیے کوئی قید نہ تھی۔ جب بھی ضرورت پڑتی باشندوں کو بیگار میں پکڑ لیا جاتا اور ان سے نہروں کی کھدائی پلوں کی مرمت وغیرہ کے کام لیے جاتے۔ اس ظلم کی وجہ سے اکثر باشندے جنگلوں میں بھاگ جاتے۔ تاہم جن کو پکڑ لیا جاتا۔ انھیں فوج کی نگرانی میں یہ کام سرانجام دینے ہوتے۔ (۵۷)

مشہور مورخ این بینز (N.Beyns) لکھتا ہے کہ اہل مصر ان مظالم کے نیچے پس رہے تھے کہ اسلام نے انھیں ان ظالمانہ ٹیکسوں سے نجات دلائی۔ (بزنطین ایمپائر صفحات ۲۵، ۱۰۷)

بادشاہ اور امراء کی عیش پرستیوں پر خرچ ہوتی تھی۔ یہی چیز ان کی تباہی اور زوال کا باعث بنی۔

زمانہ جاہلیت کے اقتصادی نظام کے مطالعہ سے حسب ذیل باتیں سامنے آتی ہیں۔ ۱۔ ذرائع پیداوار اور وسائل پر چند مقتدر گروہوں کا قبضہ تھا۔ ۲۔ دولت کا حصول مبنی بر ظلم تھا۔ ۳۔ دولت میں عوام شریک نہیں تھے۔ جس وجہ سے عوام بھوک ننگ اور غربت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

رسول کریم ﷺ کی معاشی حکمت عملی کے خدوخال

آپ کی تعلیم انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی تھی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی وہ عظیم ہستی ہے۔ جس نے زندگی کے تمام مسائل حل کرنے کی تعلیم دی ہے۔ خواہ مسائل عائلی ہوں یا تمدنی۔ سیاسی ہوں یا معاشی۔ غرض کہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس پر حضورؐ نے روشنی نہ ڈالی ہو۔ زندگی کے مسائل میں سے معاشی مسئلہ بہت ہی اہم ہے۔ یہ اہم مسئلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی تعلیم سے حل ہوسکتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیاوی مسائل کی بنیاد اخوت، مساوات، رواداری، عدل و انصاف پر رکھی ہے۔ جہاں یہ اصول ٹوٹتے ہوئے نظر آئیں گے تو اسلام اس طریقے اور نظریہ کو ناجائز قرار دے گا۔ انہی اصولوں پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشی مسائل

حل کرنے کی تعلیم دی ہے۔

دنیا میں معاشی مسائل کے حل کے لیے دو معاشی نظام چل رہے ہیں ایک سرمایہ داری نظام ہے اور ایک اشتراکیت سرمایہ داری نظام بے قید ذاتی ملکیت کا حامی ہے اس کے برعکس اشتراکیت حقوق ملکیت حکومت کو سونپتی ہے۔

ان دونوں انتہا پسند نظاموں کے برعکس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان کردہ معاشی نظام اعتدال پر مبنی ہے۔ نہ تو وہ سرمایہ داری نظام کی طرح بے قید ذاتی ملکیت کا حامی ہے اور نہ اشتراکیت کی طرح تمام حقوق ملکیت کے حوالے کرتا ہے۔

کائنات کی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے

اسلام کائنات کی ہر چیز کو اللہ کی ملکیت قرار دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ''یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ کے لیے ہے۔''

دوسری جگہ آتا ہے: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا (بقرہ۲:۲۹) ''اللہ ہی نے پیدا کیا تمھارے لیے جو سب کچھ زمین میں ہے۔''

یہ آیت ظاہر کرتی ہے۔ جملہ اشیاء عالم اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں اور وہ بنی آدم کی مملوک ہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (اعراف: ۱۲۷) ''زمین خدا کی ہے اور اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ اس کا وارث بنا دیتا ہے۔''

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (انعام ۶:۱۵۱) ''تمھیں اور انھیں ہم ہی روزی دیتے ہیں۔ یہ آیت اس نظریہ کی توثیق کرتی ہے کہ رزق اور رزق کے سرچشمہ اللہ کی ملکیت ہیں۔ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ (الحجر ۱۵:۲۰) ''اور تمھارے لیے اس میں روزی کا سامان بنایا اور اس کے لیے بھی جسے تم رزق نہیں دیتے۔''

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ تمام وہ چیزیں جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔ ان کے اصل خزانے اللہ کے پاس ہیں یعنی ان کا وجود میں لانا اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔

مال و دولت خدا کی نعمت ہے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشی حکمت عملی کا پہلا اصول یہ ہے کہ مال و دولت خدا کی نعمت ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں اس نعمت کو مختلف پیرایوں میں مختلف ناموں سے بیان کیا ہے۔ کہیں اس نعمت کو فضل قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ ۶۲:۱۰) ''خدا کے فضل (رزق) کی تلاش کے لیے زمین میں پھیل جاؤ۔'' کہیں ''حسنہ'' کہا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (بقرہ۲:۲۰۱) ''اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔'' کہیں طیب کے لفظ سے پکارا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (البقرہ ۲:۱۷۲) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

کہیں زینت کہا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف ۷:۳۱) ''اے آدم کے بیٹو! خدا کے سامنے جھکتے وقت بھی اپنی زینت کو لے لیا کرو۔''

کہیں ذریعہ قیام فرمایا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اَلَّتِيْ جَعَلَ لَكُمْ قِيٰمًا (النساء ۴:۵) ''جن کو اللہ نے تمھارے لیے سہارا بنایا ہے۔''

انفرادی ملکیت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رفع نزاع اور حصول انتفاع کے لیے پابندیوں کے ساتھ ذاتی ملکیت کو تسلیم کیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (النساء۴:۳۲) ''مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے جو وہ کمائیں اور عورتوں کے لیے حصہ ہے۔ اس میں سے جو وہ خود کمائیں۔''

وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ (النساء۴:۲) ''یتیموں کا مال ان کے حوالہ کر دو اور بری چیز کو اچھی چیز سے بدل نہ لو۔''

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ (النساء۴:۷) ''مردوں کا حصہ ہے اس ترکہ میں سے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں اور اسی طرح عورتوں کا بھی ایک حصہ ہے اس ترکہ میں سے جو ماں باپ یا قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں۔

لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (النجم:۳۹) ''انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے کوشش کی۔ یعنی اپنی محنت کا پھل پانے کا وہی مستحق ہے۔''

كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (الطور۵۲:۲۱) ہر شخص اپنی کمائی میں گرو ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسب ذیل احادیث سے ذاتی ملکیت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ (بخاری و مسلم) ''جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے۔ وہ شہید ہے۔'' فرمایا: مَنْ ظَلَمَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا طُوِّقَهٗ مِنْ سَبْعِ أَرَضِيْنَ (بخاری) ''جو کسی دوسرے کی زمین کا تھوڑا سا حصہ بھی غصب کرے گا ساتوں زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔''

فرمایا: مَنِ اقْتَطَعَ مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ (مسند احمد حدیث ۳۹۴۱) ''جو شخص کسی مسلمان کا مال بلا استحقاق دبا بیٹھے وہ اللہ کے حضور اس حال میں جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر بہت غضب ناک ہوں گے۔

اکتساب مال کے لیے شرائط

اسلام نے جہاں اکتساب روزی کی آزادی دی ہے اور انفرادی حق ملکیت کو جائز قرار دیا ہے۔ وہاں اکتساب مال کے لیے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ وہ کمائی جائز طریقے سے ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ (کنز العمال) ''عبادت کے بعد حلال کمائی کا طلب کرنا بھی ایک فریضہ ہے۔''

فرمایا: اِسْعَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ (مسند احمد۔ کنوز الحقائق) ''کوشش کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کوشش کرنی فرض کی ہے۔''

فرمایا: أَجْمِلُوْا فِيْ طَلَبِ الدُّنْيَا فَإِنَّ كُلًّا مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ (ابن ماجہ باب الاقتصاد فی طلب المعیشۃ) ''دنیا کی طلب اپنی صلاحیت کے مطابق کرو۔ اس لیے کہ جس لیے آدمی پیدا کیا گیا ہے وہ ضرور اس کو ملے گا۔''

اکتساب مال پر شرعی پابندیاں

اسلام نے جہاں ایک شخص کو محنت اور جائز طریقے سے روزی کمانے کی تلقین کی ہے۔ وہاں ناجائز طریقوں کی بھی وضاحت کر دی ہے۔

ا۔ سود (ربا)

ارشاد الٰہی ہے: وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (البقرہ۲:۲۷۵) ''اور اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے اور سودی کاروبار کو حرام قرار دیا ہے۔''

۲۔ احتکار

یعنی اشیاء کی قیمتوں کو بڑھانے کے لیے روک رکھنا تا کہ زیادہ سے زیادہ نفع حاصل ہو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ (ابن ماجہ) ''احتکار نہیں کرتا مگر گنہگار۔''

فرمایا: اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ (ابن ماجہ) ''جالب ''باہر سے مال لانے والا) خوش نصیب ہے۔ (اس کو نفع ہو گا برکت

ہوگی) اور احتکار کرنے والا ملعون ہے۔" فرمایا مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللّٰهِ وَبَرِئَ اللّٰهُ مِنْهُ (مسند امام احمد) "جس نے چالیس دن تک کھانے کی چیزوں کو روکے رکھا۔ اس کو اللہ سے کوئی تعلق نہیں اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔"

۳۔ تجنیس اشیاء

یعنی اشیاء کم تول کر دینا یا معیار کے مطابق چیز کو نہ بنانا تجنیس کہلاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ (الاعراف ۷:۸۵) "سو ماپ اور تول کو پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔

۴۔ حرام چیزوں کے کاروبار کی ممانعت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ (بخاری ونیل الاوطار ج ۵ ۳۴:۱۱۲) "اللہ تعالیٰ نے شراب مردار خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت حرام کر دیا ہے۔"

فرمایا: لَا يَحِلُّ ثَمَنُ شَيْءٍ لَا يَحِلُّ اَكْلُهٗ وَشَرَابُهٗ (دارقطنی) "یعنی کسی ایسی چیز کی قیمت لینا جس کا کھانا اور پینا حرام ہے جائز نہیں۔"

فرمایا: "گانے بجانے اور کتے کی قیمت سب سے برا کسب ہے۔" (ابوبکر بن مقسم عن ابی ہریرۃ)

بدکاری کروا کر دولت حاصل کرنا

سورہ نور میں آتا ہے: وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (نور ۲۴:۳۳) "اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہتی ہیں۔ بدکاری پر مجبور نہ کرو تا کہ دنیا کی زندگی کا سامان چاہو۔

فرمایا: "تم گانے والی لونڈیاں نہ خریدو۔ نہ بیچو۔ نہ ان کو گانا بجانا سکھاؤ۔ ان کی تجارت میں کچھ خیر و برکت نہیں۔ یہ ان کی قیمت حرام ہے۔ (تیسیر الوصول کتاب البیوع)

۵۔ رشوت ستانی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَلرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ كِلَاهُمَا فِي النَّارِ "یعنی رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں آگ میں پڑیں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے تمام حرام طریقوں کو قرآن کے ان الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء ۴:۲۹) "آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔"

۶۔ کاروبار میں بددیانتی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ "جس نے (کاروبار) میں دھوکہ دیا وہ میرا پیروکار نہیں۔"

فرمایا: "خریدار اور فروخت کنندہ جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہو جائیں وہ معاملہ کرنے نہ کرنے کے بارے میں پورا اختیار رکھتے ہیں۔ اگر انھوں نے راست بازی اور درست بیانی سے کام لیا تو ان کے معاملہ میں برکت ہو گی اگر غلط بیانی اور (عیوب کے) اخفاء کا طریقہ اختیار کیا تو ان کے معاملہ بیع کی برکت ختم کر دی جائے گی۔

گویا آپ کو خرید وفروخت کی پوری آزادی ہے البتہ شرط یہ ہے کہ نہ تو مال میں کسی طرح کا دھوکہ ہو نہ دام میں اگر کسی چیز میں کوئی عیب ہو تو اس کا بتا دینا لازم ہے ورنہ دھوکا ہو گا۔

فرمایا: "لوگو! تم غلہ خریدنے کے لیے (شہر سے باہر جا کر) مال لانے والوں سے نہ ملو۔ (بخاری) اور ایک شخص ایک چیز خرید رہا ہو اور بائع اور مشتری باہم رضا مند ہو گئے ہوں۔ یعنی بیع ہو چکی ہو تو ان کے معاملہ کو برہم کر کے تم اسے نہ خریدو اور قیمت بڑھا کر کسی کو دھوکا نہ دو شہری دیہاتی کو کوئی چیز نہ بیچے (بخاری ۳۴:۵۸) اونٹ بکری کا دودھ تھنوں میں نہ چھوڑو کہ دودھ تھنوں میں جمع ہو کر مشتری کے دھوکے کا باعث ہو۔ پھر جو

شخص اس کے بعد ایسے جانور کو خریدے اسے دودھ دوہنے کے بعد اختیار ہے پسند ہو تو رکھ لے ناپسند ہو تو پھیر دے اور ساتھ کھجوروں کا ایک صاع بھی دے۔ (بخاری ۶۴:۳۴)

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ جو شخص دودھ چڑھی ہوئی بکری خریدے۔ اسے تین دن تک اختیار ہے۔ (تین روز کے اندر) پھیرنا چاہے۔ تو اس کے ساتھ ایک صاع غلہ بھی دے۔

اسلام نے دولت کے استعمال پر بھی پابندیاں عائد کی ہیں

اسراف اور تبذیر (فضول خرچی) کی ممانعت: ارشاد الٰہی ہے: وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الاعراف ۷:۳۱) ''اور کھاؤ اور پیؤ مگر حد سے نہ گزر جاؤ خدا انھیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ہوں۔''

دوسری جگہ آتا ہے: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (بنی اسرائیل: ۲۶) ''اور بے جا صرف کر کے (مال کو) ضائع مت کرو۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ''کھاؤ پیو اور صدقہ کرو مگر اس میں اسراف یا گھمنڈ نہ ہو۔''

ابن عباس نے کہا۔ ''اسراف اور غرور سے اجتناب کرتے ہوئے جو دل چاہے کھاؤ اور جو چاہو پہنو (بخاری کتاب اللباس)

مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ نے تمھارے لیے تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے۔ ۱۔ قیل و قال کرنا۔ ۲۔ مال ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا (بخاری کتاب الزکوۃ باب قولہ تعالیٰ لَا يَسْئَلُوْنَ اِلْحَافًا)

اسراف اور تبذیر کا لازمی نتیجہ لذت اندوزی' تنعم اور عیش کوشی ہے۔ اسلام نے جتنے طریقے اخلاق کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔ یا جو معاشرہ کے لیے ضرر رساں ہیں حرام قرار دیے ہیں۔ حضرت معاذؓ بن جبل روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب انھیں یمن بھیجا تو فرمایا خبردار عیش کوشی سے اجتناب کرنا کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوش نہیں ہوتے۔ (مشکوۃ المصابیح باب فضل الفقراء)

خرچ میں میانہ روی

اسلام نے جہاں اسراف اور تبذیر سے منع کیا ہے۔ وہاں کنجوسی سے منع کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَحْسُوْرًا (بنی اسرائیل ۱۷:۲۹) ''اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھو اور نہ اسے حد سے زیادہ کھول ورنہ ملامت کیا ہوا اور ماندہ ہو کر بیٹھ رہے گا۔''

ہاتھ بندھا ہوا ہونے یا گردن سے بندھا ہوا ہونے سے مراد بخل ہے اور ہاتھ کے کھولنے سے مراد اسراف اور تبذیر ہے۔

اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مَاعَالَ مَنِ اقْتَصَدَ جو شخص خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے وہ تنگ دست نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پس انداز کرنا یا کچھ بچاتے رہنا اسلام کی تعلیم کے خلاف نہیں۔ بخل کا نتیجہ ملامت ہے اور اسراف کا نتیجہ درماندگی ہے۔

دولت جمع رکھنا باعث عذاب ہے

جہاں دولت کو عیش و عشرت پر اڑانا ناجائز اور حرام ہے۔ وہاں دولت کو جمع کیے رکھنا بھی باعث عذاب ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبہ ۹:۳۴) ''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے۔''

گردش دولت (انفاق) کے دیگر ذرائع

معاشی نظام کا دارومدار دو اصولوں پر ہے پیداواری وسائل سے بھرپور استفادہ کرنا دوم گردش دولت کے لیے ایسے اصول وضع کرنا کہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہ رہ سکے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گردش دولت کے ایسے اصول مقرر کیے ہیں۔ جن کی وجہ سے دولت چند ہاتھوں میں رہ ہی نہیں سکتی۔ کوئی شخص بھی دولت مندی کی اس انتہاء تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو معاشرہ کے لیے بگاڑ کا موجب بنے۔

انفاق

اسلام نے گردش دولت کے لیے قرآن مجید میں انفاق کا لفظ استعمال کیا ہے اور انفاق (خرچ کرنا) دوطرح کا ہے۔ لازمی۔ جس کو شریعت کی اصطلاح میں زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ جو ہر سال ادا کی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (البقرہ ۲:۴۳) ''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔''

قرآن مجید میں آتا ہے: خُذْمِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (التوبہ:۱۰۳) ''ان لوگوں کی دولت سے صدقہ (زکوٰۃ) لے۔''

اسلام نے صرف زکوٰۃ دینے کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کو ہلاکت کی خبر دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (حم السجدہ ۱۴:۶'۷) ''ہلاکت ہے ان مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''اللہ جسے مال دے اور وہ اس مال کی زکوٰۃ نہ دے تو اس کا مال قیامت کے دن اس کے لیے اژدہا سانپ کی ہم شکل اختیار کر جائے گا۔ جس کے سر میں دو چتیاں ہوں گی وہ سانپ اس کا طوق بن جائے گا۔ جو اس کے دونوں جبڑوں کو ڈسے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں۔ تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔
(بخاری کتاب الزکوٰۃ وموطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ)

طوعی خیرات

دوسری قسم انفاق کی طوعی ہے۔ یعنی ایک امیر آدمی جتنا چاہے غرباء مسکین وغیرہ کو دے۔ طوعی خیرات کے متعلق ارشاد الٰہی ہے: وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً (فاطر ۳۵:۲۹) ''اس سے جو ہم نے انھیں دیا چھپ کر اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔''

کس حد تک خرچ کیا جائے۔ قرآن مجید میں اس کا بھی ذکر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ ۲:۲۱۹) ''وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں کہہ دیجئے جو کچھ ضرورت سے زائد ہو خرچ کرو۔''

یہ آیت اور اکتناز والی آیت (التوبہ ۹:۳۴) سرمایہ داری کو جڑ سے کاٹ دیتی ہے۔ اسلام نے سرمایہ داری کے بدنتائج سے بچنے کے لیے وراثت کو معاشی پالیسی کا ایک اہم جزو قرار دیا ہے۔

وراثت

مال و دولت کو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں پہنچانے کا ایک اور ذریعہ اسلام کا قانون وراثت ہے۔ تقسیم دولت کے مسئلہ میں یہ آپ کی پہلی اصلاح تھی اور یہ ایسی اصلاح تھی کہ دوسرے معاشی نظاموں میں اس کا وجود نظر نہیں آتا کہ ایک آدمی اپنی وفات پر جس قدر مال چھوڑے وہ کسی ایک شخص کو نہ ملے بلکہ سب قریبی ورثاء میں خاص خاص حصوں کو مطابق تقسیم کر دیا جائے۔ ترکہ کی تقسیم میں مرد اور عورت دونوں کو شریک کیا۔ ارشاد الٰہی ہے: ''مردوں کو اس کا ایک حصہ ملے گا جو والدین اور قریبی رشتے دار چھوڑیں اور عورتوں کو اس کا ایک حصہ ملے گا۔ جو والدین اور قریب رشتہ دار چھوڑیں خواہ وہ مال تھوڑا یا بہت۔ (النساء ۴:۷)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اَقْسِمُوا الْمَالَ بَيْنَ الْفَرَائِضِ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ (ابو مسلم ابو داؤد) ''اللہ کی کتاب قرآن کے مطابق اپنا مال ان لوگوں میں تقسیم کرو جن کا حق مقرر کر دیا گیا ہے۔

وصیت

گردش دولت کو مزید تیز کرنے کے لیے وصیت کا انتظام کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا نِ الْوَصِيَّةُ الخ (بقرہ ۲:۱۸۰) ''مسلمانو! یہ بات بھی فرض کر دی گئی ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت کا وقت قریب آ جائے تو وصیت کرے۔''

حدیث میں آتا ہے۔ عامر بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اس نے کہا کہ میں فتح مکہ کے سال ایسا بیمار ہوا کہ مجھے اپنے مرنے کا خوف ہوا سو میرے پاس رسول اللہﷺ عیادت کے لیے تشریف لائے۔ پس میں نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس بہت مال ہے اور سوائے ایک بیٹی کے اور کوئی وارث نہیں کیا میں اپنے تمام مال کی وصیت کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا دو تہائی کی وصیت کر دوں؟ فرمایا نہیں میں نے کہا نصف مال کی؟ فرمایا نہیں۔ میں نے کہا تہائی مال کی؟ آپ نے فرمایا تہائی کی اور تہائی بھی بہت ہے۔ اگر تو اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑے تو بہتر ہے اس سے کہ ان کو محتاج چھوڑے اور لوگوں سے ہتھیلی پھیلا کر مانگیں۔ (ترمذی ابواب الفرائض)

پس اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں دولت چند آدمیوں کے ہاتھ میں مرتکز نہیں ہوسکتی بلکہ اس کا پھیلاؤ بڑھ جاتا ہے جیسا کہ خود قرآن مجید میں آتا ہے: كَيْلَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ (الحشر ۷) ''ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف تمھارے دولت مندوں ہی میں محدود ہو کر رہ جائے۔''

سرمایہ داری کی مضرات کو دور کرنا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن اصولوں پر معاشیات کی بنیاد رکھی تھی ان کا منشا یہ تھا کہ سرمایہ داری کے مضرات کو دور کیا جائے۔ آپ نے صنعت و حرفت کی اور جائیداد اور مال کی ملکیت کو برقرار رکھا اور کسی آدمی کو اپنی محنت کے پھل سے محروم نہیں کیا۔ آپ نے انسان کی محنت اور ذہانت کے مقابلہ کے میدان کو نہ صرف کھلا رکھا بلکہ اسے اور وسیع کیا۔ زکوٰۃ اور دیگر انفاق کے ذرائع (صدقات تقسیم ورثہ اور وصیت وغیرہ) مقرر کر کے سرمایہ داروں سے ان کے سرمایہ کا ایک معتد بہ حصہ وصول کر کے اسے دوسرے لوگوں میں تقسیم کیا تاکہ وہ بھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکیں گویا آپ نے سرمایہ داری کے مضرات کو دور کیا ہے لیکن سرمایہ داری کو تباہ نہیں کیا۔

انسانوں میں ایک کو دوسرے پر فوقیت کے بارے میں اسلام کی تعلیم

اسلام نے وسائل پیداواری میں سب کو مساوی شریک کیا ہے۔ اسلام یہ جائز قرار نہیں دیتا وسائل پیداوار پر صرف چند آدمیوں کا قبضہ ہو اور دوسروں کو محروم کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اشیاء پر سب کا برابر کا حصہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ''وہی ذات ہے جس نے تمھارے لیے زمین میں سب کے لیے برابر کا حصہ پیدا کیا ہے۔'' دوسری جگہ آتا ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ''اللہ وہی ذات ہے جس نے تم سب کے لیے آسمانوں اور زمین میں (جو کچھ ہے) مسخر کر رکھا ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے: وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ (حم السجدہ ۱۵:۴۱) ''اللہ نے زمین کی روزیاں چار دن کے اندر مقرر فرمائیں سب حاجت مندوں کے لیے برابر ہیں۔''

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں سب انسان ذرائع رسائل میں برابر کے شریک ہیں لیکن انسان کی استعدادوں اور ذہنی قوتوں میں فرق ہے۔ اسی اختلاف کی وجہ سے ہی کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ اسی اختلاف کی وجہ سے مال و دولت میں انسانوں کو ایک دوسرے پر فوقیت حاصل ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (الزخرف ۳۲:۴۳) ''ہم نے ان کے درمیان ان کی دنیا کی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ہم نے ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے ہیں۔''

دوسری جگہ آتا ہے: وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ (النحل ۷۱:۱۶) ''اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت دی ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے: قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ (سبا ۳۹:۳۴) ''اے نبی! کہہ دیجیے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے کم کر دیتا ہے۔''

اسلام میں مال و دولت ذریعہ فضیلت نہیں

اسلام نے ذریعہ فضیلت دولت نہیں ٹھہرایا بلکہ ذریعہ فضیلت تقویٰ قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ یعنی اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔''

اجتماعی ملکیت

ایسی اشیاء جو افادہ عام کے لیے ضروری ہوں اور جن پر انفرادی ملکیت ہو جانے کی وجہ سے افراد تنگی اور تکلیف محسوس کریں۔ ان کو اجتماعی ملکیت قرار دیا جائے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَکَاءُ فِیْ ثَلٰثٍ فِی الْمَاءِ وَ الْکَلَاءِ وَالنَّارِ ''یعنی تمام مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں۔ پانی گھاس اور آگ'' (بحوالہ حجتہ اللہ البالغہ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصولی طور پر صرف تین چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ درحقیقت اس حدیث کا منشاء یہی ہے کہ قدرتی وسائل پیدائش جن پر انسان کی محنت نہ لگی ہو اور وہ ہوں افادہ عام کے لیے تو وہ قدرتی وسائل حکومت کی تحویل میں ہوں گے۔ فقہائے اسلام نے بھی صرف مذکور اشیاء کو ہی اجتماعی ملکیت قرار نہیں دیا بلکہ اس حدیث کو اصول تقسیم جان کر مزید قدرتی وسائل پر انفرادی ملکیت کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قدامہ نے نمک' گندھک مومیائی اور مٹی کے متعلق لکھا ہے۔

''نہ آباد کرنے اور نہ حکومت سے جاگیر ملنے کی صورت میں ان کا کوئی مالک بن سکتا ہے۔ نہ یہ امر جائز ہے کہ عام مسلمانوں کو ان اشیاء سے فائدہ حاصل کرنے سے روک دیا جائے کیونکہ اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا اور ان پر تنگی ہوگی۔

مصارف دولت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتصادی پالیسی کے لحاظ سے مصارف دولت دو طرح کے ہیں۔ ۱۔ سرکاری مصارف۔ ۲۔ غیر سرکاری مصارف۔

سرکاری مصارف: الف۔ زکوٰۃ

سرکاری مصارف کی وضاحت سورہ توبہ کی آیت ۹۰ میں ہے۔ اس آیت کی رو سے مصارف زکوٰۃ کی مندرجہ ذیل مدات ہیں۔

۱۔ فقراء۔ ۲۔ مساکین۔ ۳۔ ان کارکنوں کے لیے جو صدقات کی تحصیل اور تقسیم کا کام کریں۔ ۴۔ تالیف قلوب (جو لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوں ان کی تالیف قلب اور مالی ضروریات وغیرہ پورا کرنا) ۵۔ غلاموں کی آزادی کے لیے ۶۔ قرض داروں کی مدد۔ ۷۔ اللہ کی راہ میں (جہاد خواہ جہاد بالسیف ہو یا جہاد بالقرآن) ۸۔ مسافروں کی خبر گیری۔

ب۔ مال غنیمت

سورۃ انفال آیت ۴۱ کی رو سے مال غنیمت کے مصارف کی حسب ذیل مدات ہیں۔ ۱۔ خمس اللہ اور اس کے رسول کے لیے یعنی حکومت کے مرکزی اخراجات کا پورا کرنا۔ اس میں رئیس مملکت کی تنخواہ وغیرہ شامل ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں غنیمت کے خمس میں سے ایک حصہ خود حضور اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات کے لیے رکھتے تھے۔ ۲۔ قرابت دار۔ ۳۔ یتامیٰ اور مسافر۔

غیر سرکاری مصارف (امراء کا فرض)

حکومت کے علاوہ امراء اور صاحب ثروت پر لازم ہے کہ وہ اپنے اموال میں سے صاحب احتیاج کی ضرورتیں پوری کریں۔ اسلام نے اصولی طور پر یہ بیان کیا ہے کہ امراء کے مال میں سائلین اور محرومین کا حصہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذٰریٰت: ۱۹) اور ان (امراء) کے مالوں میں سوالی اور غیر سوالی کا حق ہے۔''

قرآن مجید میں سوالی اور محرومین کی وضاحت مختلف جگہوں میں کی گئی ہے۔

اسلامی نظام معیشت میں کوئی بھوکا نہیں رہ سکتا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ ''ایسا شخص مومن نہیں ہے۔ جو خود تو سیر ہو کر سوئے اور اس کے پہلو میں اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔''

حدیث قدسی ہے (قیامت کے دن ایسا ہوگا کہ خدا ایک انسان سے کہے گا) اے ابن آدم میں بیمار ہو گیا تھا۔ مگر تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ متعجب ہو کر کہے گا۔ بھلا ایسا کیونکر ہو سکتا ہے اور تو تو رب العالمین ہے خدا فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا اور تو نے اس کی خبر نہیں لی تھی اگر تو اس کی بیمار پرسی کے لیے جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اسی طرح خدا فرمائے گا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا۔ مگر تو نے نہیں کھلایا۔ بندہ عرض کرے گا۔ بھلا ایسے کب ہو سکتا ہے۔ میں تجھے کیسے کھلاتا آپ تو خود رب العالمین ہیں خدا فرمائے گا کیا تجھے یاد نہیں کہ فلاں میرے بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا۔ اور تو نے کھلانے سے انکار کر دیا تھا اگر تو اسے کھانا کھلاتا۔ تو تو اسے میرے پاس پاتا۔ ایسے ہی خدا فرمائے گا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا۔ بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے پیاس لگے تو تو خود پروردگار عالم ہے۔ خدا فرمائے گا۔ میرے فلاں پیاسے بندہ نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے اسے پانی نہیں پلایا۔ اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو تو اسے میرے پاس پاتا۔ (مسلم)

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ مدینہ میں تمام انصار سے زیادہ ابوطلحہ کے پاس مال تھا۔ از قسم باغات اور سب سے زیادہ پسندیدہ مال ان کا بئر حاء نامی باغ تھا۔ جو مسجد نبوی کے سامنے واقع تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے تھے اور اس کے خوشگوار پانی کو پیتے تھے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں اور جب یہ آیت نازل ہوئی۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا (الخ) ''تو ابوطلحہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ (الخ) ''تم ہرگز نیکی نہیں پا سکتے۔'' اور بے شک مجھے اپنے سب مالوں میں زیادہ محبوب بئر حاء ہے اب وہ خدا کے لیے صدقہ ہے میں اس کے ثواب کی اللہ کے ہاں امید رکھتا ہوں۔ پس یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اس کو جہاں مناسب خیال فرمائیں خرچ کیجئے۔ (حضرت انس کہتے ہیں) اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''واہ واہ یہ تو ایک نفع بخش مال ہے۔ میں نے سن لیا۔ جو تم نے کہا۔ مگر میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اس کو اپنے قرابت داروں میں تقسیم کر دو۔ ابوطلحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ ابوطلحہ نے اسے اپنے قرابت داروں اور چچا کے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔'' (بخاری کتاب الزکوٰۃ)

ائمہ مجتہدین کا فیصلہ

تمام ائمہ مجتہدین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب اسلام کے بیت المال میں اس قدر گنجائش نہ ہو کہ محتاجوں اور ضرورت مندوں کی کفالت ہو سکے تو قرآن مجید اور فرمودات رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں رئیس مملکت امراء کو اس بات پر مجبور کر سکتا ہے۔ کہ وہ اپنے فاضل مال سے اس قدر دیں جس سے ضرورت کے مطابق کھانا۔ گرمی و سردی کا الگ الگ لباس اور رہنے کے لیے بارش دھوپ اور سیلاب ایسے حوادث سے محفوظ مکان فراہم کیا جا سکے۔

سرمایہ داری اور جاگیرداری

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشی پالیسی پر جو بحث گزر چکی ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ سرمایہ داری اور جاگیرداری اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ خصوصاً آیت اکتناز وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (توبہ ۹:۳۴) اور آیت العفو يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْا قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ ۲:۲۱۹) ''اور آیت حق السائل والمحروم (وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ

وَالْمَحْرُوْم (الذاریات: ۱۹) ظاہر کرتی ہیں۔ نظام جاگیرداری اور سرمایہ داری کی بنیاد غیر عادلانہ اور مفسدانہ ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں یہ قانون تھا کہ جو شخص تین سال تک اپنی زمین بیکار چھوڑے رکھے۔ تو حکومت اس زمین کو اپنی تحویل میں لے لے۔ چنانچہ ابو عبیدہ اپنی کتاب ''کتاب الاموال'' میں لکھا ہے۔ ''ایک صحابی'' کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین عطا کی لیکن وہ آباد نہ کر سکا حضرت عمرؓ نے ان سے وہ زمین لے لی۔ اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دی۔

کاشت کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ واضح حکم ہے کہ جس شخص کے پاس اپنی ضروریات سے زیادہ زمین ہو۔ اسے وہ خود کاشت کرے۔ یا اپنے بھائی کو عطا کر دے۔ یا اپنی زمین کو یونہی پڑا رہنے دے۔ (آخری جملہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہہ کے رنگ میں فرمایا) (دارمی شریف مصنفہ امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمان یہ حدیث دوسرے سے بٹائی پر کاشت کروانے سے منع کرتی ہے)

اور مسلم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب معلوم کر لیا کہ آپ کے بعض صحابہ کے پاس فاضل زمینیں بھی ہیں جن کی کاشت وہ خود نہیں کر رہے تو آپ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا ''جس کے پاس فاضل زمین ہو وہ اپنے بھائی کو دے دے (مسلم)

بٹائی پر کاشت کی حتمی ممانعت

ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ جابر کا کہنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص بٹائی پر کاشت کرے اور کرائے کی عادت ترک نہیں کرتا وہ جان لے کہ اس کی اللہ اور رسولؐ سے ٹکر ہو چکی ہے وہ براہ راست اللہ اور رسولؐ سے مقابلہ پر نکل آیا۔ (ابو داؤد)

حضرت رافع کا بیان ہے وَسَمِعْتُ عَمَّيَّ يُحَدِّثَانِ اَهْلَ الدَّارِ اَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ كَرَاءِ الْاَرْضِ (فتح الباری ج ۵ ص ۴۴۲ جمع الفوائد ص ۲۴۶ جلد ۱) میں نے اپنے دونوں چچاؤں سے سنا کہ وہ دونوں محلہ داروں سے کہہ رہے تھے کہ زمین کو کرایہ پر بندوبست کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت کر دی ہے۔

حضرت رافع کے ماموؤں سے روایت ہے نَهٰى عَنِ الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَكَرَاءِ الْاَرْضِ (کنز العمال ص ۷۳) تہائی اور چوتھائی اور کرایہ پر زمین دینے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

حضرت امیرؓ سے روایت ہے نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرَاءَ الْاَرْضِ (السرخسی ج ۲۳ ص ۲) بخاری و مسلم اور صحاح ستہ کی دوسری کتب میں الفاظ کے معمولی رد و بدل کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ مثلاً بخاری میں ہے نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كَرَاءِ الْمَزَارِعِ. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زرعی زمینوں کو کرایہ پر بندوبست کرنے سے منع کر دیا۔

زمین بٹائی پر دینے کے خلاف ائمہ کا اجماع ابن حزم محلی میں نقل کیا ہے کہ شام کے امام اوزاعی کہا کرتے تھے۔ عطاء، مکحول، مجاہد، حسن بصری سب ہی کہتے تھے کہ زرعی زمینوں کا نہ روپے ہی سے بندوبست کرنا جائز ہے اور نہ اشرفیوں سے (ابن حزم المحلی ج ۸ ص ۲۱۳)

پھر دوسرے مختلف ائمہ کے اقوال کا ذکر کر کے آخر میں ابن حزم نے دعویٰ کیا ہے۔ پس یہ ہیں عطاء، مجاہد، مسروق، شعبی، طاؤس، حسن بصری، ابن سیرین، قاسم بن محمد یہ سب کے سب کرایہ پر بندوبست کرنے کو جائز نہیں سمجھتے نہ روپے پر، نہ اشرفیوں پر، نہ ان کے سوا کسی اور چیز پر (ابن حزم المحلی ج ۸ ص ۲۱۳)

حضرت امام ابو حنیفہ کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ بٹائی پر زمین دینا ناجائز ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت ماہر عمرانیات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشرتی پالیسی بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ آپ کی بعثت سے قبل دنیا کی بالعموم اور عرب کی معاشرتی حالت بالخصوص کیا تھی۔

دنیا کی معاشرتی زندگی کا مختصر خاکہ

رومہ کی معاشرتی زندگی

قرونِ وسطیٰ میں اخوت' مساوات ایک بے معنی لفظ تھا۔ ہر جگہ سماج مختلف طبقات میں منقسم تھا۔ اس طبقاتی تفریق کو قائم اور دائم رکھنے کے لیے نئے نئے قوانین وضع کیے جاتے تھے۔ جسٹی نین Justinian نے رومی قانون کی تدوین کی تھی۔ وہ قانونی نقطہ نگاہ سے سماج کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

۱۔ ہنسٹرس (Honestiores) یعنی ملک کا اعلیٰ ترین طبقہ جو امراء پر مشتمل تھا۔ بغاوت کے علاوہ اس طبقہ کے کسی فرد کو کسی بھی جرم میں سزائے موت نہیں دی جا سکتی تھی۔

۲۔ ہمولرس (Humiliores) اس طبقہ کو غیر معمولی حالات میں موت کی سزا دی جا سکتی تھی ورنہ عموماً قید کی سزا دی جاتی تھی۔

۳۔ سروی (Servi) سب سے نیچا طبقہ تھا۔ جس کے افراد کو معمولی معمولی جرائم کی پاداش میں قتل کی سزا دی جاتی تھی۔ آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ درندوں کے سامنے پھینک کر ہڈیاں چبوا دی جاتی تھیں۔ (Cambridge Medieval History vol II P106-10T)

روم میں عورت کا مقام

روم میں عورت کی حیثیت کے متعلق لکھتا ہے کہ "عورت کا مرتبہ رومی قانون نے ایک عرصہ تک نہایت پست رکھا۔ افسر خاندان جو باپ ہوتا یا شوہر اسے اپنی بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔ جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی مطلق رسم نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی کو بیاہ دے بلکہ بعض دفعہ تو وہ کی کرائی شادی کو توڑ سکتا تھا۔ زمانہ بعد یعنی تاریخی دور میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہو گیا تھا اور اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہو گئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کر سکتا تھا (تاریخ اخلاق یورپ لیکی ص ۱۰۶......۱۰۷)

وادی دجلہ وفرات کی معاشرتی زندگی

ا۔ سمیری معاشرہ مندرجہ ذیل طبقات پر مشتمل تھا۔

۱۔ فرمانروا۔ اس طبقہ کے ہاتھ میں زمام حکومت تھی اسے قانون بنانے اور حکومت کرنے ...کا اختیار تھا۔

۲۔ کاہن و پجاری۔ یہ وہ مذہبی طبقہ تھا جو عوام اور خواص کا مرجع اور علوم وفنون کا واحد اجارہ دار تھا۔ سیاسی اور مذہبی اختیارات کی علیحدگی نے گو مندروں اور محلوں کو دو مخالف مرکزوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ پھر بھی فرمانرواؤں کو اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لیے اس مذہبی طبقہ کے سامنے جھکنا پڑتا تھا۔

۳۔ امراء۔ یہ بڑے بڑے زمینداروں' تاجروں اور ساہوکاروں پر مشتمل تھا۔ ملک کے تمام مادی وسائل پر قابض تھا۔ اس وجہ سے اس کا

اثر و نفوذ پورے معاشرے پر گہرا تھا۔

۴۔ اہل ہنر اور اہل پیشہ: اس طبقہ میں اطباء قانون گو صناع اور ملازمین شامل تھے۔ سمیری معاشرہ کا یہ بھی ایک بااثر طبقہ تھا۔

۵۔ زرعی مزدور و کاشت کار: یہ طبقہ تہی دست و مفلس تھا۔ اس کی حالت غلاموں سے بہتر نہ تھی اپنی عرق ریزی کا معاوضہ اتنا کم پاتا تھا کہ اپنے اہل و عیال کو فاقے سے بچانا بھی اس کے لیے دشوار تھا۔

۶۔ غلام: معاشرہ کا سب سے گرا ہوا اور پست طبقہ تھا۔ اس طبقہ میں زیادہ تر اسیرانِ جنگ شامل تھے۔ مجرم اور مقروض بھی اکثر غلام بنائے جاتے تھے اور اس طبقے میں شامل کر دیئے جاتے تھے۔ جو تمام انسانی اور شہری حقوق سے محروم تھا۔ سمیری عدالت اور مذہب نے ان کو تمام حقوق سے محروم کر رکھا تھا۔

ب۔ بابلی حکومت کی معاشرتی زندگی

اکادیوں کے بعد اموریوں نے وادی دجلہ و فرات پر تسلط قائم کیا۔ ان کے ایک سردار سوموابو (Sumu-Abu) کی سرکردگی میں کش تک پھیل گئے اور ایک غیر معروف شہر بابل پر تسلط قائم کر کے ایک نئے شاہی خاندان کی بنیاد رکھی۔ جو بابل کا پہلا شاہی خاندان کہلاتا ہے۔ بابل میں دیگر قدیم اقوام کی طرح یہ نظریہ تھا کہ بیٹی باپ کی جائیداد کا ایک حصہ ہے اسے بیٹی کو بیچنے کا حق ہے۔ لڑکے کے نکاح کی ذمہ داری باپ پر تھی وہ اس کے لیے کوئی لڑکی خرید کر لے آتا تھا اور اس سے شادی کر دیتا تھا۔ عام رواج یہ تھا کہ لڑکے کا باپ لڑکی کے باپ کے پاس جاتا اور اس کی قیمت طے کرتا تھا اور قیمت طے ہو جاتی تو باضابطہ ایک معاہدے کے ذریعے نکاح نامہ تحریر کر دیا جاتا۔ لڑکی باپ کی جائیداد پر جہیز کے علاوہ کوئی اور حق نہیں رکھتی تھی۔ وہ قانونی اور مذہبی طور پر ترکہ اور میراث سے محروم تھی۔ مرد کو طلاق دینے کا حق حاصل تھا وہ کسی عذر اور کسی بناء پر بیوی کو علیحدہ کر سکتا تھا اسے بیوی کو فروخت کرنے کا بھی حق حاصل تھا۔ عورت کسی حالت میں بھی اپنی خوشی سے شوہر سے علیحدہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر غلطی سے وہ شوہر سے کہہ دیتی کہ "تم میرے شوہر نہیں ہو" تو اسے بڑا جرم سمجھا جاتا تھا اور اسے اس جرم میں دریا میں ڈبو دیا جاتا۔

بابل میں کثرت ازدواج کا بھی رواج تھا۔ بیویوں اور لونڈیوں کی تعداد مرد کی مالی حالت پر منحصر تھی۔ بابلی شہروں میں غلاموں اور عورتوں کی خرید و فروخت کے لیے بازار لگتے تھے۔ ان بازاروں میں باپ اپنی بیٹیوں کو فروخت کے لیے لے جاتے تھے اور زیادہ داموں پر انھیں فروخت کرنے کی کوشش کرتے اس طرح خرید و فروخت مذہبی اور قانونی طور پر جائز تھی۔

ایران کی معاشرتی زندگی

ایران کی سوسائٹی چار حصوں میں منقسم تھی۔

۱۔	آذرواں	مذہبی طبقہ
۲۔	ارتشتاران	فوجی طبقہ
۳۔	دبیراں	عمال طبقہ
۴۔	استر یوشان و هتخشان عوام پیشہ ور لوگ اور کاشت کار	(تاریخ بعہد ساسانیاں از پروفیسر آرتھر کرسٹن ترجمہ محمد اقبال ص ۱۲۶)

ایران کا قانون اس طبقاتی تقسیم کو قائم رکھنے کی نظر سے وضع کیا گیا تھا۔ عوام کو حکومت کے معاملات میں مداخلت کی اجازت نہیں تھی۔ نیچی ذات کا کوئی شخص نہ سرکاری دفاتر میں ملازم ہو سکتا تھا۔ (ایضاً ص ۴۴۲) اور نہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کی جائیداد خرید سکتا تھا۔ (ایضاً ص ۴۲۰)

عورت کی حیثیت

مانی نے رہبانیت پر زور دیا۔ یہ عورت کے حقوق سے دست برداری کی تعلیم تھی۔ مزدک نے عورت کو آگ پانی اور چارے کی طرح مردوں کی مشترکہ جائیداد قرار دیا۔ دختر اور ہمشیرہ تک سے نکاح جائز اور بعض مواقع پر تو باعث ثواب تھا۔ ایران میں دو طرح کی بیویاں ہوتی تھیں۔

ا۔ زن پادشائی ہا ۲۔ زن چگاری ہا۔ پہلی قسم کی بیویوں اور ان کی اولاد کو جائیداد میں حصہ ملتا تھا۔ زن چگاری ہا اور اس کی اولاد جائیداد سے محروم تھی۔ قانون کی نظر میں عورتوں کا کوئی حق یا مرتبہ نہیں تھا۔ بیویاں اس میں بدلی جاسکتی تھیں۔ قانون نے غلام اور بیوی کو ایک درجہ پر رکھا تھا۔

غلام کی حالت

اہل ایران غلاموں کی کثرت کو وجہ وجاہت اور امارت خیال کرتے تھے۔ غلاموں کی حالت زار کا یہ عالم تھا کہ ان کو آرام و راحت نصیب نہیں ہوتا تھا۔ دوبارہ غلطی کرنے اور عادت کی اصلاح نہ کرنے پر اس کی زندگی کو ختم کر دیا جاتا۔ چنانچہ ہیرودوٹ کہتا ہے کہ کسی ایرانی کو یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے غلام کو کسی ایک گناہ پر ایسی سزا دے جو شدت اور درشتگی کی حد کو پہنچ چکی ہو لیکن جب غلام کسی گناہ کا دوبارہ ارتکاب کرے تو اس کے آقا کو حق حاصل ہے کہ اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے یا اس کو ہر قسم کا عذاب دے جو تصور میں سما سکتا ہے۔ (اسلام کا نظام حیات مصنفہ عبدالوہاب ظہوری ص ۲۰۳)

ہندوستان کی معاشرتی حالت

ہندوستان کا سماجی نظام بھی طبقاتی تقسیم کی بیڑیوں میں بری طرح جکڑا ہوا تھا۔ جس کی تقسیم علی الترتیب مندرجہ ذیل چار ذاتوں پر تھی۔

ا۔ برہمن
۲۔ چھتری
۳۔ ویش
۴۔ شودر

ان چار ذاتوں کے علاوہ عوام کا شمار تھا۔ جن کو انتیجا (Antiaja) ہدی (Hadi) ڈومہ (Doma) چنڈالہ (Chandala) بدھاتو (Badhatu) وغیرہ نام دیئے گئے تھے۔ ان کو اونچی ذات کے لوگوں سے دور شہر سے باہر رہنا پڑتا تھا۔ (تفصیل کے لیے البیرونی کی کتاب الہند کا مطالعہ کیجئے)

ہر طبقہ کے ذمے الگ الگ کام تفویض تھے۔ جن کو وہ سرانجام دیتے تھے۔ برہمنوں کے لیے وید کی تعلیم اور خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے دیوتاؤں کو چڑھاوے دینا اور دان لینے دینے کا فرض قرار دیا۔ چھتری کا یہ کام تھا کہ خلقت کی حفاظت کرے۔ دان دے چڑھاوے چڑھائے وید پڑھے اور شہوات نفسانی میں نہ پڑے۔ ویش کا کام کھیتی باڑی کرنا سود لینا چار پایہ کی پرورش کرنا تھا۔ شودر کا کام برہمنوں کی خدمت کرنا تھا۔ ہندوستان میں طبقاتی تقسیم کے لحاظ سے شودر جانوروں سے بھی پست درجہ رکھتا تھا۔

عورت کی حیثیت

عورت مال سے محروم تھی اور لڑکی باپ کی جائیداد کی وارث نہیں بن سکتی تھی۔ بیوہ کو بیع و فروخت کا کوئی اختیار نہ تھا۔ عورت کو جوئے میں داؤ پر لگانے کا رواج تھا۔ شوہر کی موت کے بعد بیوہ کو عقد ثانی کی اجازت نہیں تھی اس لیے خاوند کے مرنے کے بعد بعض عورتیں آگ میں زندہ جل جانا پسند کرتی تھیں۔ عورت فروخت کی جاتی تھی۔ اسے وید پڑھنے کی اجازت نہ تھی نہ مذہبی رسوم میں شریک ہوسکتی تھی۔ راجاؤں کی بیویوں کی کوئی تعداد قانوناً مقرر نہ تھی۔ ہندوستان میں شاکت مت جیسے فرقے پیدا ہو گئے تھے جن میں ماں بہن تک کی حرمت باقی نہ رہی۔

مصر کی معاشرتی زندگی

معاشرہ تین طبقات میں منقسم تھا۔ ا۔ شاہی افراد ۲۔ پروہت ۳۔ اور عوام بادشاہ اور شاہی افراد معاشرہ میں بااثر اور مصر کی معاشرتی زندگی کا مرکز اور محور ہوتے تھے۔ وہی تمام طاقت اور اختیارات کا منابع اور مصادر ہوتے تھے۔ دستوری طور پر بادشاہ کے اختیارات پر کوئی پابندی اور حد بندی عائد نہیں کی جاسکتی تھی۔ دوسرا طبقہ مذہبی پروہت تھے۔ مذہبی ملک کے اندر بڑے بااثر ہوتے تھے اس کا حکم بادشاہ کے محل میں زلزلہ

ڈال سکتا تھا۔ اس کے حکم پر خون کی ندیاں بہہ سکتی تھیں اور بادشاہ شاہی اقتدار سے محروم ہو سکتے تھے۔ بادشاہ پروہتوں کے اعتماد سے ہی اپنے اقتدار کا سکہ چلا سکتا تھا۔ پروہتوں کی رہائش کے لیے بڑے بڑے عالی شان محلات مندروں سے ملحق ہوتے تھے۔ ان اسباب کی وجہ سے وہ معاشرہ کے مرکز بن گئے تھے۔ اپنے وسیع اختیارات کی وجہ سے انھوں نے بڑی بڑی جاگیریں حاصل کر لی تھیں۔

عورت اور غلام کی حیثیت

مصر میں قحبہ گری تھی۔ مصری فراعنہ کے حرم میں بے انتہا عورتیں ہوتی تھیں۔ اکثر وہ اپنی سگی بہنوں سے شادی کرتے تھے۔ کبھی کبھی بیٹیوں سے بھی۔ محرمات کے اندر صرف سگی ماں داخل ہوتی تھی۔ بادشاہوں کے حرم میں ان شرفاء کی بیٹیاں اور وہ عورتیں بھی شامل تھیں جو تحفۃً بادشاہ کے پاس بھیجی جاتی تھیں۔ مصری معاشرہ میں عورت کا مقام بہت ہی پست اور گھٹیا تھا۔

مصر میں غلامی کا عام رواج تھا۔ غلام بادشاہوں کے محلوں کاہنوں اور سپہ سالاروں کے گھروں میں موجود رہتے جنگ میں جو قیدی بنائے جاتے وہ حکومت کے غلام متصور ہوتے' سب کی ضرورتوں کے مطابق کام انجام دیتے یا ملک کی آرائش اور اس کے حسن کی تشکیل کے متقاضی فرائض کی تکمیل کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ قومی مصلحتوں اور عام حاجتوں کو بھی پورا کرتے تھے۔

آقاؤں کا غلاموں پر ہر طرح کا تسلط و تغلب تھا۔ زندہ رکھیں یا قتل کر دیں۔

یونان کی معاشرتی زندگی

یونان قدیم تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ہے۔ ان ملکوں میں عورتوں کو کچھ ضرور حقوق حاصل تھے لیکن پھر بھی وہ نہایت ہی گھٹیا اور کم درجہ کی مخلوق تصور کی جاتی تھی۔ مشہور غیر مسلم مورخ ڈاکٹر گستاؤلی بان تمدن عرب میں بیان کرتا ہے:

''یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے اگر کسی عورت کا بچہ خلاف فطرت پیدا ہوتا تو اس کو مار ڈالتے تھے۔ (تمدن عرب ص ۳۷۲)

کیلی عورت کی اس ذلت اور پستی کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''بہ حیثیت مجموعی با عصمت یونانی بیوی کا مرتبہ بہ غایت پست تھا۔ اس کی زندگی مدت العمر غلامی میں بسر ہوتی تھی۔ لڑکپن میں اپنے والدین کی جوانی میں اپنے شوہر اور بیوگی میں اپنے فرزندوں کی وراثت میں اس کے مقابلہ میں اس کے مرد اعزہ کا حق ہمیشہ فائق سمجھا جاتا تھا۔ طلاق کا حق اسے قانوناً ضرور حاصل تھا تاہم وہ عملاً اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتی تھی کہ عدالت میں اس کا اظہار دینا یونانی ناموس حیا کے منافی تھا۔ البتہ وہ اپنے ساتھ جہیز ضرور لاتی تھی اور اپنی لڑکیوں کو بھی شادی کے وقت جہیز دینا اس کے فرائض میں داخل تھا اور دوسری بات یہ تھی کہ اشینیا کا قانون یتیم لڑکیوں پر خاص طور سے مہربان تھا۔ لیکن بس ان دو باتوں کے سوا کوئی شے حقوق نسواں کی تائید میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ افلاطون نے بلاشبہ مرد اور عورت کی مساوات کا دعویٰ کیا تھا لیکن یہ تعلیم محض زبانی تھی' عملی زندگی اس سے بالکل غیر متاثر رہی۔ (تاریخ اخلاق یورپ ترجمہ اردو جلد دوم ص ۱۸۲)

غلام کی حیثیت

یونان میں غلامی کا عام رواج تھا۔ یونان کے بڑے بڑے فلاسفہ بھی غلامی کے بارے میں رائے عامہ کے ہم خیال تھے۔ ارسطو اکثر کہا کرتا تھا کہ ''غلام ایک آلہ ہے مگر ذی روح اور ایک کھلونا ہے مگر جاندار یونان میں دو طبقے تھے۔ احرار اور غلام۔ پھر غلام دو قسم کے تھے۔ ایک وہ جن پر زبردستی استیلا حاصل کر لیا گیا ہو۔ دوسری قسم ان غلاموں کی تھی۔ جن کو بازار سے خرید کیا گیا ہو۔ پہلی قسم کے غلام محض نام کے غلام تھے اور ان کو زمینوں کے تابع سمجھا جاتا تھا۔ زمینوں کے ساتھ ان کی بھی خرید و فروخت ہوتی تھی۔

دوسری قسم کے غلام اپنے آقاؤں کے رحم و کرم پر ہوتے تھے۔ آقا معمولی معمولی خطاؤں پر غلاموں کو سنگین سزائیں دیتے تھے۔

چین میں معاشرتی زندگی

چین میں معاشرتی زندگی کی بنیاد چار طبقات پر تھی ا۔ حاکم ۲۔ امراء۔ ۳۔ عوام اور ۴۔ غلام۔ اہل چین بھی اپنے مذہبی دوسری اقوام کی بہ نسبت اچھے تھے۔ اس لیے وہ غلاموں کے ساتھ دیگر اقوام کی طرح زیادہ وحشیانہ اور بہیمانہ سلوک روا نہیں رکھتے تھے۔ پہلی صدی عیسوی میں ان کے ہاں ایسے قوانین بنائے گئے تھے جن کی رو سے ہر شخص کو اپنے غلام کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔

عرب کی معاشرتی حالت

عرب میں قبیلے کی بنیاد پر بڑی سخت عصبیت تھی۔ عربی معاشرہ خاندانوں کی بنیاد پر مختلف طبقات پر مشتمل تھا۔ خاندان دوسرے خاندان سے اپنے آپ کو افضل اور بہتر سمجھتے تھے۔ بعض خاندان اپنے سے کم تر خاندانوں یا عام انسانوں کے ساتھ بعض رسوم میں شرکت نہیں کرتے تھے۔ حج مناسک میں قریش اور کنانہ عام حجاج سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ وہ عرفات میں عام حاجیوں کے ساتھ قیام کرنا باعث عار سمجھتے تھے۔ آنے جانے میں پیش قدمی کرتے تھے۔ قرآن مجید میں اس قبائلی عصبیت کا ذکران الفاظ میں آیا ہے۔ ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ (البقرہ ۱۹۹:۲) ''پھر تم وہاں سے ہو کر چلو جہاں سے لوگ ہو کر چلتے ہیں۔''

عورت کی حالت

عرب میں عورت کا کوئی مقام نہ تھا۔ وہ صرف عیش و عشرت کا ایک آلہ سمجھی جاتی تھی۔ اس وجہ سے زنا عام تھا۔ ایک عورت کے کئی خاوند ہوتے تھے۔ ایک مرد جس قدر چاہتا شادیاں کر لیتا۔ دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنے کا عرب میں رواج تھا۔ باپ مر جاتا تو اس کی کل بیویاں سوائے حقیقی ماں کے بیٹے کے تصرف میں آتیں اس کی جائز بیویاں سمجھی جاتیں۔ لونڈیوں سے پیشہ کروا کر روپیہ کماتے۔

عرب میں استبضاع کی رسم تھی۔ جس کی تشریح اہل لغت نے یہ کی ہے کہ عورت صرف خواہش اولاد کے لیے اپنے خاوند کے سوائے دوسرے سے تعلق پیدا کرے بلکہ لکھا ہے کہ مرد اپنی عورت یا لونڈی کو کہہ دیتا۔ اَرْسِلِیْ اِلٰی فُلَانٍ فَاسْتَبْضِعِیْ مِنْهُ ''یعنی فلاں کو کہلا بھیجو اس سے اولاد حاصل کرنے کے لیے تعلق پیدا کرو۔''

طلاق دینے کے بھی ظالمانہ طریقے رائج تھے۔ اگر ایک مرد چاہتا تو ایک عورت کو ہزار مرتبہ بھی طلاق دے کر عدت کے اندر رجوع کر لیتا۔

جس گھر میں لڑکی پیدا ہوتی اس کو سخت رنج ہوتا۔ اسی وجہ سے دختر کشی کی رسم جاری ہوگئی۔ بعض مفلسی کی وجہ سے اولاد کو قتل کر دیتے۔

عورت وراثت میں حصہ دار نہ تھی' عرب کے جاہلی معاشرہ میں ہمسائیگی کے حقوق کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ نہ غریب بے کس' یتیم کے حقوق کا خیال رکھا جاتا تھا۔ باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی۔ ان بیچاروں پر سخت مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ کسی کو کوئی داد و فریاد کرنے کا حق نہیں تھا۔ عرب غارت گری کی بہت مشاق تھے۔ بعض قبائل غارت گری کی وجہ سے مشہور تھے۔ یہ لوگ مسافروں اور قافلوں کو لوٹتے تھے۔ بچوں عورتوں پر قبضہ جما لیتے۔ ان کو دوسروں کے ہاتھوں فروخت کر دیتے۔

یہودیت میں

یہودیوں کی تاریخ میں لغزش آدم کا سارا خمیازہ عورت کو بھگتنا پڑا۔ وہ عورت کو گناہ اور غلطیوں کا سرچشمہ قرار دیتے تھے۔ ان کے خیال میں حوا ہی شیطان کا آلہ کار اور ازل کی گناہ گار تھیں جن کی وجہ سے آدم کو جنت ابدی چھوڑ کر زمین پر آنا پڑا۔

ٹرٹیلین ایک موقع پر عورتوں سے خطاب کرتا ہے۔

''کیا تمھیں معلوم نہیں کہ تم سب حوا کی بیٹیاں ہو۔ اس لیے خدا کا حکم تم پر آج بھی قائم رہے گا۔ اور تمہارا جرم بھی باقی رہے گا تم ہی شیطان کا دروازہ اور شجرۂ ممنوع کو استعمال کرنے والی خدا کی پہلی مخالفت کرنے والی ہو۔ تم ہی وہ ہو جنھوں نے خدائی مرقع کو اس آسانی کے

ساتھ میٹ دیا۔"

فرانس میں ۵۸۶ء میں ایک مجلس نے متفقہ فیصلہ دیا کہ وہ انسان تو کہی جا سکتی ہے لیکن مردوں کی خدمت کے لیے پیدا ہوتی ہے

توریت میں کہا گیا ہے "تمہاری عورتوں کو گرجوں میں خاموش رہنا چاہیے اس لیے انھیں اس کی اجازت نہیں (گنتی ۲۷،۲۶)

یہودیوں کی مستند جیوش انسائیکلو پیڈیا میں ہے کہ "معصیت اول چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی اس لیے اس کو شوہر کا محکوم رکھا گیا اور شوہر اس کا حاکم شوہر اس کا مالک ہوتا ہے اور وہ اس کی مملوکہ (بحوالہ تفسیر ماجدی)

طلاق کے بارہ میں جو ناشائستگی ان کے ہاں ہے وہ توریت کے اس حوالہ سے عیاں ہو جاتی ہے۔

"اگر کوئی مرد عورت لے کر اس سے بیاہ کرے اور اس کے بعد ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ میں عزیز نہ ہو۔ اس سبب سے کہ اس نے اس میں کوئی پلید بات پائی تو وہ اس کو طلاق نامہ لکھ کر اس کے ہاتھ دے اور اسے اپنے گھر سے باہر کر دے اور جب وہ اس گھر سے نکل گئی تو جا کے دوسرے مرد کی ہوئے۔ (استثناء ۲۴:۲۰)

خلاصہ کلام

دنیا اور خصوصاً عرب کی معاشرتی زندگی کا مطالعہ کرنے سے ایک قاری اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ معاشرہ طبقات میں بٹا ہوا تھا۔ اس وجہ سے طبقاتی نفرت عروج پر تھی۔ عورت تمام انسانی حقوق سے محروم اور بیچارگی اور مظلومیت کی ایک تصویر تھی۔ غلامی کا عام رواج تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان معاشرتی حالات میں اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور ایک جامع پالیسی مرتب کی۔ اس پالیسی کے حسب ذیل اصول وضع کیے۔ جن پر عمل کرنے سے معاشرہ میں حسن اور نکھار پیدا ہوا۔

پہلا اصول

افراد کے کردار کی اصلاح

معاشرہ اور افراد لازم ملزوم ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افراد کے کردار اور اخلاق کی درستگی اور اصلاح کی طرف توجہ کی۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الحج ۲۲:۷۷) "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

قرآن مجید میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی اغراض میں ایک غرض افراد کا تزکیہ نفس تھا۔ ارشاد الٰہی ہے: يُزَكِّيْهِمْ (جمعہ) "وہ انھیں پاک صاف کرتا ہے۔" ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الانعام ۶:۱۵۱) "کہ بے حیائی کی باتوں کے قریب نہ جاؤ جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو چھپی ہوئی ہوں۔"

دوسری جگہ آتا ہے: وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (انعام ۶:۱۲۵) "اور کھلے اور چھپے گناہ چھوڑ دو۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ "میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں۔"

فرمایا: "تم میں ایمان کے اعتبار سے مکمل مومن وہ ہے جو اخلاق میں تم سب سے اچھا ہے۔" فرمایا: "تم میں نیک وہ ہے جو اخلاق میں تم سب سے اچھا ہے۔" فرمایا: "قیامت کے روز تم میں سے میرا محبوب ترین اور میرا قریب ترین جلیس وہ ہو گا۔ جو تم سب سے عمدہ اخلاق والا ہو گا اور مجھے ناپسند اور قیامت میں مجھ سے دور وہ ہو گا جو تم میں بد خلق ہو گا۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم اور عملی نمونہ سے معاشرہ کے افراد کی اصلاح کی اور انھیں با اخلاق انسان بنایا۔

تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ رسول کریمؐ نے اپنی قوت قدسیہ سے ایک بگڑے ہوئے لوگوں کو با کردار اور با اخلاق بنا دیا۔ وہ لوگ جو دن رات برائیوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے اور ان میں ہر قسم کی برائی پائی جاتی تھی۔ وہی لوگ اپنی تمام برائیوں کو چھوڑ کر اخلاق حسنہ کے

زیور سے آراستہ ہو گئے۔

دوسرا اصول

ایمانیات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشرتی پالیسی کی بنیاد ایمانیات (اللہ پر ایمان۔ رسولوں پر ایمان۔ کتابوں پر ایمان۔ فرشتوں پر ایمان اور آخرت پر ایمان) پر رکھی۔ ارشاد الٰہی ہے: كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (بقرہ۲:۲۸۵) "سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کچھ تفرقہ نہیں کرتے۔"

دوسری جگہ فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ (النساء۴:۱۳۶) "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر ایمان لاؤ" جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے: وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (بقرہ۲:۱۷۷) "نیکی یہ ہے کہ انسان اللہ اور آخری دن اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے۔"

ایمانیات اور اصلاح معاشرہ

تمام انبیاء علیہم السلام نے اصلاح احوال کے لیے ایمانیات کو بنیاد قرار دیا ہے۔ ایمانیات ہی انسان کو ہر قسم کے گناہوں کی دلدل سے نکالتی ہیں۔ جب انسان کو معلوم ہو کہ اللہ سمیع، علیم، خبیر اور دیگر تمام اوصاف حسنہ سے متصف ہے۔ وہ اس کے ظاہر اور باطن کو خوب جانتا ہے۔ پھر وہ مرنے کے بعد اس کے سامنے پیش ہوگا۔ اگر اعمال اچھے ہوں گے۔ تو اس کا بہتر بدلہ ملے گا۔ اگر برے اعمال ہیں تو ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ ہاویہ ایک بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ تو انسان اس تصور سے خود بخود گناہوں سے پرہیز کرتا ہے اور نیکی کے راستہ پر گامزن ہو پڑتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں کو یہ بھولا ہوا سبق یاد کرایا ہے۔ اس ابدی نظریہ نے معاشرہ میں بدیوں کو مٹا دیا اور نیکیوں کو فروغ دیا۔

تیسرا اصول

عبادت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشرتی پالیسی کی ایک اہم بنیاد عبادت ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات ۵۱:۵۶) "اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔"

ایک اور جگہ آتا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ "اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔"

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ (العنکبوت ۲۹:۵۶)

"اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو۔ میری زمین فراخ ہے سو میری عبادت کرو۔"

اسلام نے منہ سے چند کلمات بولنے اور چند حرکات کرنے کو عبادت سے موسوم نہیں کیا بلکہ عبادت کا تصور تمام زندگی پر حاوی ہے۔ یعنی زندگی کو خدا کے بتائے ہوئے اصولوں اور ہدایات کے مطابق گزارنے کا نام عبادت ہے۔ لیکن چار ارکان ایسے مقرر کیے ہیں۔ جن کو بجا لانے سے انسان جادہ حق سے بھٹکتا نہیں وہ ہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔

نماز

قرآن مجید میں آتا ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (عنکبوت ۲۹:۴۵) "اور نماز قائم کر۔ نماز بے

حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔"

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا بتاؤ تو سہی کہ اگر کسی کے دروازے کے سامنے نہر گزرتی ہو اور وہ دن میں پانچ دفعہ اس میں نہائے تو اس کے بدن پر کسی قسم کی میل رہ جاتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں آپ نے فرمایا یہی حالت پانچ نمازوں کی ہے کہ وہ انسان کے گناہوں کے دھبوں کو صاف کر دیتی ہے۔

روزہ

روزہ سب مذاہب میں بطور عبادت کے فرض ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ ۲:۱۸۳) "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔ جس طرح ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے۔ جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (روزے دار) اپنا کھانا پینا اور اپنی خواہش میری (رضا کے لیے) چھوڑتا ہے۔ روزہ صرف میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا اور نیکی کا بدلہ اس کا دس گناہ ہے۔" (بخاری ۳۰:۲)

زکوٰۃ

ارشاد الٰہی ہے: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ "یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔"

دوسری جگہ آتا ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً "ان کے اموال سے صدقہ لے۔"

ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ انھیں دعوت دیں کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، تو اگر وہ مان لیں تو انھیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور اگر وہ یہ بھی مان لیں تو انھیں بتاؤ کہ اللہ نے ان کے مالوں میں ان پر زکوٰۃ فرض ٹھہرائی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے محتاجوں کو دی جائے۔ (بخاری ۲۴:۱)

حج

قرآن مجید میں آتا ہے: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (آل عمران ۳:۹۷) اور لوگوں پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج کرنا ہے۔ اس پر جو اس تک راہ پا سکے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا "اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے اور حج کرو۔"

معاشرتی پالیسی کے عمومی اصول

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی معاشرتی پالیسی کے لیے چند اہم اور ضروری اصول مقرر کیے ہیں اور یہی وہ اصول ہیں۔ جن سے معاشرہ میں حسن اور نکھار پیدا ہوتا ہے۔

۱۔ مساوات

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (الحجرات ۴۹:۱۳)

"اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔"

دوسری جگہ آتا ہے: يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (النساء ۴:۱) "اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو

جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا۔"

حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا۔ لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔ (مسند احمد)

۲۔ اخوت

ارشاد الٰہی ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات ۴۹:۱۰) "سب مومن بھائی بھائی ہیں۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔" (مستدرک حاکم طبری۔ ابن اسحاق)

۳۔ اتحاد و اتفاق

ارشاد الٰہی ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران) "اور سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "تو مومنوں کو ایک دوسرے سے رحم اور محبت اور مہربانی میں ایسا دیکھے گا جیسا کہ بدن میں ایک عضو بیمار ہو جائے۔ تو سارے اعضاء بخار اور بیماری میں اس کے شریک ہو جاتے ہیں۔"

۴۔ انصاف و عدل

ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (نحل ۱۶:۹۰) "اللہ تمھیں عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔"

ارشاد الٰہی ہے: اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى "عدل کرو کیونکہ یہ تقویٰ کے بہت قریب ہے۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ خوشی اور ناراضگی دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہوں۔"

۵۔ جان، مال اور آبرو کی حرمت

قرآن مجید میں آتا ہے: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (بنی اسرائیل ۱۷:۳۳) "اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ سوائے اس کے انصاف چاہو۔"

لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ "آپس میں مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔" لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ (الحجرات ۴۹:۱۱) "اپنے لوگوں کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کے نام دھرو۔"

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (الحجرات ۴۹:۱۱) "ایک قوم (دوسری) قوم پر ہنسی نہ کرے۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "تمہاری جانیں اور تمھارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں۔ جیسے آج کے دن کی حرمت ہے۔ (بخاری کتاب الحج)

۶۔ مذہبی آزادی

ارشاد الٰہی ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ (البقرہ ۲:۲۵۶) "دین میں کوئی جبر نہیں۔"

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ "تمھارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔"

۷۔ کسی کو غلام نہ بنایا جائے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اِنَّ مِنْ شَرَارِ النَّاسِ الَّذِيْنَ يَبِيْعُوْنَ النَّاسَ (بخاری) "بہت برے وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کو فروخت کرتے ہیں۔"

۸۔ احساس ذمہ داری

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ (بخاری) ''تم میں سے ہر ایک نگران اور ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے بارے پوچھا جائے گا۔''

۹۔ آزادی سکونت

ارشاد الٰہی ہے: سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ (العنکبوت ۲۰) ''دنیا میں گھومو پھرو۔''

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں ''تم جہاں چاہو رہو اور ہمارے اور تمھارے درمیان شرط یہ ہے کہ نہ تم خون ریزی کرو اور نہ تم راہ زانی کرو اور نہ کسی پر ظلم کرو۔ (نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۳۹)

۱۰۔ ملکیت کا حق

ارشاد الٰہی ہے: لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى (النجم: ۳۹) ''انسان کسب معاش کے لیے جو بھی جدوجہد کرتا ہے۔ اس کا پھل پانے کا وہ مستحق ہے۔''

كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (الطور: ۲۱) ''ہر آدمی اپنے کسب کا ثمرہ پانے کا حق دار ہے۔''

۱۱۔ بھلائی کا فروغ اور برائیوں کا انسداد

ارشاد الٰہی ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا کی گئی ہو۔ تم لوگوں کو نیکی کا درس دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔''

۱۲۔ نیکی پر تعاون

ارشاد الٰہی ہے: تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ ۵:۲) ''نیکی اور تقویٰ پر تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔''

بگاڑ پیدا کرنے والے اصولوں کی ممانعت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طرف تو ان اصولوں کو فروغ دیا جو معاشرہ میں حسن اور نکھار صلح اور آشتی کے ضامن ہیں دوسری طرف ایسے امور کی ممانعت کی جن سے معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ غیبت

کسی شخص کی عدم موجودگی میں ایسی بات کہنا جس سے اس کی پردہ دری یا تحقیر ہوتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (الحجرات ۴۹:۱۲) ''ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا نہ کہو۔''

۲۔ تمسخر

کسی آدمی کو دوسروں کی نظروں میں گرانے کے لیے نشانہ تضحیک بنا لینے کا نام تمسخر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (الحجرات ۴۹:۱۱) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ تم میں سے کوئی قوم دوسری قوم سے تمسخر نہ کرے۔''

۳۔ بہتان

جان بوجھ کر کسی کی طرف ناکردہ گناہ منسوب کر دیا جائے۔ اسلام نے اس فعل کی بہت مذمت کی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ''جو کوئی گناہ

کرے پھر وہ اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے یقیناً وہ اپنے اوپر بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ لیتا ہے۔" (نساء۴:۱۱۲)

دوسری جگہ آتا ہے "جو لوگ پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ (۲۴:۲۳)

۴۔ چغل خوری

دو آدمیوں کے درمیان پھوٹ اور جھگڑا ڈالنے کے لیے جھوٹی سچی باتیں بیان کرنے کا نام ہے۔ یہ فعل معاشرہ میں فساد اور نفرت پیدا کرنے کا موجب ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ (بخاری) "چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔"

فرمایا:۔ المشائون بالنمیمة المفسدون بین الاحبة (مسند احمد جلد ۶ ص ۴۵۹ عن اسماء بنت یزید) جو چغلیاں کھاتے پھرتے ہیں۔ دوستوں کے آپس کے تعلقات میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔

ظلم

اسلام نے ظلم کو ایک قبیح فعل قرار دیا ہے۔ ظلم کی بھی بے شمار شکلیں اور صورتیں ہیں۔ لیکن عموماً کسی انسان کو ذہنی اور جسمانی کوفت پہنچانے کا نام ظلم ہے۔ ظلم کرنے سے بھی معاشرہ میں بگاڑ اور فساد پیدا ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ "ظلم سے بچو کہ ظلم قیامت کے دن ظلمات بن جائے گی۔ (صحیح مسلم باب تحریم الظلم)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ حدیث قدسی بیان کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! میں نے اپنے لیے اور تمھارے لیے آپس میں ظلم کو حرام کیا ہے تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ (صحیح مسلم باب تحریم الظلم)

فحش گوئی

فحش گوئی سے مراد ہر وہ کلام ہے جو تہذیب و شائستگی سے گری ہوئی ہو۔ ارشاد الٰہی ہے: فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (بقرہ۲:۱۹۷) "یعنی حج کے ایام میں نہ فحش گوئی کرو نہ گناہ کی بات اور نہ لڑائی۔"

حدیث میں آتا ہے کہ ابوذر نے ایک غلام کو ماں کی گالی دی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں جاہلیت پائی جاتی ہے۔ (بخاری کتاب الادب باب ما ینھی من السباب واللعن)

عیب لگانا

قرآن مجید میں آتا ہے: وَلَا تَلْمِزُوٓا اَنْفُسَكُمْ (۴۹:۱۱) "ایک دوسرے کے خلاف عیب نہ لگاؤ۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "جو شخص اپنے کسی بھائی پر گناہ کا عیب لگائے تو جب تک وہ خود اس گناہ میں مبتلا نہ ہوگا نہیں مرے گا۔"

وعدہ خلافی

ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل ۱۷:۳۴) "بے شک وعدہ کی باز پرس ہوگی۔"

صحیحین میں ہے کہ منافق میں تین نشانیاں ہیں جب بولے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے خلاف کرے جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔

کذب

ارشاد الٰہی ہے: وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج ۲۲: ۳۰) "ہر جھوٹی بات سے بچو۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف۔'' (بخاری کتاب الادب)
طوالت کے خوف سے صرف چند موٹے موٹے افعال شنیعہ کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ویسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر اس فعل کو جو معاشرہ میں فساد کا موجب ہونا جائز اور حرام قرار دیا ہے۔

معاشرتی حقوق

معاشرہ مختلف اراکین اور اعضاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ اسلام نے تمام اعضاء اور اراکین کے حقوق متعین کیے ہیں۔ ان معاشرتی حقوق کو اخلاقی حقوق کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ بعض ماہرین عمرانیات معاشرتی اور اخلاقی حقوق کو الگ الگ قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اخلاقی حقوق کا تعلق معاشرہ کے افراد سے ہی ہے۔ اس لیے اخلاقی حقوق کو معاشرتی حقوق سے الگ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اخلاقی حقوق ہی معاشرتی حقوق ہیں اور معاشرتی حقوق ہی اخلاقی حقوق ہیں۔

والدین کے حقوق

قرآن اور حدیث میں والدین کے حقوق پر بہت زور دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (نساء ۴:۳۶) ''اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''
دوسری جگہ آتا ہے: وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا (عنکبوت) ''ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔''
حدیث میں آتا ہے ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ہجرت اور جہاد پر بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ پوچھا کیا اللہ تعالیٰ سے اجر چاہتے ہو اور تمھارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے۔ عرض کیا۔ ہاں دونوں زندہ ہیں۔ پس فرمایا جاؤ ان کی خدمت کرو۔

اولاد کے حقوق

ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ (بنی اسرائیل ۱۷:۳۱) ''اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے نہ مار ڈالو۔ ہم ہی انھیں رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی۔''
ارشاد الٰہی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (تحریم ۶۶:۶) ''اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔''
رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ایک آدمی کا اپنی اولاد کو ادب دینا ایک صاع خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ (ترمذی)
فرمایا ''کسی باپ نے اپنی اولاد کو نیک ادب سے افضل کوئی عطیہ نہیں دیا۔'' (ترمذی)

بیوی کے حقوق

ارشاد الٰہی ہے: عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (نساء ۴:۱۹) ''اور عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو۔''
رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے اہل سے تم سب سے بہتر ہوں۔'' (ترمذی)

فرمایا: وَلِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ ''تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔''
اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُهُمْ لِاَهْلِهٖ (ترمذی)
سب سے کامل ایمان والا مومن وہ ہے جو خلق میں سب سے اچھا ہو اور اپنے اہل وعیال سے نرم سلوک کرے۔

شوہر کے لیے

قرآن مجید میں آتا ہے: فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ (نساء۴:۳۴) ''نیک عورتیں اپنے خاوندوں کی اطاعت گزار ہوتی ہیں۔ اور ان کی عدم موجودگی میں مال و آبرو کی حفاظت کرتی ہیں۔''

فرمایا ''عورت جب پانچوں وقت نماز ادا کرے اور ماہ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی آبرو کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے۔ تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ (صحیحین)

رشتہ داروں کے حقوق

ارشاد الٰہی ہے: وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی (البقرہ۲:۸۳) ''اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ بھی۔''

دوسری جگہ آتا ہے: فَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ (الروم۳۰:۳۸) ''پس قرابت دار کو اس کا حق دو اور مسکین کا بھی۔''

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے: فَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّہٗ (بنی اسرائیل ۱۷:۲۶) ''اور رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں۔ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی پیدا ہو۔ اس کو صلہ رحم کرنا چاہیے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی عمر میں اضافہ ہو اس کو صلہ رحم کرنا چاہیے۔ (بخاری)

یتامیٰ کے حقوق

یتامیٰ انسانی معاشرہ میں کمزور لیکن اہم جزو ہے۔ اسلام نے ان کے حقوق متعین کیے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی (نساء۴:۳۶) ''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور قریبیوں کے ساتھ بھی اور یتامیٰ کے ساتھ۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''جو کسی یتیم لڑکی یا یتیم لڑکے کے ساتھ نیک سلوک کرے گا۔ جو اس کے پاس ہے تو میں اور وہ جنت میں دو انگلیوں کی طرح اکٹھے ہوں گے۔'' آپ نے انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔'' (احمد ترمذی)

پڑوسی اور ساتھی کے حقوق

ارشاد الٰہی ہے: وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (النساء۴:۳۶) ''اور اللہ کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور قریبیوں کے ساتھ بھی اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسی اور دور کے پڑوسی اور پاس والے ساتھی اور مسافر اور ان کے ساتھ جن کے تمھارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: ''جبرائیل مجھے ہمسایہ کی نسبت ہمیشہ تاکید کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ ہمسایہ کو وارث بنا دیں گے۔'' (بخاری و مسلم) فرمایا: ''وہ شخص کامل ایمان والا نہیں جو خود تو سیر ہو کر کھانا کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔''
(رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر)

مسافروں اور مہمانوں کے حقوق

قرآن مجید میں سورۃ النساء کی آیت ۳۶ میں ''ابن السبیل'' (مسافر) کے الفاظ ہیں۔ جہاں معاشرہ کے مختلف اراکین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تعلیم ہے وہاں مسافر کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم ہے۔ اسی طرح سورۃ انفال کی آیت اکتالیس میں مسافروں کا مال غنیمت میں حصہ رکھا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: ''جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔'' (رواہ البزار والطبرانی فی الکبیر)

محتاجوں کے حقوق

سورۃ نساء کی آیت ۳۶ میں لفظ "وَالْمَسَاكِيْنِ" آیا ہے۔ مساکین کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آنے کی تعلیم ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا (ھود ۸:۷۶) وہ اس کی محبت کی وجہ سے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر عام طور سے کسی مسکین کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔

بیمار کے حقوق

ارشاد الٰہی ہے: وَلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ (نور ۶۱:۲۴) "اور بیمار پر کوئی تنگی نہیں۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جب کوئی صبح کو کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے۔ تو شام تک فرشتے اس کی معافی کی دعا مانگتے ہیں۔ اور جب وہ شام کو عیادت کرتا ہے تو صبح تک فرشتے اس کی معافی مانگتے ہیں۔"

فرمایا ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب وہ بیمار ہو۔ تو اس کی عیادت کی جائے۔

ملازم کے حقوق

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا.......... وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء ۳۶:۴) "اور ماں باپ کے ساتھ سلوک کرو...... اور ان سے جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الموت کے وقت فرماتے ہیں۔ لوگو! نماز قائم رکھنا' خدمت گزاروں کے حقوق کی نگہداشت کرنا۔

دشمن کے حقوق

ارشاد الٰہی ہے: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ ۸:۵) "اے ایمان والو! اللہ کے حقوق کی حفاظت کرنے والے انصاف کی گواہی دینے والے ہو جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف کرو انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔"

غلاموں کے حقوق

اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جس نے غلامی کی زنجیر میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزاد رکھا۔ اسلام نے زکوٰۃ کے مصارف میں سے ایک مصرف غلاموں کی آزادی کے لیے رکھا ہے۔ پھر مختلف حدود کو توڑنے کی شکل میں کفارہ کے طور پر غلام کو آزاد کرنا ٹھہرایا ہے۔ مثلاً روزہ توڑنا' قتل خطا' کفارہ' ظہار' کفارہ یمین' (قسم توڑنے کا کفارہ)' معمولی گناہوں کا کفارہ (مثلاً کوئی شخص کسی غلام کو طمانچہ مار دے یا اس کو زد وکوب کرے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ ایک غلام کو آزاد کر دے)۔

(ظہار یہ ہے بیوی کو ماں کے برابر قرار دیا جائے)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو! میں تم کو بتاؤں کہ بدترین آدمی کون ہے۔ وہ جو تنہا کھاتا ہے۔ اپنے غلام کو تازیانہ لگاتا ہے۔ مگر اس کو دیتا کچھ نہیں (مشکوٰۃ باب النفقات وحق المملوک)

معلم کے حقوق

قرآن کی متعدد آیات اور احادیث میں عالم کی تعظیم وفضیلت کا بیان آیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو علماء کو انبیاء بنی اسرائیل کی مثل قرار دیا ہے۔ پھر فرمایا: اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ "کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔" جب اسلام میں علماء کا یہ بلند مرتبہ ہے تو پھر

علماء اقتداء اور تعظیم کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ ''تین آدمیوں کو صرف منافق ہی حقیر سمجھتا اور ان کی توہین کرتا ہے۔ ان میں سے ایک عالم بھی ہے۔ (طبرانی)

متعلم کے حقوق

شاگرد سے اس طرح محبت کرنی چاہیے جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے سے کرتا ہے۔ معلم انسانیت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپ کو مثل والد قرار دیا ہے۔ فرمایا: اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَ لِدِہٖ ''ابو داوٗد' نسائی' ابن ماجہ'' (میں تمھارے لیے ویسا ہی ہوں جیسے باپ اپنے بیٹے کے لیے)۔

اگر استاد شفقت اور محبت کے جذبے سے عاری ہوگا تو شاگرد کا دل کبھی بھی استاد کی طرف مائل نہیں ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شاگرد علم کی دولت سے محروم رہے گا۔

فرمایا: ''بہت سے لوگ (متعلم) زمین کے دور دراز حصوں سے تمھارے پاس آئیں گے۔ جب وہ تمھارے پاس آئیں تو ان سے اچھا سلوک کرنا۔ (ترمذی کتاب العلم)

مزدور کے حقوق

حضور نے فرمایا: اُعْطُوا الْاَجِیْرَ اَجْرَہٗ قَبْلَ اَنْ یَجِفَّ عَرَقُہٗ (ابن ماجہ) ''مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔''

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت فرمائی کہ مزدور اور اجیر کو اس کی اجرت طے کیے بغیر کام پر لگایا جائے۔

آجر کے حقوق

قرآن مجید میں وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ (مطففین ۸۳:۱) ''کمی کرنے والوں کے لیے تباہی ہے۔'' کے الفاظ آئے ہیں۔ جن میں ایسے تمام افراد کے لیے وعید اور تہدید ہے۔ جو کام چور ہوں' وقت ٹالیں' دانستہ سستی کا مظاہرہ کریں۔ یا اجرت کے وقت نجی امور انجام دیں۔

احباب (دوستوں) کے حقوق

مومنوں کی ایک صفت یہ بیان کی ہے۔ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر ۵۹:۹) ''وہ اپنے آپ پر انھیں مقدم رکھتے ہیں۔ گو انھیں تنگی ہی ہو۔''

اس آیت کریمہ میں ایک دوست کا یہ حق ٹھہرایا ہے کہ دوست کی ہر ضرورت کو پورا کرے خواہ انسان کو تنگی ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب ایک شخص دوسرے شخص سے دوستی اور بھائی چارہ کرے تو چاہیے کہ اس کا اور اس کے باپ کا نام پوچھ لے اور دریافت کرے کہ وہ کن لوگوں میں سے ہے۔'' (ترمذی)

مدینہ میں جو عقد مواخات (انصار اور مہاجرین کے مابین بھائی چارے کا معاہدہ) ہوا تھا۔ اس میں مجموعی طور پر دوستوں اور احباب کے حقوق کا تذکرہ ہے کہ ایک دوست اپنے مال کو دوسرے دوست سے عزیز نہ رکھے ایثار کرے۔ اپنا حصہ اسے دے دے۔ دوست کی خدمت گزاری میں مصروف رہے۔ دوست کے حق میں ہمیشہ اچھی بات کہے۔ اس کے عیوب چھپائے اگر کوئی قصور کرے تو نظر انداز کرے۔ زندگی میں اور موت کے بعد اچھے لفظوں میں یاد کرے اور دوست کا وفادار اور مخلص رہے۔

بیوہ کے حقوق

اسلام نے خاوند کی وفات کے بعد بیوہ کو ترکہ میں وارث قرار دیا ہے۔ (تفصیل سورۃ النساء میں آئی ہے) ایک سال تک نان ونفقہ اور گھر سے نکالنے کا حکم ہے اگر وہ عدت گزار کر نکل جائیں اور دوسرا نکاح کر لیں تو کوئی گناہ نہیں (البقرہ آیت ۲۴۰) عموماً قدامت پسند معاشرہ

میں بیوہ کا دوسری شادی کرنا معیوب گردانا جاتا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے۔ ''اور اپنے میں سے بیوہ عورتوں کا نکاح کرا دیا کرو۔'' (نور۲۴:۳۲)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''بیوہ عورتوں اور مسکینوں کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا ایسا ہے۔ جیسا کہ جہاد میں دوڑ دھوپ کرنے والا۔'' (بخاری۔ مسلم)

سیاسی حقوق

اسلام نے ریاست میں حاکم' رعایا (مسلم اور غیر مسلم) کے حقوق مقرر کیے ہیں۔

حاکم کے حقوق

ریاست کے استحکام اور قوم کی ترقی کے لیے یہ ضروری ہے کہ رعایا حاکم کی اطاعت کرے۔ حاکم کی اطاعت گویا قانون کی اطاعت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو۔ رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے حاکم کی اطاعت کرو۔'' (النساء۴:۵۹) ہاں اگر حاکم اور عوام میں کسی مسئلہ میں اختلاف رائے پیدا ہو جائے۔ تو اس کا فیصلہ قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطاعت کی حد مقرر کر دی۔ **لَا طَاعَةَ فِیْ مَعْصِیَةِ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ** (بخاری) (خلاف قانون) معصیت میں کوئی فرمانبرداری نہیں اطاعت صرف معروف (نیکی اور قانون کے مطابق) میں ہے۔

فرمایا۔ اگر کوئی حبشی بنی بریدہ (کان کٹا) بھی تمہارا امیر ہو وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے۔ جہاں حاکم کی اطاعت ضروری ہے وہاں اس کی تعظیم بھی ضروری ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے خدا کے مقرر کردہ حاکم کی بے عزتی کی۔ اللہ اس کی بے عزتی کرے گا۔'' (مشکوٰۃ و ترمذی)

رعایا کے حقوق

حکومت میں شرکت

ارشاد الٰہی ہے: وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ (الشوریٰ۴۲:۳۸) ''ان (مسلمانوں) کے سیاسی امور باہمی مشورہ سے انجام پاتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ (آل عمران۳:۱۵۸) ''معاملات (حکومتی) میں ان کا مشورہ لے۔''

۲۔ تشکیل حکومت میں شرکت

ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا (النساء۴:۵۸) ''بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ امانتیں اس کے اہل کے سپرد کرو۔''

مفسرین نے اَلْاَمٰنٰت کی تفسیر امور حکومت کی ہے۔ یعنی حکومت کے امور ان لوگوں کے سپرد کیے جائیں جو اہل ہیں۔

عدل

رعایا کے درمیان عدل کرنا بہت ضروری ہے اور عدل کے بغیر کوئی حکومت مستحکم نہیں ہو سکتی۔ اس وجہ سے اسلام نے عدل پر بہت زور دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ''عدل کرو۔ یہ تقویٰ کے بہت قریب ہے۔''

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (نحل۱۶:۹۰) ''اللہ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''قیامت کے روز عادل حاکم عرش الٰہی کے سائے تلے ہوگا۔''

غیر مسلموں کے حقوق

غیر مسلم رعایا کی دو اقسام ہیں ایک ذمی جو کسی معاہدہ کے ذریعے اسلامی حکومت کے زیر اثر ہوں۔ دوسرے مفتوحین جو جنگ میں

مغلوب ہوئے ہیں۔

معاہدین کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''خبردار جو کسی معاہد پر ظلم کرے گا۔ یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا اس پر ناروا بوجھ ڈالے گا۔ یا اس کی مرضی کے خلاف کوئی امر انجام دے گا۔ میں اس کے خلاف مستغیث بنوں گا''۔

مفتوحین کے حقوق

روزی اور کفالت

بے کار اور معذور ذمیوں کے گزارہ کے لیے بیت المال سے وظیفہ دیا جائے گا۔ (کتاب الاموال ابو عبیدہ)

جان کی حفاظت

ذمیوں کی جان مسلمانوں کی جان کے برابر ہے۔ اس کے قاتل کو یا تو قتل کیا جائے۔ یا اس کا خون بہا ادا کیا جائے۔ بیہقی نے روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ایک مسلمان نے ایک ذمی اہل کتاب کو قتل کر دیا۔ حضورؐ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر ذمی کے عہد کو پورا کرنے کی زیادہ ذمہ داری ہے اور مسلمان کو قصاص میں قتل کر دیا (سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۰' ۳۱)

مال کی حفاظت

ذمی کی جان کی حفاظت کی طرح اس کے مال کی حفاظت بھی اسلامی حکومت کے ذمہ ہے۔ حضرت عمر جابیہ میں تھے۔ ایک ذمی نے آ کر شکایت کی کہ لوگوں نے اس کا انگوروں کا باغ تباہ کر دیا ہے۔ حضرت عمر تحقیق کے لیے خود وہاں گئے دیکھا کہ ان کے ساتھیوں میں سے ایک صاحب ڈھال میں انگور لیے جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا آپ بھی ہیں۔ انھوں نے جواب دیا یا امیر المومنین بھوک شدت سے لگی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے یہ حرکت کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ باغ کے مالک کو اس کے انگوروں کی قیمت ادا کر دی جائے۔ (کتاب الاموال ابو عبیدہ صفحہ ۱۵۱)

اقتصادی حقوق

۱۔ ملکیت کا حق

ارشاد الٰہی ہے: لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (النجم ۵۳:۳۹) ''انسان کسب معاش کے لیے جو بھی کوشش کرتا اس کا پھل پانے کا وہ مستحق ہے۔''

دوسری جگہ آتا ہے: كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (الطور ۵۲:۲۱) ''ہر آدمی اپنے کیے کا ثمرہ پانے کا حق دار ہے۔''

۲۔ ملکیت میں دوسروں کا حق

صرف اسلام ہی ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جس نے اہل ثروت کے اموال میں شرعی طور پر دوسروں (محتاجوں وغیرہ) کا حق قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (الذاریات ۵۱:۱۹) ''ان کے مالوں میں سائل اور مفلس افراد کا باہمی حق ہے۔''

حضرت علیؓ سے روایت ہے ''اللہ تعالیٰ نے دولت مند لوگوں پر ان کے اموال میں اتنی مقدار مقرر کی ہے جو غرباء کے لیے کافی ہو سکے۔ اس کے باوجود اگر وہ بھوکے ننگے اور تنگ دست ہوں تو یہ صرف دولت مندوں کی عدم توجہ اور بخل کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ امراء سے قیامت کے دن محاسبہ کرے گا (کتاب فردوس' کنوز الحقائق ۸۲)

۳۔ اقتصادی استحصال کا خاتمہ

اسلام نے ان تمام ناجائز ذرائع کو جن سے ناجائز مال کمایا جا سکتا ہے۔ باطل قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ

بِالْبَاطِلِ ''کہ تم اپنا مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔'' سب سے خطرناک طریقہ استحصال کا سود ہے اسلام نے اس کو مکمل طور پر حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (بقرہ ۲:۲۷۵) ''اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں (ابن مسعود) لَعَنَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ آکِلَ الرِّبٰوا وَمُوْکِلَهٗ وَشَاهِدَهٗ وَکَاتِبَهٗ'' (مسلم۔ ابو داؤد۔ ترمذی) کتاب تیسیرا لوصول)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے پر کھلانے والا پر گواہ پر اور اس کے کاتب سب ہی پر لعنت فرمائی ہے۔

۴۔ کسب کی آزادی

ہر شخص کو کمانے کی آزادی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ (النساء ۴:۳۲) ''مردوں کے لیے ان کی کمائی کے موافق حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی کے موافق حصہ ہے۔''

حقوق نفس

اسلام پہلا دین ہے۔ جس نے نوع انسان کے حقوق متعین کرنے کے علاوہ انسانی نفس کے بھی حقوق مقرر کیے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے۔ فَاِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقٌّ بے شک تیری جان کا تجھ پر حق ہے۔ سورہ مدثر میں آتا ہے۔ وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (مدثر ۷۴:۳-۴) ''اور اپنے کپڑوں کو صاف رکھ اور ناپاکی سے دور رہ۔''

ان آیات میں جسمانی اور قلبی پاکیزگی کی تعلیم دی ہے۔ پس نفس کا پہلا حق یہ ہے۔ وہ قلبی اور جسمانی لحاظ سے پاک ہو۔

کسی وجہ سے اپنے آپ کو جان بوجھ کر ہلاک کرنا حرام ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ''اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی عطا کردہ چیز واپس لے سکتا ہے۔ انسان کے اختیار میں نہیں ہے کہ اللہ کی عطا کردہ چیز کو وہ ہلاک کرے گویا ہر وہ چیز جو انسان کی روح اور جسم کو کسی قسم کا گزند پہنچائے۔ نقصان دے۔ اسلام نے اس کو انسانی جان کے لیے حرام قرار دے دیا ہے۔ نشہ اسی وجہ سے حرام ہے۔ یہ انسان کے جسم کو نقصان پہنچاتا ہے۔

ایک اہم معاشرتی مسئلہ یعنی مسئلہ غلامی

بعثت نبوت سے پہلے معاشرتی مسائل میں دو اہم تھے ایک عورت کو مقام عزت دلانا اور دوسرا غلامی کا خاتمہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ہر دو مسائل کو بطریق احسن کیا۔

مسئلہ غلامی کے متعلق اسلامی تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

اوّل: غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی آزادی کا بندوبست۔

دوم: مستقبل میں ہمیشہ کے لیے غلامی کو ختم کرنے کے متعلق تعلیم۔

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی آزادی کا انتظام

قرآن مجید میں آتا ہے: وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ (النساء ۴: ۳۶)

اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور قریبیوں کے ساتھ بھی اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسی اور دور کے پڑوسی اور پاس والے ساتھی اور مسافر اور ان کے ساتھ بھی جن کے تمھارے ہاتھ مالک ہوئے۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ۔ (النور ۲۴: ۳۱)

مسلمان عورتیں اپنی زینت کو اور کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے یا اپنے باپوں کے یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے خاوند کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے یا اپنی عورتوں کے یا ان کے جن کے داہنے ہاتھ مالک ہیں۔

اس آیت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمان غلاموں کو بالکل اپنے قریبی رشتہ داروں کی طرح سمجھیں حتیٰ کہ مسلمان عورتیں اپنے غلاموں سے پردہ بھی نہ کریں۔

حدیث میں آتا ہے: **عن ابی ذر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اخوانکم خولکم جعلھم اللّٰہ تحت یدہ فیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکفوھم ما یغلبھم واللّٰہ کلفتموھم ما یغلبھم فاعینوھم۔**

یعنی ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمھارے غلام تمھارے بھائی ہیں۔ خدا نے ان کو تمھارے ماتحت کر دیا ہے تو جس کے بھائی بہن کو اللہ اس کے ماتحت کر دے اس کو چاہیے کہ جیسا وہ خود کھاتا ہے ویسا ہی ان کو کھلائے اور جیسا خود پہنتا ہے ویسا ہی ان کو پہنائے۔ اپنے غلاموں کو ایسا کام نہ دے جو ان کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کبھی ایسا کام دو تو پھر اس کام میں خود ان کی مدد کرو۔ (بخاری کتاب العتق باب قول النبیؐ العبید اخوانکم فاطعموھم مما تاکلون)

حضرت ابو ذرؓ کا یہ معمول تھا کہ جو وہ خود کھاتے پیتے تھے وہی غلام کو کھلاتے اور پہناتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگوں میں سے کسی کا خادم اس کے لیے کھانا تیار کر کے لائے تو چونکہ اس نے کھانا تیار کرنے میں آگ کی گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے اس لیے اس کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانا چاہیے اور اگر کھانا کم ہو تب بھی اس کے ہاتھ پر ایک دو لقمے رکھ دینا چاہیے۔ (مسلم کتاب الایمان باب اطعام المملوک مایاکل)

كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَذْهَبُ إِلَى الْعَوَالِي كُلَّ يَوْمِ سَبْتٍ فَإِذَا وَجَدَ عَبْدًا فِي عَمَلٍ لَا يُطِيقُهُ وَضَعَ عَنْهُ مِنْهُ۔

(موطا امام مالك باب الامر بالرفق المملوك)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر ہفتہ مدینہ کے مضافات میں جایا کرتے تھے اور جب وہ کوئی ایسا غلام دیکھتے جسے اس کی طاقت کے لحاظ سے زیادہ کام دیا گیا ہو تو اس کے کام میں تخفیف کر دیتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگو! میں تم کو بتاؤں کہ بدترین آدمی کون ہے۔ وہ جو تنہا کھاتا ہے اپنے غلام کو تازیانہ لگاتا ہے مگر اس کو دیتا کچھ نہیں۔ (مشکوٰۃ باب النفقات وحق المملوک)

غلام کو مارنے کا کفارہ اس کو آزاد کر دینا ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے یا کسی اور چیز سے مارے تو اس کا کفارہ اس کو آزاد کر دینا ہے چنانچہ حضرت عبداللہؓ بن عمر اتفاقیہ اپنے کسی غلام کو مارتے تھے تو اس کو آزاد کر دیتے تھے۔ (موطا امام مالک باب عتق امہات الاولاد)

امام مالکؒ سے روایت ہے کہ ایک لونڈی حضرت عمرؓ کے پاس آئی اس کو اس کے مالک نے آگ سے جلا کر زخمی کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو آزاد کر دیا۔ (موطا امام مالک باب عتق امہات الاولاد)

وسائل حریت

اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کے متعلق دو طریقے اختیار کیے ہیں۔

ا۔ طوعی

ب۔ جبری

طوعی طریقہ

قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ۔ (البلد ۹۰: ۱۲، ۱۳)

اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے کسی گردن کو آزاد کرنا۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ۔ (البقرہ ۲: ۱۷۷)

لیکن بڑا نیک وہ ہے جو اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے اور اس کی محبت کے لیے قریبوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں کو اور غلام آزاد کرنے میں مدد دے۔

حدیث میں آتا ہے: مَنْ اَعْتَقَ نَسِيْمَةً اَعْتَقَ اللّٰهُ لِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهَا عُضْوًا مِّنَ النَّارِ۔ (متفق علیه من حدیث ابی هریرة)

جو شخص کسی ایک نفس کو آزاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے میں دوزخ کی آگ سے آزاد کرے گا۔

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! مجھے آپ کوئی ایسا عمل بتا دیجیے جو جنت میں داخل کر دے آپ نے فرمایا تم نے لفظ تو مختصر کہے ہیں مگر بات بہت بڑی دریافت کی ہے۔ (جنت میں

داخل کرنے والا عمل یہ ہے)۔

اَعْتِقِ النِّسْمَةَ وَفُکَّ الرَّقَبَةَ۔

غلام کو آزاد کرو اگر اکیلے آزاد نہ کر سکو تو دوسروں کے ساتھ مل کر آزاد کرو۔ (بیہقی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ کتاب العتق)

ابو بردہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اگر کسی کے پاس ایک لونڈی ہو اور وہ بہت اچھی طرح اسے تعلیم دے اور بہت اچھی طرح اس کی تربیت کرے اور پھر اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی کرے۔ تو ایسا شخص دوہرے اجر کا مستحق ہوگا'' (بخاری کتاب النکاح)

اس ترغیب کا یہ نتیجہ ہوا کہ صحابہ کثرت سے غلام آزاد کرتے تھے امیر اسمٰعیل نے شرح بلوغ المرام میں چند صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد نقل کی ہے وہ درج کی جاتی ہے۔ گو یہ فہرست یقیناً نامکمل ہے لیکن پھر بھی قاری کے سامنے یہ بات کھل کر آ جائے گی کہ صحابہ کرام غلاموں کو آزاد کرانے میں کس قدر مشتاق تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۶۳ غلام آزاد کیے۔

حضرت عائشہؓ نے ۶۷۔

حضرت عباسؓ نے ۷۰۔

حضرت حکیم بن حزامؓ نے ۱۰۰۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک ہزار۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تین ہزار۔

حضرت عثمانؓ بن عفان نے بتیس صرف ایک دن میں جو ان کی شہادت کا دن تھا ورنہ ان کی مجموعی تعداد بہت زیادہ ہے۔

ذوالکلاح الحمیری نے آٹھ ہزار صرف ایک دن میں۔ (سبل السلام شرح بلوغ المرام کتاب العتق)

حضرت ابوبکرؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد نہیں بتائی مگر یہ لکھا ہے کہ انھوں نے کثرت سے غلام آزاد کیے۔

اس روایت میں جو تعداد صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی بیان کی گئی ہے وہ درست نہیں بلکہ اصل تعداد اس سے کہیں بڑھ کر ہے مثلاً حضرت عائشہؓ کے متعلق ایک حدیث ہے کہ انھوں نے صرف ایک موقع پر چالیس غلام آزاد کیے تھے۔ (بخاری کتاب الآداب باب الہجرت)

دوسری روایت سے واضح ہوتا ہے کہ وہ نہایت کثرت کے ساتھ غلام آزاد کیا کرتی تھیں۔

جبری طریقے

اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے بعض گناہوں کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔

قتل خطاء

ارشاد الٰہی ہے:۔

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ۔ (نساء ۴:۹۲)

اور جو غلطی سے کسی مومن کو مار ڈالے تو ایک مومن غلام آزاد کرے اور خون بہا دے جو اس کے وارثوں کے سپرد کیا جائے۔ سوائے اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔ پھر اگر (مقتول) ایسے لوگوں سے ہو جو تمھارے دشمن ہیں اور وہ مومن ہو تو ایک مومن غلام آزاد کرنا چاہیے اور اگر ایسے لوگوں سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے تو خون بہا دینا چاہیے جو اس

کے وارثوں کے سپرد کیا جائے اور ایک مومن غلام آزاد کرنا چاہیے پھر جو نہ پائے تو دو مہینے متواتر روزے رکھے۔

ان آیات میں صرف مسلمانوں کی تخصیص نہیں بلکہ کسی ذمی یا معاہد کو بھی غلطی سے قتل کر دیا جائے تو کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے۔

کفارہ ظہار

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو محرمات میں سے کسی ایک کے ساتھ تشبیہ دے کر اپنے اوپر حرام کر لے تو اس کو اسلامی اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ظہار کرنے والا خاوند اپنے قول کو واپس لینا چاہے تو تین چیزوں میں سے ایک بطور کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ ایک غلام آزاد کرے یا ساٹھ دن تک متواتر روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

ارشاد الٰہی ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا.
(المجادلہ ۵۸، ۳، ۴)

اور جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اس کی طرف واپس لوٹتے ہیں جو کہا تھا تو ایک غلام کا آزاد کرنا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں اس کے ساتھ تمہیں وعظ کیا جاتا ہے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبر دار ہے۔ پھر جو کوئی غلام نہ پائے تو دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے۔ اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں۔ پھر جسے یہ طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

کفارہ یمین

اگر کوئی شخص قسم کھالے پھر اس کو توڑنا چاہے یا توڑ دے۔ تو اس کو قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنا ہوگا وہ یہ کہ متوسط درجے کا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ان کو کپڑے بنا کر دے یا ایک غلام آزاد کرے۔

ارشاد الٰہی ہے:۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ. (المائدۃ ۵:۸۹)

اللہ تمہاری بلا ارادہ قسموں پر گرفت نہیں کرتا لیکن اس پر گرفت کرتا ہے جو تم قسم کو مضبوط کرو سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کا کھانا۔ درمیانہ کھانے سے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو لباس دینا یا گردن کا آزاد کرنا۔ (غلام آزاد کرنا)

روزہ توڑنے کا کفارہ

جو شخص جان بوجھ کر روزہ توڑ دے تو اس کا کفارہ بھی ظہار کی طرح ہے یعنی غلام آزاد کرے، اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ دن متواتر روزے رکھے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

معمولی گناہوں کا کفارہ

حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلام کو زد و کوب کرنے پر اس کو بطور کفارہ آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

مَنْ لَطَمَ مَمْلُوْكَهٗ اَوْ ضَرَبَهٗ فَكَفَّارَتُهٗ اَنْ يُّعْتِقَهٗ. (ابو داؤد و مسلم)

جو شخص اپنے غلام کو طمانچہ مارے یا اس کو زدوکوب کرے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کو آزاد کرے۔

رشتے دار غلام کا آزاد ہو جانا

حدیث میں آتا ہے:۔

ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کے قبضہ میں کوئی ایسا غلام آ جاوے جو اس کا قریبی رشتہ دار ہے تو وہ غلام خود بخود آزاد سمجھا جائے گا۔ (ابن ماجہ کتاب العتق)

مکاتبت

مکاتبت وہ جبری انتظام ہے جس سے غلام خود بخود آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس انتظام کے تحت مالک اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ اگر غلام اس کے پاس رہنا گوارا نہیں کرتا تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے مناسب رقم پیدا کرنے کی شرط کر کے آزادی حاصل کرے۔

قرآن مجید میں آتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰكُمْ.

(نور ۲۴: ۳۳)

اور جن کے تمھارے داہنے ہاتھ مالک ہیں ان میں سے جو آزادی کی تحریر مانگیں تو انھیں دو۔ اگر تم ان میں بھلائی جانتے ہو۔ اس مال میں سے انھیں بھی حصہ دو جو خدا نے اس مکاتبت کے نتیجہ میں تمھیں دیا ہے۔

حضرت عمر بن انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت سیرینؒ نے حضرت انسؓ سے مکاتبت کی درخواست کی اور حضرت سیرینؒ بڑا دولت مند آدمی تھا حضرت انسؓ نے مکاتبت سے انکار کر دیا۔ تو حضرت سیرین نے حضرت عمر سے شکایت کی۔ حضرت عمر نے انسؓ کو بلایا اور کہا سیرین سے مکاتبت کرلے اس نے آپ کے سامنے بھی انکار کر دیا تو حضرت عمرؓ نے اسے درہ مارا اور یہ آیت پڑھی فکاتبوھم (بخاری)

یہ غلاموں کی آزادی کے لیے ایک مستقل جبری انتظام ہے۔ اگر کوئی غلام آزادی کے قابل ہو جائے اور وہ آزادی حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ اپنے مالک سے مکاتبت کا عہد کر کے آزادی حاصل کر سکتا ہے۔ مکاتبت کے عہد سے یہ مراد ہے کہ غلام اور مالک کے درمیان یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ غلام اپنے آقا کو اس قدر رقم دے گا۔ مکاتبت کے عہد کے بعد غلام عملاً آزاد ہو گا اور وہ محنت مزدوری' تجارت' زراعت یا صنعت وغیرہ اختیار کر کے طے شدہ رقم اپنے مالک کو ادا کر دے گا۔ رقم ادا ہو جانے کے بعد غلام کلی طور پر آزاد سمجھا جائے گا۔

آزادی کی بعض مزید صورتیں

تدبیر

تدبیر سے مراد یہ ہے کہ آقا غلام سے کہے کہ "تو میری موت کے بعد آزاد ہے" وہ غلام جس سے یہ کہا جاتا ہے مُدَبَّرْ کہلاتا ہے۔ تدبیر سے بھی غلام لازماً آزاد سمجھا جاتا ہے۔

ام ولد

ام ولد اس لونڈی کو کہتے ہیں جس کے بطن سے اس کے مالک کے لیے بچہ پیدا ہوا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ آقا کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو جائے گی۔

حدیث میں آتا ہے:۔ اَعْتَقَهَا وَلَدُهَا یعنی اس باندی کو اس کے بچے نے آزاد کر دیا۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے ایک روایت بیان کی ہے۔ اَيُّمَا امْرَاَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا فَهِيَ مُعْتِقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ اَوْقَالَ مِنْ بَعْدِهٖ.

جو عورت اپنے آقا سے کوئی بچہ جنتی ہے پس وہ اس کے بعد (موت کے بعد) آزاد ہے۔

حضرت ابن عمر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

اِنَّهُ نَهٰى عَنْ بَيْعِ اُمَّهَاتِ الْاَوْلَادِ قَالَ لَا يُبَعْنَ وَلَا يُوْهَبْنَ وَلَا يُوْرَثْنَ يَسْتَمْتِعُ بِهَا السَّيِّدُ مَادَامَ حَيًّا وَاِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ. (موطا امام مالکؒ، دارقطنی)

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امہات الاولاد کی بیع سے منع فرمایا اور فرمایا کہ نہ ان کو بیچا جائے اور نہ ان کو ہبہ میں دیا جائے اور نہ ان کو وراثت میں منتقل کیا جائے مالک جب تک زندہ رہے اس سے تمتع کرتا رہے جب مر جائے تو وہ آزاد ہے۔

مشترک غلام

اگر ایک غلام میں کئی آدمی شریک ہوں ایک شخص اپنا حصہ آزاد کرتا ہے۔ تو اس صورت میں صرف وہ حصہ ہی نہیں بلکہ پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔ اگر آزاد کرنے والا شخص مالدار ہے۔ تو اس پر دوسرے شرکاء کے حصوں کو ادا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ غلام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سعی وکسب کر کے دوسرے شرکاء کو قیمت ادا کرے گا۔ اس کے ادا کرنے کے بعد وہ آزاد ہو جائے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔

مَنْ اَعْتَقَ نَصِيْبًا اَوْشَقًّا فِيْ مَمْلُوْكٍ فَخَلَاصُهُ عَلَيْهِ فِيْ مَالِهِ اِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ وَالْاَقْوَمُ عَلَيْهِ فَاسْتَسْعٰى بِهٖ غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ. (ابو داؤد باب فی العتق علی الشرط)

جس شخص نے کسی مشترک غلام میں اپنا حصہ آزاد کر دیا پس اگر وہ مالدار ہے تو اس پر یہ واجب ہے کہ اپنے شرکاء کے حصوں کے بقدر مال ادا کر کے اس کو آزاد کر دے۔ ورنہ اس کی قیمت مقرر کر لی جائے اور اس غلام سے بغیر کسی سخت مشقت کے اس کے لیے سعی وکسب کرایا جائے۔

گرہن کے وقت غلام آزاد کرنا

حدیث شریف میں آتا ہے:۔

اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَتَاقَةِ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ. (بخاری باب مایستحب من العتاقۃ فی الکسوف)

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ سورج کے گرہن کے وقت غلام آزاد کیا جائے۔

غلاموں کی آزادی کے لیے بیت المال میں حصہ

اسلام نے صرف افراد کو آزاد کرنے کی ترغیب نہیں دی بلکہ بیت المال میں غلاموں کی آزادی کے لیے ایک مستقل مد مقرر کر دی۔

ارشاد الٰہی ہے:۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ. (التوبہ ۹: ۶۰)

زکوٰۃ صرف ناداروں کے لیے ہے اور مسکینوں اور اس کے کارکنوں کے لیے اور جن کے دل مائل کرنا ہے اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرض داروں کے لیے اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لیے یہ اللہ کی طرف سے ضروری ٹھہرایا گیا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

اس آیت میں ایک اسلامی حکومت پر یہ فرض ٹھہرا ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مال میں سے ایک حصہ غلاموں کے آزاد کرنے میں صرف کرے۔

مستقبل میں ہمیشہ کے لیے غلامی کو ختم کرنے کے متعلق تعلیم

اسلام سے قبل غلام بنانے کے دو طریقے تھے۔

اوّل: جنگ کے دوران میں فاتح قوم مفتوح قوم کے مرد و زن کو غلام بنا کر ان کی متاع آزادی کو ہمیشہ کے لیے سلب کر لیتی۔

دوم: جنگ نہ ہو۔ تب مختلف حربوں سے طاقت ور کمزوروں کی آزادی کو چھین لیتے تھے۔ مثلاً چوری چھپے یا علانیہ ڈاکہ ڈال کر مرد و زن کو لے بھاگنا' یا چھین لینا یا خرید لینا۔

اسلام نے نسل انسانی کو غلام بنانے کے تمام طریقوں سے نجات دلائی اور غلامی کو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔

غلام بنانا حرام فعل ہے

طریقہ دوم یعنی طاقت ور کا کمزور لوگوں کو چوری چھپے یا علانیہ ڈاکہ ڈال کر یا خرید و فروخت کے ذریعہ غلام بنا لینے کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ تَعَالٰی ثَلَاثَةٌ اَنَا اَخْصَمُهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ رَجُلٌ اَعْطٰی بِیْ ثُمَّ غَدَرَ وَ رَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَاَکَلَ ثَمَنَهٗ رَجُلٌ اسْتَاجَرَ اَجِیْراً فَاسْتَوفٰی مِنْهُ وَلَمْ یُعْطِ اَجْرَهٗ. (بخاری کتاب البیع)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن سے قیامت کے دن جھگڑوں گا۔

اوّل: وہ شخص جو میرا واسطہ دے کر کسی سے کوئی عہد باندھتا ہے اور پھر اس عہد کو توڑتا ہے۔

دوم: وہ شخص جو کسی آزاد شخص کو غلام بناتا ہے اور اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کھا جاتا ہے۔

سوم: وہ جو کسی شخص کو کام پر لگاتا ہے اور پھر اس سے کام تو پورا لے لیتا ہے مگر اس کی مزدوری نہیں دیتا۔

دوسری روایت یوں ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے روایت کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن کی نماز قبول نہ کی جائے گی اور میں ان سے قیامت کے دن لڑوں گا۔

اوّل: وہ شخص جو میرا واسطہ دے کر کسی سے کوئی عہد باندھتا ہے اور پھر بدعہدی کرتا ہے۔

دوم: وہ جو اسے غلام بناتا ہے۔ جسے خدا نے آزاد رکھا ہے۔

سوم: وہ جو مزدور سے تو پورا کام لیتا ہے اور پھر اس کی مزدوری نہیں دیتا۔ (ابو داؤد بروایت فتح الباری جلد ۴ صفحہ ۴۴۶)

قرآن مجید میں بھی چوری چھپے یا علانیہ ڈاکہ ڈال کر کسی کو آزادی سے محروم کر دینا ناجائز قرار دیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:۔

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ لَوْلَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّکُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ. (الانفال ۸: ۶۷، ۶۸)

ایک نبی کے لیے شایاں نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں جنگ کر کے غالب نہ آئے۔ تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ تمھارے لیے آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے پہلے سے حکم نہ ہو چکا ہوتا تو تم کو اس بارے میں جو تم کرنے لگے تھے۔ بھاری عذاب پہنچ کر رہتا۔

ہجرت کے بعد جب کفار مکہ مسلمانوں کی تباہی کے منصوبے تیار کرنے لگے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ والوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے ایک چھوٹی سی جماعت بھیجی۔ انھیں کفار مکہ کے تین آدمی مل گئے جن پر مسلمانوں نے حملہ کر دیا اور ایک کو قتل کیا اور

دو کو گرفتار کر کے مدینہ لے آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حملہ پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ مقتول کا تو خون بہا ادا کیا اور قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اس طرح جب مسلمان جنگ بدر کے لیے نکلے تو اسلامی فوج میں بعض مسلمانوں کا خیال ہوا کہ فوج سے نبرد آزما ہونے کی بجائے قافلہ پر حملہ کر دیا جائے۔ ان وجوہات کی بناء پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ سوائے جنگ کے اور کسی طریقے سے قیدی نہیں بنائے جا سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے جنگ کے سوا دوسرے طریقوں کے ذریعے غلام بنانے کو ''عرض الدنیا'' کے الفاظ سے پکارا ہے۔ اور لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ. کے الفاظ میں تنبیہ کی ہے کہ اب وہ زمانہ گزر چکا ہے کہ جب طاقتور محض دنیاوی اغراض کے لیے آزاد انسانوں کو متاع حریت سے محروم کر دیتے تھے۔ جنگ کے سوا اور کسی طریقے سے قیدی بنانا عذاب عظیم کا موجب ہے۔

اسلام نے چوری چھپے' کھلم کھلا یا خرید و فروخت کے ذریعہ آزاد انسانوں کو آزادی کی نعمت سے محروم کر دینے کو ناجائز اور مستوجب عذاب عظیم قرار دے دیا ہے۔ باقی رہا طریقہ اوّل کہ جنگ کے ذریعہ قیدی بنانا۔

سو اس کے متعلق اسلام نے ایسی پُر حکمت تعلیم دی ہے جس سے خود بخود غلامی کی رسم حرف غلط کی طرح مٹ جاتی ہے۔

اسلام نے صرف مدافعانہ جنگ کی اجازت دی ہے اور ملک کشائی اور زیردستوں کو محض زیر اور غلام بنانے کے لیے اجازت نہیں دی۔ ارشاد الٰہی ہے: قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ. (البقرہ ۲:۱۹۰) اور اللہ کے رستہ میں جنگ کرو ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یہ آیت اسلامی جنگوں کی نوعیت کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ محض مدافعانہ تھیں' ملک کشائی اور قیدی بنانے کے لیے نہیں لڑی گئی تھیں۔

پھر جنگ کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ. (الانفال ۸:۶۱) اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تُو بھی اس کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ۔

اول تو اسلام کسی سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دیتا اگر کوئی زبردستی حملے کر کے چڑھ آئے تو اس وقت اس کے شر سے بچنے کے لیے جنگ کرنا ضروری ہے لیکن پھر بھی اسلام کہتا ہے۔ اگر حملہ آور صلح کی طرف مائل ہو جائے تو فوراً صلح کر لینی چاہیے۔

پس ان آیات میں جنگ کے ذریعہ کمزور قوموں کو غلام بنانے کے طریقہ کو ہمیشہ کے لیے مسدود کر دیا ہے۔ اب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے وہ یہ کہ اگر جنگ چھڑ جائے اور جنگ میں قیدی پکڑے جائیں کیا وہ ہمیشہ کے لیے اپنی متاع آزادی سے محروم ہو جائیں گے اور فاتح قوم کے غلام بن جائیں گے۔

اسلام نے اس کا جواب نہایت ہی عمدہ پیرائے میں دیا ہے۔ جس سے رسم غلامی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا. (محمد ۴۷:۴) سو جب تمہاری کافروں سے مڈبھیڑ ہو جائے تو گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب تم ان پر غالب آ جاؤ تو قید میں مضبوط باندھ لو پھر بعد میں یا تو احسان کے طریق پر یا فدیہ لے کر چھوڑ دو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔

اس آیت کریمہ میں قیدیوں کے متعلق واضح حکم دے دیا کہ یہ قید عارضی ہو گی جب جنگ ختم ہو جائے گی۔ یا تو ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا ہو گا۔ یا احسان کے طور پر۔

احسان کو مقدم رکھا ہے جس میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ جنگ کے قیدیوں کو احسان رکھ کر چھوڑ دینا چاہیے۔

اس آیت نے قطعی فیصلہ دے دیا ہے کہ جنگی قیدی محض عارضی قیدی ہیں جنگ کے اختتام پر ان کا چھوڑ دینا ضروری ہے۔

متذکرہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ کے سوا غلام بنانا مستوجب عذاب عظیم ہے۔ اگر رفع شر کے لیے جنگ ناگزیر ہو جائے تو اگر جنگ میں قیدی پکڑے جائیں تو ان کی قید عارضی ہو گی۔ اختتام جنگ پر یا ان قیدیوں کو احسان رکھ کر چھوڑ دینا ہو گا یا فدیہ لے کر۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل

جب اسلامی غزوات پر نظر دوڑاتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسیران جنگ کو یا

تو احسان رکھ کر چھوڑ دیا یا فدیہ لے کر۔

غزوہ بدر میں جتنے قیدی ہاتھ آئے بعض سے معاوضہ لے کر اور بعض کو بغیر معاوضہ کے رہا کر دیا جن قیدیوں کو بلا معاوضہ رہائی دی گئی تھی۔ ان میں سے ابوعزہ عمرو الجحی بھی تھا۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخانہ نظمیں لکھا کرتا تھا۔

غزوہ حنین میں چھ ہزار قیدی رہا کیے تھے۔ غزوہ بنی المصطلق میں چھ سو قیدی گرفتار ہوئے اور سب کو دفعتاً آزاد کر دیا گیا۔

فتح مکہ کے وقت ان تمام کفار کو جو آپ کے جانی دشمن تھے اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے مدینہ پر کئی بار حملہ کر چکے تھے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر معاف کر دیا۔ انہی میں سے ہندہ بھی تھیں جس نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔ ابوجہل کا بیٹا عکرمہؓ۔ عبداللہ بن ابی سرح۔ سارہ اور کعب بن زبیر بھی جو اسلام دشمنی میں سرخیل کفار تھے معاف کر دیئے گئے۔

غزوہ طائف میں جتنے قیدی آپ کے پاس آئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو آزاد کر دیا۔ حضرت ابن عباس کے الفاظ یہ ہیں: اَعْتَقَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الطَّائِفِ كُلَّ مَنْ خَرَجَ اِلَيْهِ مِنْ رَقِيْقِ الْمُشْرِكِيْنَ.

یعنی طائف کے دن مشرکوں کے جتنے غلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے آپ نے سب کو آزاد کر دیا اور پس اسلام کی اس تعلیم نے غلامی کی رسم کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا اور ان تمام طریقوں کو کلیتہً بند کر دیا جن کے ذریعہ غلام بنائے جا سکتے تھے۔

آزاد شدہ غلاموں کا اسلامی سوسائٹی میں مقام

اسلامی سوسائٹی میں آزاد شدہ غلام ویسے ہی معزز و مکرم سمجھے جاتے تھے جیسے دوسرے آزاد شہری اور ان کو وہی حقوق حاصل تھے جو دوسروں کو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارثہ اور ان کے بیٹے اسامہؓ کو جنگی مہموں میں سپہ سالار مقرر کیا اور جلیل القدر اور صاحب عزت صحابیوں کو ان کے ماتحت رکھا۔ اس سے بڑھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حقیقی پھوپھی زاد بہن زینبؓ بنت جحش کو حضرت زیدؓ کے نکاح میں دے دیا۔ سالمؓ بن معقل مولی ابیؓ حذیفہ جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ ان چار قاریوں میں شمار ہوتے ہیں جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کی تعلیم کے لیے مقرر کیا تھا۔ حضرت عمرؓ حضرت بلالؓ کو ہمیشہ ''سیدنا'' کے لفظ سے پکارا کرتے تھے۔

غلاموں کو یک لخت کیوں آزاد نہ کیا گیا

مقبوضہ غلاموں کی بتدریج آزادی حکمت بالغہ پر مبنی ہے۔ فوری آزادی صرف آقاؤں کے لیے ہی باعث مضرت نہ تھی بلکہ غلاموں کے لیے بھی نقصان دہ تھی اور معاشرت اور اخلاق کے لیے تباہ کن تھی۔ وہ لوگ جو پشتوں سے غلاموں کی زندگی بسر کرتے چلے آ رہے تھے ان میں نہ صرف آزادی کی روح ہی فوت ہو چکی تھی بلکہ ان کے قوائے عملیہ بھی مضمحل ہو چکے تھے اگر ان کو خالی ہاتھ رہا کر دیا جاتا تو لاکھوں مرد و زن بے خانماں ملک میں پھرتے۔ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ ہوتا۔ نتیجہ یہ نکلتا یا تو وہ گدائی کی زندگی بسر کرتے یا ڈاکہ زنی سے بسر اوقات کرتے۔ اس طرح ملک کا تمدن اور اخلاق تہ و بالا ہو جاتا۔ ان قباحتوں سے بچنے کے لیے غلاموں کی اصلاح کے لیے دو طریقے اختیار کیے۔

۱۔ فوری اصلاح اور

۲۔ بتدریج اصلاح

فوری اصلاح یہ کہ غلام کے مرتبہ کو بلند کر دیا۔ آقاؤں کو یہ حکم دیا کہ جو وہ کھائیں وہی غلاموں کو کھلائیں جو خود پہنیں وہی غلاموں کو پہنائیں ان کی بساط سے بڑھ کر کام نہ دیں۔ اگر وہ کام میں مشقت محسوس کریں تو ان کا ہاتھ بٹائیں۔ آقا اور غلام کے درمیان ایک کامل اخوت قائم کر دی۔ وہ پستی جو غلامی کی وجہ سے غلاموں کی روح میں رچی ہوئی تھی رفعت میں تبدیل ہو گئی۔ وہ اپنے آپ کو معاشرہ کے باعزت رکن سمجھنے لگے۔

دوسری اصلاح بتدریج تھی یعنی جیسے جیسے غلام سوسائٹی کے مفید رکن بنتے چلے جائیں ان کو مکاتبت کے ذریعہ یا گورنمنٹ کے خزانے سے یا عوام کی جیبوں سے آزادی بخشی جائے۔ قرآن اور حدیث دونوں سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ. (النور ۲۴:۳۳) اور جن کے تمھارے داہنے ہاتھ مالک ہیں ان میں سے جو آزادی کی تحریر مانگیں تو انھیں لکھ دو۔ اگر تم ان میں بھلائی جانتے ہو اور ان کو اللہ کے مال سے دو جو اس نے تم کو دیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں یحییٰ بن کثیر روایت بیان کرتے ہیں۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَاتِبُوْا اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا قَالَ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ حِرْفَةً وَلَا تُرْسِلُوْهُمْ كَلًّا عَلَى النَّاسِ. (ابو داؤد بحوالہ تفسیر ابن کثیر زیر آیت مکاتبت) یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہ جو قرآن شریف میں آتا ہے کہ ''اگر تم غلاموں میں بھلائی پاؤ تو ان سے مکاتبت کرو بھلائی سے مراد پیشہ وغیرہ کی اہلیت ہے اور فرمایا تم ان کو ایسی حالت میں مت چھوڑو کہ وہ لوگوں پر بوجھ ہوں۔

حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا اَيُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ یعنی آزاد کرنے کے لیے کون سا غلام سب سے افضل ہے۔ فرمایا جو سب سے زیادہ گراں قیمت ہو اور مالک کے نزدیک سب سے زیادہ قابل قدر ہو۔

ان الفاظ میں غلاموں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مفید اور قیمتی فرد بنائیں تاکہ ان کی آزادی کے لیے راہ ہموار ہو سکے کیوں کہ آزادی کا سب سے پہلے وہی غلام مستحق ہے جو مفید ہو۔

اسلامی بیت المال میں غلاموں کے لیے ایک مد مقرر کر دی تاکہ وہ آزادی حاصل کر سکیں۔ ماوردی لکھتے ہیں۔

''زکوٰۃ میں پانچواں حصہ غلاموں کا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعی کے نزدیک مکاتبین کو رقم دی جائے جس سے خود کو آزاد کر لیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ غلام خرید کر آزاد کیے جائیں۔ (الاحکام السلطانیہ صفحہ ۱۸۳)

پس عہد نبویؐ میں غلاموں کی اصلاح کے یہی دو طریقے مفید تھے جو اسلام نے اختیار کیے۔ ان طریقوں سے ایک تو غلامی کی رسم مٹ گئی۔ دوسرا معاشرت اور اخلاق بھی تباہ نہیں ہوا۔

عالمگیر برادری کا تصور

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات وہ ذات ہے جس نے عالمگیر برادری کا تصور پیش کیا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ ہندو مذہب میں انسانی طبقات کی چار قسمیں کی گئی ہیں۔ برہمن، چھتری، ویش اور شودر۔ ہر طبقہ کے جو فرائض متعین ہیں وہ ان سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ سب سے اعلیٰ طبقہ برہمن اور سب سے ادنیٰ طبقہ شودروں کا ہے۔ شودروں کی حیثیت غلاموں سے بدتر ہے۔ ان کا صرف یہ کام ہے کہ وہ اپنے سے اعلیٰ ذات کی خدمت بجا لائیں۔ ان کو ہندوؤں کے مندروں میں داخل ہونے اور مذہبی کتب سننے کی اجازت نہیں۔ اگر کسی شودر کے ہاتھ سے کسی برہمن کو اذیت پہنچ جائے تو اس کی سزا قتل ہے۔ اگر برہمن کو گالی دے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی زبان کاٹ دی جائے۔ اگر برہمن کسی شودر کی چوری کرے تو اس کی سزا صرف یہ ہے کہ شودر کو مال کا تاوان دلایا جائے لیکن شودر کسی برہمن کی چوری کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ شودر کو زندہ جلا دیا جائے۔

یہودی مذہب صرف بنی اسرائیل کے لیے تھا اور قومیت کا سبق دیتا ہے۔ توریت میں ہے کہ موسیٰ نے ہم کو ایک شریعت دی جو بنی اسرائیل کی میراث ہو۔ (استثناء ۳۳:۴)

بنی اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے۔ (خروج ۴:۲۲)

قرآن مجید نے بھی بنی اسرائیل کے اس قومی عقیدہ کا ذکر کیا ہے ارشاد: نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ یعنی ہم خدا کے فرزند اور اس کے پیارے ہیں۔

عیسائیت بھی ایک قومی مذہب تھا اور قومی پیغام لے کر آیا۔ انجیل میں ہے۔ میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے علاوہ اور کسی کے لیے نہیں بھیجا گیا' مناسب نہیں کہ لڑکوں (بنی اسرائیل) کی روٹی کتوں کے لیے پھینک دوں۔ (انجیل متی ۱۵:۱۰)

نسل انسانی کی وحدت کا پیغام صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنایا' اور اعلان کیا کہ تمام مخلوق ایک ہی اصل کی مختلف شاخیں ہیں اور ان میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ ہمارے اس دور میں عالمگیر برادری کا نظریہ اسی آواز کی بازگشت ہے جو اس سے چودہ سو سال قبل ایک امی نبیؐ نے خدا سے وحی پا کر مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں بلند کی تھی۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا. (النساء ۴:۱)

اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا ہے اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور اللہ کے حقوق کی جس کے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں کی نگہداشت کرو اللہ تم پر نگہبان ہے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا. (یونس ۱۰:۱۹)

سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں سو وہ اختلاف کرتے ہیں۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ. (الحجرات ۴۹:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمھیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وہ ہے۔ جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ. (بیهقی کتاب الایمان)

ساری مخلوق عیال اللہ ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے کرتا ہے جو اللہ کی مخلوق کو سب سے زیادہ چاہتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبُّ كُلِّ شَىْءٍ اِنِّىْ اَشْهَدُ اَنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ اِخْوَةٌ. (احمد ابو داؤد)

اے ہمارے اور ہر چیز کے رب میں گواہی دیتا ہوں کہ انسان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا. (بخاری)

تم اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔

بابو بپن چندر پال کہتا ہے:

''اسلام نے اخوت اور برادرانہ روابط پر جس قدر زور دیا ہے اور وہ جس شد و مد سے اس پر عمل پیرا ہوا اس کی مثال دنیا کا کوئی اور مذہب پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس میں ہندوؤں کی طرح ذات پات کا رواج موجود نہیں۔ یہ مسلمانوں کی انتہائی ہمدردی اور خدا ترسی ہی تھی جس نے ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک کی مذہبی زندگی اور خیالات میں انقلاب عظیم برپا کر دیا۔ اسلام نے سیاسی طور پر بنی نوع انسان کو ایسے حقوق عطا کیے جو رومیوں اور دیگر اقوام نے صدیوں میں بھی اپنی رعایا کو نہ دیئے تھے۔ اسلام نے ٹیکس محدود کر دیا' قانوناً سب انسانوں کو ایک دوسرے کے مساوی بنا دیا' حکومت خود اختیاری کے اصول رائج کیے' بادشاہوں کے اختیارات پر پابندیاں عائد کر دیں۔ (اسلام اور پیغمبر اسلام غیروں کی نظر میں مولفہ خلیفہ عبدالرحمان ص ۲۱' ۲۲)

شری راج وید پنڈت گدادھر پرشاد شرما رئیس اعظم الہ آباد کہتا ہے:

''میں ایک راسخ العقیدہ ہندو ہوں لیکن میں نے ہندو' عیسائی اور اسلامی مذاہب کے بانیوں کے حالات زندگی کو اپنی بہترین توجہ کا

خراج دیا ہے اور میں بابنگ دہل اعلان کرتا ہوں کہ میری رائے میں جس مذہب کو اخوت باہمی اخلاق وتہذیب اور دولت اتحاد کی فراوانی کثرت کے ساتھ عطا کی گئی ہے وہ مذاہب کا سردار اسلام ہے۔ اسلام کی فیاضی اور کشادہ دلی اس کا امتیازی نشان ہے۔ وہ بلحاظ اس بات کے کہ کوئی امیر ہے یا غریب سب کو اپنی آغوش میں پناہ دیتا ہے۔ اس کے دروازے سب کے لیے کھلے ہیں۔ ہر خیال اور رنگ کے انسان اس کے زیر سایہ آرام اور راحت کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ اچھوت پن کی لعنت کو دور کرنے کی طاقت اسلام اور صرف اسلام میں ہے' اس کے علاوہ کوئی اور مذہب اس کے دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ (اسلام اور پیغمبر اسلام غیروں کی نظر میں' مولفہ خلیفہ عبدالرحمان ص ۲۴' ۲۵)

ریورنڈ باسورتھ سمتھ لکھتا ہے:

''یہ (اسلام) وہ مذہب ہے جو تمام رنگ ونسل اور مدارج کے لوگوں کو اپنے اندر جذب کر کے ان میں احساس اخوت پیدا کر دیتا ہے۔'' (ترجمہ از لیکچرز آن محمد اینڈ محمد نزم)

ایڈورڈ گبن لکھتا ہے:

''ایک ناقابل فراموش انقلاب جس نے کرہ ارض کی تمام قوموں پر ایک نئے اور دائمی طرز کی اثر اندازی کی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالمگیر برادری اور مساوات کا جو کلی اصول پیش کیا ہے وہ اتنا عالم آشکارا ہے اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔''

پروفیسر ٹو این بی (Toynbee) نے رنگ وخون کے امتیازات کے انسداد کو عالمی تہذیب پر اسلام کا ایک نہایت گہرا اور گراں قدر احسان قرار دیا ہے۔

معاشرتی امن قائم کرنے کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضع کردہ اصول

پہلی جنگ عظیم کی ہولناک تباہیوں کو دیکھ کر دنیا میں امن قائم کرنے کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ چنانچہ اس عالمی ضرورت کے پیش نظر لیگ آف نیشنز وجود میں آئی تاکہ دنیا کو جنگوں کی تباہی سے نجات دلائے لیکن یہ انجمن بھی اقوام عالم کو جنگ کی بربادیوں سے نجات نہ دلا سکی۔ اس کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ انجمن کی وہ ناانصافیاں ہیں جو اس نے پہلی جنگ عظیم میں شکست خوردہ اقوام سے کی تھیں۔ اس انجمن کی اساس معاہدہ ورسیلز تھی' جو محض ہاری ہوئی اقوام کو ذلیل وخوار کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ اس معاہدہ کی رو سے جرمن پر ایک بھاری جنگی تاوان ڈالا گیا' اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ اسی طرح ترکی کی طاقت کو کمزور کرنے کے لیے عرب ممالک کو کئی ریاستوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ شکست خوردہ اقوام نے مجبوری کے تحت معاہدہ پر دستخط تو کر دیئے تھے لیکن اندرونی طور پر کوشش ان کی یہی تھی کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی ساکھ کو قائم کریں۔ چنانچہ ہٹلر کی قیادت میں جرمنی نے زبردست فوجی طاقت حاصل کر لی' جو دنیا کے امن کے لیے خطرہ بنی اور دوسری عالمگیر جنگ چھڑ گئی۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد دوبارہ خواہش پیدا ہوئی کہ اقوام عالم پھر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں اور امن قائم کرنے کے لیے کوشش کریں۔ چنانچہ انجمن اقوام متحدہ وجود میں آئی۔ اب آثار نظر آ رہے ہیں کہ اس کا حشر بھی وہی ہوگا جو لیگ آف نیشنز کا ہوا تھا۔

آج سے چودہ سو سال قبل دنیا میں معاشرتی امن قائم رکھنے کے لیے اصول وضع کیے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ دنیا میں تمام لڑائیاں صرف اس وجہ سے ہوئی ہیں کہ طاقتور ملک نے کمزور ملک پر قبضہ کرنے اور اس کی دولت چھیننے کے لیے حملہ کر دیا۔ اسلام اس قسم کے حملوں کو نہایت ہی ناپسندیدہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى.
(طٰه ۲۰. ۱۳۱)

اور اپنی نگاہیں اس کے پیچھے لمبی نہ کر جو ہم نے ان میں سے قسم قسم کے لوگوں کو دنیا کی زندگی کی آرائش کے لیے سامان دیا ہے تاکہ ہم ان کو اس کے ذریعہ سے آزمائیں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور زیادہ دیرپا ہے۔

ہر دور میں کمزور ریاستوں کی دولت لوٹنے کے لیے طاقتور ممالک نے الگ الگ طریقے اختیار کیے ہیں۔ کبھی یہ طریقہ ہوتا تھا کہ کمزور

ریاست پر حملہ کیا اور اس کو محکوم بنا لیا۔ عصر حاضر میں حملہ کر کے دولت لوٹنے کا طریقہ ختم ہو گیا ہے۔ اب ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر اور کمزور ممالک کی دولت گھر بیٹھے لوٹ رہے ہیں اور ترقی پذیر ممالک کو اپنا اقتصادی غلام بنا رکھا ہے۔

یہ آیت ہر قسم کے استحصال دولت کو ناجائز قرار دیتی ہے خواہ حملہ کر کے دولت لوٹی جائے خواہ اقتصادی غلام بنا کر۔

۲۔ دنیا میں امن کی بربادی کا ایک بڑا سبب معاہدات کی خلاف ورزی ہے۔ اسلام معاہدات کی پابندی پر بہت زور دیتا ہے تاکہ دنیا کا امن تہ و بالا نہ ہو۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا. (النحل ۱۶ : ۹۱)

یعنی عہد پورا کرو جب تم خدا سے عہد کر چکو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ. (النحل۱۶:۹۲)

اور اس عورت کی طرح نہ بن جاؤ جو سوت کاتنے کے بعد اس کو خود ہی توڑ ڈالتی ہے اپنی قسموں (معاہدات) کو باہمی دھوکے کا ذریعہ نہ بناؤ اس خیال سے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے زیادہ فائدہ میں رہے۔

ایک اور جگہ ایمانداروں کی تعریف میں ارشاد ہے۔ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا. (البقرہ۲:۱۷۷) اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوتے ہیں جب وہ عہد باندھ لیتے ہیں۔

دو متحارب قوموں کے درمیان صلح کرانا

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. (الحجرات ۴۹: ۹)

اور اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو پس اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی پر ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے پس اگر وہ رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرا دو اور انصاف کرو کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بین الاقوامی امن و صلح کے حسب ذیل اصول بیان کیے ہیں۔

اوّل: جب دو قوموں کے درمیان لڑائی چھڑنے کا اندیشہ ہو تو دوسری قومیں ایک دوسرے کی طرف داری کرنے کی بجائے متحارب قوموں کو نوٹس دے دیں کہ وہ قوموں کی انجمن میں اپنے تنازعہ کا تصفیہ کرائیں۔

دوم: اگر کوئی قوم انجمن اقوام عالم کے نوٹس کی پرواہ نہ کرے تو سب قومیں مل کر باغی قوم کے خلاف لڑائی لڑیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک قوم دنیا کی تمام اقوام کا مقابلہ نہیں کر سکتی' وہ لازمی طور پر صلح کی طرف مائل ہو جائے گی۔

سوم: جب باغی قوم صلح کی طرف مائل ہو جائے تو متحارب فریقین کے درمیان انصاف اور عدل کے ساتھ صلح کرا دیں۔ سرکش قوم پر ظلم و تعدی کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ظلم و تعدی سے آپس میں بغض اور حسد ترقی کرتا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ. (المائدہ ۵:۸) اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے اور اللہ کا تقویٰ کرو اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

حق پر تعاون اور باطل پر عدم تعاون

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. (المائدہ ۵ : ۲)

اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ کا تقویٰ کرو اللہ بدی کی

سزا دینے میں سخت ہے۔

اگر اقوام متحدہ قرآن مجید کے اس اصول پر عمل کریں کہ حق پر تعاون کریں، تعدی اور باطل پر عدم تعاون تو دنیا سے فساد مٹ سکتا ہے۔

دنیا میں فساد کی سب سے بڑی وجہ ہی یہ ہے کہ قومیں باطل کی طرفداری شروع کر دیتی ہیں جس سے باطل قوتیں مضبوط جڑ پکڑ جاتی ہیں اور دنیا میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔

شہادت حق اور قیام عدل

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ. (البقرہ ۲:۲۸۳)

اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو شخص اسے چھپاتا ہے تو اس کا دل ضرور گنہ گار ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ. (النساء ۴:۱۳۵)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو انصاف پر قائم رہو۔ اللہ کے لیے سچی سچی گواہی دو۔

دنیا میں فساد کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ بڑی بڑی حکومتیں اپنے سیاسی مفادات کے پیش نظر شہادت حق کو چھپاتی ہیں اور عدل و انصاف کو قائم نہیں کرتیں۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ باطل قوتیں مضبوط جڑیں پکڑتی جا رہی ہیں اور امن کا پودا مرجھاتا چلا جا رہا ہے۔ ایک وقت آئے گا جب دنیا تیسری عالمگیر جنگ کی لپیٹ میں آ جائے گی۔

یہ آیت حکومتوں کو یہ سبق سکھاتی ہے کہ تمام سیاسی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر عدل و انصاف کے بلند مینار پر کھڑی ہو جائیں۔ اگر کوئی حکومت فساد کرتی ہے تو اس کے خلاف سچی سچی گواہی دیں اور اس کو تخریبی کارروائیوں سے روکیں۔

قومی مساوات

دنیا میں امن کی بربادی کا ایک سبب قومی برتری کا خیال ہے۔ دوسری عالمگیر جنگ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ جرمن قوم یہ خیال کرتی تھی کہ وہ سب سے اعلیٰ قوم ہے اور وہ دنیا میں حکومت کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اس لیے اس نے اپنا دائرہ حکومت بڑھانے کے لیے اردگرد کی حکومتوں پر حملے کرنا شروع کر دیے۔ قرآن مجید کہتا ہے: لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ. (الحجرات ۴۹:۱۱) ایک قوم دوسری قوم پر ہنسی نہ کرے شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَىٰ. (مسند احمد)

اے لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔

یہ ہے مختصر سا خاکہ دنیا میں امن قائم کرنے کے اصولوں کا، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ انھیں اصولوں پر عمل کر کے دنیا حقیقی امن سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

نبی کریمؐ (ایک سیاسی مفکر) بحیثیت حکمران

ا۔ بحیثیت حکمران

اس عنوان پر بھی لکھنے سے پہلے دنیا کے سیاسی نظام پر عموی اور عرب کے سیاسی نظام پر خصوصی بحث کی جائے گی تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی حکمت عملی کی برتری اور فوقیت ظاہر ہو سکے۔ جب ہم بعثت نبویؐ سے قبل کی متمدن دنیا پر نظر دوڑاتے ہیں۔ تو بادشاہت کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ مصر' عراق' روم ایران' جاپان' چین اور ہندوستان سب پر بادشاہ حکمران تھے' وہ مطلق العنان تھے۔ تمام اختیارات کا سرچشمہ بادشاہ کی ذات ہوتی تھی۔ بعض ممالک میں بادشاہ وقت کے لوگ دیوتا کا درجہ دیتے تھے۔ ان کے سامنے سر بسجود ہوتے اور ان کی الوہیت کے گیت گاتے تھے۔ ان کی ذات تمام عیوب سے منزہ سمجھی جاتی تھی۔ وہ خدا کے نائب ہی نہیں بلکہ اس کے شریک تصور کیے جاتے تھے۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کا درجہ ہوتا تھا۔ جب دربار کرتا تو حکام' شہزادے اس کے اردگرد نہایت ادب کے ساتھ بیٹھتے۔ اس کا ولی بالعموم بادشاہ کا بڑا لڑکا ہوتا تھا۔ بعض حالتوں میں دوسرے بیٹے یا بیٹے کی غیر موجودگی میں اپنے داماد یا کسی دوسرے عزیز کو ولی بنا دیتا ملکی انتظام کے لیے ریاست صوبوں اور اضلاع میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ جن پر اعلیٰ حکام کو بادشاہ خود مقرر کرتا تھا۔ اعلیٰ حکام مقامی سرداروں اور جاگیرداروں اور زمینداروں کے تعاون سے اپنے علاقے کا انتظام کرتے۔ ہر صوبہ میں فوج کا ایک دستہ بھی ہوتا تھا۔ جس کا خرچ صوبے خراج سے پورا کرتے تھے۔ بعض ممالک میں صوبوں میں جاگیردار اور بڑے بڑے زمیندار ہی نظم و نسق کا کام سرانجام دیتے تھے۔ صوبائی حاکم جملہ شاہی مطالبات اور محصولات وصول کر کے بادشاہ کے پاس بھیج دیتے تھے۔

سلطنت کی توسیع کے لیے طاقت ور حکومتیں کمزور حکومتوں پر حملہ کر دیتیں۔ مفتوح قوم غلامی کی زندگی بسر کرتی اور تمام حقوق سے محروم کر دی جاتی۔ عورتیں بچے اور جوان اور بوڑھے سبھی کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا۔

عرب کی سیاسی حالت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی تمام عرب قبائل میں بٹا ہوا تھا۔ ان قبائل کی باہمی شیرازہ بندی نسب اور اتحاد خون کے واسطے سے ہوتی تھی۔ قبیلہ کی حکومت جمہوری طرز پر ہوتی تھی۔ ہر قبیلہ کا رئیس اعلیٰ اہل قبیلہ سے ہوتا۔ جمہوری اصول کے مطابق وہی شخص منصب سیادت کا اہل ہوتا۔ جس کے حامی سب سے زیادہ ہوں۔ وہ شجاعت مہمان نوازی اور فیاضی میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ قبیلہ کا رئیس کنبوں کے دوسرے سرداروں کو جمع کرتا۔ اس سے ''مجلس القبیلہ'' تشکیل پاتی تھی۔ اس میں جنگ و صلح' دوسرے اہم امور کے متعلق گفتگو ہوتی۔ قبیلہ کا کوئی قانون نہ ہوتا۔

عرب میں مرکزی حکومت کے فقدان کی وجہ سے نہ کوئی محکمہ عدلیہ تھا۔ نہ نظم امن کو قائم رکھنے کے لیے محکمہ پولیس تھا اور خارجی خطرات کے دفاع کے لیے فوجی نظام نہ ان کے پاس اپنا سکہ یا ٹیکسال تھی۔

مرکزی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ہی ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر حملہ کر دیتا۔ مظلوم قبیلہ کے مرد و زن کو تہ تیغ کر دیتا۔

حجاز کی امارت

جب خاندان قریش میں قصی پیدا ہوا۔ وہ ایک حوصلہ مند اور زیرک انسان تھا۔ اس نے منتشر قبائل کو جمع کیا اور بنی کنانہ کی مدد سے بنی خزاعہ سے بیت اللہ کا قبضہ کر لیا اور تمام قریش کو مکہ میں آباد کیا۔ اس کی تنظیم کر کے ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد ڈالی۔ اس دن سے قریش کو حجاز

میں سیاسی اور اجتماعی اہمیت حاصل ہو گی۔ قصی نے اس ریاست کی بنیاد جمہوری طرز پر رکھی۔ اس کے شعبہ جات تھے۔ جو مختلف قبائل میں منقسم تھے۔ بڑے تین شعبے تھے۔ فوجی' عدالت اور مذہبی پھر یہ تینوں آگے کئی شعبوں میں تقسیم تھے۔ یہ شعبہ جات قریش کی مختلف شاخوں میں منقسم تھے' اسلام سے قبل ان کی تقسیم حسب ذیل تھی۔

۱۔ عقاب یعنی قومی نشان کا علمبردار۔ بنوامیہ۔

۲۔ قبہ اور اعنہ یعنی فوجی کیمپ کا نظم اور سواروں کے رسالہ کی سپہ سالاری۔ بنی مخزوم۔

۳۔ سفارت یعنی دوسری حکومتوں سے خط و کتابت کا ادارہ بنی عدی۔

۴۔ ندوہ یعنی عدالت اور قومی جلسہ کا انتظام بنی عبدالدار۔

۵۔ مشورہ یعنی اہم امور میں صلاح و مشورہ بنی اسد۔

۶۔ اشناق۔ یعنی جہاں جرمانہ اور مالی تاوان کی نگہداشت ہوتی تھی۔ بنی تیم۔

۷۔ حکومت یعنی جہاں مقدمات کے فیصلے ہوتے بنی سہم۔

۸۔ سقایہ یعنی حاجیوں کی خورد و نوش کا انتظام۔

۹۔ عمارہ یعنی خانہ کعبہ کا انتظام بنی ہاشم۔

۱۰۔ رفادہ یعنی حاجیوں کی مہمان نوازی اور مالی امداد بنی نوفل۔

۱۱۔ سدانہ یعنی خانہ کعبہ کی کلید برداری کا کام بنی عبدالدار۔

۱۲۔ ایسار یعنی بتوں سے استخارہ کرنے کا کام بنی جمح۔

۱۳۔ اموال الحجرہ یعنی بتوں کے چڑھاوے کا انتظام کرنا۔ بنی سہم۔

(تاریخ ارض القرآن ۲/۱۰۴'۱۰۵'۱۰۶)

عرب قبائل کی سرحدی حکومتیں

ظہور اسلام کے وقت عرب کے شمال میں ایرانیوں اور رومیوں کی سلطنتیں تھیں جو اس دور کی مہذب ترین سلطنتیں سمجھی جاتی تھیں۔ ان کی فوجیں اس دور کے بہترین اسلحہ سے لیس تھیں۔ اپنی سرحدوں کو عرب بدوؤں کے حملوں سے بچانے کے لیے انھوں نے عرب کی سرحدی سرداروں کو اپنا حلیف بنا کر فوجی اعتبار سے اتنا مضبوط کر رکھا تھا اور بادیہ گرد عرب حملہ آوروں کو شام' عراق میں گھسنے نہ دیتے تھے اور شام کی سرحد پر غسان کے سردار رومیوں کے حلیف تھے۔ بصری اور دومتہ الجندل کیسردار رومیوں کے اطاعت گزار تھے۔ ہر سردار اپنے اپنے سرپرست بادشاہوں کے زیر اثر تھے۔ ان ریاستوں کی حیثیت بفرسٹیس (ریاست ہائے فاضل) کی سی سمجھی جاتی تھی۔

موجودہ دور

اس مادی دور میں تین قسم کی ریاستیں ہیں۔ جمہوری ریاست' فسطائی ریاست اور بالشویک ریاست۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تینوں اقسام کی ریاستوں میں انسان غلام کی سی زندگی بسر کرتا ہے۔ حکمران کی مرضی پر عمل کرنے کے سوا ان کے لیے کوئی چارہ نہیں۔

اسلامی ریاست کا قیام

سیاست کیا ہے؟

ابن خلدون اپنی کتاب ''مقدمہ'' میں سیاست تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''سیاست اس ذمہ داری کا نام ہے جس کی رو سے عام انسانی نگہداشت (کفالت) کا کام پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ جس کے ذریعے خدا

کی نیابتی حکومت بندگان خدا میں خدا کے قوانین نافذ کرتی ہے اور احکام کا اجراعمل میں لاتی ہے اس کام میں انسانی بہتری اور مفاد عامہ کا لحاظ رکھتی ہے اور قانون شرائع کو فیصلہ کن قوت تسلیم کرتی ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون: ۲۰)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

''انسانی سرگرمیوں (سیاست) کا مدار تین حقائق پر ہے اور اوّل عمارت الارض (زمین پر عمرانی تمدن کا قیام) دوسرے خلافت (اسلامی طرز کی نیابتی حکومت جو سیاست کے اعتبار سے خدا کے اقتدار اعلیٰ کی مکمل اطاعت کرے۔ تیسرے مکارم شریعت (اسلامی قانون کا نفاذ)

علامہ مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں اِنَّ الْخَلَافَةَ تَسْتَحِقُّ بِالسِّيَاسَةِ (الذريعة الى مكارم شريعة) یعنی خلافت کا استحقاق سیاست کے ذریعہ ہے۔

شیخ ابوالحسن ماوردی لکھتے ہیں۔

اَلْاِمَامَةُ مَوْضُوْعَةٌ فِیْ حَرَاسَةِ الدِّيْنِ وَسِيَاسَةِ الدُّنْيَا (الذريعة الى مكارم شريعة) یعنی اسلامی حکومت ایک قسم کی کی قیادت ہے جو دین کی حفاظت اور دنیا کی ریاست پر مبنی ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں۔

''اسلامی زندگی اسلامی قوانین سے عبارت ہے اور یہ قوانین معاملات دنیا میں سیاست کے کارنامے ہیں۔ (احیاء العلوم)

امام ابن تیمیہ ''السیاسۃ الشریعۃ میں لکھتے ہیں۔

''حکومت ایک امانت ہے جس کا کام سیاست عدل کو برقرار رکھنا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ سیاست کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اسلام کے نظام اجتماعی کا تعلق سیاست سے ہے اور سیاست کی اساس معتدل واجبات پر ہے انبیاءعلیہم السلام کی جدوجہد کا مدار بھی درحقیقت دو چیزوں پر ہے صحیح انسانی تہذیب اور انسانی سیاست۔

مذکورہ تعریفات سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ سیاست کا کام احکام الٰہی کا نفاذ ہے۔ انہی احکام میں انسان کی بھلائی مضمر ہے۔ قرآن مجید نے اس سیاست کو خلافت کا نام دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی سیاست (خلافت) کو قائم کیا ہے۔ جس کا مختصر سا نقشہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

حکومت الٰہی کا وعدہ

ارشاد الٰہی ہے:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (نور ۲۴:۵۵)

''اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جیسا انھیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے اور وہ ان کے لیے ان کے دین کو جو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے۔ مضبوطی سے قائم کردے گا اور وہ ان کے لیے ان کے خوف کے بعد بدل کر امن (کی حالت) کردے گا۔

حکومت الٰہیہ کے نام

حکومت الٰہیہ کے تین نام ہیں۔ خلافت' امامت اور امارت۔

اسلامی ریاست کی خصوصیات (سیاست کے اصول)

ا۔ حاکمیت اللہ کی ہے

ارشاد الٰہی ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف ۱۲:۴۰) ''حکم صرف اللہ کا ہے۔''

۲۔ رسول کریمؐ کی اطاعت

ارشاد الٰہی ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء۴:۸۰) ''جو رسول کی تابعداری کرے تو اس نے اللہ کی تابعداری کی۔''

۳۔ حکومت وراثت نہیں ہے

ارشاد الٰہی ہے: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور۲۴:۵۵) ''اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین پر خلیفہ بنائے گا جیسا کہ انھیں خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے۔''

اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ تمام مسلمان بحیثیت مجموعی حامل خلافت ہوتے ہیں۔ اس پر جمہوریت کی بنیاد پر رکھی گئی ہے۔

۴۔ حکمران کا انتخاب

حکمران کسی خاص خاندان کا فرد نہیں ہوسکتا بلکہ مسلمان رائے عامہ جسے بہترین آدمی اس کام کے لیے سمجھے اس کا انتخاب کرے۔ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ سیاہ فام حبشی بھی مسلمانوں کا امیر یا امام ہوسکتا ہے اگر رائے عامہ اس کا انتخاب کرے۔ تو اس کی اطاعت بھی ایسی ضروری ہے جیسے کسی دوسرے امیر کی۔ (بخاری ۱۰:۵۴)

ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (النساء۴:۵۸) ''بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے۔ امانتیں (امور حکومت) اس کے اہل (امور حکومت کے اہل) کے سپرد کرو۔''

یہ آیت واضح طور پر امیر کے انتخاب پر دلالت کرتی ہے۔ مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ رائے عامہ سے اپنے میں سے بہترین آدمی بطور حکمران چنو۔

۵۔ ہر حاکم خدا کے سامنے جواب دہ ہے

حکومت کے قیام میں یہ لازمی ہے کہ جو حکمران منتخب ہو وہ اپنے ہر عمل کا خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ حضرت داؤد کا ذکر کر کے مسلمانوں کو بتایا۔ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ص۳۸:۲۶) ''اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں حاکم بنایا ہے سو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور خواہشات کی پیروی نہ کر۔ کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی متبعین کو یہ بھی بتایا کہ حکومت کا کام کسی کے سپرد ہونے پر اس کی ذمہ داری اللہ کے نزدیک کس قدر بڑھ جاتی ہے۔ فرمایا ''جس آدمی کو اللہ دوسروں پر حکومت کرنے کا موقعہ دے اگر وہ ان کی خیر خواہی میں اپنے آپ کو نہیں لگا دیتا۔ تو بہشت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔ (بخاری ۹۲:۸)

جب آپ نے یمن کے انتظام کے لیے دو گورنر بھیجے تو آپ کی آخری نصیحت ان کو یہ تھی ''لوگوں سے نرمی کرنا اور ان پر سختی نہ کرنا اور انھیں خوشخبری پہنچانا اور انھیں متنفر نہ کرنا۔'' (بخاری ۶۴:۶۲)

۶۔ شوریٰ

حکومت کے امور باہمی مشورہ سے طے پائیں گے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ:۳۸) ''مسلمانوں کا کام (امور حکومت میں) آپس میں شوریٰ کرنا ہے'' حضور نے فرمایا: مَاشَاوَرَقَوْمٌ اِلَّا هَدَوْا (طبرانی) ''جس قوم نے باہمی مشورہ کیا اس قوم نے فلاح پائی۔''

۷۔ صالح حکمران

رئیس مملکت اور حکام وہ لوگ ہوں جو اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہوں۔ ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا (النساء۴:۵۸) ''اللہ حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کر دو۔''

۸۔ حریت (آزادی)

اسلامی احکام کی رو سے آزادی ہر شخص کا حق ہے۔ ہر شخص اپنے معاملات اور شخصی حالات میں آزاد ہے۔ نیز ان تمام امور میں بھی اسے آزادی حاصل ہے۔ جو اس کی ذات سے تعلق رکھتے ہوں۔ غرض کہ وہ اپنے نفس' اپنی رائے اپنی آبرو اپنی ملک اپنے مقام' اپنے تمام حقوق اور اپنے اعتقاد میں بالکل آزاد ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ آزادی کسی دوسرے کی آزادی اور حقوق پر اثر انداز نہ ہوتی ہو' ارشاد الٰہی ہے: وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ''وہ انسانوں کی گردنوں کو ہر قسم کی غلامی کے طوق اور پھندے سے نجات دیتا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں باریک سے باریک قسم کی غلامی سے آزادی کا اعلان کیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اِنَّ مِنْ شَرَارِ النَّاسِ الَّذِيْنَ يَبِيْعُوْنَ النَّاسَ (بخاری بحوالہ کنوز الحقائق) ''بہت برے لوگ وہ ہیں جو انسانوں کو فروخت کرتے ہیں۔''

۹۔ عدل

ریاستوں کے استحکام اور معاشرہ کو بگاڑ اور فساد سے بچانے کے لیے عدل بہت ضروری ہے۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدل کو دستور کی ایک اہم بنیاد قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَوِالْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ (النساء: ۱۳۵) ''اے وہ جو ایمان رکھتے ہو۔ انصاف پر قائم رہو۔ اللہ کو حاضر و ناظر جان سچی سچی گواہی دو۔ اگرچہ کہ اس کے نتیجہ کے طور پر اس کا نقصان تمہاری ذات کو کیوں نہ پہنچے یا تمہارے والدین یا اقرباء کو کیوں نہ پہنچے۔''

۱۰۔ امن و دفع شر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں امن وسلامتی کا پیغام لے کر آئے تھے اور دنیا میں امن قائم کرنا ان کا کام تھا۔ یہ پیغام اسلام کے نام کے اندر مضمر ہے۔ اسلام کے لغوی معنی صلح کے اندر داخل ہونا ہیں۔ مسلم وہ ہے جو خدا اور اس کے بندوں سے صلح کرے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً (البقرہ۲:۲۰۸) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ تم سارے کے سارے سلامتی کے دائرہ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔''

دوسری جگہ آتا ہے: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال ۸:۶۱) ''اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو بھی جھک جا۔''

۱۱۔ رواداری

اسلام مذہبی اور سیاسی رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔ یہی تعلیم امن عالم کی ضامن ہے۔ اسلام دوسرے مذاہب کے متعلق یہ تعلیم دیتا ہے کہ تمام آسمانی کتب اور نبی سچے ہیں اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے قبل یہ ضروری ہوتا ہے۔ وہ کتب سماوی اور جملہ انبیاء پر ایمان لائے۔

ارشاد الٰہی ہے: وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (البقرہ ۲:۴) ”جو ایمان لائے ہیں اس پر جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلا اتارا گیا۔“

دوسری جگہ آتا ہے: کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ (البقرہ ۲:۲۸۵) ”سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔“ سیاسی رواداری کے متعلق ارشاد الٰہی ہے: ”اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دو۔“ (التوبتہ ۹:۶) دوسری جگہ آتا ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ: ۲) ”اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم پر ہرگز کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو۔“

ایک اور جگہ آتا ہے: وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ (القصص: ۷۷) ”اور لوگوں سے بھلائی کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے۔ (بھلائی اور رواداری کے دروازے کھول دے) اور زمین میں فساد کا خواہش مند نہ بن۔ اللہ تعالیٰ مفسدوں کو ناپسند کرتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عصر کے وقت نجران کا وفد آیا آپ نے اس کو مسجد میں جگہ دی اور ان کی نماز کا وقت آیا تو مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے لوگوں نے ان کو منع کرنا چاہا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو روک دیا پھر وہ مشرق کی طرف منہ کر کے عبادت کرنے لگے۔ (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد)

۱۳۔ مساوات

اسلامی سیاست کی اہم خصوصیت مساوات ہے۔ اسلام نے تمام بنی آدم کو ایک ہی اصل کی مختلف شاخیں قرار دی ہیں اور پیدائشی طور پر کسی کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً (النساء ۴:۱) ”اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔“

حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا ”لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر تقویٰ کے سبب سے۔“

۱۴۔ جان و مال و آبرو کی حرمت و حفاظت

انسانی معاشرہ میں اس وقت فساد برپا ہوتا ہے۔ جب جان و مال اور آبرو کی حرمت اٹھ جاتی ہے اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے جان مال اور آبرو کی عدم حرمت ہی قوموں اور سلطنتوں کے زوال کا باعث بنی ہے۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کو اپنی سیاست کا کونے کا پتھر قرار دیا۔

الف۔ جان کی حفاظت

ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ (بنی اسرائیل: ۳۳) ”اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا مگر حق کے ساتھ۔“

ب۔ مال کی حفاظت

ارشاد الٰہی ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ (النساء ۴:۲۹) ”اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ۔“

ج۔ آبرو کی حفاظت

اسلام نے نسل انسانی کو عظمت اور شرف کے بلند مینار پر کھڑا کیا ہے۔ اسلام کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی کی آبرو کو تار تار کرے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل:۷۰) ''ہم نے بنی آدم کو واجب التکریم بنایا ہے۔'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اِنَّ دِمَاءَ کُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا (بخاری کتاب الحج) ''تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں۔ جیسے آج کے دن کی حرمت ہے۔ (یعنی حج کے دن کی)''

۱۵۔ قانون کی حکومت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قانون کی بالا دستی کو اپنی سیاست کا کونے کا پتھر قرار دیا ہے اور آپ بھی اس قانون کے تابع تھے۔ جس کے تابع عوام تھے۔ معاشرہ کے تمام لوگوں پر قانون یکساں طور پر لاگو تھا۔ ارشاد الٰہی ہے: وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ:۴۴) ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں۔ تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔''

دوسری جگہ آتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ (المجادلہ ۵۸:۲۰) ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں۔ وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔''

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے: فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ (المائدہ ۵:۴۸) ''پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کرو اور اس قانون حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آچکا ہے۔ لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔'' ارشاد الٰہی ہے: اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (یونس ۱۰:۱۵) ''میں اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف اتارا گیا۔''

۱۶۔ عہد و پیمان کا احترام

دنیا کا امن عہد و پیمان کے احترام پر قائم ہے۔ اگر معاہدات کا پاس کیا نہ جائے تو دنیا سے امن اٹھ جاتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل ۱۷:۳۴) ''عہد پورا کرو یقیناً عہد کے متعلق پوچھا جائے گا۔''

دوسری جگہ آتا ہے: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (المومنون ۲۳:۸) ''مومن وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور عہدوں کے محافظ ہیں۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ ''جسے وعدے کا پاس نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔''

۱۷۔ نیکی پر تعاون

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعبہ سیاست میں ایک زریں اصول یہ دیا ہے کہ صرف نیکی پر ایک دوسرے سے تعاون کیا گیا ہے۔ گناہ اور زیادتی کی سیاست کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی اسی اصول پر کارفرما رہی۔ اپنوں اور بیگانوں کو نیکی پر تعاون کی تعلیم دی۔ فرمایا: تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ ۵:۲) ''نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔''

۱۸۔ حق ملکیت

اسلام حق ملکیت کو اس حد تک جائز قرار دیتا ہے۔ جو معاشرہ کے لیے بگاڑ کا ذریعہ نہ بن سکے۔ اسی وجہ سے اسلام نے جہاں اکتناز کو برا کہا ہے۔ وہاں انسانی محنت کو بھی پسندیدہ قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم ۵۳:۳۹) ''انسان (کسب معاش کے لیے) جو بھی جدوجہد کرتا ہے۔ اس کا پھل پانے کا مستحق ہے۔''

دوسری جگہ آتا ہے: كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (الطور ۵۲:۲۱) ''ہر آدمی اپنے کیے کا ثمرہ پانے کا حق دار ہے۔''

۱۹۔ ذمیوں کے حقوق کا تحفظ

اسلام نے غیر مسلم شہریوں کو بہت زیادہ حقوق دیئے ہیں۔ ان کی جان' مال اور عزت ویسے ہی باعث حرمت تھی جیسے ایک مسلم کی۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا۔

''خبردار! جو شخص کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کرے گا۔ یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے گا۔ اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر وصول کرے گا۔ اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث ہوں گا۔

رئیس مملکت کے اوصاف

۱۔ علم ۔۲۔ حواس و اعضاء کی سلامتی ۔۳۔ عدالت ۔۴۔ کفایت ۔۵۔ امین ۔

قرآن مجید میں آتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ. (بقرہ ۲:۲۴۷) ''یقیناً اللہ نے اسے تمھارے مقابلہ میں اس کو برگزیدہ کیا ہے۔ اسے علم اور جسم میں کشادگی دی ہے۔''

دوسری جگہ آتا ہے: وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (ص ۳۸:۲۰) اور داؤد کی بادشاہی کو ہم نے مضبوط کیا اور اسے حکمت اور فیصلہ کن بات کرنے کی صلاحیت دی۔

یہ آیات رئیس مملکت کے لیے علم حواس اور اعضاء کی سلامتی ضروری قرار دیتی ہے۔

۱۔ علم

علم سے مراد صرف معمولی لکھنا پڑھنا نہیں ہے بلکہ وہ علم مراد ہے جس سے انسان کے اندر مسائل کے استنباط کرنے کی قوت اور ژرف نگاہی پیدا ہوتی ہے۔

۲۔ حواس اور اعضاء کی سلامتی

اس وجہ سے ضروری ہے کہ نقص سے ایک تو کارکردگی پر اثر پڑتا ہے دوم دل میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ جس سے بغاوت کے جذبات آتے ہیں۔

۳۔ عدالت سے مراد یہ ہے

کہ رئیس مملکت اعتقاد اور عمل دونوں اعتبار سے صحیح ہو۔ قرآن مجید میں آتا ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات ۱۳) ''یقیناً تم میں سے اللہ کے نزدیک مکرم وہ ہے جو زیادہ نیک اور متقی ہو۔''

۴۔ کفایت

سے مراد سیاست حاضرہ اور زمانہ کے تقاضوں کو اچھی طرح جانتا ہو اگر رئیس مملکت میں یہ وصف نہیں ہوگا تو وہ دین اور مملکت کی خدمت کا فریضہ احسن طور پر انجام نہیں دے سکے گا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (ص ۳۸:۲۰) یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کو حکمت اور فیصلہ کن بات کرنے کی صلاحیت دی۔

۵۔ امین رئیس

رئیس مملکت کا امین ہونا نہایت ضروری ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ (یوسف ۱۲:۵۵) یوسف نے کہا مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کیجیے۔ میں حفاظت کرنے والا اور باخبر ہوں۔

اسلامی ریاست کے فرائض (بنیادی حقوق کی حفاظت)

انسانی حقوق کی تعریف

لفظ حق بہت وسیع المعنی ہے۔ فرض کے تابع ہے۔ سالمنڈ (Salmond) کے نزدیک ان مفادات کے مجموعے کا نام ہے جس کو ریاست تسلیم کرتی ہو اور ان کے تحفظ کی ذمہ داری لیتی بھی ہو۔ اگر کسی کا قانونی حق پامال ہو۔ تو اس کے مرتکب افراد کے خلاف چارہ جوئی بھی کرتی ہے۔

موجودہ دور کی انسانی حقوق کی تحریکیں

دور حاضرہ میں مختلف ممالک میں انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے تحریکیں اٹھی ہیں۔ اور انسانی حقوق کی فہرست مرتب کی گئی اور ان کے تحفظ کے لیے اقدام کیے گئے۔ چنانچہ ۱۲۱۵ء میں انگلینڈ کے شہنشاہ جان نے ایک دستور جاری کیا۔ جس کا نام میگنا کارٹا ہے۔ جس کا مقصد صرف وہاں کے امراء کی بغاوت کو فرو کرنا تھا۔ اس میں عام انسانوں کے حقوق کی کوئی خاص واضح اور ٹھوس تجویز یا سفارش نہیں تھی۔ اس کی کل تریسٹھ دفعات ہیں۔ بہر حال منشور میں ایک حد تک انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی گئی۔

امریکہ کا اعلان ورجینیا

۱۸۷۶ء میں اس اعلان کے ذریعے یہ کہا گیا کہ تمام انسان مساوی درجہ لے کر پیدا ہوئے۔ انھیں زندہ رہنے کا حق ہے۔ دیگر حقوق میں قانونی تحفظ جائیداد رکھنے کا حق معقول اجرت کا حق تعلیم تحریر وتقریر اور اظہار رائے کا حق انجمن سازی، سیاسی آزادی اور حصول مسرت کے اہم حقوق شامل ہیں۔

انسانی حقوق کا فرانسیسی اعلان

۱۸۸۹ء میں انسانی حقوق کا اعلان فرانس میں ہوا۔ اس کی بین الاقوامی کوئی اہمیت نہیں صرف انقلاب فرانس کے مقاصد کا مظہر تھا۔

اقوام متحدہ اور انسانی حقوق

اقوام متحدہ نے ۱۹۴۸ء میں تیس نکات پر مبنی انسانی حقوق کا عالمی منشور جاری کیا۔ اس میں اقتصادی، معاشرتی، ثقافتی، دیوانی، سیاسی اور قانونی حقوق کی علیحدہ علیحدہ جو دستاویزات منظور ہوئیں شامل ہیں۔ اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق اس ادارہ کا فرض ہے کہ وہ بنیادی حقوق کی پاسداری کروائے اور عمل کرائے تاکہ انسانی وقار دنیا میں بحال ہو سکے۔

اگر ان تحریکات کے منشوروں کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ اسلامی منشور کا مطالعہ کریں۔ تو ہر قاری پر واضح ہو جائے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل جس بلندی پر انسانی حقوق کا اعلان کیا تھا۔ اس دور کی تحریکوں کے منشور ابھی بہت پیچھے ہیں۔ اسلامی منشور کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو منشور پیش کیا۔ اس پر خود عمل کیا اور عمل کرایا۔ مثلاً اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق مساوات کا اعلان کرتے ہیں۔ تو حضرت بلال حضرت سلمان حضرت صہیب رومی حضرت خباب بن الارت اور عمار بن یاسر کا مقام اسلامی ریاست مدینہ اور اسلامی معاشرہ میں کسی رئیس مہاجر اور کسی رئیس انصاری سے کم نہیں۔ اسلام نے غلاموں کو بھی وہی حقوق دیے ہیں جو ایک معزز خاندان کے آزاد فرد کو حاصل تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مسلمانوں میں باہمی مواخات کرائی تو زید بن حارثہ (آزاد کردہ غلام) کو حضورؐ نے اپنے عزیز چچا حضرت امیر حمزہ کا بھائی بنا دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات سے قبل روم کی سرحدوں کے دفاع کے لیے ایک لشکر تیار کیا۔ اس کا قائد اسامہ کو مقرر کیا۔ اس لشکر میں قریش کے بڑے بڑے رئیس شامل تھے۔

غرض کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس انسانی حقوق کی تعلیم دی۔ ان پر عمل کیا اور عمل کرایا۔

دوم ان تحریکات کے منشوروں کا ماخذ اسلامی منشور ہے۔ جس کا نفاذ آج سے چودہ سو سال قبل ہو چکا ہے۔

بنیادی حقوق

ا۔ تحفظ جان

ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے زندگی بخشی ہے اور وہی ذات اس سلسلہ حیات کو منقطع کرنے کا حق دار ہے۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کی جان لے۔ اگر کوئی شخص کسی کی جان ماورائے تعلیم اسلام لیتا ہے۔ تو وہ زمین میں فساد کو پھیلاتا ہے۔ اس لیے حکومت کا یہ فرض ہے کہ رعایا کے ہر فرد کی جان کی حفاظت کرے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ (بنی اسرائیل ۱۷:۳۳) ''اور اس جان کو قتل نہ کرو۔ جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ مگر حق کے ساتھ۔''

دوسری جگہ آتا ہے: مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا (المائدہ ۵:۳۲) ''جو کوئی کسی جان کو بغیر جان کے بدلہ کے یا زمین میں فساد کے مار ڈالے تو گویا اس نے سب لوگوں کو مار ڈالا اور جو کوئی اس کو زندہ رکھے تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ رکھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِنَّ دِمَآءَ کُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا (بخاری کتاب الحج) ''تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں۔ جیسے آج کے دن کی حرمت ہے۔ (یعنی حج کے دن کی)

غیر مسلم کا خون

اسلامی قانون کی نگاہ میں مسلمان اور ذمی مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ''جس نے کسی ذمی کو قتل کیا۔ اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے۔ ''ان کا (ذمی کا) خون بھی ہمارے خون سا ہے۔''

۲۔ عزت و آبرو کا تحفظ

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قابل تحریم و تکریم پیدا کیا ہے اسی تکریم کی وجہ سے وہ اشرف المخلوقات ہے۔ لہٰذا اسلام نے حرمت جان کے ساتھ حرمت ابرو کا بھی حکم دیا سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تکریم کے سلسلہ میں فرمایا ا۔ کسی کا مذاق نہ اڑایا جائے۔ ۲۔ کسی پر طعن و تشنیع نہ کی جائے۔ ۳۔ کسی کو برے القاب سے نہ پکارا جائے۔ ۴۔ کسی کے متعلق بدگمانی نہ کریں اور غیبت سے بچا جائے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں بے عزتی اور آبرو ریزی کا یوم قیامت شدید احتساب ہوگا۔ اسلام نے عورتوں کی آبرو کے تحفظ پر خصوصاً بہت زور دیا ہے اور ان کی آبرو پر بھٹہ لگانے کو مورد سزا ٹھہرایا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَلِیْمٌ (النور ۲۴:۲۳) ''جو لوگ پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر بہتان باندھتے ہیں۔ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجتہ الوداع کے موقع پر جہاں جان کی حفاظت کا ذکر کیا ہے۔ وہاں آبرو کی حفاظت کا بھی ذکر کیا۔ گویا جتنی جان کی حفاظت ضروری ہے۔ اتنی ہی آبرو کی حفاظت لازمی ہے۔

۳۔ مال کی حفاظت

انسان کو اپنی جان اور آبرو کے علاوہ مال سے بہت محبت ہوتی ہے۔ اس لیے اسلام نے مال کی حفاظت کی بھی ضمانت دی ہے: لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ (بقرہ ۲:۱۸۸) ''آپس میں دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ۔''

اس آیت کریمہ میں ناجائز طریقے سے مال کمانے کی تمام صورتوں کو باطل قرار دے دیا ہے۔ ناجائز دولت کمانے کے چند طریقے یہ ہیں۔

ا۔ سود

ارشاد الٰہی ہے: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو. (البقرہ ۲:۲۷۵) ''اور اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا ہے اور سودی کاروبار کو حرام کر دیا ہے۔''

دوسری جگہ آتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (آل عمران ۳:۲۹) ''اے ایمان والوں تم سود نہ کھاؤ بڑھا چڑھا کر۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ سود کھانے پر کھلانے والے پر گواہوں پر اور اس کے کاتب پر سب ہی پر لعنت فرمائی۔ (مسلم۔ ابی داؤد۔ ترمذی)

ب۔ اتلاف مال

تاجر رسد کو گھٹانے کی خاطر استعمال میں آنے والی اشیاء کو تلف کر دیتے ہیں کہ جب منڈی میں اشیاء کی قلت ہوگی۔ تو نفع کی شرح بڑھے جائے گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسلام نے تمھارے لیے منع فرمایا ہے۔ قیل وقال، مال ضائع کرنا اور کثرت سے سوال کرنا۔

احتکار

خودغرض تاجر قیمتوں کو بڑھانے اور من مانا نفع کمانے کے لیے منڈی سے تمام مال اٹھا کر اپنے گوداموں میں ذخیرہ کر لیتے ہیں۔ اس طرح مال کی مصنوعی قلت پیدا کر کے ناجائز نفع حاصل کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَلْجَالِبُ مرزوق وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ (ابن ماجہ) ''جالب ''یعنی باہر سے مال لانے والا) خوش نصیب ہے اور احتکار کرنے والا ملعون ہے۔''

ج۔ تخیس اشیاء

بعض اوقات کاروباری نفع زیادہ کمانے کی خاطر مصنوعات کا معیار گرا دیتے ہیں۔ کبھی کم درجہ کا خام مواد استعمال کر کے اور کبھی مقدار کم کر کے اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ''اور لوگوں کو ان کی اشیاء کم مت دو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو۔''

تخیس کے وسیع اور جامع مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ خریداروں سے قیمت تو پوری وصول کی جائے اس کے بدلے میں چیز وہ دی جائے جس کے معیار یا مقدار میں کمی کر دی جائے۔

د۔ اجارہ داری

بعض اوقات زیادہ نفع کمانے کی خاطر سرمایہ دار حضرات مل کر منڈی سے کسی ایک چیز کو خرید لیتے ہیں اور وہ چیز مخصوص ہاتھوں میں محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ اپنی مرضی سے وہ چیز گراں سے گراں تر کر کے فروخت کرتے ہیں۔

۴۔ حق خلوت

ارشاد الٰہی ہے: لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا (النور ۲۴:۲۷) ''اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں مت داخل ہو۔ جب تک ان سے اجازت حاصل نہ کر لو۔''

۵۔ اختلاف رائے کے اظہار کا حق

ارشاد الٰہی ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ

وَالرَّسُوْلِ (النساء۴:۵۹) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے صاحبان امر (حاکم) کی اطاعت کرو۔ پھر اگر کسی چیز میں باہم جھگڑا کرو۔ تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ۔'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امور سلطنت کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ جنگ احد میں صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے سے اختلاف بھی کیا۔ تاریخ اسلام سے یہ بات واضح ہے کہ صحابہ مشورہ کے وقت اپنی رائے کھل کر دیتے تھے۔

۶۔ مذہب اور عقیدہ کا حق

ارشاد الٰہی ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ۲:۲۵۶) ''دین میں کوئی جبر نہیں۔''

دوسری جگہ آتا ہے: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (یونس ۱۰:۹۹) ''اور اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں جس قدر لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ مومنین بن جائیں۔''

ارشاد الٰہی ہے: لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ''تمہارا اپنا دین ہے اور میرا اپنا دین ہے۔'' ایک اور جگہ آتا ہے۔ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (۸۸:۲۲) ''تو ان پر داروغہ نہیں ہے۔'' یہ آیات ظاہر کرتی ہیں۔ ہر شخص کو اپنا مذہب اور عقیدہ رکھنے کا حق ہے۔ کسی پر عقیدہ تبدیل کرنے کے لیے جبر نہیں کیا جا سکتا۔

۷۔ مذہبی رواداری کا حق

اسلام نے دوسرے مذاہب والوں کو گالی دینے سے منع فرمایا۔ ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام ۶:۱۰۸) ''اور ان کو گالی نہ دو جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ زیادتی کر کے بے علمی سے اللہ کو گالی دیں۔''

دوسری جگہ آتا ہے: وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنکبوت ۲۹:۴۶) ''اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریقے سے جو نہایت اچھا ہو۔''

۸۔ ہجرت کا حق

ارشاد الٰہی ہے: اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا (النساء۴:۹۷) ''اللہ کی زمین وسیع ہے۔ تم اس میں ہجرت کر جاؤ۔''

دوسری جگہ آتا ہے: وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر ۳۹:۱۰) ''اور اللہ کی زمین فراخ ہے صابروں کو ان کا اجر ضرور بے حساب ملے گا۔''

۹۔ پناہ لینے کا حق

ارشاد الٰہی ہے: وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ (التوبہ ۹:۶) ''مشرک اگر تم سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دو۔''

۱۰۔ حصول علم کا حق

اسلام ہر شخص کو حصول علم کا حق دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (بقرہ۲:۲۶۹) ''جسے اللہ نے علم و حکمت سے نوازا ہے۔ اسے بڑی دولت حاصل ہو گئی۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ ''علم کا حاصل کرنا ہر مرد اور عورت پر فرض ہے۔''

۱۱۔ آزادی سکونت

ارشاد الٰہی ہے: سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ (العنکبوت ۲۹:۲۰) ''دنیا میں چلو پھرو پھر دیکھو کس طرح اس نے پہلی بار پیدا کیا۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم جہاں چاہو رہو اور ہمارے اور تمھارے درمیان شرط یہ ہے کہ نہ تم خون ریزی کرو اور نہ تم راہ زنی کرو اور نہ کسی پر ظلم کرو۔'' (نیل الاوطار جلد ۷ ص ۱۳۹)

۱۲۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق

ارشاد الٰہی ہے: لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (النساء۴:۱۴۸) ''اللہ بری بات کے مشہور کرنے کو (کسی سے) پسند نہیں کرتا سوائے جس پر ظلم کیا گیا۔'' یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ جس شخص پر ظلم ہو وہ اپنے ظلم کے خلاف احتجاج کر سکتا ہے۔

۱۳۔ حق مساوات

اسلام نے تمام لوگوں کو بحیثیت انسان برابر پیدا کیا ہے۔ کسی کو کسی پر برتری اور فوقیت نہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الحجرات ۴۹:۱۳) ''اے لوگو! ہم نے تمھیں مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو اللہ جاننے والا خبردار ہے۔''

دوسری جگہ آتا ہے: وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا (یونس۱۰: ۱۹) ''اور (ابتداء میں) انسانوں کی ایک ہی امت تھی پھر الگ الگ ہو گئے۔'' ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (النساء۴:۱) ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ جس نے تمیں ایک جان سے پیدا کیا۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ (بیہقی کتاب الایمان) ''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔''

فرمایا: اِنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ اِخْوَةٌ (مسند احمد بن حنبل۔ ابو داود) ''تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: اَيُّهَا النَّاسُ اَلَا اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى (مسند احمد) ''لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے بے شک ہاں عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر اور سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر تقویٰ کے سبب سے۔''

۱۴۔ بنیادی ضروریات کے حصول کا حق

ماہرین عمرانیات نے ایک انسان کے لیے تین بنیادی ضروریات قرار دی ہیں۔ وہ ہیں گھر لباس اور روٹی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس بات کا اظہار کیا تھا۔ فرمایا ''ابن آدم کا بنیادی حق یہ ہے کہ اس کے لیے ایک گھر ہو۔ جس میں وہ رہ سکے۔ کپڑا ہو۔ جس سے وہ اپنے جسم کو ڈھانپ سکے اور کھانے کے لیے روٹی اور پینے کے لیے پانی۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ آ کر جب اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو مہاجرین کی سب سے پہلے انہی ضروریات کو نہایت حکمت عملی اور منصوبہ بندی سے پورا کیا وہ حکمت عملی انصار اور مہاجرین کے درمیان ''عقد مواخات'' تھی۔ عقد مواخات کے تحت انصار نے مہاجرین کی ان ضروریات کو پورا کر دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے مدینہ میں میٹھے پانی کا بھی سرکاری سطح پر انتظام کیا۔ چنانچہ آپ کی خواہش پر

حضرت عثمان نے چار ہزار دینار میں بئر رومہ" خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔

رہائشی مکانات کے لیے قطائع کے علاوہ متعدد قطائع' زرعی مقاصد کے لیے بھی مسلمانوں کو دیے۔ یہ زرعی قطائع' بعض اوقات گھاس' کھجوروں اور باغات پر مشتمل ہوتے تھے۔ قابل کاشت اراضی کے علاوہ عرب زمینیں بھی مسلمانوں کو بطور قطائع عطا فرمائی تھیں تاکہ ان پر کاشت کی جائے اور زراعت کو ترقی دی جائے۔

بعض ایسی زمینیں بھی تقسیم کیں' جن سے حاصل ہونے والی پیداوار کے ایک حصہ سے مستقل یا عارضی طور پر مستفید ہونے کا حق دیا گیا۔ مگر ملکیت کے حقوق نہیں ملتے تھے۔

۱۵۔ آزادی اجتماع کا حق

یہ حق آزادی ضمیر اور اظہار رائے کی آزادی کے حق سے منسلک ہے اس حق سے مراد یہ ہے کہ ہر شہری کو آزادانہ طور پر میل ملاپ اور تنظیمیں بنانے کا حق ہے اگر تنظیمیں بنانے کا حق نہ ہو تو اظہار رائے کا حق بیکار ہے۔ اس لیے اسلام نے آزادی اجتماع کا حق دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (ال عمران ۳:۱۰۴) "چاہیے کہ تم میں سے ایک ایسی جماعت ہو۔ جو بھلائی کی دعوت دے اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں۔

شہریوں کے فرائض یا اسلامی حکومت کے حقوق

اسلامی حکومت میں رعایا پر حکومت کے یہ حقوق ہیں۔

ا۔ سمع و اطاعت

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء۴: ۵۹) "اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہیں۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ "سنو اور اطاعت کرو اگرچہ ایک حبشی حاکم بنایا گیا ہو۔ جس کا سر گویا کشمش کا دانہ ہے۔ (بخاری ۱۰:۵۴)

آپ نے فرمایا: سننا اور فرمانبرداری کرنا ضروری ہے جب تک (اللہ کی) نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے پس جب اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو نہ سننا اور نہ فرمانبرداری کرنا ہے۔ (بخاری ۵۶:۱۰۸)

آپ نے فرمایا: اَلطَّاعَةُ فِى الْمَعْرُوْفِ (بخاری ۶۴:۶۱) فرمانبرداری صرف نیک کاموں میں ہے۔

۲۔ قانون کی پابندی

شہریوں کا فرض ہے کہ وہ قانون کی پابندی کریں۔ قرآن مجید میں آتا ہے: لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (الاعراف ۷:۵۶) "زمین میں فساد نہ کرو اس کی اصلاح ہو جانے کے بعد" ارشاد الٰہی ہے: فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ (المائدہ ۵:۴۸) "پس تم لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے کرو۔ اس قانون حق کو چھوڑ کر جو تمھارے پاس آیا ہے۔ لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو"

۳۔ تعاون

شہریوں کا یہ فرض ہے کہ وہ حکومت کے ساتھ تعاون کریں۔ ارشاد الٰہی ہے: تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (المائدہ ۵:۲) "نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو"

۴۔ مالی قربانی

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (بقرہ۲:۲۱۹) ''وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں کہہ دو جو ان کی ضروریات سے بچ جائے وہ سب خرچ کر دو۔''

ارشاد الٰہی ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَاکَسَبْتُمْ (البقرہ۲:۲۶۷) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو انہی چیزوں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو۔'' اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلم شہری اپنی ضروریات سے زائد دولت کو حکومت کی ترقی اور ضروریات کو پورا کرنے میں خرچ کریں۔

۵۔ جانی قربانی

مَالَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّا قَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ. (توبہ۹:۳۸) ''تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم کو خدا کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے۔تو تم زمین پر جم جاتے ہو۔'' اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب اسلامی حکومت کی طرف سے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے اعلان ہو تو شہری جانی قربانی کے لیے تیار ہو جائیں۔

۶۔ سربراہ مملکت سے خیر خواہی

شہریوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے سربراہ سے ہمدردی اور خیر خواہی رکھیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ (ابو داؤد) ''دین اس چیز کا نام ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ مسلمانوں کے حکام اور عوام کی خیر خواہی اور وفاداری کی جائے۔''

دستور کے ماخذ

زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ زندگی میں نئے نئے مسائل ابھرتے ہیں ان مسائل کو حل کرنے کے لیے اسلام نے ضرورت کے وقت نئے قانون بنانے کی اجازت دی ہے۔ان قوانین کی تشکیل کے لیے بنیادی طور پر چادر ماخذ قرار دیے ہیں۔

قرآن مجید

تمام امت مسلمہ اس امر پر متفق ہے کہ اسلامی قانون کا پہلا ماخذ قرآن مجید ہے۔ قانون سازی کرتے وقت اسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یہی وہ ماخذ ہے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تقریباً ۲۳ تئیس سال تک نازل ہوتا رہا اور لفظی اور معنوی لحاظ سے محفوظ کتاب ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر۱۵:۱۹) ''بے شک ہم نے اس قرآن مجید کو نازل کیا ہم اس کی حفاظت کریں گے۔'' اسلامی حکومت کے دستور کا اولین ماخذ ہونے کا اعلان خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (المائدہ ۵:۴۵) ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی ظالم ہیں۔''

دوسرا ماخذ: سنت اور حدیث

سنت اور حدیث سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ افعال اور اقوال مراد ہیں جو حضورؐ نے اپنی پیغمبرانہ زندگی میں صحابہ کو دین سکھانے کے لیے ادا کیے۔ قرآن مجید نے سنت اور حدیث کو قانون سازی کے لیے ماخذ قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ مَانَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (النساء۴:۸۰) ''یعنی رسول جو کچھ تمھیں دے اس کو لے لو اور جس سے منع کرے اسے سے رک جاؤ۔''

دوسری جگہ آتا ہے: لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ''بے شک رسول اللہ کی ذات میں تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''کہ قرآن اور حدیث اسلامی قانون کا مستقل ماخذ ہے بخاری میں روایت ہے۔ اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّتِیْ ''یعنی میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔'' جب تک تم انھیں تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔

تیسرا ماخذ: اجماع

اسلامی اصطلاح میں امت کے اہل حل وعقد کا کسی معاملہ پر اتفاق اور اتحاد کر لینے کا نام اجماع ہے۔

اجماع کے واجب ہونے کے دلائل: ا۔قرآن مجید کی رو سے

قرآن مجید میں آتا ہے: وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا (النساء۴:۱۱۵) ''اور جو شخص اللہ کے رسول کی مخالفت کرے گا۔ جب کہ ہدایت ظاہر ہو گئی ہے اور مومنوں کی راہ ترک کر کے دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو ہم اس کا رخ ادھر پھیر دیں گے جدھر وہ چلے اور اسے جہنم میں ڈالیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے مومنوں کے راستہ کے علاوہ دوسرا راستہ گمراہی اور ضلالت ہے۔ جو تباہی کا موجب ہے۔ یہاں مومنین کا راستہ سے مراد ہی اجماع ہے۔ مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے مومنوں کے راستے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ اختیار کریں۔

۲۔ حدیث کی رو سے

اِنَّ اللّٰہَ لَایَجْمَعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ (ترمذی ابواب الفتن) ''یعنی میری امت غلط بات پر اور گمراہی پر جمع ہو گی۔'' دوسری ترمذی کی حدیث ہے: یَدُ اللّٰہِ مَعَ الْجَمَاعَۃِ ''یعنی جماعت کے ساتھ اللہ کی تائید اور نصرت ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''میری امت کے صلحاء کو اکٹھا کرو اور کسی معاملہ کا فیصلہ ان کے مشورہ سے کرو۔ اور اکیلے آدمی کی رائے سے فیصلہ نہ کرو۔''

۳۔عمل صحابہ کی رو سے

تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ خلفائے راشدین کسی مسئلہ کا فیصلہ کرنے کے لیے اکابر صحابہ کو بلاتے اور ان سے مشورہ لیتے پھر طے شدہ فیصلہ پر عمل کرتے طے شدہ فیصلہ اجماعی فیصلہ تصور کیا جاتا تھا ابن مسعود کا قول ہے مَارَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا ھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ ''جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھی ہے۔''

چوتھا ماخذ: قیاس

قیاس کے لغوی معنی ناپنا کسی چیز سے مقابلہ کر کے موازنہ کرنا ہے لیکن فقہ کی اصطلاح میں دو مسئلوں میں اتحاد علت کی وجہ سے ایک کا حکم دوسرے پر لگا دینے کا نام ہے۔

وضاحت

قیاس کی تعریف کی وضاحت یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام کا دار و مدار مخصوص اغراض و مصالح پر ہے وہی اغراض اور مصالح ان احکام کی علت ہیں۔ جب ایک حکم کی علت دوسرے حکم میں پائی جائے تو پہلے کا حکم دوسرے پر لگا دیا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں شراب حرام ہے حرمت کی وجہ نشہ ہے اب جو بھی نشہ آور اشیاء ہوں گی ان سب پر شراب کا حکم صادر کر کے حرام قرار دیا جائے گا۔

قیاس کے لیے دلائل: از روئے قرآن مجید

ارشاد الٰہی ہے: وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُھَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ (عنکبوت ۲۹:۴۳) ''ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انھیں صرف علم والے ہی جانتے ہیں۔

از روئے حدیث

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اَنَا اَقْضِیْ بَیْنَکُمْ بِالرَّاْیِ فِیْمَا لَمْ یُنْزَلْ فِیْہِ وَحْیٌ جن امور کے متعلق وحی نازل نہیں ہوتی۔ ان کا فیصلہ میں اپنی رائے سے کرتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن مسعود نے فرمایا۔ اَقْضِ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ اِذَا وَجَدْتَھُمَافَاِذَا لَمْ تَجِدْ مِنْکُمْ فِیْھِمَا اِجْتَھِدْ رَاْیَکَ ''یعنی جب تم قرآن اور سنت میں کوئی حکم پاؤ تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور قرآن اور سنت میں حکم نہ پاؤ تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔

حضرت معاذ بن جبلؓ والی حدیث مشہور ہے کہ جب ان کو یمن کا قاضی مقرر کیا گیا تو ان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ تو حضرت معاذ بن جبل نے جواب دیا قرآن مجید کی د سے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا کہ اگر قرآن مجید میں وہ حکم نہ پاؤ؟ تو انھوں نے جواب دیا اس وقت سنت کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا اگر سنت میں حکم نہ پاؤ تو حضرت معاذ نے جواب دیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اس جواب کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت پسند فرمایا اور اجازت دی۔'' (روی ابو داؤد و ترمذی عن معاذ بن جبل)

عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپ کے پاس دو شخص آئے۔ آپ نے فرمایا تم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر مرے ماں باپ فدا ہوں آپ کے سامنے میں یہ جرأت نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا تم فیصلہ کرو میں نے عرض کیا کیسے کروں آپ نے فرمایا۔ اجتہاد کرو۔ اگر تم صائب الرائے رہے تو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر خطا کیا تو ایک نیکی (کنز العمال ج ۳ ص ۱۷۳ نمبر ۲۶۱۸)

از روئے اقوال صحابہ

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا ہے۔ اَعْرِفِ الْاَمْثَالَ وَالْاَشْبَاہَ وَقِسِ الْاُمُوْرَ عِنْدَکَ (منہاج الاصول الکتاب الرابع فی القیاس) ''یعنی امثال اور نظائر کو پہچانو اور سمجھو پھر مسائل کو ان پر قیاس کرو۔''

حضرت عمرؓ نے جد (دادا) کے بارے میں ایک موقع پر فرمایا ''اَقْضِیْ فِیْہِ بِرَاْیِیْ'' یعنی رائے سے اس کے بارے میں فیصلہ کرتا ہوں۔ (منہاج الاصول الکتاب الرابع فی القیاس)

صیغہ جات

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ مدینہ کی فلاحی ریاست کے سربراہ اور منتظم بنے۔ اس ریاست کے مختلف شعبوں کو از سرِ نو منظم کیا۔ تاریخ و سیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نظم و نسق کے حسب ذیل صیغے قائم کیے جن کی تشکیل و تنظیم کے طریقہ ہائے کار کو دیکھ کر آپ کے ایک اعلیٰ منتظم مدبر ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

ا۔ صیغہ خاص

اس صیغہ کو پرسنل ڈیپارٹمنٹ کا نام دیا جاتا ہے' جس میں آپ کی ذاتی اشیاء کی نگرانی' آپ کے اسفار کا انتظام' سواری کا بندوبست' راز داری اور خفیہ خبروں کو پہنچانے کا انتظام' پرسنل سیکرٹری' سرکاری مہر کی حفاظت و نگرانی' حجابت (آپ کے اجلاس میں لوگوں کو پیش کرنا) ذاتی مراسلت' اخراجات کی دیکھ بھال کا شانہ رسالت کی نگرانی' ذاتی حفاظت' کسی حکم کی منادی وغیرہ کے فرائض داخل تھے۔ ان فرائض کی انجام دہی کے لیے متعدد افراد آپ کے عملہ خاص میں شامل تھے۔ مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ عتبہ بن عامرؓ عثمان بن عفانؓ حذیفہ بن الیمانؓ زبیر بن العوام اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

۲۔ صیغہ توقیعات وفرامین

اس صیغہ کے ذمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں پیش ہونے والے مقدمات و معاملات کے فیصلوں کا لکھنا ہر قسم کی دستاویزات و وثیقہ جات اور شرائط معاملات کی کتابت کا کام تھا۔

۳۔ صیغہ احتساب

یہ صیغہ عام اخلاق کی نگرانی اور تجارتی بدعنوانیوں کے انسداد کا ذمہ دار تھا۔ ریاست کے اندر کسی قسم کی زیادتی کسی قسم کی بداخلاقی، تجارتی بدعنوانی، ناپ تول میں کمی، چور بازاری، رشوت خوری اور مناسب نرخوں پر اشیاء کی عدم فراہمی جیسے مکروہ افعال کی بازگشت آپؐ کے عہد میں کہیں نظر نہیں آتی۔

۴۔ صیغہ جات امور داخلہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں آنے والے وفود کے استقبال، امن و امان، ملکی حالات و واقعات سے آگاہی کے لیے مخبری کا انتظام دار الحرب میں رہنے والے ملت اسلامیہ کے حالات سے آگاہی، مجرموں کی سرکوبی اور قیدیوں کی نگرانی وغیرہ امور کی انجام دہی اس شعبہ کے ذمہ تھی۔ اس شعبہ کے افسران میں حضرت بلال، حضرت ابوبکر اور قیس بن سعدؓ کے نام بڑے ممتاز ہیں۔

۵۔ صیغہ تعلقات خارجہ

بیرون عرب کی تمام چھوٹی بڑی طاقتوں، معاصر حکمرانوں اور امراء و روساء سے تعلقات کی استواری کے لیے اس شعبہ کو قائم کیا گیا، اس شعبہ میں مختلف زبانوں کے ماہرین کا تقرر کیا گیا، جو ترجمانی وخط و کتابت کے فرائض سرانجام دیتے۔ ان اصحاب میں حضرت عبداللہ بن ارقم اور زید بن ثابتؓ مشہور تھے۔ اس شعبہ کے فرائض میں سفراء کا تقرر بھی شامل تھا، مختلف ممالک کے ساتھ مختلف معاہدے اس شعبہ کی کارکردگی کا بہت بڑا ثبوت ہیں۔ معاہدہ حدیبیہ، معاہدہ ثقیف، معاہدہ قضا اور معاہدہ نجران اس کی اہم مثالیں ہیں۔

۶۔ صیغہ مالیات

شعبہ مالیات کسی حکومت کا ایک اہم ترین شعبہ ہے۔ اس شعبہ پر ملک کی ترقی کا انحصار ہے۔ جتنا یہ شعبہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہوگا، اتنا ہی ملک میں معاشی استحکام ہوگا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد حکومت میں اس صیغہ کے تحت مختلف مالیاتی شعبوں کو قائم کیا گیا، ان پر ذمہ دار اصحاب کا تقرر فرمایا۔ آمدنی کے مشہور شعبے یہ تھے: ''شعبہ خمس، شعبہ غنائم، شعبہ جزیہ، شعبہ اعشار، شعبہ خراج۔''

۷۔ صیغہ عسکری

جنگ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری سے قبل وحشت و بربریت کی ایک بھیانک شکل تھی۔ نہ اس کے لیے اخلاقی حدود، نہ قانونی ضابطے، ظلم و بربریت کو بہادری سمجھا جاتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرانے عسکری نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا، ایسے اصول وضوابط کی تعلیم دی جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ آپ نے مظلوموں کے دفاع اور ظلم وستم کی بیخ کنی کے لیے میدان جنگ میں قدم رکھا۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں اور گوشہ نشینوں پر ہاتھ نہ اٹھانے کی تعلیم دی۔ جنگ کے اندر اخلاقی اقدار کو رواج دیا۔ محاربین (دونوں اطراف کے جنگجوؤں کے حقوق وفرائض بنائے) مقاتلین اور غیر مقاتلین، مفتوح اور اسیران جنگ کے حقوق معین کیے۔

آپ نے تقریباً ستائیس جنگوں میں اسلامی لشکر کی قیادت فرمائی، جس کے دوران آپؐ نے اسلامی فوج میں قلب، میمنہ، میسرہ، مقدمہ اور عقبی کے دستے تشکیل دیے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد حکومت میں کوئی خاص عسکری ادارہ نہیں تھا۔ جب کبھی دشمن کا سامنا کرنا

ہوتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجاہدین کو دعوت جہاد دیتے مجاہدین سامان حرب (تلوار اور نیزہ وغیرہ) لے کر حاضر خدمت ہو جاتے۔ اگر کسی مجاہد کے پاس سامان نہ ہوتا تو اس کو سواری مہیا کی جاتی۔ جہاد کی تیاری کے لیے چندہ کی اپیل بھی کی جاتی' صاحب ثروت اصحاب جہاد کی تیاری کے لیے دل کھول کر چندہ دیتے۔ دوران جہاد جو مال غنیمت ملتا اس میں سے مجاہدین کو دیا جاتا۔

۸۔ صیغہ پولیس

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مسعود میں ہی صیغہ پولیس قائم ہو گیا تھا۔ اس صیغہ کے سربراہ حضرت قیس بن سعدؓ تھے۔ وہ آپ کے ساتھ رہتے۔ مجرموں کی گردن مارنے کا کام حضرت زبیرؓ۔ حضرت علیؓ۔ مقداد بن الاسودؓ۔ محمد بن مسلمہ عاتمہ بن ثابتؓ۔ ضحاک بن سفیان کلابی کے سپرد تھا۔[1] اس شعبہ نے حضرت عمرؓ کے عہد میں خوب ترقی کی۔

۹۔ صیغہ عدالت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد حکمرانی میں صیغہ عدالت ایک اہم ترین باب ہے مرکزی طور پر آپ خود قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے۔ فوری انصاف کے لیے مختلف علاقوں میں باقاعدہ طور پر قاضیوں کا تقرر کیا جاتا۔ ان قضاۃ میں حضرت عمر بن الخطاب' حضرت عثمان بن عفان' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو موسیٰؓ جیسے بلند پایہ صحابہ کرام کے نام نمایاں ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مروجہ عدالتی بے انصافیوں کو ختم کیا' رشوت خوری' جانب داری' کنبہ پروری' امراء اور وزراء کو ناجائز مراعات حصول کے ممکن ہر راستے کو بند کیا۔

اس عدالتی نظام میں یہ کوشش کی جاتی کہ فریقین عدالت میں آنے سے پہلے اپنے جھگڑے کا فیصلہ کر لیں۔ اگر مقدمہ عدالت میں آ جاتا تو پھر ثبوت کے لیے جملہ لوازمات شہادت کو اختیار کیا جاتا۔ قیافہ شناسی' ظاہری اور حلف برداری کا مکمل اعتبار کیا جاتا۔ سہل الحصول انصاف کے لیے مقامی اور مرکزی عدالتوں کا نظام تشکیل دیا گیا۔ اگر مقامی سطح پر کسی ناانصافی کا شبہہ ہو تو اسے مرکزی عدالت میں لے جانے کا حق دیا جاتا۔ ہر قاضی کو یہ ہدایات کی جاتیں۔

- کبھی غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کریں۔
- فریقین کو اپنی بات کہنے کا موقعہ دیں۔
- کتاب وسنت اور بصیرت کے ساتھ فیصلہ کریں۔

ثبوت میں قیافہ شناسی' فراست' قسامت' قرعہ اندازی اور شہادت کو استعمال کر لیا کریں۔

۱۰۔ صیغہ تعلیم وتربیت

ملکی ترقی کے لیے تعلیم وتربیت ضروری ہے۔ اگر تاریخ عالم کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہی اقوام عالم ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوئیں جنھوں نے اپنے آپ کو علم کے زیور سے آراستہ کیا۔ اسی نقطہ کو مدنظر رکھتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم وتزکیہ کو بہت اہمیت دی' مسجد نبوی کو تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ مسجد سے ملحقہ اقامتی جامعہ (مدرسہ) بنایا۔ جس میں صحابہ کرامؓ کو قرآن مجید کی تعلیم اور دیگر اسلامی علوم سکھائے جاتے تھے۔ اس درس گاہ کے تربیت یافتہ احباب کو مختلف علاقوں میں تعلیم وتربیت دینے کے لیے بھیجا جاتا۔ اسی طرح مدینہ کی دیگر مساجد میں بھی تعلیم وتربیت کا پورا پورا اہتمام تھا۔

مشہور ائمہ اور معلمین میں سے خلفائے راشدین' حضرت مصعب بن عمیرؓ سالمؓ مولی ابی حذیفہؓ ابن ام کلثومؓ معاذ بن جبل' عتبان بن مالکؓ انس بن مالک عتاب بن اسیدؓ نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

---

[1] عہد نبوی کا نظامِ حکمرانی۔

۱۱۔ سیکرٹریٹ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سیکرٹریٹ مسجد نبوی تھا۔ تمام وفود اور سفراء سے یہاں ہی ملاقاتیں کرتے تھے۔ عمال اور عمائدین حکومت کو ہدایت مسجد نبوی میں ہی دیتے تھے اور صحابہ سے یہیں مشورہ لیتے تھے۔ پروفیسر حِتی لکھتا ہے۔ ''مسجد مسلمانوں کی مشترکہ عبادت' فوج اور سیاسی اجتماع کی جگہ تھی۔ نماز پڑھانے والا امام ہی اہل ایمان کی فوج کا سپہ سالار ہوتا تھا اور مسلمانوں کو حکم تھا کہ ساری دنیا کے مقابلے میں ایک دوسرے کے محافظ اور معاون رہیں غنیمت وغیرہ کا مال مسجد نبوی میں آتا اور یہاں پر ہی نبیؐ اسے مستحقین میں تقسیم کرتے تھے۔[1]

داخلہ پالیسی

۱۔ مواخات

اسلامی ریاست کو اندرونی خلفشار سے محفوظ رکھنے کے لیے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم کر کے گروہی اور نسلی اختلافات کا دروازہ بند کیا۔

۲۔ قبائل اور فریقوں کے حقوق و فرائض کا تعین

میثاق مدینہ کے ذریعہ تمام فریقوں اور قبائل کے حقوق اور فرائض متعین فرما دیے۔ اس کے علاوہ مدینہ کے گرد و نواح میں آباد قبائل سے معاہدے کیے اور ان سے دوستانہ مراسم بڑھائے اور نیز ان کے حقوق اور فرائض کا تعین کیا۔

۳۔ انصاف اور عدل کا فروغ

کوئی ریاست مضبوط بنیادوں پر کھڑی نہیں ہوسکتی۔ جب تک ریاست کے اندر عدل و انصاف کو فروغ نہ دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے چھوٹے بڑے کو عدل و انصاف کی نظر میں برابر قرار دیا۔ ارشاد الٰہی ہے: ''کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو' یہ تقویٰ کے قریب ہے۔'' (مائدہ ۸:۵)

۴۔ جمہوریت

اسلامی نظام میں ریاست کی روح جمہوریت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (۱۵۸:۳) ''اے رسولؐ! ریاستی کاموں میں ان صحابہؓ کا مشورہ لیتے رہو۔''

اس قرآنی تعلیم کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی ریاست کے انتظامی ڈھانچے کی بنیاد جمہوریت پر رکھی۔ اسی اصول نے نوزائیدہ ریاست کو استحکام بخشا۔

۵۔ قانون سازی کے اصول

اسلامی ریاست میں قانون سازی کے حسب ذیل اصول وضع فرمائے۔

(الف) قرآن۔ (ب) سنت۔ (ج) اجتہاد۔ (د) قیاس۔ (ر) عرف۔ ان اصولوں پر بحث گزر چکی ہے۔

۶۔ عوام کے حقوق اور فرائض کا تعین

بعثت نبویؐ سے پہلے کسی ریاست میں بھی عوام کے حقوق اور فرائض متعین نہ تھے۔ آپ نے زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والوں کے حقوق اور فرائض متعین کر دیے۔ جس کی وجہ سے اسلامی ریاست کو استحکام نصیب ہوا۔

[1] History of the Arabs P.121

حقوق

ا۔ جان و مال اور عزت کی حفاظت۔ ۲۔ مذہبی آزادی۔ ۳۔ قانونی مساوات۔ ۴۔ معاشی انصاف۔ ۵۔ تعلیم کا انتظام۔ ۶۔ آزادی اجتماع کا حق۔ ۷۔ زندگی کا تحفظ۔ ۸۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق۔ ۹۔ مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق۔ پہلے تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

فرائض

ا۔ اطاعت۔ ۲۔ قانونی کی پابندی۔ ۳۔ نیکی کے امور پر تعاون۔ ۴۔ مالی قربانی۔ ۵۔ جانی قربانی۔ پہلے تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔

ریاست کی اقتصادی پالیسی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریخ عالم میں پہلے سیاسی مفکر ہیں۔ جنھوں نے سیاسی امور اور اقتصادی امور کو لازم وملزوم قرار دیا اور عوام کو معاشی انصاف کی نعمت سے بہرہ ور کیا۔ عوام میں ریاستی دولت کو تقسیم کرنے کا ایک اصول مقرر کیا۔ ارشاد الٰہی ہے: ''زکوٰۃ صرف فقراء مساکین' کارکنوں' تالیف قلب' غلاموں کو آزاد کرانے اور قرضداروں کے لیے اور اللہ کی راہ اور مسافروں کے لیے ہے۔'' (توبہ ۹:۶۰) مزید برآں امراء سے دولت لے کر غرباء میں تقسیم کرنے کا حکم دیا' تاکہ طبقاتی تقسیم ختم ہو جو فساد کا موجب تھی۔ ارشاد الٰہی ہے:۔ خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ صَدَقَۃً (۹:۱۰۳) ''ان (امراء) کے مالوں سے صدقہ دے۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف امراء سے صدقات اور خیرات لینے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ تعلیم دی کہ جس شخص کے پاس ضرورت سے زائد ہے وہ حکومت کو دے دے۔ ارشاد الٰہی ہے: ''تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں کہہ دیجئے جو ضرورت سے زائد ہے۔'' (البقرہ ۲:۲۱۹)

حصول دولت اور تقسیم دولت کی پالیسی وضع کرنے کے ساتھ ساتھ باطل طریقوں سے دولت جمع کرنے کو باطل قرار دیا تاکہ دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو سکے۔ فرمایا: لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ (النساء: ۵) ''آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ۔'' باطل کے لفظ نے ہر قسم کے ناجائز ذریعہ کی نفی کر دی ہے۔

خارجہ پالیسی کے اصول

ا۔ حکومت الٰہیہ اس بات کا خیال رکھے کہ غیر مسلم حکومت سے اس قسم کے معاہدات نہ کرے۔ جس سے کسی دوسری اسلامی حکومت کے مفادات مجروح ہوتے ہوں۔ ارشاد الٰہی ہے: لَا یَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (آل عمران ۳:۲۸) ''اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ہمدرد اور دوست نہ بناؤ۔''

۲۔ اسلامی حکومت کے تمام معاملات صلح اور امن پر مبنی ہونے چاہیں کیونکہ اسلام سلامتی' صلح اور امن کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اسلامی حکومت کی خارجہ پالیسی میں ہر رنگ میں امن کی روح قائم رہنی چاہیے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَہَا (الانفال ۸:۶۱) ''اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ۔''

۳۔ حکومت الٰہیہ کی خارجہ پالیسی ایک عالمی انسانی برادری قائم کرنے والی ہو اور تمام اقوام عالم کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے والی ہو۔ کیونکہ اسلام وحدت نسل انسانی کا پیغام لے کر آیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخۡتَلَفُوۡا (یونس ۱۰:۱۹) ''سب لوگ ایک ہی امت ہیں لیکن وہ آپس میں جھگڑتے ہیں۔''

رسول کریم فرماتے ہیں: اَلۡخَلۡقُ عِیَالُ اللّٰہِ (بیہقی) ''ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے۔''

۴۔ اسلامی حکومت عہد و پیمان کا احترام کرنے والی ہوتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اَوۡفُوۡا بِالۡعَہۡدِ اِنَّ الۡعَہۡدَ کَانَ مَسۡـُٔوۡلًا (بنی اسرائیل ۱۷:۳۴) ''عہد پورا کرو یقیناً عہد کے متعلق پوچھا جائے گا۔'' دوسری جگہ آتا ہے: یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ (مائدہ ۵:۱)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اپنے معاہدے پورے کرو۔"

۵۔ اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی بین الاقوامی عدل پر مبنی ہوتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: "اے ایمان والو! اللہ کے نام پر انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ کسی قوم کی دشمنی تم کو اس امر پر نہ اکسائے کہ عدل کا دامن چھوڑ دو۔ تم بہر حال انصاف کا معاملہ کرو یہ بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔" (المائدہ:۸)

۶۔ حکومت الٰہیہ کا جنگ کے متعلق یہ اصول ہے کہ جارح قوم کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا (بقرہ۲:۱۹۱) "اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمھارے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو۔"

اسلامی ریاست اور فلاحی ریاست

اسلامی ریاست کا دوسرا نام ہی فلاحی ریاست ہے کیونکہ اسلامی ریاست ہی ایک ایسا روحانی اور مادی نظام ہے۔ جس میں انسان کی روح اور مادی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ آج دنیا میں فلاحی ریاست کے تصور کو مغربی تصور سمجھا جاتا ہے اور اس کا سہرا مغربی مفکرین کے سر پر سجایا جاتا ہے۔ جب کہ فلاحی ریاست کا تصور سب سے پہلے اسلام نے دیا پھر اس تصور کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی جامہ پہنایا۔

فلاحی ریاست

فلاحی ریاست ایک ایسا ملک ہوتا ہے۔ جس میں تمام لوگ خوش حال ہوں سب کی بنیادی ضروریات آسانی سے پوری ہو جاتی ہوں اور سب کو بنیادی انسانی حقوق حاصل ہوں اور ریاست میں مساوات عدل و انصاف مذہبی آزادی' احترام انسانیت اور احتساب و قانونی تحفظ حاصل ہو۔ ریاست ملک سے غربت فقر و فاقہ بے روزگاری جہالت رشوت منشیات' جرائم' سمگلنگ اور کلاشنکوف' کلچر وغیرہ کا عملاً خاتمہ کر دے شہریوں کو جان' مال' نسل' عقل اور دین کی حفاظت کی ضمانت دے اس کے شہری امن و عافیت سے باعزت زندگی گزار سکیں۔ تمام شہری محنتی اور ایمان دار ہوں۔ نیکی کے کاموں میں تعاون کریں اور برائی کے خلاف جہاد میں سرگرم رہتے ہوں۔ فلاحی ریاست اور حقوق انسانی لازم ملزوم ہیں۔ حقوق انسانی پر تفصیلی گزر چکی ہے قاری اس بحث کو ذہن میں مستحضر رکھے تو اس نتیجہ پر پہنچ جائے گا کہ سب سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی فلاحی ریاست کا تصور پیش کیا پھر ریاست کو فلاحی ریاست کی عملی شکل دی۔

ذرائع آمدن

سیاست کا معاشیات کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ کوئی سیاسی نظام مستحکم نہیں ہوسکتا جب تک اس ملک کی معاشی حالت بہتر نہ ہو۔ اس اصول کے مدنظر رکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریاست کو مستحکم رکھنے کے لیے ایک معاشی ڈھانچہ دیا۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔ زکوٰۃ

زکوٰۃ وہ خدائی ٹیکس ہے جو ایک سال کے گزرنے کے بعد جمع شدہ مال پر ہر مسلمان سے لیا جاتا ہے۔ جن اموال سے زکوٰۃ لی جاتی ہے۔ وہ چار ہیں۔ ا۔ نقد۔ ۲۔ سونا' چاندی۔ ۳۔ مال تجارت۔ ۴۔ اونٹ' گائے' بکری۔

سونے پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے۔ جب وہ ۲۰ دینار کے بقدر ہو۔ چاندی پر جب کہ وہ ۱۰۰ درہم کے بقدر ہو۔ اسی اعتبار سے مال تجارت کا نصاب مقرر کیا جائے گا۔ ۵ اونٹ ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی ۳۰ گائے ہوں تو ان کی زکوٰۃ نکلے گی۔ ۴۰ بکریاں ہوں تو ان کی زکوٰۃ نکلے گی۔ اناج اور پھلوں کی زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ۵ وسق ہوں۔

۲۔ صدقات

یہ وہ مال ہے جو امراء لوگ مجموعی طور پر غرباء کی امداد کے لیے بیت المال کو دیتے ہیں۔

۳۔ خمس

مال غنیمت کا پانچواں حصہ مال رکاز دفینوں اور کانوں سے نکلی ہوئی معدنیات کا پانچواں حصہ۔

۴۔ فیٔ

وہ مال جو دشمن سے بغیر جنگ کے حاصل ہوتا ہے۔

۵۔ خراج

وہ سرکاری لگان ہے جو غیر مسلم کاشت کاروں کی مقبوضہ اراضیات سالانہ لگایا جاتا ہے۔ خراج کی مقدار زمین کی پیداوار زرخیزی اور وسائل آب پاشی کی آسانیوں کو ملحوظ رکھ کر مقرر کی جاتی ہے۔

۶۔ عشر

مسلمان کاشت کاروں پر عائد شدہ لگان کو عشر کہا جاتا ہے۔ بارانی پر ۱/۱۰ اور چاہی زمین پر ۱/۲۰ ہے۔

۷۔ جزیہ

یہ وہ ٹیکس ہے جو ان غیر مسلم افراد پر لگایا جاتا ہے جو اسلامی ریاست کے باشندے ہوتے ہیں۔ یہ ٹیکس ان کے مال جائیداد و جان اور عزت کی حفاظت کے لیے وصول کیا جاتا ہے۔

اپاہج' اندھوں اور معذور افراد سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے بلکہ ان کی کفالت اسلامی حکومت کے ذمہ ہوتی ہے۔

۸۔ کراء الارض

اسلامی ریاست کی اراضیات کا مقررہ لگان جو کاشت کاروں کی باہمی رضا مندی سے وصول کیا جاتا ہے۔

۹۔ وقف

وہ سرمایہ یا جائیداد جو امراء مفاد عامہ کے لیے اجتماعی ملکیت میں دے دیتے ہیں۔

۱۰۔ ضرائب

وہ ٹیکس جو امراء پر اس وقت لگایا جاتا تھا۔ جب حکومت کو کوئی ہنگامی ضرورت پیش آ جائے جیسا کہ جنگ تبوک میں جنگی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپیل کی۔ تو صحابہ نے دل کھول کر مال دے دیا۔

۱۱۔ عفو

(ضرورت سے زائد مال) حکومتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے یہ وہ ذریعہ معاش ہے جو دنیا کے کسی ملک میں بھی ذرائع آمدن میں شامل نہیں ہے۔ یہی وہ وسیلہ ہے جس نے اسلامی ریاست کو مستحکم کیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: يَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ''وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دیجئے جو ضرورت سے زائد ہے۔''

مصارف زکوٰۃ

۱۔ فقراء۔ ۲۔ عاملین زکوٰۃ (کارکن) ۳۔ مولفتہ القلوب۔ ۴۔ غلاموں کی رہائی۔ ۵۔ مقروض۔ ۶۔ فی سبیل اللہ۔ (دفاع) اور تبلیغ وغیرہ (مسافر)

مال غنیمت کی تقسیم

مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جاتے تھے۔ جن میں سے چار حصے تو مجاہدین میں تقسیم کر دیے جاتے تھے اور پانچواں حصہ بیت المال میں جمع ہوتا ہے جن کے مصارف کے متعلق مندرجہ بالا آیت میں وضاحت کی گئی ہے۔

دفاع

ریاست کا تعلق دفاع سے ایسا ہی ہے جیسے بدن کا روح کے ساتھ۔ اگر بدن سے روح نکل جائے۔ تو جسم مردہ ہو جاتا ہے اور فنا کے پردہ میں چلا جاتا ہے۔ اس طرح دفاع ہے۔ اگر دفاع مضبوط ہے تو ریاست کا وجود ہے۔ اگر دفاع کمزور ہے۔ تو ریاست کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ تاریخ یہی بتاتی ہے کہ دنیا کے نقشہ پر وہی ریاستیں قائم و دائم رہیں۔ جن کا دفاع وقت کے تقاضا کے مطابق مضبوط تھا اور وہ ریاستیں مٹ گئیں جن کا دفاع کمزور تھا۔ اسی اصول کو سامنے رکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی ریاست کے دفاع کی ذمہ داری کو پورا کیا۔ ارشاد الٰہی ہے: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّااسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (انفال ۸: ۶۰) ''اور ان کے مقابلے کے لیے جس قدر تمھارے امکان میں ہو۔ قوت اور گھوڑوں کے ذریعہ سرحدوں کی حفاظت کرو۔ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور ان کے سوا ان دوسرے لوگوں کو جنھیں تم نہیں جانتے مگر اللہ انھیں جانتا ہے مرعوب اور خوفزدہ کرو گے۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ ملکی دفاع کے لیے مستقل فوج رکھنی چاہیے جو ہمیشہ کیل کانٹے سے لیس رہے جیسا کہ لفظ قوۃ ظاہر کرتا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے قوۃ کے مفہوم میں وہ تمام چیزیں شامل کی ہیں جو قوت کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ مثلاً تمام آلات حرب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کی جنگی تفصیلات سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر امکانی قوت سے کام لیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ میں ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو اسی وقت سے آپ کو کاروبار حکومت کرنا پڑا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ہی قریش نے مدینہ کی ریاست کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا پروگرام مرتب کیا۔ ہجرت کے دوسرے سال میں پہلا حملہ ہوا۔ تیسرے سال میں دوسرا حملہ اور پانچویں سال میں تیسرا۔ جس میں تمام عرب مدینہ کی ریاست کو ختم کرنے کے لیے اُمڈ آیا اور آٹھویں سال ہجرت میں مکہ کی فتح کے ساتھ ہی قریش کی جنگی تدابیر خاک میں مل گئی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف اندرون ملک قریش کے ساتھ ہی مقابلہ نہیں تھا بلکہ عرب کی پڑوسی حکومتیں بھی مدینہ کی ریاست کو ختم کرنے کا تہیہ کیے ہوئے تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے ساتھ بھی مقابلہ کرنا پڑا اور کامیاب و کامران رہے اور اپنے مضبوط دفاع کی وجہ سے دشمن کے منصوبے خاک میں ملا دیے۔

دفاعی پالیسی کے اصول

اندرونی امن و یک جہتی پیدا کرنا

جب ہم رسول کریم ﷺ کی سیاسی زندگی پر نظر دوڑائیں تو ایک مسلم ریاست کو دفاعی پالیسی کے سنہری اصول مل جاتے ہیں۔

پہلا اصول جو سامنے آتا ہے وہ ہے اندرونی امن اور یک جہتی۔ جب رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ آئے تو رسول کریم ﷺ ایک چھوٹی سی مملکت کے سربراہ مقرر کر دیے گئے تو اہل مکہ نے مدینہ والوں کو لکھا کہ ہمارے دشمن (حضرت محمد ﷺ) کو یا تو جان سے مار ڈالو یا انھیں مدینہ سے نکال دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ہم مدینہ پر حملہ کر کے تمھیں تباہ و برباد کر دیں گے۔ یہ فوجی حملے کی کھلی دھمکی تھی۔ اب رسول کریم ﷺ پر بحیثیت سربراہ عوام کی جان و مال کی حفاظت اور سرحدوں کی حفاظت لازم آ گئی تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے ملکی دفاع کی خاطر اندرونی امن و یک جہتی کی طرف توجہ فرمائی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے انصار اور مہاجرین کی مغائرت ختم کرنے کے لیے ان دونوں گروہوں کے درمیان مواخات قائم کی۔ اس طرح مسلمان یک جان ہو گئے۔

مدینہ مختلف قبائل میں بٹا ہوا تھا ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ جب کوئی ایک قبیلہ دوسرے پر حملہ کرتا تو تمام قبائل غیر جانبدار رہتے تھے۔ اس طرح مدینہ کی زمین فساد اور لڑائی جھگڑے کا گھر تھی تو آپ ﷺ نے مدینہ کے تمام قبائل (غیر مسلم) کے ساتھ ایک میثاق قائم کیا جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ میثاق اس چھوٹی سی سلطنت کا ایک تحریری آئین تھا۔ اس میثاق کے تحت یہ قرار پایا کہ اگر کوئی باہر سے حملہ آور ہو تو سب قبائل کی یہ ذمہ داری ہوگی۔ اکٹھے مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ اس طرح رسول کریم ﷺ نے تمام فریقوں اور قبائل کے حقوق و فرائض متعین کرائے۔ کسی ریاست میں اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک دستور پر اس کی روح کے مطابق عمل نہ ہو اور عدل و انصاف کو فروغ نہ دیا جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مدنی ریاست میں عدل و انصاف کو فروغ دیا، چھوٹے بڑے کو عدل و انصاف کی نظر میں برابر قرار دیا۔ ارشاد الٰہی ہے ''کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقویٰ کے قریب ہے۔ (مائدہ ۸:۵)

اس طرح یک جہتی کے لیے کسی مملکت میں شورائیت (جمہوریت) کا ہونا بھی ضروری ہے تو آپ ﷺ نے حکم خداوندی کے تحت وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (۱۵۸:۳) (اے رسول! ریاستی امور میں ان (عوام) سے مشورہ لیتے رہو چنانچہ رسول کریم ﷺ کے سامنے کوئی ریاستی معاملہ آتا تو آپ اس کو مشورہ سے طے فرماتے۔ سو دشمن کے حملوں کو روکنے کے لیے سب سے پہلے آپ ﷺ نے مدینہ کے اندر امن و یک جہتی کو فروغ دیا۔ دفاع کے لیے سب سے بہتر ہتھیار اندرونی امن اور یک جہتی کے سوا اور کوئی نہیں۔

دور حاضر میں بعض ریاستیں وفاقی ہیں۔ کئی کئی صوبوں میں منقسم ہیں۔ سو صوبوں میں یک جہتی پیدا کرنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ آئین میں صوبوں کو صوبائی خود مختاری دی جائے۔ بعض اوقات خود مختاری کا جھگڑا اتنا شدید ہو جاتا ہے ملک ٹوٹ جاتا ہے۔ صوبائی خود مختاری تمام صوبوں کی مشاورت سے طے ہونی چاہیے تا کہ ملک کے اندر امن اور یک جہتی کی فضا قائم ہو۔

اندرونی امن اور یک جہتی کے لیے طبقاتی تقسیم بھی زہر قاتل ہے۔ طبقاتی تقسیم کی کئی شکلیں ہیں۔ فرقہ وارانہ مذہبی گروہ بندی۔ اصولوں سے ہٹ کر فروعات پر لڑائی جھگڑے کرتے رہنا اور ایک دوسرے کو دہشت گردی سے نقصان پہنچانا۔ تقسیم دولت کی بناء پر امارت اور غربت میں لوگوں کا تقسیم ہونا۔ یہ تقسیم یک جہتی کے لیے بہت ہی خطرناک بیماری ہے۔ یہی تقسیم معاشرہ میں بغاوت کے شعلے بھڑکاتی ہے۔ رسول کریم ﷺ نے تقسیم دولت کے ایسے اصول مقرر کر دیے۔ جن کی وجہ سے دولت کا بہاؤ ہر طرف پھیل جاتا اور دولت چند افراد کے ہاتھوں مرتکز نہ ہونے پاتی اس طرح امارت اور غربت کا امتیاز مٹ جاتا۔

۲۔ خارجہ پالیسی

دفاع کا تعلق خارجہ پالیسی سے بھی ہے۔ خارجہ پالیسی کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ ہمسایہ ممالک سے برادرانہ تعلقات ہوں۔ رسول کریم ﷺ جب اندرونی امن و یک جہتی قائم کرنے سے فارغ ہوئے تو آپ نے خارجہ پالیسی کی طرف توجہ دی۔ آپ ﷺ کی خارجہ پالیسی کا اہم جزو مدینہ کے اردگرد قبائل سے دوستانہ معاہدے تھے۔ آپ نے مدینہ کے چاروں اطراف میں قبائل سے دفاعی معاہدے کیے کہ اگر کوئی ان پر حملہ آور ہوگا تو مدنی ریاست ان کی مدد کرے گی۔ اگر مدنی ریاست پر کوئی حملہ آور ہو تو قبائل مدنی ریاست کے دفاع میں شریک ہوں گے۔ اس قسم کے معاہدے تاریخ میں محفوظ ہیں۔

دفاعی معاہدے ایک مسلم حکمران کے لیے مشعل راہ ہیں کہ ہمسایہ ممالک کے ساتھ تعلقات برادرانہ ہوں۔ اگر ہو سکے تو ان سے دفاعی معاہدے بھی کر لیے جائیں تا کہ اپنے دشمن کی جنگی کاروائیوں سے محفوظ رہ سکیں۔

اس دور میں مسلم ریاستوں کی حفاظت اور دفاع کے لیے بہت ضروری ہے کہ تمام مسلم ریاستیں ایک دفاعی میثاق میں منسلک ہو جائیں۔ اب دیکھنے میں آیا ہے کہ دشمن ایک ایک کر کے مسلم ریاستوں پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ تمام مسلم ریاستیں بے بسی کی حالت میں دکھائی دیتی ہیں۔ یہاں تک بے بس ہیں۔ احتجاج تک نہیں کر سکتیں۔ احتجاج تو ایک طرف رہا۔ اگر استعمار پسند اور دہشت گرد سپر طاقت نے کسی مسلم ملک پر حملہ کرنا ہو تو اس کے ہمسایہ ملک کے حکمران کو یہ دھمکی دی جاتی ہے کہ تعاون نہ کیا تو تمہارا ملک خاک کا ڈھیر بنا دیا جائے گا۔ تو مسلمان حکمران

دھمکی سے خائف ہو کر ہر ناجائز حکم کو ماننے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

معلومات کا حصول

ملکی دفاع کے لیے دشمن کے متعلق صحیح معلومات کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ دشمن کی معلومات حاصل کرنے سے متوقع نتائج کے حصول کے لیے صحیح نقشہ اور سٹرٹیجی تیار کی جا سکتی۔ اس اصول کے پیش نظر رسول کریم ﷺ مختلف طریقوں سے معلومات حاصل کرتے تھے۔

۱۔ جنگی طلایہ گردوستوں کے ذریعہ

۲۔ جاسوسوں کے واسطہ سے

۳۔ شخصی اطلاعات سے

۴۔ قیدیوں سے

۵۔ عقل مندوں سے مشورہ حاصل کرنے کے ذریعہ

گشتی دستوں کی ترتیب

دشمن کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے آپ نے گشتی دستوں کو ترتیب دیا ایک تو یہ دستے دشمن کی نقل و حرکت سے مرکز کو مطلع کرتے۔ دوم گشتی دستوں کے ذریعہ معاہدات بھی کیے۔ مثال کے طور پر صفر ۲ ہجری غزوہ ابوا کے دوران عمرو بن مخشی الضمری کے ساتھ غیر جانب دار رہنے کا معاہدہ کیا۔ اسی طرح جمادی الاخر ۲ ہجری میں غزوہ ذوالشعیرہ کے دوران بنی مدلج اور بنی ضمرہ کے ساتھ دوستانہ معاہدہ طے پاتا۔ سوم ان گشتی طلایا نے قبائل پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی۔ چہارم دشمن کے ان دستوں کے عزائم خاک میں ملا دیے جو مسلم بستیوں پر حملہ آور ہوتے مثلاً کفار مکہ نے ہجرت کے پہلے سال ہی دو لشکر روانہ کیے پہلا لشکر ۳۰۰ افراد پر مشتمل تھا، ابوجہل کی قیادت میں ماہ رمضان میں مدینہ کے خلاف روانہ ہوا۔ رسول کریم ﷺ نے امیر حمزہ کی قیادت میں تیس افراد کا گشتی دستہ روانہ کیا مسلمانوں کو باخبر پا کر ابوجہل بغیر لڑے واپس چلا گیا۔ دوسرا لشکر شوال ۱ ھ میں ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ کے خلاف آیا۔ مگر مسلمانوں کو چوکنا پا کر واپس چلا گیا۔ پنجم ان گشتی دستوں کی تربیت نے مسلمانوں کے اندر عسکری استعداد کو بڑھا دیا۔ عسکری قیادت کی تربیت پائی اور مدینہ سے دور دراز علاقوں تک واقفیت حاصل کر لی جو دفاع کے لیے ضروری تھی۔

امور اداریہ

کوئی جنگ امور اداریہ کا اہتمام کیے بغیر جیتی نہیں جا سکتی۔ رسول کریم ﷺ نے ہمیشہ امور اداریہ کا خصوصی اہتمام کیا۔ تمام مسلمانوں نے مجاہدین کے سامان حرب میں تعاون کیا۔ مثلاً خورد و نوش کا سامان، نقل و حمل کے لحاظ سے اسلحہ جنگ مہیا کرنا وغیرہ۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَاَعِدُّوْا مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ (الانفال ۸:۶۰) ان (دشمن) کے مقابلہ کے لیے جتنی قوت تم فراہم کر سکو اور گھوڑے بھی پالو۔

جب بھی لشکر کی روانگی کا وقت آتا رسول اکرم ﷺ صحابہ سے مالی قربانی کا مطالبہ کرتے تو صحابہ اپنے اپنے گھر کا مال و متاع حضورؐ کے قدموں میں رکھ دیتے غزوہ تبوک میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال خدا کی راہ میں خرچ کر دیا حضرت عمرؓ نے نصف مال۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ نے اس غزوہ تبوک میں بہ نسبت دوسرے غزوات کے بہت زیادہ مال خرچ کیا۔ گویا لڑائی صرف فوج ہی نہیں لڑتی بلکہ ریاست کے تمام لوگ کسی نہ کسی طرح لڑائی میں مشغول ہوتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو کسی نہ کسی شکل میں شامل کیا رسول کریم ﷺ غزوات میں مشورہ کرتے۔ صحابہ کی رائے کو وزن دیتے بعض اوقات صحابہ کی رائے آپ ﷺ کی رائے کے خلاف بھی ہوتی کثرت رائے کی بناء پر اس پر عمل پیرا ہوتے جیسے کہ آپ نے عملی طور پر غزوہ احد میں کر کے دکھایا۔

سپہ سالار اور سپاہ کا باہمی تعلق جنگوں میں بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اگر سپاہ سالار کی بدکلامی برے رویے اور متکبرانہ طرز حیات کی

وجہ سے نفرت کرتے ہوں اور ان کے دل جرنیل کی محبت سے خالی ہوں تو وہ جرنیل کی خاطر جان قربان کرنے سے گریز کریں گے۔ اس کے برعکس اگر سپاہ اور جرنیل کے دل ایک دوسرے کی محبت سے معمور ہوں تو سپاہ سپہ سالار کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہیں۔ اس اصول کے تحت جو محبت اور پیار رسول کریم ﷺ کو صحابہ سے تھا۔ اس کی مثال نہیں تھی۔ اسی طرح صحابہ کے دلوں میں جو قربانی کا جذبہ رسول کریم ﷺ کے متعلق پایا جاتا تھا۔ اس کی بھی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ باہمی محبتوں اور قلبی لگاؤ نے خاک نشینوں کو تخت نشین کر دیا۔

مختلف لڑائیوں میں مختلف حکمت عملی

رسول کریم ﷺ ہر لڑائی میں حالات اور دوران جنگ محل وقوع دیکھ کر فوج کی صف بندی اختیار کرتے تھے۔ وہ صف بندی حضور ﷺ کی فنون حرب میں مہارت پر دلالت کرتی ہے۔ بہترین صف بندی نے مسلمانوں کو قلیل تعداد ہونے کے باوجود فتح دی۔

سامان حرب کی تیاری: قرآن مجید نے دشمن کے مقابل میں سامان حرب کی تیاری کا واضح حکم دیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (الانفال ۸:۶۰) اور تم ان کے لیے تیاری کرو جو کچھ کر سکتے ہو قوت اور سرحدوں پر گھوڑے باندھنے سے تم اس کے ذریعہ اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو ڈراؤ۔

رسول کریم ﷺ کے عہد مسعود میں ہم دیکھتے ہیں۔ اپنے تمام وسائل سامان حرب مہیا کرنے میں صرف کرتے تھے۔ حتیٰ کہ تاریخ بتاتی ہے اس دور کا جدید ترین ہتھیار منجنیق بھی استعمال کیا گیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ فتوحات کے دور میں مسلم فوج جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہوتی تھی جب مسلمانوں نے جدید ترین ہتھیار تیار کرنے میں غفلت سے کام لیا تو ادبار کی اتھاہ گہرائیوں میں گر گئے۔ دور حاضر کے مسلمان حکمرانوں کے لیے رسول کریم ﷺ کا دور مشعل راہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو فوج کو جدید ترین اسلحہ سے لیس کریں۔ جدید ترین اسلحہ کی تیاری کے لیے سائنس کے علم میں دسترس حاصل کرنا ضروری ہے اس دور میں جدید ترین اسلحہ اور سائنس لازم وملزوم ہیں۔ دور حاضر میں مسلمانوں کی اپنے دشمن کے مقابل ناکامی کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ مسلمان اسلحہ سازی میں جدید ترین اسلحہ سازی میں ترقی یافتہ ممالک سے بہت پیچھے ہیں۔

فوج کا انتظامیہ کے ماتحت ہونا

اسلام نے فوجی شعبہ کو انتظامیہ کے ماتحت رکھا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اَطِيْعُو اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ. اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور صاحب امر (حاکم) کی اطاعت کرو اگر کسی چیز میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔

رسول کریم ﷺ نبی تھے۔ اس لیے غزوات میں آپ ﷺ ہی سپہ سالاری کے فرائض انجام دیتے تھے آپ کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں فوج انتظامیہ کے تحت تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے کسی حکمت کے تحت حضرت خالد بن ولید کو سپہ سالاری سے الگ کر دیا تو وہ طوعاً وکرہاً اپنے منصب سے الگ ہو گئے اور مدینہ آ کر خلیفہ کے سامنے حاضری دی۔ خلفائے راشدین کے دور میں ترقی مسلمانوں کی حربی فتوحات کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ فوج انتظامیہ کے ماتحت تھی۔ صاحب امر کی طرف سے جو حکم ملتا تھا اس کو بجا لاتی۔ اس کے برعکس جب بنو عباس کے تنزل کے دور میں ترک فوج منہ زور ہو گئی اور خلفاء پر حاوی ہو گئی تو عظیم اسلامی سلطنت کا انجام سقوط بغداد نکلا۔ دوسری مسلم سلطنتوں کے زوال کا ایک بڑا سبب فوجی حکمرانوں کی سرکشی اور اپنے حدود سے تجاوز تھا۔ ہمارے قریب کے دور میں سقوط ڈھاکہ محض فوجی جرنیل کا اپنی حدود سے تجاوز ہے۔ جب بھی فوج اپنے آپ کو انتظامی معاملات میں الجھائے گی تو اس کی حربی استعداد میں کمی آتی جائے گی جو میدان جنگ میں شکست کا باعث بنتی ہے۔

اسلامی سزائیں

جب معاشرتی زندگی کے ساتھ ریاست کا تصور آیا ہے تو سزاؤں کا تصور بھی اس کے ساتھ لازم ہے۔ قانون کی دو اقسام ہیں فوجداری

اور دیوانی۔ یہاں صرف فوجداری قانون پر بحث ہوگی۔
حدود کی جمع حد ہے جس کے معنی ہیں روک۔ اصطلاح فقہ میں یہ لفظ ان جرائم کی سزا کے لیے بولا جاتا ہے۔ جن کا ذکر قرآن مجید اور حدیث میں آتا ہے۔

تعزیرات

تعزیر کی جمع ہے۔ تعزیر کی معنی ہیں۔ منع کرنا' باز رکھنا' ملامت کرنا' پھر یہ لفظ تنبیہہ اور تادیب کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔ فقہ کی اصطلاح میں یہ لفظ ان سزاؤں پر استعمال ہوتا ہے جو حاکم وقت کے تقاضہ کے مطابق نافذ کرتا ہے۔

مختلف مجرموں کی سزائیں

قتل کی سزا

قرآن مجید میں آتا ہے: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ (البقرہ۲:۱۷۸) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مقتولوں کے بارے میں تم پر قصاص مقرر کیا گیا ہے۔ قاتل آزاد ہو تو آزاد ہی مارا جائے گا۔ غلام ہو تو غلام اور عورت ہو تو عورت مگر جس کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دی گئی ہے۔ تو عمدگی سے پیروی کرنی چاہیے اور نیکی کے ساتھ اسے ادا کیا جائے گا'' اس آیت میں حسب ذیل احکام ہیں۔

۱۔ قصاص یعنی قاتل کو قتل کی سزا دی جائے۔
۲۔ آزاد قتل کرے تو اس کے بدلہ آزاد کو قتل کیا جائے۔ اگر غلام قتل کرے تو غلام قاتل کو قتل کیا جائے اور عورت قتل کرے تو عورت قاتل کو قتل کیا جائے۔
۳۔ اگر وارث خون بہا پر راضی ہو جائے تو دیت کا لے لینا جائز ہے۔

قتل بغیر عمد کی سزا

قتل بغیر عمد کی سزا مومن غلام آزاد کرنا اور وارثوں کو خون بہا دینا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: مَاكَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا (النساء۴:۹۲) ''اور کسی مومن کی شایان نہیں کہ وہ مومن کو مار ڈالے مگر غلطی سے اور جو کوئی غلطی سے کسی مومن کو مار ڈالے تو ایک مومن غلام آزاد کرے اور خون بہا دے جو اس کے وارثوں کے سپرد کیا جائے۔ سوائے اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔

ڈاکہ کی سزا

راہزن اور ڈاکو کی چار سزائیں ہیں۔

۱۔ جو ڈاکو ڈاکے ڈالنے کے ساتھ قتل بھی کرتے ہیں۔ تو ان کو قتل کیا جائے۔
۲۔ جو قتل و غارت کے ساتھ ملک میں فساد برپا کرتے ہیں۔ انھیں صلیب پر لٹکایا جائے تاکہ ان کی سزا کی تشہیر ہو۔
۳۔ جو لوگ ڈاکہ کے ساتھ لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹتے ہیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم ہے۔
۴۔ جو لوگ ڈرا دھمکا کر مال لوٹتے پھرتے ہیں۔ انھیں قید کرنے کا حکم ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ لڑائی کرتے ہیں۔ زمین میں فتنہ و فساد بپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ انھیں قتل کیا جائے۔ یا سولی پر چڑھایا جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں۔ یا ان کو قید کر دیا

جائے۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے تمہارے اوپر قابو پا لینے سے قبل توبہ کر لی۔" (مائدہ ۵:۳۳)

عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ میں رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے اور ان کے پیٹ میں کوئی بیماری تھی۔ حضورؐ نے فرمایا شہر کے باہر قیام کرو وہاں صدقہ کے اونٹ اور اونٹنیاں ہیں۔ ان کا دودھ نوش کرو انھوں نے ایسا کیا اور شفایاب ہو گئے لیکن جاتے ہوئے انھوں نے ا۔ اونٹوں کے نگران چرواہوں کو قتل کر دیا۔ ۲۔ ان چرواہوں کی آنکھیں نکال ڈالیں۔ ۳۔ ڈاکہ مار کر اونٹ ساتھ لے بھاگے۔ ۴۔ عورتوں کی آبروریزی کی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب علم ہوا۔ تو آپ نے ان کی گرفتاری کا حکم دیا وہ پکڑ کر لائے گئے۔ تو آپؐ نے ان کے ان جرائم کی سزا میں ان کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا دیئے۔ آنکھیں قصاص میں نکلوا دیں اور وہ اس سزا میں مر گئے۔ (بخاری، مسلم، تفسیر ابن جریر)

چور کی سزا

ارشاد الٰہی ہے: "چوری کرنے والا مرد ہو یا عورت ان کے جرم کی پاداش میں ان کے ہاتھ کاٹ دو۔ اللہ کی طرف سے یہ عبرت ناک سزا ہے۔ اللہ غالب بڑی حکمت والا ہے۔" (المائدہ ۵:۳۸) اس آیت میں قطع ید (ہاتھ کاٹنا) کی سزا انتہا کی سزا ہے یعنی اگر چور توبہ اور اصلاح نہ کرے اور عادی ہو جائے جس کی وجہ سے معاشرہ کا امن خطرے میں پڑ جائے تو اس چور کی سزا یقینی قطع ید (ہاتھ کاٹنا) ہے۔

نئی تحقیقات نے بھی یہ بات واضح کر دی ہے کہ چور کے دماغ میں چوری کی عادت ایک نیا مرکز چوری کا بنا دیتی ہے جس کا تعلق ہاتھ سے ہوتا ہے۔ ہاتھ کے کٹنے سے وہ مرکز بھی ختم ہو جاتا ہے اور عادت دور ہو جاتی ہے۔ ہاں ایسا چور جس نے کسی مجبوری کے تحت چوری کی ہے اور عادی مجرم نہیں یا کسی معمولی چیز کی چوری کی ہے۔ تو چور کو اصلاح کا موقع دینا چاہیے چور کو اس معمولی چوری کے بدلے حاکم حالات کے مطابق سزا دے سکتا ہے۔ مثلاً قید کرنا، یا کوئی اور سزا جس سے اس کی اصلاح ہو جائے۔

زنا کی سزا

زنا ایک ایسی برائی ہے جس سے معاشرہ میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ ریاستیں تنزل کا شکار ہو جاتی ہیں۔

قرآن مجید میں آتا ہے: "زانی مرد اور زانی عورت ان دونوں میں سے ایک ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو۔" (نور ۲۴:۲)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مسعود میں اس آیت کے نزول سے قبل اسرائیلی شریعت کے مطابق شادی شدہ مرد کو سنگساری کی سزا دی گئی اور غیر شادی شدہ کو صرف سو کوڑے مارے جاتے تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد کوڑوں کی سزا نافذ کی گئی۔

زنا کی سزا کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ طوالت کے خوف سے اس مسئلہ پر بحث نہیں کی جاتی۔

شراب خوری

قرآن مجید میں شراب خوری کے لیے سزا کا کوئی ذکر نہیں لیکن حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پٹائی کا حکم صادر فرمایا کرتے تھے۔ کوئی اسے ہاتھ سے مارتا کوئی جوتے سے کوئی کوڑے سے کوئی کھجور کی شاخ سے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے ایک شرابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ اس کا جرم ثابت ہو گیا۔ آپ نے فرمایا اس کی پٹائی کرو۔ ہم میں سے کوئی ہاتھ سے مارنے لگا۔ کوئی اپنے جوتے سے کوئی اپنے کپڑے سے۔"

جرم لواطت کی سزا

ارشاد الٰہی ہے: وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا "تم میں سے جو دو مرد بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو سزا دو۔"

ابو مسلم اصفہانیؒ کے نزدیک یہ آیت جرم لواطت کے متعلق ہے۔

قرآن مجید کا لفظ فَاٰذُوْھُمَا (دونوں کو سزا دو) عام ہے کسی قسم کی سزا تجویز نہیں کی لیکن اس فعل کے مرتکبین (فاعل اور مفعول) دونوں کو ان کے حالات کے مطابق سزا دی جائے گی۔ اسی وجہ سے فقہاء سے مختلف سزاؤں کا ذکر ہے۔

ابو حنیفہ کے نزدیک حد کی سزا نہیں دی جائے گی۔ تعزیری کی سزا ہوگی یا اسے قید خانہ میں ڈالا جائے جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک وہ حد کی سزا کا مستوجب ہے اگر شادی شدہ ہے تو سنگسار کیا جائے۔ اگر شادی شدہ نہیں تو کوڑے لگائے جائیں۔

قذف

قذف اسلامی شریعت میں کسی مرد کا پاک باز عورت پر زنا کی تہمت لگانے یا صحیح النسب شخص کے انکار کو کہتے ہیں۔

قذف کی سزا

ارشاد الٰہی ہے: وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (نور ۲۴:۴) ''وہ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو انھیں اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہی نافرمان ہیں۔

تین حکم

اس آیت میں بہتان تراشی کرنے والے کے متعلق تین احکام ہیں۔ ۱۔ اگر وہ چار گواہ پیش نہیں کرتا تو اسی کوڑے لگائیں جائیں۔ ۲۔ اس کی کبھی شہادت قبول نہ کی جائے۔ ۳۔ اللہ اور لوگوں کے نزدیک فاسق ہیں۔

بحیثیت مفکر اور مدبر کے

علم نفسیات کی رو سے کسی انسان کی ذہانت و فطانت ماپنے کے کئی پیمانے اور طریقے ہیں ایک طریقے کا کام شرح ذہانت (Intelligence Quotient) ہے جس کا مخفف 1-Q ہے۔ اگر اسے اس کی طبعی عمر (Chronological Age) پر تقسیم کیا جائے تو انسان 1-Q نکل آتا ہے۔ علماء نفسیات نے بے شمار نابغہ روزگار کے آئی۔ کیو دریافت کیے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شخص اپنے دور کا عبقری انسان تھا۔ چنانچہ نپولین، ہٹلر، مسولینی، سٹالن، کارل مارکس، روسو اور دیگر انقلابی اشخاص کے آئی۔ کیو نکالے گئے۔ چنانچہ سائیکالوجی اینڈ لائف نامی کتاب میں مختلف عبقری انسانوں کی ذہانت ماپی گئی ہے۔ یہ ایک اعجاز ہے کہ تمام عبقری انسانوں میں آپ ذہانت کے اس نقطہ پر تھے جہاں ابھی تک کوئی انسان نہیں پہنچ سکا اور نہ پہنچ سکے گا۔

قرآن مجید نے آپ کے اس فطری ذہانت کو نور کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ (نور: ۳۵) ان الفاظ میں آپ کے نور فطرت اور ذہانت کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نور فطانت آپ کی فطرت میں ودیعت کر رکھا تھا دوسرا نور اللہ تعالیٰ نے وحی نبوت کی صورت میں آپ پر نازل کیا۔ جس وجہ سے نور فطرت بھڑک اٹھا۔ اس میں ایک سورج کی سی روشنی پیدا ہوگئی۔ تو اس طرح آپ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہو گئے۔ دنیا کے مفکر فطری نور ذہانت سے متمتع ہوتے ہیں اور اس نور سے لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں لیکن وہ نابغہ روزگار نور وحی سے محروم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ان کی عقل مخفی رازوں اور پیچیدگیوں کی تہ تک نہیں پہنچ سکتی اور وہ غلطی کر جاتے ہیں۔ یہ فضیلت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل تھی کہ آپ دونوروں (نور فطری ذہانت اور نور وحی الٰہی) کی نعمت سے متمتع تھے۔ جس وجہ سے آپ آئی۔ کیو کے اس نقطہ عروج پر تھے جہاں کوئی نابغہ روزگار نہیں پہنچ سکتا۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ آپ کی ذہانت اور تدبر کو ظاہر کرتا ہے۔ بچپن سے یتیم تھے۔ والد کا سایہ عاطفت پیدائش سے پہلے ہی سر سے اٹھ گیا۔ پیدائش کے چند سالوں کے بعد والدہ بھی فوت ہو جاتی ہیں۔ پھر دادا اور چچا کی آغوش تربیت میں آ جاتے ہیں لیکن اپنی ذہانت اور فطری نور سے دادا اور چچا کی آنکھوں کا تارا بن جاتے ہیں۔ جب بلوغت کی عمر میں قدم رکھا تو ان کا حسن تدبر ہی تھا۔ جس کی وجہ سے اپنی قوم سے امین کا لقب پایا۔ یہ لقب آپ کے تدبر اور تفکر اور فطری ذہانت اور فطانت کو ظاہر کرتا

ہے۔ کوئی شخص تدبر کے بغیر اس لقب کا مستحق نہیں ہو سکتا اور قوم کی بھلائی اور خیر کے کاموں میں شرکت شروع کی۔ پہلا کام حلف الفضول کا ہے حرب فجار کے بعد عبداللہ بن جدعان کے مکان پر انسانیت کا دل میں درد رکھنے والے چند اصحاب جمع ہوئے ایک انجمن کی طرح ڈالی۔ جس کا کام ظالموں کو ظلم سے روکنا اور مظلوموں کی مدد کرنا تھا۔ آپ اس میں شامل تھے آپ فخریہ کہا کرتے تھے کہ میں اس معاہدہ میں شامل تھا۔ پھر عملاً اس معاہدہ کی شرائط پر عمل کیا ابوجہل سے ایک شخص کا حق دلایا۔

آپ کے تدبر اور ذہانت کی دوسری مثال حجر اسود کے نصب کرنے کا واقعہ ہے قریش نے بیت اللہ از سر نو تعمیر کیا۔ تعمیر کے بعد حجر اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا تو نزاع پیدا ہو گیا کہ کون سا قبیلہ اس پتھر کو اس کی جگہ پر رکھے۔ ہر قبیلہ اپنا استحقاق جتلاتا تھا۔ تلواریں میانوں سے باہر آ گئیں آخر ابوامیہ بن مغیرہ نے مشورہ دیا کہ ایک منصف بنا لو اور تجویز یہ دی کہ جو کوئی مسجد میں سب سے پہلے داخل ہو وہ یہ فیصلہ کر دے۔ یہ ایک حسن اتفاق سمجھ لیجئے یا اللہ کا پُرحکمت کام۔ کعبۃ اللہ میں سب سے پہلے جو شخص داخل ہوا وہ آنحضورؐ تھے سب لوگ پکار اٹھے۔ ھذا الامین رضینا بحکمه یہ امین ہیں ہم اس کے فیصلے پر راضی ہیں آپ نے اپنی چادر زمین پر بچھائی تمام قبائل کے سردار چادر کے کنارے پکڑ کر محل نصب کے قریب لے گئے۔ تو آپ نے پتھر اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا اس طرح آپ کے تدبر اور ذہانت سے وہ جھگڑا ختم ہو گیا۔

آپ کی سوجھ بوجھ اور تدبر کا اتنا چرچا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت خدیجہؓ نے اپنے تجارتی مال کی دیکھ بھال کے لیے آپ سے درخواست کی آپ نے قبول فرما لی۔ آپ سامانِ تجارت لے کر بصری تشریف لے گئے۔ حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا۔ اس غلام نے تجارتی سفر کے دوران میں آپ کے تدبر اور حسن معاملگی کو دیکھا۔ جس سے وہ بہت ہی متاثر ہوا اور تجارت میں حضرت خدیجہ کو پہلے سالوں کی نسبت بہت زیادہ نفع ہوا۔ میسرہ نے واپسی پر حضرت خدیجہ سے آپ کے تدبر، دیانت اور حسن معاملگی کا ذکر کیا۔ حضرت خدیجہ سن کر بہت متاثر ہوئیں انھوں نے شادی کا پیغام بھیجا۔ باوجود عمروں میں فرق نمایاں تھا لیکن آپ نے اس پیغام کو قبول فرما لیا۔ یہ آپ کے تدبر اور ذہانت کی روشن مثال ہے۔ حضرت خدیجہ ایک پاک باز عورت تھیں دوم مال و دولت والی۔ آپ کو اس دور میں ایک ایسے ساتھی کی ضرورت تھی۔ اس طرح آپ کی تمام مادی ضرورتیں پوری ہو گئیں اور خلوت میں یاد الٰہی کی فرصت مل گئی۔ غرباء، مساکین، اقرباء کی مالی خدمت کرنے کا موقع مل گیا۔ جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے غارِ حراء میں خلعت رسالت پہنایا اور ملت نو کی بنیاد رکھی تو آپ کے تدبر اور ذہانت کا ایک نیا امتحان شروع ہو گیا۔ آپ نے ایک طرف تو افراد ملت کی تربیت کی۔ دوم بڑی رازداری سے ان لوگوں تک پیغام پہنچایا جو آپ کے ذاتی دوست تھے اور ان کو صداقت پر یقین تھا یہ بھی آپ کے تدبر کی اعلیٰ مثال ہے۔ آپ نے مکی دور میں صحابہ کو حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ اس ہجرت سے صرف صحابہ قریش کے ظلم وستم سے محفوظ ہی نہ ہو گئے بلکہ آپ کا پیغام بیرون مکہ پہنچ گیا۔ باہر کی دنیا میں ایک معاون اور مددگار طبقہ پیدا ہو گیا۔ جب اوس اور خزرج کے صاحب اثر اصحاب آپ کے پیغام کو سن کر ایمان لے آئے تو ملت نو کے پھلنے پھولنے اور ترقی کے رستے کھل گئے اور اوس اور خزرج کے سردار نے رسول کریم ﷺ کو ہجرت کر کے مدینہ آنے کی دعوت دے دی۔ آپ نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔ ہجرت مدینہ کی دعوت قبول کرنے میں آپ کے تدبر کی زندہ مثال موجود ہے کیونکہ مدینہ ایسی جگہ پر واقع ہے جہاں سے قریش کی تجارت کے تمام راستے ملتے تھے اور بڑی آسانی سے راستوں کی ناکہ بندی کی جا سکتی تھی اور قریش کی اقتصادی حالت کو بگاڑا جا سکتا۔ چنانچہ تمام مسلمانوں کی ہجرت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ آپ کے سامنے مہاجرین کی آبادکاری اور مدنی ریاست کا دفاع بہت ضروری تھا۔ مہاجرین کی آبادکاری کے لیے انصار اور مہاجرین کے درمیان رشتہ مواخات قائم کر دیا اور دفاع کے لیے یہود اور دیگر ساکنین مدینہ کے درمیان میں میثاق کیا جس کی رو سے مدینہ کے دفاع میں یہود اور دیگر غیر مسلم قبائل شامل ہو گئے۔ یہ آپ کے تدبر کا بہت بڑا امتحان تھا جس میں بڑی کامیابی کے ساتھ سرخرو ہوئے۔ مدینہ کے دفاع کو مزید مضبوط کرنے کے لیے مدینہ کے اردگرد قبائل کے ساتھ معاہدات کیے۔ دوم قبائل کے عزائم سے باخبر رہنے کے لیے طلایا بھیجے کہ یہ آپ کے تدبر کا ہی نتیجہ تھا۔ دشمن کے مقابلے میں فوج اور اسلحہ کم ہے لیکن حربی چالوں سے دشمن پر غالب آ گئے۔ صلح حدیبیہ آپ کے تدبر کی ایک روشن دلیل ہے۔ وہ کام جو جنگوں سے نہ ہو سکا وہ اس صلح نامہ سے مکمل ہو گیا۔ اسی صلح نامہ کے نتیجہ میں قریش مسلمانوں کی جنگوں میں غیر جانب دار ہو گئے۔ یہ ایک زبردست سیاسی فتح تھی۔ قریش کے حلیف خیبر کے یہود تھے۔ معاہدہ کے بعد قریش یہود کی مدد سے

دست بردار ہو گئے اور یہود اکیلے رہ گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود پر بہت جلد غلبہ حاصل کر لیا اور یہود کی طاقت ختم ہو گئی۔ جلد ہی وہ شہر جہاں سے نکالے گئے تھے۔ فاتحانہ رنگ میں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں پھر آپ کے تدبر اور ذہانت کا امتحان ہوتا ہے کہ دشمن کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے۔ اگر دشمن کے ظالمانہ سلوک کو دیکھا جائے۔ تو ان کی سزا موت تھی۔ وہی دشمن ہے۔ جس کے ہاتھوں سے بے یارومددگار صحابہ ظلم برداشت کر چکے تھے اور کئی موت کا لقمہ بن چکے تھے۔ صرف صحابہ ہی ظلم کا شکار نہیں ہوئے تھے آپ بھی ہر قسم کے ظلم کو برداشت کر چکے تھے آپ نے تمام مظالم کو نظر انداز کر کے سب دشمنوں کو معاف کر دیا۔ معافی کا یہ نتیجہ نکلا کہ دشمن جان نثار مصاحب بن گئے اور آپ کے لیے جانیں قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

دشمنوں پر نوازشیں

دشمن کو معاف کرنے کے علاوہ ان کی تالیف قلبی بھی کی۔ مال غنیمت سے دل کھول کر ان کو دیا۔

ابوسفیان مع اولاد	۳۰۰ اونٹ اور ۱۲۰ اوقیہ چاندی
حکیم بن حزام	۲۰۰ اونٹ
نضیر بن حارث بن کلاہ ثقفی	۱۰۰ اونٹ
قیس بن عدی	۱۰۰ اونٹ
سہیل بن عمرو	۱۰۰ اونٹ

اس دلجوئی سے دشمنی محبت میں بدل گئی۔

فتح مکہ سے پہلے قحط کے زمانہ میں اہل مکہ کی مالی اور غلہ کے ساتھ مدد کی۔ یمامہ سے اہل مکہ کے لیے گندم درآمد ہوتی تھی۔ یمامہ کا سردار مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے گندم بھیجنی بند کر دی۔ مکے والے قحط سے تنگ آ گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثمامہ کو لکھا کہ یمامہ سے غلے کی مکے کو برآمد کی ممانعت منسوخ کر دی جائے چنانچہ آپ نے گندم کی ترسیل کو بحال کر دیا۔ اس سے اہل مکہ کے دلوں میں دشمنی کی شدت کم ہو گئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا خیرخواہ سمجھنے لگ گئے۔ یہ آپ کا حسن تدبر ہی تھا کہ مخالفین کی دشمنی کو محبت میں بدلنے میں کامیاب ہو گئے۔

رسول کریم ﷺ بحیثیت مقنن و جج

دستور اساسی

دستور اساسی کے معنی

انگریزی لفظ (Constitution) کے لغوی معنی جسمانی ساخت کے آتے ہیں لیکن اصطلاح میں دستور اساسی (Constitution) سے مراد وہ منظور شدہ قواعد وضوابط ہیں جن کے مطابق حکومت کا انتظام و انصرام ہوتا ہے۔

ارسطو دستور کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''کہ دستور اساسی اس اصول کو کہتے ہیں جس کے مطابق حکومت کا ڈھانچہ تیار کیا جاتا ہے۔''

گرٹ (Guret) کہتا ہے۔

''مملکت کا دستور اساسی ان بنیادی اصولوں کا مجموعہ ہے جو حکومت کی نوعیت کا تعین کرتے ہیں۔ بنیادی اصولوں میں وہ طریقہ جس کے ذریعہ مملکت کی تنظیم ہوتی ہے مختلف اعضائے حکومت (Organs of Government) کے درمیان اختیارات کی تقسیم اور فرائض حکومت انجام دینے کا طریقہ کار شامل ہے۔''

دوسری جگہ کہتا ہے۔

''دستور اساسی ان چند انقلابی اصولوں پر خاص طریقے سے پاس کیے ہوئے رسوم و رواج کے مجموعہ کو کہتے ہیں جن کے مطابق مملکت کی تنظیم ہوتی ہے۔''

برائس (Bryec) کہتا ہے۔

''کسی قوم یا مملکت کا دستور اساسی ان قوانین وضوابط پر مشتمل ہوتا ہے جو حکومت کی نوعیت شہریوں اور حکومت کے حقوق و فرائض کا تعین کرتے ہیں۔''

پروفیسر ووکے Prof Wookey کہتا ہے۔

''دستور اساسی ان اصولوں کا مجموعہ ہے جن کے مطابق حکومت کا اختیار رعایا کے حقوق اور دونوں کے مابین جو تعلق ہے ان کی ترتیب و تنظیم کی جاتی ہے۔''

پروفیسر ڈائسی Prof. Dicy کہتا ہے۔

''دستور اساسی ان قاعدوں کو کہتے ہیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ حکومت کے اختیارات اور فرائض پر اثر انداز ہوتے ہیں۔''

ان مفکرین کی تعریفات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دستور اساسی مملکت کا وہ بڑا قانون ہوتا ہے جس کے ذریعہ حکومت کی مشینری چلتی ہے اور ملک کے دوسرے ضمنی قوانین اسی کی روشنی میں وضع کیے جاتے ہیں۔

دستور اساسی کی اہمیت

قانون سازی کے لحاظ سے دستور اساسی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کوئی حکومت دستور اساسی کے بغیر چل نہیں سکتی۔ اس سے ملک میں

امن و امان قائم رہتا ہے۔ لوگ آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں وہ شہریوں کے حقوق و فرائض متعین کرتا ہے عمال حکومت کے اختیارات اور فرائض پر روشنی ڈالتا ہے۔

دستور اساسی کے بغیر ملک میں طوائف الملو کی پھیل جاتی ہے۔ ہر طرف فساد اور لاقانونیت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ ہر شہری کی جان و مال اور عزت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اس وجہ سے ہر حکومت کے لیے ایک دستور اساسی ہونا ضروری ہے۔ جس کے بغیر وہ چند دن بھی چل نہیں سکتی۔

قانون

انگریزی لفظ (Law) جس کے معنی قانون کے ہیں۔ قدیم جرمن لفظ (Log) سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں منجمد یا ہموار۔ انگریزی میں یہ لفظ یکسانیت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ سائیٹفک نقطہ نگاہ سے یہ لفظ سبب اور نتیجہ کا تعلق ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً اگر پودے کو پانی نہ دیا جائے تو وہ مرجھا جائے گا۔ پانی نہ دینا سبب ہے اور مرجھا جانا نتیجہ ہے۔

علم تمدن میں قانون (Law) اس اصول کو کہتے جس کا تعلق سلطنت سے ہو۔

ارتقائے قانون

جب سے معاشرہ کی بنیاد پڑی ہے۔ اس وقت سے قانون کا اختراع ہوا ہے۔ کیونکہ افراد اور معاشرہ کا ایک گہرا تعلق ہے بلکہ افراد کے بغیر معاشرہ وجود میں ہی نہیں آ سکتا۔ افراد اور معاشرہ کے باہمی تعلق اور روابط کو منضبط کرنے کے لیے قواعد وضوابط وضع کیے جانے لگے۔ معاشرتی روابط کے ان قواعد (قانون) کی تشکیل و تدوین شروع ہوگئی۔ اس ضمن میں زمانہ قبل مسیح (2084 تا 2081) میں آسریا اور بابل کے بادشاہ کا مجموعہ تعزیرات موسوم بہ "تعزیرات حمورابی (Code of Hammurabi) اور روما کے احکام دوازدہ (Twelve tables of Rome) مثال کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں۔

تمدنی زندگی کے آغاز میں ہی انسان نے یہ سوچ لیا تھا کہ معاشرتی زندگی بغیر قواعد وضوابط کے چل نہیں سکتی۔ ایک پرانا مقولہ ہے۔

"جہاں یہ قانون ختم ہوا وہاں ظلم و جور کا آغاز ہو جاتا ہے۔"

یہ مقولہ حقیقت اور صداقت پر مبنی ہے۔ اس وجہ سے جے ہالینڈ کہتا ہے۔

"قانون آزادی کے قلعہ کا دربان ہے۔ یہ ہر شخص کے حقوق متعین کرتا اور فرد کی آزادی وحریت کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ انسان کی آزادی کا ایک زبردست محافظ اور پاسبان ہے اور معاشرے کی بہترین جائے پناہ۔"

قدیم قانون کے تین مراحل ہیں۔

اوّل۔ پہلا مرحلہ اس دور سے تعلق رکھتا ہے۔ جب دنیا میں عدالتوں کا وجود قائم نہیں ہوا تھا۔

دوم۔ دوسرا مرحلہ اس دور سے تعلق رکھتا ہے جب عدالتیں قائم ہوگئیں اور آئینی قواعد وضوابط کو رسوم و رواج اور دوسری معاشرتی قیود اور پابندیوں سے الگ کر دیا گیا یہ تبدیلی "زرعی دور" کے آغاز میں رونما ہوئی۔ اس دور میں قانون کی تنقید کے لیے ایک باقاعدہ ادارہ قائم ہو گیا اور قانون کی ترقی اور تدوین و تشکیل کے لیے ایک خاص ادارہ وجود میں آیا۔

سوم: تیسرا مرحلہ تسوید قانون کا تھا۔ جب عدالتوں کی راہ نمائی کے لیے تعزیری قواعد وضوابط کے مجموعے تیار ہو گئے تاکہ قانون کی تشریح کا کام آسان ہو جائے۔ اس مرحلہ کی نمائندگی تعزیرات حمورابی اور روما کے احکام دوازدہ کرتے ہیں۔

اس دور کے خاتمہ کے بعد قانون رسمیات (Formalism) کے دور میں داخل ہوتا ہے سر ہنری مین لکھتے ہیں کہ:۔

"قدیم قانون کے منضبط ہونے کے ساتھ ہی اس کی ترقی وارتقاء کا خاتمہ بھی ہو گیا۔" (آئین قدیم صفحہ ۲۶)

قانون کے متعلق چند نظریات

قانون کو سمجھانے کے لیے اس کے مختلف نظریات کا مطالعہ ضروری ہے۔

حکمی نظریہ (Imperative Theory) کی رو سے قانون ایک حکم ہے جو ایک مقتدر اعلیٰ اپنی رعایا پر نافذ کرتا ہے۔

جان اسٹن قانون کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

''مقتدر اعلیٰ کا حکم قانون ہے۔''

جان اسٹن قانون کو انصاف اور عدل سے الگ رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک قانون صرف ایک حکم ہے۔ رعایا پر یہ فرض ہے اس پر عمل کرے اس حکم کی خلاف ورزی جرم ہے۔ یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔ سرہنری مین (Sir Henry Main) اور اس کے دوسرے ہم خیال مفکرین نے اس نظریہ پر سخت تنقید کی ہے۔ چنانچہ سرہنری حکمی نظریہ کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے۔ ''یہ نظریہ حکمی'' ان مختلف رسوم و رواج اور روایات کو نظر انداز کر دیتا ہے جو قانون کی قدرت رکھتے ہیں۔ احکامات سے مراد محض احکام صادر کرنے والے کی مرضی ہے۔ بغیر اس پر کوئی حد مقرر کیے ہوئے۔

سالمنڈ کہتا ہے۔

''انصاف کا تصور وضع قانون کے لیے لابدی امر ہے'' چنانچہ وہ ان الفاظ میں تعریف کرتا ہے۔

''ہم کہہ سکتے ہیں کہ قانون ان اصول و قواعد کے مجموعے کا نام ہے جو ریاست یا مملکت اپنی حکومت میں عدل و انصاف قائم رکھنے کی خاطر منظور کرتی اور نافذ کرتی ہے بالفاظ دیگر قانون ان اصول و قواعد پر مشتمل ہوتا ہے جو عدالت ہائے انصاف کے نزدیک مسلمہ ہو اور جس پر یہ عدالتیں عامل ہوں۔'' (Jurisprudence 10 Thed (1948) P:41)

بعض مفکرین کہتے ہیں کہ تمام قوانین حکم نامے میں شامل نہیں ہوتے بلکہ صرف دعوے ہوتے ہیں چنانچہ وڈرو ولسن (Wilson Woodrow) کہتا ہے۔

''قانون مسلمہ خیال اور عادت کا ایک جز ہے۔ جس نے حکومت کے بنائے ہوئے قواعد و ضوابط کی شکل میں ایک امتیازی اور رسمی شناخت کرنی ہے۔''

اسی طرح ہالینڈ کہتا ہے۔

''انسانی حکومت کا وہ عام اصول جس کا نفاذ مقتدر سیاسی طاقت کرتی ہے قانون کہلاتا ہے۔''

تاریخی نظریہ (Historical Theory)

اس نظریہ کا سرخیل سیلاگنی ہے۔ تاریخی نظریہ کی بنیاد اس امر پر ہے' کہ قانون کا اصل ماخذ نہ تو مقتدر اعلیٰ کا حکم ہے اور نہ ہی عوام کے رسم و رواج بلکہ اس کا منبع اچھائی اور نیکی کا وہ فطری احساس ہے جو ہر فرد میں موجود ہوتا ہے۔ فرد ان امور سے دل چسپی لیتا ہے جن سے ان کا براہِ راست واسطہ پڑتا ہے اور وہ خود محسوس کر لیتا ہے۔ کون سی چیز غلط ہے اور کون سی صحیح ہے۔ اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بناء پر ایک نظریہ قائم کر لیتا ہے۔ اسی طرح سوسائٹی کا کوئی فرد بھی ان امور سے متعلق کوئی نظریہ قائم نہیں کرتا۔ جس سے اس کا براہ راست تعلق نہ ہو۔

عمرانی نظریہ (Sociological Theory)

اس نظریہ کا حامی دمویدڈین پاؤنڈ ہے۔ اس نظریہ کی رو سے قانون سوسائٹی میں نظم و ضبط برقرار رکھنے کے لیے وضع کیا جاتا ہے۔

ہماری معاشرتی تنظیم کے لیے قانون ایک لازمی چیز ہے۔ اس کے بغیر نہ تو سوسائٹی کی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں اور نہ سوسائٹی میں امن قائم رہ سکتا ہے۔

اخلاقی نظریہ (Ethical Theory)

علم اخلاق اور علم قانون دونوں کا موضوع انسانی اعمال ہے اور دونوں کی غرض لوگوں کو برائی سے روکنا اور ان کو سیدھی راہ پر چلانا ہے۔ گو علم اخلاق کا دائرہ وسیع ہے اور علم قانون کا دائرہ ذرا تنگ۔ بہر حال قانون کی بنیاد اخلاق ہے۔ اگر قانون سے اخلاقی اقدار کو حذف کر دیا جائے۔ تو قانون بنی نوع انسان کی بہبود وفلاح کی بجائے ضرر رساں بن جائے گا اور معاشرتی زندگی کی عمارت منہدم ہو جائے گی۔ کیونکہ سماجی زندگی کی خوش حالی کا تعلق قانون سے ہے۔ اس وجہ سے مقنن حضرات قانون کو اخلاق کا لازمہ سمجھتے ہیں اور قانون کی عمارت اخلاق پر رکھتے ہیں۔ جس طرح اخلاق انسان کی مادی اور روحانی زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ اسی طرح وہ قانون جو اخلاق پر مبنی ہو۔ انسان کی مادی اور روحانی زندگی کا ضامن ہے۔

قانون کی تعریف

نظریات پر بحث کرنے کے بعد قانون کی تعریف کرنا آسان ہو گئی ہے۔ پس قانون ان قواعد وضوابط کا نام ہے جن کے ذریعہ نظم سلطنت چلایا جاتا ہے اور حکومت اور شہریوں کے مابین تعلق استوار کیا جاتا ہے۔ قانون کے ذریعہ حکومت سے لوگوں کو برے کاموں سے روکا جاتا ہے اور سیدھی راہ کی تلقین کی جاتی رہی ہے۔

مادی نقطہ نگاہ سے قانون افراد کی رضامندی سے مرتب کیا جاتا ہے لیکن اسلامی نقطہ نگاہ سے قانون وہ ضمنی قواعد ہیں جو قوم کی طبعی خصوصیات کے مطابق قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں ایک تفصیلی نظام مرتب کیا جاتا ہے۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے قرآن اور سنت رسول کو چھوڑ کر انسان کے بنائے ہوئے ضوابط قانون میں داخل نہیں ہوں گے۔

الٰہی اور انسانی حقوق میں فرق

۱۔ انسانی قانون اس وقت وجود میں آیا۔ جب لوگ خاندان اور قبیلوں میں بٹ گئے اور افراد نے ایک دوسرے کے حقوق پامال کرنے شروع کر دیئے۔ حفاظت حقوق کے لیے لوگوں نے چند قواعد وضوابط کی ضرورت محسوس کی۔ خاندان اور قبیلوں کے رسم و رواج نے ان قواعد وضوابط کے لیے مواد فراہم کیا۔ اس طرح انسانی قانون کی عمارت تعمیر ہونا شروع ہو گئی۔

اس کے برعکس اسلامی قانون کا آغاز اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس دنیا میں بھیجا اور حضرت آدم علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ وہ باتیں سکھائیں۔ جو اس دور کے لیے ضروری تھیں۔ پھر وقتاً فوقتاً لوگوں کی ہدایت و راہ نمائی کے لیے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ ہر دور اور زمانے کی ضرورت کے مطابق انبیاء علیہم السلام پر قانون نازل کرتا رہا۔ آخر کار یہ قانون رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر دور اور زمانے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے نازل کیا وہ ایک کامل ضابطہ حیات ہے اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدہ ۵:۳)

یعنی آج میں نے تمہارا قانون حیات مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے۔ تمہارا دین اسلام کو ٹھہرا کر راضی ہوا ہوں۔

۲۔ انسانی قانون کے لیے کسی فرد واحد یا قوم کی منظوری اور عدالت کا اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر ان باتوں میں سے کوئی چیز بھی قانون کو حاصل نہ ہو تو اس کی قانونیت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس اسلامی قانون کسی کی منظوری کا محتاج نہیں۔ نہ وہ اس بات کا محتاج ہے کہ عدالت اس پر عمل پیرا ہو۔ اگر قوم اور عدالت اس کو تسلیم نہیں کرتی تو وہ خود مجرم ٹھہرتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:۔

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ عَمَّا جَآءَ كَ مِنَ الْحَقِّ. (المائدہ ۵:۴۸)

پس تو لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کر اور اس قانون حق کو ترک کر کے جو تمھارے پاس آیا ہے لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ. (المجادلہ ۵۸: ۲۰)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ قوانین کے خلاف کرتے ہیں، وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ. (المائدہ ۵: ۴۴)

اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ لوگ کافر ہیں۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ. (ھود ۱۱: ۱۰۹)

اس قانون کی پیروی کر جو تیری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

۳۔ انسانی قانون روحانیت اور تقدس کا کوئی پہلو اپنے ساتھ نہیں رکھتا۔ جب کہ اسلامی قانون ہر مسلمان کے لیے واجب ہے۔ اس پر ایمان لانا ضروری ہے اس پر ایمان لائے بغیر دائرہ اسلام میں نہیں رہ سکتا۔

۴۔ اسلامی قانون اخلاقی اقدار کی آبیاری کرتا ہے لیکن انسانی قانون کو اخلاقی اقدار سے کوئی دل چسپی نہیں۔ ہاں انسانی قانون صرف اس وقت حرکت میں آتا ہے۔ جب دوسرے افراد کے حقوق کی پامالی ہو رہی ہو اور نظم حکومت میں کوئی خلل پڑتا نظر آ رہا ہو۔ مثلاً قوانین مروجہ کی نگاہ میں زنا اسوقت جرم ہے۔ جب عورت پر جبر کیا جائے۔ لیکن اسلامی قانون ہر شکل میں زنا کو ناجائز قرار دیتا ہے اور اس کے مرتکب کو سزا دیتا ہے۔

۵۔ اسلامی قانون کا ماخذ ذات الٰہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ.

لیکن انسانی قانون کا مصدر انسانی دماغ ہے۔

انسانی دماغ جذبات اور ماحول سے متاثر ہو سکتا ہے۔ اس وجہ سے کسی موضوعہ قانون کے متعلق یہ نہیں کیا جا سکتا کہ ذاتی رجحانات اور تعصبات سے بالاتر ہے۔

۶۔ انسانی قانون میں نہ تو وحدت ہے اور نہ یکسانی۔ یہ دونوں چیزیں قانون کے لیے ضروری ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی قانون میں وحدت اور یکسانی پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ. (الشوریٰ ۴۲: ۱۳)

اس نے تمھارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے۔ جس کا نوح علیہ السلام کو حکم دیا گیا' اور جو ہم نے تیری طرف وحی کی اور جس کا ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ دین (قانون) کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

۷۔ انسانی قانون محدود اصول اور قواعد کی شکل میں وجود میں آتا ہے۔ جوں جوں قوم کی ضروریات بڑھتی ہیں اور نئے نئے مسائل سامنے آتے ہیں۔ قانون موضوعہ میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ نئے اصول اور قواعد بنتے رہتے ہیں۔ گویا قانون موضوعہ کی ترقی رفتار زمانہ کے ساتھ ہے۔

اس کے برعکس اسلامی قانون کلیات اور قواعد کی صورت میں قرآن مجید میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ جو کسی زمانہ میں بھی تبدیل نہیں ہو سکتے کہ ارشاد الٰہی ہے۔

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ. (یونس ۱۰: ۶۴)

اللہ کی باتیں تبدیل نہیں ہوسکتیں۔

لیکن ہر زمانہ کی نئی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے قواعد کلیہ کی روشنی میں ضمنی قواعد بنائے جائیں گے۔ جن کو آج کل کی زبان میں بائی لاز کہنا چاہیے۔

۸۔ اسلامی قانون فطرت انسانی کے مطابق خلق کیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا. (الروم ۳۰:۳۰) یعنی اللہ کی بنائی ہوئی فطرت جس پر انسان کو پیدا کیا ہے۔ اس کے برعکس موضوعہ قانون انسان کی طبیعت جذبات رجحانات اور تعصبات کا مرہون منت ہے۔ اس وجہ سے اسلامی قانون ہر قسم کے معائب سے پاک ہے اور موضوعہ قانون انسانی جذبات اور تعصبات کی وجہ سے نقائص سے خالی نہیں۔

مصادر قانون

قرآن مجید

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قانون سازی میں پہلا ماخذ قرآن مجید تھا۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تقریباً تئیس سال نازل ہوتا رہا۔ اس کلام کی روشنی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قانون سازی کی اور اسی کے مطابق قانون سازی کا حکم تھا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف ۱۲:۴۰) حکم (قانون) اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں اسی کا حکم ہے۔

ایک اور موقع پر فرمایا فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ (المائدہ ۵:۴۸) جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اس سے ہٹ کر جو تیرے پاس حق آ چکا ہے۔

هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (انعام ۶:۱۵۵) یہ بابرکت کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے۔ پس اس کی پیروی کرو اور تقویٰ اختیار کرو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

قانون سازی میں قرآن مجید کو اولین ماخذ قرار دی جانے کی وجہ یہ ہے اس میں زندگی کے تمام اصول مجملاً و مفصلاً بیان کیے ہیں ارشاد الٰہی ہے۔

نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتَابَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ.

یعنی ہم نے تجھ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جو تمام چیزوں کو واضح بیان کرتی ہے۔

پوری وضاحت کے ساتھ یہ ایک مکمل دستور ہے ارشاد الٰہی ہے۔ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدہ ۵:۲) آج کے دن میں نے تمھارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمھارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔

سنت و حدیث

اسلامی قانون کا دوسرا مصدر سنت اور حدیث ہے۔ سنت کے معنی لغت میں طریقہ، قاعدہ یا کسی کام کا ڈھب یا زندگی کا اسلوب ہے لیکن اصطلاح میں سنت سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فعلی روش ہے جو اپنے اندر تواتر کا رنگ رکھتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احکام الٰہی پر خود عمل کیا پھر صحابہ نے دیکھ کر وہ کام کیا۔ اس کے بعد نسلاً بعد نسل تواتر کے ساتھ عمل ہم تک پہنچا۔

حدیث سے مراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اقوال ہیں۔ جو راویوں کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔ عرف عام میں سنت اور حدیث ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

حدیث کی تدوین کی بنیاد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں پڑ گئی تھی۔

قرآن مجید میں سنت کو قانون سازی کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (النحل ۱۶:۴۴) ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) نازل کیا (تا کہ جو تعلیم لوگوں کے لیے بھیجی گئی ہے) وہ ان پر واضح کر دیں۔ تا کہ وہ غور وفکر کریں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرَاکَ اللّٰہُ (النساء ع ۱۶) ہم نے آپ پر کتاب (قرآن) سچائی کے ساتھ نازل کر دی ہے تا کہ جیسا جو کچھ اللہ نے بتلا دیا ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔

وَمَآ اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَنَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (الحشر ۵۹:۷) یعنی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ دے اس کو لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔

رسول کریم کا فرمان

اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابَ اللّٰہِ سُنَّتِیْ میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک تم انھیں تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہو گے وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔

تمام علماء ومحدثین اور فقہاء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ سنت قرآن مجید کی تشریح اور تفسیر ہے۔ فَکَانَ السُّنَّۃُ بِمَنْزِلَۃِ التَّفْسِیْرِ وَالشَّرْحِ لِمَعَانِیْ اَحْکَامِ الْکِتَابِ (الموافقات صفحہ ۱۰) پس سنت قرآن مجید کے احکام کی تفسیر اور تشریح ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ہی صحابہ سنت رسول پر مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ دارمی بیہقی' ابن سعدٗ ابن البر نے روایت کی ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان سے دریافت کیا کہ اگر تمھارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوا تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ انھوں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پوچھا اگر کتاب اللہ میں اس کا ذکر نہ ہو تو انھوں نے جواب دیا پھر میں سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

حضرت رسول کریمؐ نے ابن مسعودؓ سے فرمایا اِقْضِ بِکِتَابِ اللّٰہِ وَ بِسُنَّۃٍ اِذَا وَجَدْتَّھُمَا فَاِذَا لَمْ تَجِدِالْحُکْمَ اجْتَھِدْ کتاب اور سنت کے مطابق فیصلہ کرو اگر نہ پاؤ تو اجتہاد کرو تمام ائمہ قانون اس بات پر متفق ہیں کہ سنت قانون اسلامی کا ماخذ ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں لَوْلاَ السُّنَنُ مَافَھِمَ اَحَدٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ (کتاب المیزان للشعرانی فی بیان ماورد فی ذم الرای عن الشارع) اگر سنتیں نہ ہوتیں تو ہم میں سے کوئی قرآن کا فہم حاصل نہ کر سکتا۔

امام شافعی فرماتے ہیں۔ ''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب کسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت واضح ہو جائے تو پھر اس کے لیے کسی قول کی وجہ سے اس کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۲)

معروف

دنیا کے ہر ملک میں قانون سازی میں رسم و رواج کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی قانون سازی میں رسم و رواج پر عمل کیا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَعَلَی الْمَوْلُوْدِ لَہٗ رِزْقُھُنَّ وَکِسْوَتُھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (بقرہ ۲:۲۳۳) بچے کے باپ پر دودھ پلانے والی کے کھانے اور کپڑے کی ذمہ داری رسم و رواج کے منافی نہ ہو بلکہ رواج کے مطابق ہو۔

دوسری جگہ آتا ہے وَمَنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْکُلْ بِالْمَعْرُوْفِ (نساء ۴:۶) اور جو غریب ہو تو دستور کے مطابق اپنا خرچ لے لے۔

حدیث میں آتا ہے۔ نَھٰی عَنِ الرُّسُوْمِ الْفَاسِدَۃِ وَاَمَرَ بِالصَّالِحَۃِ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۴) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بُری رسوم سے منع فرمایا اور اچھی رسموں کے قبول کرنے کا حکم فرمایا۔

ایک موقع پر عبداللہ بن مسعود نے فرمایا مَارَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ وَمَا رَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ قَبِیْحًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ قَبِیْحٌ یعنی جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس کو وہ برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قانون سازی میں عرب کے رسم ورواج کو سامنے رکھا۔ جن رسوم میں خیر کا پہلو پایا جاتا تھا اس کو اپنایا اس پر عمل کیا اور اس سے قانون سازی میں مدد لی۔ مسند احمد بن حنبل میں ایک روایت ہے۔ یُعْمَلُ فِی الْاِسْلَامِ بِفَضَائِلِ الْجَاهِلِیَّةِ اسلام میں جاہلیت کی اچھی باتوں پر عمل کیا جاتا تھا۔

اجتہاد

یہ لفظ جہد سے مشتق ہے جس کے معنی ایک شخص کا انتہائی درجہ تک کوشش کرنا ہے لیکن شرعی اصطلاح میں اس سعی بلیغ کو کہتے ہیں جو متقنن نئے نئے پیش آمدہ مسائل کا حل معلوم کرنے کے لیے کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے۔ اس سے کام لے کر اپنے مسائل کو حل کرنا عین اسلام کی روح کے مطابق ہے بلکہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے قرآن نے ان کو چوپاؤں سے تشبیہ دی ہے ارشاد الٰہی ہے۔ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص ۳۸:۲۹) یہ کتاب جو ہم نے تیری طرف اتاری ہے برکت والی ہے تاکہ وہ اس کی آیات پر غور کریں اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد ۴۷:۲۴) کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

غور وفکر کرنے کے متعلق ارشاد الٰہی ہے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت ۲۹:۶۹) جو لوگ ہمارے (کلام) کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لیے مخفی حقائق کا راستہ کشادہ کر دیتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نئے نئے پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے قرآنی آیات پر غور وفکر کیا کرتے اور صحابہ کو بھی یہی تلقین فرماتے اور اسی راستے کو پسند فرماتے حضرت معاذ بن جبل کی مشہور حدیث ہے۔

لَمَّا بَعَثَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْیَمَنِ فَقَالَ كَیْفَ تَقْضِیْ اِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَا قَالَ اَقْضِیْ بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِیْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ اَجْتَهِدُ بِرَاْیِیْ وَلَا آلُوْا (ابو داؤد۔ ترمذی عن معاذ بن جبل)

جب آپ نے اس کو (معاذ بن جبل) کو یمن بھیجا تو فرمایا اگر تمھارے سامنے کوئی مقدمہ آ جائے تو کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟ انھوں نے کہا جو کتاب اللہ میں ہے اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ ہو۔ انھوں نے فرمایا پھر سنت اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا وہ قضیہ ان میں سے نہ ہو جس کا رسولؐ نے فیصلہ کیا ہو اور نہ کتاب اللہ میں اس کا حوالہ ہو؟ تو انھوں نے کہا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہ کروں گا۔

حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے۔

كُنْتُ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا فَجَاءَ خَصْمَانِ فَقَالَ لِیْ اَقْضِ بَیْنَهُمَا فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْتَ اَوْلٰى قَالَ اَقْضِ بَیْنَهُمَا قُلْتُ عَلٰى مَاذَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِجْتَهِدْ فَاِنْ اَصَبْتَ فَلَكَ عَشَرُ حَسَنَاتٍ وَاِنْ اَخْطَاْتَ فَلَكَ حَسَنَةٌ (کنز العمال ج ۳ ص ۱۷۳ نمبر ۲۶۲۱)

ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا آپ کے پاس دو شخص آئے آپ نے فرمایا تم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپ کے سامنے میں یہ جرأت نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا تم فیصلہ کرو میں نے عرض کیا کیسے فیصلہ کروں؟ آپ نے فرمایا اجتہاد کرو۔ اگر تم صائب رائے رہے تو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر خطا کیا تو ایک نیکی۔

یہ دونوں احادیث اس بات پر شاید ناطق ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قانون سازی میں اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن مسعود سے فرمایا۔

اِقْضِ بِالْکِتَابِ اللّٰہِ وَالسُّنَّۃِ اِذَا وَجَدْتُھُمَا فَاِذَا لَمْ تَجِدِ الْحُکْمَ اجْتَھِدْ۔

جب تم قرآن اور سنت میں حکم پاؤ تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور جب قرآن وسنت میں حکم نہ پاؤ تو رائے سے اجتہاد کرو۔

اسلام سے ماقبل شرائع

اسلام سے ماقبل شرائع سے استفادہ زمانہ کے تقاضوں پر مبنی ہے۔ یہ بات مسلّمہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماقبل شرائع سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ یہ استفادہ قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق تھا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰھُمُ اقْتَدِہْ (الانعام۶:۹۰) یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت کی ہے ان کی ہدایت کی پیروی کر۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا ہم نے آپ کو وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیری کیجئے۔

تاریخ سے یہ بات مسلّمہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل تھا کہ اگر کسی بات کے متعلق براہ راست وحی نہ آتی تو آپ اہل کتاب کے طور طریقوں پر عمل کرنا پسند فرماتے تھے۔

قیاس

قیاس کا لغوی معنی ناپنا یا کسی چیز سے مقابلہ کر کے موازنہ کرنا ہے فقہ کی اصطلاح میں "علت کو مدار بنا کر سابقہ فیصلہ اور نظیر کی روشنی میں نئے مسائل حل کرنے کو قیاس کہتے ہیں"۔

تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم و العلۃ (نور الانوار صفحہ ۲۱۴) حکم اور علت میں فرع کو اصل کے مطابق کرنا۔

یہ تعریف اور بھی واضح ہے۔ الحاق امر بامر فی الحکم الشرعی لاتحاد بینھُمَا فِی الْعِلَّۃِ یعنی دو مسئلوں میں اتحاد علت کی وجہ سے ایک کا حکم دوسرے پر لگا دینے کا نام ہے۔

شریعت کے تمام احکام کا دار و مدار مخصوص اغراض و مصالح پر ہے وہی اغراض اور مصالح ان احکام کی علت ہیں جب ایک حکم کی علت دوسرے حکم میں پائی جائے تو پہلے کا حکم دوسرے پر لگایا جاتا ہے مثلاً قرآن مجید میں شراب حرام ہے۔ حرمت کی وجہ نشہ ہے اب جو بھی نشہ آور اشیاء ہوں گی ان سب پر شراب کا حکم صادر کر کے حرام قرار دیا جائے گا۔

قیاس کا جواز قرآن مجید سے ثابت ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُھَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ (عنکبوت ۲۹:۴۳) یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انھیں سوائے علم والوں کے کوئی نہیں سمجھتا۔

دوسری جگہ آتا ہے فَاعْتَبِرُوْا یَآ اُولِی الْاَبْصَارِ (الحشر ۵۹:۲) تو اے بصیرت والو عبرت حاصل کرو۔

یہ آیات ظاہر کرتی ہیں دنیا کے حالات کو دیکھ کر استنباط کرنا چاہیے۔ ان میں مسائل کا حل پایا جائے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرماتے ہیں۔ اَنَا اَقْضِیْ بَیْنَکُمْ بِالرَّاْیِ فِیْمَا لَمْ یُنْزَلْ فِیْہِ وَحْیٌ جن امور سے متعلق وحی نازل نہیں ہوتی ان کا فیصلہ میں اپنی رائے سے کرتا ہوں۔

قانون سازی کے اصول

عدم حرج

قانون وضع کرتے وقت یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ایسا کوئی قانون وضع نہ کیا جائے جو عوام کے لیے تکلیف کا باعث ہو اور اس پر عمل کرنا دشوار ہو۔ اس سے معاشرہ میں بدنظمی اور قانون شکنی کے جذبات ابھرتے ہیں' قرآن مجید میں آتا ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ (بقرہ رکوع ۲:۲۸۶) یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اتنی تکلیف نہیں دیتا جس کو وہ برداشت نہ کر سکے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ''میں سہل مذہب لے کر مبعوث ہوا ہوں۔''

پھر فرمایا۔ ''اللہ کو پسندیدہ دین (قانون) وہ ہے جو سیدھا اور آسان ہو۔''

۲۔ قلت تکلیف

عدم حرج کا لازمی نتیجہ قلت تکلیف ہے۔ قانون سازی کرتے وقت ایسے قانون اور قواعد بنانے چاہیں جو لوگوں کے مزاج کے مطابق ہوں اور ان پر عمل کرنا باعث زحمت اور تکلیف نہ ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِی الْاِسْلَامِ (دارقطنی ومؤطا) یعنی اسلام میں نہ تو کسی کو تکلیف دینا ہے اور نہ خود تکلیف اٹھانا ہے۔

فرماتے ہیں: ''دین (اسلامی قانون) آسان ہے لیکن جو شخص دین (قانون) میں مبالغہ کرتا ہے اس پر وہ غالب آجاتا ہے۔'' (بخاری ومشکوٰۃ باب القصد فی العمل)

۳۔ تدریج

تدریج سے مراد ہے مختلف قوانین کو حالات کے مطابق رفتہ رفتہ نافذ کرنا۔ جس طرح قرآن مجید نے قوانین کے بیان میں تدریج کے اصول کو پیش نظر رکھا تھا۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بتدریج انفرادی اور اجتماعی سطح پر لوگوں کی ذہنی پختگی اور اخلاقی تربیت کے مطابق زندگی کے مختلف معاملات سے متعلق قوانین بنائے۔ حضور کا ارشاد ہے:۔

''یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے شریعت کے تمام احکام ایک ہی دفعہ نافذ نہیں فرمائے بلکہ وہ مختلف اوقات میں رفتہ رفتہ واجب ہوئے۔''

۴۔ استحکام و دوام

انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو دوام اور استحکام حاصل نہیں۔ بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر ان قوانین میں تبدیلی ناگزیر ہو جاتی ہے جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بنایا ہوا قانون ایسے تمام نقائص سے پاک ہے اور اس قانون میں تغیر وتبدل کی ضرورت کبھی محسوس نہیں ہوگی کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قانون سازی کی اساس ایسی دائمی صداقتیں ہیں جو تمام انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی مزاج سے مکمل ہم آہنگی اور موافقت رکھتی ہیں۔ انفرادی اور اجتماعی ارتقاء کا کوئی پہلو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصول قانون سے باہر نہیں رہ سکتا۔

۵۔ اعتدال

نبویؐ قانون سازی افراط اور تفریط سے پاک ہے' انفرادی ضروریات کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے اور اجتماعی مفاد کو بھی۔ نہ نرمی کو روا رکھا گیا ہے جو لوگوں کو جرم کے ارتکاب پر ابھارے نہ اتنی سختی سے کام لیا گیا ہے۔ جو طبائع کو قانون شکنی کی طرف مائل کرے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا بہترین امور (قوانین) وہ ہیں جو افراط اور تفریط سے پاک ہوں۔

۶۔ مساوات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک قانون کی نظر میں تمام لوگ خواہ امیر ہوں یا غریب' حاکم ہوں یا محکوم' عربی ہوں یا عجمی' آقا ہو یا غلام سب برابر ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں اس مساوات اور برابری کا ذکر کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں کئی ایسی مثالیں ملتی ہیں جو قانون ایک غریب پر لاگو ہوا' وہی قانون امیر اور صاحب حیثیت پر نافذ ہوا۔ اگر کسی نے آپ سے بڑے آدمی پر قانون لاگو نہ کرنے کی سفارش کی تو آپ نے برہمی کا اظہار کیا اور فرمایا: ''تم سے پہلی قومیں اسی لیے برباد ہو گئیں کہ جب کوئی

معزز آدمی جرم کرتا تو اس کو چھوڑ دیا جاتا اور اگر ادنی آدمی جرم کرتا تو اسے سخت سزا دی جاتی۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا کے مختلف ممالک میں امتیازی قوانین نافذ تھے۔ مراعات یافتہ لوگوں کے لیے اور قوانین تھے اور ادنی لوگوں کے لیے اور معاشرہ مختلف طبقات میں منقسم تھا۔ ہر طبقہ کے لیے مختلف قوانین تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام انسانوں کو ایک اصل کی مختلف شاخیں اور تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا کنبہ کہہ کر قانون کی نظر میں سب کو برابر قرار دے دیا۔

۷۔ تعمیر کردار

اسلامی قانون معاشرے میں ایک مثبت اور تعمیری کردار ادا کرتا ہے اور لوگوں کے اندر پاکیزگی اور ذہنی صلاحیتوں اور جسمانی قوتوں میں نشو ونما پیدا کرتا ہے معاشرے میں امن وسکون کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ ان اسلامی قوانین کا یہ اعجاز ہے کہ مسلمان اتنا پختہ کردار ہو چکے تھے کہ اگر کسی سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو وہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اعتراف جرم کرتا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے ایک مسلمان حاضر ہوا' اس نے باآواز کہا یا رسول اللہؐ! ''میں زنا کر بیٹھا ہوں' مجھے پاک کر دیجئے۔''

آپؐ نے یہ سن کر اس طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ شخص پھر سامنے آیا کہنے لگا' یا رسول اللہ مجھ سے زنا کا جرم سرزد ہو گیا ہے۔ حضورؐ نے پھر منہ پھیر لیا۔ یہاں تک کہ چار بار ایسا ہی ہوا۔

جب اس نے چار بار زنا کا اعتراف کر لیا تو آپ نے بلا کر دریافت کیا۔ تم دیوانے ہو۔ اس نے کہا نہیں۔ پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے پوچھا' کیا تم شادی شدہ ہو' اس نے اثبات میں جواب دیا۔ یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حد جاری کرنے کا حکم دیا۔

مختلف شعبوں میں نبویؐ قانون سازی

فوجداری قوانین

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے مختلف شعبوں میں قانون سازی کی۔ چند نمایاں قوانین بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے قصور لوگوں کو سزا سے بچانے کے لیے یہ اصول بیان فرمائے: ''قاضی کے لیے غلطی سے کسی مجرم کو بری کر دینا اس سے بہتر ہے کہ وہ غلطی سے کسی بے گناہ کو سزا دے۔''

اس دور میں اس اصول کے پیش نظر دنیا کے تمام ممالک نے یہ قانون وضع کیا ہے: ''ایک بے قصور کو سزا دینے کی نسبت نو مجرموں کو بری کر دینا بہتر ہے۔''

۲۔ ذمہ داری کے تعین کے سلسلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اہم اصول بیان فرمایا:
''غلطی' بھول چوک اور جبر واکراہ کی صورت میں تو ذمہ داری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

۳۔ قانون میں مساوات کا اصول وضع کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
''قصاص اور دیت میں سب مسلمان برابر ہیں۔''

۴۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جرائم حدود کو (ان جرائم کو جن کی سزا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے) ناقابل مصالحت قرار دیا ہے۔

۵۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوجداری مقدمات مجرم کی سفارش کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا:
''جو شخص اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزاؤں میں نرمی برتنے کی سفارش کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے۔''

۶۔ قتل کے مقدمے میں وراثت کا یہ اصول بیان فرمایا کہ قاتل اپنے مقتول کا وارث نہیں بن سکتا۔

۷۔ پرانے زمانے میں قانون حمورابی کے مطابق اگر کوئی شخص کسی کی بیٹی یا بیٹے کو قتل کر دیتا تو بدلے میں اس کی بیٹی یا بیٹے کو قتل کیا جاتا۔ قاتل کو سزا نہ دی جاتی۔
رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بے انصافی کا خاتمہ کیا اور اصل قاتل کو سزا کا مستحق قرار دیا۔

۸۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل کے جرم کو تین قسموں میں تقسیم کیا (۱) یعنی قتل عمد (۲) قتل شبہ (۳) قتل خطا تینوں کے لیے الگ الگ سزا مقرر کی' تا کہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔

۹۔ زمانہ جاہلیت میں قصاص اور دیت میں یکسانیت نہ تھی طاقتور قبائل کے افراد کا خون بہا کمزور قبائل کے افراد کے خون بہا سے دوگنا لیا جاتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بے انصافی کا خاتمہ کرتے ہوئے فرمایا:
''قصاص اور دیت میں تمام مسلمان برابر ہیں۔''

۱۰۔ اگر کسی حاملہ عورت کو مار ڈالا جائے تو اسلامی قانون کی رو سے اس کے رحم میں مرنے والے بچے کا بھی قصاص لیا جائے گا۔

عائلی زندگی کے متعلق قانون سازی

۱۔ قرآن مجید کی آیت محرمات (النساء۴: ۲۳۔۲۴) میں دو بہنوں کو بیک وقت ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی اصول کے مطابق پھوپھی' بھتیجی' خالہ اور بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا۔

۲۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نسبی ماں اور بہن کی رضاعی ماں اور بہن کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا لیکن باقی رضاعی رشتوں کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کے پیش نظر کہ حرمت کی جو علت نسبی رشتوں میں پائی جاتی ہے' باقی رشتوں کو بھی حرام قرار دیا۔ ''جو رشتے نسب سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں۔''

۳۔ نکاح کے سلسلے میں عورتوں کے اختیار کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''بیوہ کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک وہ اس کی اجازت نہ دے دے۔ نہ کنواری کا نکاح اس وقت تک کیا جائے جب تک اس کی رضامندی نہ لی جائے۔'' عرض کیا گیا' یا رسول اللہ! کنواری کی رضا مندی کیسے معلوم کی جائے؟'' فرمایا اس کا خاموش رہنا ہی اس کی رضامندی ہے۔

۴۔ اسی طرح نکاح شغار (یعنی مہر مقرر کیے بغیر ادلے بدلے کا نکاح) کو ممنوع قرار دیا۔

۵۔ طلاق کی صورت میں چھوٹے بچوں کی حفاظت کا حق ماں کو دلوایا۔

۶۔ میراث کے سلسلے میں یہ اصول بیان فرمایا کہ کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔

۷۔ وراثت کے سلسلے میں ایک دوسرا قانون یہ بیان فرمایا کہ نہ کافر مسلمان کا وارث بن سکتا ہے نہ مسلمان کافر کا۔

۸۔ وراثت کا تیسرا اصول یہ مقرر فرمایا کہ کوئی قاتل مقتول کا وارث نہیں بن سکتا۔

لین دین کے متعلق قانون سازی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرید و فروخت اور معاہدات سے متعلق حسب ذیل قانون وضع فرمائے:۔

۱۔ ایسی خرید و فروخت ممنوع ہے جس میں کسی ایک فریق پر جبر کیا گیا ہو۔

۲۔ کھڑی فصلوں اور درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کو بیچنا اور کاشت کے لیے زمین بٹائی پر دینا ممنوع ہے۔

۳۔ ذخیرہ اندوزی اور ایسی خرید و فروخت منع ہے جس میں سود کا عنصر پایا جاتا ہے۔

۴۔ فروخت کی جانے والی چیز فروخت کنندہ کے قبضے میں ہونی چاہیے۔

۵۔ معاہدے میں کوئی ایسی شق نہ ہونی چاہیے جو ایک فریق کے لیے سراسر فائدے کی اور دوسرے کے لیے سراسر نقصان کا باعث ہو۔

۶۔ معاہدے کی پابندی کرنا جزو ایمان قرار دیا۔

۷۔ حق شفعہ کا قانون حضورؐ سے پہلے کہیں موجود نہ تھا۔ اس قانون کے تحت آپ نے یہ قرار دیا کہ اگر کوئی شخص اپنا مکان یا زمین فروخت کرنا چاہے تو خریداری کا پہلا حق اس کے قریب ترین ہمسائے کو حاصل ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور جج

معاشرے میں عدل و انصاف کو وہی اہمیت حاصل ہے۔ جو روح کو بدن کے ساتھ ہے اگر روح بدن کا ساتھ چھوڑ دے تو وہ بدن ایک مردہ بدن ہے۔ بدن اسی وقت حرکت اور نشو ونما پاتا ہے۔ جب تک روح کا تعلق بدن سے قائم ہو۔ یہی حالت عدل اور معاشرہ کی ہے۔ اگر معاشرہ میں عدل ہے تو معاشرہ زندہ اور قائم ہے اگر معاشرہ سے عدل ختم کر دیا جائے تو معاشرہ اپنی موت خود مر جاتا ہے۔ تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ اسی ملک اور قوم نے ترقی کی ہے جس کے عوام کے دروازہ پر عدل و انصاف خود دستک دے اور وہ قوم اور ملک تنزل اور ادبار کا شکار ہو جاتا ہے، جہاں عدل و انصاف کا پودا مرجھا جاتا ہے۔ اسلام سے قبل دنیا کے ہر خطہ سے عدل و انصاف ختم ہو چکا ہوا تھا۔ ظلم وستم اور بے انصافی کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ اس دور میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدل و انصاف کے پودے کی آبیاری کی۔ اپنوں اور بیگانوں، دوستوں اور دشمنوں کے لیے انصاف کا ترازو یکساں تھا اور کسی طبقے کو بھی انصاف نہ ملنے کا گلہ و شکایت نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف قولی طور پر انصاف کی تعلیم نہیں دی ہے۔ بلکہ اسوۂ حسنہ سے بھی عدل و انصاف کے پرچم کو بلند کیا۔

قبیلہ بنی مخذوم کی فاطمہ نامی ایک عورت نے چوری کی تو اس کے عزیزوں کے ایماء پر حضرت اسامہ بن زیدؓ نے اس کی خاندانی عظمت کا حوالہ دیتے ہوئے سزا کے ساقط کی سفارش کی۔ تو حضورؐ نے فرمایا: ''اس کی جگہ فاطمہؓ بنت محمدؐ بھی ہوتی تو اس کو بھی یہی سزا ملتی۔'' پھر فرمایا: ''تم سے پہلی قومیں اسی لیے تباہ و برباد ہوئیں کہ انھوں نے انصاف میں امتیاز روا رکھا، بااثر مجرم کو معاف کر دیا جاتا، کوئی غریب جرم کرتا تو اس کو سزا دی جاتی۔'' (مشکوٰۃ)

اسلامی تاریخ میں کئی ایسی امثلہ ملتی ہیں کہ حضورؐ کی عدالت میں مسلم اور غیر مسلم کا مقدمہ پیش ہوا اور غیر مسلم کو حق پر سمجھتے ہوئے مسلم کے خلاف فیصلہ دے دیا۔

ہجرت کے فوراً بعد یہود سے جو ''میثاق مدینہ'' ہوا، اس کی آخری شرط یہ تھی کہ ''باہم آئندہ کوئی جھگڑا اور اختلاف پیدا ہوا تو وہ فیصلہ کے لیے حضورؐ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور آپ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔'' غور کیجئے اپنے تو اپنے غیروں کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عدل و انصاف پر کس قدر اعتماد تھا۔

رسول کریم ﷺ بحیثیت سپہ سالار

ا۔ بعثت نبویؐ سے قبل جنگ کا تصور

جب سے دنیا شروع ہوئی۔ جنگ و جدل کا سلسلہ جاری ہے ساتویں صدی عیسوی کے شروع تک جنگ بہت سے ارتقائی مراحل طے کر چکی تھی۔ عرب کے پڑوس میں یونانیوں اور رومیوں نے جنگ کو ایک فن اور سائنس کے مرتبے تک پہنچا دیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ جنگی اصول جن پر فی زمانہ عمل ہوتا ہے۔ متعین کیے جا چکے تھے۔ یونان میں سکندر اعظم کارتھیج میں ہنی بال، روم میں سیزر اور فارس میں دارا جیسے شہرہ آفاق جرنیل گزر چکے تھے جن کو حربیات کا ماہر سمجھا جاتا ہے لیکن ان کے تجربات کا کوئی اثر حضورؐ پر نہیں ہوا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فطری طور پر ماہر جنگ اور عظیم سپہ سالار تھے۔ میدان میں آپؐ کی راہنما قرآنی آیات تھیں۔

بعثت سے قبل چار بڑے مذاہب دنیا میں رائج تھے۔ ہندومت، بدھ مت، یہودیت اور عیسائیت، ہندو دھرم کی کتابوں کے مطابق جنگ کے مقاصد غصب و نہب، لوٹ مار، غارت گری قوت و اقتدار کی ہوس، ہوس ملک گیری، انتقام اور بربریت تھا۔ اسی طرح یہودیت حصول مال و دولت اور ملک گیری کو جنگ کا مقصد قرار دیتا ہے۔ بدھ مت اور عیسائیت میں خون بہانے کی ممانعت ہے لیکن عیسائیت نے اپنی تعلیمات سے انحراف کر کے یہودیت کے مقاصد کو اپنا لیا اس کے علاوہ اس زمانے کی دنیا میں ایران اور روم مہذب ممالک کہلاتے تھے لیکن ان کے سامنے بھی جنگ کا کوئی اخلاقی مقصد نہیں ہوتا تھا۔ اسی کے مقاصد بھی وہی تھے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہی حال عربوں کا تھا وہ بھی جنگ کے مقاصد لوٹ مار، قتل و غارت اور قتل عوام خیال کرتے تھے۔

اسلام میں جنگ کا تصور

اسلام بنیادی طور پر امن کا دین ہے۔ یہی نکتہ لفظ اسلام میں مضمر ہے۔ دینی اور دنیوی دونوں تاریخیں بتاتی ہیں بعض اوقات تلوار امن قائم رکھنے کے لیے اٹھانی پڑ جاتی ہے اگر اس وقت تلوار نہ اٹھائی جائے تو دنیا کا امن تہ و بالا ہو جانے کا قوی امکان ہوتا ہے۔ جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آپ نے تلوار ایک مجبوری کے تحت اٹھائی اور دنیا کا پہلا سپہ سالار ہے جس نے دنیا کو تلوار کا صحیح استعمال بتایا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئے تو اسلام کے دشمنوں نے پھر بھی پیچھا نہ چھوڑا اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا عزم کر رکھا تھا اس کا واضح ثبوت وہ خط ہے جو رؤساء مکہ نے عبداللہ بن ابی اور یہود کو لکھا۔ انھوں نے لکھا ''تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں یا تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم تم پر حملہ کریں گے اور تم کو گرفتار کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔''

کفار نے صرف دھمکی پر ہی اکتفا نہ کیا تھا بلکہ مدینہ کے اردگرد کے قبائل کو بھڑکانا شروع کیا اور مدینہ کی گرد و نواح کی بستیوں پر حملہ آور بھی ہوئے اور یہ خطرہ اس قدر بڑھ چکا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ راتوں کو پہرہ دیتے اور ہتھیار لگا کر سوتے تھے۔ دشمنوں کی نقل و حرکت دیکھنے کے لیے مدینہ کی مختلف اطراف میں فوجی دستے بھیجتے۔ یہ تھے۔ وہ حالات جن کے تحت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلوار اٹھانی پڑی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان لڑائیوں کے اسباب کا ذکر قرآن مجید میں تفصیلاً ملتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لڑائیوں کے اسباب

پہلا داعیہ: مدافعت

اسلام صرف مدافعت اور حفاظت خود اختیاری کے لیے جہاد کی اجازت دیتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ (الحج ۲۲:۳۹) ان لوگوں کو اجازت دی گئی ہے۔ جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں آتا ہے: وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (بقرہ ۲:۱۹۰) اور اللہ کے راستہ میں جنگ کرو ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دوسرا داعیہ: نقض عہد

اسلام نے ان لوگوں سے جہاد کرنے کی اجازت دی ہے جو نقض عہد کرتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نقض عہد خرمن امن کو بھسم کر دیتا ہے اور دنیا میں اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا۔ جب تک معاہدات کی پابندی نہ کی جائے۔ اس لیے اسلام نے معاہدات کی پابندی پر بہت زور دیا ہے اور اس قوم سے لڑنے کی اجازت دی ہے جو معاہدات کرنے کے بعد بار بار توڑتی ہے پھر مسلمانوں کی بقاء کے لیے خطرہ کا موجب بنتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اَلَّذِیْنَ عَاھَدْتَّ مِنْھُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَھْدَھُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ وَّ ھُمْ لَا یَتَّقُوْنَ (الانفال ۸:۵۶) وہ جن سے تو عہد کرتا ہے پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں اور وہ عہد کے توڑنے کے جرم سے نہیں بچتے۔

پھر فرمایا۔ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّھُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِھِمْ مَّنْ خَلْفَھُمْ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ (الانفال ۸:۵۷) سو اگر تو ان کو جنگ میں پائے تو ان کو عبرت ناک سزا دے کر منتشر کر دے تا کہ ان کی آنے والی نسلیں نصیحت حاصل کریں۔

تیسرا داعیہ: احترام انسانیت اور مظلوموں کی دست گیری

قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَمَا لَکُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ الظَّالِمِ اَھْلُھَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِیْرًا (سورۃ النساء ۴:۷۵) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے راستہ میں جنگ نہیں کرتے اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لیے جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی دوست بنا اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی مددگار اور معاون بنا۔

چوتھا داعیہ: استعمار پسند حکومت کے خلاف جہاد

اگر کوئی حکومت ملک گیری کی ہوس میں امن کو خراب کرنے کی کوشش کرے تو اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اس استعماریت کے خلاف جنگ کرے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ (بقرہ ۲:۱۹۳) تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا دست درازی سے رک جاؤ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میدان جنگ میں اترنا پڑا۔ دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے نہیں بلکہ ایک اصول کے ساتھ اور جنگ کے ایسے اصول وضع کیے اور ظالمانہ جنگی طور وطریقہ میں ایسی اخلاقی اصلاحات کیں جن سے قدیم جنگوں کا فلسفہ ہی بدل گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انقلابی اصلاحات

اسلام سے قبل جنگوں میں انسانیت سوز افعال کا ارتکاب کیا جاتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام افعال کو یکسر موقوف کر دیا اور جنگی اصلاحات کی تعلیم دی۔

پہلی اصلاح

اسلام نے صرف مدافعت اور انسانیت کے احترام اور مظلوم کی حمایت میں جنگ کی اجازت دی۔

دوسری اصلاح

اسلام نے غیر مقاتلین کو قتل کرنے کی ممانعت کی ہے۔ چنانچہ ابو داؤد میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فوج کو روانہ کرتے وقت فرمایا: اللہ کا نام لے کر اللہ کی مدد سے اور اللہ کے رسولؐ کی ملت پر قائم رہتے ہوئے چل پڑو۔ کسی بوڑھے ضعیف، چھوٹے بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا، مال غنیمت میں سے چوری نہ کرنا، جنگ میں جو کچھ ہاتھ آئے ایک جگہ جمع کرنا، صلح کی روش اختیار کرنا، احسان کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔

تیسری اصلاح

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غفلت یا نیند کی حالت میں حملہ کرنے سے احتراز فرماتے تھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر پر چڑھائی کی۔ آپ رات کے وقت وہاں پہنچے اور آپ کا یہ دستور تھا کہ جب کسی محارب قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو آپ حملہ نہ کرتے جب تک صبح نہ ہو جاتی۔

لیکن اگر دشمن قوم کے ساتھ جنگ جاری ہے تو ایسی صورت میں رات کے وقت حملہ کرنا جائز ہے۔

چوتھی اصلاح

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غصب ونہب کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ سے روایت ہے۔ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النُّهْبٰى وَالْمُثْلَةِ (بخاری) کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوٹ مار اور مثلہ سے منع فرمایا ہے۔

پانچویں اصلاح

اسلام نے تباہ کاری اور فساد برپا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن میں ارشاد الٰہی ہے۔ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ. (قصص ۲۸:۸۳) ہم آخرت کا گھر جنت میں ان لوگوں کے لیے مخصوص کریں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں۔ نیک انجام متقیوں کے لیے ہے۔

چھٹی اصلاح

اسلام نے مال غنیمت میں سے خیانت کی ممانعت کی ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران ۳:۱۶۱) اور جو کوئی مال غنیمت میں خیانت کا مرتکب ہوگا وہ جو کچھ اس نے خیانت کی ہے قیامت کے دن لائے گا۔

اس آیت کی تشریح کرتے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لَا تَغُلُّوْا فَاِنَّ الْغُلُوْلَ نَارٌ وَعَارٌ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (احمد) یعنی مال غنیمت میں خیانت نہ کرو کیونکہ خیانت دنیا کے اندر اور آخرت میں مرتکبین کے لیے عذاب اور شرمندگی کا باعث ہے۔

ساتویں اصلاح

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفراء اور قاصدوں کے قتل سے منع فرمایا چنانچہ مسیلمہ کذاب کے دو قاصد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا۔ اما واللہ لولا ان الرُّسُلَ لاَ تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ اَعْنَاقَکُمَا (ابو داؤد۔ احمد) اللہ کی قسم اگر قاصدوں کا قتل ممنوع نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن الگ کر دیتا۔

آٹھویں اصلاح

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سپاہیوں کو ہر قسم کی بدنظمی اور سرکشی کی ممانعت فرمائی۔ آپ نے فرمایا: مَنْ ضَیَّقَ مَنْزِلاً اَوْقَطَعَ طَرِیْقًا فَلاَ جِھَادَ لَہٗ. یعنی جو کوئی راستے کے لوگوں کو تنگ کرے یا راستے میں لوٹ مار کرے تو اس کا کوئی جہاد نہیں۔

نویں اصلاح

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدات کو دنیاوی منفعت کے لیے توڑنے سے منع فرمایا۔ آپ نے فرمایا: مَنْ کَانَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ قَوْمٍ عَھْدٌ فَلاَ یَحِلَّنَ عُقْدَۃً حَتّٰی یَنْقَضِیَ اَمْرُہٗ اَوْیَنْبِذَ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَاءٍ (ابو داؤد۔ ترمذی) کہ جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو وہ اس وقت تک معاہدے کا بندھن نہ کھولے جب تک اس کی مدت نہ گزر جائے یا وہ برابر کا لحاظ کر کے اس قوم کی طرف پھینک دے۔ ینبذ الیھم علی سواء کا مطلب یہ ہے کہ معاہد قوم کو صاف طور پر اطلاع دے دی جائے کہ ان کے معاندانہ رویہ اور امن سوز حرکات کی وجہ سے معاہدہ کو فسخ کیا جاتا ہے۔

دسویں اصلاح

اسلام نے اسیروں سے حسن سلوک کی تعلیم دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْھُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَھَا (محمد ۴۷:۴) پس جب کافروں سے مٹھ بھیڑ ہو تو پہلے گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ تم ان پر غالب آ جاؤ پھر قید کے بندھن مضبوط کرو اس کے بعد تمہیں اختیار ہے یا تو احسان کے طور پر یا فدیہ لے کر چھوڑ دو یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے۔

جنگ مریسیع میں بنی مصطلق کے ایک سو خاندان پکڑے گئے ان سب کو فدیہ لیے بغیر رہا کر دیا گیا۔

گیارھویں اصلاح

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مادی منفعت اور ہوس ملک گیری نہ تھا۔ آپؐ نے تو خدا کے حکم کے مطابق نوزائیدہ مدنی ریاست کے دفاع کے لیے میدان حرب میں قدم رکھا تھا جب بھی عدوان اسلام نے کسی مجبوری اور معذوری کی وجہ سے دست صلح بڑھایا تو آپ صلح کی طرف مائل ہو گئے۔ صلح حدیبیہ اس قسم کی صلح تھی کہ حضرت عمرؓ جیسے تابعدار صحابی کو شاق ہوا کہ حضورؐ گر کر کفار سے صلح کر رہے ہیں۔ ظاہر بین تو یہی سمجھتا تھا کہ آپ نے گر کر صلح کی ہے حقیقت میں اس صلح کی تہ میں کامرانی داستان مضمر تھی۔ پھر وہی صلح فتح مکہ کا سبب بنی۔ ذکر ہو رہا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت صلح کی طرف مائل رہتے تھے۔ قرآن مجید میں یہی حکم تھا ارشاد الٰہی ہے۔ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَھَا (الانفال:۶۱) اگر وہ صلح کی جانب جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْھِمْ سَبِیْلاً (النساء۴:۹۰) پس اگر وہ تم سے لڑائی میں کنارہ پکڑیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام لائیں تو تمہیں اللہ نے ان پر راستہ نہیں دیا یعنی تمہیں ان سے لڑائی کی اجازت نہیں۔

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ جب دشمن صلح کی دعوت دے تو اس کو فوراً تسلیم کر لینا چاہیے۔

اصول جنگ

غزوات نبوی کی روشنی میں حسب ذیل اصول جنگ معلوم ہوتے ہیں۔

ا۔ تربیت یافتہ فوج

کسی ملک کے دفاع کے لیے تربیت یافتہ فوج کا ہونا از بس ضروری ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ پہنچتے ہی امت کی عسکری تربیت شروع کر دی۔ آپ نے نہایت شدید گرمی اور سردیوں میں سرایا تربیتی اور ہراول دستے باہر بھیجے جس سے ملت کا ہر فرد سپاہیانہ خصائل اور عسکری تربیت کا حامل ہو گیا تھا حضورؐ نے تنخواہ دار فوج قائم نہیں کی۔ لیکن فوج سے متعلق یہ پہلو ایسا ہے جس پر وقت اور مقام کے لحاظ سے عمل کیا جا سکتا ہے جو بات اہم ہے وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے تربیتی اور معلوماتی سرایا کے ذریعے ہر فرد کو باری باری فوج میں شامل ہونے کا موقع دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو مشکل پسندی کی زندگی کا خوگر بنا دیا تھا۔ صحابہ کرام کو تیراندازی' اسپ رانی اور دیگر جنگی امور کی تربیت دیتے رہے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا۔

''جس نے تیراندازی سیکھی اور پھر اسے چھوڑ دیا تو اس نے ایک نعمت حاصل کی اور پھر اسے ٹھکرا دیا۔'' (طبرانی)

''فوجی دستے سے باہر بھیجنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اسلامی افواج کو مدینہ کے اطراف و اکناف کے علاقوں سے واقف کرایا جائے۔ یہ بھی لازم تھا کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان تعلقات خوش گوار ہو جائیں۔

۲۔ مقام تعین

رسول اکرمؐ تربیتی دستوں کے لیے ایسے مقامات چنتے تھے جس سے دشمن کا حملہ فوراً روکا جا سکے اور دستوں میں باری باری فوج کے مختلف حصے زیر تربیت رہیں۔ آپؐ اپنے تربیتی سرایا مختلف قبائل کی سرحدوں کی جانب روانہ فرمایا کرتے تھے تا کہ ان قبائل کے دلوں میں اسلامی لشکروں کا رعب طاری رہے اور کہیں انھیں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ مسلمان مدینہ میں آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن جن غزوات میں حصہ لیا اگر ان کا حربی نقطہ نگاہ سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ آپ نے مقام کے تعین میں نہایت ہی حربی بصیرت اور دور اندیشی سے کام لیا تھا۔

۳۔ ہتھیار

آپ نے ریاست مدینہ کی مالی کمزوری اور مسلمانوں کی اکثریت کی تہی دستی کے باوجود ہتھیاروں اور آلات حرب کی فراہمی کی طرف پوری پوری توجہ فرمائی۔ طائف اور حنین کی لڑائیوں میں تو آپ نے منجنیق کا استعمال بھی کیا جو اس دور کا ٹینک تھا۔

جب مسلمانوں نے مکہ پر حملہ کیا تھا تو نبی کریمؐ اس لشکر کے جلو میں چل رہے تھے اور یہ لشکر مکمل آہن پوش تھا۔ (ابن ہشام۔ غزوہ فتح مکہ ج ۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلحہ سازی کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعے تین اشخاص کو جنت میں داخل کرے گا۔ (۱) بنانے والا' جو اپنے عمل میں ثواب اور اجر خداوندی کا یقین رکھتا ہو (۲) جہاد فی سبیل اللہ میں تیراندازی کرنے والا اور (۳) وہ شخص جو اس کی معاونت کرے۔ پس تم تیراندازی اور اسپ رانی کرو اور وہاں تمہاری تیراندازی مجھے تمہاری اسپ رانی سے زیادہ عزیز ہے۔''

۴۔ انضباط

افواج کی صفوں میں انضباط اور نظم کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے۔ دراصل انضباط ہی کسی فوج کی کامیابی کا گر ہے۔ کلی طور پر اگر انضباط کی کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افواج کا انضباط ہے۔

آزادیٔ رائے کے ساتھ ساتھ انضباط کا یہ عالم تھا کہ ہر مہم کا کمانڈر نیا مقرر کیا جاتا۔ وہ فرد جو ایک کمانڈر ہوتا۔ دوسری مہم میں کسی دوسرے سپہ سالار کی قیادت میں ایک عام سپاہی کے فرائض انجام دیتا اور اسے اپنے لیے سعادت و افتخار کا مقام سمجھتا۔ سریہ سیف البحر میں حضرت حمزہؓ سپہ سالار تھے۔ سریہ رجیع میں عبیدہ بن الحارثؓ اور سریہ ضرار میں سعد بن ابی وقاصؓ کو قیادت بخشی گئی۔ کسے انکار ہوسکتا ہے کہ تینوں شجاع اپنا اپنا علیحدہ بلند مقام رکھتے تھے۔ موتہ کی لڑائی میں کمان زید بن حارثہ کو دی گئی جو ایک آزاد کردہ غلام تھے اور ان کے ماتحت جعفر طیارؓ عبداللہ بن رواحہؓ اور خالد بن ولیدؓ جیسے جلیل القدر صحابہ موجود تھے۔ حضرت زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ کو بعد میں اس لشکر کا سردار مقرر کیا گیا جس میں لاتعداد جلیل القدر بزرگ صحابہ موجود تھے۔ انضباط کی کمزوری ہی افواج کی صفوں میں دیگر خامیوں کے علاوہ بھگدڑ جیسی تباہ کن خامی پیدا کر دیتی ہے۔

۵۔ تحفظ

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خُذُوْا حِذْرَكُمْ کے حکم قرآنی پر پورا پورا اور ہر پہلو سے عمل کیا۔ اس اصول کے تحت سپاہ کا تحفظ۔ اسباب و اسلحہ کا تحفظ اور معلومات کا تحفظ یکساں طور پر آتے ہیں۔ آپ خود راتوں کو بنفس نفیس پہرہ دیا کرتے تھے۔ اس عمل مبارک میں مدینہ اور سپاہ کا تحفظ بھی شامل تھا۔ اسی طرح جب آپ غزوات میں شرکت فرما رہے ہوتے تو رات کا پہرہ پورے اہتمام سے دیا جاتا تھا۔ یہ سپاہ اور اسلحہ کے تحفظ کی بہترین مثال تھی۔

حضورؐ نے جب رجب میں عبداللہ بن جحشؓ کو بطن نخلہ روانہ کیا اور ملفوف ہدایات دیں اور حکم دیا کہ دو دن بعد ان ہدایات کو کھول کر پڑھا جائے اور عمل کیا جائے تو اس میں معلومات کا تحفظ ملحوظ تھا۔ غرض یہ کہ لشکر اور لشکر کے متعلقہ ہر قسم کی معلومات کا تحفظ سیرت النبیؐ کی روشنی میں فوجیوں کی اہم ذمہ داری قرار پاتا ہے۔

۶۔ ثابت قدمی

لڑائی میں ثابت قدمی فتح سے ہم کنار ہونے کا ایک اصول ہے۔ غزوات بدرؔ احدؔ خندقؔ حنین میں فتح مندی آپ کی اور آپ کے صحابہؓ کی ثابت قدمی کا ہی ثمر تھی۔ نہ غزوہ بدر میں افرادی کمی نے آپؐ کے اور صحابہؓ کے دلوں میں کمزوری پیدا کی اور نہ ہی احد کے مقام پر وقتی عقب نشینی (With drawal) نے حضورؐ کے پائے ثبات میں لغزش پیدا کی۔

خندق کی لڑائی میں سارا عرب مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے اُمڈ پڑا۔ یہود اور منافقین مدینہ میں کفار سے مسلمانوں کو گزند پہنچانے کے لیے ساز باز کرنے لگے۔ اس تاریک وقت میں بھی ثابت قدمی اور تادم آخر لڑنے کے جذبہ کا یہ عالم تھا کہ اس محصور فوج کو ہتھیار ڈالنے کا کبھی خیال تک نہیں گزرا۔

۷۔ معلومات کا حصول

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف طریقوں سے معلومات حاصل کرتے تھے۔

۱۔ جنگی طلایہ گرد دستوں کے ذریعے۔

۲۔ جاسوسوں کے واسطہ سے۔

۳۔ شخصی اطلاعات سے۔

۴۔ قیدیوں سے۔

۵۔ عقل مندوں سے مشورہ حاصل کرنے کے ذریعے۔

دشمن کے متعلق صحیح صحیح معلومات کا حاصل کرنا جنگ میں فتح پانے کے لیے بہت ضروری ہے دشمن کو معلومات حاصل کرنے سے متوقع نتائج کے حصول کے لیے صحیح نقشہ اور سٹریٹیجی تیار کی جاسکتی ہے۔

۸۔ امور اداریہ

کوئی جنگ امور اداریہ کا اہتمام کیے بغیر جیتی نہیں جاسکتی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ امور اداریہ کا خصوصی اہتمام کیا اور تمام مسلمانوں نے مجاہدین کے سامان حرب میں تعاون کیا۔ مثلاً خورد ونوش کا سامان' نقل وحمل کے لحاظ سے اسلحہ جنگ مہیا کرنا وغیرہ۔ قرآن مجید میں آتا ہے:۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ. (الانفال ۸:۶۰)

''ان (دشمن) کے مقابلہ کے لیے جتنی قوت تم فراہم کرسکو کرو اور گھوڑے بھی پالو''

جب بھی لشکر کی روانگی کا وقت آتا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہؓ سے مالی قربانی کا مطالبہ کرتے تو صحابہ اپنے اپنے گھر کا مال و متاع حضورؐ کے قدموں میں رکھ دیتے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال خدا کی راہ میں خرچ کر دیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے نصف مال' اسی طرح حضرت عثمانؓ نے غزوہ تبوک میں بہ نسبت دوسرے غزوات کے بہت زیادہ مال خرچ کیا۔

۹۔ مشورہ

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواہ معاملہ جنگی ہو یا معاشرتی۔ آپؐ نے سوائے صلح حدیبیہ کے باقی تمام غزوات میں صحابہ سے مشورہ کیا اور ان کی رائے قبول کی۔ اگرچہ آپ کی ذاتی رائے ان کے خلاف ہی کیوں نہ ہوتی جیسا کہ آپ نے عملی طور پر غزوہ احد میں کر کے دکھایا۔

۱۰۔ سپاہ سے محبت

سپہ سالار اور سپاہ کا باہمی تعلق جنگوں میں بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اگر سپاہ سپہ سالار کی بدکلامی' برے رویے اور متکبرانہ طرز حیات کی وجہ سے نفرت کرتے ہوں اور ان کے دل جرنیل کی محبت سے خالی ہوں تو وہ جرنیل کی خاطر جان قربان کرنے سے گریز کریں گے اس کے برعکس اگر سپاہ اور جرنیل کے دل ایک دوسرے کی محبت سے معمور ہوں تو سپاہ سپہ سالار کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہوتے ہیں۔ جو محبت اور پیار رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ سے تھا اس کی مثال نہیں ملتی اسی طرح صحابہ کے دلوں میں جو قربانی کا جذبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پایا جاتا تھا۔ ان کی بھی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ باہمی محبتوں اور قلبی لگاؤ نے خاک نشینوں کو تخت نشین کر دیا تھا۔

مدنی ریاست کے دفاع کی حکمت عملیاں

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبداللہ بن ابی کی جگہ مدنی ریاست کا سربراہ منتخب کر لیا گیا تو اب بحیثیت سربراہ آپ کے کندھوں پر ریاست کی ترقی عوام کی خوش حالی' اندرونی امن کے قیام اور دفاع کی ذمہ داری کا بوجھ آن پڑا اور یہ ریاست اندرونی اور بیرونی خطرات سے گھری ہوئی تھی۔ کفار کی طرف سے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی دھمکیاں آ رہی ہیں۔ روساء قریش مثلاً ابوجہل اور ابوسفیان فوجی دستوں کو ساتھ لے کر مدینہ کی نواحی بستیوں پر حملے کر چکے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سربراہ منتخب ہو جانے کی وجہ سے منافقوں کی ایک جماعت پیدا ہو چکی تھی۔ یہود کی عدوات ظاہر و باہر تھی۔ ان خطرات کی موجودگی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی حکمت عملیاں اختیار کیں جن کی وجہ سے نہ صرف آپ نے مدنی ریاست کا دفاع کیا بلکہ تمام عرب پر غلبہ حاصل کر لیا۔

حکمت عملیاں: ا۔ مواخات

داخلی امن اور خارجی خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات قائم کی۔ اس حکمت عملی سے نہ صرف مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ حل ہو گیا بلکہ دونوں جماعتیں اخوت کی سلک میں منسلک ہو گئیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ وہی قومیں دنیا کے نقشہ پر زندہ رہتی ہیں جو دشمن کے مقابل پر ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں۔ یہ رسول کریم ﷺ کے تدبر اور سمجھ بوجھ کی ایک روشن مثال ہے۔ اگر غور کیا جائے۔ تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مواخات ہی مسلمانوں کی آئندہ کی کامیابیوں کا پیش خیمہ تھی۔ اس حکمت عملی سے مسلمانوں کے

دلوں سے دوئی کے نقش مٹ گئے نسب نسل رنگ وطن کے بت ٹوٹ گئے۔ صرف اسلام کا رشتہ دلوں میں رس بس گیا۔ مسلمانوں کی یہ باہمی محبت مدنی ریاست کے دفاع کا ایک ہتھیار بن گئی۔

دوسری حکمت عملی (مدینہ کی تمام جماعتوں کو دفاع میں شریک کرنا) میثاق مدینہ

ہجرت کے بعد مدینہ میں چار جماعتیں تھیں انصار، مہاجرین، منافقین اور یہودی و نصاریٰ۔

یہود کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ یہ سب مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ عموماً زمیندار، تجارت پیشہ اور صناع تھے۔ سودی کاروبار کرتے تھے اور انصار ان کے مقروض رہتے تھے علمی لحاظ سے بھی انصار پر فوقیت رکھتے اور اپنے آپ کو مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے۔ دولت کی فراوانی کی وجہ سے دیگر ساکنان یثرب کو بنظر استخفاف دیکھتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے یہود کی جابرانہ اور خود غرضانہ اقتدار کی عمارت پیوند خاک ہو گئی۔ یہود کے دل حسد اور بغض کی آگ سے جلنے لگے۔ اسلام کو ختم کرنے کے لیے یہود، منافقین اور کفار مکہ کا اکٹھ ہو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں پائیدار امن قائم کرنے اور صرف بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لیے باشندگان مدینہ کے درمیان ایک عہد نامہ مرتب کیا۔ سب نے اس کو قبول کر کے اس پر دستخط کیے۔ یہی معاہدہ ''میثاق مدینہ'' کہلاتا ہے۔

اس میثاق کے دو حصے ہیں ایک حصہ انصار اور مہاجرین اور دیگر حامی قبائل سے تعلق رکھتا تھا دوسرا حصہ یہودیوں کے متعلق تھا۔ یہ ایک قسم کا وفاق تھا۔ جو مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین کیا گیا۔ اس میثاق میں مدینہ کے دفاع کی بنیاد رکھی گئی۔ اس میثاق کی چند شرائط یہ ہیں۔

۱۔ یہود اور مسلمانوں کے تعلقات دوستانہ ہوں گے لڑائی کی صورت میں ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
۲۔ کوئی فریق قریش کو امان نہیں دے گا۔
۳۔ مدینہ پر حملہ ہوا تو دونوں فریق مل کر مدافعت کریں گے اور صلح میں بھی دونوں فریق شریک ہوں گے۔
۴۔ اگر دشمن سے جنگ شروع ہو جائے تو یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ اخراجات برداشت کریں گے۔
۵۔ مدینہ میں کشت وخون تمام قوموں پر حرام ہوگا۔
۶۔ یہود اور مسلمانوں کے درمیان صلح رہے گی۔

ان شرائط کی تہ میں یہ راز تھا کہ قریش لازماً یہود سے تعلق قائم کریں گے اس لیے یہود بطور فریق معاہدہ انھیں امان دینے یعنی انھیں مدینہ میں قیام کی اجازت نہ دیں گے تاکہ وہ یہاں آ کر مسلمانوں کے خلاف محاذ نہ بنا لیں اور ان کی جاسوسی نہ کر سکیں۔

بیرونی حملہ کی شکل میں تمام فریق ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

یہ شرائط ظاہر کرتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے مکروہ عزائم کو بھانپ چکے تھے کہ وہ مسلمانوں کو مدینہ میں امن کی زندگی بسر کرنے نہیں دیں گے۔ حق اور باطل کا تصادم ضرور ہوگا۔

آنے والے خطرات کے تناظر میں اس معاہدہ پر نظر ڈالی جائے تو رسول کریم کی یہ حکمت عملی مدینہ کے دفاع کے لیے کتنی اہمیت کی حامل ہے۔

تیسری حکمت عملی

گشتی دستوں کی ترتیب

دشمن کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے آپ نے گشتی دستوں کو ترتیب دیا۔ ایک تو یہ دستے دشمن کی نقل و حرکت سے مرکز کو مطلع کرتے دوم گشتی دستوں کے ذریعہ قبائل سے معاہدات بھی کیے مثال کے طور پر صفر ۲ ہجری میں غزوہ ابواء کے دوران عمرو بن مخشی الضمری کے ساتھ غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ کر لیا۔ اسی طرح جمادی الآخر ۲ ہجری میں غزوہ ذوالعشیرہ کے دوران بنی مدلج اور بنی ضمرہ کے ساتھ دوستانہ معاہدہ طے

پایا۔ سوم۔ ان گشتی طلایا نے قبائل پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی۔ چہارم۔ دشمن کے ان دستوں کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ جو مسلم بستیوں پر حملہ آور مثلاً کفار مکہ نے ہجرت کے پہلے سال ہی دو لشکر روانہ کیے پہلا لشکر ۳۰۰ افراد پر مشتمل ابو جہل کی قیادت میں ماہ رمضان میں مدینہ کے خلاف روانہ ہوا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر حمزہ کی قیادت میں تیس افراد کا گشتی دستہ روانہ کیا مسلمانوں کو باخبر پا کر ابو جہل بغیر لڑے واپس چلا گیا۔ دوسرا لشکر شوال ۱ھ میں ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ کے خلاف آیا۔ مگر مسلمانوں کو چوکنا پایا اور واپس چلا گیا۔ پنجم۔ ان گشتی دستوں کی تربیت نے مسلمانوں کے اندر عسکری استعداد کو بڑھایا۔ عسکری قیادت کی تربیت پائی۔ مدینہ سے دور دراز علاقوں تک واقفیت حاصل کرلی جو دفاع کے لیے ضروری ہے۔

جنگی حرکت کو پردہ اخفا میں رکھتے۔ مثلاً جنگ بدر اور جنگ فتح مکہ میں یہی پالیسی اختیار کی گئی۔

چوتھی حکمت عملی

مختلف لڑائیوں میں مختلف حکمت عملی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر لڑائی میں حالات اور دوران جنگ محل وقوع کو دیکھ کر فوج کی صف بندی اختیار کرتے تھے۔

پہلی لڑائی

بدر کی لڑائی ہے۔ بدر ایک بیضوی شکل کا میدان ہے کوئی ساڑھے پانچ میل لمبا اور تقریباً چار میل چوڑا اطراف میں بلند پہاڑ ہیں۔ مکہ، شام اور مدینہ جانے کے راستہ جو وادیوں میں سے گزرتے ہیں یہیں ملتے ہیں۔ ابوسفیان کی قیادت میں شام سے تجارتی قافلہ آ رہا تھا۔ اس کا گزر بھی اسی راستہ سے ہونا تھا۔ ابوسفیان نے قافلہ کی حفاظت کے لیے اہل مکہ سے جو کمک طلب کی تھی اس نے بھی حفاظت کے لیے اسی جگہ آنا تھا۔ اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے مقام پر عسکری پڑاؤ کیا۔ ابوسفیان بدر والا راستہ تبدیل کر کے ساحلی راستہ اختیار کر کے مکہ پہنچ گیا۔ لیکن ابو جہل کی قیادت میں قافلہ کی حفاظت کے لیے ایک ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر بدر پہنچ گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پڑاؤ کے لیے جگہ متعین کرنا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنگلاخ زمین پر پڑاؤ ڈالا تاکہ دشمن کی فوج قریب آنے پر پتھروں سے کام لیا جائے اور آپ نے یہ کام لیا بھی تھا قدرت نے مسلمانوں کی یہ مدد بھی کی کہ بارش ہوگئی۔ جہاں کفار کا لشکر مقیم تھا وہ زمین دلدل ہوگئی۔ کفار کے لشکر کو عسکری حرکت ونقل میں دشواری پیش آئی۔ مسلمان خشک اور سخت جگہ پر تھے۔ موقع کے مطابق فوج کا پیچھے ہٹنا' آگے بڑھنا' دائیں بائیں حرکت کرنا آسان تھا اور تیزی سے پوزیشن بدل سکتے تھے۔ دشمن پر پہلی فوقیت یہی تھی۔ دوم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونچی جگہ پر پڑاؤ ڈالا۔ اونچی جگہ سے دشمن کی فوج کی نقل وحرکت پر آسانی سے نظر رکھی جاسکتی تھی۔ رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام کے مشورہ سے پانی کے چشمہ پر اپنی بہتر دسترس اور دشمن کو اس سے محروم کرنے کے لیے قبضہ جما لیا اور متعدد حوض بنا کر اس بہتے پانی کو جنگ کے دن قریش پر روک دیا کیونکہ ان کا پڑاؤ نیچے العدوۃ القصوی پر تھا۔ سو جنگی لحاظ سے مسلمان فوج بہتر جگہ پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصادم کے وقت ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ سورج مسلمانوں کی پیٹھ کی طرف تھا اور جبکہ سورج کی کرنیں دشمن کے منہ پر پڑ رہی تھیں۔ جس سے دن کی آنکھیں تیز روشنی کی وجہ سے چندھیا جاتی تھیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہتر صف بندی کی

امام ترمذی کے مطابق اسلامی فوج کی تقسیم لڑائی سے پہلے کی رات کو عمل میں آ چکی تھی لڑائی کے دن سویرے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو قطاروں میں تقسیم کر دیا۔ جنگ سے پہلے تنقیدی جائزہ لیا۔

اس کے بالمقابل دشمن کی فوج میں صف بندی نہیں تھی اور نہ ان میں کوئی ترتیب تھی۔ مسلمان فوج کو لڑائی سے پہلے رسول کریم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے ہدایات دیں۔ جو عسکری لحاظ سے بہت عمدہ تھیں۔ جن کا ماحصل یہ ہے مسلمان اس صف بندی کو نہ توڑیں اور اس وقت تک لڑائی کا آغاز نہ کریں جب تک آنحضرتؐ اجازت نہ دیں۔ دشمن دور ہو تو تیر چلا کر ضائع نہ کریں زد پر آئے تو تیر چلائیں اور بھی قریب آئے تو پتھروں سے ماریں اس سے بھی نزدیک ہو جائے تو نیزوں سے روکیں اور سب سے آخر میں تلوار چلائیں۔ ہر مسلم سپاہی نے اپنے کھڑے ہونے کی جگہ پتھروں کی ڈھیری لگائی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صف بندی مکمل کر لی جو اپنے چند صحابہ کے ساتھ ٹیلے پر چڑھ گئے۔ جہاں سے میدان جنگ صاف نظر آ رہا تھا۔ دشمن کی نقل وحرکت آنکھوں کے سامنے تھی اور وہاں سے ہدایات جاری کرتے۔ مزید براں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رضا کار عورتیں بھی ساتھ لے گئے تھے جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں۔ (بخاری ۱۷۔۵۶) سپاہیوں کو پانی پلاتیں۔ میدان میں گرے ہوئے دشمن کے تیروں کو جمع کر کے مسلم تیر اندازوں کو دینے کا خطرناک کام بھی کرتیں۔

دوسری جنگ

جنگ احد ہے' احد ایک پہاڑ ہے جو مدینے کے شمال میں تین ساڑھے تین میل کے فاصلے پر شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے مکہ' مدینہ کے جنوب میں واقع ہے تقریباً وسط میں ایک خماؤ ہے اور نیم دائرے کی شکل میں ایک وسیع میدان بن گیا ہے اس کے عقبی یعنی شمالی حصے میں ایک بہت ہی تنگ درے سے گزرنے پر مزید کھلے یا محفوظ میدان مل جاتے ہیں۔ احد کے جنوبی دامن میں وادی قناۃ گزرتی ہے۔ وادی قناۃ کے جنوب میں جبل عینین واقع ہے اب اسے جبل الرماۃ کہا جاتا ہے۔ وادی قناۃ کے شمال میں جبل احد کے دامن میں کھلا میدان ہے وہاں پانی کے دو چشمے بھی ہیں۔ مدینہ پر دو راستوں کے ذریعہ حملہ کیا جا سکتا تھا۔ مدینہ کے جنوب کی طرف یا شمال کی طرف سے۔ اہل مکہ نے شمالی راستہ اختیار کیا کیونکہ یہ راستہ نرم ریت پر مشتمل ہونے کے باعث آسان تھا۔ قریش کی فوج نے مدینہ سے دور زغابہ میں ٹھہرنا پسند کیا یہاں پانی افراط سے تھا۔ اور چارہ بھی عام ملتا تھا جنگ احد کے دن قریش فوج زغابہ سے سیدھے احد کے جنوبی دامن میں پہنچ گئی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریباً سات سو سپاہ کے ساتھ جبل احد کے خماؤ کے اندر پڑاؤ ڈال دیا جس سے بہتر اور محفوظ مقام نہیں مل سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احد کو پشت پر اور کوہ عینین کو جو وادی قناۃ میں ہے اپنی بائیں طرف رکھ کر صف آرائی کی۔ جبل عینین (جبل الرماۃ) پر پچاس تیر انداز متعین کیے کہ اگر وادی قناۃ کی راہ سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے کوئی دستہ بھیجے تو اسے روکیں۔ حضرت عبداللہ بن جبیر کو ان تیر اندازوں کے قائد مقرر ہوئے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ہدایت فرمائی ''اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو اچک کر لے گئے ہیں تو اپنی جگہ کو نہ چھوڑنا۔ یہاں تک کہ میں تمھارے پاس کسی کو بھیجوں کہ ہم نے دشمن کو شکست دی ہے اور مار کر پامال کر دیا تو بھی ایسا ہی کرنا۔

مشرکین کوہ عینین (جبل الرماۃ) میں وادی قناۃ کے مدینے کی طرف کے کنارے پر اترے ہوئے تھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر منصوبہ بندی اور فوجی نقطہ نگاہ سے عمدہ جگہ پر قابض ہونے کی وجہ سے بہت جلد دشمن پر غالب آ گئے لیکن تیر اندازوں نے مسلم فوج کی کامیابی کے پیش نظر درہ کو چھوڑ دیا۔ خالد بن ولید نے درہ کو خالی پایا اور مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اچانک اور غیر متوقع حملہ کی وجہ سے مسلمان فوج انتشار کا شکار ہو گئی اور میدان جنگ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف چند صحابہ کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے اس خطرناک لمحے میں تمام فوج کو اکٹھا کیا اور دشمن کو شکست دی۔

تیسری جنگ

غزوہ خندق

اس جنگ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بہترین سپہ سالار کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ غزوہ خندق میں شہر کے اندر رہ کر لڑنا پھر جن اطراف سے کفار کے حملے کا خوف ہے وہاں اتنی چوڑی خندق کا کھود دینا' جسے دشمن عبور نہ کر سکے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

جنگی منصوبہ بندی کی بہترین مثال ہے۔ جب دشمن مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے پیش قدمی نہ کر سکا۔

آخر کار طویل محاصرے سے دشمن قبائل میں جھگڑے اٹھے ایک ایک کر کے واپس جانے لگے۔ آخر کار ایک دن محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔

پانچویں حکمت عملی: راز داری

جنگ میں کامیابی کے لیے راز داری ایک اہم ہتھیار ہے۔ ایک سپہ سالار جتنا اس ہتھیار سے کام لے گا اتنا ہی وہ اپنے منصوبوں میں کامیاب ہوگا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام جنگیں راز داری کی امثلہ ہیں۔ حضرت کعب بن مالک سے مروی ہے کہ جب بھی کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو راز داری سے کام لیتے تھے غزوہ بدر بہترین مثال ہے کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ آیا آپ ابوسفیان کی قیادت میں جو قافلہ شام سے آ رہا ہے اس کی روک کے لیے جا رہے ہیں یا اس لشکر سے مقابلہ کرنے کے لیے جو اس قافلہ کی حفاظت کرنے کے لیے مکہ سے روانہ ہوا ہے۔ ا طرح عبداللہ بن جحش کو ایک مکتوب دے کر روانہ کیا اور فرمایا اس کو دو دن کا سفر طے کر کے کھولنا اور اس کے مطابق عمل کرنا۔ مکہ پر حملے کے منصوبہ کا کسی کو علم نہ تھا۔ یہ اس وقت پتہ لگا جب اسلامی لشکر مکہ کی دیوار تک پہنچ گیا۔

چھٹی حکمت عملی: غیر متوقع حملے

غفلت میں دشمن پر قابو پا لینا ایک ماہر سپہ سالار کی جنگی حکمت عملی ہوتی ہے۔ اس حکمت عملی سے نہ صرف کامیابی یقینی ہوتی ہے بلکہ خون خرابہ بھی نہیں ہوتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حکمت عملی کو اکثر جنگوں میں آزمایا ہے۔ اس کی واضح مثال غزوہ بنولحیان ہے۔ بنولحیان کی شاخ ہذیل نے واعظین اسلام کو دھوکے اور بے دردی سے قتل کیا تھا۔ ان کے اس جرم کی سزا کے لیے رسول کریم ﷺ خود ۲۰۰ سواروں کو لے کر نکلے۔ کسی کو خبر نہیں کہ آپ نے شمال کی طرف رخ کیا تا کہ قریش اور بنولحیان آپ کی اصل نقل وحرکت کو بھانپ نہ جائیں۔

جب آپ کے شمال کی طرف جانے کی خبریں پھیلیں تو اچانک بنولحیان کی طرف رخ کیا۔ جب بنولحیان کو اچانک حملہ کا علم ہوا تو سنبھل نہ سکے اور بھاگ گئے۔

دوسری مثال غطفان اور خیبر کی لڑائی ہے۔ جنگ خیبر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام رجیع کی طرف پیش قدمی کی۔ جو دیار غطفان کے قریب علاقہ ہے اس کے بعد تھوڑی سی فوج غطفان کی طرف بھیج دی اور فوج کا بڑا حصہ خیبر کی طرف بھیج دیا۔ مقام رجیع پر فوج اتارنے کی وجہ سے بنوغطفان اور یہود خیبر ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکے۔ دوم اچانک حملہ کی وجہ سے ان کے قدم نہ جم سکے۔

کامیاب جرنیل کی خوبیاں

کسی سپہ سالار کی عظمت معلوم کرنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ماہرین جنگ ایک کامیاب جرنیل کی کیا کیا خوبیاں بیان کرتے ہیں۔ سقراط کے مطابق ایک جرنیل میں مندرجہ ذیل خوبیاں ہونی چاہیں۔

''جرنیل کو اس بات کا پورا پورا علم ہو کہ اپنے جوانوں کو راشن اور ہر قسم کا جنگی سامان کس طرح مہیا کیا جائے۔ اس میں جنگی منصوبے بنانے کی دماغی اہلیت اور ان کو کامیاب بنانے کی عملی سوجھ بوجھ اور قوت بھی ہونی چاہیے۔ وہ باریک بین' ان تھک' سمجھدار' مہربان وسفاک' سادہ و عیار' چوکیدار و چور' سخی اور کنجوس' جلد باز اور محتاط سب کچھ ہی ہو۔ ان کے علاوہ اس میں اور صفات بھی ہونی چاہئیں' جن میں کچھ فطری اور کچھ کسبی ہیں۔ اسے معمول کے مطابق اپنے Tactics پر بھی عبور ہونا چاہیے کیونکہ ایک غیر منظم ہجوم کو فوج نہیں کہا جا سکتا' جیسا کہ اینٹ اور چونے کے ڈھیر کو عمارات تصور نہیں کیا جا سکتا۔

سقراط سے پہلے بھی عہد قدیم کے ایک چینی جرنیل سن زے Sunzey نے ایک اچھے جرنیل کی خوبیاں یہ بیان کی تھیں۔

۱۔ برتر اور کم تر درجے کی فوجوں کو لڑانے کے ہنر سے واقفیت۔
۲۔ دشمن کی طاقت کا صحیح اندازہ کرنے کی اہلیت۔
۳۔ مشکلات' خطرات اور فاصلوں کا صحیح اندازہ کرنے کی صلاحیت۔
۴۔ شہرت کی قدروں سے بلندی۔
۵۔ جوانوں سے اپنی اولاد کی طرح محبت۔
۶۔ نازک ترین مواقع پر شجاعت کی اعلیٰ ترین معیار کے مظاہرے کی صلاحیت وقدرت۔

بعد کے ماہرین نے ایک سپہ سالار میں جو اوصاف بیان کیے ہیں ان کا لب لباب یہ ہے۔
''انسانیت کا علم اور اس سے دل چسپی' فتح کا عزم مصمم' شجاعت' حوصلہ مندی' خود اعتمادی اور دوسروں میں اعتماد پیدا کرنے کی قابلیت۔ ایسی شخصیت جو کہ جوانوں کے لیے منبع فیض ہو۔ بلند خیال اور فراخ دلی' ذہنی اور جسمانی تندرستی' انتظامی مہارت' اپنی اور دشمن افواج کی صلاحیتوں اور حالات کا وسیع علم' جذبہ عفو' اپنے جوانوں کو فوجی تربیت دینے کی صلاحیت۔

سقراط نے سپہ سالار کے لیے سفاک' سادہ وعیار' چور' کنجوس وغیرہ کی چند ایسی صفات بیان کی ہیں جو ایک عظیم مصلح کی شخصیت کو داغدار کر دیتی ہیں۔ اس وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ان صفات سے مبرا تھی۔ ان کے علاوہ مندرجہ بالا آراء کو کسوٹی بنا کر رسول خداؐ کو ایک جنگی ماہر اور سپہ سالار کی حیثیت سے پرکھا جائے تو آپ اس پر پورے ہی نہیں اترتے بلکہ اس معیار سے بھی بہت زیادہ بلند نظر آتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت ایک داعی پیغام امن عالم

حضرت محمد مصطفےٰ صلی ماللہ علیہ وآلہ وسلم صلح و امن کے پیغمبر ہیں۔ جو دین لے کر آئے ہیں اس کا نام بھی اسی مناسبت سے اسلام ہے یعنی صلح و امن و سلامتی کا مذہب ہم جس دور سے گزر رہے ہیں۔ وہ بین الاقوامی اضطراب کا دور ہے کوئی قوم بھی امن کی فضا میں سانس نہیں لے رہی اس امن سوزی اور اضطراب کی وجوہات نسلی لونی لسانی۔ برتری وفضیلت اور تعصب۔ دولت کی غیر مساویانہ اور غیر منصفانہ تقسیم عہد و پیمان کی عدم پابندی' بین الاقوامی عدل و انصاف سے گریز اور کمزوروں کے حقوق کی پامالی ہے۔

اگر اقوامِ عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی طرف رجوع کریں اور اپنے مسائل کا حل آپ کے ہی فرمودات میں تلاش کریں تو امن سوزی اور اضطراب کے گھنے بادل آناً فاناً چھٹ جائیں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نسلی برتری وفضیلت اور تعصب کونسل انسانی کی وحدت اور مساوات کے جاں فزا پیغام سے دور کیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً (۱۰:۱۹) اور سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں۔ پھر فرمایا "يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ" (النساء ۴:۱) اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان آیات کی تفسیر ان الفاظ میں فرمائی "الناس کلھم بنو ادم و ادم من تراب" یعنی لوگ آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے ہے (مشکوٰۃ باب المفاخر والعصبیۃ ص ۴۱۷) پھر کسی قوم کو حقیر نہ جاننے کی تعلیم ان الفاظ میں دی۔ "لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ" (۴۹:۱۱) یعنی ایک قوم دوسری قوم کو حقیر نہ جانے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اقوام عالم کے درمیان مساوات اور برابری سے متعلق خطبہ دیا آپ نے فرمایا "لافضل لعربی علی عجمی ولا فضل لعجمی علی عربی ولا لا بیض علی اسود ولا لاسود علی ابیض الابتقوی" (زاد المعاد جلد ۴ ص ۲۲) اہل عرب کو کسی غیر عرب پر کسی طرح فضیلت نہیں اور نہ کسی غیر عرب کو کسی عرب پر کسی قسم کی فضیلت حاصل ہے نہ کسی سفید رنگ والے کو کسی کالے رنگ والے شخص پر فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی کالے رنگ والے کو کسی سفید رنگ والے پر فضیلت حاصل ہے ہاں اگر کسی کو دوسرے پر کسی قسم کی فضیلت حاصل ہے تو وہ خدا خوفی اور تقویٰ کی وجہ سے ہے۔

امن سوزی اور اضطراب کی دوسری وجہ دولت کی غیر مساویانہ اور غیر منصفانہ تقسیم ہے۔ جس وجہ سے امیر اور غریب کے درمیان دشمنی اور عداوت کی وسیع خلیج حائل ہوگئی ہے۔ اگر سرمایہ داری نظام امراء کے حقوق کی نگہداشت کرتا ہے تو دوسری طرف کمیونزم غرباء کے حقوق کی حفاظت کے لیے امراء کو دنیا سے تہس نہس کرنے کی تعلیم دیتی ہے دونوں تحریکیں اپنے اپنے نظریات کے لحاظ سے انتہا پسند ہیں اور امراء اور غرباء کے درمیان اتحاد اور محبت پیدا نہیں کرسکتیں لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امراء اور غرباء کو ایک ہی لڑی کے موتی قرار دے کر دونوں طبقوں کے درمیان اتحاد اور محبت پیدا کرنے کی تعلیم دی۔ آپ نے امراء کو ان جامع الفاظ میں تعلیم دی۔ "تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَآئِكُمْ" یعنی غرباء کی وجہ سے تمہاری نصرت کی جاتی ہے اور ان کی وجہ سے تمہاری معیشت کے سامان مہیا ہوتے ہیں۔ پھر تعلیم دی اخوانکم خولکم جعلھم اللہ تحت ایدیھم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم مایغلبھم فان کلفتموھم فاعینوھم" یعنی تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری نگرانی میں رکھا ہے بس جس شخص کے ماتحت اس کا کوئی بھائی ہو۔ اس کو وہی کھانے کو دے جو وہ خود کھاتا ہے اور اس کو وہی کپڑا پہننے کو دے جو وہ خود پہنتا ہے ان کی طاقت سے بڑھ کر ان کو کام نہ دو۔ اگر تم ان کو طاقت سے بڑھ کر کام دیتے ہو تو تم ان کی اعانت کرو (بخاری ۲:۲۱)

"غرباء کی بہتری اور بھلائی کے لیے امراء کو صدقات دینے کی تعلیم دی۔ زکوٰۃ کو عبادت کا رکن قرار دے کر ہر مسلمان پر فرض قرار دی

تا کہ بیت المال میں غرباء کی بھلائی کے لیے مستقل فنڈ قائم ہو جائے۔ امراء کو اپنے مال سے وصیت کرنے کی تلقین کی تا کہ ان کی وفات کے بعد ان کے ترکہ سے غرباء میں تقسیم کیا جائے۔ سود کی قطعاً ممانعت کر دی جو سرمایہ داری نظام کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ قانون وراثت رائج کیا تا کہ دولت مختلف ہاتھوں میں گردش کرتی رہے اس تعلیم کے ساتھ ساتھ غرباء کی فلاح و بہبود پر خرچ نہ کرنے والے امراء کو عذاب کی تہدید سنائی وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک دکھ کی خبر دو۔ اسلام کی اس مساویانہ تقسیم کی وجہ سے۔ ایچ۔ ار۔ گب اپنی کتاب ”دور اسلام“ کے آخر پر رقم طراز ہے۔ مغربی دنیا میں اسلام آج بھی دو متضاد اور انتہا پسند نظروں کے درمیان توازن برقرار رکھے ہوئے ہے وہ یورپی نیشنلزم کی امن سوزی اور روسی کیمونزم کی جارحیت کا یکساں مخالف ہے۔

دنیا کے امن کی تباہی و بربادی کا تیسرا سبب عہد کی عدم پابندی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہد کی پابندی پر بہت زور دیا قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ (المومنون ۲۳:۸) اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کو نگاہ رکھنے والے ہیں۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (۱۷:۳۴) اور اپنے عہد کو پورا کرو کیونکہ ہر عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ پھر فرمایا وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا۔ دنیوی مفاد کی خاطر اللہ کے عہد کو نہ توڑو۔ اس مفسدانہ طرز عمل سے روکنے کے لیے قرآن مجید نے عہد توڑنے والوں کی مثال ایک پاگل عورت سے دی۔ جو سوت کاتتی ہے پھر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ۔ (النحل ۱۶:۹۲) یعنی تم اپنے عہدوں کو توڑنے میں اس عورت کی طرح نہ بن جاؤ۔ جو اپنے سوت کو بٹنے کے بعد خود ہی تار تار کر ڈالتی ہے اپنی قسموں کو ایک دوسرے کو فریب دینے کا ذریعہ نہ بناؤ اس وجہ سے کہ ایک قوم دوسری قوم سے زیادہ فائدہ میں رہے۔

اگر دنیا کی تمام اقوام نیک نیتی سے معاہدے کریں۔ تو دنیا سے ظلم کا خاتمہ اور امن کا دور دورہ ہو سکتا ہے کمزور اقوام طاقت ور اقوام سے استبداد سے نجات پا سکتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے صلح حدیبیہ کے موقع پر دنیا کو عہد کی پابندی کا سبق دیا صلح حدیبیہ کی شرائط ابھی لکھی نہ گئی تھیں کہ ابوجندل جو سہیل کے فرزند تھے مکہ میں اسلام قبول کر چکے تھے کفار کی گرفت سے بھاگ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے ابوجندل کو معاہدہ سے مستثنیٰ قرار دینا چاہا لیکن سہیل نے ایک نہ مانی آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجندل کو واپس مکہ بھیج دیا۔ یہ تھی پابندی عہد کی مثال مسلمان کفار کی فوجوں کو ہر میدان میں شکست دے چکے تھے۔ جب عہد کی پابندی کا سوال آیا تو طاقت ور ہوتے ہوئے کمزوروں کی طرح عہد کی شرائط کو توڑنے سے گریز کیا اور دنیا کو سبق دیا کہ قوموں میں پائدار امن اور صلح عہد کی پابندی سے ہوتا ہے۔

دنیا کے خرمن امن کو بھسم کرنے کا چوتھا سبب بین الاقوامی عدل و انصاف کا فقدان ہے قرآن مجید میں عدل و انصاف سے متعلق بیشمار آیات آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ“ اللہ تعالیٰ تمہیں عدل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ عدل و انصاف پر قائم رہنا۔ اس وقت تو بہت مشکل ہو جاتا ہے جب فریقین میں سے ایک فریق دشمن اور ایک فریق دوست ہو لیکن قرآن مجید میں آتا ہے۔ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ (۵:۹) اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے قرآن مجید کی اس تعلیم پر عمل پیرا ہونے کی مثالیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں بے شمار ہیں کہ آپ کے پاس ایک مسلمان اور ایک یہودی کا مقدمہ آتا ہے تو یہودی کو حق پر پا کر اس کے حق میں فیصلہ صادر فرما دیتے ہیں۔

دنیا کی بے چینی کا پانچواں سبب طاقت ور حکومتوں کا کمزور حکومتوں کے حقوق کی پامالی ہے یہ وہ سبب ہے جس نے دنیا کو آگ کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے وحی پا کر کمزوروں کے حقوق کی نگہداشت کا سنہری اصول بتایا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ ”وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ ۵:۳) اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ قرآن مجید نے کمزور اقوام کے حقوق کی حفاظت اور طاقت ور اقوام کی استبدادیت کا خاتمہ

کرنے کے لیے نہایت ہی اعلیٰ تعلیم دی کہ ظلم کرنے والی طاقت کے خلاف تمام دنیا کی اقوام متحد ہو جائیں اور اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیں اور اس کے ظلم کی سزا دیں قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الحجرات ۴۹:۹) اگر مومنوں میں سے دو گروہ آپس میں لڑائی کریں تو ان میں صلح کرا دو پس اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے تو اس میں سے جو زیادتی کرتا ہے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئیں پس اگر وہ رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرا دو اور انصاف کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بین الاقوامی امن اور صلح کے قیام کے لیے حسب ذیل اصول بیان ہوئے ہیں۔

۱۔ جب دو قوموں کے درمیان لڑائی شروع ہو جائے تو ان کے درمیان صلح کروا دینی چاہیے۔

۲۔ اگر ایک قوم صلح پر رضا مند نہ ہو اور لڑائی پر تل جائے تو دنیا کی تمام اقوام باغی قوم کے خلاف ہتھیار اٹھا لیں۔

۳۔ جب باغی قوم دوبارہ صلح پر رضا مند ہو جائے۔ تو عدل اور انصاف سے دونوں متحارب قوموں کے درمیان صلح کرا دیں۔

اس آیت میں عدل اور انصاف پر خاص طور پر زور دیا ہے تا کہ فساد کی بیخ کنی ہو جائے۔

اگر تمام اقوام عالم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر حق کی حمایت اور ظلم و تعدی کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں تو دنیا سے بے چینی اور اضطراب کی مسموم فضا ختم ہو جائے گی اور امن کا دور دورہ شروع ہو جائے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ایک ایسی ذات ہے جس نے انسانیت کو جنگ اور امن کے عالمگیر اصول دیئے۔ جنگ کو ضابطوں کا پابند بنایا بلکہ اسلامی جنگ ہی امن قائم کرنے کا ذریعہ ہے آپ کی ہی ذات گرامی ہے جس نے بنیادی حقوق پر زور دیا اور ان کو قلیل عرصہ میں بحال کیا۔ معاشرے کے ہر فرد کو اس کی دہلیز پر انصاف مہیا کیا۔

داعی امن ہونے کی وجہ سے ایک ایسے دین کو لائے جس کا نام اللہ تعالیٰ نے اسلام رکھا۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (ال عمران ۳:۱۹) بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اسی نقطہ نگاہ سے لکھی ہے کہ اس دور کے تمام مسائل اور ضرورتوں کا علاج رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم میں مضمر ہے۔ اگر دنیا آپ کی تعلیم کو اپنا لے تو سب مسائل حل ہو جائیں گے اور دنیا امن کے کنارہ پر آ کھڑی ہو گی۔ اب تو یورپ کے مفکرین کی بھی یہی رائے ہے کہ بنی نوع انسان کی نجات صرف دین اسلام میں ہے چنانچہ مشہور فلسفی برناڈ شاہ کہتا ہے۔

”میں نہایت ہی وثوق کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ بشریت اور انسانیت کا نجات دہندہ اگر کوئی دین ہو سکتا ہے تو وہ دین اسلام ہے۔

مقالات برناڈ شاہ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت ایک مبلغ (داعی الی الاسلام)
دعوت دین کا طریق کار آمد مساعی جمیلہ

دین وہ الہامی ضابطہ حیات ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے کسی برگزیدہ اور منتخب بندے (نبی اور رسول) کے ذریعہ لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی جسمانی ربوبیت کے لیے اس دنیا میں ہر قسم کی چیزیں پیدا کی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی روحانی ربوبیت کے لیے اس دنیا میں سلسلہ انبیاء جاری کیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "موافقۃ صریح المعقول لصحیح المنقول" میں ضرورت نبوت اس طرح بیان کی ہے۔

"رسالت اس دنیا کی جان ہے روشنی ہے اور زندگی ہے اس جہاں کی اصلاح کیسے ہوسکتی ہے جب اس کی روح اور جان نہ ہو روشنی نہ ہو اور زندگی نہ ہو یہ دنیا تاریک بھی ہے اور ملعون بھی جب تک اس پر رسالت کا سورج طلوع نہ ہو۔"

حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوبات میں لکھتے ہیں۔ "ہماری عقل تو ان برگزیدہ بندوں کی روشنی کے بغیر بے کار ہے اور ہماری سچ ان کی تقلید کے بغیر ذلیل خوار ہے۔ عقل اگرچہ حجت ہے لیکن ناتمام اور نابالغ ہے۔ حجت بالغہ صرف انبیاء کی نبوت ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے پہلے نبی ایک خاص قوم اور علاقے کے لیے بھیجے۔ فرمایا: اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر ۳۵:۲۴) "یعنی ہر امت میں نذیر (ڈرانے والے) ہو گزرے ہیں۔"

دوسری جگہ آتا ہے: وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (یونس ۱۰:۴۷) "ہر امت کے لیے رسول بھیجا گیا ہے۔" سلسلہ نبوت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیا اب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (الاحزاب ۳۳:۴۰) "محمدؐ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہے۔ لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔"

تبلیغ کا مفہوم اور اہمیت

تبلیغ کے معنی پیغام پہنچانے کے ہیں لیکن اسلامی اصطلاح میں تبلیغ سے مراد پیغام حق کی اشاعت اور اس کو عوام الناس تک پہنچانا ہے اور پیغام حق کی اشاعت اور ابلاغ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو غیر مسلم کو اسلام سے روشناس کرانا اور دوم مسلمانوں کو اوامر و نواہی سے آگاہ کرنا ہے تاکہ وہ اوامر پر عمل پیرا ہوں اور منکرات سے بچیں۔

قرآن کریم میں تبلیغ کے ہم معنی الفاظ اور بھی استعمال ہوئے ہیں جیسے انذار، دعوت، تذکیر، تبشیر وغیرہ۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض ہی یہ ہے کہ وہ اللہ سے احکام بذریعہ وحی حاصل کریں اور بغیر کسی کمی بیشی کے انھیں لوگوں تک پہنچا دیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام حق لوگوں تک پہنچانے کے لیے فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ. (مائدہ ۵:۶۷)

اے رسول! تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تیری طرف اتارا گیا ہے۔ وہ دوسرے لوگوں تک پہنچا دے۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے خدا کا پیغام نہیں پہنچایا۔

دوسری جگہ فرمانِ الٰہی ہے:۔

اُدْعُ اِلٰی رَبِّکَ اِنَّکَ لَعَلٰی ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ (الحج ۲۲:۶۷)
لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف بلا۔ بے شک تو سیدھے راستے پر ہے۔
فَذَکِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی (الاعلی)
لوگوں کو نصیحت کریں۔ اگر نصیحت فائدہ مند ہو۔
وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ (الذاریات ۵۱:۵۵)
اور نصیحت کر کہ نصیحت اہل ایمان کو فائدہ پہنچاتی ہے۔
فَذَکِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ. (الغاشیہ ۸۸:۲۱)
آپ نصیحت کرتے رہیں تو نصیحت کرنے والا ہے۔
یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ. (المدثر: ۱،۲)
اے اوڑھنی اوڑھنے والے۔ اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ۔
وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا.
اور ہم نے تجھے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

تبلیغ کا تسلسل

بحیثیت داعی اور مبلغ آپ کا صرف یہی کارنامہ نہیں کہ آپ نے پیغام حق کو کامیابی کے ساتھ لوگوں تک پہنچا دیا بلکہ آپ نے پیغام حق لوگوں تک پہنچانے کا سلسلہ قیامت تک کے لیے قائم کر دیا اور اپنی امت کے لیے یہ لازم قرار دیا کہ وہ اپنی تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ فرمانِ الٰہی ہے۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (ال عمران ۳: ۱۱۰)
تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہوہ۔
ایک اور جگہ ارشادِ الٰہی ہے:۔
وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (ال عمران ۳ : ۱۵۳)
اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے۔ نیک کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی افرادِ امت کو فرمایا۔
بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً (مشکوۃ کتاب العلم)
میری باتوں کو سن کر لوگوں تک پہنچاؤ خواہ وہ ایک ہی آیت ہو۔
حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا۔
فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ. (بخاری: ص ۲۲۴ ج ۵)
جو موجود ہے اسے غیر موجود تک پہنچا دے۔
حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
”قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ تمھیں نیکی کی ضرور ہدایت کرنی ہوگی اور برائی سے ضرور روکنا چاہیے ورنہ عین

ممکن ہے کہ اللہ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیجے۔ پھر تم اسے پکارو اور تمھیں جواب نہ آئے۔

دعوت دین کا طریقہ کار اور خفیہ تبلیغ کا تین سالہ دور (پہلا مرحلہ)

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ۱۷ رمضان کو غار حرا میں وحی نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ تو آپ سیدھے اپنی بیوی حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے۔ تو دین حق ان تک پہنچایا۔ وہ فوراً اس دین حق پر ایمان لے آئیں۔ ساتھ کامیابی کی نوید بھی سنائی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ناکام و نامراد نہیں کرے گا بلکہ آپ اعلیٰ اخلاق کا مالک ہونے کی وجہ سے کامیابی سے ہم کنار ہوں گے۔ پھر حضرت خدیجہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ حضرت خدیجہ سے کو عم زاد بھائی تھے۔ بت پرستی کے متنفر تھے اور دین حق کے متلاشی تھے۔ آخر کار انھوں نے نصرانیت کی آغوش میں پناہ لے لی تھی۔ وہ انجیل کے بہت ماہر تھے۔ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام واقعہ سنا اور سننے کے بعد فرمایا۔ یہ وہی ناموس ہے۔ جو موسیٰ پر اترا تھا۔ آپ پر ایمان لے آئے۔

بالکل ابتدائی زمانہ نبوت میں پیغام دین پہنچانے میں بڑا راز داری اور احتیاط سے کام لیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی کو دعوت حق دیتے تھے۔ جو آپ کے حلقہ احباب میں داخل تھے۔ جو محض دلیل و برہان اور تفہیم و تذکیر سے دعوت حق کو قبول کرنے پر آمادہ ہو سکتے تھے۔
حضرت ابوبکرؓ دولت مند، صاحب الرائے اور ماہر انساب تھے آپ کی ہتھیلی سے جودوکرم کا دریا بہتا تھا۔ غرباء و مساکین اور مسافروں کے لیے رحمت کا موجب تھے۔ اسی وجہ سے مکہ میں بہت ہر دلعزیز تھے۔ بعثت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت دوستانہ مراسم تھے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہر و باطن سے خوب واقف تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پیغام حق پہنچایا تو فوراً دین حق کو تسلیم کر لیا۔

اس طرح حضرت علیؓ ابوطالب کے فرزند تھے۔ آپ بچپن ہی سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہ رہے تھے۔ گو وہ بچے ہی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا دل حق کے قبول کرنے کے لیے کھول دیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضرت زید بن حارث غلام تھے۔ فطرت نیک تھی۔ جب حضورؐ نے پیغام حق پہنچایا فوراً آپ پر ایمان لے آئے۔ حضرت ابوبکرؓ کا لوگوں کے ساتھ بہت میل ملاپ تھا۔ ان کی تبلیغ سے حضرت عثمان غنیؓ زبیرؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ طلحہؓ سعد بن ابی وقاصؓ مسلمان ہوئے۔

پھر ابوعبیدہ، عامر بن عبداللہ بن الجراح عبدالاسد بن بلال، عثمان بن مظعون، عامر بن فہیرہ۔ ازدی، ابو حذیفہ بن عتبہ، سائب بن عثمان مظعون، ارقم، عمار یاسر، خباب بن ارت، سعید بن زید، عبداللہ بن مسعود صہیب رومی بلال، ابو ذر غفاری حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔ (اصابہ فی احوال الصحابہ میں ان بزرگان کا حال مذکور ہے)

عورتوں میں سے حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عباس کی بیوی حضرت ام الفضل اسماء بنت عمیس، اسماء بنت ابوبکر، سمیہ، فاطمہ خواہر عمر فاروق نے اسلام قبول کیا۔ (صحابیات مصنفہ نیاز فتح پوری میں مفصل حالات مذکور ہیں)
رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے مکہ میں ایک پہاڑ کی گھاٹی میں خفیہ تبلیغ کرتے تھے۔ وہیں عبادت کیا کرتے تھے۔ مشرکین کے ایک گروہ نے دیکھ لیا۔ لڑائی جھگڑے تک نوبت آ گئی۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً حضرت ارقم بن ابی ارقم کے مکان کو جو صفا کے قریب واقع تھا۔ دین حق کی تبلیغ کا مرکز بنا لیا۔ تاکہ مسلمان جمع ہو کر عبادت کر لیا کریں اور جو لوگ خفیہ طریقہ سے مسلمان ہوتے جائیں۔ یہاں آتے رہیں۔ دعوت عام شروع ہونے کے بعد بھی مسلمانوں کا یہ مرکز رہا۔ اسی میں حضور تشریف فرما رہتے تھے۔

تین سال کی خفیہ دعوت کا نتیجہ

تین سال کی خفیہ تبلیغ سے وہ تمام سعید روحیں جو مختلف قبائل سے تعلق رکھتی تھیں۔ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئیں۔ تاریخ کے اوراق سے ان سعید روحوں کو اکٹھا کیا جائے تو ان کی تعداد ۱۳۳ بن جاتی ہے۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت عام شروع ہونے سے پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہوئی تھیں۔ (مولانا مودودی کی تصنیف سیرت سرور دو عالم حصہ دوم کے صفحہ ۱۵۵ تا ۱۶۱ پر ان اصحاب کا ذکر موجود ہے۔ تفصیل

درکار ہو اس کتاب کی طرف رجوع کیجئے)

دعوت دین کا دوسرا مرحلہ (اقربین کی دعوت)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوا کہ خفیہ اور محدود طریقے کی تبلیغ کو آہستہ آہستہ متعارف کرانے کا کام مزید آگے بڑھایا جائے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (الشعراء ۲۶:۲۱۴) ''اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا''۔

جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو آپ نے ایک دعوت کا انتظام کیا تمام خاندان بنو ہاشم کو مدعو کیا اور کھانا کھلانے کے بعد دین حق کی تبلیغ کی۔ تمام مجلس ورطہ حیرت میں ڈوب گئی اور کسی طرف سے بھی دین حق کے قبول کرنے کی آواز نہ آئی۔ صرف ایک تیرہ سالہ بچے حضرت علیؓ کی آواز آئی ''گو مجھے آشوب چشم کی شکایت ہے میری ٹانگیں تپلی ہیں اور میں کم عمر ہوں۔ لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا'' تمام اقرباء استعجاب کے رنگ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کی طرف اس سوالیہ نظر سے دیکھنے لگے۔ کہ یہ شخص دنیا کی قسمت کا فیصلہ کرنے جا رہا ہے اور اس کے ساتھ ایک تیرہ سالہ بچہ ہے۔

دعوت دین کا تیسرا مرحلہ (دعوت عام)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرحلہ وار دین حق کی تبلیغ کو اور آگے بڑھایا اور جب یہ حکم ہوا فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (الحجر ۱۵:۹۴) ''سو کھول کر کہہ دے جو تجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور مشرکوں کا خیال نہ کر''

تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہ صفا پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکارنا شروع کیا۔ اے نبی فہر۔ اے نبی عدی اور قریش کے مختلف بطنوں کو پکارتے رہے۔ یہاں تک کہ سب جمع ہو گئے اور جو شخص خود نہ آ سکا۔ اس نے اپنی طرف سے ایک آدمی بھیج دیا تاکہ وہ دیکھے کہ کیا معاملہ ہے۔ ابولہب بھی آیا اور قریش بھی تو آپ نے فرمایا بتاؤ اگر میں تمھیں خبر دوں کہ وادی میں ایک لشکر ہے۔ جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو تم میری بات کو سچ مان لو گے۔ انھوں نے کہا ہاں! ہمارا ہمیشہ کا تجربہ آپ کے متعلق یہی ہے کہ آپ سچ بولتے ہیں فرمایا تو میں تمھیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں۔ جو تمھارے سامنے ہے۔ تو ابولہب نے کہا تجھ پر بربادی ہو۔ کیا اس بات کے لیے تو نے ہمیں اکٹھا کیا تھا۔

دین حق کی تبلیغ مرحلے وار آگے بڑھتی گئی اور طبعی طور پر عربی معاشرہ دو طبقوں میں بٹ گیا۔ ا۔ دعوت حق کو قبول کرنے والے۔ جن کو مومنین یا مسلمین کا نام دیا گیا۔ ۲۔ دعوت حق کا انکار کرنے والے۔ جن کو کافرین کا نام دیا گیا۔ دین حق کا پیغام مکہ کی چار دیواری سے نکل کر عرب کے دوسرے حصوں میں بھی پہنچ گیا۔ دین حق کو مٹانے کے لیے باطل قوتیں جمع ہونا شروع ہوئیں۔

تبلیغ اسلام روکنے کی کوشش اور ایذا رسانیاں

جب اسلام کی شعاعیں لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے لگیں۔ تو کفار نے تبلیغ اسلام کو روکنے کے منصوبے بنانے شروع کیے۔ قریش نے ایک وفد ابو طالب کے پاس بھیجا اور ان سے درخواست کی اور وہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ ان کے بتوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دے۔ ابو طالب نے وفد کو سمجھایا اور واپس چلا گیا۔ جب دین حق کی نورانی شعاعیں ذرا مزید پھیلنے لگیں تو پھر قریش نے دوسرا وفد ابو طالب کے پاس بھیجا اور وہ وفد اپنے ساتھ عمار بن ولید کو لے گیا۔ وہ نوجوان شجاعت اور حسن و زیبائی میں بے مثل تھا۔ ابو طالب سے کہا کہ اس نوجوان کو اپنا بیٹا بنا لو اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمارے سپرد کر دو۔ ابو طالب نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ میں تمھارے بیٹے کی پرورش کروں اور آپ میرے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتاریں۔ ابو طالب کا جواب سن کر کفار واپس ناکام و مراد لوٹ آئے۔ اب قریش نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طرح طرح کی تکالیف اور ایذائیں دینا شروع کر دیں۔ کبھی شاعر کہتے کبھی مجنون کا نام دیتے کبھی کاہن پکارتے۔ راستوں میں کانٹے بچھانے شروع کر دیئے۔ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ میں عبادت کے لیے گئے سجدہ کی حالت میں اونٹنی کی غلیظ بچہ دانی آپ پر رکھ دی گئی۔ کسی راستہ پر گزرتے وقت آپ پر مٹی پھینکی جاتی پتھر مارے جاتے۔ ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط نے چادر آپ کے گلے میں ڈال کر اس زور سے مروڑا

کہ دم گھٹ گیا۔

قریش نے ایک اور وفد ابو طالب کے پاس بھیجا اور وفد نے کہا۔ اے ابو طالب! آپ ہم سے عمر میں زیادہ ہیں۔ مرتبہ اور وجاہت میں بھی سربلند ہیں پہلے بھی آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو بتوں کی مذمت سے منع کریں لیکن آپ نے نہیں روکا۔ اس کے بعد وفد نے کہا۔ اے ابو طالب اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ اگر اب اس نے ہمارے بتوں کو برا بھلا کہا۔ ہمارے آباؤ واجداد کی تذلیل کی۔ ہمیں گمراہ اور جہنم کا ایندھن کہا۔ تو آپ سے جنگ کریں گے تاکہ معاملہ ختم ہو جائے۔

ابو طالب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا کر قوم کا ایک ایک حرف کہہ سنایا اور کہا ہم اس قابل نہیں کہ قوم کا مقابلہ کر سکیں اس وجہ سے مجھے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ابو طالب کے دل پر قوم کی دھمکی کا بہت اثر ہوا ہے۔ تو آپ نے فرمایا اے چچا اگر آپ قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو بے شک میری معاونت سے دست کش ہو جائیں پھر فرمایا اے میرے چچا خدا کی قسم اگر کفار مکہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیں اور کہیں کہ اس کے عوض تبلیغ اسلام کو ترک کر دوں مجھے منظور نہ ہو گا۔ اگر مجھے اس راہ میں ہلاکت نظر آئے۔ تو میں پیچھے قدم نہیں رکھوں گا۔

ابو طالب کے قلب پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ بجلی کا سا اثر کر گئے اور رسول کریمؐ سے کہا کہ جو بات تمھیں لوگوں سے کہنا ہے کہہ دیجئے بخدا میں آپ کی ہر قدم پر مدد کروں گا اور آپ کی تکلیف کو گوارہ نہیں کروں گا۔

اس کے بعد قریش نے پھر ایک اور منصوبہ بنایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ایسی چمک دکھاؤ۔ جس سے وہ اپنی تبلیغ سے رک جائیں۔ وہ چمک مال و دولت اور بادشاہت کی تھی۔ چنانچہ قریش نے عتبہ بن ربیعہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا اور کہا کہ اگر اس تبلیغ سے آپؐ کا منشا مال جمع کرنا ہے تو ہم لوگ آپ کے لیے دولت جمع کر دیتے ہیں۔۲۔ اگر یہ نیت ہے کہ اب تمام عرب کے سردار بن جائیں۔ تو ہم آپ کی سیادت قبول کرنے کو حاضر ہیں۔۳۔ اگر آپ بادشاہت کے طلب گار ہیں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے۔۴۔ اگر کوئی خوبصورت عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہم آپ کے اس مقصد کو پورا کر دیتے ہیں۔ ۵۔ اگر آپ آسیب زدہ ہیں تو آپ کا علاج کروا دیتے ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا مجھے مال، عزت حکومت دولت بیوی سیادت کی ضرورت نہیں اور نہ میرے دماغ میں خلل ہے۔

آپ نے حم السجدہ کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ قرآن مجید کے پاکیزہ اور مقدس الفاظ سن کر عتبہ بن ربیعہ اٹھ کر واپس آیا اور کہا اے قریش کے گروہ! میں ایک ایسا کلام سن کر آیا ہوں کہ جو نہ کہانت ہے، نہ شعر نہ جادو ہے۔ میرا کہنا مانو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ لوگوں نے رائے سن کر کہا کہ عتبہ پر بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جادو چل گیا ہے۔

جب کفار کے تمام حیلے جاتے رہے تو انھوں نے آپؐ پر اور مسلمان بیچاروں پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے جب جور وستم کی انتہا ہو گئی تو آپ نے صحابہ کو حبشہ ہجرت کر جانے کو کہا۔ اس سے ایک مقصد تو یہ تھا کہ مسلمان کفار کے جور وظلم سے محفوظ ہو جائیں۔ دوم جہاں مسلمان جائیں گے وہاں اسلام کا پیغام لے کر جائیں گے۔ اسلام عرب کی زمین سے نکل کر دوسرے ممالک میں بھی پھیلنا شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ پانچ ہجری کو حبشہ کی طرف پہلی ہجرت ہوئی۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ حبشہ میں مہاجرین امن وسکون کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ تو دوسرے سال مزید مسلمان حبشہ ہجرت کر گئے۔ اس ہجرت سے نجاشی تک پیغام اسلام جعفر طیار کی تقریر کے ذریعہ پہنچا۔ جب کفار مکہ نے نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کی واپسی کا مطالبہ کیا تو نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا۔ تو حضرت جعفر طیار نے اپنا موقف بیان کیا۔ وہ موقف کیا تھا۔ وہ ایک پیغام اسلام تھا۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کا ایک نچوڑ تھا۔ جس سے نجاشی بہت متاثر ہوا۔ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کے بعد حضرت حمزہ اور حضرت عمر نے اسلام قبول کیا۔ جس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔

معاشرتی مقاطعہ

جب ظلم وستم کی تلوار سے بھی اسلام کی تبلیغ نہ رکی تو کفار مکہ نے بنو ہاشم سے معاشرتی مقاطعہ کا منصوبہ بنایا' وہ یہ کہ تمام قبائل نے اب ایک باہمی معاہدہ بنی ہاشم کے خلاف کیا کہ وہ ان سے شادی اور نکاح کا معاملہ کریں گے نہ کوئی میل جول رکھیں گے۔ نہ خرید وفروخت کریں گے۔ یہ معاہدہ خانہ کعبہ میں لٹکا دیا بنی ہاشم مجبور ہو کر شہر کے ایک علیحدہ حصے میں محصور ہو گئے اور ان کے ہر قسم کے تعلقات دوسرے قبیلوں سے منقطع ہو گئے۔ وہ جگہ جہاں بنو ہاشم محصور ہوئے شعب ابی طالب کہلاتی ہے۔ تین سال تک وہیں رہے یہ ایسا زمانہ تھا' کہ محصورین درختوں کے پتے اور چھال کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ بھوک و پیاس کی وجہ سے بچے بلبلاتے تھے ان کی آواز باہر سنائی دیتی تھی۔ تو سنگ دل کفار سن کر خوش ہوتے تھے۔ آخر قریش کے چند افراد کو رحم آیا انھوں نے معاہدہ کو چاک کیا اور بنو ہاشم کو اس قید سے نجات دلائی۔

سفر طائف

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ اہل مکہ دین حق کی طرف توجہ نہیں دیتے بلکہ ان کی ضد روز بروز ترقی کرتی جا رہی ہے۔ ظلم وستم میں حد سے بڑھ رہے ہیں۔ تو آپ نے ارادہ کیا چلو طائف کے لوگوں کے سامنے پیغام حق پہنچاتے ہیں۔ ممکن ہے کوئی سعید روح دین حق کو قبول کر لے۔ چنانچہ یہ جگہ مکہ سے ستر میل مشرق کی طرف واقع ہے۔ آپ کے ساتھ آپ کا آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارث تھا۔ طائف میں قبیلہ بنو ثقیف آباد تھا۔ عبدیالیل[1] مسعودؓ حبیب تینوں بھائی اس کے سردار تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس گئے اور دعوت اسلام دی۔ ان تینوں نے گستاخی سے جواب دیا۔ ان کے انکار کے بعد آپؐ عوام کی طرف دعوت اسلام کے لیے متوجہ ہوئے۔ ان تینوں بھائیوں نے اپنے غلاموں اور شہر کے لڑکوں کو اکسایا کہ وہ آپ کی ہنسی اڑائیں۔ تمام شہر کے اوباش آپ پر ٹوٹ پڑے اور پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ آپؐ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ آخر طائف سے بھی ناکام و نامراد واپس لوٹے۔

دیگر ذرائع تبلیغ اسلام

جب دوبارہ مکہ میں آئے تو فریضہ تبلیغ کو اور جوش وخروش سے ادا کرنا شروع کر دیا۔ حج کا موسم آتا تو مختلف قبائل مکہ کے آس پاس اترتے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک قبیلہ کے پاس جا کر دین حق کا پیغام پہنچاتے۔ اسی طرح میلوں میں جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے قبائل عرب میں بنی عامر بنی فزارہ، محارب بن نصفہ، غسان، مرہ سُلیم، عبس حنیفہ، بنو نصر، بنو البکا، کندہ، کلب اور عذرہ حضارمہ مشہور قبائل ہیں ان کے پاس تشریف لے گئے ابولہب ہر وقت سائے کی طرح ساتھ رہتا۔ جب آپ تقریر کرتے تو ابولہب کہتا۔ اللہ کے دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے اس کی باتیں نہ سنو۔ مختلف قبائل میں دعوت حق کے نتیجہ میں طفیل بن عمرو دوسی حضرت ابو ذر غفاری' عمرو بن عبد سلمیٰ' ضماد الازدی' معیقیب بن ابی فاطمہ الدوسی جعال بن سراقہؓ عبدالرحمٰنؓ بریدہ بن الحصیب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

یثرب (مدینہ) میں اشاعت اسلام

اس بستی میں سب سے پہلے صوید بن صامت دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ جب یثرب (مدینہ) گئے تو خزرج نے اسے قتل کر دیا۔ اوس اور خزرج کے درمیان بعاث کی مشہور لڑائی ہونے والی تھی۔ اس کی تیاری کر کے لیے خزرج کا ایک وفد قریش کے پاس امداد کی طلب کے لیے آیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وفد کے پاس گئے اسلام پیش کیا۔ قرآن مجید پڑھ کر سنایا ایاس بن معاذ قرآن مجید کی آیات سے بہت متاثر ہوئے۔ ایاس واپس جا کر جلد فوت ہو گئے۔ مرتے وقت اس کی زبان پر تسبیح وتحمید جاری تھی۔

ایام حج میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خزرج کے چند آدمیوں کے پاس آئے ان کو دعوت اسلام دی۔ اسلام کی تعلیم نے ان کے قلوب پر بہت اثر کیا۔ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

---

[1] آپ کے ماموؤں کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔

یہ نبوت کے گیارہویں سال کا واقعہ ہے جب یہ لوگ یثرب گئے تو اسلام کا چرچا گھر گھر ہونے لگا۔ ہر ایک کی زبان پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کا ورد تھا۔

بیعت عقبہ اولیٰ

نبوت کے بارہویں سال یثرب (مدینہ) کے بارہ آدمی مکہ میں آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی۔ یہ بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔

مصعب بن عمیر بطور مبلغ یثرب میں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر کو ان کی خواہش کے مطابق احکام اسلام سکھانے کے لیے ان کے ساتھ یثرب بھیجا۔ انہی کی تبلیغ کی وجہ سے سعد بن معاذ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد ان کا سارا قبیلہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

بیعت عقبہ ثانی

نبوت کے تیرہویں سال تہتر مرد اور عورتیں حج کے لیے مکہ آئے عقبہ کے مقام پر بیعت کی اور انھوں نے یثرب (مدینہ) آنے کی دعوت دی اور رسول کریم نے ان کی اس دعوت کو قبول فرما لیا۔ آپ نے اس گروہ میں سے بارہ نقیب منتخب کیے جن کے نام خود انصار نے پیش کیے تھے۔ ان میں نو خزرج کے اور تین اوس قبیلے کے تھے۔

صبح ہوتے ہی قریش کو اس بیعت کا علم ہو گیا۔ ان کی تلاش میں نکلے لیکن قافلہ صبح ہی روانہ ہو چکا تھا۔ قریش نے سعد بن عبادہ اور منذر کو پکڑ لیا۔ منذر تو وہاں سے بھاگ گیا۔ سعد بن عبادہ پکڑے گئے۔ ان کو سنگ دل قریش نے خوب مارا آخر جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ نے قریش کے چنگل سے نجات دلائی۔

ہجرت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی سرزمین کو دین حق کی اشاعت کے لیے موزوں دیکھا تو خدا کے حکم کے تحت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر نبوت کے تیرہویں سال مدینہ ہجرت کر گئے۔

مدینہ اشاعت اسلام کا مرکز

مدینہ کو اشاعت اسلام کے لیے مرکز بنانے کی تین وجوہ ہیں ایک وجہ تو یہ تھی کہ مدینہ میں اشاعت اسلام کے لیے فضا خوشگوار تھی اوس اور خزرج کے سردار دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ جن کے قبول کرنے کی وجہ سے نہ صرف ان کے قبیلہ کے لوگ ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے بلکہ مدینہ سے باہر بھی لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑا اور لوگ اسلام کو ایک طاقت سمجھنا شروع ہو گئے تھے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ مدینہ میں اسلام کی اشاعت تعلیم اور قانون کو عملی جامہ پہنانے کے لیے زمین ہموار ہو چکی تھی۔

تیسری وجہ مدینہ کا محل وقوع تھا۔ مدینہ دفاعی لحاظ سے بہت محفوظ مقام تھا اس کے تین طرف پہاڑ اور ایک طرف نخلستان تھا۔ مزید براں ایسے راستہ پر واقع تھا۔ جہاں سے مکہ والوں کے تمام تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی کرنا آسان تھی کیونکہ مکہ والوں کی معیشت کا دار و مدار ہی تجارتی قافلے پر تھے۔

دین کی اشاعت کے لیے مرکز کی تعمیر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کی اشاعت کے لیے مسجد تعمیر کی۔ اس کے ساتھ ایک کے ساتھ ایک درس گاہ بنوائی جو تاریخ میں صفہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہاں مبلغ تیار ہوتے تھے۔

نظام کہن اور نظام نو (کفر اور اسلام) میں تصادم کا خطرہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اندیشہ تھا کہ کفار نظام نو (اسلام) کو مٹانے کے لیے مدینہ پر چڑھائی کریں گے۔ تصادم کو بھانپتے ہوئے آپ نے مدینہ کے یہودیوں سے بقائے باہمی کا معاہدہ کیا۔ جو تاریخ میں میثاق مدینہ کہلاتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دراصل دین کے دفاع اور اشاعت کا انتظام کر رہے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے اردگرد جو قبائل رہتے تھے۔ ان میں تبلیغ کے لیے مبلغ بھیجے اور ان کے ساتھ بقائے باہمی کے معاہدے کیے تاکہ پر امن زندگی میں اسلام کی اشاعت کی جا سکے۔

جب کفار نے دیکھا کہ اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے اور مسلمان پرامن زندگی گزار رہے ہیں اور اسلام کے نفاذ کے لیے ایک چھوٹی سی ریاست بھی قائم ہوگئی ہے۔ جس کے سربراہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو ان کو مٹانے کی تیاری شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین کی حفاظت کے لیے مسلح دفاع کی اجازت دے دی۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ (الحج ۲۲:۳۹) ''ان لوگوں کو جنگ کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ جن کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد دینے کی طاقت رکھتا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے:۔ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (البقرہ ۲:۱۹۰) ''اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو۔ جو تمھارے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور اس سے آگے نہ بڑھو۔ اللہ ان لوگوں سے محبت نہیں کرتا جو حد سے تجاوز کرتے ہیں۔

ایک اور جگہ آتا ہے:۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرہ ۲:۱۹۳) ''اور ان کے ساتھ جنگ کرتے رہو۔ یہاں تک کہ (دین کے لیے) ایذا دہی باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو۔''

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین کے دفاع کی مسلح اجازت دے دی گئی ہے اور یہ آیات اسلامی غزوات کے فلسفے پر دلالت کرتی ہیں۔ اسلامی جنگیں محض دین کے دفاع کے لیے تھیں۔ اگر ظالم کا ہاتھ نہ روکا جائے۔ تو دنیا سے امن اٹھ جاتا ہے۔

دین اور کفر کے تصادم کا آغاز

نظام کہن اور نظام نو (کفر اور دین اسلام) میں کئی معرکے ہوئے۔ جن میں غزوہ بدر (۲ ہجری) غزوہ احد (۳ ہجری) غزوہ خندق (۵ ہجری) اور فتح مکہ (۸ ہجری) مشہور ہیں۔ فتح مکہ کے بعد نظام کہن (کفر) بے بس ہوگیا۔ کفر نے اسلام کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکمل فتح ہوگئی۔

دعوت دین اور مبلغین کا قتل

ماہ صفر ۴ھ میں بنو عضل اور قارہ کے ساتھ آدمی مدینہ آئے اور آپ سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ چند مبلغ اسلام سکھانے کے لیے بھیجیں۔ آپ نے دس صحابہ کو روانہ کیا۔ جب یہ لوگ مقام رجیع پر پہنچے۔ تو ان غداروں نے بدعہدی کی اور ان کو قتل کر دیا۔

اسی طرح ماہ صفر ۴ھ میں ابو براء عامر بن مالک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میری قوم میں دعوت دین کے لیے چند مبلغ بھیجیں۔ آپ نے ستر صحابہ جن میں اکثر اصحاب صفہ تھے۔ ابو براء کے ساتھ بھیج دیئے جب بئر معونہ پر پہنچے تو بنو سلیم کے قبائل کے ایک مسلح لشکر نے ان پر حملہ کر دیا سب کو شہید کر دیا۔ دعوت دین میں اس قسم کے دل ہلا دینے والے واقعات ہوئے۔

بیرونی طاقتوں سے تصادم

عرب کے شمال میں قیصر کی سلطنت کو اسلام کی ترقی ناگوار تھی۔ اس نے اسلامی ریاست کو ختم کرنے کے لیے تیاری شروع کر دی۔ ان کے دفاع کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقام تبوک جانا پڑا۔

دور اقتدار

دراصل فتح مکہ کے بعد نظام کہن (کفر) پاش پاش ہو گیا تھا اور نظام نو (اسلام) پوری آب و تاب کے ساتھ قائم ہو چکا تھا۔ تو دعوت دین کا راستہ ہموار ہو گیا۔ جوں جوں ملک عرب میں امن قائم ہوتا جا رہا تھا۔ مختلف اطراف سے مختلف قوموں کے وفود آئے اور اسلام قبول کرتے چلے جاتے تھے۔ ان وفود کی ابتداء ۹ ہجری میں ہو گئی تھی۔ جب یہ وفود واپس جاتے تو ان کی قوم بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتی۔ اس طرح دور دور کے علاقوں سے جیسے یمن اور حضر موت سے بحرین اور عمان سے حدود ایران اور حدود شام سے وفود آئے۔ اور جو قوم مسلمان ہوتی اس کی تعلیم و تربیت کے لیے کوئی مبلغ بھی ساتھ بھیجا جاتا اور ملک عرب میں امن قائم ہونے کے بعد دو سال کے اندر اندر سارا ملک عرب مسلمان ہو گیا۔

بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کا پیغام خطوط کے ذریعہ بھیجنا شروع کیا۔ چنانچہ آپ نے کسریٰ ایران، شاہ حبشہ، شاہ مصر، قیصر روم، حاکم بحرین، والیان عمان، رئیس غسان، امیر یمن اور بلقاء کے رئیس کے نام تبلیغی خطوط بھیجے۔

مستشرقین کی شاندار کامیابی پر گواہی

غیر مسلم مخالف مورخین نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شاندار کامیابی کی گواہی دی ہے چند ایک مغربی مورخین کی شہادت نقل کی جاتی ہے۔ ''دنیا کی تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے زیادہ کامیاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔'' (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ایڈیشن گیارہواں)

''مختصراً عربوں کی تمدنی اور مذہبی حالت یہ تھی کہ اب بقول والٹر عرب کی باری آئی ایک ایسے مکمل فوری اور خلاف معمول انقلاب کا ڈنکا بجا جو دنیا کے تختہ پر کسی قوم میں وقوع میں نہیں آیا۔'' (باسورتھ سمتھ)

''دنیا میں کسی قوم نے اس قدر جلد تہذیب حاصل نہیں کی۔ جیسے کہ عربوں نے واقعی اسلام کی بدولت کی۔ (نیو ریسرچز مصنفہ ہرش فیلڈ)

''دنیا میں ایسی پراگندہ اور منتشر قوم کوئی نہ تھی کہ یکایک ایک معجزہ ظاہر ہوا ان میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جس نے اپنی شخصیت اور دعویٰ نبوت سے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ یعنی پشتوں کے دشمنوں کو گلے ملا دیا۔'' (انڈ اینڈ اوٹس آف سپاٹ)

تبلیغ کے اصول

عزم بالجزم

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا سے دین حق کی تبلیغ کی بھاری ذمہ داری لے کر گھر واپس لوٹے۔ دین حق کی تبلیغ کے لیے چند نفوس کا انتخاب کیا۔ ان تک پیغام پہنچایا اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جب دین حق کی آواز کفار کے کانوں تک پہنچی۔ معلوم ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو نظام کہن کو مٹا کر ایک نیا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں۔ تو وہ مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور دین حق کی اشاعت کی روک کے لیے ایک وفد ابو طالب کے پاس بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ ان کے بتوں کو برا بھلا نہ کہیں۔ ابو طالب نے وفد کو سمجھایا اور واپس کر دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین حق کی اشاعت جاری رکھی۔ جب دین حق کی شاخیں ذرا پھیلنے لگیں۔ تو پھر قریش نے دوسرا وفد ابوطالب کے پاس بھیجا اور وہ وفد اپنے ساتھ عمار بن ولید کو ساتھ لے گیا۔ یہ نوجوان شجاعت اور حسن و زیبائی میں بے مثال تھا۔ ابو طالب نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ میں تمہارے بیٹے کی پرورش کروں اور آپ میرے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ ابو طالب کا جواب سن کر کفار قریش واپس ناکام و نامراد لوٹ آئے۔ اب قریش نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طرح طرح کی تکالیف اور ایذائیں دینا شروع کر دیں کبھی شاعر کہتے کبھی مجنون کا نام دیتے۔ کبھی کاہن پکارتے راستوں میں کانٹے بچھا دیتے ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ میں عبادت کے لیے گئے۔ سجدہ کی حالت میں اونٹنی کی غلیظ بچہ دانی آپ پر رکھ دی کبھی راستہ

پر گزرتے وقت آپ پر مٹی پھینکی جاتی پتھر مارے جاتے ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط نے چادر آپ کے گلے میں ڈال کر اس زور سے مروڑا کہ دم گھٹ گیا۔ قریش نے ایک اور وفد ابو طالب کے پاس بھیجا اور وفد نے کہا اے ابو طالب! آپ ہم سے عمر میں زیادہ ہیں۔ مرتبہ اور وجاہت میں بھی سربلند ہیں پہلے بھی آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو بتوں کی مذمت سے منع کریں۔ لیکن آپ نے اس کو اس کام سے نہیں روکا۔

اے ابو طالب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ اگر اب اس نے ہمارے بتوں کو برا بھلا کہا۔ ہمارے آباؤ اجداد کی تذلیل کی۔ ہمیں گمراہ اور جہنم کا ایندھن کہا۔ تو آپ سے جنگ کریں گے تاکہ معاملہ ختم ہو جائے۔

ابو طالب نے اپنے پیارے بھتیجے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا کر قوم کا ایک ایک حرف کہہ سنایا اور کہا۔ ہم اس قابل نہیں کہ قوم کا مقابلہ کر سکیں اس وجہ سے مجھے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ابو طالب کے دل پر قوم کی دھمکی کا بہت اثر ہوا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "اے چچا اگر آپ قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تو بے شک میری معاونت سے دست کش ہو جائیں فرمایا اے میرے چچا! خدا کی قسم اگر کفار میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیں اور کہیں کہ اس کے عوض دین حق کی تبلیغ کو ترک کر دوں مجھے منظور نہیں ہوگا۔ خواہ مجھے اس راہ میں ہلاکت نظر آئے۔ تو میں پیچھے قدم نہیں رکھوں گا۔"

ابو طالب کے قلب پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ الفاظ بجلی کا سا اثر کر گئے اور۔۔ جو بات تمھیں لوگوں سے کہنا ہے کہہ دیجئے۔ بخدا میں آپ کی ہر قدم پر مدد کروں گا اور آپ کی تکلیف کو گوارا نہیں کروں گا۔

قریش نے ایک اور منصوبہ بنایا شائد اسی سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ دین حق سے رک جائیں وہ منصوبہ یہ تھا۔ کہ اس دفعہ محمدؐ کو طمع دو چنانچہ عتبہ بن ربیعہ آپ کے پاس گیا اور کہا۔

۱۔ اگر اس قسم کی تبلیغ سے آپ کا منشا مال جمع کرنا ہے تو ہم لوگ آپ کے لیے دولت جمع کر دیتے ہیں۔
۲۔ اگر یہ نیت ہے کہ آپ تمام عرب کے سردار بن جائیں تو ہم آپ کی سیادت قبول کرنے کے لیے حاضر ہیں۔
۳۔ اگر آپ بادشاہت کے طلب گار ہیں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے۔
۴۔ اگر کوئی خوبصورت عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ تو ہم آپ کے اس مقصد کو بھی پورا کر دیتے ہیں۔
۵۔ اگر آپ آسیب زدہ ہیں تو آپ کا علاج کروا دیتے ہیں۔

آپ نے جواب میں فرمایا مجھے مال' عزت' حکومت' دولت بیوی سیادت کی ضرورت نہیں اور نہ میرے دماغ میں خلل ہے۔

آپ نے حم السجدہ کی ابتدائی آیات تلاوت کیں قرآن مجید کے پاکیزہ اور مقدس الفاظ سن کر عتبہ بن ربیعہ اٹھ کر واپس آیا اور کہا اے قریش کے گروہ! میں ایک ایسا کلام سن کر آیا ہوں جو نہ کہانت ہے نہ شعر ہے۔ نہ جادو منتر میرا کہنا مانو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ لوگوں نے رائے سن کر کہا عتبہ پر بھی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جادو چل گیا ہے۔

اسی دین حق کی تبلیغ کے سلسلہ میں تین سال شعب بن ابی طالب میں محصور رہنا پڑا لیکن پائے استقلال میں ذرا بھر لغزش نہ آئی۔ مکہ سے نکل کر طائف کا ارادہ کیا کہ شاید وہ لوگ آپ کی آواز پر کان دھریں لیکن وہاں بھی امید بر نہ آئی۔ انھوں نے پتھر مار مار کر زخموں سے چور کر دیا لیکن ان ناکامیوں نے ایک لحہ کے لیے بھی آپ کی آخری کامیابی کے یقین کو متزلزل نہ کیا۔

حج کے ایام میں بندے بندے کے پاس گئے اور پیغام حق پہنچایا۔

آخر ایک وقت وہ بھی آیا۔ جب قتل منصوبہ تیار کر کے دشمنوں نے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ تب بھی گھبرائے نہیں بلکہ اکیلے باہر نکلے ہیں۔ اپنے ایک ساتھی (ابوبکر) کو لے کر غار میں پناہ لیتے ہیں۔ جب دشمن برہنہ تلواروں کو لے کر غار کے منہ پر جا پہنچتا ہے۔ تب بھی اپنے ساتھی کو "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (غم نہ کریں اللہ ہمارے ساتھ ہے) کہہ کر مژدہ جانفزا سناتے ہیں۔ غرض نازک سے نازک حالات میں بھی آپ کے عزم بالجزم میں ذرا بھر فرق نہیں آیا۔

۲۔ حکمت

حکمت' دین حق کی تبلیغ و اشاعت کا اولین طریقہ کار ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل ۱۶:۱۲۵) ''اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ سے بلا اور ان کے ساتھ اس طریق پر بحث کر جو نہایت عمدہ ہو۔''

حکمت کا مطلب یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت' استعداد اور حالات کو سمجھ کر' نیز موقع و محل کو دیکھ کر بات کی جائے ہر طرح کے لوگوں کو ایک ہی چابک سے نہ ہانکا جائے۔ جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے۔

پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے۔ جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔ (تفہیم القرآن جلد ۲ صفحہ ۵۸۱)

حکمت ایک ایسی جامع اصطلاح ہے۔ جس میں دین حق کی اشاعت کے تمام طریقہ ہائے کار آ جاتے ہیں۔ جو مخاطب کو قبولِ حق کی طرف مائل کرتے ہیں۔ مثلاً کلام براہین اور دلائل سے کرنا۔ موقع و محل پر کرنا' مخاطب کی نفسیات کا لحاظ رکھنا۔

۳۔ موعظہ حسنہ

مذکورہ آیت میں دین حق کی تبلیغ کا ایک اور طریقہ موعظہ حسنہ بیان کیا گیا ہے۔ موعظہ حسنہ سے مراد عمدہ نصیحت ہے۔ عمدہ نصیحت کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ مخاطب کو صرف دلائل سے ہی مطمئن نہ کیا جائے بلکہ اس کے جذبات کو بھی اپیل کیا جائے۔ مثلاً برائیوں کا محض عقلی طریقہ سے ابطال نہ کیا جائے بلکہ برائیوں کے نتائج سے بھی آگاہ کیا جائے اور برائی کے متعلق انسان کے اندر جو پیدائشی نفرت پائی جاتی ہے۔ اس کو بھی ابھارا جائے۔

اس طرح عمل صالح بجا لانے کے لیے محض استدلال ہی نہ کیا جائے بلکہ اس کی طرف رغبت اور شوق دلایا جائے دوسرا مطلب یہ ہے کہ نصیحت ایسے طریقے سے کی جائے جس سے دل سوزی اور خیر خواہی ظاہر ہوتی ہو۔

۴۔ مجادلہ بطریق احسن

مجادلہ سے مراد دلائل کا باہمی رد و بدل ہے۔ جس سے مخاطب کو مطمئن کرنے کے لیے دلائل سے جواب دیا جائے اور فریق کو قبول حق پر آمادہ کیا جائے اس کی نوعیت محض مناظرہ بازی۔ عقلی کشتی اور ذہنی دنگل نہ ہو۔ نہ دوران مجادلہ فریق کی کسی کمزوری کو دیکھ کر پھبتیاں کسی جائیں۔ نہ تمسخر اڑایا جائے۔ اور نہ اپنے تفوق برتری اور فضیلت کو غلط انداز میں پیش کیا جائے۔ نہ مخاطب کی کم عقلی' کم علمی کا اظہار کیا جائے بلکہ کلام میں مٹھاس ہو۔ خلوص ہو' دلائل سے مزین ہو۔ ایک ایک دلیل مخاطب کے دل میں اترتی جائے اور اس کا دل باطل عقائد کے دھند سے دھلتا چلا جائے۔ حق کی رمق اور چمک اس کے دل میں پیدا ہونا شروع ہو جائے۔

جب دیکھا جائے کہ مجادلہ' بحث و تکرار کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ مخاطب غلط بات پر اڑ گیا ہے۔ اور کج بحثی پر اتر آیا ہے تو مجادلہ کو ترک کر دینا چاہیے تاکہ مخاطب مزید گمراہی اور ضلالت کی دلدل میں نہ پھنسے۔

اسی مضمون کو قرآن نے ایک دوسرے پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنکبوت ۲۹:۴۶) ''اور اہل کتب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریقے سے جو نہایت اچھا ہو۔''

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ احسن طریقہ سے مجادلہ ہی انسان کو گمراہی کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتا ہے اور دینی اخوت کے رشتہ میں باندھتا ہے دل سے نفرت اور عداوت دور کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اچھائی اچھائی ہے اور برائی برائی ہے۔ اچھائی ہمیشہ

کامیاب ہوتی ہے اور برائی ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھتی ہے۔ اچھائی ہمیشہ فلاح کا راستہ دکھاتی ہے جب کہ برائی ہمیشہ خسران اور گھاٹے کے راستہ پر گامزن کرتی ہے۔ اس مسلمہ اصول کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (حم السجدہ ۴۱:۳۴) ''اور نیکی اور بدی برابر نہیں (بدی کو) بہت اچھے طریق سے دور کرو۔ پھر تو دیکھے گا کہ وہ شخص کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی ہے گویا وہ دل سوز دوست ہے۔

ایک اور جگہ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بیان کرتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ (المومنون ۲۳:۹۶) ''بدی کو اس (بات) کے ساتھ دور کر جو بہت اچھی ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں'' ان آیات میں دین حق کو باطل عقائد کے مقابل میں پیش کرنے کا عمدہ طریقہ بیان کیا ہے۔ اسی طریقہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گامزن ہوئے اور کامیابی حاصل کی۔

۵۔ نرم انداز میں گفتگو

دعوت وتبلیغ کا ایک عمدہ طریقہ نرم انداز میں گفتگو ہے دراصل یہ انداز اور طریقہ پہلے بیان کیے گئے طریقہ ''مجادلہ احسن'' کا ایک حصہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی (طٰہٰ ۲۰:۴۴) ''سو اسے نرم بات کہو۔ شاید وہ نصیحت پکڑے یا ڈرے۔''

اس آیت کریمہ میں دعوت الی الحق کا صحیح طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرعون حد سے گزر گیا ہے۔ وہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرتا ہے۔ نہایت ذلیل کام ان سے لیتا ہے۔ غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ فرعون کے پاس جاؤ۔ اس سے نرم انداز میں گفتگو کرنا حضرت موسیٰ اور ہارون کا یہ واقعہ اسی وجہ سے بیان کیا ہے تاکہ اسی راستہ پر چل کر رسول خدا دین حق کی تبلیغ کریں۔

درشت کلامی اور سخت گوئی سے دوسرے فریق کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں۔ طبیعت میں ضد آ جاتی ہے اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب مخاطب فریق کے جذبات مشتعل ہو جائیں۔ تو وہ حق بات قبول کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

۶۔ آسان طریقہ سے پیغام پیش کرنا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغام حق مخاطب کے سامنے آسان طریقے سے پیش کیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے: لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ''یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اتنی تکلیف نہیں دیتا کہ وہ برداشت نہ کر سکے۔''

دوسری جگہ آتا ہے: نُیَسِّرُکَ لِلْیُسْرٰی فَذَکِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّکْرٰی (الاعلیٰ ۸۷: ۹۸) ''ہم آسان طریق کی طرف تجھے چلائیں گے۔'' سو نصیحت کرتا رہ اور نصیحت یقیناً نفع دیتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود فرماتے ہیں۔ ''میں سہل مذہب لے کر مبعوث ہوا ہوں۔'' پھر فرمایا اللہ کو پسندیدہ دین وہ ہے جو سیدھا اور آسان ہو۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو تبلیغ کے لیے روانہ کرتے وقت نصیحت فرمائی۔ یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا (بخاری کتاب العلم مسلم کتاب الجہاد) آسانی پیدا کرو تنگی نہیں خوش خبری دو اور لوگوں میں نفرت نہ پھیلاؤ۔

فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ (عون المعبود کتاب الطهارة باب الارض يصيبها البول (۱/۱۴۵)) ''تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو۔ دشواری پیدا کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔''

۷۔ تدریج

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین حق کے احکام تدریجاً لوگوں کے سامنے پیش کیے کیونکہ کسی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکام کا بوجھ یکبارگی اس کی گردن پر نہ ڈالا جائے بلکہ رفتہ رفتہ وہ اس کے سامنے پیش کیے جائیں پہلے توحید و رسالت اور دیگر عقائد کو

پیش کرنا چاہیے اس کے بعد عبادات کو' عبادات میں بھی اہم پھر اہم تر کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے عبادات میں سب سے اہم نماز ہے پھر زکوۃ پھر دوسرے فرائض' تدریج کا یہ اصول فرد کے لیے بھی ضروری ہے اور جماعت کے لیے بھی۔ دین ایک نظام ہے اور اس نظام کو اگر حکیمانہ ترتیب سے پیش نہ کیا جائے تو مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔'' (دعوت دین ص ۵۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھیجتے وقت فرمایا ''تم یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے کہ تو ان کو پہلے اس امر کی دعوت دینا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ جب وہ مان جائیں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے۔ یہ صدقہ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غرباء میں تقسیم کیا جائے۔'' (بخاری)

اسی حقیقت کی طرف حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ارشاد فرمایا ہے ''قرآن میں جو چیز سب سے پہلے نازل کی گئی وہ مفصل کی ایک سورۃ ہے جس میں دوزخ اور جنت کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ جب لوگ جنت کے دائرہ میں آ گئے۔ تب حلال وحرام کے احکامات نازل ہوئے۔ اگر بالکل شروع میں ہی یہ حکم آ جاتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز شراب نہ چھوڑیں گے۔ یہ حکم دیا جاتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے۔ (بخاری باب تالیف القرآن)

۸۔ عدم اکراہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین حق دلائل و براہین سے پیش کیا نہ کہ دھونس اور جبر وتشدد سے کیونکہ دین میں کوئی جبر نہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (بقرہ ۲:۲۵۶) ''یعنی دین میں کوئی جبر نہیں۔''

دوسری جگہ آتا ہے: وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف ۱۸ : ۲۹) ''اور آپ فرما دیجئے کہ حق تمھارے پروردگار کی طرف سے ہے تو جو چاہے قبول کرے اور جو چاہے انکار کرے۔''

رسول کا کام صرف لوگوں تک پیغام حق پہنچانا ہے ارشاد الٰہی ہے: فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (المائدہ ۵ : ۹۲) ''پس جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے: اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ (الشوریٰ ۴۲:۴۸) ''تجھ پر صرف (بات کا) پہنچا دینا ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے: اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (الغاشیہ ۸۸:۲۱، ۲۲) ''سو نصیحت کر تو صرف یاد دلانے والا ہے ان پر تو داروغہ نہیں۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ آ گئے اور آپ کی قیادت میں ایک لشکر بھی آ گیا اور اچھی خاصی سیاسی قیادت بھی حاصل ہو گئی تھی۔ کفار مکہ کو جنگوں میں شکست بھی دے چکے تھے لیکن یہ قوت حاصل کرنے کے باوجود دین حق بزور شمشیر نہیں پھیلایا۔ اردگرد کے قبائل کو تبلیغی خطوط لکھے۔ لیکن تاریخ سے ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ آپ نے جبر سے کسی کو دائرہ اسلام میں داخل کیا ہو۔ ارنلڈ مغربی علماء کے نقطہ نظر کو نقل کرنے کے بعد اس کا رد کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ جب آنحضرتؐ ایک مسلح جماعت کے سردار بن گئے تو انھوں نے دفعتاً ایک پرامن واعظ کے منصب کو چھوڑ کر ایک متعصب مذہبی جنونی کا قالب اختیار نہیں کیا۔ جو دوسرے لوگوں کو تبدیلی مذہب پر بزور شمشیر مجبور کرتے۔'' (دعوت اسلام ص ۳۹)

قرآن مجید رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرامن طریقے سے دین حق کو لوگوں تک پہنچانے سے بھرا پڑا ہے۔ جس کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ دین اسلام کی اشاعت میں جبر و اکراہ کا شائبہ تک نہیں۔ ایک اور موقع پر دعوت حق کے لیے صحیح طریق کار کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف ۷:۱۹۹) ''اے نبی (دین حق کی اشاعت کے سلسلہ میں) درگزر کا طریقہ اختیار کر معروف (دینی حق) کی تلقین کیے جاؤ'' اور جاہلوں سے کنارہ کر۔

اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اشتعال انگیزی اور ظلم وستم کے جواب میں درگزر اور عفو سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے۔

۹۔ دین حق کی اشاعت میں بے غرض ہونا

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر کسی مادی لالچ کے دین حق کو لوگوں تک پہنچایا۔ ''عزم بالجزم'' ذیلی عنوان کے تحت لکھا تھا کہ کس طرح کفار نے آپ کے سامنے دنیا کی ہر نعمت کی پیش کش کی لیکن آپ نے ان کو ٹھکرا دیا اور دین حق کی اشاعت میں لگے رہے اور آپ کے سامنے خدا کی رضا اور لوگوں کی بھلائی مقصود تھی۔ ارشاد الٰہی ہے: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (الانعام ۶:۹۰) ''کہہ میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ وہ صرف جہانوں کی نصیحت ہے۔''

دوسری جگہ آتا ہے: وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (یوسف ۱۲:۱۰۴) ''اور تو ان سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا وہ صرف تمام قوموں کے لیے نصیحت ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے: قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (ص ۸۶) ''کہہ میں تم سے اس پر اجر نہیں مانگتا اور میں بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

پھر ابو عبیدہ' عامر بن عبداللہ بن الجراح' عبدالاسد بن بلال' عثمان بن مظعون' عامر بن فہیرہ ازدی' ابو حذیفہ بن عتبہ' سائب بن عثمان مظعون' ارقم' عمار یاسر' خباب بن الارت' سعید بن زید' عبداللہ بن مسعود' صہیب رومی' بلال' ابوذر غفاری' حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

عورتوں میں سب حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت عباس کی بیوی حضرت ام الفضل' اسماء بنت عمیس' اسماء بنت ابی ابوبکرؓ سمیہ' فاطمہ خواہر حضرت عمر فاروق نے اسلام قبول کیا۔ (صحابیات مصنفہ نیاز فتح پوری میں مفصل حالات مذکور ہیں)

حضرت علیؓ ابو طالب کے فرزند تھے۔ آپ بچپن سے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے تھے اور وہ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور غلاموں میں سے سب سے پہلے حضرت زید بن حارث حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے تین سال راز داری اور احتیاط سے تبلیغ کی اور ان لوگوں تک دعوت دین پہنچائی۔ جو آپ کو خوب جانتے تھے۔ اس طرح ایک اچھی خاصی تعداد مسلمان ہوگئی۔ اس زمانہ میں چھپ کر مکہ کی سنسان گھاٹیوں میں نماز پڑھتے تاکہ کسی کو ان کے مسلمان ہونے کا پتہ نہ چل جائے۔ دو اڑھائی سال بعد ایک واقعہ پیش آیا۔ جس سے تصادم کا اندیشہ لاحق ہوا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے۔ ایک روز مسلمان مکہ کی ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے۔ مشرکین کے ایک گروہ نے انھیں دیکھ لیا اور ان کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ بات لڑائی تک جا پہنچی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے ایک شخص کو اونٹ کی ہڈی مار دی۔ جس سے اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ بنی تمیم کا عبداللہ بن اخطل تھا۔ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ارقم کے گھر کو دین کی تبلیغ کا مرکز بنا لیا۔ جو لوگ خفیہ طریقے سے مسلمان ہوئے وہ وہاں آتے وہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی تعلیم و تربیت کرتے۔

۱۰۔ صبر' عفو

تبلیغ میں مبلغ کو تکالیف اور ناگوار امور سے واسطہ پڑتا ہے۔ یوں صبر اور عفو سے کام لینا ضروری ہے۔ اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مبلغ صبر کے ساتھ تبلیغ کرے اور مخالفین کی شرارتوں سے درگزر کرے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ حسنہ سامنے ہے کہ آپ حضرت زید بن حارث کے ساتھ طائف تبلیغ کے لیے گئے۔ تو کس طرح وہاں کے لوگوں نے آپ سے سلوک کیا۔ شہر کے لڑکوں کو اکسایا۔ تمام شہر کے اوباش آپ پر ٹوٹ پڑے۔ پتھر پھینکے۔ یہاں تک کہ آپ کی جوتیاں لہو سے بھر گئیں۔ آپ نے صبر سے کام لیا اور مخالفین کے لیے دعا کی۔

جب تمام انبیاء علیہم السلام کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے خصوصاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا۔ تو ایک واضح بات سامنے آتی ہے۔ وہ خدا سے دعا کرنا۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ تم مجھ سے دعا کرو اور میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ اس اصول کو سامنے رکھ کر ایک مبلغ کے لیے یہ لازمی ہے کہ اللہ سے دعائیں بھی کرے۔

تبلیغی موضوعات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عالمگیر پیغام لے کر آئے تھے جو کسی خاص قوم کے لیے نہ تھا نہ کسی مخصوص وقت کے لیے۔ اس لیے آپ کے تبلیغی موضوعات میں بہت پھیلاؤ تھا اور زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اگر ان تمام پھیلے ہوئے موضوعات کو سمیٹا جائے تو عنوان بنتے ہیں۔ توحید' عبادات' آداب' اخلاق' معاملات۔

آپ نے ایک خدا کا پیغام دیا شرک سے منع کیا۔ خدائے واحد کی عبادت کی تلقین کی۔ آداب زندگی سے آگاہ کیا۔ اخلاق حمیدہ اپنانے اور اخلاق رذیلہ کے ترک کرنے پر زور دیا۔ انسانوں کے باہمی حقوق و فرائض کی تعلیم دی۔

یہ موضوعات حدیثوں کی کتب میں پھیلے ہوئے ہیں جن کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ گو زیر مطالعہ کتاب ''سید البشر'' میں مختلف مقامات پر ان موضوعات پر تفصیلاً بحث ہو چکی ہے۔ لہٰذا اعادہ محض لا حاصل ہے۔ صرف شرائط بیعت اور نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر طیار کی تقریر درج کی جاتی ہے۔ جن سے موضوعات تبلیغ پر مجملاً روشنی پڑ جاتی ہے۔

شرائط بیعت

عقبہ اولیٰ میں یثرب کے بارہ آدمیوں سے ان شرائط پر بیعت لی۔ جو اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہیں اور مذکورہ تمام موضوعات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

ہم خدائے وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ چوری نہیں کریں گے زنا نہیں کریں گے۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔ کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے۔ نہ کسی کی چغلی کیا کریں گے' امر بالمعروف میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

حضرت جعفر طیارؓ کی تقریر

اے بادشاہ! ہم ایک جاہل قوم تھے جو بتوں کو پوجتے تھے مردار کھاتے بے حیائی کے کام کرتے قریبیوں کے حقوق ادا نہ کرتے' ہمسایوں سے برا سلوک کرتے اور ہم میں سے مضبوط کمزور کو کھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول مبعوث کیا۔ جس کے نسب صدق امانت اور پرہیز گاری کو ہم خوب پہچانتے ہیں اس نے ہم کو بلایا کہ خدا کو ایک مانو' اسی کی عبادت کرو' پتھروں اور بتوں کی پرستش کو چھوڑ دو اور اس نے ہم کو حکم دیا کہ بات سچ کہو۔ امانت ادا کرو صلہ رحمی کرو' ہمسایوں سے اچھا سلوک کرو' حرام باتوں اور خونریزیوں سے بچو' اس نے ہم کو بے حیائی کے کاموں سے جھوٹ بولنے سے اور یتیم کا مال کھانے سے' عورتوں پر جھوٹے الزام لگانے سے روکا۔ پس ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی پیروی کی اور اس کی باتوں کو مانا' اس پر ہماری قوم نے ہم پر ظلم شروع کیا اور ہم کو دکھ دیا کہ ہم اپنے دین کو ترک کر دیں اور بت پرستی کی طرف لوٹ آئیں۔ پس جب ان کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا۔ تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے اور ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔''

یہ تقریر بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبلیغی موضوعات پر روشنی ڈالتی ہے۔

تبلیغ کے اثرات

روحانی اثر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل عرب قوم ہر قسم کے گناہوں کی دلدل میں پھنسی ہوئی تھی۔ ان کی برائیوں کا ذکر آغاز کتاب میں زیر عنوان ''عہد جاہلیت'' میں گزر چکا ہے قرآن مجید نے اس حالت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کہ خدا کے احکام کی خلاف ورزی کا فساد خشکی اور تری میں پھیلا ہوا تھا۔ یعنی دنیا کے ہر خطہ میں خدا کی نافرمانی کا فساد برپا تھا اس تاریک دور میں

آپ کی تبلیغ نے انسان نما حیوانوں کو باادب انسان بنایا۔ پھر باادب انسان سے بااخلاق انسان بنایا پھر بااخلاق انسان سے باخدا انسان بنایا وہ عرب جو گناہوں میں لذت محسوس کرتے تھے۔ وہی لوگ ان گناہوں سے متنفر ہو گئے۔ رات کی تاریکی میں اٹھ کر خدائے وحدہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے اور خدا کے قرب کے لیے اپنی جان کو قربان کرتے اگر کسی سے گناہ سرزد ہوتا تو بھاگا ہوا رسول کریم کی خدمت میں پہنچتا۔ اپنے گناہ کا اقرار کرتا اور سزا کا طلب گار ہوتا۔ پھر وہی لوگ ہیں اپنی نیکوکاری کی وجہ سے "رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ" کا خطاب حاصل کیا گویا اللہ تعالیٰ اس دنیا میں ہی ان سے راضی ہو گیا۔

دنیاوی اثر

جب غار حرا سے خدا کا پیغام لے کر گھر آئے۔ تو آپ کی زوجہ محترمہ اس پیغام کو حق جانا اور آپ پر ایمان لے آئیں پھر چند ایک راز دان دوست حلقہ ارادت میں آ گئے' وہ صرف اتنے ہی تھے۔ ایک چھوٹے سے حجرے میں سما سکتے تھے اور انگلیوں پر نام بنام گنے جا سکتے تھے جن کو ایک جتھے کے لیے ہلاک کرنا کوئی مشکل نہ تھا اور ان کا مقابلہ ایسے خونخوار دشمن سے تھا جن کے ظلم وستم سے نجات پانے کے لیے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر یثرب چلے گئے۔ ان ظالموں نے ان کو تباہ کرنے کے لیے ان پر جنگیں مسلط کر دیں۔ وہی بے بس اور ناتواں اور کمزور مسلمان پہلے قیادت میں مضبوط ہونے لگے۔ اور ان ناتوانوں کو دنیا میں پھیلا دیا اور ان کو طاقت دولت اور بادشاہت بخشی۔ تمام عرب ان کے قدموں کے نیچے آ گیا۔ قیصر وکسریٰ کے تاج وتخت ان کے سپرد کیے گئے اور ۱۰ لاکھ مربع میل اسلامی حکومت کی حدود میں شامل تھا۔

معاشرتی اثر

تمام عرب فرقوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک دوسرے کی عداوت کی آگ میں جل رہے تھے۔ جنگوں میں شب و روز گزرتے تھے۔ گھوڑے کی پیٹھ پر جان دینا فخر محسوس کیا جاتا اور بستر پر مرنا باعث عار ہوتا تھا۔ غلامی کا رواج تھا عورتوں سے استبضاع جائز سمجھا جاتا۔ ایک عورت کے کئی خاوند ہوتے اگر ایک مرد چاہتا تو ایک عورت کو ہزار مرتبہ بھی طلاق دے کر عدت کے اندر رجوع کر لیتا۔ ایک مرد جتنی چاہتا شادیاں کر لیتا۔ دو حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنے کا عرب میں رواج تھا۔ بچی کی پیدائش کو باعث عار سمجھا جاتا اور زندہ درگور کر دیا جاتا۔

غرض کہ بعثت سے قبل عرب میں ہر قسم کی معاشرتی برائی پائی جاتی تھی۔

آپ کی تبلیغ سے مسلمان اتفاق اور اخوت کی سلک میں منسلک ہو گئے۔ ایک دوسرے کے حقوق کے تحفظ کو اولیت دی گئی۔ عورتوں کو معاشرہ میں بلند رتبہ دیا گیا اور مسلمان عورتوں کو وقار اور عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ بچیوں کو گھر کی زینت سمجھا جانے لگا۔ دائرہ اسلام میں آ کر مسلمان غلاموں کو اپنے گھر کا ایک فرد سمجھنے لگے۔ ان کا احترام کرتے۔ ان کو وہی کھلاتے جو خود کھاتے اور ان کو وہی پہناتے جو وہ خود پہنتے۔ آہستہ آہستہ غلامی کا رواج ختم ہو گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ سے جو معاشرتی انقلاب آیا۔ اس کا ذکر ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت ماہر عمرانیات'' کے تحت ہو چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں' قاری اس موضوع کو اپنے ذہن میں رکھے۔ پھر معاشرتی برکات کا جائزہ لے۔ تو پھر اس کی آنکھوں کے سامنے ایک عظیم معاشرتی انقلاب آ جائے گا۔

اقتصادی اثر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل عربوں کا ذریعہ معاشی غصب ونہب تھا۔ ایک طبقہ تمام ذرائع وسائل پر قابض ہے۔ معاشرے کے دوسرے افراد دو وقت کی روٹی کے محتاج تھے۔ معاشی ناہمواری کی وجہ سے معاشرہ میں بے شمار اخلاقی برائیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ آپ کی تبلیغ کا ہی اثر ہے کہ مسلمان لوٹ کھسوٹ کی بجائے محنت سے روزی کمانے لگے۔ حلال روزی کمانے کو اپنی معاشیات کی اساس قرار دی۔ باطل ذرائع سے روزی کمانے کو ناجائز قرار دیا۔ پھر حلال طریقے اور محنت سے حاصل کردہ آمدن میں خدا کا ایک حصہ مقرر کر دیا اس کا نام اسلامی اصطلاح میں زکوٰۃ ہے اس کے علاوہ اپنے مالوں میں یتامیٰ' بیواؤں' مساکین' محتاج' نادار' مسافروں کا حصہ قرار دیا۔ دوسروں کی ضروریات کو پورا

کرنا اپنے اوپر لازمی قرار دیا پھر اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ہی اپنی دولت کو خرچ کرتے تھے۔

سیاسی اثر

بعثت سے قبل اہل عرب منظم اور دستوری حکومت کے نام سے ناواقف تھے۔ قبائلی زندگی تھی۔ نہ کوئی مرکزی حکومت نہ تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ وتعلیم کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے ایک مرکزی حکومت کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس کا ایسا سربراہ مقرر کیا جو تمام مسلمانوں میں ہر لحاظ سے بہتر تھا۔ اس نے امور سلطنت مشورہ سے سرانجام دیئے۔ قرآن حدیث کو قانون سازی کا سرچشمہ قرار دیا۔ عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی اور ہر شہری کی ضروریات کو پورا کیا اور ایک فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی۔

امت مسلمہ کی تبلیغی ذمہ داری

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری زندگی لوگوں تک پیغام حق پہنچانے میں صرف ہوئی۔ لوگوں تک پیغام پہنچانے میں تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اب آپ کی امت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے دوسروں تک اسلام کا پیغام پہنچائیں اس پیغام کو پہنچانے کے لیے یہ امت پیدا کی گئی ہے یہی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر عائد کی ہے۔

قرآن مجید کی تلقین

ارشاد الٰہی ہے: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران ۳:۱۰۴) اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور وہ اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران ۳:۱۱۰) تم سب سے اچھی امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیے ظاہر کی گئی ہے۔ تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر ۱۰۳:۱۔۳) زمانہ کی قسم ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے عمل نیک کیے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔

شیخ محمد عبدہ کے نزدیک تَوَاصَوْا کے معنی امر ونہی کے ہیں۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (توبہ ۹:۷۱) مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اچھے کاموں کے کرنے کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ عنقریب اللہ ان پر رحم کرے گا۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

حضرت لقمان نے جب اپنے بیٹے کو نماز قائم کرنے کی تلقین کی وہاں اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بجا لانے کو بھی کہا۔ ارشاد الٰہی ہے: يٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (لقمان ۳۱:۱۷) اے میرے بیٹے نماز قائم کر اور برے کام سے منع کر اور جو تکلیف تم کو پہنچے اس پر صبر کر۔ بے شک یہ بڑی محنت کے کام ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (حج ۲۲:۴۱) یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کو تصرف دے دیں تو نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھے کاموں کا حکم دیں گے، برے کاموں سے روکیں گے۔

قرآن مجید میں عیسائیوں کو جہاں اور بے شمار احکام الٰہی کی نہ پیروی کرنے کی وجہ سے مورد الزام ٹھہرایا ہے وہاں ان پر یہ بھی ایک فرد جرم عائد کیا گیا ہے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے رک گئے تھے۔

ارشاد الٰہی ہے: كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (المائدہ ۵:۷۹) وہ ایک دوسرے کو برے کام سے جو وہ کرتے تھے منع نہ کرتے تھے۔ البتہ برا تھا جو وہ کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کی تلقین

قرآن مجید کی طرح احادیث میں بھی مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کی گئی ہے۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ؓ الْخُدْرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَّاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ (مسلم) حضرت ابوسعید خدری رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹائے اور ہاتھ سے نہ مٹا سکے تو زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل سے برا جانے اور یہ ضعیف ترین ایمان ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ''جب لوگ کوئی بری چیز دیکھیں اور اسے تبدیل نہ کریں تو اللہ تعالیٰ سب کو سزا دیتا ہے۔'' (ابن ماجہ و ترمذی)

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے اس ذات کی قسم ہے کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم اچھے کاموں کا حکم اور برے کاموں سے منع کرتے رہو ورنہ خدا تم پر اپنے پاس سے کوئی عذاب بھیجے گا پھر تم اس سے دعا کرو گے اور تمہاری دعا قبول نہ کی جائے گی۔'' (ترمذی)

حضرت عدی بن عدی کندی کہتے ہیں کہ ہمارے آزاد غلام نے ہم سے حدیث بیان کی کہ اس نے میرے دادا کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو خاص کے گناہوں کے باعث گرفتار نہیں کرتا جب تک کہ خواص اپنے سامنے برے کام ہوتے دیکھیں اور ان کے مٹانے پر قدرت رکھتے ہوئے ان کو نہ مٹائیں۔ پس جب خواص ایسا کرتے ہیں تو خدا عوام اور خواص دونوں کو عذاب دیتا ہے۔

فریضہ تبلیغ ادا کرنے کی ذمہ داری

ا۔ حکومت

وہ ممالک جہاں مسلمانوں کو سیاسی غلبہ حاصل ہے وہاں حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اس فریضہ کی ادائیگی پر عمل کرے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کو تصرف دے دیں تو نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھے کاموں کا حکم دیں گے اور برے کاموں سے روکیں گے۔'' (حج ۲۲:۴۱)

یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ ایک سرزمین میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بعد نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مسلمانوں کے مقدم ترین فرائض میں داخل ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اگر طاقت ہو تو ہاتھ سے روکے' دراصل یہ حکومت کے لیے ہے۔

حکومت کے پاس قوت نافذہ ہوتی ہے۔ وہ اس قوت سے عوام کو نیکیوں پر عمل کروا سکتی ہے اور برائیوں سے روک سکتی ہے۔ اسلامی معاشرہ اس وقت تک قائم ہی نہیں ہو سکتا جب تک عوام نیکیوں کی طرف راغب نہ ہوں اور برائیوں سے اجتناب نہ کریں۔

۲۔ افراد کی ذمہ داری

جہاں اسلامی حکومت نہ ہوتو وہاں انفرادی طور پر اس فریضہ کو انجام دیا جائے۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے:۔

ترجمہ: ''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں' اچھے کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔'' (التوبہ ۹:۷۱)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹائے اور اگر ہاتھ سے نہ مٹا سکے تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل سے برا جانے' یہ ضعیف ترین ایمان ہے۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ: ''جب لوگ کوئی بری چیز دیکھیں اور اسے تبدیل نہ کریں تو اللہ تعالیٰ سب کو سزا دیتا ہے۔'' (ابن ماجہ۔ترمذی)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم اچھے کاموں کا حکم دو اور برے کاموں سے منع کرتے رہو' ورنہ خدا تم پر اپنے پاس سے کوئی عذاب بھیجے گا۔ پھر تم اس سے دعا کرو گے اور تمہاری دعا قبول نہ کی جائے گی۔'' (ترمذی)

یہ احادیث ظاہر کرتی ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہر مسلمان پر عائد کیا ہے۔

۳۔ علمائے کرام کی ذمہ داری

قرآن مجید میں آتا ہے: ''اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائے اور وہ اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے اور وہی کامیاب ہونے والی ہے۔'' (آل عمران ۳:۱۰۴)

وَلۡتَكُنۡ مِنۡكُمۡ اُمَّةٌ (تم میں سے ایک جماعت ہو) کے الفاظ سے مراد علماء کرام کی جماعت ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو خواص کے لوگوں کے گناہوں کے باعث گرفتار نہیں کرتا جبکہ خواص (علماء) اپنے سامنے برے کام ہوتے دیکھیں اور ان کو مٹانے پر قدرت رکھتے ہوئے ان کو نہ مٹائیں۔ پس جب خواص (علماء) ایسا کرتے ہیں تو خدا عام اور خواص دونوں کو عذاب دیتا ہے۔''

علماء کرام اور واعظین کی جماعت حکومت کی طرف سے بھی مقرر کی جا سکتی ہے اور اہل ثروت حضرات بھی اس کار خیر کے لیے اپنی جائیداد کا ایک حصہ وقف کریں اس وقف سے علمائے کرام کے گھریلو اخراجات پورے کیے جائیں اور علماء فکر روزگار سے آزاد ہو کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کریں۔

تبلیغ نہ کرنے سے متعلق وعید وتہدید

ارشاد الٰہی ہے: كَانُوۡا لَا يَتَنَاهَوۡنَ عَنۡ مُّنۡكَرٍ فَعَلُوۡهُ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ (المائدہ ۵:۷۹) وہ ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے منع نہ کرتے تھے۔ البتہ برا تھا جو وہ کرتے تھے۔

قرآن مجید میں عیسائیوں کو جہاں اور بے شمار احکام الٰہی کی پیروی نہ کرنے کی وجہ سے مورد الزام ٹھہرایا ہے وہاں ان پر اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ بھی فرد جرم عائد کیا ہے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (تبلیغ) سے رک گئے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق فرماتے ہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا جب لوگ کوئی بری چیز دیکھیں اور اسے تبدیل نہ کریں۔ تو اللہ سب کو سزا دے گا (ابن ماجہ' ترمذی)

حضرت عدی بن عدی کندی کہتے ہیں۔ ہمارے آزاد غلام نے ہم سے حدیث بیان کی کہ اس نے میرے دادا کو کہتے سنا کہ میں نے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو خاص کے گناہوں کے باعث گرفتار نہیں کرتا جب تک کہ خواص اپنے سامنے برے کام ہوتے دیکھیں اور ان کو مٹانے پر قدرت رکھتے ہوئے ان کو نہ مٹائیں۔ پس جب خواص ایسا کرتے ہیں تو خدا عوام اور خواص دونوں کو عذاب دیتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمانوں کا تنزل اس وقت شروع ہوا۔ جب انھوں نے دعوت حق کو ترک کر دیا اسلامی سلطنتوں تباہی و بربادی رہنا محض اس کے نتائج میں سے ایک نتیجہ ہے۔

جب مسلمان دوبارہ اس طرف توجہ دیں گے تو پھر وہی کامیابی اور وہی شان و شوکت ان کے لیے ہو گی۔ جس کا وعدہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْن (وہی کامیاب ہونے والے ہیں) میں دیا گیا ہے اور سورہ عصر میں بھی تنزل اور گھاٹے سے بچنے کا یہی گر بتایا گیا ہے ارشاد الٰہی ہے: وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر ۱۰۳:۱۔۳) قسم ہے انسان گھاٹے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اور حق کی ایک دوسرے کو تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔

یہ سورۃ صاف بتا رہی ہے گھاٹے سے بچنے کے چار اصول ہیں۔ ایمان، اعمال صالحہ، حق کی تلقین اور صبر کی تلقین۔

جو قوم ان اصولوں سے منہ پھیرتی ہے وہ قوم یقیناً گھاٹے میں ہی جائے گی۔

رسول کریم ﷺ بحیثیت معلم

مفہوم

علم کے لغوی معنی ہیں جاننا' سن کر' دیکھ کر اور مطالعہ کے ذریعہ صحیح معلومات کو ذہن میں محفوظ رکھنے کا نام علم ہے۔

علم کی ضرورت

انسان اور قوموں کی زندگی کے لیے علم اتنا ہی ضروری ہے جتنی ہوا' پانی' خوراک انسان کی زندگی کے لیے ضروری ہے جس طرح ہوا پانی اور خوراک کے بغیر انسان کرۂ ارض پر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح انسان اور قومیں علم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتیں۔ تاریخی شواہد ہمارے سامنے ہیں کہ دنیا میں وہی قومیں سربلند اور سرفراز ہوئی ہیں جو علم کے زیور سے آراستہ ہوئی ہیں۔

زندگی کے ہر شعبہ میں علم کی ضرورت ہے۔ اگر کسی قوم میں اقتصادیات کے ماہر نہیں ہیں تو اس قوم کا اقتصادی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اسی طرح معاشرتی اور سیاسی نظام بھی علم کا محتاج ہے۔

رسول کریم ﷺ سے قبل عرب کی علمی حالت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل تمام عرب پر جہالت کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ کہیں بھی تعلیم کا انتظام نہ تھا۔ نہ عربوں کو حصول علم کا اشتیاق تھا۔ صرف گنتی کے چند پڑھے لکھے لوگ تھے۔ جنھیں بغرض تجارت باہر کے ملکوں میں جانا پڑتا تھا۔ مکہ کو عرب میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس شہر میں صرف سترہ آدمی پڑھے لکھے تھے۔ اس سے عرب میں علمی حالت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مدینہ میں یہود خواندہ تھے۔ وہ عربوں کو امی یعنی ان پڑھ کہا کرتے تھے۔

دنیا کی علمی حالت

تاریخ سے بعض ممالک میں علمی تحریکات کا سراغ ملتا ہے لیکن وہ علمی تحریکیں مخصوص طبقہ تک محدود تھیں۔ ہندوستان میں بعثت سے قبل علمی سرمائے کی نشاندہی ہوتی ہے۔ وہ سرمایہ صرف برہمنوں تک محدود تھا۔ غیر برہمن ان علوم کو حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ اگر شودر کے کان میں وید کی آواز پڑ جاتی تو اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا۔ گویا شودروں کو جبری طور پر علم سے محروم رکھا جاتا۔ اسی طرح یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی ایک طبقہ تک ہی علم محدود و مخصوص رہتا۔ وہ اپنا سرمایہ علم صرف اپنی اولاد کو ہی منتقل کرتے۔ اس طرح عوام علم کی دولت سے یکسر محروم تھے۔ یونان اور روم میں علمی اکیڈمیاں مخصوص طبقہ کے لیے تھیں اور محدود افراد کو ہی داخلہ ملتا۔ گویا تمام دنیا میں عوام علم کی دولت سے محروم تھے۔ عوام کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت علم سے محروم رکھا جاتا تھا تاکہ عوام میں کوئی شعور پیدا نہ ہو اور انھیں حکمران طبقہ بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتا پھرے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم کی اہمیت کو اجاگر کرنا

تاریخ عالم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے معلم ہیں جنھوں نے جہاں لوگوں کو ایمان کے آب شیریں سے سیراب کیا۔ وہاں علم کے زیور سے لوگوں آراستہ کیا۔

اہمیت از روئے قرآن مجید

۱۔ قرآن مجید کی سب سے پہلی وحی علم کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ ارشاد الٰہی ہے: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ o خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ (سورۃ العلق ۹۶:۱۔۵) اپنے رب کے نام سے پڑھ۔ جس نے انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر بزرگی والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ملائکہ پر علم کی وجہ سے قرار دی گئی ہے ارشاد الٰہی ہے: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا (بقرہ۲:۳۱) آدم کو سب چیزوں کے ناموں کی تعلیم دی۔

۳۔ ایک جگہ اہل علم اور جہلاء کا موازنہ اور مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا: قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (سورۃ زمر ۳۹:۹) اے رسولؐ! کہہ دے کہ کیا علم والے اور بے علم دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ یقیناً وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

۴۔ علم کے ذریعہ درجات بلند ہوتے ہیں۔ یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ (المجادلہ ۵۸:۱۱) جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم ملا ہے۔ اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمھارے سب کاموں سے آگاہ ہے۔

ایک جگہ علم کو بڑی نعمت قرار دیا گیا ہے۔

یُؤْتِی الْحِکْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا (بقرہ۲:۲۶۹) اللہ جسے چاہتا ہے حکمت (علم) دیتا ہے اور جسے حکمت دی گئی اسے بہت بڑی نعمت ملی۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا یعنی اللہ کے بندوں میں وہی اس سے ڈرتے ہیں جو حقیقی عالم ہیں۔

وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا یَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ (العنکبوت ۲۹:۴۳) اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں لیکن انھیں اہل علم ہی سمجھتے ہیں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِکَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ (اٰل عمران۳:۱۸) اس بات پر کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں خود اللہ گواہ ہے اور اس کے فرشتے اور اہل علم گواہ ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم میں اضافے کی دعا کا حکم دیا ہے۔

قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ۲۰:۱۱۴) کہو اے میرے رب میرا علم زیادہ کر۔

اہمیت از روئے حدیث

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کی اہمیت و فضیلت پر بہت کچھ فرمایا۔ فرماتے ہیں۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ (ابن ماجہ) علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَآءِ (ابو داؤد' ترمذی' ابن ماجہ) علماء نبیوں کے وارث ہیں۔

مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَلْتَمِسُ فِیْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِیْقًا اِلَی الْجَنَّةِ (مسلم) جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے راہ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لیے جنت کی طرف جانے کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔

اسی حدیث کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اَوْحٰی اِلَیَّ اَنَّهٗ مَنْ سَلَکَ مَسْلَکًا فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهٗ طَرِیْقَ الْجَنَّةِ وَفَضْلٌ فِی الْعِلْمِ خَیْرٌ مِنْ فَضْلٍ فِی الْعِبَادَةِ (البیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ) اللہ نے میری طرف وحی کی ہے کہ جو شخص علم کی تلاش میں چلتا ہے میں اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہوں اور علم کی زیادتی' عبادت کی زیادتی سے بہتر ہے۔

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ علم حاصل کرو خواہ چین جا کر ہی کیوں نہ حاصل کرنا پڑے۔

فرمایا اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

فرمایا ''اگر طالب علم کو علم کی تلاش میں موت آ جائے تو وہ شہید ہے'' (جامع بیان العلم)

فرمایا ''مومن علم سے کبھی سیر نہیں ہوتا حتی کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔''

پھر فرماتے ہیں ''جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے اور علم صرف سیکھنے سے آتا ہے۔'' (بخاری)

صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے۔ ایک اس شخص پر جسے اللہ مال دے اور وہ اسے راہ خدا میں فراخدلی سے خرچ کرے۔ دوسرے اس شخص پر جسے اللہ علم دے تو وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کی تعلیم دے۔ (بخاری)

جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے نکلتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہوں میں ایک راہ میں لے جاتا ہے اور فرشتے اور زمین کے باشندے اور پانی میں مچھلیاں سب مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ عالم کی بزرگی عابد پر ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی برتری تمام تاروں پر اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے دینار اور درہم کا کسی کو وارث نہیں ٹھہرایا بلکہ علم کا وارث ٹھہرایا ہے تو جس نے علم حاصل کیا اس نے (میراث انبیاء) یعنی علم کا ایک بڑا حصہ حاصل کیا۔ (ابو داؤد)

فرمایا ''جو شخص علم کی تلاش میں نکلتا ہے وہ واپسی تک اللہ کی راہ میں رہتا ہے (ریاض الصالحین)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر ہوا۔ ایک عابد کا دوسرے عالم کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ویسی ہے جیسے میری فضیلت تمھارے ادنیٰ شخص پر۔ پھر فرمایا کہ خدا اور اس کے فرشتے اور آسمان اور زمین کے باشندے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے بل میں اور یہاں تک کہ مچھلی اس معلم پر رحمت بھیجتے اور دعا کرتے رہتے ہیں جو لوگوں کی بھلائی سکھاتے ہیں۔ (دارمی)

مقاصد تعلیم

۱۔ اخلاق کی تعمیر

تعلیم کا سب سے بڑا مقصد سیرت اور اخلاق کو سنوارنا اور بہتر بنانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد تزکیہ نفس بیان کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَيُزَكِّيْهِمْ (ال عمران ۳:۱۶۳) وہ (رسولؐ) ان کو پاک کرتا ہے۔

۲۔ جذبہ عمل پیدا کرنا

اعمال صالحہ ایمان کا ثمر ہے۔ جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان کا ذکر کیا ہے۔ وہیں اعمال صالحہ کے بجا لانے کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وہ ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر ۱۰۳:۱۔۳) قسم ہے زمانہ کی کہ انسان گھاٹے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے اور ایک دوسرے کو حق (علم) کی اور صبر کی تلقین کی۔

ایک حدیث میں ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک عالم نہیں ہو سکتا جب تک اپنے علم پر عمل نہ کرے۔ (بیہقی)

اور ایک موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے زیادہ علم تو حاصل کر لیا مگر اس کی رہنمائی میں عمل نہیں کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دور سے دور تر ہو گیا (مسند الفردوس)

ایک اور حدیث ہے۔ فرمایا علم اس غرض کے لیے حاصل نہ کرو کہ عالموں پر فخر جتائیں گے اور جاہلوں پر بڑائی اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیں گے۔ جس نے اس غرض کے لیے علم حاصل کیا وہ دوزخی ہے۔ (ابن ماجہ)

بے عمل عالم کو قرآن مجید میں گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لادا ہوتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعہ ۶۲:۵) وہ لوگ جنھیں تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا لیکن انھوں نے اس کے احکام پر عمل نہ کیا۔ اس کی مثال اس گدھے جیسی ہے جو کتابیں اٹھا لیتا ہے۔

۳۔ معاشرہ کے لیے اچھے افراد تیار کرنا

تمدنی زندگی کے لیے اچھے افراد کی ضرورت ہوتی ہے تاجر، صنعت کار، ڈاکٹر، سائنس دان، مفسر، محدث، فقیہہ وغیرہ۔

تعلیم کا یہ مقصد ہے کہ وہ ان سب قسم کے افراد میں اجتماعی فلاح و بہبود کا جذبہ پیدا کرے تاکہ سب مل کر ایک مثالی معاشرہ کی تشکیل کر سکیں۔

۴۔ معرفت الٰہی

علم کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ وہ معرفت الٰہی عطا کرے اگر علم معرفت الٰہی نہیں بخشتا تو وہ علم نور نہیں ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ (آل عمران ۳:۱۸) اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے بھی انصاف پر قائم ہو کر۔ دوسری جگہ آتا ہے: قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ. الزمر ۳۹:۹) اے نبی کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور بے علم لوگ برابر ہیں صرف وہی لوگ سوچتے ہیں جن کو عقل ہے۔

یہ دونوں آیات ظاہر کرتی ہیں کہ صاحب علم شخص کو معرفت الٰہی کا احساس ہوتا ہے۔

۵۔ رضائے الٰہی

تعلیم سے انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ جس شخص نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کو زندگی کا مقصد بنا لیا۔ اس کا پھر ہر قدم بھلائی اور نیکی کے لیے اٹھتا ہے۔

۶۔ اخوت

اخوت سے مراد ہے بھائی چارہ۔ اسلام ایک ایسا واحد مذہب ہے جو رنگ نسل اور وطن یا برادری کی تفرقات کو مٹا کر تمام مسلمان کو اخوت کے رشتے میں منسلک کرتا ہے اسلام میں جو شخص کلمہ پڑھ لیتا ہے۔ وہ مسلمان ہے اور سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اسلامی تعلیم کا ایک مقصد مسلمانوں میں اخوت اور بھائی چارہ پیدا کرنا ہے کیونکہ اخوت سے آپس میں محبت، اتحاد، اتفاق اور ایثار کے جذبات جنم لیتے ہیں۔

قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات ۴۹:۱۰) سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو مہاجرین خستہ حال تھے جبکہ انصار کے پاس سب کچھ تھا۔ اس بات کا خدشہ تھا کہ مسلمانوں میں مہاجر اور انصار دو گروہ نہ بن جائیں۔ چنانچہ آپؐ نے نہایت ہی حکمت و دانائی سے کام لیتے ہوئے ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو اسلامی اخوت کی لڑی میں پرو دیا۔ اس طرح مواخات کا عمل وجود میں آیا۔

۷۔ طہارت

طہارت سے مراد ہے پاکیزگی، صفائی اور پاکیزگی اختیار کرنا انسان کی فطرت ہے کہ وہ صفائی کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے وہ جسم کو صاف ستھرا رکھنے کے ساتھ ساتھ لباس اور جگہ کو بھی صاف ستھرا رکھتا ہے کیونکہ صفائی نصف ایمان ہے۔ اسی لیے اسلام میں طہارت کی پانچ اقسام بیان کی گئی ہیں۔

طہارت اخلاق، طہارت فکر، طہارت جسم، طہارت مکان، طہارت لباس، اسلامی تعلیمات میں طہارت یا پاکیزگی کو اہم مقام دیا گیا ہے کہ نماز سے قبل وضو کی تلقین کی گئی ہے۔ وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور وضو پاکیزگی اور طہارت ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔ جو طہارت

پاکیزگی اختیار کرتے ہیں۔

۸۔ رزق حلال

اسلامی تعلیمات کا ایک مقصد حلال وحرام میں تمیز سکھانا ہے۔ جب انسان کو ان دونوں کا فرق معلوم ہو جاتا ہے تو وہ پھر حرام سے بچتا ہے اور صرف رزق حلال کماتا اور کھاتا ہے۔

رزق حلال انسان کو برائیوں اور بے حیائی سے محفوظ رکھتا ہے۔ حلال رزق کھانے والے پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔ انسان رشوت خوری، سود اور دیگر باطل طریقوں سے بچ جاتا ہے۔ اگر رزق حلال میں ایک دانہ بھی حرام کا شامل ہو جائے تو وہ سارے رزق کو حرام بنا دیتا ہے۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ دودھ سے بھری بالٹی میں اگر پیشاب کا ایک قطرہ بھی شامل ہو جائے تو وہ سارے دودھ کو ناپاک کر دیتا ہے۔ جو لوگ حرام کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتے ہیں۔

۹۔ تسخیر کائنات

قرآن پاک میں بار بار ارشاد ہوتا ہے کہ ''ہم نے تمھارے لیے سورج، چاند اور ستاروں کو مسخر کر دیا۔'' اس کے علاوہ ہواؤں کو تمھارے لیے مسخر کر دیا۔ یہ کائنات تمھارے لیے پیدا کی گئی ہے اسے اپنے لیے تسخیر کرو۔ اس کائنات میں بے شمار خزانے ایسے ہیں جو انسان کی نظروں سے اوجھل اور پوشیدہ ہیں۔ ان خزائن کی تلاش، جستجو اور کھوج لگانا انسان کا کام ہے۔ پھر ان کو تصرف میں لانا اور ان سے استفادہ کرنا انسان کا کام ہے۔ اسلامی تعلیمات کا ایک مقصد یہ ہے کہ طلباء میں تسخیر کائنات کا جذبہ پیدا کیا جائے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان خزانوں سے مستفید ہوسکیں۔

۱۰۔ علم کی اشاعت

اسلامی تعلیم کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس کی اشاعت کی جائے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن پڑھے اور لوگوں کو پڑھائے (بخاری) اور ایک موقع پر فرمایا: بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْاٰيَةً (بخاری) اگر تمھیں میری طرف سے ایک بات بھی ملے تو اسے دوسروں تک پہنچاؤ۔ تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ اسلامی فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔

۱۱۔ علم نفع رساں ہو

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''صرف دو آدمیوں سے رشک ہوسکتا ہے ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا اور وہ اسے خرچ کرے اور دوسرے وہ جس کو اللہ نے حکمت دی ہو اور اس کے موافق فیصلہ کرے اور اس کی تعلیم دے۔''

۱۲۔ معرفت نفس

اسلامی تعلیم کا ایک مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی معرفت حاصل کرے اپنی فطری استعدادوں کو جان لے۔ جب تک انسان اپنی فطری استعدادوں کو پہچان نہیں لیتا وہ ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (الحدیث) جو اپنے آپ کو پہچان لے وہ اپنے رب کو بھی پہچان لے گا۔ یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ معرفت نفس کتنا ضروری ہے۔ معرفت الٰہی کی بنیاد ہی معرفت نفس پر رکھی ہے۔

۱۳۔ دنیوی علوم میں مہارت

دنیوی اور تمدنی زندگی کے لیے اہل علم اور اہل ہنر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن میں تاجر، صنعت کار، سائنس دان، انجینئر، ریاضی دان، مفسر

محدث اور فقیہ شامل ہوتے ہیں۔ اگر یہ سب ماہرین عوام کی فلاح اور خدمت خلق کے لیے کام سرانجام دیں گے تو تمدنی زندگی میں خوشگواری اور رعنائی پیدا ہوگی۔

۱۴۔ جسمانی تربیت

اسلامی نظام تعلیم میں ذہنی اور دماغی نشو ونما کے ساتھ جسمانی ورزش اور جسمانی تربیت بھی ضروری ہے سورۃ البقرہ میں ''قصہ طالوت و جالوت'' کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ''بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر بادشاہ منتخب فرمایا۔ اس کو جسمانی اور دماغی دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائیں (۲:۲۴۷)

اسلامی تعلیم کی خصوصیات

ا۔ عمل پر زور

اسلام نظری تعلیم کے علاوہ عملی تعلیم پر بہت زور دیتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ ''تم ایسی باتوں کو زبان پر لاتے ہی کیوں ہو جن پر تمہارا عمل نہیں۔ خدا کے نزدیک یہ بات نہایت ہی بری ہے کہ تم ایسی باتیں کہو جن پر تم عمل نہیں کرتے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ہر وہ علم وبال کا سبب ہوتا ہے جس پر عمل نہ ہو (الترغیب والترہیب کتاب العلم) ایک اور موقع پر فرمایا: دو آدمیوں نے میری کمر توڑ دی ہے ایک جاہل عابد نے اور دوسرے بے عمل عالم نے۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں۔ ''جو علم بغیر عمل کے ہو اسے بیمار جانو اور جو عمل بغیر علم کے ہو اسے بیکار گردانو۔''

۲۔ تقویٰ

اسلامی تعلیم کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس سے طالب علم تقویٰ کی باریک راہ معلوم کرتا ہے۔ اگر علم انسان کے اندر خدا خوفی اور پرہیزگاری پیدا نہیں کرتا تو وہ علم حقیقی علم کہلانے کا مستحق نہیں۔ حضرت عبداللہ بن سعدؓ کا قول ہے: ''علم تو خوف خدا کا دوسرا نام ہے۔'' (جامع بیان العلم)

تقویٰ ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان برائیوں سے بچتا ہے اور نیکیوں کی طرف راغب ہوتا ہے۔ تمام مذاہب نے تقویٰ پر زور دیا ہے۔

۳۔ خود آگاہی

اسلامی تعلیم خود آگاہی پر زور دیتی ہے رسول کریم فرماتے ہیں مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ جس نے خود کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہنچان لیا۔

۴۔ ٹھوس علم

اسلامی تعلیم ٹھوس بنیادوں پر ہوتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل آیت ۳۶:۱۷) کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔ اس آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علم اٹکل پچو کا نام نہیں ہے بلکہ علم حق الیقین کا نام ہے۔

۵۔ نفع رساں

اسلامی تعلیم نفع رساں ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُنِیْ اے اللہ میں اس علم میں تیری پناہ چاہتا ہوں جو مجھے نفع نہ دے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور دعا ہے۔ ''اے اللہ تو نے مجھے جو علم دیا ہے اس سے مجھے فائدہ بخش اور مجھے وہ علم عطا کر

جو فائدہ بخش ہو۔ اے رب! میرا علم بڑھا دے۔''

ایک موقع پر فرمایا۔''اس علم کی مثال جس سے نفع نہ اٹھایا جائے اس خزانے کی مانند ہے جس میں سے راہ خدا میں کچھ خرچ نہ کیا جائے۔

۶۔ تعلیم کے ساتھ تربیت

اسلامی تعلیم کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ساتھ تربیت کا انتظام ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق آتا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (سورۃ الجمعہ ۶۲:۲) یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں اپنا رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے۔ وہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے انھیں گناہوں سے پاک کرتا ہے انھیں کتاب کی تعلیم دیتا اور حکمت کی باتیں سناتا ہے۔

اس آیت میں تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب اور حکمت کو اکٹھا بیان کیا ہے۔ جس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ تعلیم کتاب کے ساتھ تزکیہ نفس ضروری ہے۔

۷۔ مادی اور روحانی پہلوؤں کی متوازن نشو ونما

اسلام ایک کامل دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلامی تعلیم انسان کے دونوں پہلوؤں مادی اور روحانی کی متوازن نشو ونما کرتا ہے۔ اسلام جہاں یہ تعلیم دیتا ہے کہ دنیا کی اشیاء پر غور وفکر کرو اور اس سے استفادہ کرو۔ ان علوم کو ترقی دو جو انسانی زندگی کے لیے بہتر ہیں وہاں یہ بھی تعلیم ہے کہ انسان اپنے اعمال کی اصلاح کرے اور اس کے ضابطہ اخلاق کی پابندی کرے جو اسلام نے پیش کیا۔

تعلیمی موضوعات

انسانی علم کی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ علم ہے جو حواس کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اس علم کے حصول کے ذرائع حواس خمسہ اور عقل ہے۔ جب سے دنیا شروع ہوئی ہے انسان نے کئی قسم کے علوم کو جنم دیا۔ زیادہ تر وہ علوم ہیں جن میں انسان کا فائدہ تھا۔ اس طرف قرآن مجید کی یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً (لقمان ۳۱:۲۱) کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے زمین اور آسمان میں ہر چیز تمہارے لیے مسخر کر دی ہے اپنی کھلی اور چھپی نعمتیں تم پر تمام کر دی ہیں۔

علم کی دوسری قسم وہ ہے جو انسان کے حواس کی رسائی سے بالاتر ہوتی ہے اس کا ادراک انسان کسی طرح نہیں کر سکتا۔ یہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیل کی معرفت اپنے نبی پر بھیجتا ہے۔ یہ علم پہلے علم سے ارفع ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (البقرہ ۲:۳۸) پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے پس جو میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا۔ ان پر کسی قسم کا خوف نہ ہوگا ور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت جس کا وعدہ مذکورہ آیت میں کیا ہے انبیاء کی معرفت بھیجی اور ان انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو دی۔ قرآن مجید میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور بعثت کا مقصد بھی یہی بیان ہوا ہے ارشاد الٰہی ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (ال عمران: ۱۶۴) اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ ان کے اندر خود انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

اسی مضمون کی ایک اور آیت ہے: هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ ۶۲:۲) وہی ذات ہے جس نے امیوں کے درمیان خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو اس کی کتاب پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

یہ دونوں آیات واضح بتا رہی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اہم کام تعلیم کتاب تھا۔

تعلیم کتاب

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جس میں زندگی کے ہر مسئلہ کا حل موجود ہے۔ تمام ضابطہ حیات کا احاطہ کرنا پھر اس کو بیان کرنا ناممکن ہے۔ چند ایسے اہم مسائل جو کسی مذہب نے پیش نہیں کیے وہ اور ان کی تعلیم صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے وہ پیش کیے جاتے ہیں۔

ا۔ مقصد مذہب

پہلا شخص جس نے مذہب کا صحیح تخیل دنیا کے سامنے پیش کیا وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ اس سے قبل یہ تخیل کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا مذہب محض چند رسوم یا نماز نیاز ادا کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار مخفی استعدادیں عطا کی ہوئی ہیں۔ ان استعدادوں کی نشو و نما کرنا اور ان کو بروئے کار لانا مذہب کا کام ہے۔ آپؐ کے خیال کے مطابق مذہب ایک نظریہ حیات اور طریقہء زندگی کا نام ہے تاکہ ہمارے اندر جو استعدادیں مخفی ہیں ان کا ظہور ہو اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک بیج ہے۔ اس میں ہی پتے جڑیں تنے اور پھل مضمر ہیں۔ جب اس بیج کو مناسب فضا اور موسم میں زمین میں ڈالا جاتا ہے۔ تو اس سے اس کی تمام مخفی استعدادیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح انسان کے اندر بے شمار مخفی استعدادیں ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا مذہب ان استعدادوں کی مناسب ماحول میں پرورش کرتا ہے۔

۲۔ فلسفہ اخلاق کی تعلیم

پہلے مذاہب میں انسان کی مخفی بہیمی جذبات اور قوتوں کو کچلنے اور دبانے کا نام اخلاق ہے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ ان بہیمی جذبات کو موقع محل پر قابو میں رکھنے اور صحیح طور پر استعمال کرنے کا نام خُلُق ہے۔ مثلاً انسان میں ایک جذبہ غضب ہے۔ یہی جذبہ مختلف شعبوں میں تقسیم ہو جاتا ہے جو کبھی نیکی اور کبھی بدی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ نیکی کی صورت میں غضب سے جرأت دلیری ہمت استقلال، ضبط، رواداری عدالت، خوش گوئی حلم انکساری اور عفو کے جذبات ظاہر ہوتے ہیں اور برائی کی صورت میں غضب سے دشمنی تعصب ظلم غیبت دشنام دہی، بزدلی اور منافقت پیدا ہوتی ہے۔

گویا جذبہ غضب کو دبانے کا نام خلق نہیں بلکہ اس کو عقل کے تحت صحیح موقع محل پر استعمال کرنے کا نام خُلُق ہے اسی ایک جذبہ کے تحت بے شمار اخلاق کا ظہور ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے صحیح موقع اور محل کیا ہے اس کے متعلق آپ نے یہ بیان کیا۔ جب انسان اپنے جذبات کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں رنگین کر لیتا ہے اور خدا کی صفات کے مطابق انسان کے جذبات عمل کی شکل اختیار کرتے ہیں تو وہ اعمال اخلاق فاضلہ کے شعبہ میں آ جاتے ہیں۔ اگر جذبات کا ظہور صفات الٰہیہ کے برعکس ہے تو وہ اخلاق سیئہ ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ اللہ کا رنگ اختیار کرو اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہو سکتا ہے۔

اس آیت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے رنگ (صفات) میں رنگ لو۔ یعنی تمھارے افعال میں اللہ کی صفات جھلکتی ہوں۔

۳۔ فلسفہ عبادت کی تعلیم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل تمام دنیا عبادت کی روح اور فلسفہ سے نابلد تھے کسی خاص مقررہ وقت پر چند کلمات پڑھ لینا اور ارکان ادا کرنے کا نام عبادت تھا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ خدا کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نام عبادت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہہ بے شک میری نماز میری قربانی میرا جینا اور

میرا مرنا اللہ کی خاطر ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

۴۔ فلسفہ بہشت و دوزخ

دوزخ اور بہشت انسان کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ اس وجہ سے تمام مذاہب میں ان کی کیفیت اور نوعیت کے بارہ میں عجیب و غریب نظریات پائے جاتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پہلے معلم ہیں جنھوں نے غیر مرئی بہشتی اور دوزخی زندگی سے آگاہ کیا۔
آپ نے بتایا کہ بہشت ہماری روح کی ارتقائی اور بہترین حالت کا نام ہے جب ہماری روح خدائی صفات سے متصف ہو جاتی ہے اور الٰہی صفات میں رنگین ہو جاتی ہے جذبات انسانی الٰہی اخلاق میں منتقل ہو جاتے ہیں تو اس انسان کی بہشتی زندگی شروع ہو جاتی ہے مرنے کے بعد انسان کی روح کو اس کے اعمال حسنہ کے مطابق نورانی جسم دیا جائے گا۔ روحانی نعماء سے لطف اندوز ہوگا۔ اس کے برعکس جس نے الٰہی تعلیمات کے خلاف زندگی بسر کی۔ تو اس کو مرنے کے بعد اس کے اعمال کے مطابق ظلمت کا لباس پہنایا جائے گا اور وہ دکھ اور درد کی زندگی گزارے گا۔ گویا انسان کا بہشت اس کی روح کی ارتقائی حالت کا نام ہے اور دوزخ روح کے نزول اور ہبوط کا نام ہے۔
ارشاد الٰہی ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا پس کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کیا۔ ناکام و نامراد رہا وہ شخص جس نے اس کو گندا کیا۔
بہشت و دوزخ دو مقامات کا نام نہیں بلکہ حیات بعد الممات کی دو مختلف حالتوں کا نام ہے ایک حالت ارتقائی وہ بہشتی زندگی ہوگی دوسری تنزل اور ہبوط کی وہ دوزخی زندگی ہے۔

ملائکہ کی حقیقت

مابعد الطبیعیاتی مضامین میں سے ایک اہم اور ادق موضوع ملائکہ کی حقیقت تھی۔ ملائکہ کے بارے میں تمام مذاہب میں مختلف قسم کے نظریے پائے جاتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ادق موضوع کو کھول کر بتایا کہ ملائکہ کی کیا حقیقت ہے۔ آپ نے بتایا کہ ملائکہ وہ خارجی ہستیاں ہیں جو ہماری جسمانی اور روحانی ربوبیت کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ کائنات میں سورج چاند ستارے ہوائیں بادل وغیرہ تمام عناصر جو انسان کے لیے کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں در پردہ وہ یہ ملائکہ کے کام ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے: وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا (الذاریات ۵۱: ۱-۴) یعنی ان ہواؤں کی قسم جو سمندروں سے بخارات کو جدا کرتی ہیں۔ پھر ان ہواؤں کی قسم جو ان بوجھل بخارات کو اپنے اندر لے لیتی ہیں۔ پھر ان ہواؤں کی قسم جو بادلوں کو منزل مقصود تک پہنچانے کے لیے چلتی ہیں پھر ان فرشتوں کی قسم جو در پردہ ان تمام امور کو سرانجام دینے والے ہیں۔
ان آیات میں اولاً بادلوں کو برسنے کا سبب بیان کیا ہے پھر آخر میں فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا لا کر تمام حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ اس جسمانی سلسلہ کو چلانے والا ایک روحانی سلسلہ ہے جو ملائکہ کے نام سے موسوم ہے انھی کو فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا کہا ہے یعنی معاملہ کی تدبیر کرنے والے۔

۶۔ کلام الٰہی (وحی) کی حقیقت

ایک اور مشکل مسئلہ جو انسانی عقل سے بالاتر تھا وہ کلام الٰہی کا تھا۔ اس ادق مسئلہ کے ہر پہلو پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رہنمائی فرمائی اس مسئلہ پر پہلے بحث گزر چکی ہے نیز زیر عنوان معجزات بھی بحث ہو چکی ہے قارئین اس کو ذہن میں رکھیں تو آپ پر کلام الٰہی (وحی) کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

۷۔ خدا کا ادراک

آپ نے پہلی مرتبہ صاف الفاظ میں بتایا کہ خدا کی ذات ادراک انسانی سے بالاتر ہے وہ ذی جذبات نہیں انسانوں کی سی کوئی بات اس میں نہیں پائی جاتی۔ وہ کسی شے مادی یا ارضی سے مشابہ نہیں وہ ایک ایسا نور ہے جو تمام اوصاف حمیدہ سے متصف ہے اور تمام عیوب سے منزہ

ہے ہر قسم کی مخلوقات کی تخلیق کا سرچشمہ اسی کی ذات ہے۔ اسی نے انسان کی بھلائی کے لیے سلسلہ نبوت جاری کیا اور حضرت محمد مصطفےٰ پر ختم کیا اور خدا کی ذات صرف خدائی صفات کے ذریعہ ہی پہچانی جاسکتی ہے ان صفات کا ذکر قرآن مجید میں کھول کر بیان کر دیا گیا۔

۸۔ معصومیت فطرت انسانی

بعثت نبی سے قبل بدی کو انسان کی طینت کا جزو لاینفک سمجھا جاتا تھا۔ مسیحیت نے یہ تعلیم دی۔ انسان فطرۃً گناہ گار ہے تو دوسرے مذاہب نے یہ بتایا کہ حیات انسانی سرتاپا مصائب سے بھری ہوئی ہے اور نجات دنیا کو چھوڑ جانے میں دیکھی۔ آپ نے بتایا کہ انسان پیدائشی طور پر پاک ہوتا ہے گناہ امر اکتسابی ہے۔ طبعی یا موروثی امر نہیں۔ آپ نے بتایا اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرت صحیحہ پر پیدا کیا ہے۔ اس کے اندر مختلف قسم کے جذبات پیدا کیے ہیں جو انسان کی ترقی کا سبب ہیں اگر انسان ان جذبات کو صحیح رنگ میں استعمال کرتا ہے اور وہی جذبات انسان کے تنزل اور ہبوط کا ذریعہ ہیں اگر ان کو غلط استعمال کرے۔ غصہ ایک جذبہ ہے۔ اگر اس جذبے کو حد کے اندر رکھا جائے تو اس سے شجاعت' غیرت جیسے اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں اگر اس جذبہ کو غلط استعمال کیا جائے۔ تو گالی گلوچ مار پیٹ' قتل و غارت وغیرہ اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر یہ جذبہ اس لیے پیدا کیا ہے۔ اس جذبہ کو اخلاق حسنہ میں تبدیل کرے۔ انسان کے اندر مختلف جذبات کے پیدا کرنے کو فلسفہ نہ سمجھا گیا تو جب کسی نے جذبہ کو غلط استعمال کیا تو اس سے یہ نتیجہ نکال لیا کہ انسان فطرۃً گناگار ہے۔ یہ دقیق نکتہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھولا کہ یہ جذبات ہی انسانی زندگی کا حقیقی سرمایہ ہیں۔ انہی جذبات کو اسلامی تعلیم کے مطابق ڈھالنے سے انسان خدا کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور خدا کے فضلوں کا وارث بنتا ہے اور انہی جذبات کو غلط استعمال کرنے سے انسان خدا سے دور ہو جاتا ہے اور اس کے غضب کا مورد بنتا ہے۔

خدا اور اس کے بندے کے درمیان کسی واسطہ کی ضرورت نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی دفعہ دنیا کو یہ تعلیم دی کہ خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی واسطہ ضروری نہیں ہے۔ ہر شخص براہ راست خدا سے دعا کر سکتا ہے پھر بغیر کسی واسطے کے خدا انسان کی دعا سنتا ہے اور درجہ قبولیت بخشتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عالم کون میں بے شمار نعماء پیدا کی ہیں۔ وہ بغیر کسی واسطے کے ہمیں مل رہی ہیں ہم ان کو اپنی ذاتی کوشش سے حاصل کر سکتے ہیں تاکہ ہماری ضروریات دور ہو سکیں۔ صرف یہ ضروری ہے کہ کوئی شخص ان نعماء کا طریقہ استعمال سمجھا دے۔ بعثت نبی سے قبل دنیا اس دقیق نکتہ سے غافل تھی۔ تمام اہل مذاہب خدا تک پہنچنے کے لیے مختلف وسائل اختیار کیے ہوئے تھے۔ کوئی خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہے کوئی کسی بزرگ یا نبی کو واسطہ اختیار کیے ہوئے تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو بتایا خدا اور اس کے بندے کے درمیان کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے براہ راست اس سے دعا کرو وہ دعا قبول کرے گا۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں ہم ضرور ان کو راستہ دکھلا دیتے ہیں۔

ایک اور آیت ہے کہ جب میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو ان سے کہہ دو کہ میں ان سے قریب ہوں اور جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی آواز سنتا ہوں۔ پس لازم ہے کہ میری آواز پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ صحیح راستہ اور ہدایت حاصل کر سکیں۔

خدا تک پہنچنے کے لیے کسی وسیلہ پر انحصار کرنا دراصل یہ بت پرستی ہے۔

۹۔ خالص توحید

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل تمام اہل مذاہب خدا کے ایک ہونے کا سبق بھول گئے تھے۔ مظاہر قدرت سورج' چاند' ستارے' حجر' شجر' انسان کے معبود تھے۔ آپ نے لوگوں کو یہ تعلیم دی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو کسی سے پیدا نہیں ہوا اور نہ کوئی اس سے پیدا ہوا ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ ایک پوری سورت مسئلہ توحید پر مشتمل ہے ارشاد الٰہی ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُواً اَحَدٌ (اخلاص ۱۱۲: ۱......۴) کہہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں غرض کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرک کی تمام اقسام سے آگاہ کیا اور خالص توحید کا سبق دیا۔

اخوت کی تعلیم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مابعد الطبیعاتی امور کی تعلیم کے ساتھ معاشرتی' سیاسی اور اقتصادی زندگی کے اصول سکھائے۔ جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں قارئین اس تعلیم کو سامنے رکھیں۔ یہ وہ انسانی زندگی کے مسائل ہیں اب تک کسی شخص نے ان مسائل کو حل نہیں کیا۔ یہاں صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معاشرتی اصل ''عالمگیر اخوت کا تصور'' پر چند سطور لکھنا چاہتا ہوں۔ یہ وہ تصور ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت تک کسی شخص کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ صرف آپ کی ذات ہے جس نے یہ تعلیم دی کہ دنیا کے تمام انسان بھائی بھائی ہیں ارشاد الٰہی ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (النساء ۴: ۱) اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔

دوسری جگہ آتا ہے يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى (الحجرات ۴۹: ۳) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے تم کو پیدا کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ اِخْوَةٌ بے شک تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔

مساوات بین الناس

جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالمگیر اخوت کا درس دیا اور یہ وہ درس ہے جو آپ سے قبل کسی معلم نہیں دیا۔ نہ ہی ان ذہن میں آسکتا تھا۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مساوات بین الناس کا سبق دیا۔ جب کہ تمام دنیا میں طبقاتی تفریق تھی۔ دنیا کے تمام ممالک میں معاشرہ مختلف طبقات میں بٹا ہوا تھا۔ ادنیٰ درجہ کا طبقہ ہر قسم کی مرعات سے محروم اور مظلوم تھا۔ آپ نے تمام انسانوں کو ایک جڑ کی شاخیں قرار دیا ارشاد الٰہی ہے۔ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (النساء ۴: ۱) اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔

اس کی وضاحت آپ نے خطبہ حجتہ الوداع میں کی۔ فرمایا۔

اَيُّهَا النَّاسُ اَلاَ اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ اَلاَ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍ وَلاَ لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِي وَلاَ لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلاَ لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ اِلاَّ بِالتَّقْوٰى (مسند احمد)

لوگو! ہاں بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے۔

تفکر فی الخلق (احترام عقل)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے معلم ہیں جنھوں نے عقل اور فکر کا احترام کیا اور عقل اور تفکر سے کام لینے پر زور دیا۔ عقل وفہم اور تفکر کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کو قرآن مجید نے مختلف الفاظ میں واضح کیا ہے مثلاً:

۱۔ لفظ تفکر سے

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (الرعد ۱۳: ۳) اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

۲۔ لفظ تدبیر سے

اَفَلاَ يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ (محمد ۴۷: ۲۴) یہ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ کیا دلوں پر تالے پڑے ہیں۔

۳۔ لفظ عقل سے

اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (بقرہ ۲:۴۴) کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

۴۔ لفظ شعور سے

وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ (البقرہ ۲:۹) اور وہ شعور نہیں کرتے۔

۵۔ لفظ حکمت سے

وَ يُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ (البقرہ ۲:۱۵۱)

(یہ رسول) تمھیں کتاب اور حکمت و دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے:۔

يُؤۡتِى الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَآءُ وَمَنۡ يُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِىَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا. (البقرہ ۲:۲۶۹)

وہ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے جسے حکمت اور دانائی دی گئی اسے بے شمار بھلائیاں مل گئیں۔

۶۔ لفظ لب سے

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ (البقرہ ۲:۲۶۹) اہل عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

۷۔ لفظ بصیرہ سے

اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ (القصص ۲۸:۷۲) تم بصیرت سے کام نہیں لیتے۔

۸۔ لفظ فقہ سے

لَوۡ كَانُوۡا يَفۡقَهُوۡنَ (التوبہ ۹:۸۱) کاش وہ سمجھ سے کام لیتے۔

۹۔ لفظ متوسم سے

اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِيۡنَ (الحجر ۱۵:۷۵) اس میں فراست والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

مذکورہ بالا الفاظ میں سے ہر لفظ عقل و تدبر اور غور وفکر کے الگ الگ پہلو کو واضح کرتا ہے اور کسی ذی فہم سے ان الفاظ کے معنی پوشیدہ نہیں ہر لفظ عقل و دانائی تفقہ و تدبیر اور حکمت و بصیرت کی ترغیب سے بھرپور ہے۔

قرآن مجید کی آیات بیان کرنے کے بعد کچھ احادیث درج کی جاتی ہیں۔ جن سے عقل اور غور وفکر کی تائید مزید ہو جاتی ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ”وہ جناب عائشہؓ کے پاس گئے اور پوچھا ام المومنین! ذرا بتایئے تو سہی کہ ایک شخص ہے جو شب بیداری کم اور آرام زیادہ کرتا ہے اور دوسرا شب زندہ داری زیادہ اور آرام کم کرتا ہے۔ آپ کو ان دونوں میں کون پیارا ہے؟ جناب عائشہؓ نے فرمایا جو سوال تم نے مجھ سے کیا ہے بالکل وہی سوال میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا تو حضور نے جواب دیا ان دونوں میں جس کی عقل زیادہ ہو گی (وہی مجھے محبوب تر ہو گا) میں (عائشہؓ) نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ان دونوں کی عبادت کے بارے میں سوال کر رہی ہوں اور حضورؐ جواب دے رہے ہیں عقل کے بارے میں۔ حضورؐ نے جواب دیا: اے عائشہؓ! ان دونوں سے باز پرس تو عقل ہی کے بارے میں ہو گی۔ پس جو زیادہ صاحب عقل ہو گا افضل ہو گا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی“ (کتاب الاذکیاء لابن جوزی ص۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حضورؐ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ ”کسی کے اسلام سے اس وقت تک خوش نہ ہو۔ جب تک اس کی محکم عقل کو نہ جان لو۔ (کتاب الاذکیاء ابن جوزی ص۴)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں سن لو جس قرات میں تدبر اور جس عبارت میں تفقہ نہ ہو۔ اس میں کوئی خیر نہیں۔ (مسند داری)

حضور فرماتے ہیں۔ تَفَكُّرُ سَاعَةٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سَبْعِيْنَ سَنَةٍ (کنوز الحقائق حرف التاء) ایک گھڑی غور وفکر کرنا ستر (۷۰) سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

دِيْنُ الْمَرْءِ عَقْلُهُ وَمَنْ لَادِيْنَ لَهُ لَا عَقْلَ لَهُ (کنوز الحقائق حرف دال)

انسان کا دین اس کی عقل ہے اور جس کا کوئی دین نہیں اس کو عقل نہیں۔

مفردات میں حدیث نقل کی ہے۔ مَاخَلَقَ اللّٰهُ خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَ الْعَقْلِ اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق پیدا نہیں کی جو اس کی نگاہ میں عقل سے زیادہ عزت والی ہو؟ اس سے انسان کی فضیلت حیوان پر ہے۔ یہ کہنا دین اسلام میں عقل کا دخل نہیں صریح قرآن اور حدیث کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ ان قوموں کو ملزم کرتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتی۔

تفکر فی الخلق کے مختلف شعبے

ا۔ عام کائنات میں تفکر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً. (آل عمران ۳:۱۹۰ تا ۱۹۱)

یقیناً آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر اور غور وفکر کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں۔ اے ہمارے رب! تو نے اسے بے بنیاد نہیں پیدا کیا۔"

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَابِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (البقرہ ۲:۱۶۴)

یقیناً آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے میں اور کشتیوں میں جو سمندر میں چلتی ہیں لوگوں کو نفع دینے والی چیزیں لے کر اور پانی میں جسے اللہ نے بلندی سے اتارا پھر اس سے زمین کو زندہ کیا اس کی موت کے بعد اور اس میں سب قسم کے جانور پھیلا دیے اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مقید (معلق) رہتا ہے عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔"

۲۔ حیوانات میں تفکر

ارشاد ربانی ہے:۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ (النحل ۱۶:۶۶)

اور یقیناً تمھارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے۔ ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان سے ہم تمہیں پاکیزہ دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار ہے۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (الغاشیہ ۸۸:۱۷)

"تو کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کیا گیا ہے۔"

۳۔ نباتات میں تفکر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ. (الرعد ۱۳: ۴)

''اور زمین میں ایک دوسرے سے متصل خطے ہیں' انگور کے باغات ہیں' کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں۔ اکہرے اور دوہرے' سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر مزے میں ہم ایک کو دوسرے سے بہتر بنا دیتے ہیں۔ یقیناً ان میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ. (النحل ۱۶: ۱۰۔۱۱)

وہی ہے جس نے تمھارے لیے بادلوں سے پانی اتارا جس سے پینے کو ملتا ہے اور اس سے درخت پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں تم مویشی چراتے ہو۔ اس (پانی) سے تمھارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے۔ یقیناً اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔''

۴۔ اپنے انفس میں تفکر

انسان کو اپنے انفس میں بھی غور وفکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے کہ وہ اپنی سوچ کے مراحل پر غور کرے نیز انسانی تاریخ کے اہم واقعات کی بابت سوچے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

۱. اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (الروم ۳۰: ۸) ''کیا انھوں نے اپنے انفس کے بارے میں غور وفکر نہیں کیا؟''

۲. فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ٥ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ٥ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ ٥ (الطارق ۸۶: ۵ تا ۷)

''تو انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔''

۵۔ تاریخ اقوام عالم پر غور وفکر

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اقوام عالم پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے ارشاد الٰہی ہے:۔

فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ٥ (آل عمران ۳: ۱۳۷)

''تو زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔''

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ٥ (الفیل ۱۰۵: ۱)

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ کیا کیا تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ۔''

غور وفکر کے فوائد

قدرت کے تمام مناظر اور اس کائنات کے سارے مظاہر اجمالی رنگ رکھتے ہیں اور یہ کائنات یا ان کا خالق بھی باوجود ایک تفصیل کے اجمالی رنگ ہی میں خود کو پیش کرتا ہے۔ عیاں بھی ہے اور نہاں بھی۔

تخلیق اشیاء کائنات سے مستفید ہونا

یہ تمام کارخانہ اور یہ تمام مناظر مظاہر معمہ بھی ہیں اور ایک حقیقت بھی کشادہ بھی اور بستہ بھی' ظاہر بھی اور باطن بھی' عیاں بھی' نہاں بھی' مفصل بھی اور مجمل بھی متن بھی اور حاشیہ بھی۔

جو لوگ خدا کی بخشی ہوئی قوتوں دانش و بینش اور عقل و فراست اور غور و فکر سے مناظر قدرت مظاہر عالم۔ خلقت ارض و سماء پر نظر کرتے ہیں۔ وہ حدود بشری کے اندر غوامض اور اسرار کائنات سے واقف ہو کر مقاصد قدرت سے مستفید ہوتے ہیں اور انھیں کام میں لاتے ہیں۔ انسان اپنے فائدے کے لیے کائنات کو مسخر کرتا ہے اور اس سے فوائد اٹھاتا ہے یہ سب تفکر فی الخلق کا نتیجہ ہے اگر انسان اشیاء میں غور و فکر نہ کرتا تو وہ اشیاء کے خواص سے ہرگز فائدہ حاصل نہ کر سکتا چونکہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے وہ سب کچھ انسان کے لیے ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (الجاثیہ ۴۵:۱۳) اور جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو تمھارے کام میں لگا رکھا ہے اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے وجود اور وحدانیت کا اثبات

اللہ تعالیٰ نے ایک طرف خود کو پردہ خفا میں رکھا ہے اور دوسری طرف ہمارے اردگرد ایسے سامان بکھیر دیئے ہیں جن سے اس کی ذات کا پتہ چلتا ہے دنیا اور مافیہا کی تخلیق خود اس بات پر شاہد ہے کہ کوئی اس کا بنانے والا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ. (الملک ۶۷:۳،۴)

جس نے سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کیے تو رحمٰن کی خلقت میں کوئی اختلاف نہیں پائے گا۔ پھر نظر کو لوٹا کیا کوئی بگاڑ دیکھتا ہے۔ پھر نظر کو بار بار لوٹا تیری نظر حسرت سے تھک کر واپس آ جائے گی۔

دنیا کے بڑے بڑے سائنس دانوں نے بھی اس کائنات اور خلقت خدا کے ابلغ اور محکم نظام کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کیا ہے۔

ڈاکٹر آئن سٹائن کہتا ہے ”میرا مذہب کیا ہے اس نہایت ہی اعلیٰ ہستی کے آگے عاجزانہ تعریف جس کے بے شمار کرشموں میں سے چند ایک ہم اپنے کمزور اور محدود حواس سے معلوم کر سکتے ہیں۔ جب میں عالم کائنات کے حیران کن نظاروں اور لاانتہا وسعت کو دیکھتا ہوں تو دل گواہی دیتا ہے کہ اس کا بانی خدا ہے۔“

ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے' ان تمام اسرار سے جن کی یہ کیفیت ہے' جس قدر ہم زیادہ غور کرتے ہیں۔ اسی قدر وہ اور غامض ہوتے جاتے ہیں۔ اسی قدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت موجود ہے جس سے تمام اشیاء صادر ہوتی ہیں۔

۳۔ توہمات سے نجات

تفکر فی الخلق انسان کو توہمات سے نجات دلاتی ہے انسان کائنات پر غور کرے تو اس پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تمام کائنات ایک نظام کے تحت چل رہی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً (البقرہ ۲:۲۲) ”وہی ذات ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو عمارت۔“

اس آیت میں عمارت کہنے سے مراد یہ ہے کہ یہ نظام کائنات ایک نظام کے تحت چل رہا ہے۔ انسان جیسے جیسے کائنات پر غور و فکر کرتا ہے کائنات کے راز اس پر کھلتے جاتے ہیں۔ وہ قدرتی آفات کی توجیہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے لہٰذا انسان اپنے مصائب اور آفات کو کائنات کی کسی چیز کے ناراض ہونے کی طرف منسوب نہیں کر پاتا۔

اسلام سے قبل ساری دنیا توہمات کا شکار تھی۔ جب قرآن نے انسان کو تفکر فی الخلق کی دعوت دی تو انسان توہمات سے نجات پا گیا۔

۴۔ تفکر نہ کرنا سخت کفران نعمت ہے

کائنات میں غور و فکر نہ کرنا دو پہلوؤں سے سخت کفران نعمت۔

(الف) اللہ تعالیٰ نے انسان کو سوچنے اور فکر کرنے کی صلاحیت بخشی ہے۔ اسے عقل اور شعور عطا کیے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت

ہے۔ لہٰذا اسے استعمال نہ کرنا سخت کفران ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے غور وفکر نہ کرنے اور عقل سے کام نہ لینے والوں کی شدید مذمت کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

۱۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الۡبُكۡمُ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ o (الانفال ۸:۲۲) ''یقیناً اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔'' گویا قرآن کی اصطلاح میں بہرے گونگے وہ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''جو شخص انسان ہو کر عقل سے کام نہ لے۔ وہ حیوانوں سے بدتر ہے۔''

۲۔ وَيَجۡعَلُ الرِّجۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ (یونس ۱۰:۱۰۰) ''اور اللہ ان لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے۔ جو عقل سے کام نہیں لیتے۔''

۳۔ وَاِنَّكُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مُّصۡبِحِيۡنَ وَبِالَّيۡلِ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (الصّٰفٰت ۳۷:۱۳۸) ''اور یقیناً تم ان (یعنی عذاب یافتہ لوگوں کے آثار) پر سے صبح اور رات کو گزرتے رہتے ہو تو کیا تم سمجھتے نہیں۔''

(ب) اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات انسان کے لیے پیدا کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

۱۔ هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا (البقرہ :۲۹) ''وہی ہے جس نے تمھارے لیے پیدا کیا وہ سب کچھ جو زمین میں ہے۔ اللہ نے ساری کائنات کو انسان کے لیے مسخر کر رکھا ہے۔

۲۔ وَسَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مِّنۡهُ (الجاثیہ ۴۵:۱۳) ''اور اس نے مسخر کر دیا ہے تمھارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' سب کچھ اپنی طرف سے۔

جب سب کچھ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے پیدا کیا اور اس کے لیے مسخر کر دیا تو انسان پر لازم ہے کہ وہ کائنات میں غور وفکر کرے' اس کے اندر جو کچھ کارفرما ہے اسے دریافت کرے اور اسے اپنے استعمال میں لائے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو سخت کفران نعمت کا مرتکب ہوگا۔ غور وفکر کے کرنے میں ہی قوموں کے عروج کا راز مضمر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غور وفکر کرنے کی تعلیم دی ہے۔

تفکر فی الخلق کے مقاصد

۱۔ وجود باری تعالیٰ کا اثبات

اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کائنات کی تخلیق ایک بین دلیل ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات پر گہری نظر ڈالنے کی دعوت دی ہے کیونکہ اس نظام میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کے دلائل پوشیدہ ہیں۔ دنیا مافیہا کی تخلیق خود اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کائنات کا کوئی نہ کوئی خالق ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ثُمَّ اسۡتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰٮهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ (البقرہ ۲:۲۹)

وہ وہی ذات ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمھارے فائدے کے لیے پیدا کیا۔ پھر وہ آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا تو ٹھیک سات آسمان بنائے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔ اَفِى اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (ابراہیم ۱۴:۱۰) کیا خدا کی نسبت کوئی شک ہو سکتا ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔

ہمارا مشاہدہ اور تجربہ یہی بتاتا ہے کہ یہ کوئی مصنوع (بنی ہوئی چیز) بغیر صانع (بنانے والا) کے نہیں۔ آئن سٹائن کا کہنا ہے:۔ ''میرا مذہب کیا ہے؟ اس نہایت ہی اعلیٰ ہستی کے آگے عاجزانہ تعریف کہ جس کے بے شمار کرشموں میں سے چند ایک ہم اپنے کمزور اور محدود حواس سے محسوس کر سکتے ہیں۔ جب میں عالم کائنات کے حیران کن نظاروں اور لاانتہا وسعت کو دیکھتا ہوں تو دل گواہی دیتا ہے کہ اس کا

بانی خدا تعالیٰ ہے۔

(ب) تمام کائنات ایک ضابطہ اور قانون کے تحت چل رہی ہے۔ کہیں بھی کوئی رخنہ نہیں۔ کائنات کا یہ نظم اور اس کی ترتیب جو خود اس امر کی شاہد ہے کہ اس کے پیچھے ایک مدبر ہستی ہے' جو اس کائنات کو ایک نظام ترتیب اور ضابطہ کے ساتھ چلا رہی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔

اَلَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً (البقرہ ۲:۲۲)

وہی ذات ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو عمارت۔

عمارت کہنے سے مراد ہے کہ سب کچھ ایک نظام میں رکھا ہے۔ جیسے کہ ایک عمارت میں ترتیب ہوتی ہے۔ اگر اینٹیں' سیمنٹ' چونا' لوہا اور دیگر سامان عمارت بغیر ترتیب کے بکھرا پڑا ہو تو اسے عمارت نہیں کہا جا سکتا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آسمان اور زمین کو بنانے والی ایک مدبر اور بالا رادہ ہستی ہے اور اس وجہ سے اس کائنات میں ایک نظام اور ترتیب پائی جاتی ہے۔

(ج) کائنات میں ہر چیز کا جوڑا جوڑا تخلیق کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: وَالَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا (الزخرف ۴۳:۱۲) وہ ذات جس نے سب چیزوں میں جوڑے پیدا کیے۔

سائنس کی تخلیق نے یہ امر ثابت کر دیا ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا جوڑ جوڑا ہے۔ اگر ایک چیز اثر انداز ہوتی ہے تو دوسری اثر پذیر' کائنات کی اشیاء میں بعض قوت متاثرہ اور بعض میں موثرہ کا ہونا محض اتفاق نہیں بلکہ ایک منصوبہ اور منشا کے مطابق ہے جو ایک مدبر' حکیم اور علیم ہستی کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔

۲۔ تسخیر کائنات کی رغبت دلانا

اللہ تعالیٰ نے تفکر فی الخلق میں انسان کو اس بات کی طرف رغبت دلائی ہے۔ اس کائنات میں انسان کے فوائد کا ایک سمندر ہے۔ ان فوائد کے حصول کے لیے انسان کو کوشش کرنی چاہیے۔ آج اس دنیا میں جتنی بھی سائنسی ترقی ہوئی ہے جس سے انسان فوائد حاصل کر رہا ہے وہ کائنات کی اشیاء میں غور وفکر کرنے کا نتیجہ ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ (لقمان ۳۱:۲۰) اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اور کائنات کے رشتہ کا تعلق

کائنات میں غور وفکر کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور کائنات مخلوق۔ مخلوق چیز خالق نہیں ہو سکتی اور خالق مخلوق نہیں ہو سکتا۔ خالق کی حیثیت مخلوق پر برتر ہے۔ کائنات کی ہر چیز ایک نظام کی پابند ہے۔ مقررہ قوانین کے تابع ہے' تمام کائنات ایک ضابطہ اور قانون کے تحت چل رہی ہے' کہیں بھی کوئی رخنہ نہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اَلَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بَنَآءً (البقرہ ۲:۲۲) ''وہی ذات ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو عمارت۔''

عمارت کہنے سے مراد یہ ہے کہ یہ سب کچھ ایک نظام میں رکھا گیا ہے۔

۴۔ اللہ اور انسان کے رشتہ کا تعین

انسان عدم سے وجود میں آیا۔ ایک حقیر بوند مختلف مراحل طے کر کے انسان وجود میں آیا۔ انسان کے اندر کام کرنے والے متعدد نظام جو انتہائی پیچیدہ ہیں کام کر رہے ہیں۔ یہ پیچیدہ نظام اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر دلیل ہے۔ یہ نظام انسان کو بار بار اس بات کی طرف رغبت دلاتا ہے کہ تم اپنے بارے میں غور وفکر کرو۔ ارشاد الٰہی ہے:۔

اَوَلَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ (الروم ۳۰:۸) کیا انھوں نے اپنے نفس پر غور وفکر نہیں کیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ''انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔''
(الطارق ۸۶: ۵ تا ۷)

۵۔ کائنات میں انسان کا مقام

جب انسان کائنات میں غور و فکر کرے گا تو اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ انسان مخدوم ہے اور کائنات خادم ارشاد الٰہی ہے: هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ ۲: ۲۹) ''وہ وہی ذات ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے تمھارے لیے پیدا کیا۔''
دوسری جگہ آتا ہے:۔
وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ (الجاثیہ ۴۵: ۱۳) اس نے مسخر کر دیا تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں، سب کچھ اپنی طرف سے۔

۶۔ بامقصد زندگی گزارنے کی رغبت

تفکر فی الخلق کی دعوت کا ایک عظیم مقصد یہ ہے کہ انسان پر یہ بات عیاں ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا' بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لامحدود صلاحیتیں اور استعدادیں عطا کی ہیں۔ وہ اس دنیا میں اپنی ان استعدادوں کو بروئے کار لائے۔ ان کو اجاگر کرے۔ انہی استعدادوں کے اجاگر کرنے سے تہذیب و تمدن کا پودا بڑھتا اور پھلتا پھولتا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک بیج میں برگ و بار پوشیدہ رکھے ہوئے ہیں۔ جب اس بیج کو مناسب ماحول دے دیا جائے تو اس کی پوشیدہ استعدادیں اجاگر ہو جاتی ہیں۔ اس بیج سے ایک تناور درخت پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر استعدادیں رکھی ہوئی ہیں۔ ان کو اجاگر کرنا ہی انسان کی زندگی کا مقصد ہے۔

۷۔ آخرت کی فکر

تفکر فی الخلق انسان کو آخرت کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ تمام کائنات عدم سے وجود میں آئی ہے۔ ایک وقت آئے گا جب تمام کائنات پھر عدم کے پردہ میں گم ہو جائے گی جب ہر چیز پر فنا لازم ہے۔ اسے اچھے اور برے میں تمیز کرنے صلاحیت عطا کی ہے۔ ایک دن وہ خدا کے سامنے پیش ہوگا اور اپنے اعمال کا حساب دے گا۔ اس وجہ سے اس کو نیک کام انجام دینے چاہئیں اور بامقصد اور شریعت کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے۔

عہد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ترقی علم کی درس گاہیں

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دور دو حصوں میں منقسم ہے۔ مکی دور اور مدنی دور۔ ان ہر دو ادوار میں علم کی ترویج و ترقی پیش نظر تھی۔ ابتدائی تعلیمی مرکز حضرت ارقم کا گھر تھا۔ جو خانہ کعبہ کے ساتھ تھا۔ صحابہ کرام خفیہ طور پر جمع ہوتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو مبادیات دین سکھاتے۔ خاص طور پر عقیدہ توحید پر زور دیتے کیونکہ توحید ہی وہ اصل ہے جہاں سے زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق احکام متفرع ہوتے ہیں۔ تعلیم کے سلسلہ میں قابل ذکر کام کتابت وحی تھا۔ آپ نے کاتبین وحی مقرر فرمائے۔ جن کا یہ کام تھا کہ جو وحی نبوت نازل ہوتی۔ اس کو احاطہ تحریر میں لے آتے۔ صحابہ ساتھ ساتھ یاد بھی کرتے جاتے تھے۔ صحابہ درس گاہ ارقم سے جو کچھ بھی سیکھتے ان صحابہ تک پہنچاتے جو آپ کی صحبت سے کسی وجہ سے محروم رہتے۔ دوم مسلمانوں کے گھروں میں بھی جاتے ان کو تعلیم دیتے۔ حضرت خبابؓ حضرت عمر کے بہنوئی اور بہن کو قرآن مجید پڑھانے ہی گئے ہوئے تھے۔ جہاں حضرت عمر نے قرآن مجید کی آیات سنیں اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک طریقہ تعلیم سفری تھا۔ اور دنیا کی تاریخ میں پہلا شخص ہے جس نے سفری تعلیم کا آغاز کیا۔ آپ مختلف لوگوں کے پاس جاتے اور ان کو اسلام کے بنیادی عقائد کی تعلیم دیتے۔ کوئی میلہ لگتا تو آپ وہاں جاتے۔ اگر حج کا زمانہ ہوتا تو مختلف اطراف سے آنے والوں کے پاس جاتے اور ان کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرتے طائف کا سفر اختیار کیا اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارث کو

ساتھ لیا۔ وہاں کے روساء کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کی سعی بلیغ کی۔ وہاں سے واپس لوٹے تو پھر بنی عامر بنی فزارہ غسان مرہ سلیم عبس، بونضیر کندہ کلب عذرہ مشہور قبائل کے پاس گئے۔ یثرب کے ایک شخص صوید بن صامت کی مکہ میں ملاقات ہوگئی۔ اس کو قرآن مجید کا ایک حصہ پڑھ کر سنایا صوید وجد میں آ گیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا لیکن خزرج نے اسے قتل کر دیا۔ خزرج کا ایک وفد قریش کے پاس قبیلہ اوس کے خلاف مدد طلب کرنے آیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وفد کے پاس گئے قرآن مجید بڑھ کر سنایا تو ایاس بن معاذ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے نبوت کے بارہویں سال یثرب کے بارہ آدمی مکہ آئے۔ مقام عقبہ پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی اسلام کی تعلیم سے آگاہ کیا اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ مصعب بن عمیر کو بطور معلم یثرب بھیجا۔ نبوت کے تیرھویں سال تہتر مرد اور دو عورتیں حج کے لیے آئے عقبہ پر ملاقات ہوئی اسلام کی تعلیم پیش کی۔ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے آپ نے ان مردوں میں سے بارہ معلم منتخب کیے۔ اس طرح اسلامی علم کا نور مختلف اطراف میں پھیلنے لگا۔ آخر کار اہل یثرب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یثرب ہجرت کرنے کی درخواست کی اور آپ نبوت کے تیرھویں سال یثرب ہجرت کر گئے۔

دور مدینہ

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلا کام مسجد کی تعمیر کیا۔ اس مسجد کے ایک حصے میں ایک چبوترہ (صفہ) بنایا یہ پہلی اسلامی اقامتی درس گاہ تھی۔ اس میں ایسے اساتذہ کا تقرر کیا گیا جو علم دین کے ساتھ ساتھ مختلف فنون کی تعلیم دیتے تھے۔ عبداللہ بن سعد بن العاص زمانہ جاہلیت میں کاتب کی حیثیت سے مشہور تھے۔ کتابت سکھانے پر مامور کیا گیا۔ حضرت عبادہ بن صامت کو بھی کتابت اور قرآن کی تعلیم پر مقرر کیا گیا۔ صفہ کے متعلمین کی تعداد بعض مورخین نے چار سو لکھی ہے۔ مقیم طلباء ستر اسی ہو جاتے تھے۔ آپ خود بھی درس گاہ کا معائنہ کرتے تھے اور جب کبھی کوئی قابل اعتراض بات دیکھتے تو اس کی اصلاح فرما دیتے ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قضا وقدر کے بارے میں متعلمین کو بحث کرتے ہوئے پایا۔ تو آپ اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے تو اس موضوع سے منع فرمایا۔

اس درس گاہ کے متعلمین کو دوسرے نو مسلم قبائل کی تعلیم و تربیت کے لیے بھیجا جاتا۔ بئر معونہ کا مشہور واقعہ اس کی شہادت دیتا ہے۔ ستر قراء کو نجد کے علاقے میں اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے لیے بھیجا۔ غداری سے ان کو شہید کر دیا گیا۔ مملکت کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے آپ کو مترجمین کی ضرورت تھی۔ چنانچہ انھوں نے دوسری زبانیں مثلاً فارسی، حبشی اور رومی سیکھیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ کئی زبانوں کے جاننے والے تھے۔

نصاب

کتابت علم قرآن و حفظ قرآن، فن تجوید علم حدیث، علم ہیئت، علم انساب، علم نشانہ بازی، پیراکی، تقسیم ترکہ کا حساب۔

آپ کی تعلیم کی بنیادیں

اگر بغیر کسی بنیاد کے تعلیم کو رواج دیا جائے تو وہ تعلیم بے سود اور بے ثمر ہوگی۔ دنیا کے ہر ملک میں ماہرین تعلیم اپنے اپنے ملک کی ضرورت پیش نظر تعلیم کی بنیادیں تلاش کرتے ہیں۔ اس پر تعلیم کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحیثیت ایک ماہر تعلیم کے تعلیم کی بنیادیں وضع کیں۔ ۱۔ توحید ۲۔ اطاعت رسول۔ ۳۔ تفکر فی الخلق۔ ۴۔ تسخیر کائنات۔ ۵۔ اخوت۔ ۶۔ مساوات۔ ۷۔ تکریم انسانیت۔ ان عنوانات پر مختلف مقامات پر کئی دفعہ بحث ہو چکی ہے۔ اس وجہ سے اعادہ اور تکرار کی ضرورت نہیں۔

اثرات

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات کی بدولت مسلمانوں میں ایک وسیع علمی تحریک پیدا ہوگئی جس کا اعتراف غیر مسلم محققین نے بھی کیا ہے انگلستان کے ایک محقق رابرٹ بریفالٹ لکھتے ہیں۔

''اس امر کی نہ کوئی مثال پہلے موجود تھی اور نہ اب تک ہے کہ کسی وسیع سلطنت کے طول وعرض میں حکمران طبقہ اتنے بڑے پیمانے پر حصول علم کے لیے اس قدر مجنونانہ خواہش سے سرشار ہو گئے ہوں کہ خلفاء امراء اپنے محلوں سے نکل کر کتب خانوں اور رسد گاہوں میں جا گھسے ہوں۔ اہل علم کے خطبات کو سننے اور ان سے مسائل ریاضی کے متعلق مذاکرات کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کرتے۔ مسودات ومخطوطات اور نباتاتی نمونوں سے لدے ہوئے کارواں بخارا سے دجلہ تک رواں دواں رہتے اور کتابوں اور معلموں کے حصول کی خاطر قسطنطنیہ اور ہندوستان کو خاص سفیر بھیجے جاتے تھے۔ کسی سلطنت سے تاوان جنگ وصول کرنے کے سلسلے میں یونانی مصنفین یا کسی ممتاز ریاضی کی تصنیف حاصل کرنے کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ ملحق ہوتا تھا۔ وزرائے سلطنت کتب خانوں کے قیام مدارس کے لیے اوقاف کے انتظامات اور غریب طلباء کے لیے وظائف کے اہتمام میں اپنے آقاؤں سے بھی آگے بڑھ جانا چاہتے تھے۔ اہل علم کو بلا امتیاز مذہب وملت دوسرے سب لوگوں پر فوقیت دی جاتی۔ ان پر مال و دولت اور اعزازات کی بارش کر دی جاتی تھی۔ وہ ولایات کے حاکم تک مقرر کر دیئے جاتے۔ جب خلفاء کسی سفر یا مہم پر روانہ ہوتے تو اہل علم کا ایک گروہ اور کتابوں سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطار ہمراہ ہوتی تھی۔''

مشہور مورخ ڈاکٹر گوستاف لیبان لکھتا ہے ''ہر ترقی کرنے والی قوم کے علوم وفنون کی تکمیل تین نسلوں میں ہوتی ہے پہلی نسل صرف تقلید کرتی ہے۔ دوسری نسل میں رائے اور اجتہاد کا آغاز ہوتا ہے اور تیسری نسل میں رائے اور فکر کی بنیادیں مستقل ہو جاتی ہیں اور وہ قوم مجتہد مطلق کا درجہ حاصل کر لیتی ہے لیکن اس دنیا کی صرف ایک قوم عرب اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کی جس نسل میں علوم وفنون کا آغاز ہوا اسی نسل میں ان علوم وفنون کی تکمیل بھی ہو گئی۔''

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے تمام مؤرخ اس بات پر حیران ہیں کہ ایک جاہل قوم کی ایک ہی نسل میں علم کی انتہا تک پہنچ گئی۔ دراصل یہ انقلاب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس تعلیم کا نتیجہ ہے جو آپ نے بعثت کے بعد عرب قوم کو دی۔

اور یہ علمی تحریک بارہویں صدی میں زیادہ تر مسلم اسپین سے یورپ میں داخل ہوئی جہاں پر لکھنا پڑھنا صرف خانقاہوں تک محدود تھا اور جہاں تعلیم کے بارے میں گریگوری پادری جیسے شخص کا یہ خیال تھا کہ جہالت پارسائی کی بنیاد ہے اور یہی علمی تحریک سولہویں صدی میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا سبب بنی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مشرق ومغرب میں علم کی روشنی میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کتنا حصہ ہے۔

یہ رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کا ہی اثر تھا کہ مسلمانوں نے علم قرآن' علم حدیث' علم فقہ' اسماء الرجال تاریخ جغرافیہ' عمرانیات' کیمیا' طبعیات' علم حیوانات ونباتات' علم ہیئت وطب وغیرہ کو نقطۂ عروج پر پہنچا دیا۔ افسوس یہ ہے کہ علم کی روشنی کو پوری دنیا تک پہنچانے والی مسلم قوم آج علم کی مختلف شاخوں سے محروم ہے اور یہی اس کی پسماندگی کا سبب ہے۔ ضرورت ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں آج کے مسلمان پھر سے علم کی شمع کو روشن وفروزاں کریں اور دنیا کے لیے مشعل راہ ثابت ہوں اور اس میں مسلمانوں کی ترقی کا راز ہے اور وہی قوم قیادت کی اہل سمجھی جاتی ہے جس کے افراد علم کے زیور سے آراستہ ہوں۔

افصح العرب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فصیح و بلیغ خطابت اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ ہے قوموں کے عروج میں ایک اعلیٰ درجہ کے خطیب نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ قرآن مجید سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنے دور میں فصاحت و بلاغت کے بلند مقام پر فائز ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے مخالف عوام کو کہتے ہیں کہ ان (انبیاء) کی باتوں کو نہ سنو کیونکہ ہر سننے والا نبی کے فصیح و بلیغ کلام کی وجہ سے مسحور ہو جاتا۔ گویا رسالت اور فصاحت و بلاغت کا بڑا تعلق ہے۔ ارشاد الٰہی ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم ۱۴:۴) اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان میں تاکہ انھیں کھول کر بتا دے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ لیبین (تاکہ کھول کر پاک کرے) نبی کے فصیح و بلیغ ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے فصیح و بلیغ وہی کلام ہوتا ہے جو ہر قسم کی جھول اور ابہام سے پاک ہو اور سامع پر متکلم کا مدعا واضح ہو جائے حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ارشاد الٰہی ہے وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (ص ۳۸:۲۰) اور اسے حکمت عطا کی اور بات کا فیصلہ کرنا (سکھایا)

حضرت داؤد کو اللہ تعالیٰ نے حکمت اور فصل الخطاب سے نوازا ہے۔ یہ دونوں وصف فصاحت و بلاغت کے حصے ہیں اگر کلام میں حکمت نہیں وہ کلام فصیح و بلیغ نہیں اسی طرح اگر کلام بغیر دلائل و براہین کے ہے۔ وہ کلام بھی فصیح و بلیغ نہیں ہوگا۔ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا کلام حکمت اور دانائی سے پُر ہوتا تھا دوم جو بھی حضرت داؤد بات کرتے وہ دلائل اور براہین سے کرتے۔ حق اور باطل میں واضح فرق کر دیتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی۔

وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ (قصص ۲۸:۳۴) اور میرا بھائی ہارون وہ مجھ سے فصیح زبان والا ہے سو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں۔ اس آیت کریمہ میں واضح طور پر فصیح و بلیغ کلام کی اہمیت واضح کر دی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان عربوں میں بھیجا۔ جو دنیا جہاں کے لوگوں کو عجمی یعنی ژولیدہ بیان کہتے تھے۔ ان فصحا و بلغاء کے درمیان رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرماتے ہیں۔ اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ (الشفاء ۱:۷۴) میں عرب کا سب سے زیادہ فصیح انسان ہوں۔

فرمایا وَاُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں۔

(مسلم کتاب المساجد ۲:۶۲ بخاری کتاب التعبیر باب المفاتح فی الید ۸:۷۶)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک مرتبہ بلاغت نبوی پر استعجاباً و استحساناً فرمایا۔ لَقَدْ طِفْتُ فِي الْعَرَبِ وَسَمِعْتُ فُصَحَائَهُمْ فَمَا سَمِعْتُ اَفْصَحَ مِنْكَ فَمَنْ اَدَّبَكَ؟ قال اَدَّبَنِيْ رَبِّيْ فَاَحْسَنَ تَادِيْبِيْ میں عرب میں پھرتا رہا ہوں۔ فصحائے عرب کو سنا مگر آپ سے زیادہ فصیح و بلیغ میں نہیں سنا۔ تو آپ کو یہ تعلیم ادب کہاں سے حاصل ہوئی؟ فرمایا مجھے میرے رب نے ادب تعلیم فرمایا اور خوب خوب ادب تعلیم فرمایا)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں میں نے ایک مرتبہ آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! انسان کا حسن و جمال کس بات میں ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ انسان کا حسن و جمال تو اس کی زبان سے وابستہ ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیرت نگاروں نے آپ کی فصاحت و بلاغت کے چھ عناصر بیان کیے ہیں۔

۱۔ قریشیت یعنی عرب کے فصیح ترین قبیلہ قریش میں سے ہونا (قرآن بھی قریش کی زبان میں نازل ہوا تھا)

۲۔ سعدیت، یعنی عرب کے دوسرے فصیح ترین قبیلہ بنوسعد میں پرورش پائی۔

۳۔ زہریت، یعنی بنوزہرہ کی فصاحت جو آپ کے ننھیال تھے۔

۴۔ اسدیت، یعنی آپ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہ الکبریٰ کے قبیلہ بنواسد کی فصاحت۔

۵۔ آپ کا مہبط وحی وقرآن ہونا یعنی کلام ربانی کا قلب ولسان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط سے نازل ہونا۔

۶۔ فطرت محمدیہ یعنی خالق کل اور علام الغیوب نے ازل سے ہی فطرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فصاحت و بلاغت ودیعت فرما دی تھی کہ اعجاز قرآنی کے لیے جس طرح کی ضرورت تھی اور نبوت خاتمہ کی تبلیغ کے لیے جس قسم معجز بیانی درکار تھی وہی خاتم النبین کو عطا ہوئی کیونکہ اَللّٰهُ يَعْلَمُ رِسَالَتَهٗ کا تقاضا ہی یہی تھا۔ اور اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ میں یہی حکمت پوشیدہ ہے۔ (مقالات سیرت محکمہ اوقاف حکومت پنجاب، مقالہ پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر فصاحت و بلاغت نبوی صفحہ ۱۸۹)

ایک موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی فصاحت و بلاغت کا راز بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اَنَا اَعْرَبُكُمْ اَنَا مِنْ قُرَيْشٍ وَلِسَانِيْ لِسَانُ بَنِيْ سَعْدِ بْنِ بَكْرٍ میں تم میں فصیح تر ہوں۔ قریشی ہوں اور میری زبان بنوسعد کی زبان ہے (طبقات ا صفحہ ۱۷)

خصوصیات

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کی خصوصیات بیان کرنے سے پہلے اعاجم اور عرب کے فصحاء و بلغاء کے خطابات اور بیانات کی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں تاکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا ارفع ہونا قاری پر واضح ہو جائے۔

اعاجم اور عرب فصحاء کے خطبات کی خصوصیات

اعاجم اور عرب فصحاء کی خطابت کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے جاحظ لکھتا ہے۔

كل كلام للفرس و كل معنى للعجم، فانماهو عن طول فكرة، وعن اجتهادٍ وخلوة، وعن مشاورة و معاونة و من طول التفكر و دراسة الكتب اوكل شى للعرب فانما هو بديهة وارتجال و كانه الهام وليست هنالك معاناة ولا مكابدة ولا اجالة فكرة ولا استعانة وانما هو ان يصرف وهمه الى الكلام والى رجز يوم الخصام والى جمله المذهب والى العمود الذى اليه يقصد فتاتيه المعانى رسالا وتنثال عليه الالفاظ انثيا (البيان، ۲۱.۲۰/۳)

عجمیوں کو ہر کلام اور ہر معنی طویل غور وفکر کوشش وخلوت گری اور معاونت طول فکر اور کتب خوانی سے حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ عرب کے لیے ان میں ہر چیز بدیہی اور فی البدیہ ہے گو کہ الہام ہے انھیں نہ تو کسی سے مدد لینے کی ضرورت ہے نہ مشقت اٹھانے کی اور نہ ہی غور وفکر اور استعانت کی۔ صرف اس چیز کی ضرورت ہے کہ اپنی توجہ کو کلام کی طرف مبذول کریں لڑائی کے دن کے مقابلہ کو یاد کر کے پورے راستہ کو ذہن میں رکھیں اور ان مقاصد کو سامنے رکھیں جن کا ارادہ ہو تو معانی از خود وارد ہوتے ہیں اور الفاظ پھوٹ پڑتے ہیں۔

گویا عربی خطبات پر بدویت کی وجہ سے بدیہات اور ارتجال کا عنصر غالب ہے۔ وہ غور وفکر اور لمبی سوچ سے خالی فلسفیانہ موشگافیوں سے مبرا مشاہدات اور تجربات سے پُر اور عمدہ تماثیل کا نمونہ ہوتے ہیں ہاں کاہنوں کے خطابات میں تکلف، سجع اور تعقید پائی جاتی ہے۔

ایک کاہنہ کے خطبہ پر غور فرمائیں واللوح الخافق والليل الغاسق والصباح الشاعق والنجم الطارق، والمزن والوادق، ان شجر الوادى ليادو ختلا ويحرق انيابا عصلا وان صخر الطرد لينذر لكلا لا تجدون عنه معلا (امالى ۱۲۶/۱)

چمکدار روش بھی، اندھیری شب، روشن صبح، چمکدار ستارہ برسنے والی بدلی گواہ ہیں کہ وادی کے درخت پر دھوکے کا پھل آئے گا اور ٹیڑھی انگلیوں کے پوروں کو جلا دے گا اور ٹیلے کی چٹان اس عورت کو ڈرائے گی جس کا بچہ گم ہو گیا ہے تم اس سے کچھ بھی چھین نہ سکو گے۔

خطباء کے خطبات میں سجع کا رنگ پایا جاتا ہے لیکن اس قدر نہیں جتنا کاہنوں کے خطاب میں پایا جاتا ہے۔ عرب جاہلیت کے خطباء کے موضوعات فخر و مباہات شجاعت سخاوت ہوتے تھے اور مبالغہ ریزی کا عنصر غالب ہوتا تھا۔

ڈاکٹر خالد علوی عرب خطباء کے انداز خطابت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

عرب خطیب' خطاب کرتے وقت بعض ایسے طریقے اختیار کرتے تھے۔ جس سے ان کے خیال میں بات زیادہ موثر ہو جاتی تھی۔ عرب خطیب بالعموم کھڑے ہو کر خطاب کرتا تھا صرف نکاح کا خطبہ بیٹھے بیٹھے دیا جاتا تھا۔ عظیم میلوں اور بڑے مجمعوں میں وہ اپنی سواریوں پر سے یا بلند مقام پر کھڑے ہو کر خطاب کرتے تھے تاکہ آواز دور تک پہنچے اور لوگوں پر عظمت کا اظہار ہو۔ خطیب شخصیت وجاہت اعضا و جوارح کی حرکات' دستار باندھنے، عصا پکڑنے، کمان کا سہارا لے کر زمین پر کھڑا ہونے اور عصا نیزے یا تلوار سے اشارہ کرنے سے خطاب کو موثر بناتے تھے۔ بعض لوگ امن کے خطبات میں عصا اور خطوب و حروب میں کمان یا نیزے کا سہارا لیتے تھے۔ حتیٰ کہ بادشاہ مجالس میں بھی عصا کو جدا نہیں کرتے تھے۔ اور ان کا جملہ اخذ العصاء خطابت کی تیاری سے کنایہ تصور ہوتا تھا خطیب اکثر اوقات مخاطبین کی کیفیات و احوال کا اندازہ کر کے بات کرتے اور مقتضائے حال کے مطابق کام کرتے۔ ایجاز' اطناب تقدیم و تاخیر' بعض اوقات تکرار و تاکید اور اکثر اوقات ٹھہراؤ سے کام لیتے۔ زواج کے موقع پر خاطب کی طرف سے طویل بات ہوئی اور جواب دینے والا اختصار سے کام لیتا۔ خطباء موقع کے مطابق اسلوب بدلتے۔ وعد وعید تبشیر و تہدید اور انذار و استفہام کے تمام اسلوب اختیار کرتے۔ (انسان کامل ص ۹۸' ۹۹)

خطباء کا مقام

گو عرب میں شعراء کو ایک ارفع مقام حاصل تھا۔ بڑے شاعر کے کلام کو بیت اللہ میں لٹکا دیا جاتا۔ سبع معلقات انہی مشہور شعراء کا کلام ہے جس کے قصائد بیت اللہ میں لٹکائے گئے تھے۔ یہی شعراء اپنے قبیلہ کے محاسن اشعار میں بیان کرتے اور وہ زبان زد عام ہو جاتے۔ ہر قبیلے کا اپنا شاعر ہوتا۔ جہاں شعراء ایک خاص مقام کے مالک ہوتے وہاں خطباء کو بھی بنظر استحسان دیکھا جاتا تھا۔

ابو عمرو ابن العلا شاعر اور خطیب کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ **ذکان الشاعر فی الجاهلیة یقدم علی الخطیب بفرط حاجتهم الی الشعر الذی یفید علیهم مالرهم ویفخم شانهم و یهول هی عدوهم و من غزاهم و یهیب من فرسانهم و یخوف من کثرة عددهم و یهابهم شاعر غیر هم فیراقب شاعر هم فلما کثر الشعر و الشعراء و اتخذوا الشعر مکسبة ورحلوا الی السوقة و تسروا الی اعراض الناس صارالخطیب عندهم فوق الشاء** (البیان ۴' ۸۳) جاہلیت میں شاعر کو خطیب پر فوقیت کامل تھی کیونکہ وہ لوگ شعراء کے محتاج تھے کہ شعراء ان کے فضائل اور بلند شان بیان کریں اور ان کے دشمنوں کو خوفزدہ کریں قوم کے شہسواروں سے دشمنوں کو ڈرائیں۔ کثرت تعداد کی ہیبت ان کے دلوں میں بٹھائیں۔ ان کے شاعر کو ڈرائیں گے لیکن جب شعراء کی تعداد بڑھ گئی اور انھوں نے شاعری کو ذریعہ معاش بنا لیا۔ بدزبانی پر اتر آئے اور لوگوں کی عزت سے کھیلنے لگے۔ تو خطیب کو شاعر پر برتری حاصل ہوگئی جاحظ نے اسی رائے کی تائید کرتے ہوئے کیا ہے۔

> **وکان الشاعر ارفع قدراً من الخطیب وهم الیه احوج لرده مالرهم علیهم وتذکیرهم بایامهم فلما کثر الشعراء وکثر الشعر صار الخطیب اعظم قدراً من الشاعر** (البیان ۱/۲۴۱)
>
> شاعر خطیب کی بہ نسبت بلند مقام ہوتا کیونکہ عرب شاعر کے محتاج تھے تاکہ ان کے فضائل بیان کرے۔ ان کے شاندار ماضی کو یاد کر کے اس پر فخر کرے لیکن جب شعراء بہت ہو گئے تو خطیب کا مقام شاعر سے بڑھ گیا۔

مشہور خطباء

زمانہ جاہلیت کی تاریخ میں بے شمار خطباء کے نام ملتے ہیں چند مشہور خطباء کے اسماء حسب ذیل ہیں۔ زمانہ جاہلیت کا سب سے بڑا خطیب کعب بن لوی ہے۔ اس کے علاوہ مشہور خطباء میں **قیس بن سنان خطیب داحس و غبراء۔ خویلد بن عمر القطفانی خطیب یوم**

الفجار' قس بن ساعدہ الایادی خطیب عکاظ۔ سحبان بن وائل الباہلی، اکثم بن صیفی جسے حکیم عرب قاضی اور خطیبوں کا سردار کہا جاتا تھا۔ حاجب بن زرارہ التمیمی۔ الحارث بن عباد' قیس بن مسعود البکری' خالد بن جعفر علقمہ بن علاثہ عامری' عامر بن طفیل عامری' عمرو بن الشرید السلمی عمرو ابن معد یکرب الزبیدی' قیس بن شماس' بنی قیلہ کے سعد بن ربیع' حارث بن ظالم المری ابو عمار الطائی خطیب مذحج' حارث بن کعب المذحجی' قیس بن زہیر العبسی اور حمیروں کی ایک جماعت ان میں سے چند مشہور یہ ہیں۔ درید بن زید' زہیر بن خباب' مرثد الخیر اور الصباح بن شقی (طاہر ۵۶۔۵۷ بحوالہ انسان کامل ڈاکٹر خالد علوی ۹۹۔۱۰۰)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند صوت اور وجیہہ تھے۔ ان کا کلام آسان اور عام فہم تھا۔ معانی اور معارف سے پُر۔ الفاظ میں جادو کا سا اثر۔ سننے والا سن کر وجد میں آ جاتا' کلام میں روانی ہے۔ کہیں بھی تعقید اور پیچیدگی نہیں پائی جاتی۔ تکلف اور تصنع سے پاک ہے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (الحجر: ۹۴)

کھول کر بیان کر جس کا تجھے حکم دیا گیا اور مشرکین سے اعراض کر۔

آپؐ نے اس موقع پر صفا پہاڑی پر چڑھ کر قریش کے سرداروں کو خطبہ دیا۔

ان الرائدلایکذب اهله واللّٰه لوكذبت الناس جميعا ماكذبتكم ولو غررت الناس جميعا ما غررتكم واللّٰه الذى لا اله الا هو انى رسول اللّٰه اليكم خاصة والى الناس كافة واللّٰه لتموتن كماتنامون ولتبعثن كما تستيقظون ولتحاسبن بما تعملون و لتجزون بالاحسان احسانا و بالسوء سوء اوانها لجنة ابداً او نار ابدا (الكامل ۲/۲۷)

یقیناً راہنما اپنے گھر والوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا اگر میں لوگوں کے سامنے جھوٹ بولتا بھی تو تم سے جھوٹ نہ بولتا۔ اگر میں لوگوں کو دھوکہ دیتا تب بھی تم سے دھوکہ نہ کرتا۔ اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اللہ کا رسول ہوں بالخصوص تمہاری طرف اور بالعموم تمام انسانوں کی طرف۔ اللہ کی قسم! تم اسی طرح مر جاؤ گے جیسے تم سوتے ہو اور اسی طرح جی اٹھو گے جیسے تم بیدار ہوتے ہو۔ تمھیں اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا اور نیکی کا اچھا اور برائی کا بدلہ مل کر رہے گا اور یہ بدلہ ہمیشہ کی جنت یا ہمیشہ کی آگ ہے۔

بیان میں روانی سلاست اور حسن پایا جاتا ہے۔ انسانوں سے محبت کا بھرپور اظہار ہوتا ہے۔

ايها الناس ان لكم معالم فانتهوا الى معالمكم وان لكم نهاية فانتهوا الى نهايتكم ان المومن بين مخافتين' عاجل قد مضى لايدرى ما اللّٰه صانع به' واجل قد بقى لايدرى ما اللّٰه قاض فيه' فلياخذ العبد من نفسه لنفسه' ومن دنياه لاخرته' ومن الشيبة قبل الكبرة' ومن الحياة قبل الموت فوالذى نفس محمد بيده مابعد الموت من مستعتب ولا بعد الدنيا من دارالا الجنة والنار۔ (البيان ۲۴۲' اعجاز القران' ۱۱۰)

لوگو! تمہارے لیے کچھ بلندیاں ہیں ان تک پہنچو' تمہاری کوئی منتہیٰ ہے اس تک پہنچو۔ مومن دو خوفوں کے درمیان ہے ایک دنیا کی زندگی جو گزر رہی ہے اور مومن نہیں جانتا کہ اللہ اس سے کیا سلوک کرے گا۔ دوسری آخرت کہ وہ نہیں جانتا کہ اللہ اس کے بارے میں کیا فیصلہ کرے گا۔ آدمی اپنے نفس سے اپنے فائدہ کے لیے کچھ حاصل کر لے۔ اپنی دنیا سے آخرت کما لے اور بڑھاپے سے پہلے جوانی اور موت سے پہلے زندگی سے کچھ حاصل کر لے۔ موت کے بعد طلب رضا کا موقعہ نہیں اور دنیا کے بعد جنت یا جہنم کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

اگر اس خطبہ میں الفاظ کی بہار ہے تو معانی اور معارف بھی بہار لیے ہوئے ہیں۔ دنیا میں بہت کم فصحاء اور بلغاء ہیں۔ جن کے خطبات کے الفاظ اور معانی دونوں رفعت کی بلندیوں کو چھو رہے ہوں۔ الفاظ ہیں تو وہ نگینہ اور معارف اور معانی ہیں تو وہ جواہر پارے جن کو سن کر انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تمام عبارت تصنع و بناوٹ سے پاک ہے۔

مدینہ میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

الحمد للّٰہ احمدہ و استعینہ و استغفرہ و استھدیہ و اومن بہ ولا اکفرہ و اعادی من یکفرہ و اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ ارسلہ بالھدی والنور والموعظۃ علی فترۃ الرسل وقلۃ من العلم، و ضلالۃ من الناس، وانقطاع من الزمان و دنو من الساعۃ وقرب من الاجل، من یطع اللّٰہ ورسولہ فقد رشد و من یعصیہ فقد غوی و فرط وضل ضلالا بعیدا و اوصیکم بتقوی اللّٰہ، فان خیر مااوصی بہ المسلم ان یحضہ علی الاخرۃ وان یامرہ بتقوی اللّٰہ، فاحذروا ما حذرکم اللّٰہ من نفسہ، ولا افضل من ذلک نصیحۃ ولا افضل من ذلک ذکرا، وان تقوی اللّٰہ لمن عمل بھا علی وجل ومخافۃ من ربہ و عون صدق علی ماتبغون من امر الاخرۃ ومن یصلح الذی بینہ و بین اللّٰہ من امرہ فی السرو العلانیۃ لاینوی بذلک الا وجہ اللّٰہ یکن لہ ذکراً فی عاجل امرہ وذخراً فیما بعد الموت حین یفتقر المرء الی ماقدم، وما کان من سوی ذلک، یودلوان بینہ و بینہ امداً بعیداً و یحذرکم اللّٰہ نفسہ، واللّٰہ رؤف بالعباد، والذی صدق قولہ وانجز وعدہ لاخلاف لذلک، فانہ یقول عزوجل: مایبدل القول لدی وما انا بظلام للعبید فاتقوا اللّٰہ فی عاجل امرکم واجلہ فی السر والعلانیۃ فانہ من یتق اللّٰہ یکفر عنہ سیاتہ، ویعظم لہ اجرہ ومن یتق اللّٰہ فقد فاز فوزا عظیما...... الی ان قال: فاحسنوا کما احسن اللّٰہ الیکم وعادوا اعداء وجاھدوا فی اللّٰہ حق جھادہ، ھو اجتباکم وسماکم المسلمین، لیھلک من ھلک عن بینۃ و یحی من حی عن بینۃ فاکثروا ذکر اللّٰہ واعملوا لما بعد الیوم، فانہ من یصلح مابینہ و بین اللّٰہ یکفہ اللّٰہ مابینہ، و بین الناس ذلک بان اللّٰہ یقضی علی الناس ولا یقضون علیہ ویملک من الناس ولا یملکون منہ، اللّٰہ اکبر، ولا قوۃ الا باللّٰہ العظیم.

(طبری ۲/۲۵۵)

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اسی کی تعریف کرتا ہوں، اسی سے مدد چاہتا ہوں، اسی سے معافی چاہتا ہوں، اسی سے ہدایت طلب کرتا ہوں، اسی پر ایمان رکھتا ہوں اور اس سے انکار نہیں کرتا اور جو اس کا انکار کرے اس سے عداوت رکھتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ لاشریک ہے اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ انھیں ہدایت، نور اور موعظت دے کر رسولوں کی آمد کی بندش، قلت علم، لوگوں کی گمراہی، زمانہ کے اختتام، قرب قیامت اور موت کے قریب آ جانے پر بھیجا۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، راست رو ہوگا جو ان کی نافرمانی کرے گا گمراہ ہوگیا، حد سے بڑھ گیا اور دور کی ضلالت میں جا پڑا۔ مسلمان کے لیے بہترین وصیت وہ ہے جو اسے آخرت کے لیے آمادہ کرے اور اسے اللہ سے ڈرنے کا حکم دے۔ ان امور سے بچتے رہو جن سے اللہ نے روکا ہے۔ اس سے بہتر کوئی نصیحت نہیں اور اس سے بہتر کوئی ذکر نہیں اللہ کا تقویٰ، جو شخص خوف اور خشیت الٰہی سے اس پر عمل کرتا ہے اور سچے دل سے آخرت کا طالب ہے اور اپنے مخفی اور ظاہری امور کی جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہیں اصلاح کرتا ہے اور اس سے صرف خدا کی خوشنودی چاہتا ہے اس کے لیے یہ امر دنیا میں یادگار، موت کے بعد ذخیرہ ہوگا جب کہ آدمی اپنے اچھے اعمال کا محتاج ہو گا اور جو شخص اس کے سوا دوسری طرح کے اعمال کرتا ہے وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور قیامت کے درمیان ایک بعید فاصلہ ہوتا۔ اللہ اپنے آپ سے تمھیں ڈراتا ہے اور وہ بندوں پر مہربان ہے۔ وہ ایسا ہے جو سچی بات کرتا ہے، وعدہ پورا کرتا ہے وعدہ خلافی نہیں کرتا کیونکہ اس کا ارشاد ہے "میرے ہاں بات بدلی نہیں جاتی اور میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ پس اللہ سے ڈرو اپنی دنیا اور آخرت کے معاملات میں، مخفی اور ظاہر امور میں، کیونکہ جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ دور کر دے گا اور اسے بہت بڑا اجر دے گا۔ جو اللہ سے ڈرا اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی......... نیکی کرو جیسا

کہ اللہ نے تم پر احسان کیا۔ اس کے دشمنوں کو دشمن سمجھو اور راہ خدا میں جہاد کا حق ادا کرو۔ اس نے تمھیں چن لیا اور تمہارا نام ''مسلم'' رکھا تا کہ جو ہلاک ہو وہ بھی دلیل دیکھ کر اور جو زندہ رہے وہ بھی دلیل کے سہارے۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ آج کے بعد جو دن آ رہا ہے یعنی قیامت اس کے لیے عمل کرو۔ اس لیے کہ جو شخص اللہ سے اپنا معاملہ درست کرے گا لوگوں کے ساتھ اس کے معاملات میں اللہ کافی ہو جائے گا کیونکہ اللہ لوگوں کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے لوگ اللہ کے بارے میں فیصلہ نہیں کرتے۔ وہ لوگوں کا مالک ہے لوگ اس کے مالک نہیں ہیں۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ ولا قوۃ الا باللہ العظیم۔

آپؐ کے بیشمار خطبات میں سے تین نہایت اہم خطبات کے اقتباسات دیئے جاتے ہیں۔ یہ خطبات فتح مکہ، غزوہ حنین اور حجتہ الوداع کے مواقع پر دیئے گئے۔

فتح مکہ

رسولؐ اللہ مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوتے ہیں۔ وہی مکہ جہاں سے آپؐ کو ہجرت کرنا پڑی۔ جب ایک انسان اس صورت حال کا تصور کرتا ہے تو محسوس کرتا ہے کہ فاتح میں غضب و انتقام کی آگ بھڑک رہی ہو گی اور آپے سے باہر ہو کر قتل و غارت اور تباہی و بربادی کا باعث بن رہا ہو گا۔ لیکن رحمت عالم جو کچھ فرماتے ہیں وہ بھی تاریخ انسانی کا ایک معجزہ ہے۔ انسانی تاریخ کا یہ بے نظیر و بے مثال نمونہ ہے۔ آپؐ نے کعبتہ اللہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

لاَ اِلٰهَ الا اللّٰه وَحْدَهٗ لا شریک قد صدق وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده ألاكل ماثرة اودم اومال يدعى فهو تحت قدمى هاتين الا سدانة البيت وسقاية الحاج' الاوقتل الخطاء شبه العمد بالسوط والعصا ففيه الدية مغلظة مائة من الابل' اربعون منها فى بطونها اولادها' يا معشر قريش ان اللّٰه قد اذهب عنكم نخوة الجاهلية و تعظمها بالآباء' الناس من آدم و آدم من تراب يايها الناس انا خلقنكم من ذكرٍ وانثى وجعلنكم شعوبا و قبائل لتعارفوا اِنَّ اكرمكم عند اللّٰه اتقكم. يامعشر قريش ماترون انى فاعل بكم قالوا: خيرا اخ كريم وابن اخ كريم قال: اذهبوا فانتم الطلقاء [1]

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا وعدہ سچا ثابت ہوا۔ اس نے اپنے بندے کی نصرت فرمائی۔ محض اسی نے تمام گروہوں کو شکست دی' سن لو یہ موروثی استحقاق ہر خون اور ہر مال میرے ان دونوں پاؤں تلے ہے۔ بجز خدمت بیت اللہ اور حجاج کو پانی پلانے کے حق کے۔ سن لو! جو خطاء قتل ہوا وہ کوڑے اور لاٹھی سے عمداً قتل کیے جانے والے کے مشابہ ہے پس اس میں دیت مغلظہ ہے یعنی سو اونٹ جن میں سے چالیس ایسی اونٹیاں ہوں گی جن کے پیٹ میں بچے ہوں۔ اے گروہ قریش! اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباؤ اجداد پر فخر و غرور زائل کر دیا۔ سب انسان آدم سے پیدا ہوئے اور آدم مٹی سے ہیں۔ اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھارے گروہ اور قبیلے بنا دیئے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بے شک تم میں سب سے زیادہ شریف اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔ اے گروہ قریش! میں تمھارے بارے میں جو کچھ کرنے والا ہوں اس کے بارے میں تم کیا رائے رکھتے ہو؟ سب نے کہا بہتر رائے رکھتے ہیں۔ آپؐ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ فرمایا جاؤ، اب تم آزاد ہو۔

---

1. فتح مکہ کے موقع پر جو خطبہ فرمایا وہ السیرۃ النبویہ (ابن ہشام) المغازی (واقدی) اور دیگر کتب تاریخ کے علاوہ کتب حدیث میں پایا جاتا ہے۔

غزوہ حنین

غزوہ حنین کے موقعہ پر جب اللہ تعالٰی نے مال غنیمت کثرت سے دیا تو حکمت نبوی نے ان مغانم کوصرف قبائل عرب اور قریش میں تقسیم کرنا مناسب سمجھا اور انصار کو کچھ حصہ نہ دیا تو کسی انصاری نے یہ جملہ کہہ دیا لقی واللہ رسول اللہ قومہ خدا کی قسم رسول اللہ اپنی قوم سے جا ملے تو آپ تک یہ الفاظ پہنچے تو اس وقت جو خطبہ دیا تو اپنے حسن الفاظ و معانی سے پُر ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

یامعشر الانصار! ماقالة بلغتنی عنکم وجدة وجدتموها عَلَیَّ فی انفسکم الم اٰتِکم ضلالا فهداکم اللّٰه وعالة فاغناکم اللّٰه واعداء فالف بین قلوبکم؟ قالو بلی اللّٰه و رسوله امنُّ و افضل ثم قال: الا تجیبوننی یا معشر الانصار؟ قالوا: بما ذاک نجیبک یا رسول اللّٰه؟ لِلّٰه و لرسوله اَلْمَنُّ وَالْفَضْلُ قال! اما وَاللّٰهِ لَو شِئْتُم لقلتم فَلَصَدَقْتُم لَصُدِّقْتُمْ اتیتنا مُکَذَّبًا فَصَدَّقْنَاکَ ومخذولاً فنصرناک و طریداً فاویناک و عائلاً فاسیناک. اوجدتم یامعشر الانصار فی انفسکم فی لُعَاعَةٍ من الدُّنیا تَألفتُ بها قوما لِیُسْلِموا و کلتکم الی اسلامکم الا ترضون یامعشر الانصاران یذهب الناس بالشَّاةِ وَالبیعر و ترجعوا برسول اللّٰه الی رحالکم؟ فوالذی نفس محمد بیده لو لاالهجرة لکنت امرأ من الانصار ولوسلک الناس شعبا وسلک الانصار شعبا لسلکت شعب الانصار اللهمَّ ارحم الانصار وابناء الانصار وابناء ابناءِ الانصار فبکی القوم حتی اخضَلُّو لحاهم وقالوا: رضینا برسول اللّٰه قسما وحظا۔ [1]

اے گروہ انصار! یہ تمہاری چہ مگوئیاں کیسی ہیں جو مجھ تک پہنچی ہیں اور تمھارے دل میں یہ غم وغصہ کیسا ہے۔ جو تم نے مجھ پر کیا ہے۔ کیا میں تمھارے پاس اس حالت میں نہیں آیا کہ تم گمراہ تھے پھر اللہ نے تمھیں ہدایت دے دی، تم محتاج تھے اللہ نے تمھیں غنی کر دیا۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تمھارے دلوں کو جوڑ دیا۔ انصار بولے۔ بیشک اللہ و رسول کا احسان اور فضل و کرم سب سے بڑھ کر ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اے گروہ انصار! کیا تم مجھے جواب نہیں دو گے؟ انصار نے کہا یا رسول اللہؐ! ہم آپ کو کیا جواب دیں گے؟ اللہ اور رسول کا ہی احسان و فضل و کرم ہے۔ آپؐ نے فرمایا! نہیں خدا کی قسم! تم چاہتے تو جواب دیتے اور تم اپنی بات میں بالکل سچے ہوتے اور تمہاری سچائی کو مانا بھی جاتا کہ تو ہمارے پاس اس حالت میں آیا کہ لوگوں نے تجھے جھٹلایا تھا، ہم نے تیری تصدیق کی۔ تجھے لوگوں نے بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا ہم نے تیری مدد کی۔ تجھے نکال باہر کر دیا تھا، ہم نے تجھے پناہ دی۔ تو اس طرح ہم نے تجھے آسودگی دی۔ گروہ انصار! کیا تم دنیا سی حقیر چیز کے لیے رنجیدہ ہو گئے ہو حالانکہ اس سے میں نے کچھ لوگوں کی دلداری کرنا چاہی تا کہ وہ اسلام لے آئیں۔ جب کہ تمھیں میں نے تمھارے اسلام کے سپرد کیا۔ گروہ انصار! کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں لے جائیں اور تم اپنے کجاؤں میں رسول اللہ کو لے جاؤ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا اور اگر اور لوگ ایک گھاٹی اور انصار دوسری گھاٹی میں چلتے ہوتے تو میں انصار کے ساتھ چلتا ہوتا۔ اے خدا! انصار پر، ان کی اولاد پر، ان کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما۔ یہ سن کر انصار اتنا روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور کہنے لگے۔ ہم رسول اللہؐ کی تقسیم پر راضی ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع

یاایها الناس! اسمعوا منی ابین لکم، فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی هذا فی موقفی هذا.

---

[1] یہ خطبہ معمولی تبدیلی الفاظ سیرۃ ابن ہشام اور دیگر کتب تاریخ اسلام کے علاوہ کتب حدیث میں پایا جاتا ہے۔

ایہا الناس: ان دماء کم و اموالکم حرام علیکم الی ان تلقوا ربکم کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا الاهل بلغت؟ اللهم فاشهد فمن کانت عنده امانة فلیودها الی من ائتمنه علیها و ان ربا الجاهلیة موضوع و ان اول ربا ابدأبه رباعمی العباس بن عبدالمطلب وان دماء الجاهلیة موضوعة وان اول دم نبدأبه دم عامر بن ربیعه بن الحارث بن عبدالمطلب وان ماثر الجاهلیة موضوعة غیر السدانة والسقایة والعمد قود و شبه العمد ماقتل بالعصا و الحجر' و فیه مائة بعیر' فمن زاد فهو من اهل الجاهلیة الاهل بلغت' اللهم فاشهد...... ثم قال ایها الناس! ان لنساء کم علیکم حقا ولکم علیهن حق لکم الا یوطئن فرشکم غیرکم ولا ید خلن احداً تکرهونه بیوتکم الا باذنکم' ولا یاتین فاحشة فان فعلن فان الله قد اذن لکم ان تهجروهن فی المضاجع وتضربوهن ضربا غیر مبرح' فان انتهین واطعنکم فعلیکم رزقهن وکسوتهن بالمعروف وانما النساء عندکم عوان لا یملکن لانفسهن شیئا اخذتموهن بامانة الله واستحللتم فروجهن بکلمة الله' فاتقوا الله فے النساء واستوصوابهن خیرا' الاهل بلغت' اللهم فاشهد ثم قال من ادعی الی غیر ابیه' اوتولی غیر موالیه فعلیه لعنة الله والملئکة والناس اجمعین لا یقبل منه صرف ولا عدل' والسلام علیکم ورحمة الله...... وایضاً قال ؑ فضل لعربی علی عجمی ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی. (مسند ۵/ ا ا ۵) نیز دیگر کتب احادیث میں معمولی الفاظ کے ردو بدل کے ساتھ پایا جاتا ہے۔

لوگو! سنو کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ اس مہینہ میں اس شہر میں تم سے نہ مل سکوں۔ مجھ سے سنو میں تفصیل سے بیان کر دوں۔

لوگو! تمہارا خون' تمہارا مال اس دن' اس ماہ اور اس شہر کی حرمت کی طرح حرام ہے تا آنکہ تم اپنے رب سے جا ملو۔ کیا میں نے بات پہنچا دی۔ اے اللہ گواہ رہنا۔ جس شخص کے پاس کوئی امانت ہو وہ جس کی امانت ہے اسے لوٹا دے۔ جاہلیت کا سود ختم کیا جاتا ہے۔ پہلا سود جس سے میں اس حکم کا آغاز کرتا ہوں۔ میرے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ جاہلیت کا خون ختم کیا جاتا ہے اور اس ضمن میں پہلا خون جسے ہم معاف کرتے ہیں عمرو بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون ہے۔ جاہلیت کے اعزازات ختم کیے جاتے ہیں۔ بجز خدمت کعبہ اور حجاج کو پانی پلانے کے اعزاز کے۔ قتل عمد میں قصاص ہوگا اور شبہ عمد کہ کسی کو لاٹھی یا پتھر سے مار ڈالا جائے اس میں سو اونٹ دینے ہوں گے جو اس پر اضافہ کرے گا وہ اہل جاہلیت میں سے ہے۔ کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا؟ اے اللہ گواہ رہنا۔ پھر فرمایا: لوگو! تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے اور تمہارا ان پر حق ہے۔ تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمھارے بستر پر کسی دوسرے کو دعوت نہ دیں اور تمہاری اجازت کے بغیر کسی ایسے آدمی کو تمھارے گھر نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور کوئی بے حیائی کا کام نہ کریں اگر وہ ایسا کریں تو اللہ نے تمھیں اجازت دی ہے کہ انھیں خواب گاہوں میں اکیلا چھوڑ دو اور انھیں اس طرح مارو کہ کوئی نشان نہ پڑے۔ اگر باز آ جائیں اور تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تمھارے ذمہ دستور کے مطابق ان کا نفقہ اور لباس ہے۔ عورتیں تمھارے پاس قیدی ہیں اپنے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتیں۔ اللہ کی امانت کے طور پر تم نے انھیں حاصل کیا اور اللہ کے کلمہ سے تمھارے لیے ان سے تمتع جائز ہوا۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔ کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا؟ اے اللہ گواہ رہنا۔ پھر فرمایا: جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے یا جو غلام اپنے مولی کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے اس پر اللہ کی' فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہو' اس سے کوئی بدلہ اور معاوضہ وصول نہیں کیا جائے گا۔ نیز فرمایا: عربی کو عجمی پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں' مگر تقوی کے ساتھ۔

جوامع الکلم

۱۔ اِنَّ الْحَدِیْدَ بِالْحَدِیْدِ یُفْلَحُ بے شک لوہا لوہے سے کاٹا جاتا ہے۔
۲۔ اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ حکمت اور دانائی مومن کی گمشدہ چیز ہے۔
۳۔ رَأْسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہِ دانائی کی بنیاد خدا کا خوف ہے۔
۴۔ خَیْرُ الْاُمُوْرِ الْوَسْطُ بہترین معاملہ میانہ روی ہے۔
۵۔ اِنَّ الصِّدْقَ یُنْجِیْ وَالْکِذْبَ یُھْلِکُ. بے شک سچ نجات دیتا ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔
۶۔ کُلُّ دَاءٍ لَہٗ دَوَاءٌ ہر بیماری کی دوا ہے۔
۷۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ آدمی اس شخص کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔
۸۔ اَلْمَرْءُ بِاَصْغَرَیْہِ قَلْبِہٖ وَلِسَانِہٖ (آدمی کی قدر و قیمت دو چھوٹی چیزوں سے ہے۔ اس کا دل اور اس کی زبان۔
۹۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُ لِمُسْلِمٍ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔
۱۰۔ اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ مخلوق اللہ کی عیال ہے۔
۱۱۔ مَاعَالَ مَنِ اقْتَصَدَ وہ محتاج نہ ہوا جس نے میانہ روی اختیار کی۔

مذکورہ بالا تمام جوامع الکلم اپنے اندر معارف اور معانی اور صداقتوں کا خزانہ لیے ہوئے ہیں۔ الفاظ کتنے سادہ ہیں اور وہ اپنے اندر معانی کا ایک سمندر لیے ہوئے ہیں۔ ان کلمات کے متعلق بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر سمندر سیاہی بن جائے اور درخت اقلام تو جوامع الکلم کے معارف پر کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔

اسی کلام نبوی کے متعلق جاحظ لکھتا ہے ھوالقلیل الجامع لکثیر الذی قل عدد حروفہ و کثر عدد معانیہ و جل عن الصنعۃ و نزہ عن التکلف یہ کلام جس کے حروف کی تعداد کم اور معنی کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اور جو صنعت اور تکلف سے برتر منزہ ہوتی ہے۔

چند دعائیں

جب آپ تہجد کی نماز پڑھنے کے لیے اٹھتے تو یہ دعا فرمایا کرتے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُکَ الْحَقُّ وَلِقَاءُ کَ حَقٌّ وَقَوْلُکَ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَۃُ حَقٌّ. اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْلِیْ مَاقَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ (بخاری و مسلم باب الدعا فی الصلوۃ)

اے میرے اللہ ساری حمد و ستائش تیرے ہی لیے ہے اور تو ہی اس کا مستحق ہے تو ہی قائم رکھنے والا ہے زمین و آسمان کا اور ان سب چیزوں کا جو ان میں ہیں۔ مولا! ساری حمد و ستائش کا تو ہی مستحق ہے تو ہی نور ہے زمین و آسمان کا اور ان سب کا جو زمین و آسمان میں ہیں اور ساری حمد و ستائش تیرے ہی لیے ہے تو فرماں روا ہے زمین و آسمان اور اس ساری کائنات کا جو زمین و آسمان میں ہے ساری حمد و ستائش تیرے ہی لیے سزاوار ہے تو حق ہے تیرا وعدہ حق ہے مرنے کے بعد تیرے حضور حاضری اور تیری ملاقات حق ہے اور تیرا فرمان حق ہے اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور سارے نبی برحق ہیں اور محمد بھی برحق ہے اور قیامت کا آنا برحق ہے اے اللہ! میں نے اپنے کو تیرے سپرد کر دیا اور میں تجھ پر ایمان لایا اور میں نے تیرا سہارا پکڑ لیا اور پورا بھروسہ تجھ پر کر لیا اور اپنا رخ تیری طرف کر دیا اور تیری ہی مدد سے میری ٹکر ہے

اور میں نے اپنا مقدمہ فیصلے کے لیے تیری ہی بارگاہ میں پیش کر دیا ہے پس اے میرے اللہ! بخش دے میرے وہ سب قصور جو مجھ سے پہلے سرزد ہوئے اور جو پیچھے ہوئے اور جو میں نے پوشیدہ کیے اور جو علانیہ کیے اور جن کے بارے میں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو جسے چاہے آگے بڑھانے والا ہے اور جسے چاہے پیچھے ڈال دینے والا ہے تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں صرف تو ہی معبود برحق ہے۔

اَلِّفْ اَللّٰھُمَّ عَلٰی الْخَیْرِ بَیْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا وَاھْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَاظَھَرَ مِنْھَا وَبَطَنَ وَبَارِکْ لَنَا فِی اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَّاتِنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ وَاجْعَلْنَا شَاکِرِیْنَ لِنِعْمَتِکَ قَابِلِیْھَا وَاَتِمَّھَا عَلَیْنَا (ابو داؤد)

اے اللہ خیر اور بھلائی پر ہمارے دلوں کو جوڑ دے اور ہمارے باہمی تعلقات کو درست کر دے اور ہمیں سلامتی کی راہوں پر چلا اور ہمیں اندھیروں سے نکال کے روشنی کی فضا میں لا اور ظاہر و باطن کی ساری گندگیوں سے ہمیں بچا اور دور رکھ اور ہمارے کانوں ہماری آنکھوں اور ہماری بیویوں اور ہماری نسل میں برکت دے اور ہم پر عنایت فرما تو بڑا عنایت فرمانے والا اور مہربان اور ہمیں تو اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا اور شایانِ شان طریقے پر ان کا استقبال کرنے والا بنا اور نعمتوں کا ہم پر اتمام فرما یعنی اپنی نعمتیں بھرپور عطا فرما۔

نماز کے بعد کی دعا

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ اَنَا شَھِیْدٌ اَنَّکَ اَنْتَ الرَّبُّ وَحْدَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ اَنَا شَھِیْدٌ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ اَنَا شَھِیْدٌ اَنَّ الْعِبَادَ کُلُّھُمْ اِخْوَۃٌ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَیْءٍ اِجْعَلْنِیْ مُخْلَصًا لَکَ وَاَھْلِیْ فِیْ کُلِّ سَاعَۃٍ مِنَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ یَاذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اِسْمَعْ وَاسْتَجِبْ اَللّٰہُ اَکْبَرُ الْاَکْبَرُ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ الْاَکْبَرُ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ الْاَکْبَرُ (ابو داؤد)

اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف تو ہی اکیلا تو ہی اور پروردگار ہے تیرا کوئی شریک نہیں اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار اور ہر چیز کے پروردگار میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ محمد تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے اے میرے اللہ! اے میرے پروردگار اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ تیرے سارے بندے بھائی بھائی ہیں۔ اے میرے اللہ اے ہمارے پروردگار اور ہر چیز کے پروردگار! مجھے اور میرے گھر والوں کو ہمیشہ کے لیے دنیا اور آخرت کی ایک ایک ساعت کے لیے اپنا مخلص اور وفادار بندہ بنا لے۔ اے ذوالجلال والاکرام! میری التماس میری دعا قبول فرمالے۔ اللہ ہی سب سے بڑا ہے وہی بزرگ و برتر ہے اللہ زمین و آسمان کا نور ہے اللہ ہی سب سے بڑا ہے وہی بزرگ و برتر ہے۔ میرے لیے میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا سہارا اور بھروسہ ہے اللہ ہی سب سے بڑا ہے وہی بزرگ ہے۔

فجر کی نماز کے بعد

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَّ عَمَلاً مُّتَقَبَّلاً وَرِزْقًا طَیِّبًا (جامع رزین)

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس علم کا جو نفع مند ہو اور ایسے اعمال کا جو تیری نگاہ میں قابل قبول ہوں اور تجھ سے سائل ہوں طیب روزی کا۔

نماز تہجد کے وقت دعا

نماز تہجد پر آپ کی ایک جامع دعا جو فصاحت و بلاغت کا ایک نمونہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِکَ تَهْدِیْ بِهَا قَلْبِیْ وَتَجْمَعُ بِهَا اَمْرِیْ وَتَلُمُّ بِهَا شَعْثِیْ وَتُصْلِحُ بِهَا غَائِبِیْ وَتَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِیْ وَتُزَکِّیْ بِهَا عَمَلِیْ وَتُلْهِمُنِیْ بِهَا رُشْدِیْ وَتَعْصِمُنِیْ بِهَا مِنْ کُلِّ سُوْءٍ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِیْ اِیْمَانًا وَّ یَقِیْنًا لَیْسَ بَعْدَهٗ کُفْرٌ وَّرَحْمَةً اَنَالُ بِهَا شَرَفَ کَرَامَتِکَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْفَوْزَ فِی الْقَضَاءِ نُزُلَ الشُّهَدَاءِ وَعَیْشَ السُّعَدَاءِ وَالنَّصْرَ عَلَی الْاَعْدَاءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُنْزِلُ بِکَ حَاجَتِیْ وَاِنْ قَصُرَ رَاْیِیْ وَضَعُفَ عَمَلِیْ اِفْتَقَرْتُ اِلٰی رَحْمَتِکَ فَاَسْئَلُکَ یَا قَاضِیَ الْاُمُوْرِ یَاشَافِیَ الصُّدُوْرِ کَمَا تُجِیْرُ بَیْنَ الْبحور اَنْ تُجِیْرَنِیْ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ مِنْ دَعْوَةِ الثُّبُوْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقُبُوْرِ اَللّٰهُمَّ مَاقَصُرَ عَنْهُ رَاْیِیْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ نِیَّتِیْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْأَلَتِیْ مِنْ خَیْرٍ وَعَدْتَّهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِکَ اَوْخَیْرٍ اَنْتَ مُعْطِیْهِ اَحَدًا مِنْ عِبَادِکَ فَاِنِّیْ اَرْغَبُ اِلَیْکَ فِیْهِ وَاَسْاَلُکَهٗ بِرَحْمَتِکَ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ اَللّٰهُمَّ ذَاالْحَبْلِ الشَّدِیْدِ وَالْاَمْرِ الرَّشِیْدِ اَسْئَلُکَ الْاَمْنَ یَوْمَ الْوَعِیْدِ وَالْجَنَّةَ یَوْمَ الْخُلُوْدِ مَعَ الْمُقَرَّبِیْنَ الشُّهُوْدِ الرُّکَّعِ السُّجُوْدِ الْمُوْفِیْنَ بِالْعُهُوْدِ اِنَّکَ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ وَاِنَّکَ تَفْعَلُ مَاتُرِیْدُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَا دِیْنَ مُهْتَدِیْنَ غَیْرَ ضَآلِّیْنَ وَلَا مُضِلِّیْنَ سِلْمًا لِاَوْلِیَائِکَ وَعَدُوًّا لِاَعْدَائِکَ نُحِبُّ بِحُبِّکَ مَنْ اَحَبَّکَ وَنُعَادِیْ بِعَدَا وَتِکَ مَنْ خَالَفَکَ اَللّٰهُمَّ هٰذَا الدُّعَاءُ وَعَلَیْکَ الْاِجَابَةُ وَهٰذَا الجهد وَعَلَیْکَ التُّکْلَانُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِیْ نُوْرًا فِیْ قَلْبِیْ وَنُوْرًا فِیْ قَبْرِیْ وَنُوْرًا مِنْ بَیْنَ یَدَیَّ وَنُوْرًا مِنْ خَلْفِیْ وَنُوْرًا فِیْ قَبْرِیْ وَنُوْرًا مِنْ بَیْنَ یَدَیَّ وَنُوْرًا مِنْ خَلْفِیْ وَنُوْرًا عَنْ یَمِیْنِیْ وَنُوْرًا عَنْ شِمَالِیْ وَنُوْرًا مِنْ فَوقِیْ وَنُوْرًا مِنْ تَحْتِیْ وَنُوْرًا فِیْ سَمْعِیْ وَنُوْرًا فِیْ بَصَرِیْ وَنُوْرًا فِیْ شَعْرِیْ وَنُوْرًا فِیْ بَشَرِیْ وَنُوْرًا فِیْ لَحْمِیْ وَنُوْرًا فِیْ دَمِیْ وَنُوْرًا فِیْ عِظَامِیْ اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَاَعْطِنِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِیْ نُوْرًا سُبْحَانَ الَّذِیْ تَعَطَّفَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِیْ لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَکَرَّمَ سُبْحَانَ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ (ترمذی)

اے اللہ! میں تجھ سے دعا اور التجا کرتا ہوں۔ تو محض اپنے فضل و کرم سے مجھ پر ایسی وسیع اور ہمہ گیر رحمت فرما جس سے میرا قلب تیری ہدایت سے بہرہ یاب ہو اور اپنے سارے معاملات میں مجھے تیری اس رحمت سے جمعیت نصیب ہو اور میری ظاہری و باطنی پراگندگی اور ابتری دور ہو اور مجھ سے تعلق رکھنے والی جو چیزیں میرے پاس نہیں دور اور غائب ہیں تیری رحمت سے ان کو صلاح و فلاح حاصل ہو اور جو میرے پاس حاضر و موجود ہیں ان کو تیری رحمت سے رفعت اور قدر افزائی نصیب ہو اور خود میرے اعمال کا تیری اس رحمت سے تزکیہ ہو اور تیری طرف سے میرے قلب میں وہی ڈالا جائے جو میرے لیے صحیح اور مناسب ہو اور جس چیز سے مجھے رغبت اور الفت ہو وہ مجھے تیری اس رحمت سے عطا ہو اور جو ہر برائی سے تو میری حفاظت فرما۔

اے میرے اللہ! میرے دل کو وہ ایمان و یقین عطا فرما جس کے بعد کسی درجہ کا بھی کفر اور مجھے اپنی اس رحمت سے نواز جس کے طفیل دنیا اور آخرت میں مجھے عزت و شرف کا مقام حاصل ہو۔

اے اللہ! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں۔ قضا و قدر کے فیصلوں میں کامیابی کی اور تجھ سے مانگتا ہوں۔ تیرے شہید بندوں والا اعزاز اور تیرے نیک بخت بندوں والی زندگی اور دشمنوں کے مقابلے میں تیری حمایت اور مدد۔

اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنی حاجتیں لے کر حاضر ہوا ہوں۔ اگرچہ میری عقل ورائے کوتاہ اور میرا عمل اور جدوجہد ضعیف ہے۔ اے رحیم و کریم! میں تیری رحمت کا محتاج ہوں۔ پس اے سارے امور کا فیصلہ فرمانے والے اور قلوب کے روگ دور کر کے ان کو شفا بخشنے والے مالک و مولا! جس طرح تو اپنی قدرت کاملہ سے سمندروں کو ایک دوسرے سے جدا رکھتا ہے۔ اسی طرح تو مجھے آتش دوزخ سے اس عذاب سے جدا اور دور رکھ جس کو دیکھ کے آدمی موت کی دعا مانگے گا اور اسی طرح مجھے عذاب قبر سے بچا۔

اے میرے اللہ! تو نے جس خیر اور نعمت کا اپنے کسی بندے کے لیے وعدہ فرمایا ہو یا جو چیز اور نعمت تو کسی کو بغیر وعدے کے عطا فرمائے اور میری عقل ورائے اس کے شعور اور اس کی طلب سے قاصر رہی ہو اور میری نیت اس تک نہ پہنچی اور

میں نے تجھ سے اس کی استدعا بھی نہ کی ہو۔ تو اے میرے اللہ! تیری رحمت سے میں اس کی بھی تجھ سے التجا کرتا ہوں اور تیرے کرم کے بھروسے اس کا بھی طالب اور شائق ہوں۔ تو اپنے رحم و کرم سے وہ خیر و نعمت بھی مجھے عطا فرما۔
اے میرے اللہ! جس کا رشتہ مضبوط و محکم ہے اور جس کا ہر حکم اور کام صحیح اور درست ہے میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ یوم الوعید یعنی قیامت کے دن مجھے امن چین عطا فرما اور ''یوم الخلود'' یعنی آخرت میں میرے لیے جنت کا فیصلہ فرما۔ اپنے ان بندوں کے ساتھ جو تیرے مقرب اور تیری بارگاہ کے حاضر باش ہیں اور رکوع و سجود یعنی نماز و عبادت میں مشغول رہنا جن کا وظیفہ حیات ہے اور وفائے عہد جن کی خاص صفت ہے۔
اے میرے اللہ! تو بڑا مہربان اور بڑی عنایت و محبت فرمانے والا ہے اور فعال لِمَا یُرِید تیری شان ہے اے اللہ! ہمیں ایسا کر دے کہ ہم دوسروں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنیں اور خود ہدایت یاب ہوں۔ نہ خود گمراہ ہوں اور نہ دوسروں کے لیے گمراہ کن۔ تیرے دوستوں سے ہماری صلح ہو۔ تیرے دشمنوں کے ہم دشمن ہوں۔ جو کوئی تجھ سے محبت رکھے ہم تیری اس محبت کی وجہ سے اس سے محبت کریں۔ وہ جو تیرے خلاف چلے اور عداوت کی راہ اختیار کرے تیری عداوت کی وجہ سے ہم بھی اس سے عداوت اور بغض رکھیں۔
اے اللہ! یہ میری دعا ہے اور قبول فرمانا تیرے ذمہ ہے اور یہ میری حقیر کوشش ہے اور اعتماد و بھروسہ اپنی کوشش اور دعا پر نہیں بلکہ تیرے کرم پر ہے۔
اے اللہ! میرے قلب میں نور پیدا فرما اور میری قبر کو نورانی کر دے اور منور کر دے میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں اور میرے اوپر اور میرے نیچے اور اے اللہ! نور پیدا فرما میری شنوائی اور بینائی میں اور میرے بال بال اور روئیں روئیں میں اور میرے گوشت و پوست میں اور میری رگوں میں دوڑنے والے خون میں اور میری ہڈیوں میں۔ اے اللہ! میرے نور کو بڑھا اور مجھے نور عطا فرما اور نور کو میرا اور میرے ساتھ کر دے۔
پاک ہے وہ پروردگار جس نے عزت و جلال کی چادر اوڑھ لی ہے اور مجد و کرم اس کا لباس و شعار ہے۔ پاک ہے وہ رب قدوس جس کے سوا کسی کو تسبیح سزاوار نہیں پاک ہے بندوں پر فضل و انعم فرمانے والا' پاک ہے جس کی خاص صفت عظمت و کرم ہے پاک ہے رب ذوالجلال والاکرام۔
دعاؤں کے الفاظ اور معانی پر غور کریں۔ فصاحت و بلاغت کے تمام اصول سامنے رکھیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ آپ کی دعاؤں کے الفاظ اور معانی فصاحت و بلاغت کے تمام اصولوں پر پورے اترتے ہیں۔

فصحا و بلغاء کا اقرار اور داد

حضرت ابوبکر فرماتے ہیں۔ **لقد طفت فی العرب و سمعت فصحاء هم فما سمعت افصح منک فمن ادبک؟ قال ادبنی ربی فاحسن تادیبی** (ادب العربی ۱/۴۴) میں عرب میں بہت گھوما پھرا ہو۔ بہت فصحا و بلغاء کا کلام سنا ہے آپ سے زیادہ فصیح اللسان کوئی نہیں دیکھا آپ کو کس نے ادب سکھایا آپ نے فرمایا مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور خوب سکھایا۔
ام معبد آپ کا حلیہ مبارک بیان کرتے آپ کی فصاحت و بلاغت کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں۔
حلو المنطق فصل لانزر ولاهذر كأن منطقه خزرات نظمن وكان جهير الصوت حسن النغمة.
آپ شیریں گفتار تھے آپ کی باتیں نمایاں طور پر واضح ہوتی تھیں۔ نہ تو آپ کا اندازہ گفتگو معمولی اور کم درجے کا تھا نہ آپ کی گفتار ضرورت سے زیادہ طویل ہوتی تھی۔ گفتار کیا تھی موتی تھے۔ جو پروئے گئے ہوں آپ بلند آواز بھی تھے آپ کی لے میں خوبصورت نغمگی بھی ہوتی تھی۔
جاحظ آپ کی بلاغت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔
لم ينطق الا عن ميراث حكمة ولم يتكلم الا بكلام قدحف بالعصمة يذ الخطب الطوال بالكلام القصير

ولایلتمس اسکات الخصم الا بما یعرفه الخصم ولا یحتج الا بالصدق ولا یطلب الفلح الا بالحق ولا یستعین بالخلابة ولا یستعمل المواد به ثم لم یسمع الناس بکلام قط اعم نفعا ولا اصدق لفظاً ولا اعدل وزناً ولا اجمل مذهباً ولا اکرم مطلباً ولا احسن موقعا ولا اسهل مخرجاولا افصح عن معناه ولا ابین فی فحواه من کلامه. (البیان ۳.۱۴.۱۵)

آپ صرف حکیمانہ گفتگو فرماتے اور معصوم کلام فرماتے طویل بات کو مختصر الفاظ میں ادا فرماتے۔ مقابل کو صرف ایسی دلیل سے خاموش کراتے جس سے وہ آگاہ ہو اور گفتگو میں حق کے ذریعہ دوسرے پر غلبہ حاصل کرتے۔ کسی کو دھوکہ نہ دیتے کسی کو شک میں نہ ڈالتے لوگوں نے آپ کے کلام میں سے زیادہ نفع بخش لفظوں کے اعتبار سے سچا وزن کے اعتبار سے قابل اعتماد جمیل المذہب عمدہ مطلب والا موقع کے اعتبار سے حسین مخرج کے لحاظ سے آسان اور معنی کے لحاظ سے فصیح اور مقصود کے اعتبار سے واضح نہیں سنا۔

شمائل ترمذی میں آپ کے کلام کی فصاحت و بلاغت کے متعلق ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ''آپ کا انداز اس قدر واضح اور دلنشین ہوتا تھا کہ سامعین کے لیے کوئی ابہام یا تشنگی باقی نہیں رہتی تھی۔ آپ کے کلام و خطبات کا اسلوب تکلف سے پاک اور نہایت سلیس مگر ساتھ ہی پُر کشش اور اثر انگیز بھی ہوتا تھا۔ موقع اور مقتضی حال کی مناسبت سے آپ کے اسلوب میں تنوع اور تغیر کی صورتیں معمول کی بات تھی۔ اس لیے آپ جہاں یہ فرمایا کرتے تھے کہ انزلوا الناس منازلهم وہاں یہ بھی ارشاد ہوتا تھا کہ کلموا الناس علی قدر عقولهم (کہ لوگوں سے ان کی ذہنی سطح کو سامنے رکھ کر بات کیا کرو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرمایا کرتی تھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام لوگوں کی طرح جلدی جلدی باتیں نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کا انداز کلام بالکل واضح اور صاف ستھرا ہوتا تھا۔ حضرت نبوی میں بیٹھنے والے آپ کی ہر بات آسانی سے اچھی طرح سمجھ کر یاد کرلیا کرتے۔

اثر انگیزی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام میں ایک اعجازی اثر تھا۔ جب کوئی سنتا تو وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ ایک دفعہ آپ کا ایک دوست جھاڑ پھونک کرنے والا آپ کی خدمت میں بغرض علاج آیا اور علاج کے لیے کہا۔ آپ نے اس کے سامنے مختصر سی تقریر کی۔ اس نے کہا محمدؐ! اس کو پھر دہرانا۔ غرض آپ نے کئی بار تقریر دہرائی۔ آخر اس نے کہا۔

لَقَدْ سَمِعْتَ قَوْلَ الکهنة وَقَوْلَ السَّحَرَةِ وَقَوْلَ الشعراء و فما سَمِعْتُ مِثْلَ کَلْمَاتِکَ (سیرۃ النبی ۲/۲۴۶)

میں نے کاہنوں جادوگروں اور شعراء کے قول سنے ہیں لیکن یہ تو کوئی اور ہی چیز ہے۔

ایک صحابی فرماتے ہیں۔

وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ یَوْمًا بَعْدَ صَلٰوةِ الغداة مَوعِظَةً بَلِیْغَةً ذَرِفَتْ مِنْهَا الْعُیُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهُ الْقُلُوْب (ترمذی کتاب العلم)

صبح کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن ایسا موثر وعظ کیا کہ آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور دل خوف سے بھر گئے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر نے ایک اور وعظ کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ خَطِیْبًا فَذَکَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ الَّتِی یَفْتَتِنُ بِهَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَکَرَ ذٰلِکَ ضَجَّ الْمُسْلِمُوْنَ ضَجَّةً (بخاری کتاب ...... باب ماجاء فی عذاب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اس میں فتنہ قبر کو بیان کیا جس میں انسان کی آزمائش کی جائے گی جب بیان کیا تو مسلمان چیخ اٹھے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک انقلابی قائد کے

دنیا انقلابات کی آماجگاہ ہے۔ ابتدائے آفرینش سے مختلف معاشروں میں انقلابات آئے۔ مستقبل میں بھی انقلابات آتے رہیں گے۔ انقلابات میں ہی قوت خیر اور قوت شر متصادم ہوتی ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قوت خیر ہی غالب آتی ہے۔ معاشرہ میں سب سے پہلے انقلاب حضرت آدم علیہ السلام نے برپا کیا اور باطل قوتوں نے اس انقلاب کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ آخرکار حضرت آدم علیہ السلام اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ بعدازاں مسلسل معاشرتی زندگی کو سنوارنے اور بہتر بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام بھیجے۔ جنھوں نے اپنے اپنے دور کی معاشرتی اخلاقی اور روحانی برائیوں کو دور کرنے کی سعی تمام کی۔ حضرت نوح حضرت شعیب، حضرت لوط، حضرت ادریس، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام یہ وہ تاریخی ہستیاں ہیں جنھوں نے فلاح انسانیت کے لیے پوری پوری کوشش کی۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے انقلاب کی بنیاد ہی فلاح انسانیت ہوتا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بھی بادشاہ، جرنیل اور حکماء وغیرہ ہو گزرے ہیں جنھوں نے انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی لیکن ان کے انقلابات کا محور ذاتی مفاد ہوتا تھا۔ عوامی فلاح مدنظر نہیں ہوگی یہ بھی اگر حکماء نے کوشش کی ہے وہ نامساعد حالات کی وجہ سے ناکام رہے اور باطل قوتیں غالب آ گئیں۔ مجھے یہاں ماضی کے بادشاہوں، جرنیلوں اور حکماء کے انقلابات کو زیر بحث لانا مقصود نہیں مجھے صرف مذکورہ عنوان کے تحت اس انقلاب کا ذکر کرنا ہے جو آج سے چودہ سو سال قبل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت عرب میں برپا ہوا۔ حقیقت میں یہی وہ انقلاب عظیم ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی تھا۔ پھر رہتی دنیا تک اس کے اثرات قائم و دائم رہیں گے۔ ہر انقلابی قائد شعوری اور غیر شعوری طور پر اس انقلاب کا خوشہ چین بھی ہوگا اور وہی قائد کامیابی سے ہمکنار ہوگا، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل پیرا ہوگا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برپا کردہ انقلاب کو بخوبی سمجھنے کے لیے دنیا اور عرب کی روحانی، معاشرتی، سیاسی، اخلاقی اور اقتصادی حالت کا جاننا ضروری ہے۔

عرب کی حالت کا اجمالی خاکہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل اہل عرب شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔ ہر قبیلے کا اپنا اپنا بت تھا۔ بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت تھے بتوں کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ ہر قسم کی حاجت روائی کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مختلف کاموں کی انجام دہی مختلف بتوں کے سپرد کر رکھی ہے جیسا کہ جب ابوجہل مسلمانوں سے پہلی لڑائی لڑنے کے لیے نکلا تو کعبہ گیا اور بتوں سے فتح کی دعا مانگی ان کا عقیدہ تھا کہ ان کی عبادت سے خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر ۳۹:۳) ہم ان بتوں کی صرف اس وجہ سے عبادت کرتے ہیں کہ ہمیں خدا کے قریب کر دیں۔ بتوں کے علاوہ سورج، چاند، ستارے اور کائنات کی دوسری اشیاء کی عبادت کا رواج تھا۔

جب خدا کی ہستی کا تصور ہی معدوم ہو چکا تھا تو اخلاق کے زیور سے کب آراستہ رہ سکتے تھے کوئی ایسی برائی نہ تھی جو عربوں میں پائی نہ جاتی ہو۔ قتل و غارت غصب ونہب زنا، قمار بازی، بادہ نوشی، چوری چکاری، ڈاکے، جیسے اخلاق سیئہ ان کی گھٹی میں رچ بس گئے تھے۔ سب سے بڑا گناہ جو عرب میں پایا جاتا تھا وہ تھا بچیوں کو زندہ درگور کرنا۔ غلامی کا عام رواج تھا۔ عورتوں کو ایک ذلیل مخلوق سمجھا جاتا تھا۔

دنیا کی حالت کا اجمالی خاکہ

جب دنیا کے ممالک کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو وہاں بھی شرک بری طرح رائج تھا۔ عرب کے مشرق میں ایک طرف ہندوستان ہے جس میں توہمات کے ایسے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے کہ مرد کی شرم گاہ جسے لنگ کہتے ہیں اور عورت کی شرم گاہ جسے بھگ کہتے ہیں پوجی جاتی تھی۔ دوسری طرف ایران ہے جس میں آگ کی پرستش، سیاروں کی معبودیت اور نور وظلمت دو خداؤں کی سلطنت کا اعتقاد تھا۔ شمال و مغرب اور عین وسط میں عیسائیت تثلیث پر ایمان رکھتی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کو خدائی درجہ دے رکھا تھا۔ یہود نے عزیرؑ کو خدا کا بیٹا بنا رکھا تھا۔ توحید کا چراغ جو مختلف انبیاء علیہم السلام نے مختلف ادوار میں روشن کیا تھا گل ہو چکا تھا۔ لوگوں کے عقول وقلوب سے جان، مال اور آبرو کا احترام مٹ چکا تھا۔ غلامی کا عام رواج تھا۔ معاشرہ طبقات میں منقسم تھا ہر سو اجتماعی بے نظمی، انتشار، اخلاقی تنزل اور دینی غفلت چھائی ہوئی تھی۔ تمام ممالک تنزل اور انحطاط اور شر وفساد میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے تھے۔ غرض کہ ظہور اسلام سے قبل چھٹی صدی مسیحی بلا اختلاف انسانی تاریخ کا تاریک دور تھا۔

انقلاب عظیم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان حالات میں کھڑے ہوئے تھے اور کہا مجھے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ تمام عرب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن بن گیا۔ ہر قسم کی اذیت سے دوچار کیا تین سال کے لیے شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔ بچے بھوک پیاس سے بلبلاتے تھے۔ دشمن خوراک کا ایک دانہ بھی گھاٹی کے اندر جانے نہیں دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو بھی ہر قسم کی تکالیف اور مصائب کی بھٹی سے گزرنا پڑا۔ یہاں تک نبوت کے پانچویں سال کچھ ماننے والے حبشہ ہجرت کر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغام حق پہنچانے کے لیے طائف کا سفر اختیار کرتے ہیں شائد وہاں سے سعید روحیں مل جائیں اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں انھوں نے اہل مکہ سے بھی بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توہین آمیز سلوک کیا۔ روساء نے بدمعاشوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے لگا دیا۔ انھوں نے پتھر مار مار کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پنڈلیوں کو لہولہان کر دیا۔ پھر مکہ کی طرف رجوع کیا۔ وہی مصائب وہی تکالیف وہی جور وستم۔ ان وحشت ناک حالات میں انسانی فلاح کا پیغام حق لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ اسی اثناء میں مدینہ کی چند سعید روحیں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یثرب کو اپنے لیے امن کا شہر سمجھ کر اپنے پیروکاروں کو یثرب ہجرت کرنے کی اجازت دی۔ آخر کار ایک وہ وقت آ گیا کہ اہل مکہ نے ہر روز کی مصیبت سے نجات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل میں دیکھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ علیم و خبیر ہستی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دے دی۔ اپنے جان نثار بہادر اور وفادار چچیرے بھائی حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر لٹا کر رات کی تاریکی میں محاصرہ کرنے والوں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر گھر سے نکلے۔ اپنے دوسرے باصفا، باوفا جان نثار مرید حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئے۔ رخت سفر باندھ کر غار ثور میں پناہ گزین ہو گئے۔ کفار مکہ نے جب صبح دیکھا کہ ان کا شکار ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ انعام مقرر کر کے چاروں طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندہ پکڑنے کے لیے لوگوں کو دوڑا دیا۔ دشمن غار ثور کے منہ تک بھی پہنچ جاتا ہے لیکن فرشتوں کے پہرہ میں محصور مقدس ہستی نے اپنے مرید حضرت ابوبکر کو ان الفاظ میں تسلی دی۔ لاتحزن ان اللہ معنا۔ تین دن غار ثور میں قیام کے بعد عازم مدینہ ہوئے۔ مدینہ میں انصار اور مہاجرین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے لیے نکل آئے۔ چھوٹے بچے بچیاں دف بجا بجا کر اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کر رہی ہیں۔ جب دشمن نے یہ دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے پیروکار مدینہ میں امن کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک چھوٹی سی مدنی ریاست بھی قائم ہو گئی ہے تو کفار مکہ اور تمام دشمن قبائل نے مدنی ریاست کو ختم کرنے اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے جنگوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ تھے وہ تاریک حالات جن میں فلاح انسانیت کا عظیم انقلاب رونما ہوا۔ وہی شخص دشمنوں کے نرغہ سے فرشتوں کے حصار میں بچ نکلنے والا ہجرت کے آٹھ سال بعد دس ہزار قدسیوں کے جلو میں مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوا۔ تمام دشمن سامنے کھڑے ہیں اور لاتثریب علیکم الیوم کہہ کر عام معافی کا اعلان کر دیا۔ وہی بظاہر کمزور اور ناتواں اور بے بس شخصیت تمام عرب پر غالب آ گئی لوگ جوق در جوق

دین الہی میں داخل ہونے لگے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا جب اللہ کی مدد پہنچی اور فتح اور تو نے لوگوں کو دین میں فوج درفوج داخل ہوتے دیکھ لیا۔

وہی منتشر قوم جو بیرونی دنیا میں ذلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اور حکمرانی کے آداب سے ناآشنا تھی۔ وہی قوم قیصر وکسریٰ کے تختوں کی وارث بنی معمورہ ارض کا ربع ان کے قدموں کے نیچے تھا جس طرف رخ کرتے فتح ان کے قدم چومتی۔

انہی مشرک اور گناہوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کی اب یہ حالت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے یہی بگڑے ہوئے عرب پہلے باادب پھر بااخلاق ہوئے پھر باخدا، ان کے دل خدا کے نور سے منور ہو گئے۔ سینے خدا کی رضا کے لیے کھل گئے۔ وہی عرب جو گناہوں میں لذت محسوس کرتے تھے اب وہی عرب برائیوں سے نفرت کرنے لگے۔ خدا کی عبادت میں لذت اور سرور پانے لگے ہردم خدا کی یاد میں رہتے دنیا میں رہتے ہوئے انقطاع عن الدنیا تھے۔ ہرلحہ دل و دماغ متوجہ الی اللہ تھا۔ اس روحانی قرب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کی نعمت سے متمتع ہوتے تھے۔ یہ تھا وہ روحانی انقلاب جو آپ کی پیروی سے رونما ہوا آج تک نہ زمین نے اس قسم کا انقلاب دیکھا اور نہ دیکھے گی اور نہ کبھی نگاہ فلک نے دیکھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا برپا کردہ عظیم انقلاب زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی تھا۔ وہ عرب جن کے دل قبائلی تعصب سے بھرے ہوئے تھے۔ معمولی معمولی بات پر علم حرب بلند کر دیتے تھے اور کئی کئی سال تک لڑائی کی آگ جلتی رہتی اور انسانی جانیں تلف ہوتی رہتیں۔ رات دن غصب ونہب ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ وہی لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت قدسیہ کی بدولت اخوت کی لڑی میں منسلک ہو گئے۔ قبائلی تعصب کو خیرباد کہا۔ حلال روزی کو شیوہ بنایا۔ انفاق فی سبیل اللہ لازمی قرار دیا۔ قانون کا جوا اپنی گردنوں پر رکھ لیا۔ اگر کسی سے کوئی قانون شکنی ہوتی تو وہ دوڑ کر خود حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اپنی قانون شکنی کا اظہار کرتا اور تقاضا کرتا قانون شکنی کی سزا دی جائے۔ اس طرح وہ منتشر اور قبائل میں بٹے ہوئے لوگ ایک سیسہ پلائی ہوئی قوم بن گئے۔ کارلائل اسی انقلاب کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

عربوں کے لیے یہ انقلاب ایک نئی زندگی تھی جو انھیں تاریکی سے نور کی طرف لے آئی۔ عرب اس کے ذریعے پہلی دفعہ زندہ ہوا۔ ایک ایسی قوم جو ابتدائے آفرینش سے گمنامی کے عالم میں ریوڑ چراتی پھرتی تھی ان کی طرف ایک پیغامبر آیا جو اپنے ساتھ ایک ایسا پیغام لایا جس پر قوم ایمان لے آئی...... وہ دیکھو! وہی گمنام چرواہے دنیا کی ممتاز ترین قوم بن گئے وہ حقیر قوم ایک عظیم ملت میں تبدیل ہو گئی۔ اور اگر مغرب میں غرناطہ تک عربوں کا سکہ رواں ہو گیا تو مشرق میں دہلی تک انہی کے نام کا سکہ چلنے لگا اور جرأت و اولوالعزمی سے متصف ہو کر ملک عرب کے لوگ صدیوں تک دنیا کے ایک بڑے حصہ پر چمکتے رہے۔ (Heroes and Heroworship)

سید امیر علی صاحب نے سپرٹ آف اسلام میں اس انقلاب کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

فی الجملہ اذّل مخلوقات اور گناہیں ڈوبی ہوئی قوم سید الاتقیاء ہوگئی۔ بدمعاشان زمانہ نوامیس الٰہی کے پاسبان بن گئے اور جماعتی قوانین کا احترام کرنے لگے جن لوگوں کے افعال کا محرک محض یہ دنیائے تھی اب ان کے سامنے حیات بعدالممات کا نقشہ ہردم رہنے لگا اور وہ کسی اعلیٰ، اشرف اور روحانی زندگی کے منتظر ہو گئے۔ جن کے حصول کے لیے ان سے افعال حسنہ سرزد ہونے لگے۔ مقام غور ہے کہ کس قدر زبردست انقلاب چند سالوں میں پیدا ہو گیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا فرشتہ رحمت ان لوگوں کے دلوں میں پاکیزگی کی روح پھونک گیا جو چند سال سے سراپا وحشت اور جہالت تھے۔ وہ ملک جو چند سال پہلے اخلاق کے لحاظ سے صحرا تھا۔ جہاں تمام قوانین دینی اور اخلاقی نہایت بیدردی کے ساتھ پامال ہو رہے تھے۔ اب ایک گلزار بن گیا۔ (اسپرٹ آف اسلام)

کیا یہ انقلاب اب تک دنیا میں ظاہر ہوا۔ عیسائی مذہب کا رب اور ان کا خدا کیا نظیر ہو سکتا ہے بقول عیسائیوں کے قوم سے مارا پیٹا گیا۔ موسیٰ ایک نظیر ہو سکتا ہے جس نے خود بھی وہ ملک نہ دیکھا۔ جس کی امید پر مصر سے قوم لے کر چلا تھا۔ وید کے ماننے والے کیا دکھائیں گے جن کے مقدس مکان دوسروں کے قبضے میں نظر آتے ہیں زرتشی کیا نظیر دکھائیں گے جن کو اپنے ملک میں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملی۔ اس طرح

حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب کے ساتھ خدائی وعدہ کنعان کی ابدی وراثت کی بابت اور پارسیوں کے ہادیوں کی الہامی دعائیں بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں کیا دنیا میں کوئی بھی مصلح اور نبی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا گزرا ہے جس نے اپنے مولا اور مسکن میں نہایت ہی بے بسی میں زندگی گزاری ہو۔ پھر جان بچا کر ہجرت کی ہو، ہجرت کے بعد بھی دشمنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تباہ و برباد کرنے کا عزم کر رکھا ہو۔ آخرکار دشمن پردہ فنا میں چلے گئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامیابی کے آسمان پر نیر تاباں بن کر چمکنے لگے۔ یہ ہے وہ انقلاب عظیم جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

انقلاب کا طریق کار (اسباب)

انقلاب کے طریقہ کار سے مراد یہ ہے کہ وہ منصوبہ بندی۔ جس پر کاربند ہو کر مطلوبہ نتائج حاصل کیے جاسکیں۔

ا۔ کردار

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک باکردار داعی انقلاب تھے۔ بچپن سے لے کر وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار پر ذرا سا معمولی بھی داغ نظر نہیں آتا۔ جوانی میں اپنی قوم سے صادق اور امین کا لقب پایا۔ جب قریش نے کعبہ کی عمارت گرا کر از سرنو تعمیر کر لیا اور حجر اسود کے رکھنے کا وقت آیا تو آپس میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا کہ کون سا قبیلہ حجر اسود کو اس کی جگہ رکھے۔ تمام اس شرف کو حاصل کرنے کے لیے بے تاب تھے۔ آخرکار قبائل کی تلواریں میانوں سے باہر آ گئیں ابوامیہ بن مغیرہ نے یہ رائے دی کہ کل سویرے جو شخص کعبہ میں پہلے داخل ہو۔ وہی اس جھگڑے کے فیصلہ کا حکم مقرر کر دیا جائے۔ تمام قبائل اس بات پر متفق ہو گئے۔ تمام لوگوں نے رات بے تابی سے گزاری کہ دیکھئے صبح کون خوش قسمت سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہوتا ہے۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی تمام قبائل کے معزز سردار موقع پر پہنچ گئے۔ حکمت الٰہی سے بیت اللہ میں سب سے پہلے داخل ہونے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ سب لوگ بیک زبان پکار اٹھے ''ھذا الامین'' یہ امین آ گیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار پر اہل مکہ کے روساء کا اتفاق اور اجماع ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایمانداری اور دیانت داری کی وجہ سے صاحب ثروت لوگ منافع کی شرکت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرمایہ دیتے تھے اور حضرت خدیجہؓ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک کردار کی وجہ سے شراکت پر سرمایہ دیا تھا اور بلند کردار سے متاثر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کی تھی۔ پھر شادی کے بعد جوانی میں ہی یاد الٰہی کے لیے غار حرا کا انتخاب کیا۔ جہاں دن رات یاد الٰہی میں مشغول رہتے۔ جب اللہ تعالیٰ نے غار حراء میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منصب نبوت پر سرفراز کیا۔ گھر تشریف لائے۔ حضرت خدیجہؓ سے اس کا ذکر کیا اور فرمایا۔ خَشِيتُ عَلٰى نفسي تو واقف حال بیوی نے ان الفاظ میں تسلی دی۔ كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ تَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ (بخاری بدء الوحی 1/1) ہرگز نہیں! خدا کی قسم اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ناداروں کی خبرگیری کرتے ہیں کمزوروں کو کھانا کھلاتے ہیں اور مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردار پر اس عورت کی شہادت ہے۔ پہلے وہ آپ کے کردار کی وجہ سے اپنی تجارت میں شریک کرتی ہیں۔ کردار کی وجہ سے شادی کرتی ہیں۔ پھر شادی کے بعد آپ کے کردار کا قریب سے مطالعہ کرتی ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منصب نبوت پر سرفراز کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چال چلن کی عمدگی کی شہادت دیتی ہیں۔ حضرت ابوبکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت قریبی دوستوں میں سے تھے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے سچا ہونے کی کوئی دلیل نہیں مانگی۔ صرف اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صادق اور امین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خدا پر افتراء اور کذب کی امید ہی نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ کے لیے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو بلایا جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک

جرار لشکر آ رہا ہے تو یقین کر لو گے؟ سب نے بیک زبان ہو کر کہا ہاں کیونکہ آپ ہمیشہ جادہ راست پر گامزن رہے ہیں اور ہم سے امین کا لقب پایا ہے ہم کیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو جھٹلا سکتے ہیں۔ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند کردار کی شہادت ہے۔

ایک مرتبہ عمائدین قریش سرگرم گفتگو تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پر ایک تجرکار شخص حارث نے کہا ُاے قریش! تم لوگ ابھی تک اس مشکل کو نہیں ٹال سکے۔ جو تم لوگوں پر آنی ہوتی ہے آخر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمھارے سامنے بچہ سے جوان ہوئے اور تم خوب جانتے ہو کہ انھوں نے تمام عمر کذب بیانی سے کام نہیں لیا بلکہ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ ایمان دار، صادق اور ہر دلعزیز قرار دیئے گئے تو جب وہ بوڑھے ہوئے ہیں تو تم ان کے دعاوی پر پاگل اور جادوگر، کاہن اور شاعر کہتے ہو۔ خدا کی قسم! میں نے کئی مرتبہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تقریر کرتے ہوئے سنا وہ نہ شاعر ہے نہ پاگل نہ جادوگر نہ کاہن مجھے یقین ہے کہ اس کے انکارِ حق کی پاداش میں تم پر ضرور کوئی نہ کوئی آفت نازل ہوگی۔

ابوجہل جیسا مخالف دشمن بھی یہ کہا کرتا تھا ''کہ محمد! میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ تم کاذب ہو مگر جو کچھ لوگوں کو تلقین کرتے ہو وہ ضرور غلط ہے۔''

یہ ایک تاریخی مسلمہ حقیقت ہے کہ بعثت سے قبل رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک باکردار، صادق اور امین تھے۔ جب دعویٰ نبوت کیا دورِ مظلومیت شروع ہو گیا اس دور میں بھی صاحب کردار رہے۔ جب ہجرت کر کے مدینہ میں آتے ہیں تو لڑائیوں میں مثالی کردار پیش کیا۔ انسان اس وقت کڑی آزمائش میں سے گزرتا ہے جب غربت سے امارت کے دور میں داخل ہوتا ہے جب دورِ امارت میں آپ کے کردار کو دیکھا جائے تو ویسے ہی صاحب کردار نظر آتے ہیں جیسے دعویٰ نبوت سے قبل اور دورِ مظلومیت (مکی دور) میں نظر آتے تھے۔ کل جزیرۃ العرب آپ کے زیرِ نگین ہو گیا۔ مال و دولت سے لدے ہوئے اونٹ مدینہ آ رہے ہیں۔ دولت کی فراوانی ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہتے ہیں کہ ''انسان کو اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے صرف ان اشیاء کی ضرورت ہے۔ رہنے کے لیے مکان، تن ڈھانکنے کے لیے دو کپڑے کھانے کے لیے دو روٹیاں اور ایک پیالہ پانی یہ صرف آپ نے کہا ہی نہیں بلکہ عملی طور پر سچ کر دکھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس صاف لیکن سادہ۔ کھانا جو سامنے آتا تناول فرما لیتے۔ مکان سادگی کا نمونہ جس میں کوئی آرائشی سامان نہیں۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ کے گھر میں شریک طعام کے لیے گئے جب گھر میں داخل ہوئے تو در و دیوار پر پردے پڑے ہوئے دیکھے تو واپس ہو گئے جب حضرت علیؓ نے دریافت کیا تو فرمایا۔ ''جس گھر میں اس قدر آرائش ہو نبی کے لیے زیبا نہیں کہ اس میں داخل ہو جب دولت مدینہ آتی۔ مسجد میں رکھ دی جاتی۔ تقسیم کر کے ہی گھر جاتے۔ صرف اور صرف ضرورت کے مطابق بیویوں کے لیے نان ونفقہ لیتے۔ اس میں سے بھی حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتے۔ کئی کئی ماہ گھر میں چولہا نہیں جلتا۔ اپنے جوتے خود گانٹھ لیتے۔ کپڑوں میں پیوند لگا لیتے۔ بکریوں کا دودھ دوہ لیتے۔ بیویوں کے ساتھ گھر کے کام کاج میں شریک ہو جاتے غریبوں سے پیار کرتے۔ اپنے رشتے داروں اور اپنے گھر والوں سے ان کو اولیت دیتے۔ ان کی ضروریات پوری کرتے۔ کسی سائل کو رد نہ کرتے۔ اپنی ضرورت پر ان کی ضرورت کو ترجیح دیتے۔ ایک دفعہ مشربہ میں حضرت عمرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ایک قمیص زیب تن کیے ہوئے ہیں۔ چارپائی بغیر بستر کے ہے صرف ایک تکیہ سرہانے رکھا ہوا ہے۔ جس میں کھجور کے پتے ہیں ایک گوشہ میں تھوڑے سے جو رکھے ہوئے ہیں۔ دوسرے میں کھال پڑی ہوئی ہے اور دو تین مشکیزے لٹک رہے ہیں حضرت عمرؓ یہ حالت دیکھ کر آب دیدہ ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونے کا سبب دریافت کیا۔ کہا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد مبارک پر کھردری چارپائی کے بانوں کے نشان بنے ہوئے ہیں۔ آسائش کی کوئی چیز نظر نہیں آتی خسرو ایران اور قیصر روم تو عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں آپ برگزیدہ خدا ہو کر اس قدر تکلیف میں رہیں۔ فرمایا ''اے ابن خطاب کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ انھیں دنیا ملے اور مجھے آخرت۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سلطنت کے حاکم اعلیٰ بن گئے ہیں لیکن یادِ الٰہی میں پہلے سے بھی زیادہ مشغول۔ کوئی لمحہ یادِ الٰہی سے خالی نہیں۔ پانچوں وقت باجماعت نماز کی ادائیگی، شب جب لوگ آرام کی نیند سو رہے ہوتے تھے آپ آخری شب میں یادِ الٰہی کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پاؤں متورم ہو جاتے ہیں۔ اس خوش حالی کے دور میں بھی یادِ الٰہی میں مصروف ہیں۔

یہ تھا اس انقلاب برپا کرنے والے کا کردار، جب تک کردار میں رفعت نہیں اس وقت تک کوئی شخص انقلاب برپا نہیں کر سکتا۔

۲۔ عزم بالجزم

قائد کا انقلاب برپا کرنے کے لیے عزم بالجزم سے متصف ہونا لازمی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظام کہن کو مٹا کر ایک نیا صالح نظام قائم کرنا چاہتے تھے جب نظام نو کے اصولوں کی تبلیغ کے لیے میدان عمل میں نکلے تو ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا اس انقلاب کو روکنے کے لیے کفار مکہ نے ایک وفد ابوطالب کے پاس بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں کہ وہ ان کے بتوں کو بُرا بھلا نہ کہیں ابوطالب نے وفد کو سمجھایا اور واپس بھیج دیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متواتر انقلابی اصلاحات کا پرچار کرتے رہے اور پیغام حق لوگوں تک پہنچاتے رہے جب پیغام حق کی شاخیں ذرا پھیلنے لگیں تو پھر قریش نے دوسرا وفد ابوطالب کے پاس بھیجا اور وفد اپنے ساتھ عمار بن یاسر کو ساتھ لے گیا۔ وہ نوجوان شجاعت اور حسن و زیبائی میں بے مثال تھا۔ ابوطالب سے کہا کہ آپ اس کو اپنا بیٹا بنا لو اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے سپرد کر دو۔ ابوطالب نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ میں تمھارے بیٹے کی پرورش کروں اور آپ میرے بیٹے کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا ابوطالب کا جواب سن کر کفار واپس ناکام و نامراد لوٹ آئے اب کفار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طرح طرح کی تکالیف اور ایذائیں دینا شروع کر دیں کبھی شاعر کہتے ہیں کبھی مجنون کا نام دیتے کبھی کاہن پکارتے راستوں میں کانٹے بچھا دیتے ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ میں عبادت کے لیے گئے تو سجدہ کی حالت میں اونٹنی کی غلیظ بچہ دانی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر رکھ دی۔ کبھی راستہ پر گزرتے وقت آپ پر خاک پھینکی جاتی۔ پتھر مارے جاتے۔ ایک دفعہ عقبہ بن ابی معیط نے چادر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گلے میں ڈال کر اس زور سے مروڑا کہ دم گھٹ گیا۔ جب ایذا رسانی کے تمام حربے ناکام دیکھے تو پھر ایک اور وفد ابوطالب کے پاس بھیجا اور وفد نے کہا اے ابوطالب! آپ ہم سے عمر میں بڑے ہیں۔ مرتبہ اور وجاہت میں بھی سربلند ہیں پہلے بھی آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے بھتیجے کو بتوں کی مذمت سے منع کریں لیکن آپ نے اس کو اس کام سے نہیں روکا۔ اے ابوطالب! ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اگر اب اس نے ہمارے بتوں کو برا بھلا کہا ہمارے آباؤ اجداد کی تذلیل کی ہمیں گمراہ اور جہنم کا ایندھن کہا تو آپ سے جنگ کریں گے تاکہ معاملہ ختم ہو جائے۔ ابوطالب نے اپنے پیارے بھتیجے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا کر قوم کا ایک ایک حرف کہہ سنایا اور کہا۔ ہم اس قابل نہیں کہ قوم کا مقابلہ کر سکیں اس وجہ سے مجھے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ان کے چچا کے دل پر قوم کی دھمکی کا بہت اثر ہوا ہے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "اے چچا! اگر آپ قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو بے شک میری معاونت سے دست کش ہو جائیں۔ فرمایا۔ اے میرے چچا! خدا کی قسم اگر کفار میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند رکھ دیں اور کہیں کہ اس کے عوض دین حق کی تبلیغ کو ترک کر دوں مجھے منظور نہیں ہوگا خواہ مجھے اس راہ میں ہلاکت نظر آئے تو میں پیچھے قدم نہیں رکھوں گا۔"

یہ تھا اس انقلابی رہنما کا عزم بالجزم چارسو مخالفت کا طوفان ہے ایذاؤں کی آگ جل رہی ہے۔ چچا بھی کفار کی دھمکی سے معاونت سے دست کش ہونے کا سوچ رہا ہے اور طاقت ور دشمن سے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استقلال کی اس مضبوط چٹان پر کھڑے ہیں کہ ان کے دل پر نہ قوم کی دھمکی کا اثر ہوتا ہے اور نہ پاؤں میں لغزش آتی ہے اور اپنے چچا سے کہتے ہیں کہ جس انقلابی منشور کو لے کر وہ آئے ہیں اس کے نفاذ سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ خواہ ان کو ہلاکت کی وادی میں دھکیل دیا جائے۔ ہلاکت منظور ہے لیکن اپنے مشن سے الگ ہونا نا قبول۔

قریش نے ایک منصوبہ بنایا شائد اسی سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین حق کی تبلیغ سے رک جائیں وہ منصوبہ یہ تھا کہ اس دفعہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو طمع دو۔ چنانچہ عتبہ بن ربیعہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گیا اور کہا۔

۱۔ اگر اس تبلیغ سے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا منشا مال جمع کرنا ہے تو ہم لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے دولت جمع کر دیتے ہیں۔

۲۔ اگر یہ نیت ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام عرب کے سردار بن جائیں، تو ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیادت و

قیادت قبول کرنے کو تیار ہیں۔

۳۔ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بادشاہت کے طلب گار ہیں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے۔

۴۔ اگر کسی خوبصورت عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس مقصد کو پورا کر دیتے ہیں۔

۵۔ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آسیب زدہ ہیں تو علاج کروا دیتے ہیں۔

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جواب میں فرمایا۔ مجھے مال و دولت، عزت، حکومت، سیادت و قیادت اور بیوی کی ضرورت نہیں نہ میرے دماغ میں خلل ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حٰمٓ السجدہ کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں قرآن مجید کے پاکیزہ اور مقدس الفاظ سن کر عتبہ بن ربیعہ اٹھ کر واپس چلا گیا۔

پہلے کفار نے ہلاک کر دینے کی دھمکی دی۔ اب دنیاوی ترغیبات کا جال بچھایا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب و ذہن پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور پیغام حق کی تبلیغ میں شب و روز مصروف رہے۔

جب کفار کی یہ تراکیب ناکام ہوگئیں تو پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنوہاشم سمیت شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔ تین سال تک جبری حصار میں زندگی گزاری۔ بھوک پیاس کی تکلیف اٹھائی لیکن قوت ارادی میں ذرا بھر کمی نہ آئی۔ کی زندگی مصائب و آلام سے بھری ہوئی ہے۔ جب حکم ایزدی سے مدینہ چلے گئے تو کفار نے آپ پر خون ریز جنگیں مسلط کر دیں۔ غزوہ خندق میں تو عرب کے تمام قبائل نے حصہ لیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ میں خندق کھود کر محصور ہو گئے۔ باہر کفار کا لشکر تباہ و برباد کرنے کے لیے پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ اندر یہود آستین کا سانپ بنے بیٹھے ہیں۔ اس مصیبت کی ساعت میں بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پائے استقلال میں ذرا بھر جنبش نہیں آئی بلکہ اپنے پیروکاروں کو قیصر و کسریٰ پر غلبہ حاصل کرنے کی خوشخبری سنا رہے ہیں۔ سر ولیم میور جیسا متعصب اور مخالف بھی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اس عزم بالجزم کا معترف نظر آتا ہے۔ لکھتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ انھیں مٹھی بھر آدمیوں کے ساتھ دن رات اپنی کامیابی کا انتظار تھا۔ بظاہر بالکل غیر محفوظ بلکہ یوں کہیے کہ شیر کے منہ میں رہ کر یہ ہمت اور استقلال دکھایا کہ اس کی نظیر اگر مل سکتی ہے تو صرف بائبل میں جہاں ایک نبی کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے ایک موقعہ پر خدا سے کہا تھا۔ صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں۔ (لائف آف محمدؐ جلد دوم صفحہ ۲۲۸)

۳۔ جہاد

لفظ جہاد، جہد سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انتہائی درجہ کی سعی و کوشش۔ جہاد کی چار قسمیں ہیں۔ جہاد بالنفس، جہاد بالمال، جہاد بالقلم اور جہاد بالسیف۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اصلاحی انقلاب ان چاروں جہادوں کا مرہون منت ہے۔ چاروں جہادوں پر اس کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت بحث کی جا چکی ہے۔ صرف سلسلہ کلام جاری رکھنے کے لیے نہایت اختصار کے ساتھ بحث کر دی جاتی ہے۔

الف۔ جہاد بالنفس

جہاد بالنفس سے مراد نفس امارہ کی سرکوبی اور شیطانی قوت کو دبانا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (العنکبوت ۲۹:۶) جو کوئی جہاد کرتا ہے وہ اپنے نفس کے لیے جہاد کرتا ہے اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد بالنفس کو جہاد اکبر قرار دیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ (ترمذی)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصلاحی انقلاب برپا کرنے کے پیش نظر سب سے پہلے اپنے پیروکاروں کے نفوس کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی ایک غرض يُزَكِّيهِمْ (آل عمران ۳:۱۶۴) (وہ ان کو پاک کرے گا) بیان کی

گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت قدسیہ نے صحابہ کو صرف باکردار ہی نہیں بنایا تھا بلکہ باخدا بنایا تھا۔ انھوں نے گناہوں کی غلیظ رداء کو تار تار کر کے لباس تقویٰ پہن لیا اور وہ انقلاب کا ہراول دستہ بن گئے۔

ب۔ جہاد بالمال

دنیا میں نہ کوئی قوم زندہ ہو سکتی ہے اور نہ زندہ رہ سکتی ہے اور نہ کسی ملک میں انقلاب آ سکتا ہے جب تک قوم میں جہاد بالمال کا جذبہ پیدا نہ کیا جائے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب قوم کو زندہ کرنے کے لیے جہاد بالمال کی تعلیم دی اور زکوٰۃ کو عبادت کا حصہ قرار دے دیا۔ قرآن مجید میں وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ (بقرہ:۴۳) (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو) بار بار آیا ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ هُدًی وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَۃِ یُوْقِنُوْنَ (لقمان ۳۱:۲......۴) یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں۔ نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا۔ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (الروم:۳۹) اور جو زکوٰۃ تم اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے دیتے ہو تو ایسے ہی لوگ اپنے مال کو دوگنا کرنے والے ہیں۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (التوبہ ۹:۱۰۳) (ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے) پیروکاروں پر زکوٰۃ فرض قرار دینے کے علاوہ بھی قومی، ملکی اور اجتماعی فلاح و بہبود کے لیے طوعی انفاق پر بھی زور دیا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ ۲:۲۱۹) وہ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ جو ضرورت سے زائد ہے۔ (وہ خرچ کردیں)

صاحب استطاعت صحابہ کرام نے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے ساتھ ہی اس تعلیم پر عمل شروع کر دیا تھا جو غلام اسلام قبول کرتا تو صاحب ثروت اصحاب مظلوم مسلمان غلاموں کو آزاد کرا دیتے حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لٹے پٹے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی۔ انصار نے اپنی دولت اور ساز و سامان اپنے مہاجر بھائیوں کے سامنے رکھ دیا۔ اسی طرح جب کبھی قومی مسئلہ پیش آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کو جمع کرتے اور ان کے سامنے وہ مسئلہ رکھتے تو صحابہ ملکی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے دل کھول کر خرچ کرتے۔ اگر کسی کے پاس گھر میں کچھ نہیں تو رات بھر مزدوری کرتے جو کماتے وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے پیش کر دیتے۔ غزوہ تبوک کی تیاری کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صحابہ سے کہا تو حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اونٹ، ایک سو گھوڑے اور دس ہزار دینار چندہ دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے چالیس ہزار درہم حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر کا تمام اثاثہ لا کر چندہ میں دے دیا اور حضرت عمرؓ نے گھر کا نصف مال و اسباب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت ابو عقیل انصاریؓ نے دو سیر چھوہارے لا کر پیش کیے اور کہا "رات بھر پانی نکال کر ایک کھیت کو سیراب کر کے چار سیر چھوہارے مزدوری میں کمائے ہیں۔ ان میں سے دو سیر بیوی کے لیے چھوڑ آیا ہوں اور دو سیر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں لے آیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان چھوہاروں کو جملہ ساز و سامان پر بکھیر دو۔ جو قائد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے ان کے انفاق کا یہ عالم ہے جو کچھ آتا تقسیم کر دیتے ہیں اور گھر میں ضروری خوردنی اشیاء بھی نہیں ہوتی تھیں۔ فاقوں تک نوبت آ جاتی تھی سادگی کا یہ عالم تھا کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے ہیں۔ اگر بیویاں آسائش و آرام کا مطالبہ کرتی ہیں تو کہتے ہیں۔ اگر دنیاوی آسائش کی طلب ہے تو بخوشی جا سکتی ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَاُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا (الاحزاب ۳۳:۲۸) اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کو چاہتی ہو تو آؤ، میں تمھیں سامان دوں اور تمھیں اچھی طرح سے رخصت کر دوں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد بالمال کا جذبہ پہلے اپنے اندر بدرجہ کمال پیدا کیا پھر صحابہ اس اسوہ حسنہ پر گامزن ہوئے اور کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

(ج) جہاد بالعلم

علم ایک ایسا نور ہے جس سے تہذیب و تمدن نمو پاتا ہے اور قومیں ترقی کے راستہ پر گامزن ہوتی ہیں۔ یہ وہ نور ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو معاشرتی اصول سکھانے کے لیے دنیا میں نبی بنا کر بھیجا تو سب سے پہلے علم کے زیور سے آراستہ کیا۔ اسی لیے وہ مسجود ملائکہ بنے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں مبعوث ہوئے تو عرب خاص طور پر جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ شاذ شاذ ہی کوئی پڑھا لکھا آدمی تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کو اولیت دی۔ پہلی وحی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی وہ علم سے ہی تعلق رکھتی ہے اس سے ہی واضح ہو جاتا ہے کہ علم انسان کے لیے کتنا ضروری ہے ارشاد الٰہی ہے...... اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ (۹۶: ۳......۵) پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر بزرگی والا ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوْا الْاَلْبَابِ (زمر ۹:۳۹) اے رسول کہہ دے کہ علم والے اور بے علم دونوں برابر نہیں ہو سکتے یقیناً وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ (ابن ماجہ) علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے پھر فرمایا اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ (احمد ابو داؤد، ترمذی، بخاری کتاب العلم باب قبل القول ۲۵/۱) ابن ماجہ مقدمہ باب فضل العلماء۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک علم کی یہ اہمیت تھی کہ جب غزوہ بدر میں کفار قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے تو ان قیدیوں کو جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ تعلیم کی اشاعت کے لیے صفہ اکیڈمی کھولی۔ جہاں سے صحابہ علم کے زیور سے آراستہ ہوتے۔ پھر ان کو اشاعت علم کے لیے باہر بھیجا جاتا تھا۔ بعض اوقات ناگوار واقعات بھی رونما ہوئے۔ کسی قبیلے کی تعلیم کے لیے صحابہ کو بھیجا گیا لیکن بدعہدی سے راستہ میں ہی ان کو شہید کر دیا گیا لیکن یہ ناگوار واقعات بھی اشاعت علم میں مانع نہیں ہوئے۔

علم کے موضوع پر عنوان "رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت معلم" کافی بحث ہو چکی ہے۔ قاری اس عنوان کو بھی پیش نظر رکھے۔

عرب میں یہ انقلاب اِقْرَاْ (پہلی آیت جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوئی) کی بدولت آیا۔ جس نے امی قوم کی زندگی بدل دی۔ پھر وہی امی تمام دنیا کے ہادی اور معلم بنے۔

(د) جہاد بالسیف

جہاد بالسیف پر زیر عنوانات "غزوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوعیت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت سپہ سالار" تفصیلاً بحث ہو چکی ہے لیکن سلسلہ کلام کو جاری رکھنے کے لیے اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جہاد بالسیف کی اجازت ہجرت کے بعد دی تھی کیونکہ ہجرت کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک مختصر سی مدنی ریاست کے حکمران اعلیٰ منتخب ہو چکے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر مدنی ریاست اور عوام کے مال و جان آبرو کی حفاظت کی گراں ذمہ داری عائد ہو چکی تھی۔ ارشاد الٰہی ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ (الحج ۳۹:۲۲) ان لوگوں کو اجازت دی گئی ہے جن سے لڑائی کی جاتی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔

جہاد بالسیف محض مدافعانہ تھا لیکن سرحدوں کی حفاظت کے لیے سخت تاکید تھی قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ (الانفال ۶۰:۸) ان (دشمن) کے مقابلہ کے لیے جتنی قوت تم فراہم کر سکو کرو اور گھوڑے بھی پالو۔

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے حکم ہے جس کی بجا آوری ہر مسلمان حکمران پر فرض عین ہے۔ اگر وہ

کوتاہی برتتا ہے تو وہ خدا کے نزدیک گناہگار ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حکم الٰہی کے تحت سرحدوں کی حفاظت کے لیے ہر ممکن کوشش کی اور مجاہدین کے لیے اس دور کے تقاضے کے مطابق سامان حرب تیار کیا۔ مجاہدین کو حربی تربیت دی۔ ان میں نظم و ضبط پیدا کیا۔ جنگ سے قبل مجاہدین سے مشورے کیے۔ ہر لڑائی میں موقع محل کے مطابق جنگی سکیم تیار کی۔ مختلف طریقوں سے دشمن کی نقل و حرکت اور حربی قوت کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ سپاہ سے دل و جان سے محبت کی۔

حقیقت یہ ہے جہاد بالسیف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برپا کردہ انقلاب کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ اگر جہاد بالسیف کی اجازت نہ دی جاتی یا اس میں کسی قسم کی کوتاہی برتی جاتی تو مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا۔ صرف تلوار نے ہی مسلمانوں کے وجود کو قائم رکھا اور تلوار نے ہی دشمنوں کو زیر کیا۔

۴۔ نصب العین سے وابستگی

کوئی قائد کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کا کوئی ہدف نہ ہو۔ پھر اس ہدف سے مکمل طور پر وابستگی ہو۔ اگر ہدف اور نصب العین پر ذاتی اغراض و مفاد آ جائیں تو انقلابی عمل نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انقلاب کی ایک وجہ آپ کی نصب العین سے شدید وابستگی ہے اور وفات تک ذاتی مفاد کے قریب تک نہیں پھٹکے۔ جیسا کہ ''عزم بالجزم'' ذیلی عنوان کے تحت لکھا ہے کہ کس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدف سے الگ کرنے کے لیے مادی ترغیبات دی گئیں۔ ذہنی اور جسمانی ایذائیں پہنچائی گئیں۔ حتیٰ کہ آپ کو اپنا پیارا شہر چھوڑنا پڑا لیکن اپنے ہدف سے سرمو الگ نہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بموجب وحی الٰہی یہی اعلان کرتے رہے۔ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ (الانعام ۶:۹۰) کہہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا وہ صرف جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔

نصب العین

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نصب العین ''اظہار دین حق'' یعنی دین حق کا غلبہ تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (الصف ۶۱:۹) وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک برا منائیں۔

دین حق کے غلبہ کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مساعی جمیلہ کسی ذاتی مفاد کے لیے نہ تھی۔ اس میں صرف بنی نوع انسان کی فلاح مضمر تھی۔ تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ جب حق آ گیا باطل بھاگ گیا تو عرب قوم صحیح معنوں میں ایک صالح حکمران قوم بن کر ابھری جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیغام حق کے نور کی شعاعیں عرب سے نکل کر اکناف عالم میں پھیلنے لگیں بلکہ پھیل گئیں۔

۵۔ کارکنوں (پیروکاروں) سے محبت

قائد اور کارکنان (پیروکاروں) کا ایک بڑا نازک رشتہ ہے۔ اگر اس رشتہ میں سرمو بھی خرابی پیدا ہو جائے تو قائد اپنے ہدف کے حصول میں ناکام ہو جاتا ہے۔ اس نازک رشتہ پر بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ ایک عامل قائد کا کردار ہے۔ اگر قائد باکردار ہے تو کارکن قائد کے وفادار اور جان نثار ہوں گے۔ دوسرا عامل قائد کا اپنے ہدف سے اخلاص اور پختگی ہے جب کارکن قائد کی اپنے نصب العین سے وابستگی دیکھتے ہیں تو وہ اپنے قائد کے لیے جان و مال قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ تیسرا عامل نصب العین کی بلندی اور پاکیزگی ہے جب پیروکار قائد کے نصب العین میں انسانی فلاح کو دیکھتے ہیں تو اس کے حصول کے لیے اس کے پیچھے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ غرض کہ قائد اور کارکنوں کے درمیان جو تعلق اور رشتہ ہوتا ہے اس پر کئی عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر چند عوامل کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان عوامل میں سے ایک عامل باہمی محبت بھی ہے۔ قائد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں سے محبت رکھے۔ ان کے درد دکھ میں شریک ہو۔ ان کے آرام کے لیے اپنے سکھ اور آرام کو قربان کر دے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ایک قاری

کے سامنے سب سے پہلے جو تصویر سامنے آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دل بنی نوع انسان کے لیے رحمت اور محبت سے بھرا ہوا ہے اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین کہلائے۔ جب آپ دنیا کے لیے باعث رحمت ہیں تو آپ کا وجود اپنے پیروکاروں کے لیے تو بدرجہ اتم باعث رحمت ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (عمران ۳:۱۵۹) اور پھر یہ اللہ کی رحمت کے سبب ہی ہے کہ آپ ان کے ساتھ نرم ہے اور اگر آپ تندخو اور سخت طبیعت ہوتے تو یہ لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے منتشر ہو جاتے آپؐ میں اپنے پیروکاروں کے لیے خُلق لینت کا کمال پایا جاتا ہے ہر خُلق کے اظہار کا ایک موقعہ ہوتا ہے۔ غزوہ احد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں پچاس مجاہد احد کے پہاڑ کے ایک درے میں جنگی مصلحت کے پیش نظر متعین کیے۔ غزوہ کے آغاز میں ہی کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ مسلمان سلب ونہب میں مشغول ہو گئے۔ یہ دیکھ کر تیر انداز جو درہ پر متعین تھے وہ بھی مال غنیمت کے حصول کے لیے دوڑے حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت روکا سوائے چند ایک کے نہ رکے۔ خالد بن ولید نے دیکھا کہ درہ میں چند ایک سپاہی ہیں ان پر حملہ کر دیا اور سب مجاہدین کو شہید کر دیا اب راستہ صاف ہو گیا خالد بن ولید نے منتشر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ دوسری طرف عکرمہ بن ابی جہل نے اپنے سواروں کے ساتھ دھاوا بول دیا۔ ابوسفیان جو میدان جنگ چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا۔ وہ بھی اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر نئے جوش اور نئی ہمت کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ مسلمانوں پر یہ حملے اچانک تھے اور وہ اتنے بدحواس ہوئے کہ مسلمان مسلمان کے ہاتھوں مارے گئے۔ اس جنگ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہوئے۔ ستر کے قریب صحابہ نے جام شہادت نوش کیا۔ اس نقصان کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم عدولی کرنے والے مجاہدین کو ایک حرف ملامت بھی نہ کہا بلکہ اللہ کی طرف سے یہ حکم ہوا۔ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (ال عمران ۳:۱۵۹) پس ان کو معاف کر اور ان کے لیے بخشش مانگ۔

جنگ کے اصول کے مطابق بھی یہ موقعہ سخت سے سخت سزا کو چاہتا تھا لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے معاف کر دیا۔

مکہ پر حملہ کی خفیہ تیاری ہے پوری احتیاط برتی گئی کہ کفار کو اس کا علم نہ ہو۔ ایک بدری صحابی حاطب ان ابی بلتعہؓ نے قریش کو مسلمانوں کے حملہ آور ہونے کی اطلاع دینے کے لیے ایک خط سارہ کنیز کے ہاتھ روانہ کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ حضرت زبیرؓ حضرت مقدادؓ اور حضرت ابومرثد غنوی کو روانہ کیا کہ جاؤ روضہ خاخ پہنچو وہاں ایک ہودج نشین عورت ملے گی جو قریش مکہ کے نام ایک خط لے جا رہی ہے اس سے خط چھین لاؤ انھوں نے روضہ خاخ پر پہنچ کر اس کو گرفتار کر لیا اس کی تلاشی لی تو خط نہ ملا۔ حضرت علیؓ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر غلط ہو۔ چنانچہ انھوں نے ڈرایا دھمکایا تو اس نے اپنے جوڑے سے خط نکال کر دیا۔ قاصد خط اور عورت کو گرفتار کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ تمام صحابہ کو حاطب بن ابی بلتعہ کے افشائے راز پر حیرت ہوئی۔ حضرت عمرؓ تو غصہ میں بے تاب تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ حکم ہو تو اس کی گردن اڑا دوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وجہ پوچھی تو انھوں نے جواب دیا کہ میرے مکہ میں اعزا و اقارب ہیں اس لیے چاہا کہ اہل مکہ پر احسان کے طور پر حملہ کی اطلاع دے دوں۔

اگر یہ معاملہ کسی دنیاوی بادشاہ کے سامنے آتا تو ملزم کی گردن زدنی کا فوراً حکم دے دیا جاتا چونکہ مکہ پر چڑھائی انتقامی نہ تھی بلکہ عفو کے لیے تھی۔ پھر اپنے رفقاء کی خطاؤں سے کیوں عفو نہ کیا جاتا چنانچہ عفو کے سمندر میں کوئی غصہ کی لہر آئے بغیر حاطب کے عذر کو قبول فرما کر معاف کر دیا۔

قرآن مجید میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرمی، محبت اور رحمت کے متعلق بہت سی آیات ہیں۔ سورۃ توبہ کی آیت ۱۲۸ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ارشاد ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ تحقیق تمہاری طرف تمھیں میں سے ایک رسول آیا ہے۔ تمہاری تکلیف اس پر شاق گزرتی ہے وہ تمھارے لیے (بھلائی کا) خواہش مند ہے مومنوں پر مہربان رحم کرنے والا ہے۔

فرمایا: وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ (الحجر ۸۸:۱۵) مومنوں کے اپنے بازوؤں کو جھکا۔

ایک روایت میں ہے۔ اَنَا لَکُمْ مَثَلُ الْوَالِدِ میں تمھارے لیے مثل والد ہوں۔

ایک اور حدیث ہے لاَ حِلْمَ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ حِلْمِ اَمَامٍ رِفْقِہٖ وَلاَ جَھْلَ اَبْغَضُ اِلَی اللّٰہِ مِنْ جَھْلِ اَمَامٍ وَخِرْقِہٖ یعنی کوئی حلم اور نرمی سے بڑھ کر اللہ کو پسند نہیں اور کوئی جہل امام کی جہالت سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق رحمت اور محبت پر زیر عنوان رحمۃ للعالمین اور اخلاق نبوی میں زیر عنوان ''عفو درگزر اور رحم'' بحث ہو چکی ہے۔ لہٰذا مزید بحث کرنا باعث طوالت ہے۔

۶۔ وفادار، جان نثار کارکنان (پیروکار)

انقلاب برپا کرنے کے لیے وفادار اور جان نثار کارکنوں (پیروکاروں) کی اہم ضرورت ہے ان کے بغیر کوئی تحریک بھی بار آور نہیں ہو سکتی۔ مذہبی تاریخ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے جب وہ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے اور ارض موعود فلسطین میں جنگجو یانہ صورت میں داخل ہونے کو کہا تو بنی اسرائیل نے کہا۔ قَالُوْا لَنْ نَّدْخُلَھَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْھَا فَاذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَآ اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ (المائدہ ۲۴:۵) انھوں نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز اس میں کبھی داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ اس میں ہیں پس تو اور تیرا رب جاؤ اور جنگ کرو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی کی اور دشمن سے ڈر کر جنگ سے انکار کر دیا۔ چالیس سال بیابان میں سرگردان پھرتے رہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی ایمانی حالت کی طرف دیکھتے ہیں تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں سے بھی زیادہ سیاہ دکھائی دیتی ہے۔ یہوداہ سکریوطی نے تیس روپے کی رقم لے کر اپنے مرشد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کروا دیا تھا۔ (یوحنا باب ۱۳ آیت ۲۶، ۲۷)

اسی طرح پطرس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مخاطب ہو کر کہا ''اے شیطان! میرے سامنے سے دور ہو جا۔'' (مرقس باب ۸ آیت ۳۳)

پطرس نے بھی اپنے آقا سے غداری کی اور لعنت بھیج کر یہ کہا کہ وہ اس شخص کو نہیں جانتا۔ (مرقس باب ۱۹ آیت ۱۴)

پھر اپنے تمام حواریوں سے مخاطب ہو کر کہا ''تم کیوں ڈرتے ہو اب تک ایمان نہیں رکھتے۔'' (مرقس باب ۴ آیت ۴۰)

ان حوالہ جات سے حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کی ایمانی حالت ظاہر ہوتی ہے کہیں چند کوڑیوں کے بدلے اپنے آقا کو گرفتار کروا رہے ہیں۔ کہیں ان کو پہچاننے سے انکار کر رہے ہیں اور کہیں ہدف ملامت بنا رہے ہیں اور ان کے اس ضعف ایمان اور کج روی کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو بے اعتقاد اور کج رو قرار دے رہے ہیں۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت قدسیہ میں تربیت پانے والے پیروکاروں کو تاریخ کے آئینہ میں دیکھتے ہیں تو ان کی جانثاری کی مثالیں اتنی بے مثل ہیں جن کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ مکی زندگی کا دور سب سے زیادہ پرُ آشوب، پرُمصائب اور اذیت ناک ہے۔ صحابہ نے اس دور میں جس پامردی سے مقابلہ کیا۔ مصائب کو جھیلا اور جانیں دیں۔ وہ جان نثاری اور وفاداری کی روشن دلیلیں ہیں حضرت خباب بن ارتؓ قبیلہ تمیم سے تھے زمانہ جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے قریش نے ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں ایک دفعہ کوئلے جلا کر زمین پر بچھا دیئے ان پر چت لٹایا گیا۔ ایک آدمی ان کی چھاتی پر بیٹھ گیا تاکہ کروٹ نہ بدل سکیں یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہو گئے۔ حضرت خبابؓ نے مدت کے بعد حضرت عمر کے سامنے بیان کیا اور پیٹھ کھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح سفید تھی۔

حضرت عمارؓ نے اسلام قبول کیا قریش ان کو بھی تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتے سخت اذائیں دی جاتیں تو وہ بے ہوش ہو جاتے۔ حضرت سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں شقی القلب ابوجہل نے اندام نہانی میں نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۵۰)

حضرت یاسرؓ حضرت عمار کے والد تھے یہ بھی کفار مکہ کے ظلم وستم اٹھاتے اٹھاتے شہید ہو گئے حضرت صہیب رومیؓ دائرہ اسلام میں

داخل ہوئے قریش اس قدر ان کو تکلیف اور اذیت پہنچاتے تھے کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے تھے۔

حضرت نہدیہ، ام عبیس، زنیرہ اور لبینہ کنیزیں تھیں اور قریش کے سنگ دلی اور مظالم کا متواتر نشانہ بنتی رہیں لیکن ان کے پائے استقلال میں ذرا بھر لغزش نہ آئی۔

صحابہ کے ان مظالم کو دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حبشہ ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی۔ اول بار بارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی اور دوسری بار ۸۲ یا ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں حبشہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ ان مہاجرین میں صرف غربا ہی شامل نہیں تھے بلکہ حضرت عثمانؓ جیسے امیر بھی شامل تھے۔ جنھوں نے بیچارگی کے عالم میں اپنے گھر بار کو چھوڑا۔ قریش کے جب مظالم کے تمام حربے ختم ہو گئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ سمیت شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔ تین سال تک یہ لوگ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے رہے بھوک پیاس کی تکلیف برداشت کی لیکن پیروکاروں کی قوت ارادی میں ذرا بھر کمی نہ آئی۔ بلکہ تعذیب اور مظالم میں اور اضافہ ہوا جب یثرب میں اسلام کی شعاعیں پھیلنے لگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو یثرب میں ہجرت کر جانے کو کہا۔ آہستہ آہستہ صحابہ نے اپنے مقتدا اور قائد کے حکم پر بطیب خاطر اپنے گھر بار چھوڑ کر یثرب ہجرت کر گئے۔

بیعت عقبہ ثانی ۱۳ نبوت کے موقعہ پر اہل یثرب کے انصار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یثرب ہجرت کرنے کو کہا تو حضرت عباس، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے وہ انصار سے مخاطب ہوئے ''گروہ خزرج! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ سینہ سپر رہے ہیں اب وہ تمھارے پاس جانا چاہتے ہیں اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دے دو تمھیں معلوم ہے کہ قریش مکہ محمدؐ کے جانی دشمن ہیں۔ اگر تم ان سے کوئی عہد و اقرار کرنے لگے ہو تو سمجھ لینا کہ یہ نازک اور مشکل ہے محمدؐ سے عہد و پیمان کرنا سرخ اور سیاہ لڑائیوں کو دعوت دینا ہے جو کچھ کرو سمجھ کر کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''تم لوگ اس بات پر بیعت کرو کہ اپنے اہل و عیال کی طرح میری حفاظت کرو گے۔'' یہ بیعت، ''بیعت دم'' تھی۔

ہجرت یثرب سے قبل، یہ تھا کہ انصار کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جان نثاری کا عہد و پیمان، جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحکم خداوندی ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو تاریخ بتاتی ہے کہ کس طرح مہاجرین کے ساتھ مل کر انصار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جان نثاری اور وفاداری کا ثبوت دیا۔ حسب توقع کفار نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنگیں مسلط کر دیں۔ پہلی جنگ بدر کے میدان میں لڑی گئی۔ میدان جنگ سے نکلنے سے پہلے صحابہ سے جو مشاورت ہوئی اور دوران مشاورت جو صحابہ نے جان نثاری کا اظہار کیا۔ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات پر مکمل اعتماد کی دلیل ہے۔ حضرت مقدادؓ اٹھے اور جان نثاری کا اظہار کیا اور کہا ''یارسول اللہ! احکام خداوندی کی تعمیل فرمانے میں ہماری طرف سے دل میں خدشہ نہ لائیے ہم موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں۔ ہم لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دائیں سے، بائیں سے، سامنے سے اور پیچھے سے لڑیں گے۔ ان کی اس جان نثارانہ تقریر سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک چمک اٹھا اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا جنھوں نے بیعت عقبہ کبریٰ کے موقع پر وعدہ کیا تھا کہ اگر کوئی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہوا تو دشمن کا مقابلہ کریں گے لیکن مدینہ سے باہر جا کر مقابلہ کرنے کا عہد نہیں کیا تھا جب انصار کو محسوس ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ ہماری طرف ہے حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا ''اِیَّاکَ تریدنا یارسول اللہ'' کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اشارہ ہماری طرف ہے۔ تب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! میرا اشارہ تمہاری طرف ہے۔ سعدؓ نے کہا ''ہم آپ کی رسالت پر ایمان لے آئے ہیں ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصدیق کی ہم نے قرآن مجید کی توثیق کی، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت پر پختہ عہد کیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) احکام خداوندی کی تعمیل میں ہماری طرف سے ذرا بھی دل میں خدشہ نہ لائیے۔ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر مبعوث کیا ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمندر میں قدم رکھیں گے تو ہم بلاخوف و خطر اس میں کود پڑیں گے۔ ہم سے کوئی فرد پیچھے نہ رہے گا۔ نہ ہم دشمن کا مقابلہ کرنے میں تامل کریں گے۔ ہم میدان حرب میں صابر اور لڑائی میں ثابت قدم ہیں کہ ہماری وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو ٹھنڈا رکھے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم دشمن کو گھیرنے کے لیے جلدی کوچ فرمایئے۔ (حیات محمدؐ مصنفہ محمد حسین ہیکل ص ۳۳۵)

یہ تھا پہلی جنگ کے موقع پر صحابہ کا جذبہ وفاداری، جان نثاری اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات پر مکمل اعتمادی جب جنگوں کا مسئلہ مزید آگے بڑھا تو صحابہ نے ہر موقع پر پہلے سے بڑھ کر اپنی جان نثاری کا ثبوت دیا۔ غزوہ احد میں ایسا وقت آیا کہ کفار کے لشکر کا سارا زور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہو گیا جہاں آپ کھڑے تھے۔ ایک دفعہ اتنے زور سے حملہ ہوا تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ''کون مجھ پر جان دیتا ہے۔'' زیاد بن سکنؓ پانچ یا سات انصاری لے کر حاضر ہوئے جنھوں نے یکے بعد دیگرے جانبازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں۔ حضرت عمارہ بن زیادؓ کو یہ شرف حاصل ہے جان دیتے ہوئے اپنے رخسار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تلووں سے لگا دیئے (زاد المعاد، طبری) ایک بہادر نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یارسول اللہ! اگر میں مارا جاؤں تو کہاں ہوں گا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جنت میں یہ بشارت سن کر اس شجاعت سے کفار کی صفوں پر حملہ آور ہوا کہ شہید ہو گیا۔ (صحیح بخاری غزوہ احد) عبداللہ بن قمیہ صفوں کو چیرتا ہوا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب آ پہنچا اور چہرہ مبارک پر تلوار ماری اور مغفر کی دو کڑیاں چہرہ مبارک پر چبھ گئیں چاروں طرف تلواریں اور تیر برس رہے تھے لیکن جان نثاروں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا ابو دجانہؓ نے اپنی پیٹھ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سپر بنا رکھا تھا۔ جو تیر آتے تھے وہ پیٹھ پر پڑتے تھے حضرت طلحہ نے اپنے ہاتھ سے سپر کا کام لیا۔ ہاتھ پر تیر روکتے تھے یہ ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل ہو گیا حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مشہور تیر انداز تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ان کو اپنے ترکش سے تیر دیتے اور فرماتے تم پر میرے ماں باپ قربان! تیر مارتے جاؤ۔ (صحیح بخاری غزوہ احد) حضرت ابو طلحہؓ انصاری مشہور تیر انداز تھے انھوں نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانیں ٹوٹ گئیں۔ انھوں نے چمڑے کی ڈھال سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ اوٹ میں کر لیا تھا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کبھی گردن اٹھا کر دشمن کی طرف دیکھتے تو وہ عرض کرتے۔ ''آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ گردن اٹھا کر نہ دیکھئے ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے۔ یہ میرا سینہ سامنے ہے۔ (صحیح بخاری غزوہ احد) حضرت شماس بن عثمان مخزومی تلوار کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدافعت کر رہے تھے اور شدید زخمی ہوئے اور زخم کی تاب نہ لا کر وفات پائی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ڈھال سے تشبیہ دی ہے۔ اسی طرح سہل بن حنیف انصاری اوسیؓ نے اپنے ترکش سے تمام تیر ختم کر دیئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔ ''سہل کو تیر دو۔ اس جان نثاری کے موقع پر سعد بن ربیعؓ شہید ہوئے جنگ کے اختتام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تلاش میں آدمی بھیجے ایک نے دیکھا کہ زخمیوں میں پڑے دم توڑ رہے ہیں پوچھا کیا حال ہے۔ سعدؓ نے جواب دیا مجھے مردہ سمجھو لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دینا اور یہ بھی گزارش کر دینا کہ اللہ تعالیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو وہ جزائے خیر دے جو کسی نبی کو عطا نہیں ہوئی اور میری قوم کو کہہ دینا کہ جب تک تم میں سے ایک فرد بھی باقی ہے اس وقت تک اگر دشمن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گیا تو خدا کے حضور میں کوئی عذر پیش نہ کر سکوں گا (تاریخ طبری)

ام عمارہؓ زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں دوپہر کے بعد دیکھا کہ مسلمان کفار کے نرغہ میں پھنس گئے ہیں۔ مشکیزہ پھینک کر ہاتھ میں تلوار لے کر قریش پر ٹوٹ پڑیں اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے زخمی ہوئیں۔

غزوہ احد کے بعد مشہور غزوہ خندق، غزوہ خیبر، غزوہ موتہ، غزوہ فتح مکہ، غزوہ حنین اور غزوہ تبوک ہوئے۔ ہر غزوہ میں مسلمانوں نے وہ جان نثاری کی داستانیں رقم کیں۔ جن کی مثال، تاریخ میں نہیں ملتی ہر غزوہ میں مسلمانوں کی بہادری کے واقعات بیان کیے جا چکے ہیں۔ لہٰذا یہاں مزید بیان کرنا باعث طوالت ہے۔ جان نثاری صرف مردوں ہی نے نہیں دکھائی بلکہ عورتیں اور بچے سمیت سب شامل تھے۔ نوعمر بچے ہیں۔ جذبہ شہادت اتنا غالب ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اصرار کے ساتھ غزوہ میں شریک ہوتے ہیں۔ غزوہ بدر میں دو بچوں نے ہی ابوجہل کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ ایک انسان رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کے مسلمان مردوں، بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کی جانثاری کی داستانیں پڑھ کر ورطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ یہ کیا لوگ تھے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کمال درجہ کا عشق تھا جس کا نشہ اترتا ہی نہیں۔

۷۔ انقلاب کا منشور

کسی انقلاب کی کامیابی کا دار و مدار انقلاب کا منشور ہوتا ہے جتنا منشور ہمہ گیر ہوگا اور انسانی فلاح پر مشتمل ہوگا وہ عوام کی توجہ کا مرکز بنے گا۔ رسول کریم کا انقلابی منشور ''فلاح انسانیت'' ہے۔ فلاح انسانیت دو حصوں میں تقسیم ہے۔ روحانی فلاح اور مادی فلاح۔ گو دونوں حصے لازم و ملزوم ہیں۔ روحانی فلاح کا تعلق تزکیہ نفس سے ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے دو اصولوں کی تعلیم دی۔ ایمان اور عمل صالحہ۔ ایمان سے مراد اللہ پر ایمان، رسولوں پر ایمان، ملائکہ پر ایمان، نبیوں پر ایمان اور آخرت پر ایمان ہے۔ عمل صالح، اللہ تعالیٰ کی صفات کے اظلال اور پرتو کا نام ہے۔ یعنی کسی انسان کا اللہ تعالیٰ کی صفات میں رنگین ہو جانا۔ اعمال صالحہ اس وقت تک حقیقی معنی میں سرزد نہیں ہوتے جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین نہ رکھتا ہو۔ اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیروکاروں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے شعور کو زیادہ اجاگر کیا تاکہ ان کا شعور، الٰہی شعور سے متصل ہو جائے اسی کا نام عبادت ہے مادی فلاح، انسانی زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتی ہے یعنی خاندان، معاشرت، معیشت، سیاست، حکومت اور قانون وغیرہ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام امور سے متعلق کامل تعلیم دی۔ اس کتاب کے آخری باب ''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بعض اہم پہلو'' میں تفصیلاً بحث ہو چکی ہے۔ لہٰذا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی زندگی کے ہر شعبے کے لیے واضح اور مکمل ہدایت دی اور اس کے ساتھ کامل نمونہ بھی مہیا کیا۔ اس لیے وفات کے قریب صحابہ سے فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ کتاب اللہ اور سنت اگر ان دونوں سے تمسک اختیار رکھا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔

مرکزی نعرہ

ہر تحریک کا ایک مرکزی محور اور نقطہ ہوتا ہے جس پر تحریک گھومتی ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تحریک کا محور ''بنی اسرائیل کی غلامی سے نجات'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تحریک کا محور ''محبت'' تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برپا کردہ انقلاب کا محور اور مرکزی نقطہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے گویا انسانی فلاح کلمہ توحید سے وابستہ ہے۔

تو
ذرا
گے تو
میں ص

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذہبی پالیسیاں اور اثرات

دنیا میں جتنے بھی انبیاء علیہم السلام ہو گزرے ہیں ان سب کی مذہبی پالیسیاں ایک ہی تھیں لیکن ان کی کیفیت اور کمیت میں ضرور فرق ہے ہر نبی نے حکمت الٰہی کے مطابق اپنے اپنے دور کے تقاضوں کو سامنے رکھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تو اپنی پالیسیوں کو عالمگیریت کا رنگ دیا۔ دوم اس دور میں پہلے انبیاء علیہم السلام کی مذہبی پالیسیوں میں جو زیغ اور بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ اس کو دور کیا سوم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان پالیسیوں کو تسلیم کرانے کے لیے تحکمانہ انداز اختیار نہیں کیا بلکہ دلائل اور بینات سے منوایا اور عقل سے سوچنے کی دعوت دی اور توہمات سے نجات دلائی۔ قرآن مجید میں بار بار عقل و فہم سے کام لینے کی دعوت دی گئی ہے جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ان کو کالبھائم قرار دیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ دِیْنُ الْمَرْءِ عَقْلُهٗ وَمَنْ لَا دِیْنَ لَهٗ لَا عَقْلَ لَهٗ (کنوز الحقایق حرف الدال) انسان کا دین اس کی عقل ہے جس کا کوئی دین نہیں اس کو عقل نہیں۔ مذہبی پالیسیوں میں اولیت عقائد کو حاصل ہے یعنی اللہ پر ایمان ہو۔ فرشتوں پر ایمان، کتب سماوی پر ایمان، انبیاء علیہم السلام پر ایمان بعث بعد الموت پر ایمان، تقدیر الٰہی پر ایمان۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان

اسلام سے قبل تمام مذاہب میں اللہ تعالیٰ کی ذات حدود مشخصہ میں محدود اور مقید تھی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات انسانی ادراک سے ماوراء اور بالا ہے وہ ذی جذبات نہیں بلکہ انسانوں کی سی کوئی بات اس میں نہیں پائی۔ اس کی رضا اس کے احکام کی پیروی اور عطا کردہ قوا کی تربیت میں ہے۔ جبکہ اس کی ناراضگی اس کے احکام کی عدم پیروی اور عطا کردہ قوا کو معطل کرنے میں ہے۔

مذاہب عالم نے جہاں خدا کی ذات کو مشخص کر دیا ہے وہاں کسی شخصیت کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں شریک بھی کر دیا حتیٰ کہ حجر، شجر، شمس و قمر اور کائنات کی دیگر بے شمار اشیاء کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں شریک قرار دے دیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالص توحید کا سبق دیا۔ قرآن مجید خالص توحید اور شرک کے بطلان سے بھرا پڑا ہے۔ ایک پوری سورت اس موضوع پر مشتمل ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (اخلاص) کہہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں گویا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالص توحید کے ساتھ شرک کی تمام اقسام سے آگاہ کیا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے رسول ہیں جنھوں نے ہستی باری تعالیٰ کو عقلی دلائل کے ساتھ منوایا قرآن مجید کی رو سے دیگر بے شمار دلائل کے علاوہ تین براہین ایسے ہیں جو ایک متشکک کے دل و دماغ میں خدا کی وحدت پر یقین مبرہن پیدا کر دیتا ہے وہ یہ ہیں۔ ا۔ کائنات کا ایک محکم نظام، جس کو دیکھ کر یقین کامل پیدا ہو جاتا ہے کہ کوئی ایک مدبر ہستی ہے جو اس نظام کو چلا رہی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً (البقرہ ۲:۲۲) وہی ذات ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو چھت عمارت کہنے سے مراد یہ ہے کہ سب کچھ ایک نظام کے تحت ہے۔ جیسے ایک عمارت میں ترتیب ہوتی ہے۔ اگر اینٹیں چونا، لوہا، اور دوسرا سامان عمارت بغیر ترتیب کے ادھر ادھر پڑا ہوا ہو۔ اس کو عمارت نہیں کہہ سکتے عمارت اسی وقت کہلائے گی جب تمام سامان کو ایک ترتیب کے ساتھ جوڑ کر کھڑا کیا جائے۔ لفظ "بناء" سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آسمان اور زمین کو بنانے والی ایک مدبر اور بالارادہ ہستی ہے اور اسی وجہ سے اس کائنات میں ایک محکم نظام اور ترتیب پائی جاتی ہے۔

دوسری جگہ اس مضمون کو اور واضح الفاظ میں بیان کیا ہے۔ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (الملک ۶۷: ۳،۴) جس نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا تو رحمان کی پیدائش میں کوئی اختلاف نہیں پائے گا۔ پھر نظر کو لوٹا کیا تو کوئی خلل اور بگاڑ دیکھتا ہے پھر نظر کو بار بار لوٹا نظر تیری طرف حسرت سے تھک کر واپس آ جائے گی۔

پھر نظام کائنات کو چلانے کے لیے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا (الزخرف ۴۳:۱۲) وہ جس نے سب چیزوں میں جوڑے پیدا کیے۔

دوسری دلیل ہستی باری تعالیٰ پر اہم دلیل، فطرت انسانی کو گواہ ٹھہرا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا (الاعراف ۷:۱۷۲) اور جب تیرے رب نے بنی آدم یعنی ان کی پیٹھوں سے ان کی نسل نکالی اور ان کو اپنے وجود پر گواہ کے طور پر ٹھہرایا۔ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں۔ انھوں نے کہا ہم گواہ ہیں۔

تیسری دلیل، وحی الٰہی کی شہادت ہے وحی الٰہی وہ شہادت ہے جو انسان کو حق الیقین تک پہنچا دیتی ہے اور وحی الٰہی بطور شہادت قرآن مجید ہے۔ جس کی فصاحت و بلاغت، نزاکت، لطائف و ملائیت شیرینی اور حسن ترتیب ایک معجزہ ہے۔

توحید الٰہیہ کے ثمرات

توحید، عمل صالح، اتحاد انسانی، مساوات بین الناس رواداری، شفقت علی الخلوق کا سبق دیتی ہے۔

ملائکہ پر ایمان

مابعد الطبیعیاتی مضامین میں سے ایک اہم اور ادق موضوع ہے ملائکہ کے بارے میں تمام مذاہب میں مختلف نظریے پائے جاتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ادق موضوع کو کھول کر بتایا کہ ملائکہ کی حقیقت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ ملائکہ وہ خارجی ہستیاں ہیں جو ہماری جسمانی اور روحانی ربوبیت کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ کائنات میں سورج چاند ستارے ہوائیں اور بادل وغیرہ تمام عناصر جو انسان کے لیے کام کرتے نظر آ رہے ہیں درپردہ یہ ملائکہ کے کام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بطور کارندہ کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور یہ انسانوں کی روحانی اور مادی ترقی کا باعث ہیں۔

کتب سماوی پر ایمان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے رسول ہیں جس نے تمام انبیاء علیہم السلام کے صادق ہونے کی تصدیق کے ساتھ ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے پہلے ایمان بالکتب کا اقرار کرنا لازمی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (نساء ۴:۱۳۶) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری دوسری جگہ آتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (البقرہ ۲:۴) اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا۔

کتب سماوی کے متعلق ایک اہم راز کھولا وہ یہ کہ تمام کتب سماوی کی ایک ہی تعلیم ہے۔ جو زمانہ کی ضرورت کے مطابق اترتی رہی اور قرآن مجید میں وہ تعلیم جس کی دائمی حیثیت تھی اس کو برقرار رکھا۔ جس کی نوعیت عارضی اور وقتی تھی اس کو منسوخ کر کے اس تعلیم کو رائج کیا جس کی نوعیت دائمی ہے جو ہر ضرورت کے وقت کام آتی ہے۔ ایمان بالکتب اخوت بین الناس کی تعلیم دیتا ہے اور لوگوں کو آگاہ کرتا ہے کہ تمام مذاہب من جانب اللہ ہیں۔ ایمان بالکتب امن عالم کا بھی درس دیتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام پر ایمان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی وہ ہستی ہے جس نے یہ بھی تعلیم دی کہ تمام انبیاء علیہم السلام ایک ہی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء ۲۱:۹۳) تمہاری امت ایک جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو میری عبادت کرو۔ مذاہب عالم کی کتب میں انبیاء علیہم السلام پر سنگین قسم کے الزامات عائد کیے گئے۔ آپ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو معصوم عن الخطاء قرار دیا۔ آپؐ نے تمام ہادیان مذاہب کی تعظیم و تکریم کا درس دیا ہے۔

ایمان بالآخرۃ

اسلام کی رو سے اس دنیا کے علاوہ ایک اور دنیا ہے جو دار الخلد ہے اس دنیا میں ہمارے اعمال کا حساب کتاب ہوگا اچھے اعمال والے

بہشت میں جائیں گے اور بُرے اعمال والے دوزخ میں۔ اس عقیدہ کے بارے میں دیگر عقائد کی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فضیلت حاصل ہے۔ بہشت اور دوزخ کی نوعیت اور کیفیت بیان کی جبکہ دوسرے مذاہب میں صرف ایمان لانے کا ذکر تو ہے لیکن بہشت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کی کیفیت بیان نہیں کی گئی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا کہ بہشت اور دوزخ کشورِ وراء القبر ۔کے سفر تک ارتقائی منازل کے دو مختلف نام ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا بہشت ہماری روح کی ارتقائی اور بہترین حالت کا نام ہے جب ہماری روح خدائی صفات سے متصف ہو جاتی ہے اور الٰہی صفات میں رنگین ہو جاتی ہے جذبات انسانی الٰہی اخلاق میں منتقل ہو جاتے ہیں تو اس انسان کی بہشتی زندگی شروع ہو جاتی ہے مرنے کے بعد انسان کی سوچ کو اس کے اعمال حسنہ کے مطابق نورانی جسم دیا جائے گا اور روحانی نعماء سے لطف اندوز ہوگا اس کے برعکس جس نے الٰہی تعلیمات کے خلاف زندگی بسر کی اس کو اس کے مرنے کے بعد ظلمت کا لباس پہنایا جائے گا وہ روحانی دکھ اور درد میں زندگی گزارے گا۔ جب اس کی روح گناہوں کی غلاظتوں سے پاک صاف ہو جائے گی تو اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ گویا انسان کا بہشت اس کی روح کی ارتقائی حالت کا نام ہے اور دوزخ روح کے ہبوط کا نام ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے ''جو شخص اپنی روح کا تزکیہ کر لیتا ہے وہ فلاح پا جاتا ہے اور جو شخص اپنی روح کو گناہوں کی غلاظتوں میں ملوث کر لیتا ہے وہ ناکام رہے گا۔ (۹:۹۰،۱۰)

ایمان بالقدر

(مسئلہ خیر وشر) یہ مسئلہ بھی ادق اور مشکل ہے اس کی حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے بعضوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کی رو سے دنیا میں ہر شے کے لیے ایک اندازہ مقرر ہے اور اس کے استعمال کا معین محل و موقع ہے اگر وہ شے اللہ تعالیٰ کے معین اندازے اور برمحل وموقع استعمال کی جائے گی تو وہ شے زندگی بخش اور مفید ثابت ہوگی اگر وہی شے برمحل اور وقت پر مقرر نہ کی جائے تو اس کی خوبی اور اچھائی عیب اور برائی میں بدل جائے گی مثلاً پانی باعث حیات ہے، لیکن کثرت سے پینے سے مرض استسقاء پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غذا ہے، مناسب طریقے سے کھائی جائے تو قوت بخش ہے لیکن بکثرت کھانے سے ضعف معدہ کا مرض لاحق ہو جائے گا۔ سنکھیا اگر طب کے اصول کے مطابق استعمال کیا جائے تو شفایاب ہے اگر طبی اصول سے ہٹ کر استعمال کیا جائے تو باعث موت ہے۔ غرض کہ دنیا کی ہر چیز انسان کے فائدے کے لیے خلق کی گئی ہے اگر کسی چیز سے نقصان پہنچتا ہے تو انسان کی اپنی کوتاہی ہے کہ اس شے کو غلط رنگ میں استعمال کیا گیا ہے اور نقصان پہنچا ہے۔ غرض کہ اللہ تعالیٰ کی ہر پیدا کردہ چیز ایک اندازہ اور تقدیر سے چل رہی ہے۔ اور ہر چیز کو معین کردہ اصول کے مطابق ہی استعمال میں لانا چاہیے ایمان بالقدر لانے سے انسان کا قدم ترقی کی طرف اٹھے گا۔ ہلاکت اور تباہی سے بچ جائے گا۔ اگر نقصان ہوا ہے تو وہ سمجھ جائے گا کہ اس نے تقدیر الٰہی (اللہ کے قانون) کو توڑا ہے۔

عبادت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذہبی پالیسی کا دوسرا رکن عبادت ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کائنات کی ہر شے کا خالق مالک، اللہ ہی ہے تو پھر ہر انسان پر اپنے مالک کے احکام کی پیروی لازم ہو جاتی ہے۔ یہی فلسفہ اسلامی عبادت کا ہے۔ قرآن مجید نے بنی نوع انسان کی پیدائش کی غرض و غایت ہی عبادت قرار دی ہے ارشاد الٰہی ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات ۵۱:۵۶) کہ میں نے جن وانس اس لیے پیدا کیے ہیں تاکہ وہ میری عبادت کریں۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ ۲:۲۱) اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں پیدا کیا اور انھیں جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی ہو۔

اسلام میں عبادت کا مفہوم چند الفاظ اور حرکات کا نام نہیں ہے بلکہ لفظ عبادت اپنے اندر ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے اللہ ہمارے چند تعریفی کلمات کا محتاج نہیں وہ غنی اور صمد ہے اسلام میں اللہ کی عبادت کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ کے بتائے ہوئے احکام کا جوا اپنی گردن پر رکھ لے اور اس کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے اپنے آپ کو الٰہی صفات میں رنگیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار اصول ایسے مقرر

کیے ہیں جن کو بجالانے سے انسان جادہ حق سے بھٹکتا نہیں وہ ہیں نماز، روزہ، زکوۃ، حج۔

یہ اصول اور ارکان انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہیں۔ انسان کی روحانی اور دنیاوی زندگی کے لیے مشعل راہ ہیں۔ انسان کو پاکیزگی، اخوت، مساوات، رواداری، انصاف، شکر، انکساری، رفق و لطف، زہد و قناعت، خدمت خلق، امانت دیانت، اعتدال وغیرہ کا سبق دیتے ہیں۔ مذکورہ چار ارکان چند کلمات اور حرکات کا نام نہیں ہیں بلکہ ان کے اندر زندگی بسر کرنے کا فلسفہ مضمر ہے۔ ان میں قوموں کی ترقی کے اصول مضمر ہیں۔ انہی اصولوں پر چل کر مسلمان بام عروج تک پہنچے۔

اخلاق

خُلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذہبی پالیسی کا ایک اہم عنصر ہے۔ خُلق کیا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات میں اپنے آپ کو رنگ کر لینا۔ خدا کی صفات کی مقتضیات کو پورا کرنا۔ گویا اخلاق حسنہ صفات الٰہیہ سے ہی براہ راست تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارے اخلاق انھیں صفات کے اظلال اور آثار ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت ہی یہ بیان کی ہے ارشاد الٰہی ہے۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (سورہ جمعہ ۲:۶۲) اللہ وہ ذات ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں اپنا رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے۔ وہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو گناہوں کی میل سے پاک کرتا ہے اور ان کو کتب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (الشمس ۱۹۹:۹۱) کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور ناکام و نامراد ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی میل سے ملوث کیا۔

تزکیہ نفس کیا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات کا اعمال انسانی سے ظہور۔ اس کے برعکس جو ہوگا جو صفات الٰہیہ کی مقتضیات کے منافی ہوگا۔ اس کا نام بدخلقی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ (کنز العمال ۱۶/۳) میں اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاق حسنہ کی تکمیل کروں۔

فرمایا اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا (ترمذی کتاب الایمان باب فی استکمال الایمان) مومنوں میں سے ایمان کے لحاظ سے کامل وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔

فرمایا اِنَّ مِنْ خِیَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا (بخاری کتاب الادب، باب حسن الخلق) تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔

قرآن مجید نے ایمان اور عمل صالح (اخلاق فاضلہ) کو اکٹھا بیان کیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا (بقرہ ۶۲:۲) جو اللہ اور آخری دن پر ایمان لائیں اور نیک کام بجالائیں۔

دوسری جگہ آتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (بقرہ ۸۲:۲) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے۔

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ ایمان اور اعمال صالح (اخلاق فاضلہ) لازم وملزوم ہیں۔

دنیاوی زندگی کے شعبے

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام میں روحانی اور مادی زندگی لازم وملزوم ہے۔ اسلام نے جہاں روحانی زندگی کے اصول بتائے ہیں جن پر چل کر انسان روحانی مدارج حاصل کرسکتا ہے اس کے ساتھ ہی مادی زندگی کے متعلق پوری پوری راہنمائی کی۔ جن پر چلے بغیر انسان پرسکون زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ مادی زندگی کے ادارے یہ ہیں۔ عائلی، معاشرتی، سیاسی، اقتصادی ان شعبوں کے ضمن میں بہت سے ذیلی ادارے آجاتے ہیں۔ جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکمل تعلیم دی ہے۔ اسی باب میں مادی زندگی کے اداروں کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی روشنی میں تفصیلاً بحث گزر چکی ہے۔ اعادہ باعث طوالت ہے۔ دوم ان شعبوں پر سیرت سید البشر کے حصہ دوم میں مفصل بحث کی جائے گی۔

رسول کریم ﷺ بحیثیت طبیب

طب سے تعلق پہلا قدم:۔اصول صحت کو شریعت کا جز قرار دینا

رسول کریم ﷺ ایک روحانی طبیب بنا کر بھیجے گئے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کا فریضہ روحانی امراض کو دور کرنا ہوتا ہے رسول کریم ﷺ کو بدنی امراض کے طبیب نہ تھے۔ لیکن پھر بھی بدنی امراض کی اصلاح کے لیے کچھ ایسے اصول وضع کیے ہیں جو شریعت کا حصہ ہیں وہ اصول جن کا اثر ظاہر اور باطن دونوں پر پڑتا ہے اور انسان بے شمار بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ ان اصولوں میں ایک طہارت بدنی ہے۔ آپ ﷺ نے طہارت اور پاکیزگی پر بہت زور دیا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر ۷۴: ۱۔۵)

اے چادر اوڑھنے والے اٹھ اور ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی کر۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور ناپاکی سے دور رہ۔

اس آیت کریمہ وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ میں ظاہری پاکیزگی کی تاکید فرمائی ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں اَلنَّظَافَةُ مِنَ الْاِیْمَانِ یعنی پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے ظاہری پاکیزگی کو جہاں تک لازمی قرار دیا ہے۔ کپڑوں اور بدن کی پاکیزگی نماز کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ بدن کی صفائی کے لیے پانچوں نمازوں کے لیے وضو کرنا لازمی ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں نماز جنت کی چابی ہے اور وضو نماز کی۔ مجامعت کے بعد غسل کرنا واجب ہے اسی طرح ظاہری پاکیزگی اور صفائی کے لیے اکثر ہدایات دیا کرتے تھے۔ جمعہ کے دن صاف اور دھلے ہوئے کپڑے پہننے اور غسل کو مستحب قرار دیا۔ اگر کوئی شخص ظاہری پاکیزگی کو اختیار نہیں کرتا تھا تو آپ ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے تھے۔

کھانا پینا بھی بدنی امراض کا ایک سبب ہے۔ تو اس سبب کو دُور کرنے کے لیے ہدایت فرمائی کہ پاکیزہ (طیب) کھانے کھایا کرو۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا (البقرہ۲: ۱۶۸)

اے لوگو! اس سے جو زمین میں ہے حلال اور پاکیزہ کھاؤ۔ دوسری جگہ آتا ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ (البقرہ۲: ۱۷۲)

اے لوگو! جو ایمان لائے ان پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تم کو دی۔

مزید براں حلال اور طیب کی وضاحت بھی قرآن مجید اور احادیث میں بیان فرما دی ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ (البقرہ۲: ۱۷۲)

اس نے تم پر صرف مُردار اور اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جسے اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لیے پکارا جائے حرام کیا۔ دوسری جگہ مزید حرام چیزوں کی وضاحت قرآن مجید میں آئی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّیَةُ وَ النَّطِیْحَةُ وَ مَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَ مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ (المائدہ ۵: ۳)

تم پر مردار، خون اور سور کا گوشت اور وہ جس پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹ کر مرا ہوا۔ اور چوٹ لگ کر مرا ہوا اور گر کر مرا ہوا اور سینگ لگ کر مرا ہوا۔ اور وہ جو درندوں نے کھایا ہو۔ (ہاں جسے تم ذبح کر لو تم کھا لو) وہ کھانا حرام کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی

حرام ہے جو تھانوں پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور یہ کہ تم پانسوں سے قسمت معلوم کرو۔

اس آیت کریمہ وہ تمام غذائیں جو بدنی اور روحانی امراض کا سبب تھیں حرام قرار دی گئی ہیں۔

سمندری جانوروں کے متعلق فرمایا اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ یعنی تمہارے سمندر کا شکار اور کھانا حلال کیا جاتا ہے۔

طہارت اور اکل حلال وحرام ایک ایسا موضوع ہے جو حدیث سیرت اور فقہ کی کتب میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ اس موضوع کا تعلق صرف شریعت سے ہی نہیں بلکہ بدنی امراض کی اصلاح سے بھی ہے۔ دور حاضر میں طب نے صحت کے لیے طہارت، اکل حلال اور طیب غذاؤں کو ضروری قرار دیا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی حکمت کہ آپ ﷺ نے ان چیزوں کی نشان دہی کر دی ہے۔ جن کے اپنانے سے بدنی اور روحانی امراض درست ہوتی ہیں۔ اور انحراف سے امراض بڑھتی ہیں رسول کریم ﷺ کے نزدیک ظاہر اور باطن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ رسول کریم ﷺ نے صحت کو برقرار رکھنے کے لیے کثرت سے عبادت اور مسلسل روزے رکھنے سے منع فرما دیا۔

دوسرا قدم

بیماری کی تشخیص اوراس کا علاج

جب سے انسان پیدا ہوا ہے۔ وبائیں، بیماریاں ساتھ ساتھ ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ ان بیماریوں کا علاج نہیں ہوتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ کہ انسان کو جس قسم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بعض ایسے آدمی پیدا کر دیتا ہے۔ جو تفہیم الٰہیہ سے اس ضرورت کو پورا کر دیتے ہیں سنت الٰہیہ صرف روحانی امور میں ہی نہیں بلکہ مادی امور میں بھی ہے۔ طب بھی ان انسانی ضرورتوں میں سے ایک ضرورت ہے گو طب کا آغاز انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ قدیم تاریخ میں اطباء میں سے جالینوس (م ۲۰۱ء) کا نام مشہور ہے۔ اس طرح کئی اطباء گزرے ہیں جن کے نام تاریخ میں ہیں۔ جس طرح روحانی امور میں انسان کی گمراہیاں پائی جاتی ہیں اسی طرح بیماریوں کے اسباب اور علاج کے متعلق گمراہیاں پائی جاتی ہیں۔ یہ گمراہیاں صرف قدیم دور میں ہی نہیں پائی جاتی تھیں بلکہ دور حاضر میں پائی جاتی ہیں۔ دور قدیم میں جب کوئی وبا پھیلتی تو پیشوا اس کو دیوتاؤں کی ناراضگی قرار دیتے کوڑھ کو گناہوں کو سبب قرار دیتے دیوتاؤں کا غصہ دور کرنے کے لیے مختلف قسم کی قربانیاں کرتے ان قربانیوں میں سے انسان کی بھی قربانی تھی۔ ۱۹۴۲ء میں پنجاب میں ہیضے کی وباء پھیلی امرتسر کے ایک رئیس باوا گورکھ سنگھ نے ایک سو پنڈتوں سے گول باغ میں چالیس روز ہون کروایا جس میں تقریباً ۲۰۰ من دیسی گھی اس امید پر اشلوکوں کے ساتھ آگ میں ڈالا کہ وباء جاتی رہے۔ الغرض قدیم زمانے سے لے کر دور حاضر تک بیماریوں کے اسباب اور علاج کی بنیاد توہمات پر ہے۔ روشنی کا دور ہے پھر بھی دیہاتوں میں جائیں آج بھی بیماریوں کا علاج تعویز اور ٹونے ٹوٹکوں کے ساتھ کیے جا رہے ہیں۔ پیروں کے پاس جا کر بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لیے دعائیں کرائی جا رہی ہیں۔ پیر بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لیے وظیفے بتا رہے ہیں رسول کریم ﷺ پہلے روحانی طبیب ہیں جنہوں نے جسمانی صحت کے اصول شریعت کا جز قرار دیئے پھر بدنی امراض کے لیے دواؤں کی نشان دہی کی۔ اور اصولی طور پر فرمایا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ دَوَاءً یعنی خدا نے کوئی بیماری نازل کی ہے تو اس کے ساتھ دوائی بھی نازل کی ہے۔ وہ فرمان ہے جس نے مستقبل میں طب کی ترقی کا دروازہ وا کر دیا۔ پھر فرمایا۔ وَاِذَا اُصِيْبَ الدَّوَاءُ بِالدَّاءِ بَرَاءَ بِاِذْنِ اللّٰهِ اگر آپ کسی بیماری کا علاج کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے علم الامراض سیکھئے پھر علم الادویہ کی طرف رجوع کیجئے کیونکہ بیماری سے شفاء اللہ کے حکم سے ہے۔ کیونکہ دوائی میں بیماری دور کرنے کی خصوصیت اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کی ہے۔

پس رسول کریم ﷺ نے بدنی بیماری کے متعلق دو باتوں کا ذکر کیا ہے ایک اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوا پیدا کی ہے تاکہ انسان طب کے شعبہ میں تحقیق کرے۔ اور بیماریوں کا علاج معلوم کرے۔ دوم یہ بتایا کہ اگر کوئی انسان بیمار جائے تو اس کو دواء کے ساتھ علاج کرانا چاہئے۔

احادیث میں ذکر ہے کہ رسول کریم ﷺ نے بعض بیماریوں کے لیے ادویہ بھی بیان فرمائی ہیں۔ آپ ﷺ کی طب سے متعلق معلومات کا ذکر سیرت نگاروں نے بھی کیا ہے ڈاکٹر صلاح الدین منجد نے سیرت کی کتابیات مرتب کیں اس میں طب نبوی پر پچیس کتب کا ذکر

کیا۔ اردو زبان میں بھی بہت کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے پاکستان کے ایک ماہر ڈاکٹر خالد غزنوی ابن اسماعیل غزنوی نے طب نبوی اور جدید سائنس پر بہت عمدہ کام کیا ہے۔

شہد

رسول کریم ﷺ نے شہد کی بہت تعریف کی ہے اور قرآن مجید میں بھی یہ ذکر ہے کہ اس میں بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ رسول کریم ﷺ نہار منہ شہد کا شربت پیتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پینے والی چیزوں میں آپ ﷺ کو شہد بہت پسند تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص ہر مہینہ میں کم سے کم تین دن شہد چاٹ لے۔ اس کو اس مہینہ میں کوئی بڑی بیماری نہ ہو گی۔

مسروق کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہوا۔ تو میں نے دیکھا کہ ان کے قریب ایک اندھا شخص بیٹھا ہوا تھا حضرت عائشہؓ ترنج کا ٹکڑا شہد میں لگا کر اس کو کھلا رہی تھیں۔ میں نے عرض کیا کہ ام المومنین یہ کون ہے؟ فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر غصہ کیا تھا۔ (یعنی حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ)

اس حدیث کے متعلق شارح نے لکھا ہے کہ یہ ترنج کے ساتھ نہار منہ کھانا دل و دماغ کے لیے بہت مفید ہے۔

شہد کے فوائد

شہد نہار منہ چاٹنے سے بلغم دور ہوتا ہے۔ معدہ صاف ہوتا ہے۔ فضلات ضائع ہوتے ہیں سُدے کھلتے ہیں۔ معدے کو اعتدال پر لاتا ہے۔ شہد مثانہ اور گردہ کی پتھری کو توڑ کر خارج کرتا ہے۔ یرقان۔ فالج۔ لقوہ اور امراض سینہ میں مفید ہے شہد جگر کے فعل کو بیدار کرتا ہے۔ دمہ کے مریض کے لیے مفید ہے سانس کی نالیوں کے ورم کو دور کرتا ہے۔ زخموں کے لیے بہت مفید ہے شہد کو سرکے میں حل کر کے مسوڑھوں پر لگایا جایا تو مسوڑھوں کا ورم دور ہو جاتا ہے۔ شہد جسم میں طاقت اور حرارت غریزی کو قوی کرتا ہے۔

انجیر

جامع کبیر میں لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ انجیر کھانے سے آدمی مرض قولنج سے محفوظ رہتا ہے۔

ایک روایت ہے۔ کہ آپ ﷺ کی خدمت میں کہیں سے انجیر سے بھرا ہوا تھال آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''کھاؤ'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر میں کہتا کہ جنت سے ایک کھانا آیا تو میں کہتا یہ انجیر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے انجیر کے دو بڑے فائدے بیان فرمائے۔ 1- بواسیر ختم ہو جاتی ہے۔ 2- جوڑوں کے درد میں مفید ہے۔

انجیر، جگر اور تلی کو تقویت دیتی ہے۔ نہار منہ کھانے سے پتے اور خون کی نالیوں سے پتھریاں اور سدے خارج کرتی ہے۔ بھوک بڑھاتی ہے۔ ہاضمہ درست کرتی ہے۔

زیتون کا تیل

ابو نعیم نے کتاب الطب میں لکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ اے علی! زیتون کھایا کرو۔ اس کے تیل کی مالش کیا کرو۔ اس لیے کہ جو شخص روغن زیتون کی مالش کرتا ہے۔ اس کے پاس چالیس روز تک شیطان (بیماری) نہیں آتا۔ زیتون عمل تیزابیت کو ختم کرتا ہے۔ معدہ میں کینسر زخم کی صورت میں ہو تو زیتون کا تیل شافی علاج ہے۔ جھلیوں کی حفاظت کرتا ہے۔ انفلوئنزا اور نمونیہ کے خلاف قوت مدافعت پیدا کرتا ہے۔

کھجور

ابو نعیم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کھجوروں میں سب سے بہتر برنی کھجور ہے کیونکہ یہ پیٹ سے بیماری نکالتی ہے اور اس میں کوئی بیماری نہیں ہے۔

رسول کریمﷺ نوزائیدہ بچوں کے لیے کھجور کی گھٹی پسند فرماتے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ میرے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ میں اسے لے کر نبی کریمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپﷺ نے کھجور چبا کر اس کے منہ میں ڈالی۔

فوائد

کمزوری کو دور کر کے قوت بخشتی ہے۔ قولنج کے لیے فائدہ مند ہے۔ نہار منہ کھانے سے پیٹ کے کیڑے مر جاتے ہیں۔ جگر کو زہروں کے اثرات سے محفوظ رکھتی ہے۔ جگر کی بیماریوں کے لیے بہترین دوا ہے۔ اسہال کو دور کرتی ہے۔ یرقان کا بہترین علاج ہے۔ جسم کو فربہ کرتی ہے۔

انار

رسول کریمﷺ نے انار کو جنت کا پھل قرار دیا ہے۔ جب کسی پھل کو جنت کا پھل قرار دیا جاتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ انسانوں کے لیے بہت مفید ہے پھل کے فوائد بیان کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ اس پھل کو جنت کا پھل قرار دے دیا جائے۔

فوائد

کھانسی کا بہترین علاج ہے اسہال کو دُور کرتا ہے امراض قلب کے لیے بہت مفید ہے۔ قے کو روکتا ہے۔ انار جگر کے عمل کو درست کرتا ہے۔ خون پیدا کرتا ہے۔ انار کے پھول اسہال بواسیر، پیٹ کے کیڑوں کا شافی علاج ہیں۔

کلونجی

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمﷺ نے فرمایا کہ کلونجی سوائے موت کے اور ہر مرض کی دوا ہے۔

کلونجی نفخ اور ریاح کو تحلیل کرتی ہے۔ اس کے کھانے سے پیٹ کے کیڑے مر جاتے ہیں۔ حیض بند ہو جائے تو اس کو جاری کرتی ہے۔ لیپ کرنے سے سر کا درد دور ہو جاتا ہے۔ پھوڑے پھنسی خشکی کی وجہ سے جسم پر پپڑیاں ہو جائیں اس کے کھانے سے دور ہو جاتی ہیں۔ کلونجی سوداوی اور بلغمی بخار کو دور کرتی ہے۔

رسول کریمﷺ نے جہاں صحت بدنی کے لیے اہم اصول شریعت کا حصہ قرار دیئے ہیں وہاں بدنی صحت کے لیے ایک اور اہم اصول بیان کیا ہے اگرچہ اس اصول کو شریعت کا حصہ قرار نہیں دیا۔ لیکن اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے وہ ہے کھانے پینے میں اعتدال اور کم خوری۔ قرآن مجید میں آتا ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَاتُسْرِفُوْا کھاؤ پیو اور اسراف (دوسرے زیادہ) نہ کرو۔

رسول کریمﷺ نے فرمایا انسان کو چاہئے کہ جب کھائے تو اس کے تین حصے اس طرح کرے کہ ایک حصہ کھائے اور ایک حصہ پیٹ کا پانی کے لیے رکھے۔ اور ایک حصہ سانس کی آمدورفت کے لیے چھوڑ دے۔ اسلام میں روزوں کے مقاصد میں سے ایک مقصد کم خوری کی عادت ڈالنا ہے۔

آج طب نے اسی اصول کو تسلیم کیا ہے کہ کم خوری انسانی صحت کے لیے ضروری ہے اور بسیار خوری امراض کی جڑ ہے۔ اسی وجہ سے اطباء بھوک رکھ کر کھانے کی تلقین کرتے ہیں۔

اختتام

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ

سیرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ اوّل

پروفیسر چودھری غلام رسول چیمہ